ماہنامہ
چہار رنگ
دہلی
خاص نمب
15/=

www.taemeernews.com

نایاب کہانی نمبر

ایڈیٹر
طارق مصطفےٰ صدیقی

اگست ۱۹۸۹ء

جلد :- ۱۰
شمارہ :- ۱۱۸

اس شمارہ کی
قیمت
۱۵/-

ماہنامہ صبا
دہلی

فی شمارہ ۸ روپے
سالانہ ۱۵۰ روپے

پرنٹر پبلشر:- طارق مصطفےٰ صدیقی
مطبوعہ:- لکشمی پرنٹنگ ورکس لال کنواں دہلی ۶

بحسن اشتراک
ماہنامہ چہار رنگ ۲۲۷۴ گلی قاسم جان بلی ماران دہلی ۶

www.taemeernews.com

رنگ و بو

ناگ کی محبوبہ	زندہ حسن	۸
خالی تابوت	ادارہ	۱۲
کسک	راج ہنس	۲۱
حلقۂ زنجیر	انجم گیانی	۶۸
درندہ	محمد طارق	۱۱۰
اژدھا (قسط ۱۹)	ایم اے راحت	۱۲۱
خواب پشیماں	ایم الیاس	۱۵۲
دستک	احمد صغیر صدیقی	۱۶۳
عقابوں کے حملے	ابن صفی	۱۶۸
ورثہ	ادارہ	۲۰۸

www.taemeernews.com

فنگر پرنٹس		سید احتشام	۲۱۵
نقش فریادی		تفسیر فاروقی	۲۲۲
سہمی ہوئی لڑکی		ابن صفی	۲۲۷
محبِ وطن		محمد شہزاد اصغر	۲۲۴
بساط	قسط وار	ایم اے راحت	۲۳۱
رات کے راہی		اقبال پاریکھ	۳۶۱
شکاری		پروفیسر واجد نگینوی	۳۶۸
شوہر		عبید احمد	۳۷۱
جزیرۂ مرگ		مشتاق احمد قریشی	۳۷۶
اعتراف		شہناز حامد	۳۹۹

ناگ کی محبوبہ

● زہرہ حسن

جب میں اسٹیج پر نمودار ہوتی تو لوگ عش عش کر اٹھتے میں بڑے بڑے خطرناک رقص کیا کرتی کہ لوگوں کی دلوں کی دھڑکنے رک جائیں۔ اب بھی تھیٹر کے ہال پر گہرا سکوت طاری تھا۔ ہیبت اور دل کو ہلا دینے والا سکوت اس خاموش اور ہولناک فضا میں بس تماشائیوں کے تیز تیز سانسوں کی آوازیں کسی تاریک رات میں قبرستان کے درختوں کے درمیان سرسراتی ہواؤں یا کسی آوارہ روح کی دبی دبی سسکیوں کی طرح گونج رہی تھی۔ ہر تماشائی دہشت خوف اور سنسنی اور دلچسپی کے ملے جلے آثار لیئے چہرے پر لئے پورے انہماک سے اسٹیج کی طرف متوجہ تھا۔ ہال پر گہری تاریکی مسلط تھی۔

اسٹیج پر پھیلی ہوئی مدھم سی خوف انگیز روشنی کا ہلکا سا عکس تماشائیوں کی اگلی قطار میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر پڑ رہا تھا۔

میں اس وقت بہت ڈرا دینا رقص پیش کر رہی تھی سامنے ایک چبوترے پر ایک نوجوان لیٹا ہوا تھا جیسے وہ سو رہا ہو۔ اس کی گردن چبوترے سے باہر لٹک رہی تھی۔ ایک کالا جلاد ہاتھ میں تیز دھار آلہ لئے کھڑا تھا۔ میں نے رقص میں شدت پیدا کرتے ہوئے اپنے اوپری لباس کا بند کھول دیا پھر آہستہ آہستہ نچلا لباس فرش پر گرا دیا۔ میں لباس سے آزاد رقص کرتے ہوئے چبوترے کے بالکل قریب پہنچی۔ اسی لمحے جلاد نے تیز دھار آلے سے نوجوان کی گردن کاٹ ڈالی۔

www.taemeernews.com

اس کی گردن سے خون کا فوارہ ابلا اور نیچے گرنے لگا میں اس کے خون کے دھارے کے نیچے کھڑی ہو کر رقص کرنے لگی۔ اس کے خون سے میرا پورا جسم تر ہو گیا میرا جسم خون سے بالکل سرخ رنگ کا ہو چکا تھا کچھ تماشائیوں نے تالی بجا کر داد دی۔ دوسرے لمحے اس نوجوان کی گردن جڑ گئی اور وہ مجھے اپنی باہوں میں اٹھا کر اسٹیج سے باہر لے گیا۔ اس رقص کے اختتام پر اسٹیج پر پردہ گر گیا۔ میں نے پہلے غسل خانے میں جا کر غسل کیا اور جانوروں کا خون دھویا اور اسٹیج کے عقب میں اپنے کمرے میں چلی آئی ایک ملازم نے آ کر مجھے ایک رقعہ دیا میں اس وقت تھکی ہوئی تھی۔ رقعہ پر نظر ڈالے بغیر بگڑ کر بولی: لے جاؤ اسکو میں اس وقت کسی سے نہیں ملوں گی!

میڈم میں نے ان سے یہی کہا تھا لیکن وہ بضد ہے۔ اور آپ سے بہت ضرور ملنا چاہتے ہیں وہ کسی قیمت پر بھی ٹلنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مجبوراً مجھے ملنا پڑا۔ لباس درست کرنے کے بعد اسے وہیں چھوڑ کر میں کمرہ انتظار میں پہنچی تو ایک خوبرو نوجوان صوفے پر دراز تھا۔ اس نے اپنی چکدار نظریں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔ آؤ آؤ...... گرشیا...... میرے پاس آؤ...... اس کی آنکھیں سانپ جیسی تھیں اور میں کسی سحر زدہ کی طرح اس کے حکم کی تعمیل میں کمرے کے وسط میں آگئی اس نے مجھے خندہ پیشانی سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں سحر زدہ سی اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ وہ جادو اثر نظروں سے میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے بے تکلفانہ رویے اور اپنی انا کے شدید تقاضے کے باوجود میں اسے تم سے مخاطب کرنے کی جسارت نہ کر سکی نہ جانے کیوں۔ لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرمندگی نہیں کہ میں زندگی میں پہلی بار کسی انسان سے اس قدر مرعوب اور متاثر ہوئی تھی ورنہ اپنی شہرت اور حسن کی وجہ سے میں بڑوں بڑوں کو نظر انداز کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔

وہ بے باکی سے بولا۔ میں تمہیں چاہتا ہوں گرشیا جب سے تمہارا رقص دیکھا ہے میں دیوانہ ہو چکا ہوں۔

میں نے اس کی طرف دیکھا تو نظریں چار نہ کر سکی اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ میں رات کو تمہارے پاس آؤنگا ...... خدا حافظ! وہ پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ چلا گیا۔ اجنبی سے مل کر اپنے گھر آ گئی۔ رات گیارہ بجے کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ اچانک میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں بے خودی کے عالم میں چلتی ہوئی دروازے تک پہنچ گئی۔ دروازہ کھولا تو اجنبی موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک نمودار ہوئی تم میری منتظر تھی نا گرشیا ڈارلنگ اس نے وفورِ جذبات سے لرزتی آواز میں کہا۔ دیوتاؤں کی قسم ہمیں کوئی جدا نہ کر سکے گا۔

میں نے نظریں جھکا لیں۔ میری کنپٹی تپنے لگی۔ چند ثانیوں تک ہم خاموش بیٹھے رہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ گفتگو کی ابتدا کس طرح کروں۔ آخر اجنبی نے سکوت کو توڑا۔ گرشیا میں مسافر ہوں میرا نام ناگان ہے۔ مجھے جلد از جلد اپنے جزیرے پر پہنچنا ہے۔ گرشیا ڈارلنگ تم بھی تو کچھ کہو ...! میں نے اس کی طرف دیکھا ایسا نوجوان میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا میں اس کی طرف کھنچی چلی گئی ...... ناگان!

میں تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ میں تمہاری ہوں ...... میں اس کے جسم سے لپٹ گئی۔ لیکن فوراً اس نے مجھے خود سے علیحدہ کر دیا لیکن میں اب بھی ان چند لمحوں کی کیفیت لفظوں میں بیان کرنے کی اہلیت نہیں پاتی جب میں پہلی مرتبہ اس سے بغلگیر ہوئی تھی اس کا جسم بالکل سرد تھا۔ سرد رات میں پہاڑی جھرنے کے پانی کی طرح۔ سرد حرارت غریزی سے یکسر محروم اور اس کے جسم سے ہلکی ہلکی بے حد ناگوار سی بو ابل رہی تھی جس

www.taemeernews.com

نے اسے خوشبویات کے بے تحاشا استعمال سے شاید دبانے کی کوشش کی تھی۔ ناگان چند ثانیوں تک بغیر پلک جھپکائے میری طرف دیکھتا رہا اور میں کسی پتھر کے بت کی طرح بے جان کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی۔

اس کی چمکدار آنکھوں سے نظر نہ آنے والی طاقتور لہروں کے اخراج نے مجھے بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

پھر مجھے اس کی پیار بھری آواز بہت دور سے آتی سنائی دی

گریشا تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ ہمیشہ کرتی رہوگی

آج سے تم میری ہو یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر نرمی پھیل گئی اور اس نے اپنے سیاہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک عجیب وغریب انگوٹھی نکالی اور میرا ہاتھ تھام کر وہ انگوٹھی انگشت شہادت میں پہنادی۔ انگوٹھی خالص سونے کی بنی ہوئی تھی۔ جس میں ایک سرخ چمکتا ہوا پتھر جڑا ہوا تھا اس سرخ پتھر پر ایک سنہرا سانپ کنڈل مارے پھن اٹھائے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے جزیرے کے باسی مجھے پکار رہے ہیں گریشا اب میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکوں گا۔ سب کچھ تم یہاں چھوڑ دو۔۔ میں دنیا کی ساری آسائش تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔ کل رات بندرگاہ سے ایک جہاز مشرق کے سفر پر روانہ ہونے والا ہے ہم اس سے چلیں گے۔

میں تمہاری باندی ہوں ناگان! جو تم چاہو وہی ہوگا

میں نے جواب دیا۔ کل شام چھ بجے جنوبی گھاٹ پر ملیں گے ہم وہیں سے روانہ ہو جائیں گے۔

اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ کسی کو تمہارے اس سفر کا علم نہ ہو پیاری!

ناگان نے جاتے جاتے پیار بھرے لہجے میں کہا اور میری طرف سے اطمینان دلانے کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اسی رات میں بمشکل دو گھنٹے سو سکی، بیدار ہوئی تو طبیعت اس طرح ہشاش بشاش تھی جیسے جی بھر کر سوئی ہوں سارا دن میں شام آنے کا انتظار کرتی رہی۔ ناگان پوری طرح دل و دماغ پر اور اعصاب پر چھا چکا تھا۔ میں اس میں کھو چکی تھی۔ مقررہ وقت سے پہلے گھر سے جنوبی گھاٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے یہ تک نہ سوچا کہ گھر چھوڑنے والے میرے سامنے انتظار میں ایک ایک لمحہ گن رہے ہوں گے میری اچانک روپوشی کو کیا سمجھیں گے۔ میں اس قسم کے ہر خیال سے

بے نیاز ایک مرتبہ پھر ناگان اپنے پیارے ناگان کو دیکھ لینے کے لیے بےتاب تھی میں اپنا سوٹ کیس سنبھالے یونہی جنوبی گھاٹ کی پتلی سڑکوں پر گھومتی رہی۔ ٹھیک چھ بجے مجھے سامنے سے ناگان آتا نظر آیا۔ پھر میرے قریب آیا اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے چلا۔ اس وقت اس کا ہاتھ گرم تھا۔ عام انسانوں کی طرح جب ہم گودی کے پھاٹک سے اندر داخل ہوئے تو کسی نے کچھ نہ پوچھا جب ہم کسٹم لاؤنج سے گذر کر گودی پر لنگر انداز جہاز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تو ایک وردی پوش کسٹم آفیسر ہماری طرف بڑھا

آپ کے کاغذات جناب! اس نے بااخلاق لہجے میں ٹوکا۔ ناگان چلتے چلتے ایک جھٹکے سے رک گیا اور مڑ کر شعلہ بار نظروں سے آفیسر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جہاں تھا وہیں جم کر رہ گیا اور چہرے پر بے رونقی پھیل گئی۔ ہمارے سارے کاغذات مکمل ہیں۔ ناگان کی پرسکون آواز ابھری۔ تم خود ہی ہمیں جہاز تک پہنچاؤ گے یہ کہہ کر ناگان نے اپنی مقناطیسی آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں اور مجھے لئے آگے بڑھنے لگا۔ کسٹم آفیسر کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔

ہم سیڑھیاں طے کر کے جہاز کے عرشے پر پہنچ گئے تو وہ آفیسر لوٹ گیا۔ ناگان نے جیب سے ٹکٹ نکال کر جہاز کے عملے کے ایک رکن کو دکھائے تو وہ اسے راستہ بتانے لگے۔ درجہ اول کے کیبنوں کی قطار کے آگے بنی ہوئی راہداریوں سے گذرتے ہم بیالیسویں کیبن کی طرف جا رہے تھے۔ ہم لوگ کیبن میں داخل ہوئے۔ رات ساڑھے آٹھ بجے جہاز نے بندرگاہ چھوڑی نو بجے ڈنر کا گانگ بجا اور ہم دونوں ڈائننگ ہال میں آ گئے۔ وہاں قہقہوں اور خوش گپیوں کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب رواں تھا۔ میں نے محسوس کیا ہمارے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ خوف اور دلچسپی کی جھلکیاں آنکھوں میں لئے ناگان کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ ان سب سے بظاہر لاپرواہ ہو کر کھانے کے ساتھ انصاف کئے جا رہا تھا۔

کھانے کے فوراً بعد ہم کیبن میں لوٹ آئے۔ میں نے منسلکہ باتھ روم میں جا کر سونے کا لباس تبدیل کیا اور بستر پر دراز ہو گئی ذرا دیر بعد ناگان نے بجلی آف کر کے زیرو واٹ کا سبز بلب روشن کر دیا اور خود بھی بستر پر دراز ہو گیا۔ تین دن اور تین راتوں تک ہمارا جہاز بغیر خشکی کے قریب سے گذرے گہرے سمندر میں اپنا سفر طے کر رہا

www.taemeernews.com

تھا، چوتھی شب ہمارا جہاز ایک غیر آباد جزیرے پر رکا تو ناگان نے مجھے سفر ختم ہونے کی خوشخبری سنائی۔ سوٹ کیس سنبھال کر جب جب ہم اس ویران جزیرے پر اترنے لگے تو عرشے پر کھڑے ہوئے اور کیبنوں سے جھانکتے ہوئے مسافروں نے حیرت سے ہماری طرف دیکھا۔ پھر اتر کر ہم رفتہ رفتہ اونچے چٹانوں کے عقب میں ان کی نظروں سے روپوش ہو گئے۔ "کیا تم اس جزیرے پر رہتے ہو؟" میں نے کافی دور نکل آنے کے بعد اس ویران جزیرے کے بارے میں ناگان سے سوال کیا۔

"نہیں" ناگان کے لہجے میں ہلکا سا جوش نمایاں تھا "دوسری طرف ماہی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی ہے وہ کرایہ لے کر ہمیں جزیرہ تک پہنچا دیں گے۔"

"جزیرہ!" میں نے حیرت سے کہا۔ "کیا جزیرہ کا نام ہے؟" ناگان کی آنکھوں میں وحشیانہ سی چمک نمودار ہو گئی "ہم پچھلی سات نسلوں سے جزیرہ کے مالک ہیں۔!"

"تو... تو کیا تم وہاں تنہا نہیں رہتے؟" میں نے مسرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"بالکل تنہا!" اس نے اداس ہو کر سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ "میں اپنی نسل کا آخری نمائندہ ہوں۔"

"آخر تم اس ویرانی میں کیوں رہتے ہو۔؟" میں پہلی مرتبہ اس کی نجی زندگی کے بارے میں سوالات کر رہی تھی اور وہ غور کر کے مجھے خاموش کرانے کے بجائے جواب دیتا رہا تھا۔

"یہ ویرانیاں مجھے اس عہد کی یاد دلاتی ہیں جو کسی نے مرتے وقت مجھ سے لیا تھا۔" اس کی آواز رندھ گئی اور چہرہ فرط غیض سے سرخ ہو گیا۔ "میری سات نسلوں میں کوئی اس عہد کو پورا نہ کر سکا۔ لیکن... لیکن میں اسے..." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر یک خاموش ہو گیا اور غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو ہمیشہ مجھے ہراساں کرتی تھی۔ اور پھر اُنے عرصے میں دوسری مرتبہ مجھے اس کے بدن سے وہی ناگوار مہک اٹھتی محسوس ہوئی جو میں نے اس سے پہلے اس کے ساتھ ہم بغل ہوتے وقت محسوس کی تھی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور... اور شاید میرا چہرہ زرد پڑ گیا۔ چنانچہ ناگان نے بھی محسوس کر لیا اور عجیب انداز میں مسکرا کر

دوسری طرف دیکھنے لگا۔

مجھے ناگان کی اصلیت پر شبہ ہونے لگا اور جیسے جیسے میں سوچتی گئی میرا یقین پختہ ہوتا گیا کہ ناگان انسانی روپ میں کوئی موذی اور مہیب بلا ہے۔ شاید مرنے کے بعد بھی مجھ پر مسلط رہنے کی کوشش کرے گی۔

تھوڑی دیر بعد جب ہم جزیرے کے دوسرے کنارے پر ماہی گیروں کی مختصر سی بستی میں پہنچ گئے۔ انھوں نے بڑی حیرت کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔

ایک ادھیڑ عمر ماہی گیر جو اپنے اطوار سے ان سب کا سردار لگتا تھا۔ ہم سے مخاطب ہوا۔ "کیا پھر کوئی بدنصیب جہاز غرق ہو گیا صاحب؟" اس کی آواز میں بلا کا درد نمایاں تھا۔

"نہیں... ہمارا جہاز تیل لینے اس پار رکا تھا تو ہم یہیں اتر گئے۔" ناگان نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے بتایا "اب ہم جزیرہ جانا چاہتے ہیں۔"

"جزیرہ؟" بوڑھے کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی اور چہرہ دھواں ہو گیا "وہاں بد روحوں کا راج ہے سرکار... بزرگو کہتے

www.taemeernews.com

سننے آئے ہیں کہ جزیرے پر دو ہزار برس سے سنہرے ناگوں کی حکمرانی ہے.... وہاں نہ جائیے سرکار۔"

"بوڑھے" ناگان نے غصیلے آواز میں کہا "ہم تجھے منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔"

ناگان کی آواز سن کر بوڑھے نے پہلی مرتبہ اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اور اچانک اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ کئی قدم پیچھے لڑکھڑا گیا اور پھنسی پھنسی آواز میں صرف اتنا کہہ سکا میں راضی ہوں مہاراج"!

کچھ دیر تک وہ بوڑھا ماہی گیر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے اپنے لئے رحم و ہمدردی کے جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن نظر آیا۔

تقریباً دو منٹ کے روح فرسا سکوت کے بعد بوڑھا ناگان سے مخاطب ہوا تھا "ہماری کشتیاں بہت چھوٹی ہیں سرکار کھلے سمندر میں آپ دونوں کو لے جانے میں سخت خطرہ ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو"! ناگان نے جیسے اس کے دل کی بات بھانپتے ہوئے کہا۔ پہلے بیگم کو اس جزیرہ پر کالی کھاڑی میں چھوڑ آؤ لیکن.... لیکن تمہارے پاس تو کئی کشتیاں ہوں گی۔ ناگان اچانک چونک کر بولا۔

"وہ موجود ہیں مہاراج! لیکن ایک کے پیندے میں سوراخ ہے۔ باقی کشتیاں سکار پر گئی ہوئی ہیں۔"
بوڑھے نے گڑگڑا کر کہا۔

"اچھا تو تم انہیں لے جاؤ"۔ ناگان نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بوڑھا مجھے ہمراہ لے کر ساحل پر ٹکتی موجوں کی طرف لے چلا ایک تندرست ماہی گیروں نے بخدمت اپنے سر لینا چاہی لیکن اس نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا۔

جب کشتی ساحل سے دور ہو کر کھلے پانی میں آگئی تو بوڑھے نے ترحم آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے زبان کھولی دنیا تو بہت بڑی ہے بیٹا.... میں ایک راز بتانے کے لئے تیرے ساتھ آیا ہوں۔"

مجھے پہلے سے کسی ایسی گفتگو کی توقع تھی "میں جانتی ہوں بابا کہ تم مجھے کوئی خاص بات بتانی چاہتے ہو۔"

"بیٹیا!" بوڑھا بادبان کا رسہ کھینچتے ہوئے بولا۔ کبھی تجھے اپنے ساتھی کے بدن سے کوئی بو آئی ہے.... خاص بو جیسے سانپوں کو لپٹائے رکھنے سے آنے لگتی ہے۔

سمندر کی خنک ہوا کے باوجود میری پیشانی پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔ اور کانوں میں تیز سیٹیاں سی بجنے لگیں

"آتی ہے بابا" میں نے نقاہت آلود آواز میں جواب دیا جب وہ کسی بھی قسم کے جذبات کی رو میں ڈوب گیا ہو۔!"

"آہ!.... میری بچی!" بوڑھے کے دل کی گہرائیوں سے آہ نکلی۔ تو نے اپنے ساتھی کی آنکھیں نہیں دیکھیں کیسی چمکدار ہیں جیسے دو دئیے روشن ہوں پھر اس کی پتلیوں کے گرد سفید رنگ کے باریک گھیرے بھی ہیں۔

جلدی کہو بابا.... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" مجھے سخت وحشت ہونے لگی تھی۔

"وہ سنہرا ناگ ہے بیٹی! بوڑھے کے منہ سے یہ کلمات سنتے ہی بے اختیار میری چیخ نکل گئی اور سارے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی۔

میرے تجربے کے مطابق وہ کم سے کم دو سو سال پرانا ہے.... جب ناگ سو برس کا ہو جاتا ہے تب چاہے انسانی روپ بدل سکتا ہے۔" بوڑھا ٹھہری ہوئی پرسکون آواز میں کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز موجوں کے شور سے ہم آہنگ ہو کر مجھے خوف اور دہشت کی گہری دلدل میں دھنساتی جا رہی تھی میں نے اضطراری طور پر ناگان کی دی ہوئی سنہرے ناگ والی انگوٹھی انگلی سے . . . . . مضطرب موجوں پر اچھال دی

"یہ شاید سنہری ناگوں کی نسل کا آخری ناگ ہے" بوڑھا بادبان درست کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ شاید تیری بدنصیبی نے تجھے اس کے شکنجے میں پھنسا دیا ہے۔ بڑے عرصے سے ان جزیروں پر ایک روایت مشہور ہے جس کی روشنی میں ایک نہ ایک دن یہ ہونا تھا اور شاید ہو کر رہے۔ بوڑھا پھر سے کچھ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"کیا روایت ہے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔
"سناؤ نا بابا۔"

"میں سنا ہی دیتا ہوں بیٹا.... شاید تو کسی طرح اپنا بچاؤ کر سکے۔ بوڑھے نے سمندر کی پرشور موجوں پر نظریں جمائے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "اب سے دو ہزار سال پہلے یہ جزیرہ

www.taemeernews.com

آباد تھا اور اس کے جنوبی کنارے پر مونگے کا ایک بہت بلند پہاڑ تھا جو زمانے کے سرد و گرم کی وجہ سے اب محض پہاڑی بن کر رہ گیا تھا اس مونگے کے پہاڑ میں بنے ہوئے ایک قدرتی غار میں ایک بہت پہنچے ہوئے درویش رہتے تھے۔ جن کا نام ابوالبشر تھا۔ وہ ہر وقت خدا کی عبادت اور ریاضت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں جزیرہ کے غیر آباد حصے میں سنہرے ناگوں کا ایک جوڑا رہا کرتا تھا جو بلا وجہ خلق خدا کو نہیں تنگ کرتا تھا ایک روز شیطان یعنی سنہری ناگن کے روپ میں اس جوڑے کے پاس پہونچا اور اسے اکسایا کہ اگر وہ ابوالبشر کو ڈس لیں تو انہیں ابدی زندگی مل جائے گی۔۔۔ دراصل ابوالبشر کی نیکیوں سے جزیرے کے باشندے اس قدر متاثر تھے کہ شیطان مردود کی ایک پیش نہ چلتی تھی لہذا شیطان نے اپنی راہ صاف کرنے کے لئے سنہری ناگوں کو آلۂ کار بنانا چاہا۔ پھر ایک سنہری ناگوں کے جوڑے نے ابوالبشر کو ڈس لیا وہ ان کے ڈسنے کا سبب جان چکے تھے لہذا بد دعا دی کہ دنیا میں سنہرے ناگ بس ساتویں نسل کے بعد فنا ہو جائیں گے اس بددعا پر وہ جوڑا بہت گھبرایا لیکن شیطان نے انہیں سمجھایا کہ وہ جلدی جلدی اپنی نسل نہ بڑھائیں۔ اس طرح وہ بہت عرصے تک اپنا وجود باقی رکھ سکیں گے۔ پھر ان کی نسل کا نر ناگ اگر ابوالبشر کی کسی لڑکی سے ازدواج کر لے۔ تو پھر اس لڑکی کے بطن سے سنہرے ناگ جنم لیں گے اور یوں سنہرے ناگ کبھی ختم نہ ہوں گے شیطان نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ابوالبشر کی ہر لڑکی کی داہنی آنکھ کے پپوٹے پر بڑا سا سیاہ تل ہوگا۔۔۔ پھر شیطان ایک بہت بڑے خونخوار بلے کے روپ میں ان ناگوں کے ساتھ ہی رہنے لگا۔ اور ہر مرنے والا ناگ اپنے وارث سے یہ عہد لیتا کہ وہ ہر قیمت پر ابوالبشر کی لڑکی کے بطن سے اپنی نسل بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی ہر نسل کا نر ناگ اپنی عمر کے سو سال پورے کرنے کے بعد انسانی روپ اختیار۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ کر کے شیطان سمیت دنیا بھر میں گھومتا لیکن ابوالبشر کی نسل میں ٹھیک اس زمانے میں ایک لڑکی بلوغت کو پہونچے گی جب ساتویں نسل کا آخری سنہرا ناگ اپنی عمر کے دو سو سال سے تجاوز کرے گا۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے جس زمانے میں لڑکی اور سنہرے ناگ کی ملاقات کی روایت سنی ہے بد قسمتی سے آج کل وہی دور ہے۔۔۔ اور اسے میری بد نصیب بچی ابو الحسے

کی آواز درد کے جذبات سے بھرپور تھی۔ میں دیکھتا ہوں کہ تیری داہنی آنکھ کے پپوٹے پر بڑا سا سیاہ تل ہے اور تو ایک سنہرے ناگ کے ساتھ جزیرہ پر جا رہی ہے۔۔۔ بچی۔۔۔ میری بچی! فرط جذبات سے بوڑھے کی آواز رندھ گئی۔

"تم میری مدد کرو بابا" میں بے بسی سے بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے گڑگڑائی۔

"میں بے بس ہوں بیٹا!" بوڑھے نے مایوسانہ لہجے میں کہا "جب ناگ سو برس کا ہو جاتا ہے تو اس میں بہت سی حیرت ناک قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ مسمیریزم اور دوسروں کے خیالات جان لینے کی صلاحیتوں کا مالک بن جاتا ہے بس اب تو ہی اپنی عقلمندی سے شیطان ملعون اور سنہرے ناگ کو شکست دے سکتی ہے۔"

"وہ کیسے بابا؟" میں نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

آج چاند کی گیارہ تاریخ ہے! بوڑھے نے پر خیال لہجے میں کہا اور بہروپ بدل لینے والے ناگ چاند کی چودھویں رات کو اپنی اس قوت سے محروم ہو جاتے ہیں لہذا چودھویں رات

کہ وہ ناگ ہی کی صورت میں کھلی جگہ پر چاند کی روشنی میں پڑے گذارتے ہیں۔ بس تم اسی رات سنہرے ناگ سے نجات پاسکتی ہو!"

"میرے بعد اب تم اسے کالی کھاڑی تک لاؤ گے" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بوڑھے سے پوچھا۔

بوڑھا میرے اس سوال سے ہنسا: "اگر وہ ناگ ہی ہے تو اسے لانے کی ضرورت نہیں ہوگی مشا!"

"یعنی تم اسے سمندر پار نہیں کراؤ گے!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہ تم سے پہلے ہی کالی کھاڑی پہنچ چکا ہوگا" بوڑھے نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد کشتی ایک بہت بڑی کشادہ پہاڑی کھاڑی میں جا رکی۔ یہاں ساری چٹانیں بالکل سیدھی تھیں میں رات کی پرہول تاریکی میں اور ویرانی میں احتیاط سے جزیرہ کے ساحل پر اتر گئی۔ اور بوڑھا زرد بھری لے میں ماہی گیروں کا کوئی نغمہ گنگناتا وہاں سے لوٹ گیا۔

تنہائی کے خوف اور دہشت سے میرے جسم پر ناقابل بیان لرزہ طاری ہو رہا تھا۔ وہاں دور دور تک کسی ذی روح کی موجودگی یا آہٹ کا پتہ نہیں تھا۔ اچانک مجھے اپنے عقب میں کسی کی خوفناک ہنسی سنائی دی چونک کر پلٹی تو ناگان میری طرف آ رہا تھا۔

ناگان میرے نزدیک آیا تو مجھ پر بری طرح کپکپی طاری تھی اس نے میرا شانہ چھوا تو برف کی ایک یخ مجھے اپنے شانے کے گوشت اور ہڈیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد تھا اور جسم سے وہی مخصوص ناگوار بو ناک میں گھستی محسوس ہو رہی تھی... سانپوں کی مخصوص بو۔ میں نے شاید سوچا وہ اس وقت اپنی کامرانی پر بہت خوش ہے خوشی کے جذبات میں مدہوش!

"ناگان!" میں نے آہستہ سے اسے پکارا۔

"میری بنت البشر!" وہ بولا۔ کھڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں تمہارے جزیرہ پر آگئی ہوں!" میں نے اس کے خطاب پر اپنے جسم میں پھیلنے والی دہشت کی لہر پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ چاند کی بیس تاریخ کو ہم ... میں ایک ہو جائیں۔"

"آج ہی کیوں نہیں پیاری!" وہ میرا شانہ ... ہوا بولا۔ اور دہشت سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے زبان خشک ہو کر تالو سے چپکنے لگی۔

"تم ... تم ... ہم لوگ چاند کی بیس تاریخ اور اس کے بعد والے دنوں کو نئے کاموں کے لئے مبارک سمجھتے ہیں ناگان!"

میں بمشکل کہہ سکی۔

"تمہاری مرضی!" اس نے ترنگ میں آکر کہا شاید وہ بری طرح خوشی کے سمندر میں غرق ہو چکا تھا۔

پھر ناگان میرا ہاتھ تھام کر اس تاریک اور ہولناک ماحول میں بڑھنے لگا۔ کسی ناگ کا قرب سمندر کے درمیان ویران جزیرے پر پیدل سفر گھنے جنگل زمین پر چھپے ہوئے بے شمار حشرات الارض کی سرسراہٹیں... خوف سے میرا کیا عالم تھا اسے دائرہ تحریر میں لانا بھی بس سے باہر ہے۔ بس وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے جو کبھی ان حالات سے دوچار رہا ہو۔

جب ہم گھنے جنگل سے گذر رہے تھے تو ناگان نے اپنے منہ سے سانپوں جیسی عجیب سی پھنکار شروع کردی میری دہشت اور بڑھ گئی۔ ناگنیں جواب دینے لگیں۔

"میں مرجاؤں گی ناگان... دہشت سے میرا دم الٹ رہا ہے تم کیسی آوازیں نکال رہے ہو" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ حصہ زہریلے سانپوں سے پٹا پڑا ہے ظاہرہ!" ناگان لاپرواہی سے بولا "اگر میں انہیں ان کی زبان میں نہ سمجھاؤں تو ہم دونوں ان کا شکار بن سکتے ہیں۔"

پھر ہم گھنے جنگل میں بنی ہوئی ایک بوسیدہ سی عمارت میں جا پہنچے۔ اس عمارت کے دریچوں اور کھڑکیوں سے گزرنے والی ہوا آوارہ روحوں کی طرح پرشور آوازیں نکال رہی تھی اور ہواؤں کے اس تیز طوفان میں ایک بوسیدہ سی دیوار میں بنے ہوئے طاق پر موم بتی روشن تھی۔

مجھے شدید حیرت ہوئی کہ وہاں کسی بھی متنفس کے موجود نہ ہونے کے باوجود وہ شمع کس نے روشن کی ہوگی ناگان بول پڑا!

www.taemeernews.com

بچند بول سے لبوں ہی روشن ہے طاہرہ!"

مجھے اب ناگان سے بات کرتے یا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا لہٰذا خاموشی رہی پھر اس کے ساتھ مختلف حصوں سے گذرتی ایک قدیم طرز کے آراستہ کرے میں جا پہونچی... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں قدیم یونان کے کسی دیوی کی خواب گاہ میں آ پہنچی ہوں کمرے کی ہر شئے سے خوشبوؤں کا طوفان امڈ رہا تھا۔ صندل کا بنا ہوا پلنگ بلاشبہ فنکاری کا بے مثال شاہکار تھا۔ ایک دیوار گیر طاق میں روشن شمع کی روشنی سے کمرہ میں سحر انگیز نیم اجالا پھیلا ہوا تھا

"یہ تمہارا کمرہ ہے... یہ پچھلے دو ہزار سال سے تمہارا منتظر تھا" ناگان نے جذبات آمیز لہجے میں کہا۔ "تم یہاں اپنی ضرورت کی ہر چیز پاؤں گی۔ یہ کہتا وہ کمرے سے نکل گیا اور میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی۔!

بقیہ دو دن بغیر کسی حادثے کے گذر گئے۔ ناگان نہ جانے کہاں سے میرے لئے دنیا بھر کی نعمتیں لے کر آتا تھا۔ ان میں تازہ تیار کی ہوئی گرم گرم غذا بھی ہوتی تھیں اور غیر فصلی پھل بھی لیکن اس کے نرم رویے کے باوجود اب مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس سے آنکھیں چار کر سکوں۔

چودھویں شب سورج غروب سے ذرا قبل ناگان میرے کمرے میں آیا اور مجھ سے کہا کہ آج کی رات وہ جنگل میں سوئے گا۔ لہٰذا میں ابھی سے تمہیں اس کمرے میں مقفل کر لوں تاکہ اس کی عدم موجودگی میں جنگلی درندوں کے خطروں سے محفوظ رہ سکوں۔

اس کی اس تجویز نے مجھے مضطرب تو ضرور کر دیا لیکن میں اس کے خلاف ایک لفظ بھی کہنے کی جراءت نہ کر سکی اور وہ مجھے کمرے میں بند کر کے وہاں سے غائب ہو گیا۔

کچھ دیر تک میں پلنگ پر بیٹھی اس ناگہانی قید سے چھٹکارا پانے کی تدبیر سوچتی رہتی پھر میری نظر اس بڑی سی جنگلے دار کھڑکی پر پڑی۔ جو دائیں جانب والی دیوار میں موجود تھی۔ میں ادھر پہنچی اور سلاخوں کو ہلانا چاہا تو بالکل ناکامی ہوئی۔ سلاخیں بڑی مضبوطی سے گڑی ہوئی تھیں۔ میں دوبارہ پلنگ پر آ لیٹ گئی۔ کافی دیر بعد مجھ پر غنودگی سی چھا گئی چند لمحوں بعد مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے جسم پر کوئی بھاری چیز سرک رہی ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو خوف سے میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں بالکل برہنہ تھی اور ایک موٹا اژدہا میرے جسم پر سرک رہا تھا نہ جانے کس طرح مجھے بے لباس کر دیا گیا تھا۔ اژدہا بل دے کر میرے جسم سے لپٹ گیا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے میری کمر رانوں اور کمر کے ارد گرد جکڑ لیا اور اپنا پھن میرے سینے پر رکھ دیا وہ گھڑی گھڑی اپنی زبان باہر نکال رہا تھا خوف سے میری بری حالت ہو رہی تھی اژدہے کے بل دینے سے میرا بدن ٹوٹنے

www.taemeernews.com

لگا جوڑ جوڑ دکھنے لگا اژدھے نے اپنا پھن میرے منہ سے لگا دیا خوف سے میں بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو اژدھا جا چکا تھا اور میں پلنگ پر برہنہ پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر کپڑے پہنے۔ میں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہتی تھی میں نے کمرے کے اسباب کا جائزہ لیا تو پتھر کی بنی ہوئی ایک وزنی تپائی پر نظر پڑی میں نے اسے اٹھانا چاہا لیکن وہ توقع سے زیادہ ہی بھاری نکلی خاصی دیر کی کوشش کے بعد میں اسے اٹھا سکی پھر اسے کھڑکی کے قریب دیوار کے سہارے رکھ دیا۔

تپائی پر کھڑے ہو کر میں نے کھڑکی سے دوسری طرف نظر ڈالی تو ادھر شکستہ کھنڈروں میں سناٹے کا راج تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اگر میں کوئی ایک سلاخ کھڑکی سے الگ کر سکوں تو بآسانی اس سے گزر سکوں گی۔ یہ سمجھ لینے کے بعد میں نے دیوانہ وار ایک سلاخ پر زور آزمائی شروع کر دی۔ مسلسل ایک گھنٹے تک اس سلاخ سے برسرپیکار رہنے کے بعد میرا سانس پھولنے لگا اور ہتھیلیوں پر جا بجا چھالے بھی پڑ گئے لیکن میں نے ہمت نہ ہاری۔ آخر ایک جھٹکے میں وہ سلاخ میرے ہاتھ میں آ رہی۔

ذرا سی کوشش کے بعد کھڑکی میں پیدا ہونے والی جگہ سے گزر کر دوسری جانب اتر گئی... وہاں رک کر میں چند ثانیوں تک سن گن لیتی رہی۔ ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا پھر میں ایک جگہ گھومنے لگی۔ خاصی دیر تک اس عجیب سا بھول بھلیاں میں گھومتے رہنے کے بعد جب میں شکستہ چھت ایک چھت سے محروم کمرے کے کھنڈرات تک پہنچی تو دم بخود رہ گئی۔

اس کھنڈر نما کمرے کے وسط میں نیم پختہ فرش پر سنہرے رنگ کا ایک خاصا موٹا اور بہت لمبا ناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ وہ اپنا پھن اٹھا کر بار بار پھنکاریں مارتا تھا اور اس کی سرخ سرخ زبانیں باہر نکلتی نظر آتی تھیں۔ میں سانس روکے وہیں کھڑی رہی میرے لیے یہ سنہرا موقع تھا۔ میں نے آواز پیدا کئے بغیر اپنے قدموں میں فرش سے ایک بھاری سا پتھر اٹھایا۔ چند لمحوں تک اپنی کامیابی کے امکان کا جائزہ لیتی رہی پھر اس خوبصورت سنہرے ناگ کے پھن کا نشانہ لے کر پوری قوت سے وہ پتھر پھینک دیا فضا میں ایک غضب ناک پھنکار گونجی دوسرے لمحے سنہرا ناگ فرش پر اپنا پھن پٹک پٹک کر دم توڑ رہا تھا لیکن میں یہ پورا منظر نہ دیکھ سکی کیوں کہ ہر طرف سے چھوٹے بڑے سانپ ہی سانپ نکل کر میری طرف پھنکاریں مارتے بڑھ رہے تھے۔ جزیرہ پر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ کھنڈرات لرز رہے تھے میں تیزی سے بھاگتی ہوئی ساحل پر پہنچی۔ سانپوں کا ہجوم میرے تعاقب میں آ رہا تھا۔ وہ میرے قریب آتے جا رہے تھے اچانک سامنے بوڑھا ماہی گیر اپنی کشتی لیے میرا انتظار کر رہا تھا میں بھاگتی ہوئی اس کی کشتی میں سوار ہو گئی۔ بوڑھا تیز تیز چپو چلانے لگا۔ تمام سانپ ساحل پر ہی رک گئے۔ بوڑھے ماہی گیر نے بتایا کہ سانپ جزیرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ بوڑھے ماہی گیر نے مجھے ایک جہاز میں سوار کر دیا اور یوں اپنے ملک واپس پہنچی جب بھی ان واقعات کا خیال آتا ہے تو خوف سے کانپ اٹھتی ہوں اور ناگان کے بارے میں سوچتی ہوں کاش میں نے اسے دیکھا ہوتا اسے دیکھا ہوتا۔ کاش اس سے محبت کے بجائے نفرت کی ہوتی ●

www.taemeernews.com

میں یہاں مقبرے کے تہ خانے میں بیٹھی ہوئی ہوں
تہ خانے کا سکوت ہراس آور ہونے کے باوجود میرے لئے سکون پرور ہے۔ یہاں پر وہ بیرونی دنیا جیسی گہما گہمی نہیں ہے۔ وہ مر چکے ہیں، اور سکون کی گہری نیند سو رہے ہیں اب انھیں کوئی پریشان نہیں کر سکتا۔ میرے قریب رکھی ہوئی موم بتی آہستہ آہستہ پگھل رہی ہے۔ اس وقت فلیش لائٹ یا کیروسین لیمپ وہ کام نہیں کر سکتے تھے جو یہ موم بتی کر رہی ہے۔ موم بتی کی وجہ سے پورا مقبرہ روشن ہے۔ اور یہ بہت اچھی بات ہے اس مقبرے میں تن تنہا ان مردوں کے درمیان میں بیٹھ کر مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا ہے اور نہ ہی میرے دل کے کسی گوشے میں کوئی خیال ہے کہ میں یہاں سے بھاگ نکلوں۔ دراصل میں اس وقت کے خوف اور دہشت کو بھرپور انداز میں محسوس اور محفوظ کر لینا چاہتی ہوں۔

میں بھاری پتھریلی محراب سے گزر کر مقبرے میں داخل ہوئی تھی۔ اور نیم تاریکی میں ٹائپ رائٹر فرش پر رکھا تھا تو ایسی وحشت ناک گونج پیدا ہوئی تھی کہ جی چاہا تھا اپنے مقصد سے دستبردار ہو جاؤں اور وہاں سے بھاگ نکلوں ابدی نیند سونے والوں کی خواب گاہ میں کسی انسان کا داخل ہونا بلاشبہ بے حد بے جا ہی تھا۔ مردوں کی مملکت میں مجھے اس طرح داخل ہونے کا آخر کیا حق تھا؟ میں ایکس نالو ہے جو ایک کہانی نویس ہوں، جو ایک زندہ، متحرک فعال سرگرم نوجوان عورت ہے۔ اسے کسی طرح بھی مردوں کے درمیان داخل ہونے کا حق نہیں پہنچتا۔

یہ جگہ کتنی خالی خالی سی ویران اور [illegible]
ایک لمحے کو میرے دل میں خیال آیا [illegible]
احمق ہی تھی جو وہاں گئی تھی، لیکن [illegible]
اس تہ خانے میں جانا تھا اور ٹھہرنا تھا اگر [illegible]
تو کسی مقبرے میں گزاری ہوئی رات کے بارے میں
اپنے احساسات اور تاثرات قلم بند کرنے کی اہل
کس طرح ہوتی۔

احمق لوگ! میرے ناشر، میرے ناقدان سب کا خیال ہے کہ اب میرے خیالات، میری فکر میں وہ پہلی جیسی جودت، پہلی جیسی چنگاری نہیں۔ بی جن سے

میری کہانیاں اصلی اور حقیقی بن جاتی تھیں ان کے زخم سے لب دیدا شکے مردانہ ذہن سوچتے ہیں کہ میری تحریر کی ندرت دم توڑ چکی ہے اور میرے خیالات مرجھا چکے ہیں ان کا خیال ہے کہ اب مجھ میں، فالوے میں اب خوفناک کہانیاں لکھنے کی صلاحیت نہیں رہی میرا ذہن بنجر ہو چکا ہے۔ خاص طور پر کالوے کا۔ . . . یہی خیال ہے۔ وہ اپنی دانست میں خوفناک اور آسیبی کہانیاں چھاپنے والا ایک بڑا ناشر ہے۔ میں دوسرے ناشروں کی بات نہیں کرتی مگر کم از کم کالوے کو تو معلوم ہونا چاہیئے کہ قدرت نے مجھے خوفناک کہانیاں لکھنے کی محیر العقول صلاحیت بخشی ہے۔ میں ختم نہیں ہو سکتی، مجھے ختم نہیں کیا جا سکتا لوگ میرے بارے میں کتنی ہی باتیں کریں میں اپنے وقت سے بہت آگے ہوں، میں نے اپنے لیئے بہت اونچا مقام بنا لیا ہے، میں اپنے ہم عصروں میں سب سے آگے ہوں، لیکن کوئی مصنف ہمیشہ تو بلندی پر کھڑا نہیں رہ سکتا، کبھی کبھی اسے نیچے آنا پڑتا ہے میں بہت جلد ایک بار پھر اپنے ہم عصروں کو پیچھے چھوڑ جاؤں گی۔ نیویارک ٹائمز ایک بار پھر مجھے پو کے بعد سب سے بڑا کہانی نویس قرار دے گا۔ پھر اس وقت کالوے اور دوسرے ناشر بھاری معاوضے اور پیشگی، رائلٹی لیئے مجھ سے معافی کے طلب گار ہوں گے میں، فالوے، بھلا ختم ہو جاؤں، ناممکن!

کبھی نہیں!

•

اب مجھے وہی طریقہ کار اپنانا ہے جو ماضی میں میرا اصول رہا ہے۔ جب میں نے آسیب زدہ مکان کے بارے میں کہانی لکھی تھی۔ تو ناقدین نے مبالغہ آرائی کی حد تک میری تعریف کیوں کی تھی۔ وہ کہانی آپ کو یقیناً یاد ہو گی۔ ٹیوڈور ہاؤس دور افتادہ ساحل پر ایک قدیم بوسیدہ حویلی تھی۔ کے مکین یکے بعد دیگرے انتہائی پراسرار حالات میں مرے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ حویلی اور اس کے مکین داستانی رنگ اختیار کر گئے تھے۔ میں نے اس حویلی کے کھنڈر میں بیٹھ کر اس کہانی کو تراشا تھا۔ آپ کو وہ کہانی یاد ہو گی جس میں مرکزی کردار ایک ایسی عورت تھی جو آدھی رات کو ایک متروک کان کی بھول بھلیوں میں پھنس جاتی ہے اور اس کے محروم محبوب کی روح اس کی رہنمائی کرتی ہے معلوم ہے، میں نے وہ کہانی کیسے لکھی تھی؟ میں نے خود کو اس عورت کی جگہ رکھا تھا۔ جی میں نے یہ تصور میں نہیں کیا تھا۔ بہ نفس نفیس اس مقام تک گئی تھی اور وہیں پر کہانی لکھی تھی۔ یہ بھلا ایلس فالوے کے سوا اور کون کر سکتا تھا، میں نے اس بھیانک اور وحشت ناک سرنگ میں رات گزاری تھی جہاں ایک خوفناک حادثے میں بے شمار کان کن زمین میں سما گئے تھے اور بہ قول شخصے آج بھی ان کی روحیں بین کرتی ہیں کہ ہمیں کوئی اس تاریکی کے سمندر سے نکالے۔

احمق لوگ! میں نے کہانی میں حقیقت کے رجحان کو متعارف کرایا ہے۔ کہانی میں مرکزی کردار کے طور پر خود کہانی نویس کی موجودگی کا رواج میرا ہی عطیہ ہے اب کسی ڈھٹائی سے مجھے متروک فیشن کی مانند الگ کر دیا گیا ہے، لیکن میں اپنا جادو ایک بار پھر جگا سکتی ہوں، اپنی گذشتہ کہانیوں کے مرکزی کردار کی مانند میں ایک بار پھر منظر پر موجود ہوں۔

اس بار میری ہیروئن ایک ایسی عورت ہے جو بہت پیاری ہے لیکن دق زدہ ہے وہ ایک تاریک اور سیلن زدہ خاندانی مقبرے میں رات گزارتی ہے یہ مجھ جیسی مصنفہ کے لیے ایک مثالی منظر ہے۔ میرے ارد گرد کئی تابوت ہیں، تابوتوں میں ایک ہی خاندان کے لوگ ابدی نیند سو رہے ہیں اور میں ان کے درمیان واحد زندہ ہستی ہوں۔

چونکہ تہ خانے کا دروازہ مضبوطی سے بند ہے اس لئے کمرے میں ہوا کا گزر نہیں ہے اور موم بتی کی روشنی تہ خانے کو پوری طرح منور کئے ہوئے ہے میں اس روشنی میں ہر اس چیز کو جو دیکھنے کی ہے بڑی اچھی طرح دیکھ سکتی ہوں۔ بے چارہ کالوے! وہ میری آخری کتاب نہ چھاپنے پر کس طرح کڑھے گا۔ وہ ہے بھی تو احمق

جیسا کاروباری! اسے ہولناک اور ڈراونی
چیزوں کا شعور ہی نہیں ہے کہانی میں اسے حقیقت
اور ماہیت کا ذرا بھی ادراک نہیں ہے روشن اور کشادہ
دفتر میں دھچی کرسی پر بیٹھ کر تحکمانہ بات کرنے والا
بھلا ان باتوں کو کہاں سمجھ سکتا ہے۔

اور وہ جو کیدار مجھے آتے ہوتے قبرستان
کے پھاٹک پر ملا تھا، اس نے مجھے واقعی بیمار سمجھ لیا تھا
یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ چابی اس کی جیب میں
موجود تھی جس کے ذریعے میں اس تہ خانے میں داخل
ہو سکی۔ میرا خیال ہے اسے زیادہ تکلیف نہیں ہو گی۔

تہ خانے میں چھ تابوت رکھے ہیں سنگ مرمر کے ہیں۔ اور موم بتی کی روشنی میں
چمک رہے ہیں۔ تابوت ترتیب سے نہیں رکھے گئے
ہیں میرا مطلب ہے وہ بے ترتیب ہیں۔ تین تابوت
ایک طرف رکھے ہوئے ہیں اور دو دوسری طرف چھٹا
تابوت ان سے دور رکھا ہے اور وہ خالی ہے گویا
اس خاندان کی کہانی ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے

چھٹا خالی تابوت میرے اعصاب خیال کو مہمیز کر رہا
ہے۔ اس سے کوئی کہانی بنائی جا سکتی ہے۔ خالی
تابوت! ہاں وہ میرے اندر تحریک پیدا کر رہا ہے۔
کوئی پراسرار دل دہلا دینے والی کہانی لکھی
جا سکتی ہے۔ کوئی ایسی کہانی جو لوگ کہانی سے سو
سال آگے ہو۔ اور اپنے قبیل کی کہانیوں میں حرف
آخر ہو۔

کیا میں کہانی کا آغاز لمحہ بہ لمحہ پگھلتی اور ماند
پڑتی ہوئی موم بتی سے کروں؟ یا میں تصور کروں کہ
دیوار کے قریب رکھے ہوئے دوسرے تابوت کا
بھاری ڈھکنا آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے؟ نہیں یہ سب
پرانی باتیں ہیں جو بار بار دہرائی جا چکی ہیں۔ ماہرین
نے ان پر خاصی طبع آزمائی کی ہے۔ میرا راستہ ان سے
جدا ہے۔ میرا قلم ان سے مختلف ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہاں اس تہ خانے میں جو پانچ
مختلف تابوتوں میں ایک ہی خاندان کے پانچ افراد
لیٹے ہیں، ان سب کو زندہ کروں یہ باری باری اٹھیں
اور پھر کچھ ہو۔ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔
ایک تو یہ وہ کسی بد دعا یا بد اعمالی کے نتیجے میں مرے
ہوں یا شیطان کی روح ان پر غالب آ گئی ہو۔ جیسے
ڈریکولا وغیرہ۔ دوسرے فی الحقیقت مرے نہ ہوں
بلکہ کسی نامعلوم پر اسرار بیماری کے سبب طویل
نیند سو گئے ہوں اور لوگوں نے انھیں مردہ سمجھ کر
دفنا دیا ہو، ایک حیرت انگیز سائنسی توجیہہ اطبی
سائنس کی دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا، لیکن
نہیں، یہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ بات بھی پٹ چکی ہے
اس قسم کی تخلیق کوئی دوسرے درجہ کا قلم ہی کر سکتا
ہے ایک ذہین ترین مصنفہ یہ کام نہیں کر سکتی۔

میں بھی کس قدر احمق ہوں! میں حیران ہوں
کہ میرا دھیان اس طرف کیوں نہیں گیا۔ چھٹا تابوت
جو خالی تھا وہ آنکھیں پھاڑے کسی کی راہ تک رہا تھا
کسی کا منتظر تھا اور اپنے وجود میں کسی کو اپنے وجود
میں سمو لینے کے لئے بے قرار تھا۔ ہاں اس پر
کہانی بن سکتی ہے۔

ایک مالدار معزز گھرانے کے پانچ افراد یکے
بعد دیگرے ایک ہی بیماری، ایک ہی حالت اور ایک ہی مخصوص
وقت میں مرے اور اپنے اس خاندانی مقبرے کے
اندر تابوت میں دفن ہوئے۔ خاندان کے چھٹے فرد
کے لئے بھی ایک تابوت رکھا گیا۔ چھٹا فرد ایک لڑکی
تھی جو بہت پیاری، بہت خوبصورت تھی۔ وہ خاندان
سے کٹ جانے اور گھر کی کم عمر فرد ہونے کے سبب
اپنے خاندان کے اس مقسوم اور روایت سے بے خبر
ہے۔ وہ کہیں دور دوسرے شہر میں مصروف زندگی
گزار رہی ہوتی ہے لیکن چھٹا تابوت آنکھ کھولے
اس کا منتظر ہے پھر خاندانی روایت کے مطابق
وہ وقت آ جاتا ہے جب لڑکی کو چھٹے تابوت میں
اپنے افراد خانہ کے ساتھ اس خاندانی قبرستان
میں ہونا چاہیئے۔

لاجواب نقطہ عروج یہ ہونا چاہیئے کہ وہ

www.taemeernews.com

نادیدہ قوتیں اس لڑکی کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنے خاندانی قبرستان کی طرف جائے تہ خانے میں داخل ہو اور چھپنے تابوت میں جا لیٹے کہ یہی اس کا خاندانی دستور تھا۔

میرے ہاتھ میں دبے چابی کے گچھے سے موسیقی سی ابھری۔ میرا ذہن ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس قسم کی کہانی تخلیق کرنے کے لئے ایک قسم کی فضا اور ماحول درکار ہوتا ہے میں خوش تھی کہ فضا مجھے میسر تھی۔ تہ خانے کے دروازے پر ہوا کی سرسراتی ہوئی آواز بمشکل مجھ تک پہنچ رہی تھی کمرے میں بھرپور سناٹا تھا، ہلکی خوشگوار خنکی تھی اور رسان سے جلتی ہوئی موم بتی تھی اور میں تھی، مجھے ڈسٹرب کرنے والا کوئی نہ تھا اور مجھے بہت بڑا کام انجام دینا تھا کانوے اور دوسرے احمقوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں!

اب جب کہ باہر کی ہوا کی وحشت دغراہٹ کچھ اور بڑھ گئی ہے میں یک بیک اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑتی محسوس کر رہی ہوں۔ یہ کیسی آواز ہے؟ کیا باہر بارش ہو رہی ہے؟ موم بتی پگھل چکی ہے؟ اس کی لو دم توڑ رہی ہے۔ خدایا یہ کیا ہے؟ الگ تھلگ رکھے تابوت کا ڈھکنا آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے اور موم بتی بھی بجھ گئی ہے۔

مڑے تڑے صفحات پر مشتمل وہ مسودہ بے تکے پن سے اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ ان میں سے کوئی کچھ نہیں بولا۔ سب کی زبانوں کو جیسے مہر لگ گئی تھی۔ اس المیے نے ان کے موڈ کو تباہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نے صفحات کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا تو بھی کوئی کچھ نہیں بولا۔ ڈاکٹر نے باری باری ان کے چہروں کو دیکھا جیسے زرد چہروں سے اس مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہتا ہو۔

"کانوے! تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟" آخر میں ڈاکٹر کی نگاہ کانوے کے چہرے پر جم گئی۔

کانوے وہاں موجود لوگوں میں سب سے زیادہ فرزدہ تھا ... شادی کرنا چاہتا تھا۔ ... کے مریضانہ خیالات سے ... وہ خاموش رہا اس سے کچھ نہ بولا گیا۔

اس وقت وہ اپنے ہونٹوں میں دبا ہوا سگار بجھانا بھول گیا تھا

ڈاکٹر دوبارہ بولنے لگا: "اس قسم کے کیس شاذ ہی ہوتے ہیں لیکن بہر حال ہوتے ضرور ہیں۔ یہ ایک خطرناک بیماری کا کیس ہے خود اذیتی اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے ڈاکٹر ...؟" کانوے اٹکتے ہوئے بولا "قبرستان کے چوکیدار نے جب فالوے کو قبرستان میں جانے سے روکا تو اس وقت وہ اپنے ہوش میں نہیں تھی۔"

"اس بات کا اندازہ تمہیں اس کے مسودے سے ہو سکتا ہے" ڈاکٹر نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "وہ عملی طور پر ایک باصلاحیت خاتون تھی ایک ایسی مصنفہ جس کا حقیقت نگاری پر جنون کی حد تک ایمان تھا وہ اپنے الفاظ کی روح اور شدت خیال سے خود ہی کیفیت کا شکار ہو جایا کرتی تھی۔ وہ خود تخیل میں خود اپنی کہانی کے مرکزی کردار کا روپ دھار لیتی تھی تم تو اس کے ناشر رہے ہو، تمہیں تو یہ بات اچھی طرح جاننا چاہئے تھی۔ تم سے زیادہ کون اس کی ذہنی کیفیت سے واقف ہو سکتا تھا۔ آخر میں اس پر جو کیفیت طاری تھی تمہیں اس سے باخبر ہونا چاہئے تھا تم نے عمداً اس کی تحریر کو قبول نہیں کیا۔ تم نے اسے اکھنڈہ ٹھکرا دیا ..."

"لیکن ڈاکٹر ..." کانوے احتجاج کے طور پر پھٹ پڑا "تم فالوے کو نہیں جانتے۔ میں جو کچھ اس کے بارے میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے" وہ رکا اور پیشانی پر آئے ہوئے پسینے کو پونچھتے ہوئے بولا "فالوے کل مجھ بتا رہی تھی۔ ابھی پانچ سال پہلے تک وہ بھی رہتی تھی۔ وہ اس کا خاندانی قبرستان تھا ●

www.taemeernews.com

راج ہنس

"آپ مجھ سے شادی کریں گی؟"
پونم کا پورا جسم کانپ گیا۔
"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آپ ممی سے بات کریں۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔
"ان سے بات کرنے سے پہلے میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو یہاں لے کر آیا ہوں۔"

پونم اور راکیش کے یہ مکالمے راج ہنس کے اس ناول سے اقتباس لیے گئے ہیں، جو آپ آگے صفحات میں ملاحظہ کریں گے۔

اس بار راج ہنس نے ایک نئے اور مختلف موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسی لیے احمد ندیم قاسمی نے بھی کہا ہے کہ "انسان عظیم ہے خدایا"۔

مگر یہی اشرف المخلوقات اور عظیم انسان جب خود غرضی، کمینگی، ہوس پرستی اور ظلم و ناانصافی پر اتر آتا ہے تو درندے اور شیطان بھی اس سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔

دنیا میں پہلے بھی .... ایسے لوگ پائے جاتے تھے اور اب بھی موجود ہیں۔ مصنف نے پیش نظر ناول میں چند ایسے ہی لوگوں کی کہانی بیان کی ہے جو تہذیب و شرافت کی ہر قدر اور ہر انسانی رشتے کو نہایت بے دردی کے ساتھ پامال کرتے ہیں۔

راج ہنس نے موضوع کے تقاضے کے مطابق اچھے اور برے انسانوں کی کردار نگاری میں جس مہارت کا ثبوت دیا ہے، وہ انھیں کا حصہ ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ ناول ہر باذوق قاری کو پسند آئے گا۔ آپ کا ذوق ہی ہمارے انتخاب کا معیار ہے

www.taemeernews.com

اس نے راکیش کو ایک آدمی سے لپٹتے دیکھا۔ پھر دوسرے آدمی سے۔ تینوں باتیں کرنے لگے۔ پونم ان کی زبان نہیں سمجھ سکی کبھی کبھی وہ پونم کی طرف گھور کر دیکھنے لگتے۔

پونم حیرانی سے کھڑی دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ۔ آرام دہ ہوٹل ۔ ۔ ۔ ہوٹل کی کھڑکی سے نظر آتی دور تک پھیلی پہاڑیاں ۔ ۔ ۔ یہی راکیش نے بتایا تھا۔ وہ سب کہاں ہیں؟

تبھی پونم نے ایک لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا ۔ ۔ ۔ لڑکی کالی ساڑی پہنے تھی۔ گول چہرہ ۔ ۔ ۔ ماتھے پر چوڑی لال بندی ۔ ۔ ۔ ساڑی کا سنہرا بارڈر گلے میں لپٹا ہوا تھا۔ لڑکی خوبصورت تھی۔

"اسے کمرے میں لے جا بلبل ۔ ۔ ۔" راکیش کے قریب کھڑے کالے بھارے آدمی نے کہا۔

پونم نے راکیش کی طرف دیکھا۔ راکیش مسکرا رہا تھا۔

"آؤ بہن ۔ ۔ ۔" اس لڑکی نے پونم کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

پونم کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ چل دی۔ تینوں پر بیٹھے آدمی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بھاری جسم والی عورت دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ بائیں طرف مڑتے ہی پونم ٹھٹک کر رک گئی۔

چار بڑی میزیں ۔ ۔ ۔ میزوں کے پیچھے لکڑی کے بنچوں پر بہت سی لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ کچھ چہرے عجیب سے لگے ۔ ۔ ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور چہرے پھیلے ہوئے سے۔ ایک کتاب میں کچھ تصویریں دیکھی تھیں، یہ چہرے ان سے ملتے تھے۔ تصویریں پہاڑی لڑکیوں کی تھیں۔ کمرے میں کچھ آدمی بھی کھڑے تھے۔ ان آدمیوں سے باتیں کرتے ہوئے لڑکیوں کی حرکتیں کچھ عجیب سی تھیں۔ کمرے میں عجیب سی بو بھری تھی ۔ ۔ ۔ وہی بو پہلے کمرے تک تھی۔

"آؤ ۔ ۔ ۔" اس لڑکی نے اسے کھینچتے ہوئے کہا۔

پونم کی طرف سبھی چہرے ایک ساتھ اٹھ گئے تھے۔ ان چہروں پر ہنسی تھی، معنی خیز ہنسی ۔ ۔ ۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکی۔ اس لڑکی کے ساتھ چل دی۔ لمبے راستے کی دونوں طرف لکڑی کے بڑے بڑے کیبنوں کی طرح کمرے۔ ہر کمرے میں بستر بچھا تھا۔ کسی کسی کمرے پر پردہ بھی لٹک رہا تھا۔

پونم کسی پاگل کی طرح چلتی رہی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ایک احساس بری طرح حواس پر چھایا ہوا تھا ۔ ۔ ۔ یہ جگہ اچھی نہیں ۔ ۔ ۔ لوگ کچھ عجیب سے ہیں۔

"یہ رہا تمہارا کمرہ ۔ ۔ ۔ کچھ دیر آرام کر لو،" بھاری پردہ ہٹا کر وہ لڑکی اندر جاتے ہوئے بولی۔

پونم تھکی تھکی سے اس کمرے کو دیکھتی رہی۔

لکڑی کا ہی بنا کافی لمبا چوڑا کمرہ تھا۔ ایک طرف بھاری صوفہ پڑا تھا صوفے کا غلاف میلا تھا۔ صوفے کے سامنے ایک لکڑی کی میز، جس پر رنگ نہیں کیا گیا تھا۔ صوفے کے قریب ہی لمبا چوڑا بستر ۔ ۔ ۔ دو بھاری تکیے اور رضائی تھی۔ بستر کے پاس شیشہ لگی چھوٹی الماری ۔ ۔ ۔ الماری کے اندر شیشے کی بوتلیں تھیں۔ الماری پر چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ کمرے کی دیواریں کیلنڈروں اور تصویروں سے بھری ہوئی تھیں۔

پونم نے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ لڑکی مسکرا رہی تھی۔

"یہ شیلانگ ہے ۔ ۔ ۔؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ لڑکی کے چہرے سے مسکراہٹ جاتی رہی۔

"یہ میلہ بازار ہے۔"

"میلہ بازار ۔ ۔ ۔" پونم بڑبڑائی۔ یاد آیا ۔ ۔ ۔ بوڑھے نے بھی پوچھا تھا ۔ ۔ ۔ میلہ بازار کی ہو ۔ ۔ ۔؟

"ہم لوگ تو شیلانگ جا رہے تھے ۔ ۔ ۔ راکیش نے کہا تھا"۔ وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔

پونم نے دیکھا لڑکی کی آنکھیں بجھ سی گئی تھیں۔ چہرے پر اداسی سی چھا گئی تھی۔

"شیلانگ بہت دور ہے بہن ۔ ۔ ۔ یہاں سے رنگیا جانا پڑتا ہے۔ رنگیا سے گوہاٹی ۔ ۔ ۔ گوہاٹی سے شیلانگ۔ پہاڑیوں پر بسا وہ شہر یہاں سے بہت دور ہے،" کہتے ہوئے اس لڑکی نے گہری سانس لی ۔ ۔ ۔ "جسے تم راکیش کہہ رہی ہو اس کا نام بہادر ہے ۔ ۔ ۔"

"باقی میں سمجھا دیتا ہوں بلبل ۔ ۔ ۔ تم باہر جاؤ۔"

پونم چونکتے ہوئے مڑی۔

پردے کو اپنے بھاری ہاتھ کی مٹھی میں لیے ان دو کالے بھاری آدمیوں میں سے ایک کھڑا تھا۔

بلبل سر جھکائے دروازے کی طرف چل دی۔

دروازے کے پاس پہنچتے ہی وہ لڑکھڑا کر گری۔ اس آدمی کا بھاری ہاتھ بلبل کے چہرے پر پڑا تھا۔ پونم سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ بلبل گال سہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ اٹھی۔ وہ آدمی کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"فالتو باتوں سے میں نفرت کرتا ہوں ۔ ۔ ۔ جاؤ، جلدی

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

تمہاری کیبن میں ہے۔۔۔" وہ آدمی دانت پیستے ہوئے بولا۔ پلوشم کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے بلبل کو سر جھکاتے اس آدمی کے قریب سے ہوتے ہوتے سمٹ کر دروازے سے باہر جاتے ہوئے دیکھا۔

"اس کا نام بہاری ہے۔ مجھے سالار کہتے ہیں میری طرح ایک ادمی تم نے اور دیکھا ہوگا۔۔۔ اس کا نام گینڈا ہے۔ ہم تینوں پارٹنر ہیں۔ سودی یہاں بہت بار آتا رہتا ہے۔ اس کی مدد سے ہم نے تجھے خریدا ہے۔ تمہاری مالا کو تیس ہزار روپے دے کر۔ ہم تیس سے سا ٹھ کرنا بھی جانتے ہیں۔"

پلوشم اور نہ سن سکی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ گرتے وقت اس کا جسم میز سے ٹکرایا تھا۔ میز کے ساتھ ہی لکڑی کے فرش پر الٹ گئی تھی۔

اس کا جسم بے ہوشی میں صوفے کے قریب پھیل گیا تھا۔

سالار مسکراتے ہوئے اس کے پھیلے ہوئے جسم کو گھور رہا تھا۔

پلوشم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ دیوار پر لگی پرنٹ کے اوپر ریڈیٹر کی طرف کچھ دیر دیکھتی رہی۔ وہ بستر پر لیٹی تھی۔ اٹھتے ہی صوفے پر بیٹھی بھاری عورت پر نظر پڑی۔ عورت پان چبا رہی تھی۔ صوفے کے پاس وہی آدمی کھڑا تھا۔ سالار!

پلوشم کے جسم میں سردی کی تیز لہر دوڑ گئی۔

"یارہ نمبر کو رم کی بوتل چاہیے۔"

پلوشم نے دیکھا کمرے میں آتے ہوئے بلبل نے کہا تھا۔ بلبل نے نظر اٹھا کر پلوشم کی طرف نہیں دیکھا۔ پلوشم ہی بلبل کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ بلبل کے گال پر نشان ابھر آیا تھا

"نکال دے۔۔۔ بھاری جسم کی عورت نے بلبل کی طرف چابی بڑھا دی۔ بلبل چابی کو ہاتھ میں لے کر الماری کی طرف چل دی۔

"طبیعت کیسی ہے۔۔۔؟" بھاری جسم کی عورت نے پوچھا۔

پلوشم کی آنکھوں میں آنسو بھرتے چلے گئے۔ وہ بے بسی سے اس پان چباتی عورت کی طرف دیکھتی رہی۔ جبڑے لگاتار ہل رہے تھے۔ گالوں کا گوشت ڈھلک گیا تھا۔ سر کے بال کالے تھے۔ سفید کم تھے چہرا کھردرا اور موٹی موٹی ابلتی ہوئی سی آنکھیں۔۔۔ چڑیا۔۔۔ بہاری۔۔۔ وہ پاگل۔۔۔ شراب کی بوتلیں۔۔۔ پھیلے ہوئے چہروں والی لڑکیاں۔ تنگ گلی۔۔۔ گلی میں کیچڑ۔۔۔ دور تک پھیلا اندھیرا۔۔۔ اندھیرے میں کہیں کہیں روشنی۔ سبھی چیزیں دماغ میں گھوم رہی تھیں۔ اس کا دم گھٹتا چلا گیا۔۔۔ آنسو تیزی سے بہہ نکلے۔

"مجھے جانے دو۔۔۔ مجھے جانے دو۔۔" وہ چیختے ہوئے اٹھی۔ اٹھتے ہی دروازے کی طرف بھاگی۔

تیز جھٹکے سے رک جانا پڑا۔ سالار نے اس کی کلائی تھام لی تھی۔۔۔ گرفت لوہے کے جمور کی طرح تھی۔ وہ اس کی گرفت میں تڑپ رہی تھی۔ سالار نے اسے بستر کی طرف دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی بستر پر جا گری تھی۔ بستر سے اٹھتے ہوئے اس کی نظر بلبل پر پڑی۔ بلبل بوتل تھامے ہوئے سہمی ہوئی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ تیزی سے مڑی۔ چابی بھاری عورت کے ہاتھ میں دیتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ پلوشم دروازے پر لگے پلتے ہوئے پردے کو دیکھتی رہی۔۔۔ دماغ کے اندر سائیں سائیں بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے لگا وہ پاگل ہو جائے گی۔۔۔ تبھی پردہ ہٹاتے ہوئے راکیش کمرے میں آیا۔

"یہ سچ نہیں ہو سکتا۔۔۔ کہہ دو یہ سچ نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر راکیش کی طرف جاتی ہوئی بولی۔۔۔ "تم نے مجھ سے شادی کی ہے۔" وہ چیخ اٹھی۔

"کیا سچ نہیں ہو سکتا۔۔۔؟" راکیش اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"یہی۔۔۔ یہی۔۔۔ جو اس نے کہا ہے" پلوشم نے سالار کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

"سالار میرا یار ہے۔ یہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ رہی شادی کی بات۔۔۔ شادی تو بیس سے بھی زیادہ بار کر چکا ہوں۔ ہر چھ سات مہینے بعد شادی کرنی ہی پڑتی ہے۔ میری بہار دلہنیں تو باہر بیٹھی ہیں یا کسی کیبن میں۔۔۔ باقی اسی میڈ بازار میں بکھری پڑی ہیں۔۔۔" راکیش نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کتے۔۔۔ کمینے۔۔۔ میں نے تجھ پر اعتماد کیا۔۔" پلوشم روتے ہوئے چیخ اٹھی۔

سالار ہنسا۔۔۔ اونچی آواز میں۔۔۔ اس کی بھاری

بلرام کی [illegible] سے بھی بند تھی۔۔۔ جبکہ راکیش بھی رہا تھا۔

"اسے سمجھا لو بھوجی۔ میں گوہاٹی جا رہا ہوں۔ کل دوپہر تک ہی لوٹوں گا۔ سیٹھ کھیم چند میرے ساتھ ہوگا۔"

بھاری عورت نے جبڑے ہلاتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"اسے کتنا دس سے کم نہیں لوں گا۔۔۔ مال کورا ہے۔"

راکیش بولا۔ "کورا ہی ہوگا۔ میں نے تو ہاتھ نہیں لگایا۔"

راکیش کندھوں کو جھٹکتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اور بلرام آنکھیں پھاڑے ہلتے ہوئے پردے کی طرف دیکھتی رہی۔

"مجھے جانے دو۔۔۔ بھگوان کے لیے مجھے جانے دو۔" بلرام نے بیٹھے ہوئے اس عورت کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وہ روتے ہوئے کبھی سالار کی طرف اور کبھی اس عورت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب بند کرو لڑکی۔۔۔ یہ باتیں ہم بہت بار دیکھ چکے ہیں۔ آج کی رات آرام کر لے۔ کل سے کام پر لگنا ہے۔ تیس ہزار روپے یہ ڈرامہ دیکھنے کے لیے نہیں دیے ہیں۔ یہاں جو ایک بار آ جاتا ہے وہ مر کر بھی یہاں سے باہر نہیں جاتا۔ تمہیں مرنے کے بعد ہم نے آگ دینا ہے۔ یہاں آنے کے بعد کوئی بھی یہاں سے نہیں بھاگ سکا۔ ہماری سیٹھ کھیم چند کو لینے گیا ہے۔ وہی تمہارا پہلا گاہک ہے۔ رضا مندی سے یا رضا مندی کے خلاف۔۔۔ تمہیں کرنا وہی ہے جو ہم چاہیں گے۔ ہمارا حکم نہ ماننے پر بہت تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ تم نے گینڈا کو تو دیکھا ہی ہوگا۔ یہاں کی زیادہ تر لڑکیاں تمہیں کل ہی بتا دیں گی۔ وہ بہت ظالم ہے۔ بس۔۔۔"

"گیارہ نمبر والا بہت ہلہ کر رہا ہے مالکن!"

بلرام نے آنسو صاف کرتے ہوئے دیکھا۔۔۔ لڑکی چھوٹی عمر کی تھی۔۔۔ جسم پھولوں کی طرح بھرا بھی نہیں تھا۔

"گینڈا کہاں ہے۔۔۔؟" سالار نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"بہاری دادا کے ساتھ گئے ہیں۔" وہ لڑکی بولی۔

"چل۔۔۔ دیکھتا ہوں۔۔۔ سالا زیادہ پی گیا ہوگا۔" اس لڑکی کا بازو تھامے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"کھانا کھاؤ گی۔۔۔؟" بھاری عورت نے پوچھا۔

"مجھے زہر دے دو۔۔۔ تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔" بلرام نے اس عورت کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

عورت سر جھکاتے ہوئے آہستہ سے ہنسی۔

"ابھی نہیں۔۔۔ جب کمانے لائق نہیں رہو گی تب مانگنا۔ کوئی بھی خوشی سے دے دے گا۔ بے کار بوجھ کوئی نہیں اٹھاتا۔ جب تک تم خوبصورت ہو۔ تمہارے جسم میں کشش ہے کوئی تمہیں مرنے نہیں دے گا۔ اس جسد بازار میں بہت سی لڑکیاں خرید کر لائی جاتی ہیں۔ کسی لڑکی کی قیمت اتنی زیادہ نہیں لگی، جو تمہارے لیے دینی پڑی۔ اس سے آدھی بھی نہیں۔۔۔۔ بہاری کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم اتنا روپیہ کبھی نہ بھجواتے۔ بہاری نے کبھی دھوکا نہیں کھایا۔ بہاری کو ہیرے کی پہچان ہے۔ تمہیں دیکھتے ہی سبھی کا خیال ہے کہ بہاری نے زیادہ دام نہیں دیے۔ قیمت ہے تو زیادہ۔ اتنی رقم سے اس گھر میں چھ لڑکیاں آ سکتی ہیں۔ ان باتوں سے اندازہ لگا لو۔۔۔ نہ تمہیں کوئی جلنے دے گا نہ مرنے۔۔۔ تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔۔۔"

وہ عورت رک رک کر پان چباتی کہتی چلی گئی۔

بلرام کے کانوں میں اس عورت کی باتیں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح پڑی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس عورت کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"میرا نام وشنا ہے۔۔۔ میں سالار کی بیوی ہوں۔۔۔ اس گھر کی مالکن۔۔۔ سبھی مجھے مالکن کہتے ہیں۔ میں ہر اس لڑکی سے محبت کرتی ہوں جو زیادہ کما کر دیتی ہے۔ اسے اچھا کھانا، کپڑے اور پینے کے لیے اچھی شراب بھی دی جاتی ہے۔۔۔ یہ رونا دھونا میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ شروع شروع میں سبھی ایسا ہی کرتے ہیں۔۔۔ گینڈا ٹھوک پیٹ کر سبھی کو سیدھا کرنا جانتا ہے۔ کچھ کم مار کھاتی ہیں۔۔۔ کچھ زیادہ۔۔۔ کچھ مار کھاتی ہی نہیں۔۔۔ سیدھی سبھی ہو جاتی ہیں۔ تو نے جمیلہ کو دیکھا ہے نا۔۔۔ تمہارے بعد یہی لڑکی سیدھا بازار میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ بہت ضدی تھی۔ مار بھی بہت کھائی۔۔۔ لیکن سیدھی ہو گئی۔ اب کبھی شکایت کا موقع نہیں دیتی۔ اچھا کماتی ہے۔۔۔ اچھا پہنتی ہے۔۔۔ پہلے بہت رویا کرتی تھی، اب نہیں روتی۔ نیپال کی رہنے والی ہے۔ ہندی زبان بھی خوب سیکھ گئی ہے۔ بولے تو کوئی پہچان نہ سکے کہ کہاں کی رہنے والی ہے۔ سیدھا تو سبھی کو ہونا ہی ہوتا ہے۔۔۔ مار کھا کر یا تکلیف اٹھا کر سیدھا ہونے سے کیا فائدہ۔ تمہاری ہی بھلائی کی بات کہتی ہوں۔۔۔ جو کہیں مان لینا۔ مار کھانے سے کبھی کبھی زیادہ چوٹ بھی لگ جاتی ہے۔ ہاتھ پاؤں بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ گینڈا دیکھ بھال کر مارتا بھی نہیں۔ مارتے وقت ہوش نہیں رہتا۔ ہڈی پسلی توڑ دیتا ہے۔ شراب تو پیتا ہی ہے۔ زیادہ پی لے تو وحشی بن جاتا ہے۔ بھینس کو مکا مارے تو وہ بھی بیٹھ جائے۔ تم تو چھوٹی سی پیاری لڑکی ہو۔۔۔"

www.taemeernews.com

اس عورت نے کہتے کہتے صوفے کے قریب پڑا پیکدان اٹھایا اور اس میں تھوک دیا۔ پیکدان رکھتے ہوئے بلونم کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"اٹھ کر بستر پر لیٹ جاؤ۔ کھانا کھا کر سو جانا... بلبل دھندے سے فارغ ہو جاتے وہ اسی کمرے میں سوئے گی۔ میں بھی، جب تک ہمیں پوری طرح سے یقین نہیں ہو جاتا... تم ہماری نظروں سے ایک لمحہ بھی اوجھل نہیں رہو گی۔ تیس ہزار بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ رقم کا دھیان تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔"

بلونم نے آنکھیں صاف کیں۔

اٹھ کر بستر کی طرف جاتے ہوئے ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔

اس عورت نے اپنا نام ڈائنا بتایا تھا۔ اس عورت کا نام ڈائن ہونا چاہیے تھا

بستر پر بیٹھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

●
●

بہت کہنے پر بھی بلونم کھانا نہیں کھا سکی۔ بستر پر بیٹھی روتی رہی۔ بملا کا بدلا ہوا روپ... اس کے لیے پیار... نئے کپڑے... سب باتوں کا راز کھل گیا تھا۔ عید پر قربانی دیے جانے والے بکرے کی طرح اسے کھلایا پلایا گیا تھا...

راکیش کو لے کر سجائے سپنے ایک ہی جھٹکے کے ساتھ ٹوٹ گئے تھے۔ وہ کیسے اتنا بڑا دھوکا کھا گئی...؟ کیسے یقین کر لیا اس عورت کا جس نے اسے کبھی بیٹی نہیں سمجھا تھا۔ دنیا میں ایسے بھی دھوکے ہوتے ہیں۔ یقین نہیں کر پا رہی تھی۔ اس دھوکے کا شکار ہونے کے بعد انسان اتنا گر بھی سکتا ہے۔ اس کی سوچ سے پرے تھا۔ راکیش کی میٹھی باتیں... ایک جال ہی تو تھا، اسے پھنسانے کا جال... بملا جانتی تھی کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ پڑھائی چھوڑنے پر اسے دکھ ہوا تھا۔ پڑھائی... اس کی دکھتی ہوئی نس تھی۔ اسے پھنسانے کے لیے راکیش نے سیدھی اسکی دکھتی رگ پر انگلی رکھی تھی... بملا کے ساتھ مل کر ہی سازش ہوئی تھی۔ وہ شکار ہو گئی۔ کروٹ لیتے ہوئے اس نے دیکھا۔ ڈائنا سو گئی تھی۔ خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ آہستہ سے اٹھی... لکڑی کے فرش پر قدم رکھا۔

ڈائنا نے آنکھیں کھول دیں۔ مسکراتے ہوئے بلونم کی طرف دیکھا۔

"میری نیند بہت ہلکی ہے... سوچا... بلبل آتی ہوگی۔ باہر گینڈا بیٹھا پی رہا ہوگا... بھولے سے بھی باہر مت جانا۔"

بلونم بیٹھ گئی۔ کچھ دیر ڈائنا کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ اس نے بلبل کو اپنے ساتھ لیٹتے دیکھا۔ اپنا جسم سمیٹ لیا۔ بلبل کی سانسوں سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ بلونم بلبل کے جسم کو دیکھتی رہی۔ جسم خوبصورت تھا... ہرا بھرا اور سڈول... لیٹنے کے کچھ ہی دیر بعد بلبل سو گئی تھی۔

کمرے میں چھائی خاموشی میں دو آوازیں شامل تھیں۔ ڈائنا کے خراٹوں کی آواز اور بلبل کی بھاری سانسوں کی آواز۔

چھت کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں بھاری ہوتی چلی گئیں۔ لمبے سفر کی تھکاوٹ اور باہر گینڈے کا خوف... وہ کب سو گئی اسے احساس نہیں ہوا۔

وہ کافی دیر تک سوئی تھی۔ اس بات کا احساس تبھی ہوا جب کسی نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"اٹھو... دن نکل آیا... بلبل بستر کے قریب کھڑی تھی۔ بلونم اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کو کچھ دیر تک دیکھتی رہی... پھر صوفے کی طرف دیکھا۔ ڈائنا کا بھاری جسم اس پر نہیں تھا۔ اٹھتے ہوئے چاروں طرف نظر ڈالی۔ ڈائنا کمرے میں نہیں تھی۔

"ہم لوگ باہر جا رہے ہیں... آؤ چلیں"، بلبل نے کہا۔

"باہر...؟" بلونم کچھ سمجھ نہیں سکی۔

"نہانے دھونے کا یہاں انتظام ہے، اور کچھ نہیں۔ صبح اٹھتے ہی ندی کے قریب جنگل میں جانا پڑتا ہے... سبھی جا رہی ہیں..." بلبل نے کہا۔

بلونم اٹھ گئی... بلبل کے ساتھ چل دی۔

کمرے سے باہر آتے ہی دیکھا۔ سالار اور گینڈا جاگ رہے تھے۔

"اسے سمجھا دینا بلبل...!" سالار نے کہا۔

بلبل نے سر ہلا دیا۔ دونوں گھر سے باہر آ گئیں۔ صبح کا اجالا پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ کچھ دھند بھی تھی۔ گلی میں پھیلی کیچڑ سے بچتی ہوئی وہ بلبل کے ساتھ چلتی رہی۔ بہت سے لپے چوڑے مکانوں کے سامنے سے گزرتے دیکھا۔

سبھی مکانوں کی چھت ٹین کی تھی۔ مکان لکڑی کے... اس چھوٹی سی گلی کو پار کرتے ہی، سبھی مکان ایک دائرے میں بنے تھے۔

تھوڑی دیر میں وہ دائرے سے باہر چلی گئیں۔ پدم نے گھوم کر مڑتی ہوئی لمبی چوڑی ندی کی طرف دیکھا۔ پانی کہیں کہیں ہی دکھائی دے رہا تھا۔ کنکر پتھر دور تک پھیلے تھے۔ ندی کی دوسری طرف درخت، اس سے پرے بکھرے دھندلے دھندلے سے مکان، اور اس سے پرے دور تک پھیلی ہوئی پہاڑی۔

"سالار کیا سمجھانے کے لیے کہہ رہا تھا..." پدم نے بلبل کی خاموشی سے تنگ آکر پوچھا۔

"اس کی بات چھوڑو... میں بھی تم سے کہہ رہی ہوں بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ بھاگ نہیں سکو گی..." بلبل نے اداس لہجے میں کہا۔

"میں جان دے دوں گی۔ میں یہاں بند نہیں رہ سکتی ہوں..." پدم کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"میں بھی یہی سوچا کرتی تھی۔ اب سوچنا بند کر دیا ہے۔" بلبل نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا "چاہنے پر بھی آدمی مر نہیں سکتا۔"

"مرنے کے بہت سے طریقے ہیں..." پدم آہستہ سے بولی پتھر پر پاؤں لٹکاتے ہوئے۔

"ایک طریقہ مجھے بھی بتا دو..." بلبل طنز سے ہنسی۔

"ندی میں کود کر... کسی پتھر سے ٹکرا کر۔"

"ندی میں اتنا پانی نہیں... پتھر سے سر ٹکرانے سے پہلے پیچھے مڑ کر دیکھ لینا۔"

پدم نے چونک کر مڑتے ہوئے دیکھا۔ کچھ ہی فاصلے پر چار دھندلے سائے آہستہ آہستہ چلے آرہے تھے۔ چاروں آدمی تھے۔

"نہ کوئی مر سکتا ہے۔ نہ بھاگ سکتا ہے۔ چپے چپے پر ان کے آدمی ہیں... بہت تیز بھاگنے پر سو گز کی دوری پر بھی نہیں جا سکو گی... پکڑی جاؤ گی۔ پکڑے جانے پر جو اذیت برداشت کرنی پڑتی ہے تم اس کا کچھ اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ میں ہی بتا دیتی ہوں۔ چوبیس گھنٹے کے لیے کھانا بند... سردی ہے تو کپڑے اتار دیے جائیں گے... ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ کر بالوں کو دیوار میں گڑی کھونٹی پر باندھ کر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ ایک انچ بھی ہلنا مشکل ہوتا ہے..."

پدم کے جسم میں جھرجھری آگئی۔ آنسو رہ ہی کانپ اٹھی۔ کانپتی آواز میں پوچھا۔

"آپ نے برداشت کیے ہیں؟"

"میں نے اس سے بھی زیادہ برداشت کیا ہے۔ آہستہ آہستہ چلتی رہو!"

پدم چلنے لگی۔ سامنے پہاڑ کی طرف دیکھتی.. پہاڑی سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"گینڈا کو برداشت کرنے سے موت مانگ لینا اچھا ہے۔ وہ درندہ عورت کے جسم کو نوچ لیتا ہے۔ گھوڑے والی چابک سے جب مارتا ہے تو لگتا ہے جسم کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ کوئی تیز دھار والے ہتھیار سے کاٹ رہا ہے۔ تمہاری عمر ابھی بہت چھوٹی ہے... تمہیں یہاں دیکھتے ہی دکھ ہوا۔ دل میں وہ دکھ رہتے ہوئے بھی یہی کہوں گی یہاں جانے سے پہلے اگر مر سکتی... تو وہ یہاں رہ کر زندہ رہنے سے کہیں اچھا ہوتا۔ وہ ہوا نہیں... تم یہاں پہنچ گئی ہو۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے یہاں رہتے دو سال ہو گئے ہیں۔ یہی سنا ہے یہاں آنے کے بعد کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ کوشش کی تھی اس کی سزا پائی ہے۔ اذیت ناک سزا کے بعد ہی جانا ہے کہ بھاگنا بے وقوفی ہے۔ جو بات آسانی سے جانی جا سکتی ہے اسے تکلیف برداشت کرکے جاننا بیکار ہے۔"

"آپ نیپال کی رہنے والی ہیں۔"

"ہاں کھٹمنڈو کی... اب کہیں کی بھی نہیں۔ بے بس کے کلبلاتے کیڑوں کے درمیان خوف زدہ جانور ہوں... وہ جانور جس میں کیڑوں کو ہٹانے کی طاقت نہیں..."

"آپ یہاں کیسے آئیں...؟"

بلبل طنز سے ہنسی۔

"یہاں کوئی نہیں آتا سبھی لائے جاتے ہیں۔ میں بھی لائی گئی تھی۔ میرے والد نیپال قومی بنک میں کلرک ہیں۔ ماں نہیں ہے۔ ایک رشتے دار کی شادی میں گئی تھی۔ والد صاحب نہیں جا سکتے تھے... بیمار تھے۔ میں میرا مقدر پھوٹا۔ کھٹمنڈو نہیں لوٹ سکی۔ بیمار پتا کو چھوڑ کر آئی تھی۔ یہ بھی نہیں جانتی... وہ ٹھیک بھی ہوئے یا نہیں۔ اس زندگی میں انہیں کبھی نہیں دیکھ سکوں گی..." کہتے ہوئے بلبل کا گلا بھر آیا۔ کانپتے لہجے میں بولی لمبی کہانی ہے... کبھی پھر بتاؤں گی۔

ندی پار ہو چکی تھی۔ سوکھی ندی کے ایک حصے میں پانی کھڑا تھا۔ چھچھلی کی شکل کی ندی کا دوسرا حصہ لکڑی کی

www.taemeernews.com

طرف جا رہا تھا۔ جھاڑیوں کے بیچ اونچائی پر وہ گھر کھڑے تھے۔ وہ قید خانے... جن سے زندہ رہتے چھٹکارا پانا ممکن ہی نہیں... ناممکن تھا... پونم دیکھتی رہی۔ قریب ہی چلتے ان چار سپاہیوں کو دیکھا۔ پہلے بہت صاف دکھائی دے رہے تھے... اب چوڑے جسموں کی شکلیں۔

"تم یہیں بیٹھ لو... زیادہ دیر نہیں لگانا۔ تم نے پانی دیکھنا ہے نا... میں بھی ہو آتی ہوں۔ زیادہ دیر نہ ہو جانے پائے ورنہ جنگل میں کھو جاؤ گے..." جمیل نے ایک طرف جاتے ہوئے کہا۔

پونم کچھ دیر تک آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ کچھ نزدیک ہی جھاڑیوں کی طرف جمیل کی دوری تھی۔ جنگل گھنا دکھائی دے رہا تھا۔ قریب جانے پر گھنا نہیں لگا۔ چاروں طرف چھوٹے چھوٹے راستے اور درخت تھے۔

تھوڑی دیر بعد پونم نے جھاڑی کے پیچھے سے نکل کر پانی کی طرف جاتے دیکھا۔ جمیل اس طرف تھوڑے فاصلے پر جا رہی تھی۔ جنگل سے قریب ہی کہیں سے وہ آدمی بھی ہو رہے تھے۔

●
●

رات اندھیری تھی۔ آسمان پر چھائے بادلوں سے اندھیرا کچھ زیادہ گہرا ہو چکا تھا۔ گلی کی طرف جانے والی چڑھائی پر چڑھتے سوہن کا سانس پھول گیا۔ دو برس سے کچھ زیادہ ہی وقت جیل میں گزرا تھا۔ جسم کمزور اور نڈھال ہو گیا تھا۔ کچھ ہی فاصلہ طے کرنے سے سانس اکھڑنے لگتی تھی۔ یہ تو چڑھائی تھی۔ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر ہانپتے ہوئے اپنے مکان کی طرف دیکھتا رہا۔ مکان کے ٹھیک سامنے لگے لیمپ پوسٹ کی روشنی گلی سے باہر سڑک پر پڑ رہی تھی۔ دھندلی روشنی سڑک پر پھیلی ہوئی تھی۔

کچھ دیر رکنے سے سانس ٹھیک ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ گلی کے موڑ پر پہنچتے ہوئے پھر ہانپ گیا۔ گلا سوکھ گیا تھا۔ اسے پیاس لگی تھی۔ کچھ دیر کھڑا بملا کے مکان کی کھڑکی کے سامنے لٹکتے پردے کی طرف دیکھتا رہا۔ گزری یادیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔ بملا اسے ایک بار بھی جیل ملنے نہیں آئی تھی۔ دیوار پر ہاتھ لگاتے اس نے گہری سانس لی۔

دوسرے ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔

"دیکھنا کون ہے...؟" آواز کسی آدمی کی تھی۔ بملا کی نہیں تھی۔

تو سمجھ میں نہیں آتا... کوئی اور ہی ہے۔ سوہن نے سوچا۔

دروازہ کھلا... بملا نہیں تھی... شلوار قمیض پہنے کوئی ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔

"کس سے ملنا...؟" اس عورت نے پوچھا۔

"بملا سے..." سوہن نے سانس ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"وہ اب یہاں نہیں رہتی..."

"کون ہے سندری...؟" اندر کمرے سے کسی مرد نے پوچھا۔

"کوئی بملا کو پوچھ رہا ہے...!" کہتے ہوئے وہ عورت دروازہ بند کرنے لگی۔

"سنیے... بملا کہاں رہتی ہے... یہ مکان...؟"

"ہم نے کرائے پر لیا ہے۔ بملا پہلی تاریخ کو آ کر کرایہ لے جاتی ہے۔ کہاں رہتی ہے... ہم نہیں جانتے۔"

"لیکن... وہ..." سوہن کچھ نہیں پوچھ سکا تھا۔ عورت نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

سوہن چہرہ اٹھائے بند دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔

بادل زور سے گرجا اور سوہن کا جسم کانپ گیا۔ دیوار سے ہاتھ ہٹاتے آسمان کی طرف دیکھا۔ برسات کبھی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ گلی میں چلنے لگا۔ کچھ ہی فاصلے پر کپور کا مکان تھا۔

اس نے کپور کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

کچھ دیر انتظار کے بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کپور نے ہی کھولا تھا۔

"کون...!" کپور اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"مجھے پہچانا کپور...؟" سوہن کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ارے سوہن... آؤ اندر آ جاؤ... جیل سے کب آئے...؟" کپور ایک طرف ہٹتے ہوئے بولا۔

"آج ہی آیا ہوں۔ دن بھر تیز بارش ہوتی رہی۔ بیمار ہوں۔ بارش سے بھیگنے کے خوف سے جلدی نہ آ سکا۔" سوہن کمرے میں آ گیا۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا... "بھابی کہاں ہیں؟"

"دوسرے کمرے میں سو رہی ہے۔" پھر سوال سرلا

کی شادی کی تھی۔ شفٹ گئی ہے۔" کپور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بملا کہاں رہتی ہے کپور... جانتے ہو؟"

"نہیں۔ اس نے کسی کو بھی پتا ٹھکانا نہیں بتایا... پونم کی شادی کے تیسرے دن گھر چھوڑ دیا تھا۔"

"پونم کی شادی...؟" سوہن نے حیرانی سے کپور کی طرف دیکھا۔ جو سنا تھا اس پر یقین نہ کر سکا۔

"سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ تمہیں نہیں پتا...؟"

"مجھے کون بتاتا؟ بملا تو کبھی آئی نہیں۔ پونم کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے پیسے تو نہیں ہوں گے۔ بملا نے اسے نہیں آنے دیا ہوگا۔ کس کے ساتھ شادی کی ہے...؟"

"بملا کی برادری کا لڑکا تھا... راکیش... لڑکا دیکھنے میں اچھا ہی تھا۔ کار پر آیا کرتا تھا... بملا کہہ رہی تھی بہت امیر ماں باپ کا لڑکا ہے۔ بملا کی تمہارے ساتھ شادی ہونے کی وجہ سے نہیں آتے۔ وہ اس شادی پر خوش نہیں تھے۔"

سوہن آنکھیں پھاڑے کپور کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بملا کی تو کوئی برادری نہیں ہے کپور..." وہ کانپتی آواز میں بولا۔

"نہیں ہے...؟ تو لڑکا کہاں سے آ گیا۔ وہ تو یہی بتا رہی تھی۔ رشتے کی بھی نہیں۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ شادی کے بعد بھی پونم کو دیکھا تھا؟"

"کیسے دیکھتے...؟ تیسرے دن تو گھر چھوڑ دیا۔ کرایہ لینے آتی ہے۔ ایک بار ہی تمہاری بھابی سے ملی ہے... وہ بھی فائر بریگیڈ کے قریب۔ تمہاری بھابی نے پونم کے بارے میں پوچھا تھا۔ کہہ رہی تھی... راج کر رہی ہے۔ لڑکے کے والد بھی راضی ہو گئے۔ بہو کو دیکھ کر خوش ہیں۔"

"لڑکے کے والد...؟ تو لڑکے کے والد شادی میں نہیں آئے تھے...؟" سوہن نے حیرانی سے پوچھا۔

"وہ شادی کے لیے راضی نہیں تھے۔ بملا نے بتایا تھا بہت بیمار ہیں۔ چھوٹے سے لڑکے سے رشتہ کرنا ہی نہیں چاہتے۔ راکیش کی ضد کے آگے خود ہی جھک جاتیں گے۔ لڑکا اکیلا ہی آیا تھا۔ دو چار دوست ساتھ میں تھے۔"

سوہن داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ دیر سوچتا رہا۔

"مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے کپور...!

بملا، پونم کی شادی کرنے کی بات سمجھ سے باہر ہے... وہ تو اسے کھانا بھی دیتی رہی ہوگی... مجھے شک ہوتا تھا۔ اسی خیال نے مجھے ادھ مرا کر دیا تھا... کوئی نہیں جانتا کہ بملا کہاں رہتی ہے...؟"

"شاید بھنڈاری جانتا ہو... اس نے بملا کو قرول باغ کی گلی میں ایک ریڑھی والے سے سبزی لیتے ہوئے دیکھا تھا۔ گھر تو وہ بھی نہیں جانتا..."

"سبزی خرید رہی تھی تو کہیں نزدیک ہی رہتی ہوگی۔ میں تلاش کر لوں گا۔"

سوہن اٹھتے ہوئے بولا۔

"تمہاری بھابی کو جگا دیتا ہوں چائے پی کر جانا۔ بہت تھک گئی تھی منی کے ساتھ سو رہی ہے۔"

"تکلیف نہ کرو کپور..." کہتے ہوئے سوہن اٹھا اور دروازے سے نکل کر گلی میں چلنے لگا۔ وہ بھنڈاری کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔

●
●

بملا نے باتھ روم سے نکلتے ہی دیکھا۔ راجن کروٹ لیے سو رہا تھا۔ چادر اس کے چوڑے کندھوں سے سرک گئی تھی۔ اس کے کندھے پر گھنے بالوں کو دیکھتے ہوئے بملا بال ٹھیک کرتی رہی۔ راجن اسی گلی میں رہتا تھا۔ کسی اسکول میں پی ٹی ماسٹر تھا۔ اسکول کا نام بملا نہیں جانتی تھی صرف اتنا جانتی تھی... راجن کا جسم مضبوط اور گٹھیلا ہے۔ بازوؤں کی مچھلیاں تنی ہوئی ہیں۔ اس گلی میں آتے ہی راجن کی آنکھوں میں اپنے لیے بھوک دیکھی تھی۔ بملا اس کے مضبوط جسم کو دیکھ کر بہک گئی۔ سوہن کی بدبودار سانسوں سے تنگ آ گئی تھی۔

بال ٹھیک کرنے کے بعد وہ بستر کے قریب پہنچی۔ ایک پل دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ پھر راجن کا کندھا ہلا دیا۔

راجن نے سیدھا لیٹتے ہوئے بملا کی طرف دیکھا۔ بملا اس کی چوڑی چھاتی کے گھنے بالوں کو دیکھ رہی تھی راجن مسکرا دیا۔

"اب اٹھو... سوہن کبھی بھی آ سکتا ہے۔" بملا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج وہ نو بجے سے پہلے نہیں آتا۔ ابھی سات بجے ہیں..." راجن اٹھا نہیں۔

www.taemeernews.com

اس کا کوئی بھروسا نہیں۔ ۔ ۔" بملا آہستہ سے بولی۔

"تم اس سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟"

"تمہیں بیس بار کہہ چکی ہوں۔ سوری' اور میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھوگے۔"

بملا کا چہرہ سخت ہو گیا۔

"تمہارے بازوؤں میں آنے سے پہلے میں نے اس بارے میں بات کر لی تھی۔ جب سوری اس گھر میں ہوگا ۔ ۔ ۔ تم نہیں آؤگے۔ اس کے نہ رہنے سے تم میرے مالک ہو۔ کیا تمہیں اتنی بات سے تسلی نہیں؟"

"ہوں ۔ ۔ ۔" کہتے ہوئے راجن نے جسم سے چادر اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ اٹھتے ہوئے بولا۔

"کبھی کبھی سوری پر بہت غصہ آتا ہے۔ سالا کرسٹ کبھی کبھی تو دل کرتا ہے سالے کا گلا گھونٹ دوں ۔ ۔ ۔" راجن جھنجھلاتے ہوئے کپڑے پہنتا رہا۔

"تم نہیں کروگے ۔ ۔ ۔ میں جانتی ہوں ۔ ۔ ۔ صرف کہہ سکتے ہو" بملا مسکرا رہی تھی۔

"ماں کی یاد آتے ہی سہم جاتا ہوں۔ گاؤں میں رہتے ہوئے وہ میرے پیسوں پر ہی جی رہی ہے۔ بہت دکھ سہہ کر اس نے مجھے پڑھایا ہے ۔ ۔ ۔ اسے دکھ دینا ٹھیک نہیں سمجھتا" راجن قمیص کے بٹن بند کرتے ہوئے بولا۔

بملا کچھ نہیں بولی۔

راجن نے بستر کے کونے پر بیٹھتے ہوئے جوتے پہنے اٹھتے ہوئے بملا کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"میں جا رہا ہوں۔"

بملا مسکرا دی۔

"صبح دس بجے آجانا۔ وہ آٹھ بجے چلا جاتا ہے۔" بملا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

راجن نے ہاں میں سر ہلا دیا "ہاں میں ۔ ۔ ۔" پھر مرزا احمد دروازہ کھول کر بند کرتے ہوئے گلی میں آ گیا۔

کمرے کی دیوار سے پرے کھڑکی کے ساتھ چپکے آدمی پر اس کی نظر نہیں پڑی تھی۔ وہ منہ میں سیٹی بجاتا گلی میں چلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد بملا سوچنے لگی تھی ۔ ۔ ۔ سوری بھی ہی دیر میں آ جائے گا۔ اسے برداشت کرنا ہی ہوگا کبھی کبھی پدم کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ کانپ اٹھتی تھی ۔ ۔ ۔ سوری کے کہنے پر ہی سب کچھ کیا تھا۔

پدم کے گھر رہتے ہوئے آرام کے ساتھ وہ پدم کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ سوری نے ہی ترکیب بتائی تھی سانپ بھی مر جائے۔ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ لڑکی سے چھٹکارا بھی اور رقم بھی۔ سب آسانی سے ہو گیا تھا۔ سوچتے ہوئے وہ اٹھی۔ راجن چلا گیا تھا ــــ وہ دروازے کی طرف چل دی۔

دو قدم چل کر ہی چونک کر رک گئی۔ دروازہ کھل رہا تھا۔

دروازہ کھول کر جو آدمی اندر آیا اسے پہلی نظر میں تو پہچان نہ سکی۔ پہچانا تو ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"تم ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔؟" وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

سوہن نے دروازہ بند کر لیا۔ پلٹتے ہی چاقو ہاتھ میں تھا۔

"ذرا سا شور کرنے پر چاقو تمہارے پیٹ میں اتار دوں گا۔ تین سال کاٹ کر آیا ہوں ۔ ۔ ۔ کچھ اور کاٹنے پڑیں، کاٹ لوں گا" سوہن اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"تم ۔ ۔ ۔ تم یہاں کیسے" بملا نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔

"تھانیدار کی نے تمہیں اسی گلی میں ایک بار سبزی خریدتے دیکھا تھا۔ وہ گھر نہیں جانتا تھا۔ تین دن سے اس گلی میں آ جا رہا ہوں۔ صبح سے لے کر رات تک۔ بھول ہو گئی۔ سات بجے ہی چلا جاتا تھا۔ سوری رات کے نو بجے سے پہلے نہیں آتا ۔ ۔ ۔ ابھی سنا ہے۔ میں سوری کی کار کو دیر تک اس گلی میں رہنے سے پا سکتا تھا۔ خیر ۔ ۔ ۔ میں نے پا ہی لیا کل اسی لڑکے کو چھوڑنے تم گلی تک آئی تھیں ۔ ۔ ۔ میں نے تمہارا گھر دیکھ لیا تھا۔ اب تمہارے سامنے ہوں یہ"

"تم چاہتے کیا ہو ۔ ۔ ۔؟" بملا کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ نظر سوہن کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لمبے چاقو پر جمی تھی۔

"بہت کچھ تم سے پوچھنا ہے۔ جھوٹ تم بولتی رہی ہو اس وقت سچ ہی کہنا ہوگا۔ جھوٹ بولنے پر تمہیں چھوڑوں گا نہیں ۔ ۔ ۔ پدم کہاں ہے؟"

"اس کی شادی ہو گئی ۔ ۔ ۔ سب ہی جانتے ہیں۔" بملا نے سہمے سہمے لہجے میں کہا۔

"سب یہ نہیں جانتے کہ تمہاری کوئی لڑکا نہیں۔ اس

www.taemeernews.com

کہ لڑکا کہاں سے آگیا؟"

سوہن طنزیہ بولا۔

"مجھے کہنا پڑا تھا۔ لڑکا اچھا تھا۔ پدم اس کے ساتھ خوش ہے۔" سوہن اسے کچھ دیر گھورتا رہا۔

"تم نے سچ کبھی نہیں بولا... اب بھی نہیں بول رہی ہو" سوہن دانت پیستے ہوئے بولا۔

"جس دن مجھے سوری نے پکڑوایا۔ وہ دن وہی تھا جب سوری کے ساتھ میں نے تمہیں اسی حالت میں دیکھا تھا۔ جیسے آج بہت دیر کھڑکی سے لگا تمہیں دیکھتا رہا ہوں... کھڑکی کی دراز میں سے... میں غصے سے پاگل ہو گیا تھا... آج نہیں ہوں... تمہارے جیسی عورت سے اور امید بھی کیا کی جا سکتی ہے۔ اس دن جب میں نے تمہیں پیٹتے ہوئے دروازے میں پھینکا تھا، تو تم نے ماں کے سامنے جو بکواس کی تھی... میں کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ کس خوبصورتی سے تم جھوٹ بولتی چلی گئی تھیں۔ میں حیرانی سے وہیں دیکھتا رہا... پدم کے سامنے اور اپنی ماں کے سامنے زبان نہیں کھول سکا تھا۔ میں بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں... مانتا ہوں۔ یہ قصور میرا نہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں بہت پیار دیا بملا! تمہیں مجھ سے تسلی تھی۔ تم خوش تھیں۔ تم نے ہزار ول بار یہ بات میرے بازوؤں میں لیٹے ہوئے کہی ہو گی... ایک ہی بات کی مجھ میں کمی تھی۔ وہ بات سوری کے پاس تھی۔ روپیہ... روپیہ ہی تمہیں سوری جیسے بوڑھے کے پہلو میں لے گیا تھا۔ اسی سوری سے آج تم نفرت کرنے لگی ہو... میں سن چکا ہوں۔ اس کی بھی جان لینا چاہتی ہو۔ تم سوری کو مار دو یا مروا دو۔ مجھے سن کر خوشی ہو گی۔ لیکن ابھی تمہیں سچ کہنا ہے... سچ کہے بغیر چھٹکارا نہیں... ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا"

"میں سچ کہہ رہی ہوں! پدم سکھی ہے۔" بملا جلدی سے بولی۔

"پدم کہاں ہے...؟"

"وہ... وہ... اس کا خط کبھی نہیں آیا" بملا گھبرا گئی۔

سوہن کا ہاتھ چلا تھا تیزی سے۔ پوری طاقت سے سوہن نے کنپٹی پر مکہ دے مارا تھا۔ بملا دیوار کے ساتھ ٹکراتے ہوئے بے ہوش ہو کر بیٹھی۔ سوہن نے چاقو اپنے دانتوں تلے دبا لیا۔ بملا کو اٹھا کر بستر پر ڈالا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھتے ہوئے گلاس اٹھا کر باتھ روم میں گیا۔ کمرے میں واپس آ کر بملا کے چہرے پر پانی پھینک دیا۔

بملا نے آنکھیں کھولیں۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے کھڑے سوہن کو دیکھتی رہی۔ سوہن اس کے قریب آ رہا تھا۔

"اب ایک جھوٹ بھی نہیں سنوں گا۔ ایک جھوٹ اور تمہارے پاؤں کی ایک انگلی کٹ جائے گی۔ دس جھوٹ پر کوئی انگلی باقی نہیں رہے گی۔ پھر ہاتھوں کی باری آئے گی..." سوہن اس کے قریب بستر پر بیٹھتے بولا۔ چاقو کی نوک ایک پاؤں پر لگا دی تھی۔ بملا سہمی ہوئی آنکھوں سے چاقو اور اپنے پاؤں کو دیکھتی رہی۔

"پدم کہاں ہے...؟"

"میں... میں نہیں جانتی، سوری جانتا ہے۔"

سوہن کا چاقو اندر ایک انگلی پر رک گیا۔

"بتاتی ہوں... بتاتی ہوں" بملا چیخ اٹھی۔

"بتاؤ...!" چاقو کی دھار اب بھی انگلی پر تھی۔

"سوری نے اسے بیچ دیا ہے... بھوٹان بارڈر کے قریب ایک میلہ بازار ہے۔ سوری وہاں بہت بار جا چکا ہے۔ بہاری نام کے لڑکے کو اس نے خط لکھ کر بلایا تھا۔ وہ شادی کر کے پدم کو لے گیا۔"

"کتنے پیسے ملے تھے...؟" سوہن غصے کو پیتے ہوئے بولا۔

"تیس ہزار روپے۔"

"دوکان کتنے میں بیچی...؟"

"ساٹھ ہزار میں۔"

"دونوں دوکانیں۔"

"دوسری تو سوری کی تھی... اسی نے تیس روپیہ دیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا"

"حرامزادہ!"

"سوری میں لکڑی کا ایک بکس پڑا تھا۔ میں نے پدم کو اس کی چابی دی تھی۔ اس میں بیس ہزار روپے پڑے تھے۔ پدم کو نہیں ملے ہوں گے... چلتے وقت وہ مجھ سے ملنے ضرور آتی۔ تم نے نکالے تھے...؟"

"ہاں... میں نے تمہیں بکس گھسیٹ کر باہر نکالتے دیکھا تھا۔ جس دن ماں مری، اس کے اگلے دن ہی نکال لیے۔"

"بہت چالاک ہو... تمہارا انجام بھی ایک دن بہت برا ہوگا۔ میں میلہ بازار جا رہا ہوں۔" بہالی سے ایک ملن سوری

www.taemeernews.com

کے کہنے پر وہاں مال دینے گیا تھا۔ سوری نے ہی میڈبازار کے بارے میں بتایا تھا... کمینی عورت تو نے میری بیٹی کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا ہے۔ دل تو کرتا ہے تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں، مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ تمہارے گندے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ اس کی سزا تمہیں بھگوان ہی دے گا۔ وہ سزا اتنی خوفناک ہوگی کہ تو خود اپنی موت مانگے گی۔ کسی کتے کو پالنے کے بعد بھی آدمی اسے نہیں بیچتا اس خیال سے اس کا دل دہل اٹھتا ہے۔ ذلیل عورت تو نے ایک معصوم اور خوبصورت بچی کو بیچ ڈالا ہے۔ تو نے کہا تھا میں مال بننا چاہتی ہوں... جو چڑیل بن گئی وہ مال کیا بنے گی...“ سوہن کہتے کہتے رک گیا۔

اس نے گلی میں کار کے رکنے کی آواز سنی تھی۔

”شاید وہ آ ہی گیا...“ کہتے ہوئے سوہن تیزی سے اٹھا۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد ایک کپڑا اٹھا لیا۔ بلا کے منہ میں ٹھونستے ہوئے کپڑے کو باندھ دیا۔ بلا ہل بھی نہیں، سہمی ہوئی سوہن کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے سوہن سنتا رہا۔ کوئی دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ آہٹ رکی، پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ سوہن نے تپائی پر پڑی بوتل اٹھالی۔ پھر ایک طرف ہٹتے ہوئے دروازہ تھوڑا سا کھولا۔

”مجھے سہارا دو بلا... کچھ زیادہ ہی پی گیا ہوں...“ سوری کی آواز لڑکھڑا رہی تھی اور قدم بھی۔

تبھی اس کی نظر بلا پر پڑی۔ چہرے پر حیرانی کا رنگ ابھر آیا۔ پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ سوہن نے پوری طاقت سے اس کے سر پر بوتل دے ماری تھی۔

سوری دروازے کے قریب ہی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ سوہن نے دروازہ بند کر دیا۔ سوری کے جسم کو گھسیٹ کر کرسی تک لے جاتے وہ ہانپنے لگا تھا۔ کرسی پر سوری کا جسم ڈالنے کے بعد اس نے سوری کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ مشکل سے اس کا جسم کرسی پر سیدھا کیا۔ سوری کی گردن ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ ہونٹوں کے کونوں پر جھاگ تھی۔ سر سے خون بہہ کر جھاگ تک آ گیا تھا۔

گوں... گوں... گوں... بلا تڑپ رہی تھی۔ بلا کی خوف زدہ آواز سن کر سوہن نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

”تم لوگ اتنی آسانی سے نہیں مرو گے۔ گلا کاٹنے والے ہاتھ کبھی کبھی اپنی گردن کی طرف بھی اٹھ جاتے ہیں۔“

کرتے ہیں۔ تم لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوگا...“ یہ کہتے ہوئے اس نے گلاس پھر اٹھایا اور باتھ روم کی طرف چل دیا۔

اسے پانی نہیں ڈالنا پڑا۔ واپس آیا تو سوری پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”سوہن...“ کہتے ہوئے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

سوہن نے گلاس پھینک دیا۔ چاقو ہاتھ میں لے کر آہستہ آہستہ سوری کی طرف بڑھا۔

”مت مارنا سوہن... مجھے مت مارنا،“ سوری گڑگڑا رہا تھا۔

”حرامزادے کتے...! میری بیوی کو ورغلانے کے بعد مجھے جیل بھجوا کر بھی تمہارا دل نہیں بھرا۔ میری بیٹی کو بھی تو نے بیچ ڈالا۔ تیرے پاس تو بہت دولت ہے سوری اس معصوم کی زندگی کیوں برباد کی...“

”قصور میرا نہیں... بلا اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔“

سوہن نے بلا کی طرف دیکھا۔

بلا نے گوں... گوں... کر کے تیزی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ بستر پر اچھل رہی تھی۔

سوہن طنزیہ ہنسا۔

”سنا تھا... عورت چاہے تو مکان کے دس کھلے دروازوں سے کسی کو بھی باہر نہ جانے دے۔ وہی عورت بند دروازوں میں رہتے سوئی جیسے چھید میں سے پورا گھر باہر نکال دیتی ہے... کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ اس عورت جیسی عورتیں تو اس دھرتی پر کم ہی پیدا ہوتی ہیں۔“

سوہن بلا کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔

”میں نے ہمیشہ ہی عورت کی پوجا کی ہے۔ پتنی بھی تھی۔ میری ماں بھی دیوی تھی۔ میں نے اپنے ہی بھائی کو ایک عورت کے مرنے پر پاگل ہوتے دیکھا ہے۔ وہ بھی اسے پوجا کی حد تک پیار کرتا تھا۔ میں نے عورت کا یہی روپ جانا تھا۔ عورت تیاگ اور ممتا کا دوسرا نام ہے... یہی دیکھا تھا یہی سمجھا بھی تھا۔ بلا جیسی عورت دیکھنے سے پہلے وہی سچ تھا۔ ایسی عورت کی وجہ سے ہرا بھرا گھر برباد بھی ہو سکتا ہے یہ آج ہی جانا ہے... جو عورت کسی کی بیٹی کو بھی بیچ سکتی ہے وہ ممتا کیا جانے... میں تمہیں مار ڈال بھی نہیں سکتا

ہی اس عورت کو... تم خود ہی مروگے۔ اور اسی عورت کے باعث مروگے... " کہتے ہوئے سوہن بملا کی طرف بڑھا۔

" تمہاری عادتوں کو تو جانتا ہوں... الماری کی چابی کہاں ہے...؟ "

بملا کی نظر اچانک ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کی طرف اٹھ گئی تھی۔ سوہن مسکرادیا۔

" تمہیں پیسہ گھر میں رکھنے کی عادت ہے... میں جانتا ہوں... پیسہ الماری میں دیکھ کر جو چمک تمہاری آنکھوں میں آتی ہے۔ میں نے وہ چمک بھی دیکھی ہے۔ تمہیں ڈھیر سارے نوٹ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے... " سوہن نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

سوہن کے ہاتھ میں چابی دیکھتے ہی بملا اچھلنے لگی۔ گوں... گوں... کی آواز تیز ہوگئی تھی۔

" چوروں کو لوٹنا کوئی پاپ نہیں جو دولت تو نے میری بیٹی کو بیچ کے حاصل کی ہے شاید اسی دولت سے میں اپنی بیٹی کو واپس لاسکوں... " سوہن الماری کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ بملا پھر اچھلنے لگی۔

سوہن نے الماری کھول دی۔ پیسوں تک پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔ نوٹوں کے بنڈل ہاتھوں میں لیتے ہوئے بملا کی طرف دیکھا۔

بملا گوں... گوں... کررہی تھی، تڑپ رہی تھی۔

" تیس ہزار سے اوپر ہی ہوں گے۔ مجھے کچھ زیادہ کی امید تھی۔ لگتا ہے کسی بینک میں ہوں گے... " سوہن نوٹوں کے بنڈل جیبوں میں ٹھونستے ہوئے بولا۔

بملا کی گوں... گوں... کی پروا کیے بغیر نوٹ جیب میں ڈالنے کے بعد وہ صوفے کی طرف چل دیا۔ صوفے کی جیبیں خالی کردیں۔

" صبح دس بجے ایک لڑکا اس کمرے میں آئے گا۔ اسی گلی میں رہتا ہے۔ راجن نام ہے اس کا... بملا اسے جانتی ہے۔ تم دونوں کو دیکھ کر اسے حیرانی بھی ہوگی۔ وہی کھولے گا۔ اس سے پہلے کوئی دوسرا کمرے میں آئے، مجھے امید نہیں... تب تک میں بہت دور چلا جاؤں گا۔ چور، چوری کے مال کی رپورٹ کرنے تھانے میں نہیں جاتا۔ میں جانتا ہوں سوری... تم بھی یہ بے وقوفی نہیں کروگے۔ تمہارے گناہوں کی سزا میں تمہیں نہیں دے رہا۔ یہ سزا تم خود ہی پاؤ گے... جیسے میں نے پائی ہے۔ نقلی دوا بنانے کی سزا... جس کے لیے تم نے اور اس عورت نے مجھے مجبور کردیا تھا... اس عورت کے پیار نے مجھے یہ دن دکھایا۔ میری ماں اس صدمے سے چل بسی... میری بیٹی کو تم لوگوں نے بیچ دیا بھگوان تم لوگوں کو دیکھے گا... " کہتے ہوئے سوہن دروازے کی طرف چل دیا۔ سوہن نے دروازہ کھولا۔ باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کرتے دیکھا... چار آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔

سوہن دروازہ بند کرنے کے بعد گلی میں آگیا۔

●
●

جنگل سے واپس ہوتے ہوئے پونم نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ کہیں کہیں بادل چھائے تھے۔ صبح کی پیلی دھوپ چاروں طرف بکھری تھی۔ کھوشان کی پہاڑی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ چار لڑکیاں ہنستی ہوئی آگے چل رہی تھیں۔ کبھی کبھی مڑ کر اس پر نظر ڈال لیتیں۔

پہلی بار جب بلبل کے ساتھ گھومنے آئی تھی تو چار آدمی اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ اب آدمی نہیں رہتے۔ ڈائنا کو یقین ہوتا چلا جارہا تھا... اب پونم بھاگے گی نہیں۔

اس نے چلتے ہوئے سامنے ٹیلے پر بنے قید خانوں کی طرف دیکھا۔ پھر دوسری طرف چھوٹی ندی کی طرف... یہ ندی اس نے برسات کے موسم میں دو بار بھرتے اور خالی ہوتے دیکھی تھی۔ اسے یہاں رہتے دو سال بیت چکے تھے۔

بلبل نے کہا تھا... اس ندی میں اتنا پانی نہیں کہ آدمی ڈوب سکے۔ پانی ہوتے بھی دیکھا تھا۔ ڈوبنے کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ بچالی گئی... بلبل نے [illegible] کہا تھا۔ یہاں رہ کر آدمی مر نہیں سکتا۔ سزا کی اذیت برداشت کرنے سے پہلے ہی سمجھ لینے میں آدمی تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی وہ مرنے کے ارادے سے پیچھے نہیں ہٹ سکی تھی۔ تیز بہتے پانی میں گرتے ہی لگا تھا کہ جہنم کی اس زندگی سے چھٹکارا مل گیا ہے۔ ڈھیر سا پانی پیتے ہی سانس اکھڑ گئی تھی۔ کچھ نہیں ہوا... ہوش آنے پر وہ زندہ تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی گینڈا کا چہرہ دکھائی دیا تھا۔ وہ اسی بستر پر پڑی تھی جس پر پہلی بار کھیم چند نے اسے لوٹا تھا۔

www.taemeernews.com

گوہاٹی کا وہ سیٹھ جسے رائیش لے کر آیا تھا۔۔۔ سیلہ بازار کا بہاری دادا۔ اسے ڈائنا نے سجایا تھا۔ وہ کسی لاش کی طرح سجتی رہی تھی۔ سالار اور گینڈا باہر کھڑے تھے۔ ہاتھ میں گھوڑے کے پیٹنے والی چابک تھی۔۔۔ بلبل نے آنکھوں میں آنسو بھرتے اسے تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"تو بہت معصوم ہے۔۔۔ یہاں آنے کے بعد سہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ مقدر سمجھ کر سہہ لے پونم۔۔۔ کھال ادھڑوانے کے بعد بھی تمہیں وہی کرنا ہوگا جو یہ چاہتے ہیں۔۔۔"

پونم نے سہا تھا۔۔۔ اس نے سیٹھ کیم چند کے پاؤں پکڑتے ہوئے رو کر کہا تھا۔۔۔ تم دس ہزار رات کا دے چکے سیٹھ انہیں بیس ہزار اور دے دو۔۔۔ تیس ہزار میں ان لوگوں نے مجھے خریدا ہے۔ اس کے بعد ہمیں بھی رکھو میں نوکرانی بن کر رہ لوں گی۔ پوری زندگی تمہارے قدموں میں پڑی رہوں گی۔۔۔ مجھے اس جہنم سے نکال لو۔

کیم چند نے اسے بازوؤں میں بھرتے ہوئے یہی کہا تھا۔۔۔ وہ پیسہ دے کر اسے لے جائے گا۔ پونم نے جسم پر ہوس کا ظلم برداشت کرتے یہی سوچا تھا۔ کیم چند اسے چھڑا لے گا۔۔۔ یہی سوچ کر وہ سہتی رہی تھی۔

کیم چند نے بھی دھوکا دیا۔ صبح جاتے وقت وہی باتیں گینڈا اور سالار کو بتا دی تھیں۔۔۔ سالار اور گینڈا ہنستے رہے تھے۔ اس کی اس احمقانہ بات پر ڈائنا ہنسی تھی ڈائنا نے کہا تھا۔۔۔ سیٹھ ہمارا پرانا گاہک ہے۔ تم جیسی ہزاروں لڑکیوں سے کھیل چکا ہے۔ ہر لڑکی نہ سہی۔ بہت سی لڑکیوں نے اس سے یہی بات کہی تھی۔ رات کو جو وعدے کیے جاتے ہیں ہر سمجھدار آدمی انہیں صبح اٹھتے ہی بھلا دیتا ہے۔ سیٹھ بھی سمجھدار ہے۔۔۔ نہ ہوتا تو ہزاروں کے قریب نوکرانیاں اسے رکھنی پڑتیں۔

پونم نے روتے ہوئے یہ باتیں سنی تھیں۔ کیم چند ہنستا ہوا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے آئینہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ چہرے پر بہت نشان تھے۔۔۔ نیلے اور لال نشان۔۔۔!"

وہ دیر تک ان نشانوں کو دیکھتی رہی تھی۔ اس کا من درد سے بھرتا چلا گیا تھا۔ درد زیادہ تھا قوت برداشت کی حد سے پرے۔۔۔ آئینے کی طرف دیکھتے ہوئے ایک خیال تیزی سے دماغ میں آیا تھا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ کھلے دروازے پر پردہ ساکن تھا۔ وہ دروازے کے قریب چلی گئی۔ پردہ ہٹا کر جھانکا تھا۔ باہر کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑی سنتی رہی۔ کسی کی آواز نہیں تھی۔

وہ لوٹ کر واپس آئی تھی۔ الماری پر سے تالا اٹھا لیا تھا۔ وہی تالا بڑی بے رحمی سے آئینے سے ٹکرا دیا۔ آئینہ نہیں ٹوٹا۔۔۔ اس نے پھر دے مارا۔ تیسری بار ہلکی سی آواز کے ساتھ آئینہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے ایک تیز نوک والا ٹکڑا اٹھا لیا تھا۔ ایک لمحہ بھی نہیں سوچا۔ شیشے کی تیز دھار سے کلائی کی رگ کاٹ ڈالی تھی۔ خون ابل کر باہر نکلنے لگا۔ کسی پاگل کی طرح اس نے وہی نوکیلا ٹکڑا خون سے بھرے ہاتھ سے لیا تھا۔ دوسرے ہاتھ کی کلائی کی طرف بڑھاتے اس کا ہاتھ ذرا نہیں کانپا تھا۔ وہ مرنا چاہتی تھی، مر نہیں سکی۔ وہ ٹکڑا دوسری کلائی تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ ڈائنا نے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

پتھر پر قدم رکھتے پونم نے کلائی پر بنے نشان کی طرف دیکھا۔ نشان اب بھی باقی تھے۔ چابک کے نشان جسم سے مٹ چکے تھے۔ ٹھیک ہو جانے پر سالار نے اسے مارا تھا گینڈا نے نہیں۔۔۔ گینڈا مارتا تو چابک کے نشان کبھی نہ مٹتے۔ ڈائنا نے یہی سمجھایا تھا۔

اونچائی پر چڑھتے ہوئے پونم نے دیکھا۔ لنگڑا لڑکھڑاتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکلا۔۔۔ شراب کی بوتل اس کے ہاتھ میں تھی۔

سبھی جانتے تھے۔۔۔ پاگل صبح سے لے کر رات تک پیتا رہتا تھا۔ کبھی بھی نہاتے یا کپڑے بدلتے اسے پونم نے نہیں دیکھا تھا۔ ہر موسم میں وہی کپڑے۔ جو بھی کوئی کام کرتا چلا جاتا تھا وہ نشے کی جھونک میں کرتا چلا جاتا تھا۔ کام اچھا ہو یا برا اسے کوئی مطلب نہیں۔ اسے مطلب تھا پیسوں سے۔۔۔ جو پاتا تھا اسی سے شراب خرید لیتا تھا۔

"کیسی ہو دہلی والی۔۔۔؟" پونم پر نظر پڑتے ہی لنگڑے نے پوچھا۔

پونم سہم گئی۔ کچھ ہی دور ٹھٹھک کر کھڑی چاروں لڑکیوں سے جا ملی۔

لنگڑا زور سے ہنسا۔

"ڈرتی ہے۔۔۔ مجھ سے ڈرتی ہے۔ سبھی ڈرتے ہیں۔"

پونم چلتی رہی۔۔۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ لڑکیوں کے ساتھ سر جھکائے چلتے ایک بات سوچ

www.taemeernews.com

رہی تھی۔ اس دہلی والی کی بات پر ہی کئی بار یہ بوڑھا بہاری کے ہاتھوں مار کھا چکا ہے۔ کون کہاں کی ہے ... یہ باتیں میڈ بازار میں کہنا ٹھیک نہیں۔ سب میڈ بازار کی ہیں۔ یہاں پہنچ جانے کے بعد یہی بات رہ جاتی ہے۔ نام بھی بدل دیے جاتے ہیں۔ پونم کا نام بھی اب چاند تھا۔ کھیم چند کا دیا نام چاند۔ سبھی اسے چاند کہتے تھے۔ یہ بوڑھا نہیں کہتا۔ اسے دہلی والی کہتا تھا۔ کبھی کبھی پونم بھی۔

جب وہ کہتا تھا ... پٹتا تھا، پٹنے کے بعد بھی کہنا نہیں چھوڑتا۔ سوچتے ہوئے اپنے ساتھ چلتی لڑکیوں کی طرف پونم نے دیکھا۔

دو لڑکیاں میدو طلبز کی تھیں۔ دو کھسیا شیلانگ کی۔ چاروں اس کے آنے کے پہلے کی تھیں۔ ان میں کوئی بھی بہاری سے یہ بات کہہ دے گی۔ بوڑھا مار کھائے گا۔ سوچتے ہوئے پونم کا جسم کانپ گیا۔

بہاری کے ہاتھوں اس بوڑھے کو مار کھاتے دیکھ چکی تھی۔ بہاری بری طرح مارتا تھا۔ بہاری کا چہرہ دیکھ کر آج نہیں لگتا ... کہ کبھی یہ راکیش کا چہرہ تھا۔ ایک ہی جسم پر کپڑے بھی بدل جاتے ہیں ... چہرے بھی بدل سکتے ہیں، یہ بہاری کو دیکھ کر ہی جانا تھا۔

"میں تمہیں پڑھاؤں گا ... راکیش نے کہا تھا۔

آدمی ایک ہی تھا۔ چہرے بدل گئے تھے۔ بہاری کا چہرہ خوفناک تھا ... رحم کا نام نہیں۔ راکیش نے اسے چھوا تک نہیں تھا۔ بہاری اسے استعمال کر چکا تھا۔ پیسہ وصول کرنے کے بعد۔ کھیم چند نے ایک رات کے دس ہزار دیے تھے۔ اب ایک رات کی قیمت صرف سو روپیہ تھی۔ سو ڈرا سا کو دینے کے بعد پوری رات جھیلنا پڑتا تھا۔ پونم کو بدلے میں ملتا تھا ... کھانا اور کپڑا ... بلبل شراب بھی پیتی تھی۔ پونم نہیں پیتی ... پی ہی نہیں سکی۔ بہاری نے اسے پلانی چاہی تھی۔ پونم نے نہیں پی۔ بہاری نے پیٹا بھی تھا۔

پونم سر جھکائے چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

بہاری نے ذرا سی بات پر اس بوڑھے کو بہت پیٹا تھا۔ جب یہ لوگ مارتے ہیں۔ کوئی بیچ میں نہیں آتا کسی میں ہمت نہیں ... ہمت کی ضرورت بھی نہیں۔ کون دوسرے کی مصیبت اپنے سر لے۔

بہاری مار رہا تھا۔ سبھی کھڑے دیکھ رہے تھے بوڑھے کے ہونٹوں سے خون بہتے پونم نے بھی دیکھا تھا۔ پونم کا من درد سے بھر گیا تھا۔ بہاری کو روکنے کی ہمت اس میں بھی نہیں تھی۔

بوڑھے نے ڈائنا سے شراب پی تھی۔

جیب میں ہاتھ ڈال کر جب پیسے نکالنے چلے تھے پیسے نہیں تھے۔ بوڑھے نے کہا تھا ... کہیں گر گئے ہیں۔ ڈائنا نے بہاری کو آواز دی تھی۔ بہاری نے بوڑھے کو مارنا شروع کر دیا تھا۔ کوئی شراب پی کر پیسے نہ دے ... بہاری کیسے برداشت کرتا۔ مارنے لگا تھا۔

"مجھ پر یقین کرو، بہاری استاد ... جب آیا تھا تو پیسے میری جیب میں تھے۔ سندھی سے پوچھ لو۔ بھوٹان سے چار بوتل لایا تھا۔ پانچ کا نوٹ انعام میں سندھی نے دیا تھا۔ کہیں گر گیا ... مجھ پر یقین کرو۔"

بہاری نے یقین نہیں کیا۔ بہاری یقین کرنا نہیں جانتا۔ وہ مارتا رہا تھا۔ سب دیکھتے رہے تھے۔ لات ... گھونسے تھپڑ۔ اس کمزور جسم پر کون سی چوٹ کہاں لگی ... بہاری کو دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ ایسی ہی باتوں سے ان کا خوف بنا رہتا تھا۔ ایسے ہی مواقع انہیں چاہئیں۔ جب کسی کو ماریں دوسرے سہم جائیں۔

بہاری وہ موقع کیسے چھوڑ دیتا۔ بوڑھا بری طرح مار کھانے کے بعد جب نڈھال ہو گیا ... تبھی بوڑھے کو چھوڑا تھا۔

"چلو جاؤ مرا دیوا اپنے اپنے کیبن میں ..." بہاری مڑتے ہوئے دہاڑا تھا۔ سبھی لڑکیاں سہم کر کھسک گئی تھیں پونم آڑ میں تھی۔ بہاری کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی وہ بوڑھے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بوڑھا زمین پر لیٹا ہوا تھا ... اسے لگا جیسے بوڑھا مر گیا ہے۔ ہل بھی نہیں رہا تھا۔ بہاری ایک کیبن میں گھس گیا تھا ... ناگا لڑکی کے کیبن میں۔ جو کچھ دن پہلے نئی نئی آئی تھی۔ لمبی، چوڑی ... چھ فٹ قد ... بھرے بھرے ہاتھ اور پاؤں۔ پونم نے ایسی لمبی تڑنگی لڑکی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ بہاری اس کے کیبن میں چلا گیا تھا۔ مارنے کے بعد بہاری کو عورت کی ضرورت پڑتی تھی۔ پونم یہ بات جانتی تھی۔

وہ کھڑی بوڑھے کی طرف دیکھتی رہی۔ دو آدمی کمرے میں آئے ... بوڑھے پر نظر ڈالی اور کرسی کی طرف چل دیے۔ ڈائنا نے شراب کے گلاس ان کے ہاتھوں میں تھما دیے تھے۔ پونم نے سنا تھا۔ بوڑھا کراہنے لگا تھا۔ عجیب سی درد بھری آواز اس کے ہونٹوں سے پھوٹی تھی۔ پونم دیکھتی رہی۔

www.taemeernews.com

"پانی... پانی..." بوڑھا پانی مانگ رہا تھا۔ شراب پیتے ہوئے دونوں آدمی ہنس دیے تھے۔

ڈائنا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سالا ہی کر ڈکار ہو گیا۔ جیب میں پیسہ نہیں۔"

وہ آدمی پھر سے ہنسنے لگا۔ خالی گلاس ڈائنا کی طرف بڑھا دیے۔

"پانی... پانی... کوئی پانی دے دو" بوڑھا اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ اٹھ نہیں سکا۔ زمین پر بیٹھے ہوئے ہتھیلی پر کانپتے جسم کا بوجھ سنبھالے کہتا چلا گیا۔

"پانی... پانی..."

پونم اپنے آپ کو روک نہیں سکی۔ تیزی سے بیٹھی۔ پانی کا گلاس بھرا اور بوڑھے کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا۔ بوڑھا ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر گیا۔ پونم ان نگاہوں کو آج تک نہیں بھولی۔ جو پانی پینے کے بعد پونم کے چہرے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ ان آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔

"کہاں کی رہنے والی ہو...؟" بوڑھے نے کانپتی آواز میں پوچھا تھا۔

"دہلی کی!"

"تمہارا نام کیا ہے بیٹی...؟"

"پونم..." اس نے کہہ دیا۔ وہ بوڑھے کی آنکھوں میں امڈ آئے پیار اور بھری آنکھوں کو دیکھتے ہی بھول گئی تھی۔ اسے یہ باتیں نہیں کہنی چاہئیں۔ ڈائنا کی لات پیٹھ پر پڑتے ہی وہ اچھل کر دور جا گری تھی۔ گلاس ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹا اور بکھر گیا۔

"کتیا...!" اس نے چونک کر اٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ بوڑھا سیدھا تن کر کھڑا چیخ اٹھا تھا۔ پونم کو لگا وہ ڈائنا کا گلا دبا دے گا۔ ڈائنا اس چیخ سے سہم گئی تھی۔ بوڑھا کچھ دیر جلتی ہوئی آنکھوں سے ڈائنا کی طرف دیکھتا رہا تھا پھر جھٹکے سے مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دونوں آدمی گم سم سے کھڑے تھے۔

"کون چیخا تھا...؟"

سالار آنکھیں ملتا ہوا کمرے میں آیا۔ ڈائنا نے اسے پوری بات بتا دی۔ بات سنتے ہی سالار نے پونم کو بالوں سے پکڑ لیا تھا۔ گھسیٹتا ہوا اسے کمرے میں لے گیا تھا۔ پونم کو سالار نے پیٹا تھا۔

اس دن کے بعد... بوڑھا جب بھی ملتا تھا اسے "دہلی" والی ہی کہہ کر بلاتا تھا۔ اس بات پر وہ بہت خوش

بیماری سے مار کھا چکا تھا۔ مار کھانے کے بعد بھی کہنا نہیں چھوڑا تھا۔ آج پھر پیٹے گا۔ سوچتے ہوئے پونم مکان میں پہنچی۔ ڈائنا گلاس صاف کرنے کے بعد سجا رہی تھی۔ پونم سیدھی ببل کے کیبن کی طرف چل دی۔ ببل کو تین دن سے بخار تھا۔ ہر رات بخار رہتا پھر بھی گاہکوں کے لیے سج جانا ضروری تھا۔

ببل آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ پونم کے کیبن میں آتے ہی آنکھیں کھول دیں۔ مسکراتے ہوئے پونم کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ پونم نے دیکھا... ببل کا چہرہ بہت پیلا پڑ چکا تھا۔ تبھی تیز ہنسنے کی آواز سنتی رہی۔

کوئی نئی بات نہیں۔ یہ آوازیں نئی نہیں رہی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کیبنیں جو ایک ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے یہ آوازیں ہمیشہ اٹھتی تھیں۔

"کیسی طبیعت ہے دیدی...؟" پونم نے ببل کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ وہ سے... تو یہی کہوں گی، کبھی اچھا نہیں ہونا نہیں چاہتی... مر جانا چاہتی ہوں... لیکن موت تب نا...! وہ سنتا نہیں..." ببل نے گہری اداسی سے کہا۔

پونم نے گہری سانس لی۔ اس نے بھی تو ہمیشہ یہی چاہا تھا۔ وہ سنتا ہی نہیں تھا۔

"رات بھی بارہ نہائے ہیں۔ اس کے بعد رات بھر کے لیے... اس نے ڈائنا سے ساٹھ روپے پر سودا کیا تھا۔ رات والا کچھ شریف آدمی تھا۔"

"میں نے دیکھا تھا... کوئی بابو لگتا تھا..." پونم نے کہا۔

"کوئی آفیسر تھا ملٹری میں... جاتے وقت دس کا نوٹ انعام میں دے رہا تھا۔ میں نے کہا، رہنے دو صاحب ہمارے کسی کام نہیں آئے گا۔ صبح ہوتے ہی ڈائنا کپڑے اتروا کر دیکھ لے گی، میں نے کچھ چھپایا تو نہیں۔"

"دیکھ لیتی..." پونم نے پوچھا۔

"ہاں... چائے دینے آئی تھی۔ پورا جسم ٹٹول گئی۔"

"کمینی..." پونم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ہمیں کرنا بھی کیا ہے پونم... زندہ رہتے کپڑے یہ دیتے ہیں۔ مرنے کے بعد کفن بھی ڈال دیتے ہیں... اور ہمیں کیا چاہیے...؟"

"شاید کچھ نہیں..." پونم ببل کا ہاتھ سہلاتے

جھٹکے گی۔

"جسم ہی تو رہ گئے ہیں۔ ضمیر تو مر چکا۔"

"تم نے چائے پی لی...؟" بلبل نے پوچھا۔

"ابھی پیتی ہوں۔ باہر سے آ رہی ہوں۔"

"اپنے کان میرے پاس لا..." بلبل نے آہستہ سے کہا۔

بلوم اس کے قریب جھک گئی۔

"میں نے اسے والد کا پتا بتا دیا ہے... کہتا ہے انہیں خط لکھے گا۔" بلبل نے اس کے کان سے ہونٹ لگاتے ہوئے آہستہ سے بتایا۔

"کون...؟"

"وہی جو رات بھر کے لیے ٹھہرا تھا۔"

بلوم نے سر ہلا دیا۔ بلبل کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تمہیں امید ہے دیدی...!"

"تین بار اس بات پر مار کھا چکی ہوں۔ لیکن یہ امید نہیں چھوٹی۔ کچھ چہروں پہ یقین کر بیٹھتی ہوں۔ اس آدمی کا چہرہ بھی کچھ ایسا تھا۔"

"سبھی کہتے ہیں دیدی... کرتا کوئی نہیں... ہم یقین کر لیتے ہیں۔ امید ہی یقین ہمیں دکھ دیتا ہے... انہیں صبح اٹھتے ہی سب بھول جاتے ہیں..." بلوم گہرے دکھ سے بولی۔

"جانے دے... پھر نہیں آ جانا...!" بلبل نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا بستر بدل دوں دیدی...؟" بلوم نے پوچھا۔

"رہنے دے... گندگی میں پلنے والے کیڑے بو کا احساس نہیں کرتے۔" بلبل کراہ اٹھی۔

بلوم کی آنکھیں بھر آئیں۔ بھرے گلے سے بولی۔

"تمہارا گھر کیسا تھا دیدی... کبھی پہاڑ نہیں گئی... سنا ہے پہاڑی پر بہت خوبصورت گھر ہوتے ہیں۔ بادلوں سے گھرے رہتے ہیں۔"

"کھٹمنڈو اتنی اونچائی پر نہیں... چاروں طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہے۔ ہمارا مکان اونچائی پر تھا۔ بیرگنج سے جو سڑک کھٹمنڈو جاتی ہے۔ وہ سڑک ہمارے گھر کے سامنے سے گزرتی ہے۔ چھوٹی تھی تو گھنٹوں کھڑکی میں بیٹھی گزرتی ہوئی بسوں کو دیکھا کرتی تھی۔ اس چھوٹے سے گھر میں ہم تین ہی تھے۔ میری ماں... پتا اور میں۔ پتا بھی تھی... میری بکری... بہت اچھی تھی...

پیار کرتی تھی۔ سردی کے دنوں میں اپنا چہرہ میری رضائی میں چھپا لیا کرتی تھی۔ کہتے ہوئے بلبل ہنس پڑی۔

بلوم کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ بھی تو دادی ماں کی رضائی میں چہرہ چھپا لیا کرتی تھی۔ دادی ماں محبت بھری جھڑکی سے بناوٹی غصے سے کہتیں۔

"یہ تو میری رضائی میں گھسی رہتی ہے۔ مجھے مرنے بھی نہیں دے گی۔"

دادی ماں مر گئی تھیں۔ اور وہ اس گھر سے کتنی دور ہے اسے اندازہ نہیں۔ گھر سے دو دن اور دو رات کی دوری پر رہ گیا ہے... بس اتنا یاد ہے... بلبل کے چہرے کی طرف دیکھ کر بلوم سوچ رہی تھی۔

"میری ماں بہت پیاری تھی۔ پہاڑیوں کا رنگ گورا ہوتا ہی ہے... ماں کا بہت ہی گورا تھا۔ گال ہمیشہ ہی لال رہتے۔ ہنستے وقت اور لال ہو جاتے۔ ایک دن کی بات ہے... بارش تیز ہو رہی تھی۔ چھت ٹپکنے لگی۔ میں نے چھت کو کبھی ٹپکتے نہیں دیکھا تھا۔ اس دن ٹپکی تھی۔ پانی کی لمبی دھار چھت سے بہہ کر ریڈیو تک آ گئی۔ ماں چھت ٹھیک کرنے کے بعد اتر رہی تھی۔ پاؤں پھسل گیا۔ چھت سے گر گئی... چوٹ زیادہ نہیں آئی تھی۔ خود ہی اٹھ کر کمرے میں آ گئی تھی۔ اسی دن شام کو بخار ہو گیا... پتاجی کے دفتر سے لوٹنے کے بعد اور بڑھ گیا پتاجی نے دوا لا کر دی۔ دو دن بخار میں پڑی رہی۔ بخار کم نہیں ہوا، تیسرے دن اور بڑھ گیا تھا۔ پتاجی اسے ہسپتال لے گئے تھے۔ کھٹمنڈو... وہاں سے زندہ نہیں لوٹی۔ میں نے سنا تو پاگل ہو گئی تھی... خیر ماں کے مرنے کے بعد پتاجی نے شادی نہیں کی۔ وہ مجھے بہت چاہتے تھے۔ ان کی شفقت تلے پلتی رہی۔ میری ایک موسی تھی۔ ماں کی چھوٹی بہن... وہ کبھی کبھی... سال دو سال میں ہمارے گھر آیا کرتی تھی۔ کچھ دن رہتی اور چلی جاتی۔ میں انہیں بہت چاہتی تھی۔ چار سال پہلے وہ ہمیں ملنے آئی... پتا بیمار تھے... موسی کی لڑکی کی شادی تھی۔ پتاجی تو نہیں جا سکتے تھے۔ انہوں نے موسی کے ساتھ مجھے شادی پر بھیج دیا۔ موسی وراٹ نگر میں رہتی تھی۔ وراٹ نگر کھٹمنڈو سے بہت دور ہے... وہاں جا کر پتا چلا۔ موسی مجھے کسی دوسری وجہ سے لائی تھی۔ وراٹ نگر میں موسی کے گھر ہی نے ہماری کو دیکھا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا... ہماری اس لڑکے کا بڑا بھائی ہے جس نے موسی کی لڑکی کی شادی ہونے والی ہے۔ لڑکے کا نام میں ہے۔ شادی کی وجہ سے ہو گی۔ [illegible]

www.taemeernews.com

عرب

"عرب" اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں۔ چونکہ عرب کی قوم نہایت زبان آور اور فصیح البیان تھی اس لیے اس نے اپنا نام عرب رکھا اور اپنے سوا تمام دنیا کو عجم یعنی "بے زبان" کہا۔ ملک ہی کے نام سے قوم کا نام بھی عرب قرار پایا۔ عرب کے ایک معنی غیر آباد ملک کے بھی ہیں۔ لفظ "عرب" سب سے پہلے ہزار سال قبل مسیح، سلیمانؑ کے عہد میں سنا گیا اور پھر اس کے بعد عام طور سے اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آنے لگا۔

وہیں جانا ہوگا۔۔۔ سن کر کچھ عجیب تو لگا تھا۔۔۔ موسی پر شبہ نہیں تھا، یقین کر لیا۔ وراٹ نگر سے تیسرے دن ہم آسام کے لیے چل دیے۔ میں، موسی، موسی کی لڑکی اور یہی بہاری۔۔۔ اسی رنگیا اسٹیشن پر ہم اترے تھے۔ بہاری باتیں بہت اچھی کر لیتا ہے۔۔۔"

"میں جانتی ہوں۔۔" پونم نے آہستہ سے کہا۔

"لمبے سفر میں بہاری میری بہت خدمت کرتا رہا۔ مجھے کچھ بھی مانگنا نہیں پڑا تھا۔۔۔ سوچ لیتے ہی بہاری وہی چیز لا دیتا تھا۔ اس لمبے سفر میں بہاری کے قریب آ گئی۔ اس بات میں بھی موسی کا ہاتھ تھا۔ وہ بار بار مجھ سے کہتی "بہاری بھی ابھی تک کنوارا ہے شادی ہی نہیں کرتا۔ کہتا ہے ڈھنگ کی لڑکی ہی نہیں ملتی۔ لگتا ہے تیرے بارے میں ہی سوچنے لگا ہے۔ کتنا اچھا ہو اگر تم دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں چلی جاؤ"

"اور بہت سی ایسی باتیں جو کسی بھی ناسمجھ لڑکی کو بہلا سکتی ہیں۔ میں بھی ناسمجھ تھی ان کی باتوں میں آ گئی۔ اپنے گرد پھیلے جال کو پہچان نہیں سکی" کہتے ہوئے بلبل نے گہری سانس لی۔

جس مکان میں ہم رنگیا میں ٹھہرے تھے۔ وہ کافی بڑا مکان تھا۔ سبھی ضروری سامان اس میں تھا۔ موسی نے بتایا۔

"بہاری کے بہت سے مکان ہیں۔ جن میں سال دو سال میں کبھی جاتا ہے۔ بہت امیر گھر کا لڑکا ہے" ان باتوں سے آدمی متاثر ہوتا ہی ہے۔ میں بھی اثر لیے بغیر نہیں رہی۔ میں بہاری کو دل ہی دل میں چاہنے لگی تھی۔ رنگیا میں آئے ہمیں دو دن ہو گئے تھے۔ بہاری کا چھوٹا بھائی ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ موسی نے بتایا تھا۔

"وہ کسی کام سے شیلانگ گیا ہے۔ اس کے لوٹتے ہی شادی ہوگی"

تیسرے دن بہاری کار لے کر آیا۔ اس نے مجھے اور موسی کی لڑکی کو اپنے گاؤں لے جانے کی بات کی۔ موسی سے کہا۔ شام تک لوٹیں گے۔ موسی نے اجازت دے دی۔ موسی کی لڑکی بہت کہنے پر بھی نہیں مانی۔ کہنے لگی۔۔۔ "میرے سر میں درد ہے" میں بہاری کے ساتھ اکیلی تو جانا نہیں چاہتی تھی۔ موسی کی ضد اور بہاری کے بار بار کہنے پر راضی ہو گئی۔ جو گاؤں مجھے بہاری دکھانے لایا تھا وہ یہی گاؤں ہے۔ میلہ بازار۔۔۔ اس دن کے بعد یہاں سے نکل نہیں سکی۔ بہاری نے موسی کو کتنا روپیہ دیا۔ میں۔۔۔ نہیں جانتی۔۔۔ یہی میری کہانی ہے۔ میرے پتا کو موسی نے کیا کہا ہوگا، میں یہ بھی نہیں جانتی"

"چاند۔۔۔!"

ایک تیز آواز سن کر دونوں چونک اٹھیں۔

"ڈائنا۔۔۔" بلبل سہمے لہجے میں بولی۔

"دیکھتی ہوں۔۔۔" کہتے ہوئے پونم اٹھی اور کیبن سے باہر آ گئی۔

چھوٹے کمرے سے نکلتے دیکھا۔ پردہ ایک طرف ہٹا تھا۔ ناگا لڑکی کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ پونم کا دل نفرت سے بھر گیا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے بڑے کمرے میں آ گئی

"تو کہاں تھی۔۔۔" ڈائنا نے غصے سے پوچھا۔

"بلبل کے پاس، وہ بیمار ہے" پونم آہستہ سے بولی

"تو ڈاکٹر ہے۔۔۔؟"

ڈائنا کی بات سن کر کمرے میں بیٹھی دوسری لڑکیاں ہنس دیں۔ پونم اپنے دل میں جھنجلاہٹ دبائے رہی، اس نے کسی سے کچھ کہا نہیں۔

"نہا دھو کر تیار ہو جا۔ گوہاٹی سے ایک سیٹھ آیا ہے۔ تجھے ہی مانگ رہا ہے۔ بڑے کمرے میں ہے۔۔۔"

"بہت تھکی ہوں۔ رات بھر سوئی نہیں، اب دن کو بھی۔۔۔" پونم کو لگا وہ رو دے گی۔

"تم نے سنا نہیں۔۔۔ یا گینڈا تمہیں سمجھائے۔۔۔ کہ ہم لوگ نہیں سنا کرتے" ڈائنا کی آواز تیکھی تھی۔

پونم سر جھکائے باتھ روم کی طرف چل دی۔

www.taemeernews.com

●●

صبح اُٹھتے پونم کو لگا وہ اٹھ نہیں سکے گی۔ جسم میں اُٹھنے کی طاقت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ لکڑی کی دیوار پر ہاتھ ٹکائے بیٹھی رہی۔ لڑکیاں باہر جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ سب سے اونچی آواز اس ناگا لڑکی ہی کی تھی۔

"جانا نہیں جائے گی....؟"

پونم نے سُنا۔ کس نے پوچھا ہے، سمجھ نہیں سکی۔ آواز نہیں پہچان سکی۔ بلبل تو ہو نہیں سکتی۔ بلبل کا دھیان آتے ہی جسم کانپ اٹھا۔ بیمار تو تھی ہی.... کل بری طرح پیٹی بھی گئی تھی۔ گوہاٹی سے دو سیٹھ آئے تھے۔ پونم نے تیار ہو کر بڑے کمرے میں آتے ہی دیکھا تھا۔ پہاڑ جیسے جسم..... سفید کپڑوں میں لپٹے۔ پان سے رنگین ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ ہنسنے سے کچھ تھوک اس کے کرتے پر گری۔ پونم کے لیے یہ بات نئی نہیں تھی۔ ڈائنا نوٹ دیکھتی ہے۔ شراب کی بوتل آنے پر دوسرا آدمی اٹھ کر چلا گیا تھا۔ بعد میں پتا چلا.... اس نے بلبل کو پسند کیا تھا۔ بیمار بلبل.... پھر سُنا، بلبل نے منع کر دیا ہے وہ کسی بھی حالت میں ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ بہت [illegible] نے پر ضد نہیں چھوڑی۔

پونم نے سُنا ہی تھا۔ بلبل کو دیکھ نہیں سکی۔ ایک بار اٹھ کر اس کی کیبن تک گئی تھی، بلبل کیبن میں نہیں تھی۔ مار پیٹ کر اسے ڈائنا نے کہاں ڈالا پونم جان نہیں سکی۔

سوچتے ہوئے پونم اٹھی.... پچھلے چھتیس گھنٹوں میں ذرا سا آرام نہیں ملا تھا۔ کانپتی ٹانگوں پر جسم کا بوجھ سنبھالے اُس نے جوتے پہنے۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر آنے سے جلن کو کچھ سکون ملا۔ وہ پردہ ہٹا کر باہر آ گئی۔ لڑکیاں جا چکی تھیں۔ دو ہی کھڑی تھیں۔ ایک ڈبری کی بنگالن... دُبلی پتلی مریل سی۔ دوسری بھوٹانی تھی۔ ڈیغام سے سالار اُسے خرید کر لایا تھا۔ سبھی کے یہاں آنے کے پیچھے کوئی نہ کوئی کہانی تھی۔ بھولی بھالی ورغلائی ہوئی لڑکیاں۔

بنگالن اُسے دیکھ کر مسکرا دی۔ اس کا نام کجری تھا۔ اصلی نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ دوسرے کمرے سے نکل کر گلی میں آتے دیکھا۔ ڈائنا چائے بنا رہی تھی۔ ڈائنا کا بھاری جسم کبھی نہیں تھکتا۔ پونم نے سوچا۔ بھوٹانی لڑکی آگے چل رہی تھی.... کجری پونم کے ساتھ۔

"بلبل کہاں ہے؟ کچھ پتا ہے....؟" اس نے کجری سے پوچھا۔

"گینڈا کے کمرے میں.... رات اُسے دھندے پر نہیں لگایا تھا۔"

پونم کا سنتے ہی جسم کانپ گیا۔ پیٹنے کے بعد بھی ڈائنا کا من نہیں بھرا تھا۔ گینڈا کے کمرے میں کسی کو چھوڑ دینے سے بڑی سزا کوئی نہیں تھی۔ پونم نے اس بارے میں بہت سی باتیں سُنی تھیں۔ جن سے سُنی تھی سُنانے کے بعد انھیں کانپتے بھی دیکھا تھا۔

گینڈا افیم کھاتا تھا۔ جس دن کوئی لڑکی مل جائے اُس دن اور کھاتا تھا۔ کوڑے سے مار کھا لے پر جسم پر اتنے زخم نہیں ہوتے جو گینڈا کے کمرے سے صبح نکلنے پر ہوتے تھے۔ گینڈا آدمی نہیں وحشی ہے...."

"وہ تو بیمار ہے کجری....؟" سوچتے ہوئے کراہ اٹھی تھی۔

"یہ سوچنے کا ہمیں اختیار نہیں۔ جنھیں ہے وہ سوچنا نہیں چاہتے۔" کجری نے کڑواہٹ بھری آواز میں کہا۔

وہ سر جھکائے چلتی رہی۔ بلبل کے لیے دکھی تھی۔

چڑھائی اترنے کے بعد سوکھی ندی کی چوڑائی میں پاؤں رکھتے سامنے جنگل کی طرف دیکھا۔ ہوا تیز تھی، درخت ہل رہے تھے۔ کچھ لڑکیاں ایک طرف کھڑے پانی کی طرف جا رہی تھیں کچھ جنگل کی طرف... بھوٹان کی پہاڑی پر دھوپ پھیل چکی تھی۔ یہ حصہ بھی دھوپ سے خالی تھا۔ ہلکی سی دھند پھیلی تھی۔

جنگل میں پہنچنے کے بعد بھوٹانی لڑکی اور کجری ایک طرف چل دیں۔ پونم قریب کی جھاڑی کی طرف جا رہی تھی کہ ایک تیز آواز سُن کر چونکتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ کوئی لڑکی چیخی تھی اسی کے ساتھ سُنا.... گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز.... لڑکی کی چیخ خاموش ہوتے ہی لگا.... گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز پونم کی طرف آ رہی ہے.... پونم سامنے دیکھتی رہی۔

ایک لمحے بعد ہی اُسے گھوڑا دکھائی دیا۔ اس پر بیٹھا سوار بھی۔ سر اور چہرے کا کچھ حصہ بھاری اونی ٹوپی سے ڈھکے تھے گھوڑا سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ سوار پر نظر پڑتے اور کھوئی ہوئی نگاہوں کو دیکھنے کے بعد بھی گھوڑے کو تیز بھاگتے پا کر پونم کو لگا.... گھوڑا بدک گیا ہے، سوار کے قابو میں نہیں ہے.... یہ کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ بھوٹان سے دھارنگا کی طرف جانے والا راستہ جنگل سے پرے تھا۔ یہ راستہ بھی سیدھا ندی کی طرف جا رہا تھا۔ گھوڑا تیزی سے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پونم سہم کر ایک طرف ہٹ گئی۔ ہٹتے ہی دیکھا۔ سوار تیزی سے جھک کر گھوڑے کی پیٹھ کے ساتھ لگ گیا۔ کچھ راستے پر جنگلی درختوں کی شاخیں بہت نیچے تھیں۔ گھوڑا نکل سکتا تھا۔ گھوڑا نہ بھی ٹکراتا تو سوار ٹکرائے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

تبھی گھوڑے کی اگلی ٹانگیں مڑ [illegible]

www.taemeernews.com

لیے گھوڑا قریب ہی درخت سے ٹکرا کر گرا.... پونم نے سوار کو اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ سے گرتے دیکھا۔ جہاں پونم گھبرائی ہوئی کھڑی تھی۔ اسی مقام کے نزدیک پونم سانس روکے دیکھتی رہی۔

سوار گرنے کے بعد آہستہ سے اٹھا۔ خاکی رنگ کی پتلون۔ کمر پر چوڑی بیلٹ، بھاری بوٹ.. صاف اور چمکدار.... نیلے رنگ کے پورے بازوؤں کا سویٹر۔

وہ کر سیدھا کھڑا ہوتے ہی اس کی نظر سہمی ہوئی پونم پر پڑی۔ وہ ٹکٹکی باندھے پونم کو دیکھتا رہا۔ چہرے اور سر پر لپٹی ہوئی اونی ٹوپی میں سے ناک.... چہرے کا کچھ حصہ اور آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

کچھ دیر دیکھنے کے بعد سوار پونم کی طرف آ رہا تھا۔ پونم کے پاس آ کر وہ رک گیا۔

"پونم...." وہ بڑبڑایا۔ آواز میں حیرت تھی۔

پونم دیکھتی رہی۔ اس اجنبی کے منہ سے اپنا نام سن کر حیرانی میں ڈوب گئی تھی۔ اس گھر میں آنے والے ایک ہی نام جانتے ہیں.... وہ نام ہے چاند۔ پونم کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ اجنبی پونم کہہ رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے پونم.... مجھے پہچانا نہیں؟"

پونم کو آواز پہچانی سی لگی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ تبھی اس اجنبی نے ٹوپی اتار دی۔ پونم حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ میں ٹوپی پکڑے راجندر کھڑا تھا۔

"راجندر...." وہ بڑبڑائی۔ آنکھوں میں آنسو بھرتے چلے گئے۔

"یہاں کیسے پونم....؟" راجندر نے پوچھا۔

پونم بھی راجندر سے یہی پوچھنا چاہتی تھی۔ پوچھ نہیں سکی۔ حلق سوکھ رہا تھا.... ہونٹ کانپ رہے تھے

"چاند.... چاند....!" کجری اسے پکار رہی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹی۔ زیادہ دیر رکنے سے کجری اور چھوٹانی لڑکی کے آنے کا ڈر تھا۔ کچھ فاصلے پر جا کر پلٹتے ہوئے دیکھا۔ راجندر اسی مقام پر کھڑا تھا۔ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا.... کسی بھوت کی طرح۔

آنسو صاف کرتے ہوئے کجری کی طرف چل دی۔

"بہت دیر لگا دی.... ہم بہت دیر سے تمہیں آوازیں دے رہے ہیں۔" کجری نے اس کے اترے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے ان کے ساتھ چلنے لگی۔

●
●

راجندر بدل گیا تھا۔ پچھلے کچھ سالوں میں ہی بدل گیا تھا۔ جسم بھر گیا تھا۔ ہونٹوں پر مونچھوں کی باریک لکیر کے نیچے ہونٹ لالی لیے ہوئے تھے۔ راجندر نے ہی زندگی میں اسے کسک دی تھی۔ ایک میٹھی.... پرکشش کسک۔ اسی دن پھر دیکھنے کے بعد وہ راجندر کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ سوچتی اور جسم میں ایک نشہ سا چھا جاتا۔ دل کی دھڑکن بڑھ جاتی اور وہ راجندر کی باتوں کو یاد کرنے لگتی۔

پونم نے کیبن کی دیواروں پر لگی فحش تصویروں کی طرف دیکھتے ہوئے ایک لمبی سانس لی۔ وہی کسک اس درد میں بدل گئی تھی۔ وہ اس درد میں تڑپ رہی تھی۔

ندی کنارے سے واپس آ کر نہانے کے بعد کیبن میں آ کر لیٹ گئی تھی۔ دن میں ہی سونا پڑتا تھا۔ سونے کی عادت تھی سو ہی نہیں سکی۔ راجندر کا چہرہ آنکھوں کے سامنے سے نہیں ہٹ رہا تھا۔ راجندر کے چہرے پر حیرت زدہ جذبات ہی نہیں بھلا سکی تھی.... کیسے کھڑا تھا بت کی طرح... چاہتے ہوئے بھی پونم سو نہیں سکی.... نہ ہی کھانا کھا سکی۔ خواہش رہ گئی تھی۔

پڑے پڑے دن نکل گیا۔ جسم کچھ اور نڈھال ہو گیا تھا۔ آنکھوں کی جلن بھی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ڈائنا کے پکارنے پر وہ اٹھی۔ ڈائنا لڑکیوں کو تیار ہو جانے کے لیے آوازیں دے رہی تھی۔ اسے بھی گاہکوں کے لیے تیار ہونا تھا۔ وہ تیار ہوئی۔

کمرے میں آتے ہی دیکھا.... لڑکیاں بنچوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ گاہک آنے لگے تھے۔ جلبل کہیں دکھائی نہیں دی۔ شاید اس کی سزا پوری نہیں ہوئی۔ سوچتے ہی دل جلبل کے لیے دکھ سے بھر گیا۔

کجری ایک ادھیڑ عمر کے آدمی سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اس کے قریب سے ہوتی ہوئی دروازے کی طرف چل دی۔ اسے خود کو ڈائنا کو دکھا کر چوکھٹ کے نزدیک کھڑے ہونا تھا۔ تاکہ ڈائنا یہ جان سکے.... وہ آ گئی ہے۔ ڈائنا کی تعمیل کرنے کے لیے۔

دروازے کے پاس آتے ہی اسے لگا.... اس کا دل پسلیوں کو توڑ کر باہر جا گرے گا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے دیکھتی چلی گئی۔ ڈائنا کے نزدیک راجندر کھڑا تھا.... اور اس کے ہاتھ میں شراب کا بھرا گلاس تھا۔

پونم نے مڑنا چاہا۔ مڑ نہیں سکی.... راجندر کی نظر پڑتے ہی وہ جڑ ہو گئی تھی پتھر کی طرح.... پتھر نہیں کانپتے.... اسی

www.taemeernews.com

کا جسم کانپا تھا۔

راجندر کچھ دیر اُسے گھورتا رہا... چہرے پر کوئی جذبات نہ تھے۔ نہ حیرانی کے۔ نہ پہچان کے... ہونٹ بھینچے ہوئے... آنکھیں گھورتی ہوئیں۔

"اس لڑکی کا بتاؤ...؟" راجندر نے ڈائنا سے کہا۔

ڈائنا نے مڑ کر دیکھا۔ پونم کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

"بیس روپے۔" ڈائنا نے کہا۔

"میں پوری رات رکھوں گا..." راجندر کی آواز ٹھہری ہوئی تھی۔ کسی اچھے بیوپاری کی طرح... پونم کوشش کر رہی تھی... ہوئی راجندر بدل گیا ہے۔ اس نے سوچا۔ وہ راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ راجندر ڈائنا کو دیکھ رہا تھا۔

"گیارہ بجے کے بعد آ جانا صاحب... سو روپیہ پوری رات کے۔ صبح چھ بجے چلے جانا ہوگا۔"

راجندر نے گھڑی دیکھی پھر ڈائنا کی طرف مخاطب ہوا۔

"ابھی چھ بجے ہیں۔ ابھی سے صبح تک کے بتاؤ..."

"ابھی نہیں... کچھ دھندا کر لے۔ آپ سو روپے دے کر بک کرا سکتے ہیں۔ گیارہ بجے وہ خالی ہوگی..."

"تمہیں پیسہ چاہیے... میں پیسہ دے سکتا ہوں۔ ابھی وقت سے اس کی بات کرو۔" راجندر کی آواز میں سختی تھی۔

ڈائنا نے راجندر کو گھورتے ہوئے دیکھا... بہت دینا ہوگا... میں آپ کی بہتری کے لیے کہہ رہی ہوں۔" ڈائنا نے راجندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں پانچ گھنٹے تک جھک مارنا نہیں چاہتا۔ مجھے لڑکی پسند ہے... تم پیسے کی بات کرو۔" راجندر نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"تین سو..." ڈائنا نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ شاید کہتے ہوئے حساب لگا رہی تھی۔

راجندر نے جیب سے پرس نکالا۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑا گلاس کاؤنٹر پر رکھا۔ پرس سے کچھ نوٹ نکالے۔ سبھی سو سو کے تھے۔ تین کھینچ کر ڈائنا کی طرف بڑھا دیے۔ ڈائنا کی تھیلی پر نوٹ تھیلی میں سرک گئے۔

"کھانا کھائیں گے صاحب، سندھی کے ہوٹل سے منگوا دیں گے..."

"مجھے بھوکا سونے کی عادت نہیں۔ کھانا نو بجے سے پہلے نہیں کھاتا۔ لڑکی بھی میرے ساتھ کھائے گی..."

ڈائنا ہنس پڑی۔

"آپ بڑے صاحب ہیں۔ کبھی پہلے آپ کو نہیں دیکھا۔ آپ جیسا صاحب کبھی کبھی گوہاٹی سے آتا ہے۔" ڈائنا کی نظر راجندر کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نوٹوں پر لگی تھی۔ جو اس نے جیب میں نہیں ڈالے تھے۔

"کھانے کے پیسے بھی دے دوں۔" راجندر نے پوچھا۔

"نہیں صاحب! آپ صبح اٹھ کر جاتے ہوئے دے سکتے ہیں۔ لڑکی کی خوشی سے آپ جو بھی انعام دیں گے، وہ منع نہیں کرے گی۔ اس کی خدمت سے خوش ہو کر ہی تو دیں گے۔ خدمت نہیں کرے گی تو کہاں دیں گے...؟ لڑکی اچھی ہے۔ کچھ دنوں سے ہی دھندے میں لگی ہے۔ کیبن کا ہم کچھ نہیں لیتے۔ کچھ آپ جیسے صاحب کیبن میں رات گزارنا پسند نہیں کرتے۔ چھوٹی ہیں۔ آس پاس اور بھی کیبن ہیں۔ ہمارے پاس ایک بڑا کمرہ بھی ہے۔ بس ایک ہی کمرہ ہے... چاہے تو دیکھ لیں اُس میں صوفہ بھی ہے۔ بستر بھی اچھا ہے... چاندا انھیں دکھا دے۔" ڈائنا نے پونم کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کہتی ہیں تو اچھا ہی ہوگا... اُس کا کیا دینا ہوگا۔" راجندر نے پوچھا۔

"سو روپے..."

پونم نے چونک کر ڈائنا کو دیکھا... ڈائنا اس کمرے کا تیس روپے لیا کرتی تھی۔ راجندر نے ایک نوٹ اور ڈائنا کی طرف بڑھا دیا۔

"وہسکی کون سی پیتے ہیں صاحب؟" ڈائنا دانت نکالتے ہوئے بولی۔ نوٹ تھیلی میں جا رہا تھا۔

"جو سب سے مہنگی ہو... اس جیسی نہیں۔" راجندر نے کاؤنٹر پر رکھے گلاس کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے اس طرف پہلی بار آئیں ہیں۔ یہاں بھوٹان کی وہسکی ہی ملتی ہے۔ یہی سب پیتے ہیں... میں کمرے میں بھجوا دوں گی... چاندا انھیں کمرے میں لے جا۔"

"آئیے..." پونم نے مڑتے ہوئے کہا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا... کمرے کی طرف جاتے ہوئے پیچھے آتے راجندر کے قدموں کی آواز سن رہی تھی۔ لکڑی کے فرش پر پڑتے راجندر کے جوتوں کی کھٹ کھٹ۔

پردہ ہٹا کر کھڑے ہوتے ہوئے وہ راجندر کے چہرے کو نہیں دیکھ سکی۔ راجندر کے کمرے میں آنے کے بعد پردہ چھوڑ دیا مڑ کر دیکھا... کمرے کے بیچ کھڑا راجندر اُسے گھور رہا تھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔

"بیٹھیے..." پونم نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تم یہاں کیسے آ گئیں پونم..." راجندر کی آواز بھاری تھی۔

www.taemeernews.com

پونم نے چونک کر راجندر کی طرف دیکھا۔ پھر دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کی طرف سہمے لہجے میں بولی۔

"آپ میرا نام نہ لیں۔ یہاں دیواروں کے بھی کان ہیں... ذرا سا شک ہونے پر بھی... کہ آپ مجھے جانتے ہیں... آپ کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ آپ پیسے بیکار کرنا تو نہیں چاہتے۔"

"نہیں... میں اتنا امیر نہیں ہوں..." کہتے ہوئے راجندر صوفے کی طرف چل دیا۔ اور بیٹھتے ہوئے بولا۔

"یہاں آؤ... میرے پاس بیٹھو۔"

صوفے پر بیٹھتے ہی پونم کا سر جھکتا چلا گیا۔

"تمہیں دیکھ کر بھی یقین نہیں ہوتا۔ تم یہاں کیسے آ گئی پونم۔" راجندر کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میرا نام چاند ہے۔ وہی کہیں۔" پونم چہرہ نہیں اٹھا سکی۔

راجندر کی اکھڑی ہوئی سانس کا احساس کر رہی تھی۔

"تین روز پہلے میں یہاں آیا تھا۔ جوان بارڈر پر کسٹم چوکی ہے۔ میں وہیں کام کرتا ہوں۔ آج پٹھونان سے واپس آ رہا تھا۔ سڑک پر چلتے سانپ کو وقت پر دیکھ نہیں سکا۔ اس کی پھنکار سے گھوڑا بدک گیا تھا۔ سڑک چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ تمہیں دیکھ کر بھی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں تم سے پوچھتا رہا، تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کسی کے پکارنے پر تم چلی گئیں تو سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تمہیں روک نہیں سکا۔ سوچا تمہاری شادی ہو چکی ہے اور تم شادی کے بعد اپنے خاوند کے ساتھ اس طرف آ گئی ہو۔ شادی کے بعد اکثر لڑکیوں کے نام بدل جاتے ہیں۔ شوہر کوئی اور نام رکھ دیتا ہے۔ کوئی لڑکی تمہیں چاند کہہ کر پکار رہی تھی۔ سوچا تمہارا نام چاند ہی ہوگا۔ تمہارے شوہر کا دیا نام... تم چلی آئیں۔ میں تم سے بات بھی نہ کر سکا تھا۔ ایک کسک دل میں اٹھی۔ ہمیشہ ہی دل میں اٹھتی رہی ہے۔ تمہیں دیکھتے ہی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی وہ کسک دل میں اٹھی۔ یہاں آتے ہی ایک آرمی آفیسر سے جان پہچان ہو گئی تھی۔ بہت دلچسپ آدمی ہے... میجر دیال... میں..."

راجندر بات پوری نہیں کر سکا۔ قدموں کی آہٹ کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کچھ لمحوں بعد پردہ ایک طرف ہٹا۔ ڈائنا مسکراتی آ گئی۔ ہاتھ میں بوتل تھی۔

"اس سے اچھی شراب یہاں نہیں ملتی صاحب۔ باہر بیٹھے کتنے ہی تمہیں چاند کو مانگ رہے ہیں... آج کی رات چاند پانچ سو سے کم نہیں کرتی..." ڈائنا نے پان چباتے ہوئے کہا۔

"میں ادا کر سکتا ہوں۔ آپ کھانا نہ اٹھائیں..."

راجندر جیب میں ہاتھ ڈالتے بولا۔

"ارے نہیں صاحب... ڈائنا کے منہ سے جو بات نکلی ہے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ بس بعد میں... اگلی بار ہی۔ آپ خوش ہو جائیں گے تو سمجھوں گی... سب جانتے ہیں... ڈائنا کی بات پکی ہے۔"

راجندر ہنس دیا... "آپ کی تعریف سن کر ہی آیا تھا۔"

"آپ کہاں کے رہنے والے ہیں صاحب؟" ڈائنا نے پوچھا۔

"میں بیرونی کا رہنے والا ہوں۔"

"آپ بنگالی ہیں؟" ڈائنا نے حیرت سے کہا۔

"نہیں... پنجابی ہوں۔ بیرونی رہتے بہت سال ہو گئے۔"

راجندر بولا۔ وہ میرٹھ یا دہلی کا نام بتانا نہیں چاہتا تھا۔

"یہاں گھومنے آئے ہیں...؟"

"اپنے دوست سے ملنے آیا تھا۔ آرمی میں میجر ہے۔ اسی نے اس جگہ کے بارے میں بتلایا تھا۔ دیکھنے چلا آیا..."

"کچھ دن رہیں گے؟" ڈائنا نے پوچھا۔

"ہاں رہوں گا..." راجندر سوچتے ہوئے بولا

"چاند بہت اچھی لڑکی ہے... میلہ بازار میں اس جیسی کوئی نہیں۔ جو ایک بار اسے مل گیا۔ وہ پھر کبھی کسی ٹھکانے پر نہیں جاتا۔ ہمارے پاس ایک اور لڑکی بھی ہے آج کل کچھ بیمار ہے۔ اگلی بار آئیں گے تو ٹھیک ملے گی۔ وہ بھی اچھی ہے... آ سے..."

تبھی پونم پانی کا جگ اور گلاس لے کر کمرے میں آئی۔

گلاس اور پانی کا جگ میز پر رکھتے ہوئے ڈائنا کی طرف دیکھا۔

"سالا! جلا رہا ہے..." وہ آہستہ سے بولی۔

"صاحب کو خوش کرنا۔ بھلے شریف آدمی ہیں۔ اوروں جیسے نہیں... صبح اٹھنے پر انعام بھی دیں گے..." "کھانا کتنے بجے کھائیں گے صاحب؟"

"نو بجے..." راجندر اکتائے لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے... میں کھانا بھجوا دوں گی۔ دروازہ بند کر لیں۔" کہتے ہوئے ڈائنا مسکرائی۔ جبڑے تیزی سے ہلے۔ پھر مڑی اور پردہ ہٹا کر باہر چلی گئی۔

پونم دروازہ بند کر کے پھر صوفے پر سر جھکائے بیٹھ گئی۔

"تمہارا نام سبھی جانتے ہیں... دیال بھی۔" راجندر نے کہا۔

پونم سر جھکائے بیٹھی رہی۔ جان نہیں سکی یہ بات کہتے راجندر کے چہرے کا کیا رنگ تھا... وہ سوچ رہی تھی۔ یہ جاننے کے بعد کہ آج وہ کیا ہے۔ راجندر اس سے ملنے آیا ہے۔ کیا اسی

یا پھر کہ وہ آسانی سے مل سکتی ہے۔ کچھ پیسوں کی ہی تو بات ہے پاس ہے... کہ اُسے دیکھ کر وہ اس بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ وہ یہاں کیسے آئی...؟ یہ جاننے کا خیال ہی اُسے یہاں کھینچ لایا ہے... بتانے کے لیے ہی کیا... اور بتانے سے ہوگا بھی کیا...؟ سوچتے ہوئے اس نے گہری سانس لی۔

"اپنے گاہکوں سے ایسا ہی سلوک کرتی ہو؟"

راجندر کی آواز سُن کر پونم چونکی... چونک کر راجندر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ راجندر مسکرا رہا تھا۔

"بولو... مجھے کیا کرنا ہوگا...!" پونم کا چہرہ سخت تھا — راجندر کے اس سوال کی اُسے اُمید نہیں تھی۔

"انعام پانے کے لیے کچھ تو کرنا ہوگا... ڈائنا کہہ رہی تھی تمہارے پاس آنے کے بعد کوئی بھی کہیں اور نہیں جا سکتا — دیال نے بھی یہی کہا تھا... لڑکی کا جادو سر سے نہیں اترتا آدمی لُٹ کر بھی لٹنے کی خواہش رکھتا ہے۔" راجندر نے کہا۔

پونم اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لکڑی کی دیوار کی طرح... غیر جذباتی آنکھیں۔

"گلاس ایک ہی لائی ہو۔ دوسرا نہیں...؟" راجندر بولا۔

"میں شراب نہیں پیتی... پلا سکتی ہوں۔"

"اگر میں چاہوں...؟"

"تو بھی نہیں... میں شراب سے نفرت کرتی ہوں۔"

راجندر آہستہ سے ہنسا... بولا "شراب پینے والوں سے نہیں۔ تب انعام کیسے دوں گا...؟ بولو... میری خواہش سے نہیں کروگی تو ڈائنا کو صبح مایوس ہونا پڑے گا۔"

اس کے بعد جو ہوا اس کا تصور راجندر کو بھی نہیں تھا۔ پونم تیزی سے جھکی۔ راجندر کے پاؤں کو چھوتے گڑگڑاتے بولی۔

"مجھے شراب پینے کے لیے مجبور نہ کرو۔ اس کے علاوہ جو چاہو گے... میں کروں گی... اس بات سے ہمیشہ خود کو بچاتی رہی ہوں۔ یہ پتہ چلنے پر کہ تم مجھ سے خوش ہو کر نہیں گئے، ڈائنا میری کھال ادھیڑ دے گی۔ اس اذیت سے بچنے کے لیے میں زہر بھی پی سکتی ہوں..." کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"پونم...!" کہتے ہوئے راجندر نے اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ کانپتی آواز میں بولا... "میں خود بھی شراب نہیں پیتا۔ تم یہاں کیسے آئیں۔ میں یہی جاننا چاہتا ہوں۔"

پونم نے آنسو صاف کیے۔ راجندر اٹھتے ہوئے بولا "یہاں آتے وقت... میرا مطلب ہے اس نوکری پر آتے وقت میرا بٹوہ کسی نے چُرا لیا تھا۔ اس میں دو ہزار روپے تھے۔ اس کے لیے میں نے آج تک ایک پل نیند بھی خراب نہیں کی تھی۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موہ ہی مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔ میرے پتا کے پاس بہت پیسہ ہے پونم... اور میں ان کا ایک ہی لڑکا ہوں..." راجندر پونم کے اُداس چہرے کی طرف دیکھتے بولا۔

"کیا جاننا چاہتے ہو...؟"

"مجھے پتا چلا تھا... تم کسی لڑکے سے پیار کرتی تھیں اور اسی سے تم نے شادی کی تھی... پھر تم یہاں کیسے؟"

پونم کچھ دیر حیرانی سے راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"تمہیں یہ بات کس نے بتائی...؟" اُس نے پوچھا۔

"سرلا نے...؟" راجندر نے کہا۔

"سرلا نے...؟ تم اُس سے ملتے رہے تھے؟"

"اس دن پٹنے کے بعد بھنڈاری کا مکان چھوڑنا پڑا تھا۔ کپور نے کچھ حالات ہی ایسے پیدا کر دیے تھے۔ بھنڈاری... میرے والد کا دوست ہوتے ہوئے بھی، مجھے رکھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ بھی کپور سے ڈرتا تھا۔ سنا تھا... یا کہیں پڑھا تھا... ٹھیک یاد نہیں۔ سن کر یا پڑھ کر ہنسا ہی تھا... آدمی پہلی ہی نظر میں کسی کو چاہنے لگتا ہے... اس کے لیے پاگل بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بات عجیب سی لگتی تھی۔ بغیر کسی کو اچھی طرح جانے... پرکھے... کسی کو اپنے دل میں جگہ دینے کی بات... میں نے ہمیشہ احمقانہ سمجھی تھی۔ لیکن یہ احمق پن مجھ سے بھی ہوا۔ تمہیں پہلی بار دیکھتے ہی میں تمہیں چاہنے لگا تھا۔ اس دن مار کھا کر وہ گلی چھوڑنے کے بعد، میں تمہیں بھول نہیں سکا۔ دوسرے مقام پر رہتے بھی ایک ہی خیال دل میں ہر وقت رہتا تھا۔ میں تو چلا آیا... تمہاری کتنی بدنامی ہوئی ہوگی۔ تمہیں چاہنے لگا تھا اس لیے تمہیں دکھ بھی دینا نہیں چاہتا تھا۔ تمہاری اور بدنامی نہ ہو۔ اسی خیال نے مجھے تم سے دور رکھا... لیکن زیادہ دیر دُور نہ رہ سکا۔ میں جانتا تھا تم فائر بریگیڈ کے سامنے سے ہو کر اسکول کی طرف جاتی ہو۔ یہی سوچ کر میں وہاں روز جانے لگا۔ تم سے ملنا چاہتا تھا۔ مہینوں وہاں جانے کے بعد بھی تمہیں ایک دن بھی نہیں دیکھا۔ سرلا کو ہی ہر روز دیکھتا تھا..." کہتے ہوئے راجندر رکا۔

گہری اور لمبی سانس لیتے ہوئے کچھ دیر پونم کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

"آؤ... یہاں آ کر بیٹھ جاؤ...!" وہ صوفے کو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"میں اس دن کے بعد اسکول جا ہی نہیں سکی۔ اسی رات دادی ماں چل بسیں۔" پونم نے بھرے گلے سے صوفے پر بیٹھتے

www.taemeernews.com

ہوئے کہا۔

"یہ بات بھی مجھے سرلا نے ہی بتائی تھی۔ سرلا سے بات تو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہارے بارے میں جاننے کی خواہش نے ہی ایک دن مجبور کر دیا۔ اسی نے مجھے بتایا تھا۔ دادی ماں نہیں رہیں... تمہارے پتا نقلی دوائیں بنانے کے باعث جیل میں ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کوئی راکیش نام کا لڑکا تمہارے گھر آیا کرتا ہے۔ تم اسے چاہتی ہو۔ اور تمہاری شادی اس سے ہو رہی ہے..."

"یہ تو بہت مہینے بیت جانے کی بات ہے..." پونم نے حیرانی سے راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے مہینوں کی بات یاد نہیں... بس یہی یاد ہے... کہ میں تمہارے اسکول جانے کے وقت وہاں جاتا رہا تھا۔ تمہیں ایک بار ملنے کی خواہش ہی مجھے وہاں کھینچ کر لے جاتی تھی۔ سرلا کی اس بات کے بعد وہاں جانا چھوڑ دیا تھا۔ بہت دنوں بعد بھنڈاری صاحب سے ملنے گیا تھا۔ تبھی پتا چلا... اسی راکیش سے تم نے شادی کی ہے۔ انہوں نے بتایا تھا..... راکیش تمہاری سوتیلی ماں کی بوا کا لڑکا ہے۔ بہت بڑے گھر کا تھا کار پر آیا کرتا تھا۔"

"زندگی میں پہلی بار کسی کو چاہا تھا۔ دل ہی دل میں پیار کیا تھا۔ بھنڈاری صاحب کے گھر سے لوٹتے وقت پیار تو کہیں کھو گیا۔ ایک کسک ہی باقی رہ گئی" کہتے ہوئے راجندر خاموش ہو گیا۔

پونم کی آنکھوں میں آنسو بھرتے چلے گئے۔ دو سال سے زیادہ وقت ہو گیا تھا اس جہنم میں آئے۔ یہاں آنے کے بعد ہر دن گھنٹوں روئی تھی۔ بہت بار مرنا چاہا تھا، مر نہیں سکی۔ راجندر کی باتیں سنتے ہوئے لگا..... وہ مر جاتی تو اچھا ہوتا۔ راجندر اسے اس حالت میں تو نہ دیکھتا۔

"راکیش کہاں ہے پونم....؟" جس سے تم نے شادی کی تھی...." راجندر نے پوچھا۔

"یہیں ہے.... اسی گھر میں...." پونم نے کانپتی آواز میں کہا۔

راجندر نے چونک کر پونم کی طرف دیکھا۔

"کیا کہہ رہی ہو...؟" اس کے ساتھ رہتے تم..." راجندر کو یوں یقین نہیں کر سکا۔

پونم کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ روتے ہوئے سسکتے ہوئے اس نے راجندر کو اپنی دکھ بھری کہانی سنا دی... دادی ماں کے مرنے کے بعد اس جہنم کے آنے تک کی کہانی.... سر جھکائے اپنے ہی آنسوؤں کو پیتے وہ کہانی سنا رہی تھی۔ ایک بار بھی نظر اٹھا کر راجندر کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔ سنانے کے بعد ہی چہرہ اٹھا کر دیکھا تھا۔

راجندر کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

"جانتے ہوئے بھی تم سچ کہہ رہی ہو پونم... اس پر یقین کرنا بہت مشکل ہے۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے...؟ ماں اپنی بیٹی کو بیچ سکتی ہے... دنیا میں کچھ لوگ اتنے کمینے بھی ہو سکتے ہیں۔ یقین نہیں ہوتا..." راجندر نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"سات پھیروں کی بات نہیں..... وہ ایسے ہی تین سو سے زیادہ پھیرے لے چکا ہے۔ جن سے پھیرے لیے وہ میری طرح ہی اس میلہ بازار میں بکھری ہوئی ہیں۔" پونم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

راجندر نے گھڑی میں وقت دیکھا تو نو بجنے میں کچھ منٹ ہی باقی تھے... راجندر اٹھا۔ میز پر پڑی بوتل اٹھالی۔ ڈھکن مروڑ دیا۔ ڈھکن کھولتے ہوئے پونم کی طرف دیکھا۔

"لے لیں پی سکتی ہو...؟ آدھا گرا دینا ہی ٹھیک ہوگا۔ کھانا لونیے لانے کے لیے کہا تھا۔ بوتل کو چھوا بھی نہیں۔ ڈانٹا دیکھے گی تو شک ہوگا۔"

"آپ نہیں پیتے...؟" پونم نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں... کبھی ایسی جگہ پر گیا ہی نہیں۔ دیال سے پوچھنے کے بعد... یہاں آتے ہوئے سوچ لیا تھا۔ جو بھی پیک کرنا ہوگا... کروں گا۔ شراب بھی پی سکتا تھا۔ اب ضرورت نہیں سمجھتا۔"

راجندر پونم کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ راجندر اسی کے لیے اس گندگی میں آیا تھا۔ اسی کے لیے شراب بھی پی سکتا تھا۔

پونم نے ہاتھ بڑھا کر بوتل تھام لی۔ بوتل لیے بستر پر چڑھ گئی تھی۔ پردہ ہٹا کر چھوٹی سی کھڑکی کو کھولنے میں کچھ وقت لگا کھڑکی سے... وہ جانتی تھی۔ لیکن کبھی اسے کھولا ہی نہیں جاتا تھا۔ ساتھ والے گھر میں آنے والے پیشاب وغیرہ اس کھڑکی کے نیچے کھلی جگہ میں کرتے تھے۔ کھڑکی کھولتے ہی کمرہ بدبو سے بھر جاتا تھا۔ پونم نے کھڑکی کھولنے کے بعد بوتل الٹ دی اور آدھی سے زیادہ گرا دی تھی۔

"ارے.... ارے.... یہ کیا ہے؟"

پونم نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔ کھڑکی کے نیچے شاید کوئی کھڑا تھا۔ شراب اس پر گری تھی۔

www.taemeernews.com

کھڑکی بند کرنے کے بعد بھی کچھ دیر اس کا چلانا سنتی رہی پردہ ٹھیک کرنے کے بعد ہٹی تو ایک فحش گالی بھی سنی۔

پونم بستر سے نیچے آگئی ... بوتل میز پر رکھتے ہوئے راجندر کی طرف دیکھا۔

"کھڑکی کے نیچے کوئی کھڑا تھا" پونم کی آواز ڈری ہوئی تھی۔

"کسی سے کچھ کہے گا تو نہیں ....؟" راجندر نے پوچھا۔

"کہہ بھی سکتا ہے .... ڈائنا سے کیا کہوں گی؟" پونم خوف زدہ تھی۔

"میں کہہ دوں گا .... تم فکر نہ کرو"

"کیا کہیں گے .... ؟"

راجندر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "کہہ دوں گا شراب اچھی نہیں تھی غصے میں آکر ہی گرادی تھی"

"یہی کہہ دینا .... نہیں تو ...."

دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز ابھری۔ آواز کے ساتھ ہی پونم کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف گئی۔ دروازہ کھول دیا۔ سندھی کا نوکر بڑی سی ٹرے لیے کھڑا تھا۔ پونم نے ٹرے تھام لی۔

"برتن صبح لے جانا ...." کہتے ہوئے وہ پلٹی اور ٹرے لاکر میز پر رکھ دی۔ جاکر دروازہ بند کیا اور لوٹ آئی۔

"کھانا کھالیں" اس نے راجندر سے کہا۔

"تم نہیں کھاؤ گی .... ؟"

"میں بھی کھالوں گی .... !"

"تو آؤ پہلے کھالیں .... باتوں کے لیے رات پڑی ہے" راجندر نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

پونم اس کے قریب جا بیٹھی۔ دونوں کھانے لگے۔ کھانا کھاتے دونوں اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے رہے۔

●●

آنکھ کھلتے ہی پونم کی نظر چھت کے نزدیک ہی چھوٹے سے روشن دان پر پڑی۔ باہر ہلکا سا اجالا پھیل چکا تھا۔ رات بیت گئی تھی۔ اس نے راجندر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ راجندر کے چہرے۔ سوتے ہوئے بھی چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ بند آنکھوں اور بھرے بھرے ہونٹوں کو پونم دیکھتی رہی۔

رات کھانے کے بعد راجندر نے کہا تھا۔

"میں صوفے پر سو جاتا ہوں۔ تم بستر پر سو جاؤ ...."

پونم کو سن کر عجیب سا لگا تھا۔ ایک بار جس کے کہنے پر وہ پکچر چلی گئی تھی۔ اس کے بارے میں زیادہ نہ جانتے ہوئے بھی وہ اسے دوسروں سے الگ ہی لگا تھا۔ جوان ہوتے ہی لوگوں کی بھوکی نظروں کو وہ پہچاننے لگی تھی۔ اس میں سرلا کا باپ کپور بھی تھا۔ راجندر کی نظروں میں کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھوک نہیں دکھائی دیتی تھی جو ہر چہرے پر دیکھتی تھی۔

راجندر کی بات سنتے ہی وہ یہی بات سوچ رہی تھی۔

"مجھے کمبل دے دو" کہتے ہوئے راجندر جوتے کھولنے لگا تھا۔

وہ راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ اسی چہرے کی طرف۔ جو اس وقت اس کے سامنے تھا۔ سونے سے بال بکھر گئے تھے۔ کان کے نیچے گردن پر چھوٹا سا تل تھا۔ پونم کا دل چاہا .... اس تل کو چھو کر دیکھے۔ چھو نہیں سکی تھی وہ بند ہونٹوں کو دیکھتی رہی۔

اسے آدمی کی ذات سے نفرت ہو چکی تھی۔ ہر آدمی ایک جیسا ہی لگتا تھا .... دروازہ بند ہوتے ہی کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح جھپٹ پڑتا تھا۔ جسم کو توڑنا، مروڑنا .... اور کیسی کیسی حرکتیں۔

ایک یہ ہے ....؟ سوچتے سوچتے پونم کا ہاتھ انجانے میں اٹھا تھا۔ اس نے راجندر کے بالوں کو آہستہ سے چھوا۔ بال نرم اور چکنے تھے .... کسی بچے کی طرح .... چھوتے ہی جسم میں کچھ رینگ سا گیا۔ گلے میں سانس اٹک گئی۔ یہ کیسا سکھ تھا۔ جسے کبھی محسوس نہیں کیا تھا .... وہ راجندر کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔

رات راجندر نے جوتے کھول کر پھینکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مجھے کمبل دے دو .... یہیں لیٹ کر تم سے باتیں کروں گا ...."

وہ بستر کی طرف چل دی۔ دماغ خالی خالی تھا۔ راجندر سے اپنا دکھ کہہ دینے کے بعد کچھ ہلکا سا لگا .... وہ کمبل نہیں اٹھا سکی۔ کمبل ایک ہی تھا۔

"آپ بستر پر سو جائیں میں صوفے پر لیٹ جاؤں گی" اس نے مڑ کر کہا تھا۔

"تمہیں تکلیف ہوگی .... میں یہیں سو جاتا ہوں" راجندر نے ضد کی تھی۔

"تکلیف .... ؟" کہتے ہوئے پونم طنزیہ ہنسی تھی۔

"ڈائنا کی بات سن کر بھی آپ میری تکلیف کی بات سوچتے ہیں .... ابھی ڈائنا نے کہا تھا .... باہر بہت لوگ ہیں جبھی مجھے مانگ رہے ہیں .... آپ نہ آتے تو میں اسی کیبن میں

www.taemeernews.com

ہوتی اور باری باری وہ لوگ آتے رہتے ۔"

کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ آپ نے مجھے ایک رات کی تکلیف سے تو بچایا ہی ہے .... آپ یہاں لیٹ جائیں میں پوری رات آپ کے قدموں میں بیٹھ کر بھی کاٹ سکتی ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ زندگی کی شاید اسی رات نے مجھے تکلیف سے چھٹکارا دلایا ہے۔" وہ جذباتی ہو اٹھی۔

"یہاں آنے سے پہلے تمہیں غلط سمجھ کر ہی یہاں آیا تھا۔" راجندر نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔ "سوچا تھا جس کے ساتھ تم نے شادی کی تھی اُسے بھی چھوڑ کر شاید یہاں چلی آئی ہو۔ ان جگہوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ جو سُنا تھا ... اسی لیے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ایسی عورتیں صرف روپیہ کمانے کے لیے ہی جسم بیچتی ہیں۔ تمہارے بارے میں بھی یہی اندازہ لگایا تھا... جسے کبھی چاہا تھا... جسے اپنا بنانے کی چاہ بھی دل میں جاگی تھی۔ وہ کچھ روپوں کے عوض میں مل سکتی ہے۔ یہی سوچ کر تمہیں پانے چلا آیا تھا۔"

"میں تمہارے سامنے ہوں.... روپیہ تم دے ہی چکے ہو ... پا کیوں نہیں لیتے....؟" کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"مجھے گالی مت دو پونم .... یہ بھول تب ہوئی۔ جب تمہارے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ تمہاری بات سُن لینے کے بعد ... میں خود سے نفرت کرنے لگا ہوں۔" کہتے ہوئے راجندر اٹھا تھا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا تھا۔

"تمہاری بات سُن کر مجھ پر کیا گزری ہے اس کا اندازہ تم نہ لگا سکو گی .... میرا بس چلے تو اس آدمی کا خون کر سکتا ہوں جس نے تمہارے ساتھ شادی کی تھی۔ اور تمہاری سوتیلی ماں کا بھی۔ اس حرامزادے سُوَر کا بھی جو تمہارے گھر آتا رہا ہے میں کچھ سوچ نہیں پا رہا پونم .... ابھی ایک کام تو کر ہی سکتا ہوں نہ جانے کتنی راتیں تم نے جاگ کر کاٹی ہوں گی ... نہ جانے کتنی تکلیفیں تم نے برداشت کی ہوں گی ... آؤ پونم ... میں تمہیں سُلا دوں۔ آؤ آج کی رات تو تمہیں کوئی تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے گی۔"

کہتے ہوئے راجندر کا گلا بھر آیا تھا۔

وہ برداشت نہیں کر سکی تھی .... وہ درد برداشت کرتی رہی تھی۔ درد برداشت کر بھی سکتی تھی۔ برداشت کرنے کی عادت تھی۔ پیار ہی برداشت نہ کر سکی۔ اس کی ٹانگیں اس کے جسم کے بوجھ کو نہیں سنبھال پائی تھیں۔ وہ بستر پر بیٹھتے ہی ہچکیاں لے کر رو اٹھی تھی۔

راجندر نے اُسے بستر پر لٹایا تھا۔ اسی نے اس کے جسم پر کمبل ڈالا تھا۔ اسی نے بتی بجھائی تھی۔ پھر بستر پر بیٹھ کر اس کے آنسو پونچھے تھے۔ دیر تک پیار سے اس کے بالوں کو سہلاتا رہا تھا۔

راجندر اسے سہلاتا رہا تھا۔ وہ سو گئی تھی۔ راجندر نے اسے نیند دی تھی۔ ایک رات کی سکھ بھری نیند .... جس کا دھیان ہی وہ زندگی میں چھوڑ چکی تھی۔

پونم نے گہری سانس لی .... آہستہ آہستہ اٹھی .... اٹھ نہ سکی۔

"صبح ہو گئی ....؟" راجندر آنکھیں کھولتے ہوئے بولا۔

"ہاں ...." کہتے ہوئے پونم کی آنکھیں بھرتی چلی گئیں۔ لوگوں کے لیے صبح تھی اس کے لیے پوری زندگی پر چھایا اندھیرا۔ سکھ کے پل بہت جلد بیت جاتے ہیں۔

تبھی سُنا .... اُن آہٹوں کی آوازیں جو اس گھر میں ہر صبح کو سنائی دیتی ہیں .... لڑکیوں کے لکڑی کے فرش پر چلنے کی آوازیں۔

راجندر اٹھ گیا۔ صوفے پر اُٹھتے ہوئے جوتے پہننے لگا۔ پونم اس کے اداس اور جھکے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

پونم نے آنکھیں صاف کیں۔ بستر سے اتر کر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ راجندر فیتے باندھ رہا تھا.... سر جھکائے۔ پونم نے دروازہ کھول دیا۔

●●

ابھی کاٹج کی طرف جاتے ہی نظر دیال پر پڑی۔ دیال برآمدے میں کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ میں کتاب تھی دوسرے ہاتھ میں چائے کی پیالی۔ وہ پڑھتے ہوئے آہستہ آہستہ چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

راجندر کے قدموں کی آہٹ پا کر دیال نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور کتاب بند کر دی۔

"آہو .... کیسی کٹی ....؟"

راجندر کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔

"ابھی آیا تھا .... کشن نے بتایا۔ تو نہیں لوٹا۔ میں اسے چائے بنانے کا حکم دے کر تمہاری کتاب اٹھا لایا تھا۔ یہاں آ کر پڑھنے لگا۔ تمہارا نوکر چائے اچھی بناتا ہے۔ چائے پیے گا؟" دیال مسکرا رہا تھا۔ پھر راجندر جواب دیے بغیر ہی پکار اٹھا۔

www.taemeernews.com

"کشن..... ایک چائے اور لانا، تمہارے صاحب واپس آ گئے ہیں۔"

"ابھی لاتا ہوں صاحب...." راجندر نے نوکر کی آواز سنی۔

"کیا بات ہے..... مار کھا کر آیا ہے.....؟"

"نہیں یار..... سوچ رہا ہوں..." راجندر نے آہستہ سے کہا۔

"جورات کیا ہے..... کیا اسی پر ریسرچ کرنے جا رہا ہے۔ ڈیم اٹ۔ یار ہم بھی جاتے ہیں۔ لکڑی کا پل پار کرتے ہی سب بھول جاتے ہیں..... گو اینڈ ٹیک کی بات ہے..... وہاں سے لوٹ کر وہاں کی بات سوچنا بیوقوفی ہے۔"

"میں مجبور ہوں دیال..... میں سوچے بغیر نہیں رہ سکتا..... مجھے وہ لڑکی ملی تھی۔"

"میں جانتا تھا وہ ملے گی، حلیہ بتانے پر ہی کہہ دیا تھا۔ ڈاننا کے اڈے پر چلے جانا..... اس کا نام چاند ہے۔"

"اس کا نام چاند نہیں ہے دیال....." راجندر کی آواز بھاری تھی۔

"چاند نہیں ہے..... کوئی اور ہوگا..... نام سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لڑکی اچھی ہے۔ مجھے صرف دو ہی بار ملی ہے..... بہت بڑی رہتی ہے..." دیال آنکھ دباتے ہوئے بولا۔

"شٹ اپ یار..... میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔"

"صبح صبح بور مت کر یار..... جو آدمی صرف سوچتے ہیں، بات نہیں کرتے۔ میں ان سے بور ہو جاتا ہوں..... بول کیا بات ہے، تیرے ساتھ دوستی کی ہے، تیرا دکھ بھی تو سننا پڑے گا۔" دیال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں اس لڑکی کو بہت پہلے سے جانتا ہوں...." راجندر بھاری آواز میں بولا۔

"تو.....؟" دیال نے حیرانی سے دیکھا، پھر ہنس دیا۔ "یہاں آنے سے پہلے کسی اور اڈے پر دیکھا ہوگا۔ ایسے مال کی ادلا بدلی ہوتی رہتی ہے۔"

"میں اڈے کی بات نہیں کر رہا، تجھے کہا بھی تھا میں تو زندگی میں پہلی بار ہی ایسی جگہ پر جا رہا ہوں....؟"

"تیرتھ استھان پر..... میں تو تیرتھ استھان ہی کہتا ہوں۔ دل پاک اور ہلکا ہو جاتا ہے..... کیوں؟" دیال قہقہہ لگا اٹھا۔

"بات سمجھے بغیر کھی کھی کرتا جا رہا ہے..... پہلے میری بات تو سن۔"

"لے چائے آ گئی ہے... پہلے یہ" دیال نے کشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کشن ایک پیالی چائے ہاتھ میں لیے آ رہا تھا۔

"سلام صاحب!" کشن نے پیالی راجندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

راجندر نے سر ہلاتے ہوئے پیالی تھام لی۔ دیال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تو اور لے گا.....؟"

"تیرے صاحب کہتے ہیں تو ایک پیالی لے آ... سنا ہے صبح دو پیالی چائے صحت کے لیے اچھی ہوتی ہے۔"

کشن مسکراتے ہوئے بولا.. "ابھی لایا صاحب۔" وہ مڑا اور چلا گیا۔

"یہ لڑکی میری گلی میں رہتی تھی دیال....!"

دیال نے حیرت سے راجندر کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تمہاری گلی میں.....؟ کہاں..... میرٹھ.....؟" اس نے پوچھا۔

راجندر نے پوری بات بتا دی..... چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ پیالی اٹھا کر دو گھونٹ بھرے اور رکھ دی..... دیال کی طرف دیکھا دیال کسی گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ کچھ دیر کھوئے رہنے کے بعد اس نے راجندر کو دیکھا۔

"یقین نہیں آتا..... اٹ از ہاربیل....!" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پونم بہت معصوم تھی دیال۔ اسے پہلی نظر دیکھتے ہی میں چاہنے لگا تھا۔" راجندر نے گہرے دکھ کے ساتھ کہا۔

"میں ایک سال سے یہاں ہوں..... تبھی سے اسے دیکھ رہا ہوں۔" دیال بولا۔

"وہ دو سال سے بھی زیادہ عرصے سے یہاں ہے۔ دہلی سے اسے سیدھے نہیں لایا گیا تھا۔ بہاری اسے دھوکے سے لایا تھا۔"

"بہاری دادا...." دیال دانت پیستے ہوئے بولا۔ "تو فکر نہ کر..... وہ مار کھائے گا۔ میرے جوان اس کے دانت توڑ کر خوش ہوں گے۔"

"میں بہاری کی بات نہیں کر رہا ہوں..... پونم کی بات کر رہا ہوں۔"

دیال کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا... "پونم بہت دور نکل گئی ہے راجندر..... اب وہ کبھی لوٹ نہیں سکے گی۔"

"کیوں....؟" راجندر نے پوچھا۔

"تو اس میڈ بازار کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں زیادہ تو نہیں جانتا ہوں اسی لیے کہہ رہا ہوں۔ وہاں سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ان لوگوں کی پیٹھ پر کچھ طاقت ور ہاتھ بھی ہیں۔ تو نے ندی دیکھی ہوگی..

اس مقام پر یہ دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ میلہ بازار ہی اسے دو حصّوں میں منقسم کرتا ہے۔ ندی کے ایک طرف بھوٹان ہے دوسری طرف ہندوستان .... بیچ میں وہ ٹیلہ ..... جس تک یہ میلہ بازار آباد ہے .... اسے NO MANS LAND بھی کہتے ہیں۔ کبھی وہاں جھگڑا ہو تو ہندوستان کی طرف سے ہی پولیس آتی ہے سبھی اس جگہ کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہاں کیا ہوتا ہے سبھی کو معلوم ہے .... پھر بھی برسوں سے ہو رہا ہے کوئی کچھ نہیں کر سکا ...." دیال سر جھکائے کہتا رہا۔

"میں کرنے جا رہا ہوں ..... میں پونم کو وہاں نہیں رہنے دوں گا۔" راجندر مضبوط لہجے میں بولا۔

دیال نے چونک کر راجندر کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"پاگل ہو گیا ہے .... تو اکیلا کیا کر سکے گا .... کچھ نہیں کر سکے گا۔ اپنے لیے تو مصیبت ہی مول لے گا۔"

"مجھے اس کی فکر نہیں .... تو نے پونم کو وہاں دیکھا ہے۔ لیکن میری نظر سے نہیں دیکھا۔ نہ ہی تو اس کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ میں اُسے وہاں نہیں رہنے دوں گا دیال ... چاہے مجھے زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔"

دیال کچھ دیر راجندر کے تمتماتے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"مان لو .... ایسا ہو بھی گیا تو اُسے کون اپنائے گا ..... اس کی ماں نے ہی اُسے بیچا تھا۔ والد جیل میں ہے، وہ جائے گی کہاں؟"

"اُسے کہیں نہیں جانا پڑے گا۔ میں اُس سے شادی کر لوں گا ...."

"تو ..... ؟" دیال کی آواز لمبی چیخ کی طرح ہی تھی۔

"تو جانتا بھی ہے کیا کہہ رہا ہے؟"

"ہاں .... میں جانتا ہوں۔"

"یہ جاننے کے بعد بھی ..... کہ میں بھی دو بار ...."

"ہاں یہ جاننے کے بعد بھی .... اور یہ جاننے کے بعد بھی کہ تم اکیلے ہی نہیں .... اور بھی بہت سے لوگ اس کے پاس جاتے رہے ہیں .... تو ایک بات نہیں جانتا دیال ... کہ تم بھی اس کے ساتھ سوئے ہو گے .... وہ آج تک اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں سوئی ہو گی۔ اس بات کا فرق تم نہیں سمجھو گے۔" راجندر نے کڑواہٹ بھری آواز میں اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو پاگل ہو گیا ہے۔ فرق تو ہی سمجھے گا۔" دیال جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

"کبھی کسی سے محبت کر کے دیکھو دیال ..... اُسے اپنا بنا کر دیکھو .... اس کا دکھ سکھ بانٹ کر دیکھو .... تبھی تم اُس فرق کو جان سکو گے ....؟ اس سے پہلے نہیں۔" کہتے ہوئے راجندر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

کمرے میں پہنچ کر بستر پر لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

"چائے صاحب!" راجندر نے کشن کی آواز سنی۔

"واپس لے جاؤ .... میں چائے پیتے وقت سوچ نہیں سکتا .... میں سوچنا چاہتا ہوں۔"

راجندر نے دیال کی ... بھری آواز سنی۔ پھر کشن کے لوٹتے ہوئے قدموں کی آواز ... وہ آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔

● ●

لکڑی کے پل پر قدم بڑھاتے ہوئے راجندر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ گھنے بادلوں کے باعث اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ سامنے بھوٹان کی پہاڑی کے پیچھے سے بادل اُٹھے تھے۔ اور آسمان پر تیزی سے چھاتے چلے گئے تھے۔ پل سے اتر کر وہ کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر جنگل کی طرف دیکھتے ہوئے سوچتا رہا۔ درختوں کے سایے تیز ہوا سے ہل رہے تھے۔ پھیلی ہوئی ندی کسی سوکھے میدان کی طرح ہی دکھائی دے رہی تھی۔ کنکر پتھر اندھیرے میں کھو گئے تھے۔

اونچا نیچا راستہ .... دائیں طرف ٹین کی چھت والے مکان اور بائیں طرف ہوٹل .... تنگ گلی .... گلی کی زمین میں ابھرتے پتھر۔ مکان کی سیڑھیاں اور پھر کمرہ۔

کمرے میں ڈائنا اکیلی ہی بیٹھی تھی۔ شراب کے کاؤنٹر کے نزدیک۔

راجندر پر نظر پڑتے ہی مسکرا دی۔

ڈائنا کے پاس جاتے ہی راجندر نے دوسرے کمرے میں نظر ڈالی۔ بہت سی لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ پونم ان میں نہیں تھی۔ جوکسٹ کے قریب کھڑی لڑکی کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ وہ لڑکی سب سے الگ ہی تھی۔ کالی سنہرے بارڈر کی ساڑی پہنے .... لمبی گردن کے اوپر گورا چہرہ .... بڑی بڑی کھوئی کھوئی سی آنکھیں ــــ لڑکی مسکرا رہی تھی۔

"بہت اچھی ہے صاحب .... آپ اس کو دیکھیں۔" ڈائنا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے وہی چاہیے .." راجندر نے ڈائنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بڑے کمرے میں ہے .... آپ ایڈوانس دے گئے تھے ہم وعدے کے پکے ہیں۔ بہت گاہک لوٹا دیے ــــ پیسے کا ہم لالچ نہیں کرتے۔"

راجندر نے کچھ نہیں کہا۔ جیب سے بٹوا نکالتے ہوئے

www.taemeernews.com

ڈانا کی طرف دیکھا۔

"اور کتنے دن یہ چلتا رہے گا...؟"

"آپ چلیں ۔۔۔۔ وہیں کمرے میں لوں گی... شراب کل والی ہی چاہیے"

"نہیں... اس سے کوئی اور اچھی ہے..." راجندر نے پوچھا۔

"سب سے اچھی وہی تھی صاحب"

"ٹھیک ہے... وہی سہی" راجندر کندھوں کو جھٹکتا لا پروائی سے بولا۔

"انھیں بڑے کمرے میں پہنچا دے بلبل.... چاند دیں ہے"

"آئیے صاحب..." بلبل بولی۔

راجندر اُس کے پیچھے چل دیا۔ دوسرے کمرے میں جاتے ہی دو قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ تکلیف نہ کریں۔ میں راستہ جانتا ہوں"

بلبل نے مڑ کر دیکھا۔ کچھ دیر راجندر کے چہرے پر نظریں رکی رہیں۔ پھر اس کے پاس سے ہوتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف چل دی۔ راجندر دروازے پر ٹنگے پردے کی طرف چل دیا۔

پردہ ہٹاتے ہی پونم پر نظر پڑی۔ پونم سر جھکائے صوفے پر بیٹھی گہرے خیالوں میں کھوئی تھی۔ اس کے کمرے میں قدم رکھنے کے بعد بھی نظر نہیں اٹھائی۔ دو چار قدم اٹھانے کے بعد چونک کر دیکھا۔ چونکتے ہوئے اٹھی۔

راجندر اس کی آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

"بیٹھیے..." پونم نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

راجندر صوفے پر جا کر بیٹھ گیا... "بیٹھ جاؤ پونم"

پونم نے راجندر کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔ پھر بند ہو گئے۔ بول نہیں سکی۔ سر جھکائے صوفے پر آ بیٹھی۔

"بہت اُداس ہو...؟" راجندر نے بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ یہاں کیوں آتے ہیں...؟" پونم نے راجندر کی طرف دیکھا اور کہا۔ آنکھیں بھرتی چلی گئیں۔

"تم سے ملنے..." راجندر مسکرا دیا۔

"کیوں... کیا ہوگا مل کر... پیسہ برباد کرنے کے بعد بھی آپ وہ نہیں پاتے... جس کے لیے لوگ پیسہ برباد کرتے ہیں"

"لوگ پیسہ برباد کرتے ہیں پونم... میں نہیں کرتا"

پونم کی آنکھوں میں حیرانی کے جذبات تھے۔ "بلبل..." "میں بھی نہیں"

"تم بھی نہیں سکو گی... میں..."

پردے کے ہٹتے ہی وہ خاموش ہو گیا۔ ڈانا کمرے میں آئی۔ بوتل ہاتھ میں تھی۔ پونم نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔

ڈانا کی گھورتی نظریں کچھ دیر پونم کے چہرے پر ٹکی رہیں۔ بوتل میز پر رکھتے ہوئے پونم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا... بار بار پانی آ جاتا ہے" پونم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ آواز کانپ رہی تھی۔

"جا کر چہرہ دھو لے... ٹھیک ہو جائے گی" ڈانا کا لہجہ تلخ تھا۔

پونم سر جھکائے کمرے سے باہر چلی گئی۔

پونم لوٹی تو اس کے ہاتھ میں دو گلاس اور پانی کا جگ تھا۔ چہرہ دُھلا ہوا تھا۔

"آپ آرام کریں" کہتے ہوئے ڈانا اٹھی اور پردے کو ہٹاتی ہوئی باہر چلی گئی۔ پونم نے دروازہ بند کر دیا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کچھ پوچھ رہی تھی...؟" اس نے راجندر سے پوچھا۔

"چھوڑو بیکار کی باتیں ہیں.... تم یہاں سے جانا چاہتی ہو پونم" پونم چونکی۔ حیرانی سے راجندر کو دیکھتی چلی گئی۔ پھر سانس لیتے طنزیہ مسکرا دی۔

"کوئی دوسری بات کریں..... جو ہو نہیں سکتا اس کے بارے میں سوچنا ہی بے وقوفی ہوگی" آواز میں گہری مایوسی تھی

"میں بھی سوچ کر آیا ہوں..... تم جانا چاہو گی؟"

"اندھے سے یہ پوچھا نہیں پڑتا۔ تجھے آنکھیں چاہئیں لیکن چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بہت بار سنا ہے جیل سے قیدی بھاگ گئے ہیں۔ یہاں آتے ایک بار نہیں سنا... یہاں سے کبھی کوئی نہیں بھاگ سکا ہے..." کہتے ہوئے پونم کا گلا بھر آیا۔

"جو کبھی نہیں ہوا وہ اس بار ہوگا" راجندر نے مضبوط لہجے میں کہا۔

پونم کچھ دیر اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ بولی

"صبح آپ چلے گئے..... میں دن بھر ایک ہی بات سوچتی رہی تھی۔ زندگی میں جو ایک رات آپ کے ساتھ کاٹی... وہ میرے تصور سے دُور تھی۔ وہ سکھ بھرے لمحے میری زندگی میں پھر کبھی نہیں آئیں گے، جو آپ نے دیے ہیں اس کے لیے میں آپ کی مشکور ہوں۔ رات جو آپ نے کیا..... ویسا اس دھرتی پر رہنے والا کوئی آدمی نہیں کر سکتا۔ یہ بات میرے خواب میں بھی نہیں تھی۔ آپ میری نظروں میں کیا ہیں... تم

www.taemeernews.com

بنا نہیں سکتی۔ ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں، میں آپ کا مذاق برداشت نہیں کر پاؤں گی..... وہ بھی اتنا بڑا مذاق...؟" کہتے ہوئے پونم رو پڑی تھی۔

"میں سب سوچ چکا ہوں ـــ کل صبح ہم اٹھیں گے۔ تم دوسری لڑکیوں کے ساتھ جنگل کی طرف جاؤ گی۔ میرے جانے کے آدھا گھنٹہ بعد چلنا۔ یہاں سے جاتے ہی میرا دوست دیال پل سے پار میرا گھوڑا لیے کھڑا ہوگا ـــ میں گھوڑا لیے اسی جنگل میں پہنچ جاؤں گا.... اس کے بعد کیا کرنا ہے۔ میں سوچ چکا ہوں۔"

پونم حیرانی سے سن رہی تھی.... راجندر مذاق نہیں کر رہا تھا، وہ سنجیدہ تھا۔

"ہم بھاگ نہیں سکیں گے.... یہاں سے کوئی بھی نہیں بھاگ سکا۔" وہ اُداس بھرے لہجے میں بولی۔

"تم بھاگ رہی ہو.... اور میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

پونم کا سر جھک گیا۔ کچھ دیر سوچتی رہی۔

"جاؤں گی کہاں...؟ ماں نے بیچ دیا... پاپا جیل میں ہیں۔"

"تم کہیں نہیں جاؤ گی... میرے پاس رہو گی... میں تم سے شادی کروں گا۔"

پونم کو لگا جیسے اس کے دماغ کی نسیں چٹخ گئی ہیں۔

"آپ...؟" اس کی آواز چیخ کی طرح تھی۔ وہ کسی پاگل کی طرح راجندر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"میں سوچ چکا ہوں پونم... میں غلط نہیں کہہ رہا۔" راجندر نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔

پونم کے ہونٹ کانپتے رہے۔ آنسو تیزی سے بہہ نکلے۔ چہرے کے رنگ تیزی سے بدل رہے تھے۔ بول ہی نہیں سکی اُسے لگا کہ جیسے بولنے کی طاقت ہی جاتی رہی ہے۔

"مجھ پر یقین کرو پونم.... میں سچ کہہ رہا ہوں۔" راجندر کی آنکھیں بھر آئیں۔ پونم کے چہرے کی طرف دیکھ کر سہم گیا تھا۔ ویسا چہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"نہیں.... نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یہاں سے نکال کر کہیں بھی چھوڑ دو۔ آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔ کہیں بھی محنت مزدوری کر سکتی ہوں... پیٹ بھرنے کے لیے دو روٹی کما لوں گی۔ اس جہنم سے نکل سکوں یہی بہت ہے۔ شادی کی بات مجھ سے نہ کریں۔ مجھے دکھ ہو گا۔" وہ روتی چلی گئی۔

راجندر نے جیب سے رومال نکالا... پونم کے آنسو صاف کرتا ہوا بولا۔

"یہاں سے نکلنے کے بعد... میں لوگوں کی ٹھوکروں کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔"

"آپ نہیں جانتے... آپ کیا کہہ رہے ہیں...؟"

"یہاں سے صبح چھ بجے گیا تھا.... لوٹا شام کے چھ بجے ہوں... بارہ گھنٹے یہی سوچتا رہا ہوں... کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے ایک پل چاہیے۔ میں نے بارہ گھنٹے سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری زندگی کیسی ہے...؟" پونم نے رومال ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ہاں سب جانتے ہوئے بھی کہ تمہیں تمہاری سوتیلی ماں نے بیچا اور ان لوگوں نے خریدا۔ تمہارا جسم ہی خرید سکتے ہیں، تمہارا ضمیر نہیں۔ تمہاری مرضی کے خلاف... یہ لوگ تمہارا جسم ہی نیچتے رہے... تم مجبور تھیں... برداشت کرتی رہیں۔ تمہارا ضمیر تڑپتا رہا۔ جو تمہارے ساتھ ہوا وہ عصمت دری ہی تھی۔ زبردستی عصمت لوٹا ہی تھا۔ عصمت دری ایک بار بھی ہو سکتی ہے اور ہزار بار بھی۔ تمہارے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ جو گناہ رضامندی کے خلاف مجبوریوں سے ہوا ہو، میں اُسے گناہ نہیں مانتا ـــ گناہ تب مانتا جب یہ باتیں تمہارا ضمیر بھی مان لیتا۔ تم نے کچھ اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ بلکہ کروایا گیا ہے۔ جو کیا ہی نہیں اس کے بارے میں سوچنا ہی بیکار ہے۔ دوسروں کے گناہ کی سزا خود کو دینا بے وقوفی ہے۔ میں نے تمہیں چاہا تھا.... کبھی بھول نہیں پایا۔ سُنا تھا کہ کوئی بھی زندگی میں پہلے پیار کو بھلا نہیں سکتا.... آج سچ مانتا ہوں.... تمہیں یہاں دیکھ کر لگا کہ تمہیں ہمیشہ ہی چاہتا رہا ہوں۔" کہتے ہوئے راجندر کا گلا بھر آیا۔

"آپ نہیں جانتے... میرے جسم کے ساتھ کتنے جسموں کی گندگی لپٹی ہوئی ہے۔" پونم نے کراہتے ہوئے کہا۔

"گندگی دھل جاتی ہے۔ رہ جاتی ہے یاد... پھر یاد بھی نہیں رہتی۔ وقت سب کچھ بھلا دیتا ہے۔ میں بھلانے میں تمہاری مدد کروں گا۔"

پونم کچھ نہیں کہہ سکی۔ راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی بھگوان سے ہمیشہ یہی مانگا تھا... اس نرک سے چھٹکارہ یا موت...؟ راجندر کے چہرے کو دیکھ کر ایک ہی خیال تھا۔ یہ چہرہ بھگوان کا ہی ہوگا... انسان کا تو نہیں ہو سکتا۔

دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا تھا۔ پونم ہڑبڑا کر اٹھی۔ اٹھتے ہی نظر بوتل پر پڑی۔ بوتل بند تھی۔

راجندر نے تیزی سے بوتل اٹھا کر ڈھکن مروڑ دیا۔ دونوں

www.taemeernews.com

گلاس شراب سے بھرتے ہوئے پانی کا جگ اٹھا کر ڈھیر سا پانی پی گیا... جگ میز پر رکھتے ہی پونم دروازے کی طرف چل دی۔

دروازہ کھولا۔ کھولتے ہی گہری سانس لی۔

کھانا لیے سندھی کا نوکر کھڑا تھا۔

پونم نے تڑپے تھامتے ہوئے اُسے صبح برتن اٹھانے کے لیے کہہ دیا۔

کھانا میز پر رکھنے کے بعد دروازہ پھر بند کر دیا... پھر راجندر کی طرف دیکھا۔

"شراب گرا دو، ورنہ پانی نہیں پی سکیں گے" راجندر نے ہنستے ہوئے کہا۔

پونم نے بستر پر چڑھ کر کھڑکی کھولی، راجندر نے اُسے دونوں گلاس پکڑا دیے۔ پونم نے کھڑکی سے الٹ دیے۔ آج کھڑکی کے نیچے کوئی نہیں تھا۔

پونم نے کھڑکی بند کر دی۔

"آؤ..... کھانا کھا لو" راجندر نے گلاس اس کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کے قابل نہیں... آپ کیوں نہیں سمجھتے؟"

"کون کس کے قابل ہے وہ وقت بتائے گا.... ابھی کھانا کھاتے ہیں"

کھاتے وقت کوئی بات نہیں ہوئی۔ دونوں اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے رہے۔ کھانے کے بعد راجندر نے اُسے بستر پر بٹھا دیا تھا۔ اس کے سرہانے بیٹھتے ہوئے اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔

پونم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"لگتا ہے کوئی خواب دیکھ رہی ہوں" وہ بھرے گلے سے بولی۔

"کچھ خواب سچ بھی ہوتے ہیں...." راجندر نے اُسے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی لیٹ جائیں..."

راجندر مسکرا دیا۔

●
●

پُل پار کر ... ہی پگلے نے دیکھا ٹیکسی مڑی اور اس کے سامنے ہی دکانوں کے آگے رک گئی تھی۔ پگلے نے جیب میں پڑے ادھے کو تھپتھپایا اور تیزی سے ٹیکسی کی طرف چل دیا۔ اس کا ملن بک جائے گا۔ یہی خیال دل میں تھا۔ اندھیرا تو تھا ہی۔ پھر بھی ٹیکسی کے اندر بیٹھے آدمی کی پرچھائیں دیکھ پانا مشکل نہیں تھا۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک آدمی بیٹھا تھا۔ وہ اُس آدمی پر نظریں جمائے چلتا رہا۔

ڈرائیور اتر گیا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھے آدمی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پیچھے بیٹھا آدمی بھی کچھ کہہ رہا تھا۔ پیچھے بیٹھا آدمی مڑ کر دیکھنے لگا۔ پگلے نے دیکھا.... اس آدمی کے سر کے سامنے کے بال اڑے ہوئے تھے۔ وہ میلہ بازار کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر دیکھنے کے بعد پگلے نے اُسے ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اترتے ہوئے دیکھا۔ پگلے نے اپنی چال اور تیز کر دی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اس آدمی کے پاس تھا۔ آدمی کا چہرہ ڈرائیور کی طرف تھا۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا۔

"میلہ بازار جا رہے ہو...؟" پگلے نے پوچھا۔

اُس آدمی نے مڑ کر دیکھا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا۔ پگلے کا جسم کانپ گیا۔ آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔

"سوہن...؟" وہ بڑبڑایا۔

"بھیا....!" اس آدمی کی حیران کن آواز ابھری۔

دوسرے ہی پل تیزی سے دونوں ایک دوسرے کے بازوؤں میں تھے اور پاس ہی کھڑا ڈرائیور دونوں کو حیرت زدہ ہو کر دیکھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے سوہن...!" پگلے نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ آواز بھاری تھی۔

"کسی کام سے آیا ہوں.... لیکن آپ یہاں مل جائیں گے۔ سوچا ہی نہ تھا" سوہن نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا سامان بھی ہے...؟"

"ایک بیگ ہی ہے..." کہتے ہوئے سوہن نے ٹیکسی میں سے بیگ اٹھا لیا۔ کندھے پر لٹکاتے ہوئے بھائی کی طرف دیکھا۔

"پاس ہی میری جھونپڑی ہے تو شاید وہاں نہ رہ سکے۔ نزدیک ہی بھوٹان ہے۔ وہاں چلتے ہیں۔ وہاں ہوٹل ہے۔ لیکن تُو تو...!" کہتے ہوئے پگلے نے پل سے پرے میلہ بازار کی طرف دیکھا۔

"جہاں آپ رہ سکتے ہیں، میں بھی رہ سکتا ہوں۔ آرام سے بیٹھ کر آپ سے باتیں کروں گا"

"آؤ..." پگلا مڑتے ہوئے بولا۔ دونوں چلنے لگے۔

"تُو تو بوڑھا ہو گیا ہے.... ماں کا کیا حال ہے؟" سوہن نے پوچھا۔

"ماں کو مرے دو سال سے زیادہ ہی ہو گئے۔ آپ تو وہاں سے جانے کے بعد لوٹے ہی نہیں" سوہن کا گلا بھر آیا۔

"لوٹ ہی نہیں سکا۔ تمہاری بھابی کے مرنے کے بعد وہ

www.taemeernews.com

گھر کھانے کو دوڑتا تھا۔ شراب پیے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ وہاں جتنا تو سب کچھ شراب میں ہی اڑا دیتا۔ تمہاری بھابی کے مرنے کے بعد مر تو نہیں سکا۔ لیکن جینے کی تمنا بھی نہیں رہی ہے۔"

"کانتا اچھی لڑکی تھی.... یہی سوچ کر گھر چھوڑ دیا تھا۔ میں جانتا تھا میری بیٹی کو تم دونوں مجھ سے زیادہ پیار سے رکھو گے۔ جو خود ٹوٹ گیا تھا وہ اسے سہارا بھی کیا دیتا۔ منی کیسی ہے؟ میرے رہتے تو اس کا نام بھی نہیں رکھا گیا تھا۔"

سوہن کی آنکھیں بھر آئیں۔ ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ موہن سے پونم کے بارے میں کیا کہے.... ؟ سوچ نہیں سکا۔

"آپ کی جھونپڑی کتنی دور ہے؟" اس نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"نزدیک ہی ہے.... ان جھونپڑوں کے پیچھے۔"

سوہن نے دیکھا..... وہ سڑک کے ایک طرف بنے ہوئے جھونپڑوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ گھنے درختوں کے تلے جھونپڑوں میں کہیں کہیں مدھم روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

"آ.... ادھر سے آجا.... پاؤں جما کر رکھنا" موہن ایک اونچی پگڈنڈی پر چڑھتے بولا۔

سوہن نے پگڈنڈی پر چڑھتے دیکھا۔ پگڈنڈی کی دوسری طرف کا مقام نیچا تھا۔ لمبی لمبی گھاس تیز ہوا سے ہل رہی تھی۔ کچھ فاصلہ چلنے کے بعد دونوں پگڈنڈی سے اترے۔ بائیں طرف مڑتے ہی جھونپڑی تھی۔ موہن پھوس کا چھوٹا سا دروازہ ہٹا کر اندر جاتے بولا۔

"میں دیا جلاتا ہوں...."

سوہن دروازے پر کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا۔

اندھیرا اور گہرا ہو گیا تھا۔ چاروں طرف خاموشی اور درختوں کی سائیں سائیں۔

"آجا...." اس نے بھائی کی آواز سنی۔

جھونپڑی کے اندر جانے کے لیے جسم کو بہت جھکانا پڑا۔ موہن کپڑے سے چیزوں کو جھاڑ رہا تھا۔ ایک کھاٹ پر پرانا سا بستر.... ایک لوٹا.... دو گلاس۔ پانی کا مٹکا۔ بس یہی جھونپڑی میں تھا۔ ہر چیز کی طرف دیکھتے ہوئے سوہن کا من بھر آیا۔ "..... عورت... آدمی کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے؟" سوہن نے سوچا۔

"بیٹھ جا..." موہن دیے کے قریب ہی زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ سر کو کھجاتے ہوئے جیب سے آدھی بوتل شراب کی نکالی۔ ڈھکن مروڑتے ہوئے سوہن کے چہرے کو دیکھ کر ہنس دیا۔

"تمہیں گاہک سمجھ کر تمہاری ٹیکسی کی طرف گیا تھا۔ سوچا دو ادھے ہی تمہیں بیچ دوں گا..." کہتے ہوئے بوتل کو منہ لگا کر کچھ لمبے لمبے گھونٹ بھرے۔ بوتل ہٹا کر کوٹ کی آستین سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے سوہن کی طرف دیکھا۔

"ارے.... تم ڈر رہے ہو.... کیا ہوا تمہیں.... تمہیں تو خوش ہونا چاہیے جس بھائی کو تم کھو چکے تھے.... وہ تمہیں مل چکا ہے۔"

"آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے بھیا۔؟" سوہن نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"وہاں رہتا تو مر جاتا.... وہاں سے بھاگ کر زندہ رہ سکا ہوں۔"

"اسے زندہ رہنا کہتے ہیں...؟"

"مرنا بھی تو نہیں کہتے...." موہن ہنستے ہوئے بولا۔ پھر زمین پر پاؤں پھیلاتے کہا.." چلو ماں بھی مر گئی.... ماں کی یاد کبھی کبھی بہت آتی تھی سوہن۔ جب کبھی شراب نہیں ملتی تو بہت سی یادیں تنگ کرتی ہیں۔ شراب پیٹ میں جاتے ہی سب یادیں صاف۔"

موہن ہوا میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔

"کچھ یاد نہیں رہتا.... پیتے ہی چاروں طرف پھیلی ہریالی گھومنے لگتی ہے۔ تو نے ناچ دیکھا ہوگا.... پوری نیچر ناچنے لگتی ہے.... میلہ بازار میں ناچ نہیں ہوتا" کہتے ہوئے موہن ہنسا۔

موہن کی طرف ٹیڑھی نظر سے دیکھتے ہوئے بولا...

"کانتا بوڑھی ہو گئی ہوگی.... ہے نا.... تبھی تو یہ معاش ہو گیا ہے۔ میلہ بازار جا رہا تھا۔" کہتے ہوئے موہن زور سے ہنسا اور بوتل سے منہ لگا کر ڈھیر ساری پی گیا۔

سوہن الجھے ہوئے بالوں اور پھٹے ہوئے کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے ایک ہی سانس سوچ رہا تھا۔ کبھی یہ موہن کپڑوں پر ذرا سا داغ بھی برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ ماں اسے پیار سے صفائی کا داروغہ کہا کرتی تھی۔

"اور سنا.... گھر کے بارے میں بتا۔" موہن نے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"جس گھر کی کبھی سدھ بھی نہیں لی تھی.... اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو....؟" سوہن طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تم نہ ملتے تو بغیر جانے ہی ایک دن مر جاتا.... اب مل گئے ہو تو جاننے کی خواہش جاگ اٹھی ہے۔ ماں کے بارے میں تم بتا ہی چکے۔ کانتا اور منی کے بارے میں بتا دو، دونوں ٹھیک ہیں نا؟ منی تو اب سیانی ہو گئی ہوگی۔ شادی تو ابھی نہیں کی ہوگی....؟"

سوہن اس زرد اور جھریوں سے بھرے چہرے کی طرف کچھ دیر دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"کانتا مر چکی ہے.... منی اسی میلہ بازار میں ہے۔" کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو بھرتے چلے گئے۔

www.taemeernews.com

موہن نے چونک کر سوہن کی طرف دیکھا۔

"منی... میلہ بازار میں...؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"اُس کا نام اب منی نہیں... پونم ہے۔ میں اُسے ہی کھینچنے آیا ہوں..." کہتے ہوئے سوہن نے پوری بات بتادی... ماں کے مرنے کی... اپنے جیل جانے کی... بملا سے شادی کی... اور بملا کے ہاتھوں اس کے جیل رہتے پونم کو بیچ دینے کی... سوہن بولتا رہا اور موہن آنکھیں پھاڑے سنتا رہا۔

"ایک عورت وہ بھی تھی، جسے قتل کرنے سے میں پاگل ہو گیا تھا... ایک عورت کا نتا بھی تھی جس کی گود میں منی کو چھوڑ کر میں سوچ سکتا تھا کہ وہ اس کی ماں سے زیادہ ہی اُسے پیار دے گی... اور... ایک عورت بملا بھی ہے جس نے اس معصوم کو بیچ دیا۔ میں پونم کو روز ہی دیکھتا ہوں موہن... میں کیا جان سکتا کہ وہ میری ہی بیٹی ہے..." کہتے ہوئے موہن کی آنکھوں میں آنسو بھرتے چلے گئے۔ ہونٹ کانپنے لگے... "میں اُسے دہلی والی کہتا ہوں۔ اُس نے مجھے ایک بار پان بھی کھلایا تھا۔" کہتے ہوئے موہن کی آواز بھاری ہو گئی۔

سوہن اٹھا... "اُس سے ملنے چلو بھیا۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھ جا... اُسے اس وقت کوئی بھی باپ نہیں مل سکتا... صرف گاہک مل سکتا ہے۔ رات بھر کے لیے اس کا خریدار..." کہتے ہوئے موہن نے شراب کی بوتل منہ سے لگا لی۔

"میں اسی وقت ملوں گا... میں سب کو جیل بھجوا دوں گا..." سوہن غصے سے بولا۔

"کہا نا... بیٹھ جا... تو یہاں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا... جیل کی بات چھوڑ دو۔ وہاں جانے کے بعد تم زندہ بھی نہیں لوٹ سکو گے۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں وہ پڑ گئی ہے انہیں تو نہیں جانتا... میں جانتا ہوں۔ دن کے وقت... بیچ سڑک میں کسی کو مار دیں گے... تو کوئی یہ بھی نہیں بتائے گا کہ کوئی مارا بھی گیا تھا... لاش تک نہیں ملے گی۔"

"ہم کچھ نہیں کر سکتے...؟" سوہن نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں...؟"

"چالیس ہزار سے زیادہ ہی... ان لوگوں نے اُسے تیس ہزار میں خریدا ہے۔ میں چالیس ہزار دے سکتا ہوں... مجھے اپنی بیٹی چاہیے۔" سوہن نے گھبرائے لہجے میں کہا۔

"پاگل پن کی بات نہ سوچ۔ وہ پیسے لے کر تمہیں کاٹ کر پھینک دیں گے۔ ایک بار جو لڑکی یہاں آجاتی ہے اُسے کوئی چھت بھی باہر نہیں نکال سکتی۔ میں اس سے بات کر لوں۔ اس کے بعد تمہیں لے جا سکتا ہوں۔ پیسہ دے کر کوئی بھی اس کے ساتھ رات بھر رہ سکتا ہے۔" موہن نے درد بھری آواز میں کہا۔

"میں اس کا باپ ہوں بھیا... میں نے اُسے بیٹی کی طرح پالا ہے... میں کیسے ان حالات میں جا سکوں گا!" موہن کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"اس سے ملنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ اور اس سے ملے بغیر کچھ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ تمہیں وہاں لے جانے سے پہلے پونم سے بات کرنی ہو گی۔ اُسے سمجھانا ہو گا کہ تمہیں دیکھ کر چونکے نہیں... ذرا سا بھی شبہ ہم لوگوں کو لاشوں میں بدل دے گا۔ ابھی کچھ نہیں ہو سکتا... کھانا کھاؤ گے؟"

"مجھے بھوک نہیں..." سوہن نے کہا۔

"تو سو جاؤ... صبح اٹھ کر بات کریں گے..." کہتے ہوئے موہن زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی بوتل خالی کی اور زمین پر کونے میں پھینک دی۔

سوہن کھاٹ پر لیٹنے کے بعد دیر تک چھت کی طرف گھورتا رہا۔

•

•

پونم رات بھر خواب دیکھتی رہی تھی... میٹھے اور سہانے خواب... آزادی کا احساس اور پاس ہی سویا راجندر۔ وہ بار بار راجندر کے جسم کو چھو کر دیکھتی۔ یقین کرنے کی کوشش کرتی... کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ راجندر کی باتوں سے اس کا پورا جسم ایک انجانی تمنا سے بھر گیا تھا۔ جب بھی سُہانے خواب کا سلسلہ ٹوٹتا... تب راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتی رہتی۔ راجندر پوری رات آرام سے سوتا رہا۔ اپنا ایک ہاتھ پونم کے جسم سے ٹکائے... پونم نے وہی ہاتھ کئی بار چھو کر دیکھا تھا۔

رات ایسے ہی بیت گئی۔ راجندر نے صبح اٹھتے ہی پونم کو جاگتے پایا تھا۔ پونم اس کی کھلی آنکھوں میں مسکراتے ہوئے جھانک رہی تھی۔

"تم پہلے سے میرے جانے کے آدھے گھنٹے بعد چلنا۔" راجندر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم یہاں سے جا سکیں گے...؟" پونم اب بھی یقین نہیں کر رہی تھی۔ کیا بھاگنا اتنا آسان تھا۔ یہاں رہتے جو جانا تھا... اس سے ہی دل گھبرا رہا تھا۔

"مجھ پر یقین کرو پونم...!" راجندر نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"آپ پر بے یقینی کرنے جیسا گناہ میں کر ہی نہیں سکتی۔

www.taemeernews.com

یہاں سے نکال کر کسی کنوئیں میں بھی پھینک دیں گے تو بھی پروا نہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں سوچتے ہوئے ہی کہہ رہی ہوں۔ یہ بھاگنے نہیں دیں گے۔ بہت ظالم ہیں۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو۔ پونم سوچتے ہوئے کانپ اٹھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہو گا ..." راجندر صوفے پر بیٹھ کر جوتے اٹھاتے ہوئے بولا۔ "میرا دوست وہاں ہے نا ... وہ سب سوچ چکا ہے میں تو رات ہی جا رہا تھا۔ اسی نے منع کیا ... کہنے لگا ... ان لوگوں کے بھاگنے کی بھی سوچیں گے۔ تم دہلی ہی گئے ہو گے۔ دہلی بہت دور ہے۔ راستہ بھی بہت لمبا ہے ... ان کے ہاتھ بھی لمبے ہیں تمہیں بھی روک سکتے ہیں۔ ابھی وہاں جاؤ جہاں تمہارے جانے کی بات سوچ نہ سکیں۔" کہتے ہوئے راجندر نے تسمے باندھے۔ اٹھتے ہوئے بولا ... "ڈائنا کو پیسے باہر ہی دے رہا ہوں۔ یہ انعام رکھ لو ... ڈائنا کو دینے کے لیے آخری انعام۔"

پونم نے نوٹ تھام لیا ... ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"گھبرانا مت۔" وہ بولا۔ پھر تیزی سے مڑا۔ دروازہ کھول کر باہر چلا آیا۔

پونم بیٹھی ڈائنا کا انتظار کر رہی تھی۔ دس منٹ بعد ہی ڈائنا آگئی۔

"کیا دیا ...؟" اس نے کمرے میں آتے ہی پوچھا۔

پونم نے سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ایسے گاہک کم ہی آتے ہیں ... آج شام بھی آئے گا ... دو سو ایڈوانس بھی دے گیا ہے ..." ڈائنا نے تھیلی میں نوٹ ڈالتے ہوئے کہا۔

پونم خاموش رہی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"بلبل کہاں ہے ...؟" پوچھتے ہوئے آواز کانپ گئی۔

ڈائنا نے چونک کر دیکھا ... "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا ... گھبرائی ہوئی کیوں ہو ...؟"

"کچھ نہیں ... رات سو نہیں سکی۔"

ڈائنا زور سے ہنسی "بھوا تنے پیسے دے گا کیا رات کو سونے دیگا۔ صبح سو لینا۔ جا بلبل کو اٹھا لے۔ اس کے پاس رات بھر کے لیے کوئی نہیں تھا۔ بارہ بجے کے بعد وہ خالی رہی ہے۔"

پونم جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ بلبل کے کیبن کے قریب پہنچتے ہی نا گا لڑکی کی بھاری ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"چپ حرامزادی ... ہر وقت کھی کھی کرتی رہتی ہے۔" آواز گینڈے کی تھی۔ آواز سنتے ہی پونم کا جسم کانپ گیا۔

پردہ ہٹاتے ہی کیبن کے اندر آگئی۔ بلبل سو رہی تھی۔ اس نے بلبل کو آہستہ سے ہلایا۔ بلبل ہڑبڑا کر اٹھی۔ پونم پر نظر پڑتے ہی مسکرا دی۔

"صبح ہو گئی ...؟"

"ہاں ہاں ... اٹھو چلیں۔" پونم نے کہا۔

بلبل کپڑے ٹھیک کرتی اٹھی ... "بہت دنوں بعد آرام سے رات کاٹی ہے۔ ایسی راتیں کبھی کبھی ہی آتی ہیں۔"

"شی ..." پونم ہونٹوں پر انگلی رکھتے بولی۔ پھر بلبل کے کان سے منہ لگا کر بولی ... "گینڈا نزدیک ہی ہے۔"

بلبل نے سر ہلا دیا ... گینڈا کا نام سنتے ہی چہرہ اتر گیا تھا۔ آنکھیں باہر آگئیں۔ ڈائنا چائے بنا رہی تھی۔ پونم اس سے نظر نہیں ملا سکی۔ بلبل کی آڑ میں چلتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئی۔

گلی میں قدم رکھتے ہی دیکھا۔ اجالا پھیل چکا تھا۔ کیا اتنے اجالے تک وہ بھاگ سکے گی ... پونم سوچنے لگی۔ سوچتے ہوئے ہی دو مکانوں کے گھیرے سے نکل کر ندی کی طرف چلنے لگیں۔

تبھی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ لکڑی پر پڑتے کھروں کی تیز آواز ... دوسرے ہی پل آواز نہیں تھی۔ لکڑی کا ایک لمبا پل ... بھوٹان کی طرف جانے والے راستے پر بنا ہے۔ پونم جانتی تھی۔ راجندر جنگل کی طرف گھوم کر جا رہا تھا۔ اس نے سوچا۔

"دیدی ....!"

"ہوں ...." بلبل نے خیالات میں ڈوبے ہوئے کہا تھا۔ وہ چلتے ہوئے بھوٹان کی پہاڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں یہاں سے بھاگ رہی ہوں دیدی ..." پونم کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

بلبل نے چونک کر پونم کی طرف دیکھا۔

"رات کیا کھایا تھا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا ...؟" بلبل ہنسی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں دیدی۔"

بلبل اس کے چہرے کو کچھ دیر دیکھتی رہی۔ "راجندر کے ساتھ ...؟"

"ہاں دیدی۔"

"تو نے کل بات نہیں کی۔ صرف یہی کہا تھا ... وہ رات کو آئے گا۔"

"انہوں نے رات ہی بات کی ہے۔" پونم نے بتایا

"کب بھاگ رہی ہو ...؟"

"ابھی ... میں لوٹ کر نہیں جاؤں گی۔ وہ جنگل کی طرف گئے ہیں۔"

www.taemeernews.com

"ہوں..." کہتے ہوئے بلبل خیالات میں محو ہو گئی۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ پونم بلبل کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد بلبل نے لمبی سانس لیتے ہوئے پونم کی طرف دیکھا۔

"بھگوان تمہیں کامیابی دے" بلبل کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پونم کا من بھاری ہو گیا۔ بلبل نے بلاؤز میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا۔

"یہ میرے والد کا پتہ ہے۔ ہمیشہ ہی لکھ کر رکھتی ہوں، شاید کسی گاہک کو رحم آ جائے اور وہ انھیں خط لکھ کر بتا دے کہ میں یہاں ہوں۔ بہت بار دیا بھی ہے لیکن ہوا کچھ نہیں.... تم تو لکھ دو گی نا....؟" بلبل رو پڑی۔

"ہاں...." کاغذ تھامتے ہوئے پونم کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"تمہارے جانے کے بعد میں ہمیشہ ہی اس لکڑی کے پُل کی طرف دیکھتی رہوں گی۔ جیسے پار کر کے میلہ بازار میں آنے کے بعد کوئی لڑکی اس پل کی طرف نہیں جا سکتی۔ تم بھی اس پل سے نہیں جا رہی ہو۔ بھگوان سے یہی دعا مانگتی رہوں گی کہ تمہیں اس پُل پر زندگی میں کبھی نہ دیکھوں۔ تمہیں وہاں دیکھنے سے پہلے بھگوان مجھے اٹھا لے۔"

"دیدی...." پونم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

وہ دیکھو.... اس پُل کی طرف دیکھو پونم.... بھگوان نہ کرے کبھی ایسا ہو تمہیں لوٹنا پڑے۔ اس پُل پر قدم رکھنے سے پہلے خودکشی کر لینا۔"

پونم نے مڑ کر پل کی طرف دیکھا۔

پگلا آہستہ آہستہ چلتا اس پل سے ہو کر میلہ بازار جا رہا تھا۔ پونم مڑ کر پھر بلبل کے ساتھ چلنے لگی۔ تبھی ایک تیز ہنسی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ نا کا لڑکی پانچ اور لڑکیوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ چلتی لڑکیاں اس کی کمر تک نہیں پہنچ پا رہی تھیں۔

"تو جا پونم.... میں ان کے ساتھ جا رہی ہوں.... راجندر تمہیں کہاں ملے گا....؟"

"ندی پار کرتے ہی سیدھے راستے پر...." پونم نے کہا۔

"میں انھیں دوسری طرف لے جاؤں گی.... تو جا۔"

"دیدی۔"

"کہا نا.... بیکار وقت مت برباد کر۔" بلبل رکتے ہوئے بولی۔

پونم چلتی رہی۔ کچھ فاصلے پر جنگل میں جاتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ بلبل لڑکیوں کے ساتھ چلتی ہوئی دوسری طرف جا رہی تھی۔

پونم مڑ کر تیز چلنے لگی۔ کچھ دور جانے کے بعد راجندر دکھائی دیا۔ راجندر گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے کھڑا تھا۔

راجندر کو دیکھتے ہی پونم کی گھبراہٹ جاتی رہی۔ راجندر مسکرا رہا تھا۔ چہرے پر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ راجندر نے اُسے اپنی مضبوط باہوں میں سہارا دے کر گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ اس کے بیٹھتے ہی رکاب پر پاؤں رکھتے ہوئے اچھل کر اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ لگام کو جھٹکا دیتے ہی گھوڑا بھاگ اٹھا۔ پونم چٹان کی پہاڑی کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑی۔

اب چاہے موت ہی آ جائے۔ اُسے پروا نہیں تھی۔

کچھ ہی دیر کے بعد وہ لکڑی کے لمبے پل پر تھی۔ دھارنگا بازار کی طرف جانے والی سڑک پر کچھ بنگالی صبح کی سیر کے لیے ہاتھوں میں چھڑی لیے چل رہے تھے۔ پل سے اترتے ہی راجندر نے گھوڑا موڑ دیا۔

سامنے والی سیدھی سڑک چھوڑ دی تھی۔ گھوڑا کچھ دیر لمبے چوڑے کھیتوں میں بھاگتا رہا۔ پھر گھنے درختوں کے بیچ سے نکل کر چھوٹے راستے پر بائیں طرف کچھ جھونپڑے.... ایک اونچی پہاڑی.... گھوڑا اچھل کر پگڈنڈی پار کر گیا تھا۔ پونم کو لگا وہ گر جائے گی.... مگر وہ گری نہیں۔ راجندر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے مضبوطی سے اپنے ساتھ کس لیا تھا۔ گھوڑا لمبی گھاس کے درمیان بھاگ رہا تھا۔

گھاس سے نکلتے ہی سامنے لکڑی کی بنی ہرے رنگ کی عمارت دکھائی دی۔ گیٹ کے قریب ہی جیپ کھڑی تھی۔ گھوڑا اس طرف بھاگا جا رہا تھا۔ جیپ کے پاس پہنچ کر گھوڑا رُک گیا۔

راجندر اچھل کر نیچے اترا۔ پونم کو سہارا دے کر اتارا۔ پونم نے مڑتے ہی دیکھا۔ جیپ کے پیچھے سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ پونم اس آدمی کو پہچانتی تھی۔

کچھ کڑوی یادیں من میں آتی چلی گئیں۔

اس آدمی نے پونم کی طرف دیکھا بھی نہیں.... راجندر کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"تمہارا سامان رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں سے رنگیا اور رنگیا سے گوہاٹی.... گوہاٹی بس اڈے کے سامنے تمہیں شیلانگ کے لیے ٹیکسی مل جائے گی۔ کرشن کو رات ہی بھیج دیا تھا۔ وہ تمہیں گوہاٹی ٹیکسی اسٹینڈ پر ہی ملے گا۔ اُسے جیپ دے دینا۔"

www.taemeernews.com

"میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا دیال ..." راجندر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"شی ..." کہتے ہوئے دیال ہنسا۔ مڑ کر پونم کی طرف دیکھا۔

"راجندر میرے بھائی کی ہی طرح ہے۔ جس گندگی کو آپ چھوڑ کر آئی ہیں۔ اُسے زندگی میں کبھی یاد نہ کرنا۔ میں بھی اس گندگی کا ایک حصہ تھا۔ شاید کہیں کوئی اور بھی مل جائے۔ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں۔ آج سے آپ میری بھابی ہیں مجھے بھی یاد رہے گا ... راجندر میں ہمت ہے۔ وہ آپ کو کبھی تکلیف نہیں اٹھانے دے گا۔"

پونم کی آنکھیں بھر آئیں۔

"شیلانگ میں کسی ہوٹل میں رک جانا۔ گرودر سے مل لینا۔ وہ تمہارے لیے مکان کا بندوبست کر دے گا۔ گرودر یاروں کا یار ہے۔ تمہیں اس سے مل کر خوشی ہوگی۔ اس میں ایک ہی بیماری ہے۔ کسی سے بہت پیار کرنے لگتا ہے تو گالی دینے لگتا ہے۔ تمہیں کبھی بھوتنی کا کہے تو سمجھ لینا تمہیں پیار کرنے لگا ہے۔ سالے ... موٹے سے کہہ دینا ... تیرا باپ تجھے بھوتنی کا کہہ رہا تھا۔"

"ابھی کہہ دوں گا۔" راجندر مسکرا دیا۔ "تو شیلانگ کب آئے گا؟"

"ابھی نہیں ... کچھ روز میلہ بازار جاتا رہوں گا۔ دیکھوں گا وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ حرامزادے ... بہت کمینے ہیں۔ اپنا دھیان رکھنا۔"

"تم فکر نہ کرو ..." راجندر ہنس دیا۔

"پیسے چاہئیں ..." دیال جیب سے بٹوا نکالتے ہوئے بولا۔ راجندر نے اس کے ہاتھ سے بٹوا لے لیا۔ جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔ "رہنے دے۔"

"رہنے دے ... گنتی کی تکلیف سے بچ جائے گا۔"

"سالا ... بھوتنی کا۔" دیال کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"دیکھ بے گالی مت دے۔" راجندر نے کہا۔

"جاتے وقت گلے تو لگ جا ..." کہتے ہوئے دیال نے بازو پھیلا دیے۔ دونوں ایک دوسرے کی باہوں میں سما گئے۔

"یہ کمینہ بہت پیارا ہے بھابی ... اس کا دھیان رکھنا۔" دیال الگ ہٹتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

پونم کی آنکھیں برس پڑیں۔ ایسا پیار زندگی میں پہلی بار ہی دیکھا تھا۔

"تو نے اسے رُلایا ہے سالے ... ایکٹر۔" راجندر آنسو پونچھ رہا تھا۔

دیال نے جیب سے ڈائری نکالی۔ اُسے کھول کر کچھ لکھا۔ کاغذ پھاڑ کر پونم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ میرا پتا ہے بھابی ... کوئی بھی تکلیف ہونے پر مجھے خط لکھ دینا ... دیال پہنچ جائے گا۔"

"کیسے نہیں پہنچے گا ... سالے کی ٹانگ توڑ دوں گا ..." راجندر زور سے ہنستا ہوا بولا۔

"اب بیٹھ نہیں ... بھاگ یہاں سے۔ ان کے بھاگنے کی خبر پاتے ہی تیرے چاہنے والے بے چین ہو اٹھیں گے ..." دیال نے ہنستے ہوئے راجندر کو دیکھ کر کہا۔

"تو ٹھیک کہتا ہے یار ... کبھی کبھی تو عقل کی بات بھی کر دیتا ہے۔ یہ ماننا پڑے گا۔" راجندر جیپ کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

پونم کو ہنسی آگئی۔

"آؤ پونم بیٹھو۔" راجندر نے دروازہ کھول دیا۔

پونم نے دیال کی طرف دیکھا۔

"جائیے ... بھگوان تم لوگوں کو سلامت رکھے ..."

پونم نے ہاتھ جوڑ دیے اور جیپ میں آکر بیٹھ گئی۔

"اچھا میرے باپ میں جا رہا ہوں۔" راجندر جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

دیال نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا ... وہ گیٹ کھول کر عمارت کی طرف جا رہا تھا۔

"سالا رو رہا ہوگا۔" راجندر کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز بھرائی ہوئی تھی۔

پونم دیال کی پیٹھ کی طرف دیکھتی رہی ... جیپ جھٹکے سے آگے بڑھی اور سڑک پر بھاگنے لگی۔

●●

موہن پگڈنڈی پر چلتے ہوئے ہانپنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے پگڈنڈی پار کی۔ لگ رہا تھا کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔ جھونپڑی کے اندر جا کر دیکھا۔ سوہن لیٹا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

موہن کونے میں بیٹھتے ہوئے ہانپنے لگا۔

"پونم بھاگ گئی ہے ..." سوہن نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

موہن بُری طرح چونکا۔ حیرت سے سوہن کی طرف دیکھا۔

"تو کیسے جانتا ہے ...؟" میں بھی یہ بات تجھ سے کہنے والا تھا۔" موہن کی سانس اکھڑ گئی۔

سوہن نے کروٹ لے کر موہن کی طرف دیکھا۔

"میں نے اُسے بھاگتے دیکھا ہے۔"

"تم نے اُسے بھاگتے دیکھا ہے ؟"

www.taemeernews.com

"ہاں تمہارے جانے کے بعد میں کچھ دیر لیٹا رہا تھا۔ پھر اُٹھ کر جھونپڑی کے سامنے ٹہلنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک گھوڑا بھاگتا ہوا اِدھر آیا۔ وہ پگڈنڈی کو دیکھ کر گھاس میں بھاگنے لگا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر ایک لڑکا تھا۔ دوسری پونم تھی۔"

"وہ لوگ غصے سے پاگل ہیں... گینڈا، سالار اور بھاری ان کے پیچھے ہیں۔ وہ زیادہ دور نہیں جا سکیں گے... گھوڑے کی بات کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگ بھیج جانے والی ہر ٹیکسی کو دیکھیں گے..."

"وہ ٹیکسی پر نہیں گئے... جیپ پر گئے ہیں۔ جیپ بلٹری کی تھی۔"

موہن نے پھر حیرانی سے سوہن کی طرف دیکھا۔

"تو کیسے جانتا ہے...؟"

"میں اُن کے پیچھے گیا تھا... پونم کو دیکھتے ہی میں گھوڑے کے پیچھے بھاگا تھا۔ گھاس میں سے نکلنے میں کچھ دیر لگی۔ گھاس میں ہرے، بھورے رنگ کی عمارت ہے۔ گیٹ کے پاس جیپ کھڑی تھی۔ نزدیک ہی وہ گھوڑا بھی کھڑا تھا۔ میرے سامنے ہی پونم جیپ میں بیٹھی تھی اور اس لڑکے کے ساتھ چلی گئی۔"

"اس میں میجر دیال رہتا ہے۔ بہت بار میں اُسے میلہ بازار میں دیکھ چکا ہوں۔"

"وہی ہوگا... لڑکا سا ہی ہے۔ میں نے جیپ کے جانے کے بعد عمارت کی طرف جاتے دیکھا تھا۔"

"آدمی اچھا ہے... آؤ، اسی سے پوچھتے ہیں۔"

"آپ کو جانتا ہے...؟" سوہن نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میلہ بازار میں اس پگلے کو کون نہیں جانتا...؟" موہن بولا۔

دونوں جھونپڑی سے باہر چلے آئے۔ پگڈنڈی پار کرنے کے بعد روندی ہوئی گھاس پر چلنے لگے۔ کچھ ہی دیر کے بعد عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔

پھاٹک بند تھا۔ سوہن نے پھاٹک کے اُوپر سے اندر جھانکا۔ دائیں طرف مالی گھاس ٹھیک کر رہا تھا۔

"میجر صاحب اندر ہیں...؟" موہن نے مالی سے پوچھا۔

"کیا کام ہے...؟" مالی نے کرخت لہجے میں کہا۔

"اُن سے کہو، میلہ بازار کا پگلا ملنے آیا ہے۔"

مالی کچھ دیر موہن کو گھورتا رہا... پھر کھرپا پھینکتے ہوئے عمارت کی طرف چل دیا۔ برآمدہ خالی تھا۔ چار بید کی کرسیاں اور میز پڑی تھی۔

"دیال اچھا آدمی ہے..." موہن نے سوہن کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

سوہن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خیالات کی دنیا میں کھویا رہا۔

"آؤ... صاحب بلا رہے ہیں۔" مالی نے کھرپے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

موہن نے گیٹ کھولا۔ سوہن کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور عمارت کی طرف چل دیا۔ اس کے برآمدے کے نزدیک پہنچتے ہی دیال برآمدے میں آیا۔

"کہو بابا.... کیسے آنا ہوا؟"

"یہ میرے بھائی ہیں.... دہلی سے آئے ہیں۔" موہن نے کہا۔

"بیٹھو..." دیال نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

سوہن اور موہن بیٹھ گئے۔ دیال کھڑا رہا۔

"پونم کہاں گئی ہے میجر صاحب" موہن نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ دیال کی گھورتی نظریں موہن کے چہرے پر جم گئیں۔

"کون پونم....؟" آواز تلخ تھی۔

"دیکھیے میجر صاحب....! ہم کوئی غیر نہیں۔ پونم میری بیٹی ہے۔ میں اس کی تلاش میں آیا ہوں..." سوہن نے رک رک کر کہا۔

"آپ کی بیٹی....؟ آپ کی بیٹی میلہ بازار میں کیسے پہنچی؟"

دیال کی نظریں سوہن پر جم گئیں۔ پگلے کو وہ جانتا تھا۔ اُسے میلہ بازار میں کئی بار دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے.... گینڈا وغیرہ نے پگلے کے ساتھ اس آدمی کو بھیجا ہو۔ پونم کا پتہ لگانے کے لیے۔

"لمبی کہانی ہے صاحب۔ میں نے دوسری شادی کی تھی میرے جیل جاتے ہی پونم کی سوتیلی ماں نے اُسے بیچ دیا۔" موہن بولا۔

دیال سوچ رہا تھا۔ یہی بات راجندر نے بتائی تھی۔ یہ آدمی سچ کہہ رہا ہے۔ پھر خیال آیا۔ اگر بھاری اور گینڈا کا آدمی ہے تو بھی یہ بات جانتا ہوگا۔ پونم کے بارے میں نہ بتانا ہی زیادہ بہتر سمجھا۔

"میں کسی پونم کے بارے میں نہیں جانتا..." دیال روکھی آواز میں بولا۔

"میں نے خود اُسے اسی عمارت کے سامنے جیپ سے جاتے دیکھا۔ وہ جس لڑکے کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر بھاگی تھی۔ آپ اس سے باتیں کر رہے تھے۔"

www.taemeernews.com

"آدمی کام کے ہو..... جلد ہی یہاں پہنچ گئے۔" دیال نے طنزیہ کہا۔

"لگتا ہے گینڈا اور اس کے آدمیوں کے پاس ہر طرح کے آدمی ہیں۔ کل تک جس کے باپ کا پتا نہیں تھا۔ وہ باپ بھی پیدا کر دیا۔ گینڈا سے کہہ دینا۔ دیال کے پاس ریوالور ہے اور آج کے بعد بھرا ہی رہے گا۔ اس کوٹھی کے سو گز کے فاصلے پر بھی وہ لوگ نظر آئے تو میں بھون کر رکھ دوں گا۔ ناؤ گیٹ آؤٹ..."

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں صاحب..... آپ میری بات تو سنیں۔"

"نوکر...." دیال چلایا۔

"جی صاحب..." کہتے ہوئے ایک نوکر بھاگتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔

"ان لوگوں کو باہر نکال دو۔" میجر دیال نے حکم دیا۔

سوہن اور موہن سر جھکائے پھاٹک کی طرف چل دیے۔ اُن کے باہر نکلتے ہی پھاٹک بند ہو گیا تھا۔

"میجر صاحب بہت اچھے ہیں...." سوہن نے کڑواہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

"آدمی تو اچھا ہے..... ہمارا مقدر ہی خراب ہے۔" موہن نے سر ہلاتے کہا۔

دونوں سر جھکائے جھونپڑی کی طرف چلتے رہے۔

●●

میلہ بازار سے رنگیا.... اور رنگیا سے گوہاٹی۔

گوہاٹی پہنچنے کے بعد دیال کا آدمی مل گیا تھا۔ اس نے ٹیکسی کا بھی بندوبست کیا تھا۔ اسی نے جیپ سے راجندر کا سامان اتار کر ٹیکسی میں رکھ دیا تھا۔ ٹیکسی شیلانگ کی طرف بڑھنے لگی۔

ایک لمبے خواب کی طرح پونم کو محسوس ہو رہا تھا۔ سب اتنا آسانی سے ہو جائے گا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ راجندر کی ہنسی اور اس کی باتوں میں وہ گم تھی لیکن جب گینڈا، سالار اور بہاری کے چہرے تصور میں ابھرتے تو وہ ڈر جاتی۔

کچھ میل جانے کے بعد پہاڑوں کا سلسلہ.... ٹیکسی اونچائی کی طرف جانے لگی۔

"شیلانگ پہنچتے ہی تمہارے لیے کچھ اونی کپڑے خریدوں گا...." راجندر نے پونم کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

پونم مسکرا دی.... مسکراتے ہوئے راجندر کے کندھے کے ساتھ سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ "کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نرک سے نکل سکوں گی...." پونم نے آنکھیں بند کیے ہی کانپتی آواز میں کہا تھا۔

"بھول گئی.... دیال نے کیا کہا تھا....؟" راجندر نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا....؟" پونم نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

"اس گندگی کو کبھی یاد نہیں کرنا...." راجندر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"نہیں کروں گی...." کہتے ہوئے پونم نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ بھولنا کیا اتنا آسان ہوتا ہے....؟ آنکھیں بند کرتے ہی خیال نہ جانے کہاں کہاں گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ راکیش اُسے شیلانگ لے جانے کے لیے دہلی سے چلا تھا۔ وہ پہنچ گئی اُس جہنم میں.... راجندر اُسے اسی شیلانگ کی طرف لے جا رہا تھا۔ جس کے خواب راکیش نے دکھائے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے خیالات میں ڈوبی رہی۔

دن ڈھلنے کے بعد ہی وہ شیلانگ پہنچے۔ بازار میں ٹیکسی رکوا کر راجندر اُسے ایک دکان میں لے گیا۔ اس کی ضرورت کے سبھی کپڑے خریدے۔ کچھ فالتو بھی۔ جس کے لیے پونم نے اعتراض بھی کیا۔ راجندر مسکراتا رہا۔

ہوٹل پہنچے تو شیلانگ کی پہاڑیاں اندھیرے میں ڈوب چکی تھیں۔ اونچے نیچے مقاموں پر ٹمٹماتی روشنی دیکھتے ہوئے احساس ہوتا کہ وہ کسی پہاڑی مقام پر ہیں۔ پہلی منزل پر کمرہ ملا تھا۔ راجندر رجسٹر بھرنے لگا تو پونم بیرے کے ساتھ اوپر آ گئی تھی۔ بیرا کمرہ کھولنے کے بعد سامان رکھنے لگا۔ پونم برآمدے میں کھڑی ہلکی دھند میں پھیلے شہر کو دیکھنے لگی۔

شیلانگ سے چیراپونجی نزدیک ہی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ برسات وہیں ہوتی ہے۔

سوچتے سوچتے پونم نے سر کو جھٹکا۔ یہ بات راکیش نے بھی کہی تھی۔ وہ راکیش کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس گندگی کو کبھی یاد نہ کرنا۔ یہ بات دیال نے کہی تھی۔ سوچ کر حیرانی ہوتی ہے۔ جو لوگ گندگی کو جنم دیتے ہیں.... گندگی سے نفرت بھی کرتے ہیں۔

"کیسا لگ رہا ہے پونم.....؟"

ایک میٹھی آواز سن کر پونم نے پلٹ کر دیکھا۔ برآمدے میں لٹکی بتی کی روشنی میں کھڑا راجندر مسکرا رہا تھا۔

"آپ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے..... نئی زندگی..... نئے خیالات...." پونم نے درد بھری آواز میں کہا۔

"میرے ساتھ رہتے صرف ایک بات سوچنا پونم.... ہر اندھیرے کے بعد اجالا ہوتا ہے۔ اجالا کسی کی دین نہیں ہوتا ہے

www.taemeernews.com

اندھیرے کے بعد آنا ہی ہے۔"

"یہ بات کبھی نہیں سوچوں گی۔ میری زندگی میں چھپے اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن کی بھی اُمید نہیں تھی۔ اُجالا آپ لائے ہیں۔ مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔" کہتے ہوئے پونم کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اگر تم یہی سوچ رہی تو میں تمہیں کبھی پا نہیں سکوں گا... میں تم سے پیار کرتا ہوں پونم... تمہیں پانا چاہتا ہوں۔" راجندر نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے سامنے ہوں... میری کھال کے جوتے بنوا کر پہننا چاہیں گے تو پونم اُف نہیں کرے گی۔"

"یہی میں نہیں چاہتا... تم اپنی خواہش کے خلاف پیسے کے لیے بکتی رہی ہو۔ آج صرف اس بات کے لیے میری بانہوں میں آجاؤ کہ میں نے تم پر احسان کیا ہے، تم پر رحم کیا ہے.... یہ بات میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ وہی پیار تمہیں کھینچ لایا ہے۔ میں تمہارا پیار پانا چاہتا ہوں — تمہارا کسی خیال کے تحت جھکنا نہیں۔"

"آپ مجھے ہمیشہ ہی ایسے پیار کرتے رہیں گے...؟"

"میں تمہیں ہمیشہ ہی پیار کرتا رہوں گا..."

"لگتا ہے.... میں خوشی سے پاگل ہو جاؤں گی..."

"تمہیں پاگل نہیں ہونے دوں گا..." راجندر کا ہنستی آواز میں بولا۔

●
●

اگلے دن ہی راجندر گرودر سے ملا۔ گرودر ٹھگنے قد کا موٹا آدمی تھا۔ سر پر کوئی بال نہیں۔ چہرہ سُرخ اور سفید... گرودر سے ہاتھ ملانے کے بعد اس کے ہاتھ میں خط دیتے ہوئے وہ سوچنے لگا تھا۔ دیال اسی آدمی کی تعریف کیا کرتا تھا۔ دیکھنے میں تو کچھ بھی نہیں لگا۔ گرودر چہرے پر سنجیدگی کی بھاری چادر لٹکائے دیال کا خط پڑھ رہا تھا۔ خط پڑھ کر ہی راجندر کی طرف دیکھا۔

"لڑکی کہاں ہے؟" گرودر نے پوچھا۔

"ہوٹل میں۔" راجندر نے کہا۔

"کون سا ہوٹل....؟" گرودر نے پھر پوچھا۔

" راجندر نے نام بتا دیا.... کمرہ نمبر بھی۔

گرودر کچھ دیر راجندر کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ پھر سر جھکا کے اپنے ناخنوں کو دیکھنے لگا۔ راجندر سمجھ نہیں سکا۔ وہ اپنے ناخنوں میں کیا ڈھونڈ رہا ہے.... راجندر کو اس کے برتاؤ سے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

"دیال کو یہاں آئے کچھ زیادہ وقت نہیں ہوا۔ میں دس سال سے اسی آسام میں ہوں.... پہلے گوہاٹی میں رہتا تھا۔ پچھلے ایک سال سے ہی شیلانگ میں ہوں دیال نے بتایا ہوگا.... میں کیا کرتا ہوں...؟" گرودر اب بھی ناخنوں کو دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیکیدار ہیں!"

"رائٹ! اور ابھی تک شادی نہیں کی۔ دیال اور میں نے بہت سی راتیں ایسی ہی جگہوں پر گزاری ہیں، جہاں سے آپ لڑکی لے آئے ہیں۔ میں میلہ بازار کبھی نہیں گیا۔" کہتے ہوئے گرودر نے راجندر کے چہرے کی طرف دیکھا۔

راجندر کا دل کیا کہ اٹھ کر چل دے۔ وہ اس آدمی کو سمجھ نہیں پا رہا تھا اور نہ ہی اس کی باتوں کو۔

"میں یہ باتیں جاننے کے لیے آپ کے پاس نہیں آیا۔" راجندر نے غصہ دباتے ہوئے کہا۔

"آپ کو مکان چاہیے.... یہی بات ہے نا!.... میں اسی بات پر آ رہا تھا۔ اور بھی بہت سے ایسے ہی ٹھکانے ہیں جہاں ایسے ٹھکانے ہوتے ہیں وہاں غلط قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ یہاں سے گوہاٹی اور گوہاٹی سے میلہ بازار.... ایسے لوگوں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور وقت آنے پر ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ وہ چہرے ہم نہیں پہچان سکتے۔ دیال بھی نہیں پہچان سکتا۔ وہ چہرہ آپ کے پڑوسی کا بھی ہو سکتا ہے.... جہاں آپ مکان لیں" رکتے ہوئے گرودر رُکا۔

بات کچھ کچھ راجندر کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

"دیال نے آپ کو شیلانگ بھیج کر غلطی ہی کی ہے...؟"

"دہلی جانا ٹھیک نہیں تھا۔ ہم لوگ زیادہ دُور نہیں بھاگ سکتے۔"

"میں سمجھتا ہوں.... ٹھیک وہ بھی نہیں تھا، ٹھیک یہ بھی نہیں.... خیر، آپ اس ہوٹل میں ٹھہریں۔ مجھے تھوڑا سا وقت دیں.... میں سوچ لوں گا کہ کیا کرنا ہے۔ کل میں شیلانگ سے باہر جا رہا ہوں.... چراپونجی۔ پرسوں صبح دس بجے تک لوٹ آؤں گا...." کہتے ہوئے گرودر نے جیب سے ایک کارڈ نکالا۔ راجندر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا.... اس پر میرا فون نمبر ہے پرسوں شام کو میں آپ کے ہوٹل میں آؤں گا.... چھ بجے کے بعد۔ اس سے پہلے کوئی بات ہو تو مجھے فون کر سکتے ہیں...."

"میں جانے کی اجازت چاہوں گا۔"

"میں نے ہوٹل دیکھا ہوا ہے.... برآمدے میں بیٹھ کر

www.taemeernews.com

پہاڑیوں کی طرف دیکھا... اچھا لگتا ہے لیکن آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہوگا۔ سڑک پر چلتے ہوئے ہر آدمی کی نظر آپ لوگوں پر پڑ سکتی ہے۔ دن کے وقت گھومنے کے لیے باہر نہ ہی نکلیں تو اچھا ہے... دن ڈھلنے کے بعد ہی گھوم سکتے ہیں... پکچر جانا ہو تو نائٹ شو میں ہی جائیں...“

”میں سمجھ گیا...“ راجندر نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

گرودر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کچھ دیر راجندر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھورتا رہا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

”بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ کیا لڑکی اس قابل ہے؟“

”گرودر صاحب! میں پہلی بار شیلانگ آیا ہوں۔ راستے میں بہت سی لمبی لمبی اور گہری کھائیاں بھی دیکھی ہیں... سڑک کے ساتھ ساتھ آپ نے سُنا ہی ہوگا... کبھی کوئی کار کسی کھائی میں گری ہے...“

”بہت بار سُنا ہے... آدمی مرے ہیں۔“

”اس کار میں، مَیں بھی ہو سکتا تھا...“ راجندر نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھا نہیں...“ گرودر اس کا ہاتھ چھوڑتے بولا۔

”موت کہیں بھی آسکتی ہے۔ مرنا سبھی کو ہے۔ مرنے کا طریقہ کیا ہوگا... یہ ہم نہیں جانتے۔“

”اس ایک دن کی بات سوچ کر ہی ہم کانپ اُٹھتے ہیں۔ جس دن ہماری زندگی موت چھین لے گی۔ جو ہر رات مرتا رہا ہو... اس کے بارے میں آپ کیا سوچیں گے۔“

”ایسا ہو ہی نہیں سکتا...“ گرودر بولا۔

”ہو سکتا ہے... لیکن اس بات کو نہ آپ سمجھ سکیں گے نہ دیال... میں ہی سمجھ سکتا ہوں... اور سمجھنے کے بعد میں کسی بھی خطرے کی پروا نہیں کرتا...“

گرودر مسکرا دیا۔

”دیال سالا بھُتنی کا ہے... بہت غور و خوض کرنے کے بعد ہی کسی کو اپنے قریب آنے دیتا ہے... جو اس کے قریب ایک بار آگیا، وہ اس کی جان بھی مانگے تو دے دے گا۔ خط کو پڑھنے سے لگتا ہے، آپ اس کے بہت قریب ہیں... کچھ تو ہوگا آپ میں...!“ گرودر برابر مسکراتا رہا۔

”کچھ ہے یا نہیں... یہ تو میں نہیں جانتا... دیال ہی جانتا ہوگا...“ راجندر ہنس دیا۔ اُسے گرودر کی مسکراہٹ اچھی لگی تھی۔

”خیر... پرسوں شام کو ملیں گے۔“ گرودر نے ہنستے ہوئے کہا۔ راجندر وہاں سے نکل کر سیدھا ہوٹل پہنچا۔

●●

موہن اور سوہن سوچتے رہے تھے۔ دیال کی کوٹھی سے واپس آنے کے بعد ایک ہی خیال دل میں تھا... پونم کی کچھ تلاش کی جائے۔ ایک نے اُسے جنم دیا تھا۔ دوسرے نے پال پوس کر بڑا کیا تھا... دونوں اُسے پانا چاہتے تھے لیکن پانے کے راستے بند تھے۔

دیال کی کوٹھی سے واپس آنے کے بعد موہن نے بوتل پکڑلی تھی۔ اُس کے لیے ہر غم کا علاج شراب تھی۔ بیوی کو بھلانے کے لیے بھی اسی کا سہارا لیا تھا۔ بیٹی کو بھولنے کے لیے بھی اسی شراب کا سہارا لیا۔ بہت دیر تک پینے کے بعد بھی اُسے لگا کہ کہیں فرق ضرور ہے۔ بیوی کو کھو دینے کے بعد دکھ کو شراب میں ڈبو سکنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ بیٹی کے کھو دینے کے لیے وہ ایسا نہیں کر پا رہا تھا۔ بہت پینے کے بعد بھی ایک کسک دل میں تھی۔ بیوی تو مر گئی... اُسے پایا نہیں جا سکتا۔ بیٹی تو زندہ تھی۔ اُسے پایا جا سکتا ہے۔

”سوہن...!“ وہ لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔

”ہوں...“ سوہن نے کروٹ بدل کر بھائی کی طرف دیکھا۔

دن بھر موہن پیتا رہا تھا اور سوہن چھت کی طرف دیکھتا رہا تھا۔

”کیا وقت ہوا ہے...؟“ موہن نے جھونپڑی کے پھوس پر سر رگڑتے ہوئے پوچھا۔

سوہن نے گھڑی دیکھ کر کہا...“ پانچ۔“

”نہ رات کھایا تھا... نہ دن میں... تجھے بھوک نہیں لگی۔“

”نہیں...“ سوہن کی آواز بھاری تھی۔

”تو نے شراب کب چھوڑی...؟ تو کبھی کبھی پی لیا کرتا تھا...؟“ موہن نے گلاس میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ کچھ جلی سی ہوئی تھی۔ شاید مچھر نے کاٹا تھا۔

”جیل میں شراب نہیں ملتی...“ سوہن کی آواز اکھڑی ہوئی سی تھی۔

”ہاں... یہ بات سچ ہے تو کبھی کبھی ایسے ہی پی لیتا تھا۔ پسند کبھی نہیں کی۔ میں پینا نہیں چاہتا...“

”میں اور پینا چاہتا ہوں۔ پیسے نہیں ہیں... کچھ پیسے دے گا...؟“ موہن چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

سوہن نے سو کا نوٹ جیب سے نکالا اور بھائی کی طرف اُچھال دیا۔

”آپ اور نہ پئیں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔“ سوہن بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

www.taemeernews.com

موہن نے نوٹ اٹھا لیا... کانپتے ہاتھوں میں نوٹ کی طرف دیکھتا رہا... بہت برسوں کے بعد سَو کا نوٹ چھو کر دیکھا ہے۔" سوہن خاموش رہا۔

"سُن... تو اُس اڈے پر چلے گا..."

"کون سے اڈے پر...؟" سوہن نے پوچھا۔

"جہاں ہماری بیٹی رہتی تھی۔" موہن نوٹ کو کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"اب وہاں جانے سے کیا ہوگا...؟" سوہن نے پوچھا۔

"اُس اڈے پر ایک لڑکی ہے بلبل... اچھی لڑکی ہے۔ پونم کو ہمیشہ ہی اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتی تھیں۔ شاید وہ کچھ بتا سکے۔"

سوہن سوچتا رہا۔ بھائی کی بھاری آنکھوں کی طرف...

"چلو۔ یہاں پڑے رہنے سے کچھ کرنا اچھا ہے... تمہارا دیال تو کمینہ نکلا۔"

"نہیں... شراب پیتے ہوئے یہی بات سوچ رہا ہوں دیال اچھا ہے... بہت اچھا۔ وہ جب بھی مجھے ملا ہے اسی طرح ملا ہے... آج ہی پونم بھائی اور میں تمہیں لے کر اس کے پاس گیا۔ ہو سکتا ہے اُسے شک ہو گیا ہو۔ اس نے سوچا ہو کہ یہ ان لوگوں کی چال ہے۔ وہ غنڈے پونم کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ کوٹھی کے سامنے کھڑی جیپ ملٹری کی تھی۔ یہی بات تم نے کہی ہے۔ اسی جیپ میں وہ لوگ گئے ہیں... ہماری پونم اور وہ لڑکا... سوہن اس دنیا کی گندی سے گندی جگہ بھی اس سے بہتر ہوگی۔ جہاں پونم نے دو سال سے زیادہ گزارے ہیں۔ بہادری جب ہماری بیٹی کو لے کر پہلی بار یہاں پہنچا تھا تو میں نے ہی پونم کو دیکھا تھا۔ تب میں کیسے جانتا کہ وہ میری بیٹی ہے۔ بہت سی لڑکیوں کو یہاں آتے دیکھ چکا ہوں۔ میں نے انہیں میں سے ایک سمجھا تھا..." کہتے ہوئے موہن اٹھا۔

"تو وہ لے گا...؟" اس نے مڑتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں...؟" سوہن سمجھ نہیں سکا۔

"بلبل کے پاس... اُسے اپنے بارے میں سب بتا دینا۔" موہن نے کہا۔

"شاید وہ یقین نہ کر سکے۔" سوہن اٹھتے ہوئے بولا۔

"ہمیں یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"دیال نے تو نہیں کیا تھا..." سوہن جھنجھلا کر بولا۔

"ہم کوشش تو کر ہی سکتے ہیں..." موہن نے کہا۔

دونوں جھونپڑی سے نکل کر میلہ بازار کی طرف چل دیے۔ اُس دن بلبل خالی نہیں تھی۔ دوسرے دن بھی نہیں۔ تیسرے دن موہن ڈائنا کے پاس گیا۔ سوہن کے بارے میں بات کی۔ روپے ایڈوانس دینے کے بعد وہ کھانا کھانے چلے گئے۔ گیارہ بجے دونوں ڈائنا کے اڈے پر پہنچ گئے۔ سوہن کو چھوڑ کر موہن جھونپڑی میں چلا آیا... کچھ دیر بے چین رہا پھر سو گیا۔

صبح آنکھ کھلتے ہی موہن میلہ بازار کی طرف چل پڑا۔ اُسے ڈائنا کے اڈے تک نہیں پہنچنا پڑا۔ سوہن لکڑی کے پل کے پاس ہی مل گیا۔ سوہن کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ کچھ گھبرایا سا لگا۔

"پتا چلا...؟" موہن نے سوہن کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں... وہ شیلانگ میں ہیں۔ گینڈا اور سالار دوپہر بعد شیلانگ جائیں گے۔"

"بلبل نے بتایا ہے...؟"

"پونم اُسے یہ بتا کر نہیں گئی تھی کہ وہ لوگ شیلانگ جا رہے ہیں۔ گینڈا اور سالار کی باتوں سے پتا چلا ہے۔ وہ لوگ شیلانگ میں کہاں ٹھہرے ہیں۔ ابھی یہ لوگ نہیں جانتے۔ بس یہی پتا لگا سکے ہیں کہ پونم اور وہ لڑکا ٹیکسی میں گئے ہیں۔"

موہن کچھ دیر سوچتا رہا۔ "دیال جانتا ہوگا... اُسی سے ملتے ہیں۔"

"وہ ہماری بات پر یقین نہیں کرے گا۔"

"اس بار کرے گا..." موہن کی آواز میں مضبوطی تھی۔

دونوں دیال سے ملنے چل دیے۔ نوکر کے روکنے پر بھی موہن رُکا نہیں۔ سیدھا برآمدے کی طرف چلتا گیا۔ دیال کو حیرانی ہوئی۔

"تم لوگ پھر آ گئے...؟" دیال غصّے سے بولا۔

"گینڈا اور سالار جان چکے ہیں... پونم اس لڑکے کے ساتھ شیلانگ گئی ہے... دونوں دوپہر بعد وہاں جا رہے ہیں۔"

دیال سوچ میں پڑ گیا... غصّہ جاتا رہا... سوچا۔ اگر وہ گینڈا کے آدمی ہوتے تو کبھی یہ نہیں بتاتے کہ وہ لوگ جان چکے ہیں... پونم کہاں ہے...؟ پونم شیلانگ میں ہے۔ یہ بات صرف دیال ہی جانتا تھا۔ اب گینڈا اور اس کے آدمی بھی جانتے ہیں۔ سوچتے ہوئے وہ دیر تک دونوں کو دیکھتا رہا۔

"آپ لوگ بیٹھیں... نوکر کو چائے کے لیے کہتا ہوں۔ مجھے تیار ہونے میں کچھ منٹ لگیں گے۔"

"ہم بھی شیلانگ کے لیے چل دیں گے..." دیال اٹھتے ہوئے

www.taemeernews.com

بولا۔

پونم خوش تھی..... دو سال سے زیادہ جہنم میں رہنے کے بعد اُسے راجندر کا ساتھ اور اس کا پیار کسی جنت سے کم نہیں لگتا تھا۔ شیلانگ پہنچتے ہی اس نے اس کے اگلے دن بلبل کے والد کو خط لکھ دیا تھا۔ موسی کے ساتھ شادی میں آنے سے لے کر میلہ بازار میں پہنچنے تک کی پوری کہانی لکھ دی تھی.... اُس کے بعد کی بھی کہانی.... جب راجندر گرودر سے ملنے گیا تھا تو وہ ہوٹل میں بیٹھی یہی کام کر رہی تھی۔ بیرے کو بلا کر خط ڈاک میں ڈالنے کے لیے دینے کے بعد راحت کی سانس لی تھی... بہت دنوں کی بلبل کی خواہش کو اس نے پورا کر دیا تھا۔ اپنا پتا اُس نے ہوٹل کا ہی دیا تھا۔

گرودر سے ملنے کے بعد لوٹ کر راجندر نے اسے بتایا تھا کہ گرودر کی رائے کے مطابق انھیں ہوٹل میں ہی رہنا چاہیے۔ سُن کر پونم نے سوچا تھا۔ چلو ٹھیک ہی ہے۔ شاید بلبل کے والد کا پتا چل سکے۔

وہ دن بھر اُسی کمرے میں لیٹے رہے تھے.... راجندر اُسے اپنی باہوں کے گھیرے سے الگ نہیں کرتا تھا۔ دونوں اُس گلی میں رہنے والے لوگوں کی باتیں کرتے رہے تھے... بھنڈاری کی باتیں.... کپور کی اور پھر سرلا کی۔ سرلا کے بارے میں راجندر نے اور بھی بہت سی باتیں بتائی تھیں جو پونم نہیں جانتی تھی۔ پونم وہ باتیں سن کر ہنستی رہی تھی۔ پونم کو کبھی کبھی دیال کی بات یاد آ جاتی۔ دیال نے کہا تھا..... اِس گندگی کو بھول جانا.... اُس دن راجندر کی باتیں اور اس کا پیار دیکھ کر پونم کو یقین ہو گیا کہ وہ اُس گندگی کو بھول سکے گی۔

شام کو راجندر اُسے پکچر دکھانے لے گیا۔ لوٹ کر کھانا کھایا اور سو گئی۔ صبح اٹھی تو راجندر کو میز کے قریب بیٹھے دیکھا..... وہ چائے بنا رہا تھا۔

"میں تمہیں جگانے ہی لگا تھا..." راجندر اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ پونم نے اپنے بازو اس کے گلے میں ڈال دیے۔ راجندر نے اُسے اپنے ساتھ لگتے ہوئے بوسہ لے لیا تھا۔ پونم کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں راجندر نے اُسے کتنا پیار دیا تھا۔ کیسے سکھ کے سہانے اور میٹھے لمحات تھے۔ راجندر کے ساتھ لگتے ہی وہ محسوس کرتی۔ کوئی نرم نرم پنکھوں سے اُسے سہلا رہا ہے۔

"اٹھو.... چائے پی لو" راجندر نے الگ ہٹتے ہوئے کہا۔

پونم راجندر کے مسکراتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ ایک پل بھی وہ مسکراہٹ چہرے سے نہیں ہٹتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

"پھر آنسو.....؟" راجندر گاؤن کی جیب سے رومال نکالتے ہوئے بولا۔

"خواب میں نہیں سوچ سکتی تھی.... میں اِتنا کچھ پا سکوں گی۔" پونم کی آنکھیں بھرتی چلی گئیں۔

"تمہیں کچھ نہیں دے سکا... جو دینا چاہتا ہوں پونم وہ بہت ہے... خود کو دے ہی چکا۔ اس دنیا کی ہر چیز تمہیں دینا چاہوں گا.... میری ایک بڑی بہن ہے، اس کی شادی ہو چکی ہے۔ گھر میں ماتا اور پتا ہی ہیں۔ تمہیں پا کر وہ کتنے خوش ہوں گے، تم اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں..." کہتے ہوئے راجندر نے اُس کے آنسو پونچھ دیے تھے۔

"وہ مجھے اپنا سمجھ لیں گے...!" پونم اٹھتے ہوئے بولی... آواز کانپ رہی تھی۔

راجندر ہنسا... اور بولا..." تم میرے والد صاحب کو نہیں جانتیں۔ نہ ہی ماں کو.... ہمارے رشتے دار کہا کرتے ہیں۔ وہ وقت سے پچاس سال پہلے پیدا ہو گئے غلطی سے..... راجندر ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا.... وہ بہت فراخ دل ہیں پونم...!"

پونم ہنس دی تھی۔ چائے پینے کے بعد راجندر باتھ روم چلا گیا تھا۔ پونم سوچتی رہی تھی۔ راجندر کی میٹھی میٹھی باتوں کی یاد اُسے گدگدا رہی تھی۔ اس گندگی کو بھول جانا چاہتی تھی۔ کسی نہ کسی بہانے میں ہی کوئی بات دماغ میں آتی تو سب یاد آ چلی جاتی سوچتی... بھلانا اُسے آسان نہیں ہوگا۔ راجندر نے کہا تھا....

"میں تمہیں دلہن بنا کر گھر لے جاؤں گا۔"

راجندر کی بات سنتے ہی ایک ٹیس سی من میں اٹھی تھی۔ ایک نے اسے دلہن بنا کر میلہ بازار پہنچا دیا تھا۔ دوسرا وہاں سے نکال کر دلہن بنانے جا رہا تھا۔ شاید ٹیس مٹ جائے۔ لیکن کسک نہیں مٹے گی.... کسک ہمیشہ ہی من میں بنی رہے گی۔

راجندر کے آتے ہی وہ سب باتیں بھول گئی تھی۔ راجندر کے رہتے اُسے کچھ یاد نہیں رہا۔ وہ راجندر کی ہنسی.... اُس کے پیار اور میٹھی باتوں میں محو ہو گئی تھی۔

نہا دھو کر تیار ہونے تک کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ کھانے کے بعد پھر راجندر نے اُسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا.... وہ اس کی چوڑی چھاتی کے ساتھ دیر تک لگی سوتی رہی۔

جب نیند کھلی تو راجندر سو رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اُٹھی۔ دروازہ کھولا۔ سامنے پہاڑی پر سفید بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے

www.taemeernews.com

گئے درختوں پر چھائے اندھیرے کے اوپر پونم دیکھتی رہی کچھ دیر تک اس کی نظر وہیں کھڑے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتی رہی۔ ہرے بھرے درخت اور دُور تک پھیلے مکان ... دُھلے دُھلے سے چمکتے رنگ ....

وہ برآمدے میں آ گئی۔ ریلنگ پر ہاتھ ٹکائے ہوئے بازار کی طرف دیکھنے لگی۔

سامنے اُون کی دوکان پر بہت سی لڑکیاں کھڑی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کتابوں کی دوکان پر گورے چہرے اور بھری بھری جسم کی لڑکیاں۔

"پونم ..."

پونم نے پلٹ کر دیکھا .... راجندر دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کہیں گھومنے چلیں .... بہت دل کر رہا ہے"

سنتے ہی راجندر کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا ایک پل سوچتا رہا، پھر ہنس دیا، اور بولا ..." چلو، یہاں سے قریب ہی جھیل ہے وہیں چلتے ہیں"

پونم کمرے میں آ ئی۔ کوٹ پہنا اور راجندر کے ساتھ باہر آ گئی۔

ہوٹل سے نکل کر کچھ دُور تک چڑھائی پر چڑھتے ہی پونم تھک سی گئی۔ دہلی میں گھر سے نکل کر ڈھلان پر چڑھتا ترتے وہ ہمیشہ ہی تھک جاتی تھی۔ یہ چڑھائی تو بہت زیادہ تھی۔ چوراہے تک پہنچتے ہی وہ ہانپتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ کاروں اور ٹیکسیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہاں بھیڑ زیادہ تھی۔

"تھک گئیں ....؟" راجندر نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

پونم مسکرا دی ..." سانس پھول گیا ہے"

"جھیل قریب ہی ہے .... سامنے سے لوگ آ رہے ہیں نا ..." وہاں سے کچھ ہی دور پر بائیں طرف ٹیکسی اسٹینڈ ہے .... بس اڈہ بھی"

راجندر اُسے بتاتا رہا۔ گرودر سے ملنے جاتے وقت وہ بہت سی باتوں کا پتا لگا چکا تھا۔ سانس ٹھیک ہوئی تو وہ پھر راجندر کے ساتھ چل دی۔ کچھ ہی دیر میں وہ جھیل کے کنارے پر تھے۔

جھیل خوبصورت تھی .... آس پاس پھیلا قدرتی حُسن اور بھی حسین لگ رہا تھا۔ کچھ لوگ بوٹنگ کر رہے تھے۔

"چلو .... کشتی میں بیٹھتے ہیں" راجندر نے کہا۔

"نہیں .... آج نہیں، پھر کبھی ..." پونم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔ وہ نرم اور ہری گھاس پر بیٹھ گئی تھی۔

راجندر کے گھٹنے کے ساتھ وہ سر ٹکائے ہوئے دیر تک جھیل کے پانی کی طرف دیکھتی رہی۔

"خوش ہو پونم ....؟" راجندر نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بھاری آواز میں کہا۔

"آپ کو بتا نہیں سکتی .... اب موت بھی آ جائے تو دکھ نہیں ہوگا ..." پونم بھرے گلے سے بولی۔

"پگلی .... تو نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے ....؟" راجندر نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اور آپ کے علاوہ زندگی میں کچھ بھی نہیں دیکھنا چاہتی"

راجندر ہنس دیا۔ پونم کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اُسے گلے سے لگا لیا۔

دن ڈھلنے لگا تو دونوں اُٹھے ... ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے پونم نے کہا تھا ...

"کل پھر آئیں گے .... آپ کے ساتھ ہی کشتی میں جھیل کے پانی میں تیریں گے .... مجھے یہاں آنا اچھا لگا ہے ..."

راجندر نے سر ہلا دیا .... ہاں میں .... گرودر کی بات سوچتے ہوئے دل میں خیال اٹھا تھا۔ پونم کی خواہش کو نہیں ٹال سکتا .... نہ ہی اُسے یہ بات کر کے خوف زدہ کر سکتا ہے۔ یہی سوچتے ہوئے ہوٹل پہنچا۔ کاؤنٹر پر چابی لیتے ہوئے ایک خط ملا .... خط گرودر کا تھا۔

"میں چرا پونجی نہیں جا سکا۔ آپ سے دو بار ملنے آ چکا ہوں۔ آپ نہیں ملے ... شام کو ایک بار پھر آؤں گا، تب بھی آپ نہ ملے تو صبح آنے کی کوشش کروں گا ..."

——— گرودر

"کس کا خط ہے ....؟" پونم نے پوچھا۔

"گرودر کا .... وہ شام کو آ رہا ہے" راجندر سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"وہ تو کل آ رہا تھا ....؟" پونم نے اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے پوچھا۔

"اُسے چرا پونجی جانا تھا .... نہیں گیا"

سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دونوں اُوپر آ گئے، پھر اپنے کمرے میں۔

"کچھ دیر برآمدے میں بیٹھتے ہیں ..." پونم دُور تک پھیلی پہاڑیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ راجندر نے کمرے کا دروازہ کھولا ... پونم کی بات ٹال نہیں سکا۔

برآمدے میں کرسیاں پڑی تھیں... پونم بیٹھ چکی تھی۔

وہ اس کے ساتھ ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے پہاڑ بہت اچھے لگتے ہیں۔ لگتا ہے جیسے آسمان سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔" پونم نے بادلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

راجندر مسکراتا رہا... تبھی نظر گرودر پر پڑی۔

راجندر اٹھا۔ قریب آتے ہی گرودر کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

"ان سے ملو پونم... یہ گرودر ہیں، دیال کے دوست۔" راجندر بولا۔

پونم نے اٹھتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔ گرودر کی گھورتی نظریں پونم کے چہرے پر ٹکی رہیں۔ پھر پونم نے نظریں ہٹا کر راجندر کو دیکھا۔

"بیٹھیے..." گرودر کرسی کو سرکانے کے بعد بیٹھتے ہوئے بولا۔

دونوں بیٹھ گئے۔ راجندر کو گرودر کا برتاؤ خشک سا لگا۔

"میں دو بار آ چکا ہوں۔" گرودر بیٹھنے کے بعد بولا۔

"آپ کا خط پڑھا ہے۔" راجندر بیٹھتے ہوئے دبی آواز میں بولا۔

"آپ کے لیے مکان مل گیا ہے۔ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ یہاں ایک سینما کے منیجر سے میری جان پہچان تھی۔ آجکل وہ گوہاٹی میں رہتا ہے۔ کل اچانک باغ میں اس سے ملاقات ہو گئی۔ اس کی یہاں ایک خوبصورت کاٹیج ہے۔ تین بڑے بڑے کمرے ہیں۔ نئی شادی ہوئی ہے۔ میاں بیوی دونوں کا ٹیسٹ اچھا ہے۔ شادی کے بعد کاٹیج کو سجانے کے لیے دونوں نے کافی محنت کی تھی۔ ایک پارٹی بھی دی تھی۔ میں بھی اس پارٹی میں گیا تھا۔ وہ گوہاٹی میں جم گیا ہے۔ کاٹیج بیچنا چاہتا ہے... رات سودا ہو گیا۔ میں نے پوری سجاوٹ کے ساتھ کاٹیج خرید لی ہے۔ بہت دنوں سے بند پڑی تھی۔ نوکر صفائی کر رہے ہیں۔ آپ چاہیں تو کل دس بجے وہاں شفٹ کر سکتے ہیں۔ میں کار لے کر آ جاؤں گا۔"

گرودر نے اپنے ناخنوں کی طرف دیکھتے ہوئے یہ سب کہا تھا۔

راجندر نے حیرانی سے اس کے چہرے کو دیکھا... کچھ لوگ بات کرتے ہیں انہیں باتیں بنانا نہیں آتا۔ ان کے سلوک سے ان کی بات جاننا مشکل ہے۔ گرودر انھیں میں سے لگا۔

"شکریہ! ہم آپ کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے..." راجندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں شکریہ کو گالی سمجھتا ہوں۔ دوستی میں احسان کی بات مجھے بری لگتی ہے۔ ایک پیالی چائے ضرور پینا چاہوں گا..."

راجندر ہنستے ہوئے اٹھا۔ سامنے دیوار پر لگا بٹن دبا دیا۔ لوٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمیں کرایہ کیا دینا ہوگا...؟"

گرودر کی گھورتی نظریں راجندر کی طرف اٹھ گئیں۔

"لگتا ہے آپ دیال کو ٹھیک طرح پہچان نہیں پائے۔ اس بھوتنی کے کی عادت ہے... جو لیتا ہے کبھی دیتا نہیں جو دیتا ہے کبھی لیتا نہیں... لوٹانے کی بات کرو تو جوتا ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ میرے سر پر ویسے بھی بال نہیں۔ جوتا پڑتے ہی کھوپڑی کچے انڈے کی طرح ہی پچک جائے گی۔ اس لیے ایسی بات ہی نہیں کرتا۔ خدا کے لیے کرائے کی بات بھول سے بھی نہ کرنا۔ میں اپنی کھوپڑی تڑوانا نہیں چاہتا..." گرودر مسکراتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

راجندر ہنس دیا۔ پونم سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔

بیرا کے آنے پر راجندر نے اسے چائے کا آرڈر دیا۔ بیرا چلا گیا۔

گرودر انہیں شیلانگ کے بارے میں بتاتا رہا۔ دونوں سنتے رہے... گرودر کے کہنے کا طریقہ دلچسپ تھا۔ انجانے ہونٹوں پر ہنسی آ جاتی۔

بیرا چائے لے آیا۔ تینوں نے چائے پی۔

پینے کے بعد گرودر اٹھتے ہوئے بولا... "صبح دس بجے تیار رہنا۔ سالا منیجر میری کار لے گیا ہے... صبح لوٹے گا۔ ورنہ میں تو آپ لوگوں کو ابھی لے جا کر دکھا لاتا..."

"ہم سب تیار رہیں گے دس بجے تک۔" راجندر اٹھتے ہوئے بولا۔

گرودر نے مسکراتے ہوئے پونم کی طرف دیکھا۔ دونوں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا... "آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے..."

پونم ہاتھ جوڑتے ہوئے مسکرا دی۔

راجندر اس کے ساتھ چل دیا۔ ہوٹل سے نیچے سڑک پر آنے کے بعد گرودر رک گیا۔

"آپ جائیے... میں چلا جاؤں گا۔"

"چلو، دور آپ کو چھوڑ آتا ہوں..."

گرودر نے سڑک پر چلتے ہوئے سر ہلا دیا۔ چڑھائی پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بولا۔

"آپ کو رات میں گھومنا نہیں چاہیے... آپ برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے سامنے موڑ سے گھومتے ہوئے میں نے آپ دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ کوئی دوسرا بھی دیکھ سکتا تھا..."

"پونم کی خواہش تھی... اس لیے میں ٹال نہیں سکا۔ منع

www.taemoornews.com

گی نہیں ہے کی وجہ بتانی پڑتی۔ پونم نے بہت گھٹن برداشت کی ہے گرودر صاحب.... میں اُسے وہی گھٹن اپنے ساتھ رہتے ہوئے دینا نہیں چاہتا۔“

”میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ لگتا ہے ہم اور نزدیک آسکیں گے۔ لڑکی دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں... غلط اٹھایا جاسکتا تھا۔“ گرودر مسکراتے ہوئے بولا۔

راجندر نے ہاتھ ملایا۔ مڑتے ہی ڈھلان اترنے لگا۔ اُسے گرودر اچھا لگا تھا۔ وہ گرودر کی باتوں کے بارے میں سوچتا ہوا مسکراتا رہا۔ سامنے سے دو آدمی آرہے تھے۔ دونوں کے سر پر نیپالی ٹوپی۔ کالے کوٹ گھٹنوں تک۔ سلیٹی رنگ کے پاجامے اور ناٹے قد.... راجندر کو دیکھتے ہی لگا۔ دونوں پیئے ہوئے ہیں کچھ لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔ راجندر نے کچھ ہٹ کر نکل جانا چاہا۔

تبھی ایک آدمی پرے ہٹ گیا۔ بیچ میں راستہ چھوڑ دیا۔ راجندر دونوں کے بیچ سے نکل ہی رہا تھا.... تبھی جو ہوا اُس پر خود یقین نہیں کرسکا۔

دونوں طرف سے اس کے پیٹ میں کچھ تیزی سے چیرتا ہوا در دا اٹھا.... ایک لمبی چیخ کے بعد اس نے سامنے دیکھا۔ دونوں آدمی تیزی سے مڑ کر بھاگ رہے تھے۔ راجندر کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا چلا گیا.... وہ لڑکھڑاتے ہوئے ایک طرف لڑھک گیا تھا۔

گرودر زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ اپنے پیچھے شور سُن کر وہ پلٹا۔ کچھ آدمیوں کو بھاگتے بھی دیکھا۔ سڑک پر چلتی بھیڑ کو ایک طرف جاتے دیکھتا رہا۔

سڑک کے کنارے ایک گٹھری سی پڑی دکھائی دی۔ بھیڑ اُسی طرف جارہی تھی۔

اچانک ایک خیال اس کے دل میں اُبھرا اور وہ بھاگتا ہوا اس گٹھری کی طرف چل دیا۔ قریب پہنچ کر وہ بھیڑ کو ہٹاتے ہی چونکا تھا۔

خون میں نہایا راجندر سڑک کے کنارے پڑا تھا۔

پونم نے دونوں کو موڑ پر گھومتے اور نظروں سے اُوجھل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اس ٹھگنے قد کے گول مٹول آدمی کی باتوں کے بارے میں سوچتے ہوئے مسکراتی رہی۔ اندھیرا چاروں طرف رفتہ رفتہ پھیلتا چلا گیا۔ جب دیر تک راجندر نہیں لوٹا تو پونم اٹھ کر کمرے میں آگئی۔ سوچا.... گرودر کے گھر چلے گئے ہوں گے۔ گرودر کی باتوں میں کھو گئے ہوں گے۔

وقت اور گزر گیا۔ لگا.... دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔ میز پر سر ٹکائے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

تبھی آہٹ سنی تھی۔ کوئی آہستہ سے قدم رکھتا اوپر آرہا تھا وہ تیزی سے مڑی۔ آنے والے پر نظر پڑتے ہی ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے بہاری کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

”تم .....؟“ اُٹھتے ہوئے اس کا جسم کانپ گیا۔ وہ یقین نہیں کرسکی.... بہاری مسکرایا۔ اس کے چمکتے ہوئے دانت کسی خوفناک بھوت کی طرح لگے۔

”جس کا تم انتظار کر رہی ہو وہ چورا ہے کے قریب سرکاری ہسپتال میں ہے۔ میرا خیال ہے وہ بچ نہیں سکے گا.... اگر بچ بھی گیا تو شیلانگ سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔“

”نہیں.... نہیں....“ پونم روتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ ”یہ سچ نہیں ہوسکتا۔ وہ گرودر کے ساتھ گئے ہیں....“ پونم بوکھلا گئی۔

”گرودر وہی ہے.... موٹا اور ٹھگنا۔ آپریشن تھیٹر کے باہر بیٹھا ہے۔ تمہارا یار زندگی کے لیے گن رہا ہے.... ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں پونم! ان ہاتھوں سے بچ کر کوئی نہیں نکل سکا۔ بیکار ہی ایک آدمی کی زندگی تم نے لے لی ہے۔ یہ اس بار مرے گا یا بعد میں.... لیکن تمہیں واپس جانا ہوگا۔ کل گینڈا اور سالار بھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں نے آدمی بھیج دیا ہے صبح دس بجے چورا ہے کے قریب بائیں طرف گلی میں چلی جانا وہاں تمہیں ٹیکسی ملے گی۔ نمبر ASM ۳۱۵۶ ہوگا۔ اس میں بیٹھ جانا۔ نہ آنے پر گرودر اور اس کے بعد منیجر دیال... سب کا وہی حشر ہوگا جو راجندر کا ہوا ہے۔ رات بڑی ہے سوچ لینا، تمہیں لوٹنا ہی ہے....“ کہتے ہوئے بہاری رُکا نہیں مڑا اور چلا گیا۔

پونم آنکھیں پھاڑے کھڑی رہی تھی۔ جسم کانپتا رہا تھا۔ جسم نہیں سنبھلا تو کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے بسی سے چاروں طرف پھیلے اندھیرے کی طرف دیکھتی رہی.... اس کا سر چکرانے لگا... دماغ سُن ہوتا چلا گیا۔ کرسی سمیت ہی وہ کمرے کے فرش پر لڑھک گئی تھی۔

ہوش آیا تو وہ بستر پر تھی۔ چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ آنکھیں پھول ہوئی۔ اس کے قریب ہی بیرا کھڑا تھا۔

”تم جاؤ....“ گرودر کو بیرے سے کہتے سُنا۔ بیرا سر جھکائے کمرے سے نکل گیا۔

”بچے یا نہیں....؟“ پونم نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

”تمہیں کس نے بتایا...؟“ گرودر نے حیرانی سے پوچھا۔

www.taemeernews.com

"بتا دوں گی، پہلے بتاؤ.... اُن کی حالت کیا ہے؟"

"بچ جائے گا۔ ابھی ہوش میں نہیں ہے۔"

"مجھے لے چلو.... میں دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں.... تم...."

"مجھے کچھ نہیں ہوا...." پونم کی آواز چیخ کی طرح تھی۔

اس نے تیزی سے کرسی کی پیٹھ پر پڑا کوٹ اٹھا لیا۔ گرودر کی مدد سے پہنا اور دروازہ بند کرتے ہوئے باہر آ گئی۔

جس چڑھائی پر چڑھتے ہوئے وہ صبح ہانپ گئی تھی وہی چڑھائی وہ تیزی سے چڑھتی چلی گئی۔

ہسپتال اور پھر ہسپتال کا وہ کمرہ... جس میں راجندر لیٹا تھا۔ پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

کمرے میں دو نرسیں تھیں۔ پونم راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

دادی ماں کا چہرہ موت کے بعد دیکھا تھا۔ راجندر کا چہرہ بھی کچھ ویسا ہی ہو گیا تھا۔ ہلدی کی طرح زرد.... آنکھیں بند۔ گرودر نرس سے بات کر رہا تھا۔ وہ سُن نہیں سکی۔ آنسو بہتے رہے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔

"مسٹر گرودر.... آپ انہیں لے جائیں.... ڈاکٹر آ گیا تو ہم مصیبت میں پڑ جائیں گے۔ سیریس کیس کے نزدیک ہم کسی کو نہیں آنے دیتے...." پونم کو دیکھتے ہوئے نرس کہہ رہی تھی۔

پونم رفتہ رفتہ بڑھتی راجندر کے سرہانے جا پہنچی تھی۔ ایک ٹک راجندر کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"آؤ پونم.... چلیں" گرودر نے کہا۔ پھر نرس سے باتیں کرنے لگا۔

پونم پلٹی.... تبھی نظر کپ بورڈ پر رکھی دواؤں کی شیشی پر پڑی۔ ایک شیشی پر POISON لکھا تھا۔ پونم نے مڑ کر گرودر کی طرف دیکھا۔ وہ نرس سے دبی زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ دوسری نرس بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ پونم نے شیشی اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔

"راجندر نہیں بچا.... تو وہ بھی نہیں رہے گی۔" اس نے کمرے سے باہر آتے ہوئے سوچا۔

"صبح گیارہ بجے لینے آؤں گا.... راجندر بچ جائے گا" گرودر نے کہا۔

پونم نے سر ہلا دیا۔ اس کے ساتھ چلتی رہی۔ گرودر اسے چھوڑ کر پھر ہسپتال لوٹ گیا۔ وہ رات بھر سوچتی رہی۔ ایک پل بھی نیند نہیں آئی۔

راجندر.... گرودر.... اور پھر دیال.... بھاری کی کہی بات دماغ میں گونجتی رہی تھی۔

نہیں.... وہ کسی کو مرنے نہیں دے گی۔ اس نے ایک لمبا خط لکھ کر جیب میں ڈال لیا۔

دیال نے کہا تھا.... اس گندگی کو بھول جانا۔ وہ بھولنے کی کوشش بھی نہیں کر سکی۔ اس سے پہلے ہی حالات بدل گئے۔

راجندر کا چہرہ.... دیال کا چہرہ.... اور گرودر کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ صرف اپنے لیے وہ ان ہنستے چہروں کو نہیں مٹا سکتی تھی۔

صبح تک خیالوں میں ڈوبی وہ جاگتی رہی۔ وہ انتظار کر رہی تھی.... دس بجنے کا انتظار....!

دس بجنے میں پندرہ منٹ پر وہ اٹھی۔ کمرے کا دروازہ بند کیا۔ چابی کاؤنٹر پر لٹکاتے ہوئے ہوٹل سے باہر آ گئی۔ سامنے اون کی دوکان پر کاؤنٹر کے پیچھے ایک لڑکی دکھائی دی۔ وہ دکان کے اندر چلی گئی۔ لڑکی سے ڈائریکٹری مانگ کر فون نمبر تلاش کیا نمبر ملایا۔ تھکی تھکی سی وہ گھنٹی کی آواز سنتی رہی۔

"ہیلو.... پولیس اسٹیشن...." اس نے بھاری آواز سُنی۔ پونم نے گلا صاف کیا۔ آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"چوراہے کے قریب ایک ٹیکسی کھڑی ہے۔ جھیل، ٹیکسی اسٹینڈ، بازار اور سینما ہال کی طرف سے سڑکیں اسی چوراہے پر ملتی ہیں.... باقی میں نہیں جانتی۔ اس چوراہے کے نزدیک ایک ٹیکسی کھڑی ہے۔ نمبر ہے اے ایس ایم ۲۱۵۶.... دس بجے وہ گوہاٹی کو چل دے گی۔ اس ٹیکسی میں ایک لڑکی کی لاش ہے۔ جن لوگوں نے اُسے قتل کیا ہے وہ بھی اُسی ٹیکسی میں ہیں۔ لڑکی کی جیب میں ایک خط ہے جس پر ساری باتیں لکھی ہیں۔" کہتے ہوئے پونم کا گلا بھر آیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی لڑکی حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کون ہیں.... کہاں سے بول رہی ہیں...." پونم کو بھاری آواز سنائی دی۔

پونم نے ریسیور رکھ دیا۔ کاؤنٹر پر ایک روپے کا نوٹ رکھ کر مڑی۔

"سنیے...." لڑکی نے پکارا.... گھبراہٹ بھری آواز میں۔ پونم رکی نہیں۔ باہر سڑک پر آنے کے بعد چڑھائی کی طرف چلتی گئی۔ چوراہے سے گھومتے ہی دیکھا.... کچھ ہی فاصلے پر ٹیکسی کھڑی تھی۔ نمبر پڑھنے کے بعد وہ اُسی طرف چلتی رہی ٹیکسی خالی تھی۔ گینڈا، سالار اور بھاری کچھ ہی دُور پر کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ چاروں کے چہرے پر مسکراہٹ

www.taemeernews.com

تھی۔ بہاری نے ہی اُسے ٹیکسی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ بیٹھنے کے بعد جیب سے شیشی نکالی۔ ایک ہی سانس میں پوری شیشی خالی کر دی۔ پیتے ہی گلا سوکھنے لگا... زبان اینٹھنے لگی۔ سر چکرا رہا تھا۔

اس نے چاروں کو ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا۔ ٹیکسی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی... پونم نے سیٹ کے ساتھ سر ٹکا کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس زندگی میں اب اُسے کبھی آنکھیں نہیں کھولنی تھیں۔

●

پونم کی لاش کے ساتھ ہی وہ پکڑے گئے... گینڈا، سالار اور بہاری۔ پونم کا لکھا خط بھی پولیس کو مل گیا۔ پونم نے اپنی اور بلبل کی کہانی اس میں لکھی تھی۔

راجندر بچ گیا تھا۔ اُسے پونم کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ دیال، موہن، سوہن جب شیلانگ پہنچے تو انھیں پونم کی لاش دیکھنے کو ملی۔

بھاری مَن سے سبھی نے اُسے آگ کے حوالے کیا تھا۔

بہت دنوں کے بعد راجندر کو پونم کے بارے میں بتایا گیا۔ سُنتے ہی وہ پاگل سا ہوا اٹھا تھا۔ دیال... گرودر... موہن اور سوہن کی بہت کوششوں کے بعد ہی وہ سنبھلا۔

وقت گھاؤ بھر دیتا ہے۔ راجندر تو ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اس کے لیے یہ گھاؤ بھرنے والا نہیں۔ یہ کسک ہمیشہ ہی اس کے دل میں رہے گی۔

ہسپتال سے جب راجندر ہوٹل پہنچا تو اُسے ایک خط ملا۔ پونم کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط۔ جو پونم نے بلبل کے والد کو لکھا تھا۔ خط واپس آ گیا تھا۔ کسی نے کھولا نہیں تھا۔ لال سیاہی سے صرف اتنا لکھا تھا۔

'اس نام کا آدمی دو سال ہوئے مر چکا ہے'!

لفافے پر مہر نیپال کی تھی۔

راجندر شیلانگ میں نہیں رکا۔ وہ دہلی کے لیے چل دیا۔ موہن اور سوہن بھی اس کے ساتھ تھے۔ موہن کو ساتھ لے جانے کے لیے سوہن کو بہت دنوں تک کوشش کرنی پڑی تھی۔

دہلی آتے ہی راجندر میرٹھ کی طرف چل دیا۔ موہن اور سوہن اپنے مکان کی طرف.... مکان خالی کروانے کے بعد اب اسی میں رہیں گے۔ سوہن نے اپنے بھائی سے کہا تھا۔ کپور سے ملے تو ایک خبر اور ملی۔

بملا جیل میں تھی۔ اس نے راجن کے ساتھ مل کر سوری کا قتل کیا تھا۔ دونوں پر مقدمہ چل رہا تھا۔

جُدائی کی آگ

ان سے اگر عہدِ وفا نہ ہوتا
جدائی کی آگ میں یوں جلا نہ ہوتا
وہ تو بے وفا تھی، مگر
میری وفاؤں کا یہ صلہ نہ ہوتا
کلی کلی میں وہ، چمن چمن میں وہ
میرے گھر یوں ویرانہ نہ ہوتا
یوں مسکرائے گا کسی کے ساتھ وہ
منظر کبھی یہ ایسا نہ ہوتا
کرکے یاد اسے ہر دم شمس
یوں کبھی میں رو یا نہ ہوتا

چوہدری شمس الدین

خواب سہانوں میں

دنیا تو ساتھ چھوڑ دیتی ہے غم کے افسانوں میں
تو تو ہمسفر تھا اپنا کیوں چھوڑ گیا ویرانوں میں
جانتے تھے تم بکھر جاؤں گا تو جو مجھ سے بچھڑا
یہ بات بھی بھلا دی تو نے غیروں کے دستانوں میں
تیری آس پہ تو زندہ تھے تو کبھی مل جائیگی ہم سے
اب ڈھونڈتے پھر رہے ہیں ہم تم کو بیابانوں میں
میری رُوح کی آواز جو سن لیتے تم اے جاناں!
میں نے پکارا تھیں نگر، نگر بیابانوں میں
تم مجھ سے دُور ہو ایسا تو نہیں ہے اعظم!
میرے پاس ہو تم میرے خواب سہانوں میں

اعظم یاد بلو
قلعہ سوبھا سنگھ

سوہن سوچ نہیں سکا... اسے دکھی ہونا چاہیے یا خوش۔ اس نے موہن کی طرف دیکھتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔

"آدمی کو اسی جنم میں ہی بھگتنا پڑتا ہے کپور صاحب!" اس نے سوہن کو گہری سانس لینے کے بعد کہتے سُنا۔

ختم شد

www.taemeernews.com

ان لوگوں کے لئے جو بہترین طویل کہانیوں کے شائق ہیں

حلقۂ زنجیر

ایسے پُراسرار قاتل کی لرزہ خیز داستانِ عبرت جو جنونی بھی تھا اور خاص طور پر صنفِ نازک کو موت کے گھاٹ اتار کر تسکین حاصل کرتا تھا، ایک ایسے پولیس آفیسر کی کہانی جو اپنے پیشے کو عبادت سمجھتا تھا، ایک شخص کا احوال جو واقعی محبت کے مفہوم سے آشنا تھا، سراغرسانی، سسپنس اور انسانی جذبات میں ڈوبے ہوئے معروف ناول نگار جیک ہیگنز کے ایک خوبصورت ناول کی مکمل تلخیص۔

انجم کیانی

رات کے دس بج چکے تھے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور سرد ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ شام ہی سے موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ جو رُکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ گلیاں اور بازار پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔

"ایک کپ کافی کے متعلق کیا خیال ہے ہنری؟" ڈرائیور برنارڈ نے پولیس ویگن کو سڑک کے کنارے کیفے سٹارلٹ کے سامنے روکتے ہوئے اپنے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے کانسٹیبل ہنری کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ذرا ہاتھ پاؤں میں جان آجائے گی۔ یہ سردی تو کمبخت ہڈیوں میں اُترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھے سگرٹ بھی لینے ہیں۔" ہنری نے اثبات میں سر ہلایا۔

دونوں نیچے اُتر کر کیفے کی جانب بڑھے کیفے سنسان نظر آرہا تھا۔ کاؤنٹر پر صرف ایک گاہک تھا۔ جو کیفے سٹارلٹ کے مالک سام ہارکنس سے باتوں میں مصروف تھا۔ وہ لمبا تڑنگا بھرکم جسم کا مالک تھا۔ اور اس نے رین کوٹ پہنا ہوا تھا جونہی وہ کیفے سٹارلٹ کے اندر داخل ہوئے۔ وہ شخص واپسی کے لیے مڑا۔ کانسٹیبل ہنری اسے پہچان کر رُک گیا۔

"کیا حال ہے مسٹر فالکنر؟ آج تو بارش نے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔"

"تم سناؤ ہنری۔" فالکنر ہلکے سے مسکرایا۔ "واقعی آج بارش رُکنے کے کوئی آثار نہیں ہیں مجھے بھی سگریٹ خریدنے کے لیے مجبوراً آنا پڑا۔ ورنہ اس خراب موسم میں کون گھر سے باہر نکلتا ہے۔ اوکے خدا حافظ۔" اور فالکنر تیز تیز قدم اٹھاتا باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

"یہ کون تھا؟" برنارڈ نے ایک میز کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"تم برونو فالکنر کو نہیں جانتے؟" ہنری نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "یہ تو بڑا مشہور مجسمہ ساز ہے۔ پچھلے دنوں یہ ٹی وی پر بھی آیا تھا۔"

"اوہ! اسی لیے مجھے اس کی شکل کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ لیکن یہ کچھ جلدی میں نہیں تھا کیا؟"

"اس بیہودہ موسم میں کون شخص جلدی میں نہیں ہوگا؟" کانسٹیبل ہنری نے منہ بنایا۔ "صرف ہم لوگ ہیں جو ویران اور تاریک راہوں پر جھک مارتے پھر رہے ہیں۔"

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

اتنے میں سام ہارکسن ٹرے اٹھائے ان کی جانب بڑھا۔ اور خاموشی سے میز پر کافی کے برتن سجانے لگا۔

"کیسا کاروبار چل رہا ہے سام؟ لگتا ہے آج کل کچھ مندا ہی ہے۔" ہنری نے پوچھا۔

"بس کچھ مت پوچھو۔ اس مہینے ہوٹل کا کرایہ بھی نکل آئے تو غنیمت ہے۔ ایک تو کئی دنوں سے مسلسل بارشیں ہو رہی ہیں۔ اور دوسرے اس دوران یکے بعد دیگرے چار لڑکیوں کے پراسرار قتل کی وجہ سے لوگوں نے ڈر کے مارے گھروں سے نکلنا بند کر دیا ہے۔ اور تم لوگ ابھی تک اس جنونی قاتل کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے ہو۔" سام نے تلخی سے کہا۔ "آخر تم لوگ کیا کر رہے ہو؟"

"ہم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ہیں سام۔" ہنری نے سگریٹ سلگاتے ہوئے نرمی سے کہا۔ "تم دیکھو گے کہ ہم بہت جلد اس جنونی قاتل کو گرفتار کر لیں گے۔ آخر قانون سے کوئی مجرم کب تک بھاگے گا۔"

"مجھے اس کا امکان کم ہی نظر آتا ہے۔" سام اپنے خوف کو چھپاتے ہوئے زہریلی ہنسی ہنسا۔ اور کاؤنٹر کی جانب مڑ گیا۔

کافی ختم کر کے انہوں نے بل ادا کیا۔ برنارڈ نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پولیس ویگن تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

کانسٹیبل ہنری ڈارٹو، دس ماہ کے بعد ریٹائر ہونے والا تھا۔ وہ ایک محنتی اور دیانت دار شخص تھا۔ اور اپنی ڈیوٹی ہمیشہ ایمانداری سے سرانجام دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بھیگتے قدم اٹھاتا گشت کر رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی سام ہارکسن کی باتوں سے وہ خاصا دل برداشتہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹیلی ویژن پر جرم و سزا کے موضوع پر فلمیں دیکھ دیکھ کر لوگوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔ ان کے خیال میں قتل جیسی سنگین وارادات کا سراغ لگانے کے بعد مجرم ایک آدھ گھنٹے میں گرفتار ہو جانا چاہیے۔ حالانکہ عملی زندگی میں یہ کس قدر مشکل ہے۔

چلتے چلتے ہنری نے اپنے دائیں طرف جوبلی پارک کے مین گیٹ پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اور ایک لمحے کے لیے وہ دم بخود رہ گیا۔ مین گیٹ کے اندر دیوار کے ساتھ جھاڑیوں سے ایک بلیک سینڈل جھانک رہا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جھاڑیوں کے نیچے ایک نوجوان عورت آڑھی ترچھی پڑی تھی۔ اس کی گردن بارش کے پانی بھرے گڑھے میں بے ڈھنگے انداز میں ایک طرف کو مڑی ہوئی تھی۔ اور اس کی بے نور نگاہیں خلا کو گھور رہی تھیں۔

کانسٹیبل ہنری نے حیرت انگیز طور پر اپنے اعصاب پر قابو پایا۔ اس نے گھٹنوں کے بل جھک کر آہستگی سے اپنی ہتھیلی کی پشت سے عورت کے چہرے کو چھو کر دیکھا۔ مقتولہ کا چہرہ ابھی تک گرم تھا۔ اس کا دھیان فوراً جنونی قاتل کی طرف گیا۔ اور ابھی وہ سیدھا کھڑا بھی نہیں ہو پایا تھا کہ کسی نے پیچھے سے بڑے زور سے اس کی گدی پر ایک ضرب رسید کی۔ بے اختیار اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر عورت کی لاش پر گرا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑی تھی۔ اس نے جلدی سے گردن موڑ کر تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ دور ایک سایہ بھاگتے ہوئے تیزی سے تاریکی میں غائب ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

برونو فالکنر کا فلیٹ پانچ منزلہ وکٹورین پلازہ کے ٹاپ فلور پر واقع تھا۔ فلیٹ کے ایک کمرے کو وہ اسٹوڈیو کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ اسٹوڈیو کے آتش دان میں آگ بجھ گئی تھی۔ اور کھڑکی کے سامنے والی دیوار کے ساتھ ڈائس پر چار قدِ آدم مجسمے دکھائی دے رہے تھے۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ تھوڑے سے توقف کے بعد پھر کسی نے ڈور بیل بجائی اور بنیان شرٹ پہنے ہوئے فالکنر خواب گاہ سے نکلا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ شاید وہ سوتے سے اٹھ کر آیا تھا۔ اس نے لائٹ جلائی اور آتش دان کے پاس رکتے ہوئے زوردار جمائی لی۔

فالکنر بھاری بھرکم جسم کا مالک تھا۔ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی اور اس کے چہرے سے خود پسندی اور برتری جھلکتی تھی۔ ڈور بیل ایک بار پھر بجی اور وہ تیوری چڑھائے دروازے کی جانب بڑھا۔

"اوہ، یہ تم ہو جیک۔" فالکنر نے دروازہ کھول کر چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

فالکنر نے دروازہ بند کیا اور جیک مورگن اس کے پیچھے پیچھے نشست گاہ میں داخل ہوا۔ جیک مورگن فالکنر کی ہی عمر کا تھا لیکن وہ قدرے کم عمر دکھائی دے رہا تھا اور اس نے جدید تراش خراش کے سوٹ کے اوپر برساتی پہنی ہوئی تھی۔

"خیریت تو ہے برونو تم بہت تھکے تھکے نظر آ رہے ہو۔ سو رہے تھے کیا؟" جیک نے سلور باکس سے ایک سگریٹ نکال سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں پچھلے دو گھنٹوں سے فون پر رابطہ

www.taemeernews.com

کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید تمہارا فون خراب ہے۔"

"میں پچھلے دو دن سے آرام کیے بغیر مسلسل کام کر رہا تھا اور ایک لمحے کے لیے اس فلیٹ سے باہر نہیں نکلا ہوں چنانچہ سونے سے پہلے میں نے ریسیور اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ کیوں کوئی خاص بات تھی کیا؟"

"آج تمہاری منگیتر جوانا کی سالگرہ ہے۔ شاید تم بھول گئے ہو۔ اس نے مجھے تمہیں بلانے کے لیے بھیجا ہے۔"

"او مائی گاڈ! مجھے تو بالکل یاد نہیں تھا۔ میں نے تو اس کے لیے کوئی تحفہ بھی نہیں خریدا ہے۔"

جیک مورگن نے ایک چھوٹا سا مخملیں ڈبہ جیب سے نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ برونو نے ڈبہ کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک خوبصورت نیکلس نظر آ رہا تھا جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

"میں نے یہاں آتے ہوئے راستے میں براؤٹ جیولرز سے نیکلس خرید لیا تھا۔ اور انہیں کہہ دیا تھا کہ بل تمہارے نام بھیج دیں۔ کہو کیسا ہے؟"

"او جیک، تمہارا بہت بہت شکریہ۔ بہت خوبصورت نیکلس ہے۔ بس میں رین کوٹ پہن لوں، پھر چلتے ہیں۔"

"کیوں لباس تبدیل نہیں کرو گے کیا؟"

"نہیں جیک۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جوانا میرے مزاج سے اچھی طرح واقف ہے۔ جب ہماری منگنی ہوئی تو ہمارے درمیان یہ پہلے ہی طے پا گیا تھا کہ جوانا میرے لباس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔ چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ اور کیا خبریں ہیں۔" فالکنر برساتی پہنتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا تم نے اس جنونی قاتل کے بارے میں مزید کچھ نہیں پڑھا ہے؟"

"تو کیا اس نے کوئی اور کارنامہ بھی سرانجام دیا ہے؟" فالکنر نے طنزاً پوچھا۔ "ویسے کتنے قتل ہو گئے ہیں اب تک؟"

"چار؟"

"شاید اخبار میں اس کے بارے میں خبر ہو۔" جیک نے تپائی پر پڑے ہوئے اخبار کے صفحے اُلٹتے پلٹتے ہوئے کہا۔ "نہیں، اس میں کوئی خبر نہیں ہے۔ یہ کل شام کا اخبار ہے اور اس قتل کا پتا رات نو بجے چلا تھا۔"

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ پولیس ابھی تک قاتل کو گرفتار نہیں کر سکی ہے۔" فالکنر جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں، تو پھر چلیں؟"

"ہاں۔ لیکن راستے میں کہیں رُک کر ایک آدھ جام پیتے ہیں۔ میں اس کی طلب شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔"

٭ ٭ ٭

جب فالکنر اور مورگن کنگز آرمز بار میں داخل ہوئے تو بار کا مالک ہیری میڈوز کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا ہیری ادھیڑ عمر کا ایک خوش مزاج شخص تھا اور اس نے لمبی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے نظریں اُٹھا کر انہیں دیکھا اور اخبار تہہ کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔

"ہیلو مسٹر فالکنر۔ مسٹر مورگن۔ آج بہت دنوں کے بعد آنا ہوا ہے۔"

"ہیلو ہیری بس کام کی مصروفیت کچھ زیادہ ہے۔"

"دو ڈبل پیگ ہیری۔ برانڈی۔" فالکنر نے آرڈر دیا۔

"میرے لیے سنگل ہیری۔" مورگن نے فالکنر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈرائیونگ کرنا ہے۔"

ہیری نے گلاس بھر کر اُن کے سامنے رکھ دیے اور ایک صاف ستھرے نیپکن سے دُھلے ہوئے گلاس چمکانے لگا۔

ہیری میڈوز کا بار خالی پڑا تھا۔

جب سے پُراسرار قاتل نے اپنی سرگرمیاں شروع کی ہیں بار اور ریسٹورنٹ ویران ہو کر رہ گئے ہیں۔ کلبوں اور بازاروں کی رونق بھی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ عورتوں نے تو شام کے وقت باہر نکلنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔" مورگن نے ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "اور حیران کن بات یہ ہے کہ قاتل صرف بارش کے دوران ہی اپنی شکارگاہ سے نکلتا ہے۔"

اسی وقت بار کا دروازہ کھلا اور ایک دلکش عورت اندر داخل ہوئی۔ اس کی عمر بمشکل انیس بیس سال تھی۔ اس نے بلیک برساتی پہن رکھی تھی۔ وہ اُن کی جانب دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ اور بار کے دوسرے کونے میں اسٹول پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور ہینڈ بیگ کھول کر اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔

"کیا خیال ہے جیک۔ اسے اپنے ساتھ پارٹی پر نہ لے جائیں؟"

"چھوڑو فالکنر تم دیکھ ہی رہے ہو کہ یہ کس قسم کی عورت ہے۔ ایسی بازاری عورت کو ہم ہمراہ لے کر جائیں گے تو جوانا کیا محسوس کرے گی؟"

"لے چلتے ہیں جیک۔ جوانا کی آنٹی مسز برگ اسے دیکھ کر خوب ناک بھوں چڑھائے گی۔ اور بڑا شغل رہے گا۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ وہ مجھ سے کتنی نفرت کرتی ہے۔" فالکنر نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

www.taemeernews.com

"جیسے تمہاری مرضی۔" جیک مورگن نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہیری!" فالکنر نے بارٹینڈر کو پکارا۔ "میری طرف سے خاتون کو ایک پیگ دو۔"

"جو حکم مسٹر فالکنر!" ہیری نے سر ہلایا۔

ہیری نے بار کے دوسرے سرے پر جا کر عورت کے ساتھ کوئی بات کی۔ اس نے گردن موڑ کر فالکنر کی جانب دیکھا اور سر ہلایا۔ ہیری مینڈورز نے جن کا بڑا پیگ اس کے سامنے رکھ دیا۔

فالکنر نے اپنا گلاس ختم کر کے اس کی جانب بڑھا۔

"کیا تم اکیلی ہو خاتون؟" فالکنر نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

"میں یہاں اپنے منگیتر کا انتظار کر رہی ہوں۔"

اچانک فالکنر کی نگاہ کاؤنٹر پر رکھے ہوئے ہینڈ بیگ پر پڑی۔ جس کے ایک کونے میں انگلش کا حرف G لکھا ہوا تھا۔

"G سے کیا بنتا ہے؟" فالکنر نے استفسار کیا۔

"گریس۔"

"دو تو تمہارا نام گریس ہے!" فالکنر نے ہونٹ سکوڑے "کتنا خوبصورت نام ہے تمہاری طرح۔ مس گریس تمہارا منگیتر ذمہ دار نہیں ہے اور ممکن ہے وہ آج شاید نہ آئے کیونکہ تم دیکھ ہی رہی ہو کہ موسم کتنا خراب ہے۔ تم کب تک یہاں بیٹھی انتظار کرتی رہو گی۔ میں اور میرا دوست جیک ایک پارٹی میں جا رہے ہیں اگر تم بھی ہمارے ساتھ چلو تو ہمیں خوشی ہو گی۔ ذرا وقت اچھا کٹ جائے گا۔"

گریس پُرخیال انداز میں سر ہلانے لگی۔

"اور پھر اپنے منگیتر سے تو تم ملتی ہی رہتی ہو۔" فالکنر نے اسے ترغیب دی۔

تھوڑے سے پس و پیش کے بعد وہ ان کے ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئی۔

وہ جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے۔ اس کے بال سیاہ اور پیشانی تنگ تھی۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور چہرے پر سرد مہری تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے ہچکچایا اور پھر تیوری چڑھا کر گریس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم ان لوگوں کے ساتھ کہاں جا رہی ہو؟"

"سوری ہیرلڈ، تم بہت لیٹ آئے ہو۔ میں ان لوگوں کے ساتھ ایک پارٹی میں جا رہی ہوں۔" گریس قدم آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"چکر کیا ہے کُتیا!" ہیرلڈ نے اُسے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

فالکنر نے ہیرلڈ کو نرمی سے پیچھے دھکیل دیا۔ غصے سے ہیرلڈ کا چہرہ بگڑ گیا۔ وہ ایک دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر گھونسہ تان کر تیزی سے فالکنر کی جانب بڑھا۔ فالکنر نے اس کی ضرب کو بڑے سکون سے ہاتھ پر روکا اور اس کو پوری طاقت سے دھکا دیا۔ ہیرلڈ زمین چاٹنے لگا۔ اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُبل پڑا تھا۔ اور اس تکلیف کی شدت سے اس کے آنسو نکل پڑے۔

"دفع ہو جا! میری نظروں کے سامنے سے ذلیل عورت۔ آئندہ کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" ہیرلڈ گریس کو نفرت بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے چلایا۔

فالکنر نے گریس کا ہاتھ تھاما اور دونوں ہنستے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

جیک مورگن نے آگے بڑھ کر ہیرلڈ کو زمین سے اٹھایا۔ بار کا مالک ہیری بھی اتنی دیر میں وہاں آن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بھی ہیرلڈ کو اٹھنے میں مدد دی۔

"یہ شخص کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا مسٹر مورگن۔" ہیری نے تیز لہجے میں کہا۔ "آئندہ کبھی اسے لے کر یہاں مت آنا۔"

جیک مورگن نے ایک طویل سانس لی اور ایک لفظ کہے بغیر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"تم نے مصیبت کو خود دعوت دی تھی نوجوان!" ہیری نے کہا۔ "شاید تمہارا ابرونو فالکنر سے پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کتنا تندخو آدمی ہے۔ چلو چھوڑو اب غصہ تھوک دو۔ آج ایک جام میری طرف سے ہو جائے۔"

"جہنم میں جاؤ تم سب!" ہیرلڈ نے غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے کہا اور ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر پھیلی ہوئی بے کراں تاریکی میں غائب ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

سراغرساں سارجنٹ نکولس ملر بے حد تھکا ہوا تھا۔ اس کا باس سی آئی ڈی کا ضلعی سربراہ سپرنٹنڈنٹ بروس گرانٹ پچھلے ہفتے کار کے ایک حادثے میں اپنی ایک ٹانگ تڑوا بیٹھا تھا اور ان دنوں جنرل ہسپتال میں زیر علاج تھا۔

یکے بعد دیگرے چار لڑکیوں کے پُراسرار قتل پر اخبارات

نے ایک طوفان کھڑا کر رکھا تھا۔ چنانچہ حکام بالا نے جنونی قاتل کو گرفتار کرنے کے لیے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے شعبۂ قتل کے ڈاکسا چیف سپرنٹنڈنٹ جارج میلوری کو بھیجا تھا اور اس نے آتے ہی اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ بروس گرانٹ کا عملہ اس تبدیلی پر کچھ زیادہ خوش نہیں تھا۔ کیونکہ زخمی ہونے سے پہلے بروس گرانٹ اس کیس پر کام کر رہا تھا۔ اور جارج کی آمد کو سب لوگ اپنی بےعزتی خیال کر رہے تھے۔

سارجنٹ ملر اپنے باس کی عیادت سے فارغ ہو کر یارڈ میں داخل ہوا تو تھکن کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔

"مسٹر گرانٹ کی طبیعت اب کیسی ہے سارجنٹ؟" سارجنٹ ملر کو راہداری میں داخل ہوتا دیکھ کر استقبالیہ پر موجود نرس نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے۔" ملر آہستہ سے ہنسا۔ "وہ پُراسرار قاتل کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہے۔"

"لگتا ہے آج کل تم پر کام کا بہت بوجھ ہے۔ تم بہت تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہو۔"

"ہاں مجھے کئی دنوں سے میری نیند پوری نہیں ہو رہی ہے۔ آج میں نے ایک پارٹی میں بھی جانا تھا۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ گھر جا کر آرام کروں۔"

"میرے خیال میں تو تمہیں پارٹی میں ضرور شریک ہونا چاہیے سارجنٹ۔ ہلکی پھلکی تفریح کے بعد انسان اپنے فرائض بہتر طور پر سرانجام دے سکتا ہے۔" نرس نے اُسے مشورہ دیا۔

"شکریہ سسٹر۔" وہ گاڑی کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے مشورے پر ضرور عمل کروں گا۔"

٭ ٭ ٭

جوانا۔ اسٹیج اور ٹیلی ویژن کی مشہور اداکارہ تھی۔ وہ بےحد حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی تھی۔ اور اُسے گفتگو کرنے کا فن آتا تھا۔ سارجنٹ نک ملر کی اس سے پہلی ملاقات اپنے بڑے بھائی جیک ملر کے ہاں ایک محفلِ موسیقی میں ہوئی تھی۔ جو کہ ناردرن ٹیلی ویژن کا ڈائریکٹر تھا۔

جوانا ان دنوں ڈرہام کے علاقے میں رہ رہی تھی۔ جو کہ ملر کے گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ گھنٹی بجانے پر دروازہ اُسی نے کھولا تھا۔ وہ خوب بنی سنوری ہوئی تھی۔ گویا آج اس نے مدعوین کے خرمنِ ہوش و حواس پر بجلیاں گرانے کا پورا اہتمام کر رکھا تھا۔

"ہیلو نک ڈارلنگ۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ آج تم نہیں آؤ گے؟" جوانا نے اُسے ایک دلکش مسکراہٹ سے نوازتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم بھی کہیں مصروف ہو گئے ہو۔"

"بس بڑی مشکل سے سب کام چھوڑ چھاڑ کر یہاں پہنچا ہوں۔" ملر نے کوٹ اور کیپ اُتار کر ملازم کو دیتے ہوئے کہا۔

جوانا اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ایک ہینڈسم شخص کی جانب مڑی۔ جو ایک ہاتھ میں گلاس تھامے آہستہ آہستہ چسکیاں لے رہا تھا۔

"نک ملر ایک سراغ رساں ہے فرینک۔ اور نک، یہ ہے فرینک مارلو میرا ایجنٹ۔"

"تم سے مل کر خوشی ہوئی ملر۔" فرینک نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لیے ڈرنک لے کر آتا ہوں۔"

جوانا ملر کو ساتھ لے کر سفید بالوں والی ایک بوڑھی عورت کی جانب مڑی۔ جو کھڑکی کے سامنے چیئر ڈالے بیٹھی ماضی کی بھولی بسری یادوں میں گم تھی۔ اور حلیے سے فلم اور ٹیلی ویژن کی کوئی کیریکٹر ایکٹرس لگ رہی تھی۔

"ان سے ملو ملر یہ میری آنٹی ہیں۔ میری براڈ فورڈ اور آنٹی یہ ہے سراغ رساں نک ملر جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔"

ملر نے آگے بڑھ کر بوڑھی میری کی ہتھیلی پر بوسہ دیا۔

پارٹی خاصی اور تھی۔ اسٹیج اور ٹیلی ویژن کی کوئی دوسری اداکارہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ زیادہ تر مہمان ادھیڑ عمر تھے۔ پیچھے ریکارڈ بج رہے تھے۔ اور دو چار جوڑے رقص کر رہے تھے۔ سارجنٹ ملر کو یہاں آ کر خاصی بوریت ہو رہی تھی۔

"جنونی قاتل کے بارے میں کیا خبر ہے سارجنٹ؟" آنٹی میری براڈ فورڈ نے پوچھا۔ اور اُس کے پوچھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ ملر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"کیا مطلب؟" ملر نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔

"میرا مطلب تھا کہ تم اس جنونی قاتل کو کب گرفتار کر رہے ہو؟" میری براڈ فورڈ نے کہا۔ "آخر وہ کب تک بےگناہ افراد کو قتل کرتا رہے گا۔"

"اس کیس کے بارے میں مشکل یہ ہے مسز براڈ فورڈ کہ قاتل کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ تمہارا اپنا خاوند یا تمہارا بھائی۔" ملر نے کمرے میں موجود افراد پر نگاہ ڈالی۔ "ان مدعوین میں سے کوئی ایک، مثال کے طور پر مسٹر ما... [illegible] کا کیا خیال ہے؟"

ملر نے ایک لمحے کے توقف کے بعد ... جانب رُخ کر کے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم نے ... [illegible]

www.taemeernews.com

کر کل رات آٹھ اور نو بجے کے دوران تم کہاں تھے۔ میں تمہیں یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تم جو کچھ بھی کہو گے وہ تمہارے خلاف ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔"

میری براڈ فورڈ ملر کو غصے میں دیکھ کر کانپ کر رہ گئی۔ فرینک مارلو بھی اس صورت حال سے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ موسیقی کا ریکارڈ ختم ہو چکا۔ ڈانس کرتے ہوئے قدم تھم کر رہ گئے۔ اور کمرے میں بھیانک خاموشی چھا گئی تھی۔

جوانا نے آہستگی سے ملر کا بازو تھام لیا اور اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے بولی "چھوڑو بھی ملر۔ آنٹی کی عادت ہی ایسی ہے تم کیوں خوامخواہ دل چھوٹا کر رہے ہو۔"

ملر سخت غصے میں تھا۔ اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ہر طرف ہر جگہ پولیس کی نااہلی کا تذکرہ تھا۔ حالانکہ انہیں اس بات کا کوئی احساس نہیں تھا کہ پولیس کو دن میں پندرہ پندرہ سولہ سولہ گھنٹے کام کرنا پڑ رہا ہے۔ آخر تقریباً دس لاکھ کی آبادی میں کسی ایسے شخص کو فوری طور پر کیسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ جس کا پولیس میں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ جو عورتوں کو لوٹنے یا کسی مطلب براری کے بغیر ہلاک کر دیتا ہے۔

ملر یہ سوچ رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

"میرا خیال ہے جیک اور برونو ہوں گے۔ میں جا کر دیکھتی ہوں۔" جوانا دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

ملر نے ذہن ختم کر کے نظریں اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا۔ وہ دو ہی کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک خوبصورت عورت تھی۔ سب سے آگے لمبا تڑنگا اور جسیم شخص برونو فالکنر تھا۔ پہلی ہی نظر میں سارجنٹ ملر کو یہ شخص بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگایا اور پھر پیانو پر جھک گیا۔

٭ ٭ ٭

جوانا سیدھی برونو فالکنر کی طرف بڑھی اور مسکراتے ہوئے بولی "ہیلو ڈارلنگ۔ کہاں رہ گئے تھے تم، میں کب سے تمہارا ا[illegible]ار کر رہی ہوں۔"

"بس کام میں مصروف تھا جوانا، تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" برونو فالکنر نے کہا۔ "پہلے تو تم مس گریس سے ملو۔ مجھے امید ہے اس سے مل کر خوشی ہوگی۔"

"ہیلو" جوانا خوش روی سے گریس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

"تم جوانا ہارٹ مین ہو نا۔ ٹی وی اداکارہ۔ اوہ میرے خدا میں تمہاری فلمیں بڑے شوق سے دیکھتی ہوں۔ مجھے تم سے ملنے کا کتنا اشتیاق تھا۔" گریس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا اور اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"مجھے امید ہے کہ تم نے میری اداکاری کو پسند کیا ہوگا" جوانا نے کہا اور جیک کی جانب مڑتے ہوئے بولی "جیک پلیز مس گریس کا ایک دو مہمانوں سے تعارف کرا دو۔ تاکہ یہ بوریت محسوس نہ کرے۔"

جیک گریس کو لے کر آگے بڑھ گیا اور پیانو کے قریب پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا "تم یہاں بیٹھو میں ابھی تمہارے لیے ڈرنک لے کر آتا ہوں۔"

گریس کرسی پر بیٹھی بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی کیونکہ آنٹی میری اسے مسلسل نفرت بھری نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔

"ہیلو" ملر اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔ "میرا نام نک ملر ہے کیا تم یہاں پہلی مرتبہ آئی ہو؟"

"ہاں" وہ جواباً مسکرائی۔ "مجھے گریس کہتے ہیں۔"

اسی وقت جیک مورگن اس کے لیے ڈرنک لے کر آن پہنچا۔ اور وہ ہلکے ہلکے گھونٹ لے کر ڈرنک پینے لگی۔

"کیا واہیات پارٹی ہے۔ لگتا ہے جیسے ہم کسی مردہ خانے میں آگئے ہوں۔" مورگن نے گریس کی جانب رخ کر کے کہا۔ "آؤ رقص کرتے ہیں۔" اور وہ دونوں اٹھ کر رقص کرنے لگے۔

سارجنٹ ملر اٹھ کر باہر کی جانب بڑھا۔ جوانا اور فالکنر بار کے قریب ہی کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں آنٹی میری براڈ فورڈ لپکتی جھپکتی فالکنر کی جانب بڑھی۔

"کیا حال ہے آنٹی میری" فالکنر نے طنزاً کہا۔ "آج کل تو تمہاری صحت بڑی اچھی ہو رہی ہے۔"

"تم انتہائی خبیث شخص ہو فالکنر۔ آخر تمہیں اس گندگی کی پوٹ کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔" آنٹی میری نے کرخت لہجے میں کہا۔

"اس قدر غصے میں آنے کی کیا ضرورت ہے آنٹی میری" فالکنر شرارت سے بولا۔ "آخر کبھی تم بھی نوجوان تھیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

آنٹی میری نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ اور پھر دانت پیستے ہوئے واپس لوٹ گئیں۔ اچانک جوانا کی نظر سارجنٹ ملر پر

www.taemeernews.com

پڑی۔ اور وہ مسکراتے ہوئے بولی "مسٹر ملر برونو سارجنٹ ملر پولیس میں ہے۔"

"پولیس کا یہاں کیا کام جوانا؟" برونو تیوری چڑھا کر سرد مہری سے بولا۔

"مجرموں کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس کو ہر جگہ پہنچنا پڑتا ہے ڈیئر۔" ملر نے ضبط سے کام لیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے منہ پر ایک جانثار رسید کرے۔ تاکہ اسے ہمیشہ یاد رہے کہ دوسروں سے بات کس طرح کی جاتی ہے۔

جوانا کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ پریشانی سے باری باری دونوں کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ڈور بیل بجی۔ اور خادم نے جا کر دروازہ کھولا۔ دروازے میں کانسٹیبل جیک براڈی کھڑا تھا۔ اور اس کی نگاہیں سارجنٹ ملر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ ملر نے براڈی کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ اور کوشش کر کے فالکنز کے قریب آ کر بولا۔ "گڈ نائٹ مسٹر فالکنز۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔"

اس سے پہلے کہ فالکنز کوئی جواب دیتا وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"کیا ہوا براڈی؟" وہ کار کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

"گنزو دول جنرل ہسپتال سے فرار ہو گیا ہے۔" براڈی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مختصراً جواب دیا۔

بارش پورے زور و شور کے ساتھ جاری تھی۔

☆ ☆ ☆

جیک مورگن اور گریس بیکرڈ ڈانس کر رہے تھے۔

"کیا مسٹر برونو عجیب آدمی نہیں، ہے؟" گریس فالکنز کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ جو ابھی تک بار کے قریب کھڑا تھا۔

"وہ کیسے؟" جیک نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"دیکھو نا، اپنی منگیتر کی سالگرہ میں اس نے کیسے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اور پھر بغیر کسی جان پہچان کے وہ مجھے اپنے ساتھ یہاں لے آیا ہے۔ کیا تم اسے کافی عرصے سے جانتے ہو؟" گریس نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اسکول میں ہم دونوں اکٹھے تھے؟" جیک مورگن نے جواب دیا۔

"فالکنز کرتا کیا ہے؟"

"وہ مجسمہ ساز ہے۔"

"میرا بھی خیال تھا کہ یہ کوئی آرٹسٹ ہوگا۔ کیسا مجسمہ ساز ہے؟"

"ایک زمانہ اس کے فن کا معترف ہے۔"

"مجھے تو اس سے ڈر لگتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں اس نے کتنی آسانی سے ہیرلڈ کو زمین پر پٹخ دیا تھا۔" گریس جھرجھری لے کر بولی۔

"فالکنز کے لیے یہ معمولی بات ہے۔ وہ جوڈو کراٹے کا ماہر ہے۔"

"کیا یہ ہتھیلی سے اینٹ توڑ سکتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ ٹیلی ویژن پر ایک شخص کو اینٹیں توڑنے کا مظاہرہ کرتے دیکھا تھا لیکن مجھے اس پر یقین نہیں آیا تھا۔

"اینٹیں توڑنا تو اس کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" مورگن نے جواب دیا۔

دفعتاً وہ مورگن کے بازوؤں سے نکل کر مہمانوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی فالکنز کی جانب بڑھی۔

"بور تو نہیں ہو رہی ہو ڈیئر۔" فالکنز نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ نہیں جان، جیک کہتا ہے کہ تم اپنی ہتھیلی سے اینٹ توڑ سکتے ہو۔" گریس نے کہا۔

"بے شک۔" فالکنز نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن بدقسمتی سے یہاں کوئی اینٹ نہیں ہے۔"

"تمہیں اس حسین خاتون کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے فالکنز۔ ہم نے تمہارے بارے میں آج تک بہت کچھ سنا ہے میرا خیال ہے کراٹے کا ماہر اینٹ کی طرح بانس بھی آسانی سے توڑ سکتا ہے۔" جوانا کے ایجنٹ مارلو نے کونے میں پڑے بانس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

فالکنز نے کاؤنٹر پر بڑی دو ایش ٹرے کے درمیان بانس رکھ کر گونج دار آواز میں کہا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین، تھوڑا سا پیچھے ہٹ جائیں تاکہ میں اپنے فن کا مظاہرہ کر سکوں۔" اور لوگ تھوڑا سا پیچھے سرک کر اس کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ سب لوگ سانس روکے کھڑے تھے۔

آنٹی میری تیزی سے اس کی جانب بڑھی اور برونو کے قریب آ کر بولی۔ "یہ تم کیا تماشا کر رہے ہو برونو۔" جوانا آنٹی میری کے پیچھے پیچھے تھی۔

"ایک لمحے کو خاموش پلیز۔" برونو نے آنٹی میری کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ اور ایک زوردار چیخ مار کر کھڑی ہتھیلی سے بانس پر وار کیا۔ بانس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور کاؤنٹر پر پڑے گلاس نیچے فرش پر گر کر ٹوٹ گئے۔ چاروں طرف سے داد و تحسین

www.taemeernews.com

کی آوازیں اُبھریں اور گریس نے خوشی کے مارے ایک ہلکی سی چیخ ماری۔ آنٹی میری یہ دیکھ کر غصّے سے آگ بگولہ ہوگئی اور مست بھرے لہجے میں برونو کو مخاطب کرکے بولی۔ "برونو یہ بچوں جیسی حرکتیں کرنے کی آخر کیا تک بنتی تھی۔ کبھی موقع محل بھی دیکھ لیا کرو۔"

"اور تمہیں یہ چیخ و پکار کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے ذہین بڑھیا" برونو نے سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔

کمرے میں ایک دم بوجھل خاموشی چھا گئی۔ آنٹی میری ... تھی۔ اُس کا چہرہ خفت سے سفید ہو رہا تھا۔

اُسے برونو کا جواب سُن کر ناقابلِ بیان صدمہ پہنچا تھا۔

"تمہیں آنٹی میری سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے۔" فرینک مارلو نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ اور برونو نے اُس کی جانب دیکھے بغیر اُسے ایک طرف دھکیل دیا۔ مارلو جا کر بار پر گرا۔ شراب کی بوتلیں ٹوٹ گئیں۔ اور شراب فرش پر بہنے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم یہاں سے چلے جاؤ برونو۔" جوانا ناراضگی سے اس کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔ برونو حیرت انگیز طور پر پُرسکون نظر آ رہا تھا۔

"کیا تم میرے ساتھ آ رہی ہو؟" وہ گریس سے مخاطب ہو کر بولا۔

گریس ایک لمحے کے لیے ہچکچائی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" برونو دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

برونو بیرونی دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ گریس بھی تیز تیز قدم اُٹھاتی اُس کے قریب پہنچ گئی۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"اوہ تو تم نے میرے ساتھ آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" برونو نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ پانچ پونڈ کمانے کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟" گریس اس کی جانب خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ایک اور مجسمہ بنانے کے متعلق سوچ رہا ہوں اور اس کے لیے تمہیں صرف چند منٹ کے لیے پوز بنانا ہوگا۔" برونو نے نرمی سے کہا۔

"اوکے۔" وہ مسکرائی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

جوانا مہمانوں کے ہجوم سے نکل کر دروازے کے قریب آن کھڑی ہوئی تھی۔ برونو فالکنر کو اچانک اُس کی سالگرہ کا تحفہ یاد آیا۔ اس نے نیکلس کا ڈبہ نکال کر جوانا کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ تو میں بھولے ہی جا رہا تھا۔ ہیپی برتھ ڈے۔" اور وہ دروازہ بند کرکے باہر نکل گیا۔

جوانا نے ڈبہ کھول کر نیکلس باہر نکالا۔ اور نیکلس میں جڑے ہیروں کو گھورنے لگی۔ وہ بمشکل اپنے آنسوؤں کو روکے ہوئے تھی۔ آنٹی میری کو قریب آتے دیکھ کر وہ زبردستی مسکرائی۔ اُسی وقت خادمہ نے آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ اور ڈرائنگ ہال کی جانب جاتے ہوئے اس نے نیکلس کو اپنی مٹھی میں سختی سے جکڑا ہوا تھا۔

٭ ٭ ٭

برونو فالکنر کے اسٹوڈیو میں گریس پیکرڈ ڈائس پر چاروں مجسموں کے ساتھ ننگے پاؤں پوز بنائے کھڑی تھی۔ آتش دان میں آگ دہک رہی تھی برونو نے لائٹ بجھا دی۔ اور کمرے میں آتش دان کی آگ سے ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔ برونو چند لمحے بغور اس کے سراپا کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر اس نے لائٹ جلا دی۔

"بس ٹھیک ہے تمہارا کام ختم ہوگیا ہے تم جوتے پہن سکتی ہو۔" برونو نے کہا۔ اور پرس کھول کر دس پونڈ کا نوٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں نے پانچ کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن پانچ کا نوٹ میرے پاس نہیں ہے۔ تم یہ رکھ سکتی ہو۔"

"شکریہ ڈیر۔" گریس نے نوٹ لے کر جراب میں اُڑستے ہوئے کہا۔ "گڈ نائٹ۔"

"گڈ نائٹ ڈیر۔ یہیں سڑک پر سے ٹیکسی آسانی سے مل جائے گی۔" برونو فالکنر دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

برونو کے سر کے ایک حصّے میں درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ اسٹوڈیو میں واپس لوٹ کر وہ چند لمحے ڈائس پر رکھے مجسموں کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر اس کا ہاتھ میز پر رکھے سگار بکس کی طرف بڑھا۔ سگار بکس خالی تھا۔ اس نے ساری جیبیں ٹٹولیں۔ بار کے پیچھے دیکھا۔ لیکن اُسے ناکامی ہوئی۔ کہیں کوئی سگریٹ نہیں تھا۔ اچانک اس کی نظر فرش پر اسٹول کے پاس پڑے ہوئے دستانوں پر پڑی۔ گریس جلدی میں اپنے دستانے بھول گئی تھی دفعتاً کسی خیال کے تحت فالکنر نے دستانے اٹھا کر جیب میں ٹھونس لیے اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

باہر سرد ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ اور بارش پورے زور و شور سے ہو رہی تھی۔

www.taemeernews.com

* * *

گنرڈوڈل کا اصل نام بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔ وہ کسی زمانے میں رائل آرٹلری میں توپچی تھا۔ اور بہترین نشانہ باز ہونے کی وجہ سے گنر کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن معمولی سی بات پر اپنے کسی ساتھی کو زدوکوب کرنے پر اُسے فوج سے نکال دیا گیا تھا فوج سے نکالے جانے کے کچھ عرصے بعد اُس نے باقاعدہ باکسنگ میں حصّہ لینا شروع کیا اور جلد ہی اپنے جارحانہ کھیل کی بدولت گنرڈوڈل کے نام سے ہر طرف جانا پہچانا جانے لگا۔

گنرڈوڈل میں ترقی کرنے کی غیر معمولی صلاحیت موجود تھی شاید وہ باکسنگ میں بہت نام پیدا کرتا لیکن ایک غیر معمولی ۔ نتیجے ۔ ۔ ۔ کی ۔ ۔ ۔ نے ۔ ۔ ۔ سے کا رُخ موڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یوں باکسنگ کے ایک مقابلے کے دوران اس کا حریف ہیری جونز اس کے زوردار گھونسوں کی تاب نہ لاکر رنگ میں گر کر مر گیا اور باکسنگ بورڈ نے ہمیشہ کے لیے اُس کا لائسنس منسوخ کر دیا۔ اس کے بعد گنرڈوڈل کچھ عرصے کے لیے یونہی بے کار پھرتا رہا اور پھر بڑی ہی کامیابی اور چالاکی سے نقب زنی کی وارداتیں کرنے لگا۔ وہ بلی کی طرح پنجوں کے بل ہر جگہ چڑھ جاتا تھا۔ بدقسمتی سے ایک روز وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور اُسے پانچ سال کے لیے اندر بھیج دیا گیا نوڈ لوانر نگ کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہونے پر فرار کے متعلق گنرڈوڈل کے ذہن میں دور دور تک کوئی خیال نہ تھا اس نے ڈھائی سال کی قید کاٹ لی تھی اور دس ماہ بعد وہ پیرول پر رہا ہونے والا تھا لیکن یہاں بھی اس کی بدنصیبی آڑے آئی تھی

ایک دن پہلے گنرڈوڈل کو ایک سو چار درجے کا بخار تھا اور اس کے پیٹ کے اندر جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت کوئی تکلیف نہیں تھی۔ بخار اُتر چکا تھا اور چہرے پر صرف نقاہت کے آثار تھے ہسپتال کے کمرے میں وہ اپنی آنکھیں موندے پڑا تھا اور داخلی دروازے کے پاس دیوار کے ساتھ کرسی ڈالے کانسٹیبل جون بیٹھا تھا۔ جو اس کی نگرانی پر مامور تھا۔

باہر راہداری کے ننگے فرش پر ہیل کی ٹک ٹک کی آواز آہستہ آہستہ اس کے کمرے کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔ اور تھوڑی دیر بعد ایک نرس اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہیلو سسٹر! اسے ہسپتال سے کب فارغ کیا جائے گا۔" کانسٹیبل جون نے گنر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا! "میں تو یہاں بیٹھے بیٹھے تنگ آگیا ہوں۔"

"بخار تو اب بالکل نہیں ہے!" نرس نے گنر کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔ بس ایک آدھ دن کی بات اور ہے۔ تم اگر چاہو تو نیچے کینٹین پر کافی وغیرہ پی سکتے ہو۔ میں یہاں بیٹھی ہوں تمہارا مجرم اس وقت سو رہا ہے۔ اور ویسے بھی یہ اس حالت میں بھاگ کر کہاں جائے گا۔"

کانسٹیبل جون کو بہت دیر سے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ فوراً ہی اُٹھتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے میں ایک کپ چائے پی کر اور سگریٹ لے کر دس منٹ میں آتا ہوں۔ تم ذرا اس کا دھیان رکھنا سسٹر۔"

"بے فکر رہو۔" نرس گنر کے بیڈ کے نزدیک رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

گنر نے آنکھوں کی جھری میں سے نرس کو اپنے قریب بیٹھے ہوئے دیکھا اور ایک دم اُسے شرارت سوجھی۔ نرس ۔ ۔ ۔ سال کی ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس نے چپکے سے ہاتھ بڑھا کر نرس کا بازو پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا اور منہ سے ایک خوفناک آواز نکالی نرس بوکھلا کر ایک دم اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اسے خوف زدہ نگاہوں سے گھورنے لگی۔ گنر اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر ایک آنکھ میچ کر شرارت سے ہنسا۔ نرس سنبھلنے کہا بھی۔ اس نے خود کو سنبھالا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ گنر کو معلوم تھا کہ وہ ڈر کے مارے دوبارہ کمرے میں نہیں آئے گی۔ اور کانسٹیبل جون پندرہ منٹ سے پہلے واپس نہیں لوٹے گا۔ چنانچہ فرار ہونے کا اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ہاتھ آئے گا۔

گنر کے ذہن میں خیال بھی آیا کہ سزا ختم ہونے میں صرف دس ماہ رہ گئے ہیں۔ لیکن دس ماہ اس وقت اسے صدیوں کے برابر لگ رہے تھے۔ اس نے لات مار کر کمبل ایک طرف پھینکا اور اُٹھ کر فرش پر آ رہا۔ گنر نے جیل میں بھی اپنی صحت کا خاص خیال رکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ دیوار کے ساتھ رکھے لاکر کی جانب بڑھا۔ تو کمر کا سرا ایک لمحے کے لیے چکرایا۔ اس کے علاوہ وہ کوئی اور کمزوری محسوس نہیں کر رہا تھا۔ لاکر کے اندر ایک پرانا ڈریسنگ گاؤن پڑا تھا۔ اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن اسے جوتے کہیں نظر نہیں آئے۔ سوچنے سمجھنے کا زیادہ ٹائم نہیں تھا اس نے جلدی سے گاؤن پہنا اور ننگے پاؤں ہی راہداری میں نکل گیا۔ راہداری میں کسی نے اُس کی جانب کوئی توجہ نہیں دی وہ سیدھا آگے بڑھتا چلا گیا۔ راہداری کے اختتام پر لفٹ نظر آ رہی تھی۔ لفٹ کے ذریعے نیچے جانا خطرناک ہو سکتا تھا لفٹ کو چھوڑ کر اس نے سیڑھیوں کا رُخ کیا۔ سیڑھیاں اُتر کر وہ نیچے پہنچا تو سامنے ہی باہر جانے کا گیٹ نظر آ رہا تھا۔ گیٹ کے اوپر مرکری کا ایک بلب روشن تھا۔ اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔

www.taemeernews.com

دور کہیں قدموں کی بھاگ دوڑ سنائی دی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

* * *

"تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ ننگے پاؤں یہاں سے فرار ہوا ہو گا۔" کانسٹیبل براڈی نے کہا۔

"یہ بات ذہن میں رکھو کہ اس کے پاس زیادہ ٹائم نہیں تھا۔ اور اس خراب موسم میں وہ زیادہ دور نہیں جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں وہ ضرور کسی دوست کے ہاں پناہ لینے کی کوشش کرے گا۔ جو یہاں کہیں نزدیک ہی رہتا ہو۔" سارجنٹ ملر نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لڑکی مونا ہیرنگٹن کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جو گنر سے اکثر حوالات میں ملنے آیا کرتی تھی۔ اور جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا۔" براڈی نے جیسے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہا۔ "وہ یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر جوبلی ٹیرس کے علاقے میں ایک فلیٹ میں رہتی ہے اور آج کل دھندا کر رہی ہے۔"

"ہاں مجھے وہ آرٹسٹ لڑکی اچھی طرح یاد ہے۔ اس کی عمر بمشکل سترہ برس ہوگی۔" ملر نے جواباً کہا۔ "لیکن ایک بات کا دھیان رکھنا اگر تم نے گنر ڈونل کو ذرا سا بھی موقع دیا تو کئی ایک ہفتے تک تم اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکو گے۔"

* * *

ہسپتال سے فرار ہونے کے بعد گنر ڈونل کو احساس ہوا کہ اگر اس نے جلد ہی کہیں پناہ نہ لی تو وہ سردی سے ٹھٹھر کر مر جائے گا۔ سرد ہوا کے تھپیڑے اس کے جسم سے بری طرح ٹکرا رہے تھے۔ اور بارش گویا اس کے جسم پر ہتھوڑے برسا رہی تھی لیکن بارش کا ایک فائدہ بہرحال ہوا تھا۔ وہ یہ کہ گلیاں اور سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ وہ ایک جگہ رک کر اپنے اگلے اقدام کے بارے میں سوچنے لگا۔ اچانک اس کی نظر سامنے لگے ہوئے جوبلی ٹیرس کے سائن بورڈ پر پڑی۔ ایک دم سے اس کے دماغ میں روشنی کا جھماکا ہوا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا "مونا ہیرنگٹن" مونا ہیرنگٹن اسے دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی۔ قید کے پہلے چھ ماہ کے دوران وہ اسے بڑی باقاعدگی سے خط لکھتی رہی تھی اور پھر آہستہ آہستہ اس کے خط آنا بند ہو گئے تھے۔ سب سے اہم بات یہ کہ مونا ہیرنگٹن ۱۶۔ جوبلی ٹیرس میں رہتی تھی۔ جو وہاں سے دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ ممکن ہے کہ وہ اب بھی وہیں رہتی ہو۔ وہ ایک نئے عزم کے ساتھ چل پڑا۔ مونا ہیرنگٹن ٹاپ فلور پر رہتی تھی۔ گنر نے دور ہی سے دیکھا اس کے فلیٹ میں روشنی ہو رہی تھی سیڑھیوں کے نزدیک دیوار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے لیٹر بکس لگے ہوئے تھے۔ وہاں رہائش پذیر افراد کے نام ہر لیٹر بکس پر علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے تھے۔ خوش قسمتی سے تیسری ہی قطار میں مونا ہیرنگٹن کا نام نظر آ رہا تھا۔ گنر ڈونل بے اختیار مسکرایا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

* * *

مونا ہیرنگٹن اس وقت رائل نیوی کے ایک ملاح کے ساتھ تھی جو شاید چھٹی پر گھر آیا تھا۔ گاؤن پہن کر اس نے سگریٹ سلگایا۔ ملاح اس وقت تھکن سے چور غنودگی میں تھا۔ مونا آہستگی سے بستر سے اٹھی اور اچانک اس کی نظر کرسی کے ساتھ فرش پر پڑی ہوئی یونیفارم پر پڑی۔ اس نے آگے بڑھ کر یونیفارم اٹھائی اور پینٹ کی جیب سے بٹوہ نکل کر فرش پر گر پڑا۔ بٹوے میں اسّی پونڈ تھے۔ غالباً یہ اس کی چھٹی کی تنخواہ تھی۔ مونا نے پانچ پانچ پونڈ کے دو نوٹ نکال کر چٹائی کے نیچے چھپا دیے اور یونیفارم کھونٹی پر لٹکا دی۔ ملاح کو کروٹ لیتے دیکھ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئی اور اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔

اچانک دروازے پر دستک سنائی دی اور ملاح ایک دم جاگ گیا۔

"اس وقت کون آ مرا ہے۔" ملاح نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اب کپڑے پہنو اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔ رات بھی زیادہ نہیں گزری ہے۔ اور مجھے اور بھی بہت سے کام نپٹانے ہیں۔" مونا نے ترشی سے کہا۔ لیکن اپنے طور پر وہ حیران تھی۔ کہ اس وقت کون آ سکتا ہے۔

دستک دوبارہ ہوئی اور مونا دروازے کی جانب بڑھی۔

"کون ہے؟" اس نے دروازے پر پہنچ کر پوچھا۔

"مونا دروازہ کھولو۔" گنر کی جانی پہچانی آواز سنائی دی اور اس نے ایک دم دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر ہسپتال کا ڈریسنگ گاؤن پہنے، ننگے پاؤں، پانی میں تر اور گنر کھڑا مسکرا رہا تھا اور بارش کے قطرے اس کے جسم سے زمین پر ٹپک رہے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر حیرت کے مارے منجمد ہو کر رہ گئی۔

"مجھے اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی ڈارلنگ۔ میں سردی کے مارے مرا جا رہا ہوں۔" گنر نے کہا اور وہ ایک دم چونک کر رہ گئی۔

جیسے ہی گنر اندر داخل ہوا ملاح اچھل کر بستر سے نیچے آ رہا۔

www.taemeernews.com

"میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو مسٹر۔ لیکن اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" ملاح نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"تم تو پہلے سے بھی حسین لگ رہی ہو ڈارلنگ۔" گنر نے ملاح کو نظر انداز کرتے ہوئے سچے دل سے اس کی تعریف کی۔

ملاح نوجوان، صحت مند اور جذباتی تھا۔ اس کے علاوہ وہ خود کو لڑنے بھڑنے میں کافی ہوشیار سمجھتا تھا۔ وہ جارحانہ انداز میں گنر ڈوئل کی جانب لپکا۔ اور یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ گنر نے اسے گھونسوں پر رکھ لیا اور مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ نیچے گر کر بے ہوش ہو گیا۔

"مجھے پہننے کے لیے کوئی کپڑے دو تاکہ میں اس بیہودہ ڈریسنگ گاؤن سے نجات حاصل کر سکوں۔" گنر ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

"لیکن گنر یہ سب کچھ کیا ہے۔؟" مونا ہیرنگٹن ایک دراز کھول کر تولیہ نکالتے ہوئے بول۔ ابھی تک اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے ہنی۔ وہ لوگ مجھے چیک اپ کے لیے ہسپتال لے گئے تھے۔ جونہی مجھے موقع ملا۔ میں وہاں سے نکل بھاگا۔ کوئی کپڑے ملے ہیں؟" گنر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں تمہارے پہننے کے لیے کوئی کپڑے نہیں ہیں۔ سب زنانہ جوڑے ہیں۔" مونا اس کی جانب تولیہ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ میں یونیفارم پہن لیتا ہوں۔" گنر کی نظر کھونٹی سے لٹکی ہوئی یونیفارم پر جم گئی۔

گنر ڈوئل ابھی یونیفارم پہن کر فارغ ہوا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ گنر ننگے پاؤں ہی دروازے کی اوٹ میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

"کون ہے؟" مونا ہیرنگٹن نے اونچی آواز میں کہا۔

"میں ہوں مسز گولڈبرگ ڈیئر۔ میں تم سے ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔" فلیٹ کی مالکہ کی اونچی اور واضح آواز سنائی دی۔

"فلیٹ کی مالکہ ہے۔" مونا نے سرگوشی میں کہا اور پھر اونچی آواز میں بولی۔ "تم صبح تک انتظار نہیں کر سکتیں مسز گولڈبرگ۔"

"بہت ضروری بات ہے ڈیئر۔"

"اب بتاؤ میں کیا کروں؟" مونا بے بسی سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ اسے اندر بلا لو۔ میرے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ میرا لانگ فرینڈ ہے۔" گنر ملاح کو بیڈ کے نیچے دھکیلتے ہوئے کہنے لگا۔

مونا ہیرنگٹن نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اس کی چیخ نکل گئی۔ سارجنٹ ملر اسے ایک طرف دھکیل کر اندر داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے براڈی اور گشتی پولیس مین تھا۔

"ہیلو گنر، کہو کیا حال چال ہے؟" ملر خوش دلی سے مسکرایا

"یہ کیا بات ہوئی سارجنٹ۔" گنر اونچی آواز میں ہنسا۔

"مجھے یہاں آئے ہوئے ابھی پانچ منٹ نہیں ہوئے ہیں اور تم لوگ آن پہنچے ہو۔"

اچانک گنر نے مونا ہیرنگٹن کو دھکا دیا اور وہ سارجنٹ پر جا گری۔ دوسرے ہی لمحے وہ باورچی خانے میں جا گھسا۔ براڈی اس کے پیچھے لپکا اور باورچی خانے کا دروازہ بڑے زور سے اس کے منہ سے ٹکرایا۔ گنر نے بڑی پھرتی سے اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔ باورچی خانے کی کھڑکی سے پانچ فٹ کے فاصلے پر گٹر پائپ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ ایک پاؤں کھڑکی پر ٹکا کر وہ بغیر کسی دشواری کے گٹر پائپ لائن تک جا پہنچا۔ اور بارش اور تاریکی کی پروا کیے بغیر کسی بندر کی طرح نیچے اترتا چلا گیا۔

سارجنٹ ملر اور کانسٹیبل براڈی اپنا لباس درست کر رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک اور گشتی پولیس مین اندر داخل ہوا۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا اور منہ سے بمشکل آواز نکل رہی تھی۔

"جوبلی پارک میں ایک عورت کی لاش ملی ہے سر اور چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری موقع واردات پر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔" پولیس مین نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

سارجنٹ ملر ایک دم افسردہ نظر آنے لگا۔ "لگتا ہے کہ پُراسرار قاتل ایک بار پھر ہماری آنکھوں میں دھول جھونک گیا ہے۔" وہ ایک بار پھر طویل سانس لے کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

سارجنٹ ملر اور کانسٹیبل براڈی جب موقع واردات پر پہنچے تو وہ دن بھر گشتی کاریں کھڑی تھیں۔ اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کے شعبۂ قتل کا سراغرساں چیف سپرنٹنڈنٹ جارج میلوری بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔

جارج میلوری پینتالیس سال کا چڑچڑا اور بدمزاج پولیس آفیسر تھا۔ اس کے ماتحت عام طور سے اسے پسند نہیں کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

کیونکہ اُسے فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی سے سخت نفرت تھی۔ جارج میلوری نے سارجنٹ ملر کو اس کی ذہانت، تیزی اور اپنے کام سے بے پناہ لگن کی وجہ سے بے حد پسند کیا تھا۔ لیکن اپنے تاثرات کو چھپانا اُسے خوب آتا تھا۔ اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے تم؟" ملر پر نظر پڑتے ہی اس نے پوچھا۔

ملر نے گنر ڈوئل کے فرار کے متعلق بتایا۔

ملر کی پوری بات سن کر اس نے ہنکارا بھرا اور بولا۔ "ٹھیک ہے۔ اب ذرا میرے ساتھ آؤ اور لاش پر ایک نظر ڈال لو۔"

ایک طرف خیمہ نصب تھا اور اس کے نیچے اسٹریچر پر لاش چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔

"ٹوٹی ہوئی گردن سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا کہ یہ اسی پُراسرار اور جنونی قاتل کا کارنامہ ہے۔" میلوری خیمے کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہمیں سب سے پہلے اس بات کا پتا چلانا ہے کہ مقتولہ تھی کون؟ اُس کے ہینڈ بیگ سے برآمد ہونے والی چیزوں سے تو اس کی شناخت میں کوئی مدد نہیں ملتی ہے۔"

ملر نے ٹارچ روشن کر کے جھک کر لاش کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اور ایک دم وہ بُری طرح چونک اٹھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہوتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "میں بتا سکتا ہوں کہ مقتولہ کون تھی۔"

"تو کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"اس کا نام پیکرڈ تھا جناب۔" ملر نے ہولے سے کہا۔ "گریس پیکرڈ۔"

* * *

جونہی گنر ڈوئل کے پاؤں زمین سے ٹکرائے وہ وہاں سے اندھا دھند بھاگا۔ ایک گلی سے دوسری میں، بغیر پیچھے دیکھے وہ بھاگتا چلا گیا۔ بالآخر وہ ایک جگہ دم لینے کے لیے رُکا تو اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ لیکن وہ خوف زدہ ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے اندر ایک سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ اُسے آزادی کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ آزادی کسی بھی لمحے سلب ہو سکتی ہے۔ کچھ دیر سانس درست کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کی نظر گلی کے کونے پر کھڑی ایک پولیس کار پر پڑی۔ ایک کانسٹیبل دروازے پر جھکا ڈرائیور سے بات کر رہا تھا۔ وہ فوراً واپس مڑا اور ابھی وہ گلی کے درمیان ہی پہنچا تھا کہ اُسے ایک پولیس مین موٹر سائیکل پر سامنے کی طرف آتا دکھائی دیا۔ موٹر سائیکل سوار نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ اور وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

گنر تیزی سے بھاگا اور دو گھروں کے درمیان ایک چھوٹی سی جگہ دیکھ کر وہاں گھس گیا۔ اس نے خود کو ایک صحن میں پایا۔ اور سامنے ہی ایک پندرہ فٹ لمبی پتھروں کی دیوار نظر آ رہی تھی۔ وہ تیزی سے دیوار پر چڑھتا چلا گیا اور جب پولیس مین صحن میں پہنچا تو وہ دوسری طرف کود کر پارک کی سمت میں بھاگ رہا تھا۔ اور اس کے پیچھے وسل کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

گنر ڈوئل کسی ایسی محفوظ جگہ کی تلاش میں تھا جہاں رک کر وہ مستقبل کا لائحہ عمل تیار کر سکے۔ بالآخر ایک ایسی جگہ اُسے مل ہی گئی۔ یہ ایک بہت بڑا گیراج تھا جس کے اندر ایک طرف دیوار کے ساتھ ایک دوسرے کے متوازی چار ٹرک کھڑے تھے۔ گیراج کے آخری کونے پر ایک کمرہ تھا جس کی کھڑکی کے پردوں میں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ گیراج کے باہر دیوار پر بورڈ لگا ہوا تھا۔

ہنری کراؤتھر اینڈ سنز۔ ٹرانسپورٹرز

گنر نے کھڑکی میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ ایک طرف آتش دان میں انگارے دہک رہے تھے اور آتش دان کے سامنے ایک سفید بالوں والی بڑھیا بیٹھی ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگریٹ تھا اور دوسرے ہاتھ میں وہسکی کا گلاس نظر آ رہا تھا۔ بڑھیا سے تھوڑے فاصلے پر ایک خوبصورت عورت ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال سنوار رہی تھی۔

گنر کو فی الفور یہ خیال ہی نہیں رہا کہ وہ ننگے پاؤں ہی بھاگ دوڑ رہا ہے۔ اب اس کے پاؤں میں درد سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور سردی اُسے الگ ہلکان کیے دے رہی تھی۔ وہ ایک ٹرک کے نیچے لیٹا سوچ رہا تھا۔ لائٹ بجھنے کے بعد وہ کس طرح گھر کے اندر داخل ہو سکتا ہے تاکہ اُسے یہاں کچھ کھانے کے لیے مل جائے۔ جوتے یا کوئی پُرانی برساتی ہی ہاتھ لگ جائے۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک ہوٹل تھا۔ یہاں رات کو لمبا سفر کرنے والے ٹرک ڈرائیور اکثر رُکتے تھے۔ وہ کسی بھی ٹرک کے پیچھے چھپ کر پولیس والوں کی دسترس سے میلوں دُور جا سکتا تھا۔

گنر ڈوئل اپنی سوچوں میں اتنا گم تھا کہ اُسے پتا ہی نہیں چلا کہ ایک تاریک انسانی ہیولہ کب گیراج کے اندر داخل ہو کر ایک طرف کونے میں رکھے ہوئے تیل کے ڈرموں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا ہے۔

* * *

جینی کراؤتھر بائیس سال کی ایک نازک اندام اور حوصلہ

www.taemeernews.com

سندر لڑکی تھی۔ اور اپنی دادی کے ساتھ اس گھر میں رہتی تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھ کر اپنی دادی کے پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر ٹیلی ویژن دیکھتی رہی۔ اور پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں باہر صحن سے کوڑا لے آؤں دادی۔ پھر جائے بنا کر پیتے ہیں۔"

جینی نے ایک پرانی برساتی پہنی اور کوڑوں کی بالٹی اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ کوڑے کے ڈرم کے پاس ہی تھی کہ اسے ایک دم خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے ایک دم گردن موڑ کر دیکھا ایک انسانی سایہ اس کے پیچھے کھڑا تھا جس کی انگاروں جیسی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اور پھر دو مضبوط ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے۔

گنر تیزی سے ٹرک کے نیچے سے نکل کر دوڑتا ہوا آیا اور قریب پہنچ کر اس شخص کے پیٹ پر پوری قوت سے گھونسہ رسید کیا۔ گنر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ہاتھ کسی سخت چٹان سے ٹکرایا ہو۔ وہ شخص بے پناہ قوت کا مالک تھا۔ اس نے لڑکی کو ایک طرف پھینکا اور گنر کی طرف مڑا۔ ایک لمحے کے لیے گنر کو اس کا چہرہ واضح طور پر نظر آیا۔ اس کے لب بھنچے ہوئے تھے اور حلق سے غراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس نے لپک کر گنر کو گردن سے دبوچا اور ایک جھٹکے سے ایک طرف اچھال دیا۔ گنر ایک ٹرک سے ٹکرا کر گھٹنوں کے بل زمین پر آ رہا۔ وہ شخص غصے سے پھنکارتا ہوا دوبارہ گنر کی جانب بڑھا کہ پشت سے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور جینی کی دادی نے ہاتھ میں شارٹ گن لیے کڑک دار آواز میں کہا۔ "خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو میں گولی مار دوں گی۔"

وہ شخص ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ جم کر رہ گیا اور پھر اچانک بھاگ کھڑا ہوا۔

"اے مسٹر! چلو تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" دادی شارٹ گن کا رخ گنر کی طرف کر کے بولی جو زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نہیں دادی، اس شخص نے تو آ کے مجھے بچایا ہے۔" جینی اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے ہوئے بولی۔ اور گنر ڈوئل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کوئی اور عورت ہوتی تو شاید کئی دن تک اس صدمے سے نہ سنبھل پاتی۔

جینی نے اسے ملاح کی یونیفارم پہنے ننگے پاؤں دیکھا تو بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس پڑی۔

"تم کہاں سے نازل ہوئے ہو؟" جینی نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ایک منٹ!" بوڑھی عورت نے جینی کی طرف مڑتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا۔ "میں بتاتی ہوں ننگے پاؤں اور ملاحوں جیسا لباس، ابھی ٹیلی ویژن پر اس کے بارے میں بتایا گیا ہے یہ ڈوئل گنر ہے۔"

"ڈوئل گنر؟" جینی نے پوچھا۔

"ہاں، ڈوئل گنر، باکسر تمہارا ڈیڈی، مجھے اکثر اپنے ساتھ باکسنگ کے مقابلے دیکھنے کے لیے ٹاؤن ہال لے جایا کرتا تھا۔ اسے پانچ سال کی سزا ہوئی تھی۔ بیماری کی وجہ سے یہ جنرل ہسپتال میں داخل تھا کہ آج رات یہ وہاں سے فرار ہو گیا۔"

جینی نے آگے بڑھ کر بڑھیا سے شارٹ گن لے لی اور ملامت سے بولی۔ "یہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا دادی۔ یہ زخمی ہے۔ اسے مرہم پٹی کی ضرورت ہے۔"

☆ ☆ ☆

جب اطلاعی گھنٹی بجی تو فالکنر ڈرائنگ بورڈ پر جھکا تیوری چڑھائے نہایت احتیاط اور یکسوئی کے ساتھ اسکیچ مکمل کر رہا تھا لیکن وہ کوئی توجہ دیے بغیر اپنے کام میں مصروف رہا۔ گھنٹی دوبارہ بجی۔ اس نے اسکیچ کو ڈرائنگ پیپر سے ڈھانپا اور بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

دروازے پر چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری اور سارجنٹ مرکھرسٹ تھے۔ فالکنر نے انہیں دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

"مسٹر فالکنر۔" میلوری نے نرمی سے کہا۔ "میں چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری ہوں اور میرا خیال ہے کہ سارجنٹ ملرے نرس کی چیخ پر ہم تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں نہیں۔" فالکنر انہیں راستہ دیتے ہوئے بولا۔ "مجھے آپ لوگوں کی مدد کر کے خوشی ہوگی۔"

"ہم گریس بیکمینڈ کے بارے میں چند سوال پوچھنا چاہتے ہیں وہ ایک گھنٹہ پہلے یہاں سے تھوڑی دور حویلی پارک کے پاس مردہ پائی گئی ہے۔ اس کی گردن ٹوٹی ہوئی تھی۔ ہماری معلومات کے مطابق جوانا کی پارٹی سے تم دونوں اکٹھے نکلے تھے۔" میلوری نے نرم اور ٹھوس لہجے میں کہا۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ دونوں پولیس مین گہری نگاہوں سے فالکنر کا جائزہ لے رہے تھے۔ فالکنر حیران پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور دو تین گہرے کش لے کر دیوار گیر کلاک پر نظریں دوڑائیں

www.taemeernews.com

گیارہ بج کر پینتیس منٹ ہو رہے تھے۔

"گریس یہاں سے کس وقت گئی تھی؟" میلوری نے پوچھا۔

"یہاں سے وہ تقریباً ساڑھے نو بجے گئی تھی۔" فالکنر نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ اپنے اعصاب پر حیرت انگیز طور پر قابو پا چکا تھا۔

"تم اُسے یہاں اپنے ساتھ کیوں لے کر آئے تھے؟" ملر نے پوچھا۔

"میں ایک مجسمہ ساز ہوں سارجنٹ۔ تمہارے پیچھے ڈائس پر جو چار مجسمے رکھے ہوئے ہیں۔ میں آج کل ان پر کام کر رہا ہوں۔ میں مس گریس کو اس لیے ساتھ لے کر آیا تھا کہ اسے ان مجسموں کے ساتھ کھڑا کر کے دیکھ سکوں اور اگر مناسب ہو تو ایک مزید مجسمے پر کام شروع کر سکوں۔ یہاں وہ دس منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہری ہوگی اس کام کے لیے میں نے اُس سے پانچ پونڈ کا وعدہ کیا تھا لیکن میں نے اُسے دس پونڈ دیے تھے تاکہ اگر پھر مجھے اس کی ضرورت پڑے تو وہ بخوشی یہاں آسکے۔" فالکنر نے تفصیل سے بتایا اور ایک لمحے کے توقف کے بعد پوچھا "کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے سارجنٹ؟"

"یہ ایک غیر رسمی سی کارروائی ہے تاکہ کسی نتیجے پر پہنچنے میں ہمیں مدد مل سکے۔" میلوری نے کہا "لیکن یقیناً تم اپنے وکیل کو بلانے کا حق رکھتے ہو۔ ممکن ہے ہم تم سے دوبارہ رابطہ قائم کریں۔ اُمید ہے کہ تم معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو گے۔"

وہ دونوں جانے کے لیے دروازے کی جانب بڑھے اور فالکنر نے دروازہ کھولا۔

"گریس کے بوائے فرینڈ کے متعلق کیا خیال ہے مسٹر فالکنر؟"

فالکنر نے کہا "میرا خیال ہے کہ اس کا نام ہیرلڈ ہے۔ گریس کنگز آرمز بار میں اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ میرے دعوت دینے پر وہ میرے ساتھ پارٹی میں چلنے کے لیے آمادہ ہو گئی تھی۔ ہم بار سے نکل ہی رہے تھے کہ ہیرلڈ آن پہنچا۔ اور اُسے اس بات پر مجھ سے زیادہ گریس پر غصہ تھا۔"

"لیکن تمہیں اس لڑکی کو پارٹی میں مدعو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میلوری نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اُسے بار میں تنہا بیٹھے دیکھ کر مجھے اُس پر ترس آگیا تھا۔ اور ویسے بھی وہ ایک دلکش عورت تھی۔ پوچھو اپنے سارجنٹ سے، پارٹی میں یہ بھی تو اُس سے خوب شکر ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"شکریہ فالکنر۔" میلوری نے کہا "میں لڑکی کے بوائے فرینڈ ہیرلڈ کو ضرور ذہن میں رکھوں گا۔ گڈ نائٹ۔"

فالکنر تیوری چڑھائے واپس مڑا۔ چند لمحے وہ کسی سوچ میں گم کھڑا رہا۔ اور پھر ڈرائنگ بورڈ پر جھک کر تیزی سے اپنے اسکیچ پر کام کرنے لگا۔

❖ ❖ ❖

باہر گلی میں ابھی تک تیز بارش ہو رہی تھی۔ کانسٹیبل برڈی ڈرائیور کے ساتھ میلوری کی گاڑی میں بیٹھا اُن کا انتظار کر رہا تھا۔

"تم کسی نتیجے پر پہنچے ہو ملر؟" میلوری نے پوچھا۔

"مجھے تو اس کی کہانی پر یقین نہیں آیا کہ وہ لڑکی کو محض پوز دینے کے لیے لے کر آیا تھا۔" ملر نے شانے اُچکائے۔

"فی الحال اس کی بات پر یقین کیے بغیر چارہ نہیں ہے لیکن اس کی ایک بات بالکل سچ معلوم ہوتی ہے کہ لڑکی کا منگیتر ہیرلڈ لڑکی کی جان کے درپے تھا۔" میلوری کانسٹیبل برڈی کی طرف مڑا۔ "تم مقتولہ کے باپ سے رابطہ قائم کر کے اس کے منگیتر کا ایڈریس معلوم کرو۔ اور اسے کرسبڈ کوارٹر پہنچو۔"

"میرے متعلق کیا حکم ہے سر؟" ملر نے پوچھا۔

"تم واپس جا کر معلوم کرو کہ فالکنر اور گریس اتنی جلدی پارٹی سے واپس کیوں آگئے تھے جبکہ اس جہنمی پارٹی نے تو بہت دیر تک جاری رہنا تھا۔" میلوری نے کہا اور اس کی گاڑی بارش میں آگے بڑھ گئی۔

❖ ❖ ❖

پارٹی تھوڑی دیر پہلے ختم ہو چکی تھی۔ مہمان اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ صرف جیک مورگن اور فرینک مارلو جانے سے پہلے آخری جام پینے کے لیے رُک گئے تھے۔ اطلاعی گھنٹی بجی۔ جوانا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دروازے میں سارجنٹ ملر کھڑا تھا۔

"کیوں ملر خیریت تو ہے۔؟" جوانا نے اُلجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ وہ اُسے دوبارہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"آج برونو کے ساتھ جو لڑکی آئی تھی... " ملر نے بات کا آغاز کیا۔

"گریس پیکرڈ۔؟"

"ہاں گریس پیکرڈ۔ جوبلی پارک کے نزدیک وہ مُردہ پائی گئی ہے۔ اُس کی گردن ٹوٹی ہوئی ہے۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ہر شخص دوسرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا۔

"میں ابھی برونو سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس کا کہنا ہے کہ

www.taemeernews.com

میں اس کے فلیٹ میں دس منٹ سے زیادہ نہیں رکی تھی وہ مجھے پوز بلنے کے لیے اپنے ہمراہ لے گیا تھا کیا یہ غیر معمولی بات نہیں تھی کہ تمہارا منگیتر پارٹی درمیان میں چھوڑ کر چلا گیا تھا؟"

جوانا ابھی کوئی جواب نہ دینے پائی تھی کہ آنٹی میری براڈفورڈ پھٹ پڑی: "وہ پارٹی بیچ میں چھوڑ کر اس لیے چلا گیا تھا کیونکہ اسے یہاں سے چلے جانے کو کہا گیا تھا۔"

"آنٹی پلیز۔" جوانا نے میری براڈفورڈ کو روکنا چاہا لیکن آنٹی میری نے جوانا کے روکنے کی پرواکیے بغیر سارا واقعہ سنا دیا۔

"کیا تمہیں میرے منگیتر پر شبہ ہے؟" جوانا نے تیزی سے کہا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ "میں نے تمہیں اسی لیے مدعو نہیں کیا تھا کہ تم میرے ہی منگیتر کو اس معاملے میں گھسیٹ پھرو۔ میں تو تمہیں اپنا دوست سمجھتی تھی۔"

"جھوٹ مت بولو جوانا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نے مجھے کیوں مدعو کیا تھا... اس لیے کہ میرا بھائی جیک ملر ناروِرن ٹیلی ویژن کا ڈائریکٹر ہے۔ اور تمہیں کہیں سے پتہ چل گیا تھا کہ اس سہ ماہی کے اختتام پر وہاں تمہاری سیریز ختم کی جا رہی ہے۔"

"یہ تم کس طرح بات کر رہے ہو۔" آنٹی نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔ "میں تمہارے حکامِ بالا سے تمہاری شکایت کروں گی سمجھے۔"

"جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔" ملر نے کہا اور پھر وہ جوانا کی طرف مڑ کر بولا۔

"خواہ تم اسے پسند کرو یا نہ کرو لیکن یہ تلخ حقیقت تمہیں قبول کرنا ہوگی کہ مس گریس ہیکرڈ تمہارے منگیتر برونو فالکنر کے ساتھ یہاں سے جانے کے ایک گھنٹے کے اندر اندر قتل ہوئی ہے۔"

"تم سے دوبارہ ملاقات ہوگی مس جوانا ہارٹ مین۔" ملر دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ "امید ہے کہ اگلے چند دنوں میں تم کہیں نہیں جاؤ گی۔"

"لیکن مس ہارٹ مین نے کل لندن میں ایک اہم میٹنگ میں شرکت کرنا ہے۔" جوانا کے ایجنٹ فرینک مدلو نے کہا۔

"میں اسے لندن جانے سے نہیں روک سکتا۔ لیکن ممکن ہے فالکنر کو اس کی مدد کی ضرورت پڑے۔ اور یہاں

بٹوارہ

ایک عورت اپنی سہیلی سے بولی "میں نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی اور ہر چیز بانٹ لی حتیٰ کہ میں نے اپنے دو بچے بھی دے دیے۔"

سہیلی بولی "اور نقدی جو تھی اس کا کیا بنا؟"

"نقدی تو بچی نہیں وہ تو ہم دونوں کے وکیلوں نے آپس میں بانٹ لی۔"

موجود نہ ہو۔" ملر نے جواباً کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

●

"تم تو برونو کو بچپن سے جانتے ہو جیک۔" جوانا نے برونو فالکنر کے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔ "کیا وہ تمہارے خیال میں قتل کر سکتا ہے۔"

سارجنٹ ملر کے جانے کے بعد وہ صحیح صورتحال معلوم کرنے کے لیے فوراً ادھر چلے آئے تھے۔

"برونو غصے کا تیز ضرور ہے لیکن وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتا ہے۔ یہ پولیس والے یونہی ہر ایک کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"تمہاری بات سن کر میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔" جوانا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اوپر پہنچ کر جیک مورگن نے فلیٹ کی گھنٹی بجائی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ کافی دیر تک گھنٹی بجاتے رہے۔ لیکن برونو فالکنر نے دروازہ نہیں کھولا بالآخر مایوس ہو کر وہ واپس مڑے۔

"چلو جیک صبح دوبارہ آئیں گے۔ اس وقت برونو کو مزید پریشان کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں اپنا لندن کا پروگرام کینسل کر دوں گی۔" جوانا سیڑھیاں اترتے ہوئے کہنے لگی۔

دروازے کی دوسری طرف برونو ان کے واپس لوٹنے اور سیڑھیاں اترنے کی آوازیں سنتا رہا۔ اس کا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کے دیے ہوئے کئی کیپسول پانی سے نگلے اور کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر باہر تاریکی میں دیکھنے لگا۔ بارش کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا رہی تھی اس نے اپنی پیشانی شیشے پر ٹکا دی۔ لیکن سر میں درد کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گیا تھا۔ اچانک اسے کمرے میں

www.taemeernews.com

جیسے محسوس ہونے لگا کھلی آب و ہوا شاید سرد ہوا اس کے درد کا علاج تھی۔ اس نے بدمزاقی پہنی اور ہیٹ اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

گنر ڈونل جینی کراؤتھر کے باپ کا پرانا سویٹر اور جوتے پہنے کھانے کی میز پر بیٹھا تھا۔ اور کھانے کے بعد چائے کا تیسرا کپ پی رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے بلکہ وہ خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"بلاشبہ تم ایک حیرت انگیز شخص ہو۔ ان حالات میں بھی خوش نظر آ رہے ہو۔" جینی نے تعجب سے کہا۔

"زندگی بہت مختصر ہے ڈارلنگ ..." گنر نے تپائی پر پڑے ہوئے پیکٹ میں سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا "صرف آج کے لیے زندہ رہو کل کا کل دیکھا جائے گا بے جا فکر اور اندیشوں سے پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

جینی نے جھوٹے برتن سمیٹے اور دھونے کے لیے کچن میں چلی گئی۔ گنر اٹھ کر آگ کے قریب بڑھی کراؤتھر کے سامنے بیٹھ گیا۔

"جینی ایک اچھی ہمدرد لڑکی ہے۔ لیکن چند مہینے پہلے باپ کی ناگہانی موت کے بعد اس نے اپنے باپ کا ٹرانسپورٹ کا کام خود سنبھال لیا ہے اور کاروباری معاملات کو ٹھیک ٹھاک کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔" بڑھیا نے گنر کو بتایا۔

"کیوں کوئی مشکل پیش آ رہی ہے کیا؟"

"ظاہر ہے ہمارے پاس آٹھ ڈرائیور اور دو مکینک ہیں ہر شخص موقع ملنے پر ڈاج دینے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اصل مسئلہ فورمین جوہیرس کا ہے۔ سب سالا میں اس کے زیر اثر ہیں۔ وہ بات بات پر گیراج بند کرنے کی دھمکیاں دیتا ہے اور خوامخواہ ہر کام میں روڑے اٹکاتا رہتا ہے۔ جینی آخر اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ یہ تو مردوں کے کرنے کے کام ہیں چھوڑو اس بات کو۔ میں بھی کیا ذکر لے بیٹھی۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارے کیا ارادے ہیں۔ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں" گنر نے کندھے اچکائے "ممکن ہے میں کسی سے لفٹ لے کر یہاں سے کہیں دور نکل جاؤں۔"

"بے وقوف مت بنو لڑکے" بڑھیا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "بہتر ہے کہ تم خود کو ان کے حوالے کر دو۔"

گنر خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ لیکن گنر ہنس کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "میں اس بارے میں سوچوں گا لیکن جینی! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک آدھ گھنٹے میں یونہی بارش رکی۔ میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

گنر کچن میں پہنچا تو جینی ایپرن باندھے برتن دھو رہی تھی۔

"میں نے سنا ہے کہ کاروبار کی نگہداشت کے لیے کسی مناسب آدمی کی ضرورت ہے۔" گنر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا تم یہ کام کر سکتے ہو؟"

"کاش میں یہاں ٹھہر سکتا ڈارلنگ۔ لیکن افسوس کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔" گنر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

باہر دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور جینی حیرت سے بڑبڑائی۔ "میں نے دروازہ خود بند کیا تھا پھر یہ آواز کیسی؟"

"کسی اور کے پاس دروازے کی چابی تو نہیں ہے؟" گنر نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" جینی نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا "تم یہاں ٹھہرو۔ میں جا کر دیکھتی ہوں۔"

گنر دروازے کی اوٹ میں ہو کر کھڑا ہو گیا۔ تاکہ دیکھ سکے کہ معاملہ کیا ہے۔

جینی نے باہر نکل کر دیکھا۔ فورمین جوہیرس نشے میں دھت لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ چندھیائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے ایک ہاتھ میں چابی دبی ہوئی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو اور یہ چابی تم نے کہاں سے لی ہے؟" جینی نے غصے سے کہا "چلو یہ چابی میرے حوالے کر دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے میری جان۔" جو نشے میں جھوم کر بولا۔ "یہ چابی تو بڑے کام کی چیز ہے۔ اس کی مدد سے میں یہاں جب چاہوں بلا روک ٹوک آ جا سکتا ہوں۔"

جو نے آگے بڑھ کر جینی کو بانہوں میں جکڑنے کی کوشش کی۔ اور وہ ایک دم ایک طرف ہٹ گئی۔

"اگر تم پانچ سیکنڈ کے اندر اندر یہاں سے دفعان نہ ہوئے تو میں پولیس کو فون کرتی ہوں۔ اور پھر تمہارا جو حشر ہوگا اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔" جینی نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

پولیس کا سن کر وہ ایک دم یوں پیچھے ہٹا جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور دانت پیستے ہوئے بولا۔

www.taemeernews.com

"تم ذلیل عورت۔ مجھے ٹھکرا کر تم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ میں دیکھوں گا کل یہاں ایک بھی آدمی نظر آتا ہے۔"

جو چند لمحے اسے پُر ہوس نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گیا۔ اور جینی جو اب تک مشکل سے خود پر قابو پائے ہوئے تھی۔ اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"دل چھوٹا مت کرو ڈارلنگ۔ تم تو بہت حوصلہ مند لڑکی ہو۔ مجھے ایسے معاملات سے نمٹنا خوب آتا ہے۔ میں بس ابھی پانچ منٹ میں آتا ہوں۔" گنر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ دروازہ کھول کر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا تھا۔

•

جو ہیرس نشے میں جھومتا جھامتا سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ گنر اس پر کسی آسمانی بجلی کی طرح آن گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا گنر اسے کھینچ کر سامنے والی گلی میں لے گیا... اور اٹھا کر کچی اینٹوں کی دیوار پر دے مارا۔ درد اور تکلیف کی شدت سے بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی۔ گنر نے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ جو ہیرس کیچڑ میں لت پت زمین پر پڑا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ اس کا آخری وقت قریب آن پہنچا ہے۔

"تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" گنر اس کے قریب زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میری بات غور سے سنو کیونکہ میں اپنی بات دُہرانے کا عادی نہیں ہوں۔ تمہاری ایک ہفتے کی تنخواہ کا چیک تمہیں ڈاک کے ذریعے مل جائے گا۔ اگر آئندہ تم کبھی کرادنٹز کے گیراج کے نزدیک پھٹکے یا اور کسی قسم کی کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا سمجھے۔"

جواباً جو ہیرس کراہ کر رہ گیا۔ ڈر اور خوف کے مارے اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"اور ہاں وہ دروازے کی چابی کہاں ہے۔؟"

جو نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے جیب سے چابی نکال کر اس کے حوالے کر دی۔ اور گنر اسے ایک ٹھوکر رسید کر کے وہاں سے چلا گیا۔

جو ہیرس بڑی مشکل سے دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہوا تو بے اختیار اس کے آنسو نکل آئے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک جانب روانہ ہو گیا۔

•

جینی کرادنٹز کی چھت پر پُر اسرار فائل لیٹا اس کی تمام حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ چھت سے اٹھ کر اس پر جھپٹنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک لمحے کے بعد گنر اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا۔؟" جینی پریشانی سے بولی۔

"کچھ نہیں۔" گنر اس کی طرف چابی بڑھاتے ہوئے بولا "تم اس کی ایک ہفتے کی تنخواہ کا چیک ڈاک کے ذریعے بھجوا دینا۔ آئندہ وہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

"تمہارے زخم سے پھر خون رس رہا ہے۔ چلو میں دوبارہ تمہاری مرہم پٹی کر دوں۔" جینی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

دونوں آگے پیچھے کمرے میں چلے گئے۔ اور انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ فائل مایوس ہو کر نیچے اترا اور تاریکی میں روپوش ہو گیا۔

•

گنر نے وہسکی کا گلاس ختم کر کے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ اور کمرے میں نگاہیں دوڑا کر بولا "بوڑھی خاتون کہاں ہے۔؟"

"وہ سونے کے لیے چلی گئی ہے۔ کافی رات گزر گئی ہے۔" جینی نے جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" گنر نے کلاک کی طرف دیکھا "میں بھی بس تھوڑی دیر تک چلا جاؤں گا۔"

"جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آرام سے چلے جانا۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔" گنر نے کہا۔ اور ایک دم اسے احساس ہوا کہ وہ بہت تھکا ہوا ہے۔ اس کی آنکھیں بے اختیار بند ہوتی چلی گئیں۔ اور گہری نیند میں ڈوبنے سے پہلے ایک دم اسے احساس ہوا کہ وہ جینی کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔

•

کانسٹیبل براڈی جب بلیک برن کے علاقے میں پہنچا۔ یہاں مقتولہ گریس کا سکینز ہیرلڈ رہائش پذیر تھا تو رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ یہ ایک گنجان آباد علاقہ تھا۔ جہاں متوسط طبقے کے لوگ رہتے تھے۔

براڈی پانچ منٹ تک اطلاعی گھنٹی بجاتا رہا۔ اور پھر

www.taemeernews.com

کہیں جاکر دروازہ کھلا۔ دروازے پر ہیرلڈ ننگے پاؤں اور ایک پرانی برساتی پہنے کھڑا تھا۔ وہ بے چینی سے اپنی پلکیں جھپکا رہا تھا اور خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"میرے پاس تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے بہرطور مجھے پتا چلا ہے کہ تم مس گریس بیکرڈ سے شادی کرنے والے تھے" براڈی نے کہا۔

ہیرلڈ ایک لمحے کے لیے ساکت و صامت کھڑا رہا "کیا ہوا ہے۔؟" بلآخر اس نے پریشانی سے پوچھا "وہ خیریت سے تو ہے نا؟"

"دو گھنٹے پہلے وہ جوبلی پارک کے نزدیک مردہ پائی گئی ہے" براڈی نے اسے بتایا۔

ہیرلڈ چند لمحوں کے لیے براڈی کو خالی خالی نگاہوں سے گھورتا رہا۔ اور پھر ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر کچن کی طرف بھاگا جیسے اسے قے آرہی ہو۔ براڈی نے آگے بڑھ کر دیکھا وہ پانی کی ٹونٹی پر ہاتھ رکھے بیسن پر جھکا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تھیلی سے منہ پونچھتا واپس مڑا۔

"قتل کس طرح ہوا؟" ہیرلڈ نے پوچھا۔

"اس کی گردن ٹوٹی ہوئی تھی۔"

"آج میری اس سے کنکرآرمز بار میں ملاقات طے تھی۔ ہم دونوں نے وہاں سے ایک ڈانس پارٹی پر جانا تھا" ہیرلڈ بڑبڑایا۔

"پھر کیا مسئلہ ہوا تم لوگ گئے کیوں نہیں۔؟"

"دراصل میں لیٹ ہوگیا تھا۔ جب میں بار میں پہنچا تو وہ کسی اور آدمی کے ساتھ کہیں باہر جارہی تھی" ہیرلڈ نے وضاحت کی۔

"کیا تم اس آدمی کو پہلے سے جانتے تھے۔؟"

"نہیں۔ میں نے پہلے کبھی اس کی صورت نہیں دیکھی تھی" ہیرلڈ نے نفی میں سرہلایا۔

"اس وقت کیا ٹائم ہوا تھا۔؟"

"ساڑھے آٹھ بجے ہوں گے۔"

"کیا تم وہاں سے سیدھے گھر آگئے تھے۔؟"

"میں گریس کے رویے سے خاصا پریشان تھا میں کچھ دیر بارش میں یونہی بے مقصد آوارہ گردی کرتا رہا پھر میں نے ریلوے اسٹیشن کافی ہاؤس سے کافی پی۔ اور ساڑھے نو بجے تک گھر لوٹ آیا۔ میری ممی بستر میں تھیں۔ میں نے انہیں چائے بنا کر دی اور جاکر سوگیا۔"

"کیا تم اپنی ممی کے ساتھ یہاں اکیلے رہتے ہو۔؟"

"ہاں"

"کیا۔ وہ جلدی سونے کی عادی ہیں۔؟"

"ان دنوں اس کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اکثر آرام کرتی رہتی ہے۔"

"کہیں ہم نے اسے بے آرام تو نہیں کیا۔؟" براڈی نے ہمدردی سے سرہلایا۔

"نہیں وہ گہری نیند سو رہی ہے" ہیرلڈ نے اپنے آپ پر قابو پالیا تھا۔

"تمہیں میرے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر چلنا ہوگا مسٹر ہیرلڈ" براڈی نے کہا "چیف سپرنٹنڈنٹ سیوری تم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہے۔ مس گریس کا باپ بھی وہاں موجود ہے شاید تم مقتولہ کے بارے میں کوئی مفید بات بتاسکو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں لباس تبدیل کرکے پانچ منٹ میں آتا ہوں" ہیرلڈ بغلی دروازے میں غائب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"احمق کہیں کا" پولیس گاڑی کا ڈرائیور براڈی کی طرف ایک سگریٹ بڑھاتے ہوئے بولا "یہ سمجھتا تھا کہ قے آنے کی اداکاری کرکے ہمیں بیوقوف بنالے گا۔"

"اوہ تو تم نے بھی یہ بات نوٹ کی تھی" براڈی نے اس کی طرف تعریفی انداز میں دیکھا۔

اچانک براڈی کی نظر مینٹل پیس پر پڑی۔ یہاں ایک شیشی میں کیپسول نظر آرہے تھے۔ براڈی نے شیشی اٹھا کر اس کا لیبل پڑھا اور اس کے ماتھے پر شکنوں کا ایک جال بچھ گیا "یہ تو وہی کیپسول ہیں جو پچھلے سال ڈاکٹر نے میری بیوی کو دیے تھے۔ جب اس کا ہاتھ جل گیا تھا اور وہ درد کے مارے سو نہیں سکتی تھی" براڈی بے خیالی میں بڑبڑایا۔

"جاؤ تم جاکر کار میں بیٹھو اور جاتے وقت زور سے دروازہ بند کرکے جانا" براڈی نے ڈرائیور سے کہا۔

ڈرائیور نے پوری قوت سے ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا۔ لیکن اندر کوئی ہلچل نہیں ہوئی۔ جہاں تک کہ بغلی دروازہ کھلا اور ہیرلڈ اپنے جیکٹ کے بٹن بند کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ہیرلڈ نے اپنی برساتی اٹھائی اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

•

جوانا ہیرٹ مین کے فلیٹ سے پولیس ہیڈ کوارٹر جاتے

www.taemeernews.com

ہونے راستے میں اچانک سارجنٹ سلر کی نظر اپنے دائیں طرف گنگز آرمز بار پر پڑی اور بے اختیار اس کی گاڑی اس طرف لپکتا چلا گیا۔ بار کے مالک ہیری سیڈز سے اس کی پرانی جان پہچان تھی۔ وہ برونو فالکنز کے اس بیان کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ مقتولہ کا منگیتر ہیرلڈ گریس کو برونو کے ساتھ دیکھ کر آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

بار ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ اور ہیری گلاس دھو کر ابھی فارغ ہوا تھا۔

"کیا پیو گے۔؟" ہیری نے اسے دیکھ کر زبردستی مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "سنا ہے کسی عورت کا قتل ہو گیا ہے۔؟"

"تم نے کہاں سے سنا۔؟"

"ابھی ریڈیو پر مقامی خبروں میں بتایا جا رہا تھا۔ انہوں نے کوئی تفصیل نہیں بتائی محض اتنا بتایا ہے کہ جوبلی پارک کے نزدیک ایک عورت کی لاش پائی گئی ہے۔" ہیری نے کہا۔

"کیا کچھ پتا چلا کہ وہ عورت کون تھی۔؟"

"اس کا نام گریس پیکرڈ تھا۔" سلر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

ہیری چند لمحے اُسے بے یقینی کی حالت میں دیکھتا رہا اس کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ پھر اس نے برانڈی کی بوتل کھول کر اپنے لیے ایک بڑا جام بنایا اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

"وہ لڑکی تین چار گھنٹے پہلے یہاں تھی۔" ہیری بڑبڑایا۔

"میں جانتا ہوں ہیری۔ میں اسی لیے یہاں آیا ہوں۔" سلر نے کہا۔ "تم اس لڑکی کا نام جانتے ہو۔ کیا وہ یہاں آیا کرتی تھی۔؟"

"ہفتے میں دو تین بار۔ اور ہر دفعہ اس کے ساتھ کوئی نیا آدمی ہوتا تھا۔ اور اس سے تم اندازہ لگا لو کہ وہ کس قسم کی لڑکی تھی۔"

"اور اس کے منگیتر کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"وہ لڑکی کے ساتھ پانچ چھ دفعہ یہاں آیا تھا۔ مجھے ہیرلڈ کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔"

"کہیں ہیرلڈ اسے بلیک میل تو نہیں کر رہا تھا۔ ممکن ہے اس کے ہاتھ گریس کی کوئی خاص کمزوری آ گئی ہو۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔" ہیری نے کندھے اچکائے "پہلے ہیرلڈ کو دو تین دفعہ میں نے گریس سے پیسے لیتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"کیا ہیرلڈ نے گریس کو برونو فالکنز کے ساتھ جاتا دیکھ کر کوئی ہنگامہ بھی کیا تھا۔؟" سلر نے ایک اور سوال پوچھا۔

اور ہیری نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

"میں نے برونو کو بتا دیا تھا کہ وہ آئندہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرے۔" ہیری نے تلخی سے کہا۔

"کیا برونو نے پہلے بھی کبھی یہاں کوئی لڑائی جھگڑا کیا تھا۔؟"

"برونو غصے میں پاگل ہو جاتا ہے اور اسے کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ چند ماہ پہلے یہاں تین آوارہ لڑکے گھس آئے تھے وہ اونچی آواز میں ہاؤ ہو کر رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔ برونو یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کوئی بات کیے بغیر لڑکوں کو اٹھا کر سڑک پر پھینک دیا تھا۔"

"کیا تم نے اس کی رپٹ درج کروائی تھی۔؟"

"پولیس میں رپٹ درج کروا کے میں نے اپنا کاروبار چوپٹ کرنا تھا؟ اور پھر ان بے وقوف لڑکوں نے اپنی موت کو خود دعوت دی تھی۔"

"تمہارے خیال میں برونو قاتل ہو سکتا ہے۔؟"

"نہیں برونو کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہ! یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں کہ برونو سے ٹھکائی کروانے کے بعد ہیرلڈ کتنی دیر ٹھہرا تھا۔" سلر نے اُٹھ کر دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

"میں نے اُسے اپنی طرف سے ڈرنک کی دعوت دی تھی۔ لیکن وہ اس پر لعنت بھیج کر غصے سے بھرا ہوا چلا گیا لیکن پانچ ہی منٹ بعد وہ واپس لوٹ آیا تھا اور میرے سامنے اپنے رویے کی معذرت کر رہا تھا۔ اور پھر اس نے مجھ سے فالکنز کا ایڈریس معلوم کرنے کی کوشش کی۔"

"کیا ہیرلڈ برونو کا نام جانتا تھا۔؟"

"دونوں کے درمیان بیچ بچاؤ کراتے ہوئے میں نے برونو کا نام پکارا تھا۔"

"تم نے اس کو ایڈریس تو نہیں دیا ہو گا۔؟"

"نہیں۔ میں نے بھی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔" ہیری ہلکے سے مسکرایا۔ "لیکن وہ ٹیلی فون ڈائریکٹری سے ایڈریس معلوم کر سکتا ہے۔"

"او کے ہیری اب میں چلتا ہوں۔ پھر ملاقات ہو گی۔" سلر نے کلاک کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

ہیری چند لمحے سارجنٹ سلر کو اندھیرے میں غائب

www.taemeernews.com

ہوئے دیکھتا رہا اور پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔

•

کانسٹیبل براڈی پولیس ہیڈکوارٹر میں داخل ہوا تو وہاں خلافِ معمول کافی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ اس نے ہیرلڈ کو ایک بینچ پر بٹھایا اور سپرنٹنڈنٹ گرانٹ کے کمرے میں داخل ہو۔ یہاں آج کل میلوری بیٹھ رہا تھا۔

میلوری نے تازہ قہوہ منگوایا تھا۔ وہ اس وقت بھی کافی تازہ دم لگ رہا تھا۔

"مقتولہ کا منگیتر باہر بیٹھا ہے سر۔ ہیرلڈ نام ہے اس کا۔ ہیرلڈ فلپس۔" براڈی نے بتایا۔

"اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟" میلوری نے ایک رپورٹ پڑھتے پڑھتے نظریں اوپر اٹھا کر پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں سر۔ شروع میں وہ خاصا نروس تھا لیکن اب ٹھیک ٹھاک ہے۔" براڈی نے کہا اور مختصر لفظوں میں براڈی نے اپنی ملاقات کا حال کہہ سنایا۔

"ٹھیک ہے تم اسے اندر بھیج دو۔" میلوری نے دوبارہ رپورٹ پر جھکتے ہوئے کہا۔

ہیرلڈ ڈرتا ہوا میلوری کے کمرے میں داخل ہوا لیکن وہ اب بھی تھوڑا سا پریشان تھا۔ اس کے لب سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔

میلوری نے نرم لہجے میں ہیرلڈ سے رات کے اس وقت تکلیف دہی کی معذرت چاہی اور براڈی نے اسے سگریٹ پیش کیا۔ ہیرلڈ سگریٹ سلگا ہی رہا تھا کہ سارجنٹ ملر کمرے میں داخل ہوا اور خاموشی سے کھڑکی کے پاس رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو مسٹر ہیرلڈ، براڈی نے مجھے بتایا ہے کہ جب تم مس گریس ہیکرڈ سے ملنے کنگز آرمز بار میں پہنچے تو وہ کسی اور شخص کے ساتھ باہر نکل رہی تھی۔" میلوری نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہاری اس شخص سے پہلے کبھی ملاقات ہوئی ہے؟"

"نہیں۔ میں نے اسے بار میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔"

"پھر کیا ہوا تھا؟"

"میں نے گریس کو اس شخص کے ساتھ جانے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ میری بات ہی نہیں سن رہی تھی۔" ہیرلڈ کا رنگ سرخ ہو گیا۔ "اور اس کے ساتھ جو دبو سا آدمی تھا اس نے مجھ پر جوڈو کا وار کیا۔ اور میں منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ یہ دیکھ کر بار کا مالک ہیری آگے بڑھا اور ہیری نے اس شخص کو وہاں سے فوراً دفع ہو جانے کے لیے کہا۔"

•

"اور اس کے بعد تم نے کیا کرتے رہے۔؟"

"میں نے بار کے مالک ہیری کے ساتھ ایک ڈرنک لی۔ اور وہاں سے نکل آیا۔" ہیرلڈ نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم وہاں سے سیدھے گھر گئے تھے؟"

"گھر جانے سے پہلے میں کچھ دیر تو یونہی ادھر ادھر پھرتا رہا تھا اور ریلوے اسٹیشن سے میں نے کافی بھی پی تھی۔"

میلوری ساتھ ساتھ ضروری پوائنٹ بھی نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ ایک فقرہ مکمل کر کے یونہی اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سارجنٹ ملر نے اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجیے گا جناب میں ایک ضروری کام نپٹا لوں۔"

دوسرے کمرے میں جا کر سارجنٹ ملر نے انٹرکام پر میلوری کو بتایا۔ "یہ جھوٹ بول رہا ہے سر حقیقت کچھ اور ہے۔"

"شکریہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔" میلوری نے مختصراً کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں اب بتاؤ کیا چکر ہے؟" میلوری نے کمرے میں داخل ہو کر ایک کرسی گھسیٹ کر سارجنٹ ملر کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی کنگز آرمز بار کے مالک ہیری سے مل کر آ رہا ہوں۔ ہاتھا پائی کے دوران ہیری نے فالکنر کو یاد رکھنے کے لیے اسے نام لے کر پکارا تھا اور ایک دفعہ باہر جانے کے بعد ہیرلڈ دوبارہ بار میں واپس آیا تھا۔ اور فالکنر کا ایڈریس معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" ملر نے اسے بتایا۔

"آخر اس کو یہ بات چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔" میلوری پہلی مرتبہ مسکرایا وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس کے علاوہ دو تین مرتبہ اس کو گریس سے پہلے جھگڑتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے اس پر بعد میں بات کرتے ہیں۔" اب واپس چلتے ہیں۔"

"شکریہ مسٹر ہیرلڈ۔ اب تم جا سکتے ہو۔ میرا خیال ہے اب تمہاری یہاں مزید ضرورت نہیں ہے۔" میلوری نے واپس کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے پیچھے پیچھے سارجنٹ

www.taemeernews.com

بلر تھا۔ اور ہیرلڈ کسی ترکی مرغ کی طرح گردن اکڑائے کمرے سے نکل گیا۔

میلوری نے اطمینان سے بیٹھ کر سگریٹ سلگایا اور ایک بڑا کش لیتے ہوئے بلر کی جانب رخ کر کے کہنے لگا۔ "بہتر ہے اگر یہ احمق چند گھنٹے اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ہمیں اس پر کوئی شک نہیں ہے۔ صبح جب ہم اسے دوبارہ بلوائیں گے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔"

"ہیرلڈ کو مجرم سمجھنے کی کوئی خاص وجہ ہے جناب؟" بلر نے پوچھا۔

"کیونکہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔۔۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ فالکنر کے نام سے واقف نہیں ہے۔ جو کہ سراسر غلط ہے پھر گریس کا قتل تقریباً ساڑھے دس بجے ہوا ہے اور ہیرلڈ کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت سو رہا تھا اور سونے سے پہلے اس نے اپنی ماں کو چائے بھی بنا کر دی تھی جبکہ براڈی پانچ منٹ تک دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔ اور اس قدر شور کے باوجود اس کی ماں کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔"

"لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاتل ہیرلڈ ہی ہے؟"

"پھر مینٹل پیس پر جو کیپسول رکھے تھے۔ انہیں کھا کر انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ غالباً ہیرلڈ کی ماں یہ کیپسول کھا کر بے ہوشی کی نیند سو رہی تھی۔ ایسی صورت میں اس نے چائے کیونکر پی ہوگی۔" میلوری نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اس کی ماں کی بیماری کے متعلق تو صبح ڈاکٹر سے معلوم ہو سکتا ہے۔"

"براڈی اس معاملے کو دیکھ لے گا۔" میلوری اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں اب گھر جا رہا ہوں۔ بہتر ہے کہ تم بھی ریسٹ روم میں آرام کر لو۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ تو اب صبح ہی ملے گی۔ اور فالکنر کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"فالکنر پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔" میلوری نے کہا۔

"لیکن مجھے اس سے شدید اختلاف ہے جناب۔"

یہ سن کر چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ لیکن اس نے غصے پر قابو پاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "بہتر ہے کہ تم شرلاک ہومز بننے کی کوشش نہ کرو مسٹر بلر۔"

"ہیری کا کہنا ہے کہ یہ شخص غصے میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اور ایسی حالت میں کچھ بھی کر سکتا ہے آج ہیرلڈ کی ٹھکائی کرنے کے علاوہ اس نے پارٹی میں بھی ہنگامہ کیا تھا۔ اسی لیے پارٹی ختم ہونے سے پہلے ہی وہ گریس کے ساتھ وہاں سے نکل آیا تھا۔ پھر یہ شخص کئی سے پہلے بھی ایک دو دفعہ ہیری کے بار میں مختلف لوگوں سے الجھ چکا ہے۔ مجھے تو اس شخص کے دماغی توازن پر شبہ ہے اور جو شخص بات بات پر ہاتھاپائی پر اتر آتا ہے وہ غصے کی حالت میں قتل بھی کر سکتا ہے۔"

"فالکنر کے پاس گریس کو قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سارجنٹ۔" میلوری نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن اگر تم اپنی بات پر مصر ہو۔ تو ٹھیک ہے۔ لندن فون کر کے میری طرف سے کہو کہ میں صبح ناشتے کی میز پر فالکنر کے بارے میں ہر بات جاننا چاہتا ہوں۔"

میلوری کے جانے کے بعد سارجنٹ بلر ہلکے سے مسکرایا اور ایک نئے عزم کے ساتھ ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

•

سارجنٹ بلر صبح۔ ناشتے کی میز پر بیٹھا چائے پی رہا تھا جب کانسٹیبل براڈی کینٹین میں داخل ہوا اور اطمینان سے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری کہاں ہے براڈی؟"

"وہ ہسپتال میں پوسٹ مارٹم رپورٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔ میں اب ہسپتال جا رہا ہوں۔"

"نہیں مجھے ابھی مسز فلپس کے ڈاکٹر سے ملنا ہے میرا اس سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا ہے وہاں سے میں سیدھا ہسپتال پہنچوں گا۔" براڈی نے کہا اور اس کی طرف ایک پیکٹ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ لندن سے آیا ہے۔ اس کے اندر فالکنر کے متعلق معلومات ہیں۔"

بلر نے پیکٹ کھول کر اندر موجود رپورٹ پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور بے اختیار اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

•

سارجنٹ بلر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ آفس میں چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری اور پتھیالوجسٹ پروفیسر ترے

www.taemeernews.com

بیٹھے تھے۔

"ہیلو پروفیسر، کیا حال ہیں؟" ملر نے پروفیسر کی خیریت دریافت کی۔

"فالکنر کے متعلق لندن سے رپورٹ آگئی ہے جناب۔"

"کوئی خاص بات سارجنٹ؟"

"فالکنر جوڈو کراٹے کا ماہر ہے۔ دو سال پہلے اس نے ایک پارٹی میں اپنے ایجنٹ پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ اس بے چارے کا جبڑا اور تین پسلیاں توڑ دی تھیں۔ اسے چھ ماہ کی قید ہوئی۔ جیل میں بھی اس کی وجہ سے کئی دفعہ امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو تھا۔ اس کے بارے میں تفصیلی میڈیکل رپورٹ وہ آج کسی وقت بھجوائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اس کے متعلق ہم بعد میں بات کریں گے۔" میلوری نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اور ملر خاموش ہو کر رہ گیا۔

"ہاں تو ڈاکٹر؟" میلوری ڈاکٹر مرے کی جانب متوجہ ہو کر بولا "پوسٹ مارٹم سے تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔ کیا یہ بھی پُراسرار قاتل کا کارنامہ ہے؟"

مرے نے سگریٹ سلگایا اور بے چینی سے بولا۔ "پچھلی وارداتوں کی طرح اس دفعہ بھی مقتولہ کی گردن مکے کی زوردار ضرب سے ٹوٹی ہوئی ہے۔"

"جیسے کسی نے کراٹے کا ہاتھ مارا ہو۔" ملر نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن پچھلی وارداتوں کے برعکس مقتولہ کے گلے اور گالوں پر رگڑ کے نشان ہیں جیسے پہلے کسی نے غصے سے اس کا گلا پکڑ کر مسل ڈالا ہو۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مقتولہ نے خود کو چھڑانے کی کوئی جدوجہد نہیں کی ہے۔" ڈاکٹر نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ گریس قاتل کو اچھی طرح جانتی تھی اور اس کے اس سلوک کی پہلے سے عادی تھی۔" میلوری نے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایک اور بات جو ہم بھول رہے ہیں۔ وہ یہ کہ پچھلی وارداتوں میں پُراسرار قاتل ہر دفعہ موقع واردات سے کوئی نہ کوئی چیز اپنے ساتھ ضرور لے جاتا تھا۔ کوئی کپڑا یا کوئی اور ذاتی استعمال کی چیز۔ لیکن اس دفعہ کوئی چیز غائب نہیں ہوئی ہے۔" ڈاکٹر نے ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں ملر کوئی بات رہ تو نہیں گئی؟" میلوری نے ملر کی جانب دیکھا۔

"کیا مقتولہ کے ہینڈ بیگ میں کوئی رقم تھی؟" ملر نے پوچھا

"دو یا تین پونڈ کے نوٹ اور چند سکے۔"

"فالکنر کا کہنا ہے کہ اس نے گریس کو دس پونڈ دیئے تھے۔"

"کیا خیال ہے ان دس پونڈ کا کیا بنا ہو گا۔" میلوری نے ہلکے سے طنز سے پوچھا۔

"کیا کہہ سکتا ہوں جناب۔" ملر نے کندھے اچکائے۔ "میرے خیال میں ہمیں ہیرلڈ سے رابطہ قائم کرنا ہو گا۔"

"بے شک۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے فوراً پکڑ کر لے آؤ۔ تم براڈی کو بھی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔"

"اور فالکنر کو سر؟"

"خدا کے لیے سارجنٹ۔ کیا تم فالکنر کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔" میلوری نے جھنجھلا کر کہا۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے گمبھیر خاموشی چھا گئی۔

"اصل بات تو تم لوگوں نے سنی ہی نہیں ہے۔" ڈاکٹر مرے باری باری دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "مقتولہ کو قتل کرنے سے پہلے اس کی آبروریزی کی گئی تھی۔"

"کیا؟" ملر کے منہ سے حیرت سے نکلا۔

"کیا مقتولہ نے اس کے خلاف کوئی مزاحمت کی تھی؟" میلوری نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"نہیں۔" ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مزاحمت کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ جو کچھ ہوا وہ بظاہر باہمی رضامندی سے ہوا تھا۔"

"فوراً جا کر ہیرلڈ کو اپنے ساتھ لے آؤ۔ اسے کہنا وہ کپڑے بھی ساتھ لیتا آئے جو اس نے رات پہنے ہوئے تھے۔ مجھے امید ہے کہ تم آدھے گھنٹے میں لوٹ آؤ گے۔"

•

سارجنٹ ملر باہر نکلا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے سارجنٹ، تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو۔" براڈی نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میلوری کا خیال ہے کہ ہیرلڈ قاتل ہے۔ جبکہ میرا پکا شبہ برونو فالکنر پر ہے۔ چلو ہم نے ہیرلڈ کو لے کر آنا ہے۔" ملر گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"شاید اسے اپنی رائے تبدیل کرنا پڑے۔"

"کیوں۔؟" ملر نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے کانسٹیبل ہنری ڈاٹر کی

رپورٹ دیکھی ہے۔ اس نے لاش دریافت کرنے سے پندرہ بیس منٹ پہلے برونو فالکنر کو کیفے سٹارلٹ میں دیکھا تھا جو جوبلی پارک کے نزدیک ہی ہے۔"

"کیا وہ برونو کو جانتا ہے؟" ملر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"ہاں۔" براڈی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ کیفے سٹارلٹ کے کہیں قریب ہی رہتا ہے۔"

اچانک ملر نے کار آہستہ کی اور ساتھ والی گلی میں موڑ دی۔

"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ بلیک برن کو تو وہ سیدھی سڑک جاتی ہے۔" براڈی نے کہا۔

"میں نے کیفے سٹارلٹ کے مالک سام ہارکن سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔" ملر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میلوری یہ بات پسند نہیں کرے گا۔" براڈی نے اداسی سے کہا اور سیٹ کی پشت سے اپنا سر ٹکا دیا۔

•

"اوہ مسٹر خیریت تو ہے۔ صبح ہی صبح کیسے آنا ہوا؟" سام ہارکن نے انہیں دیکھ کر تشویش سے پوچھا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں سام۔" ملر نے اسے تسلی دی "رات یہاں سے نزدیک ہی قتل کی جو واردات ہوئی تھی میں اس سلسلے میں چند سوالات پوچھنے آیا ہوں.... کانسٹیبل برک واٹر کا کہنا ہے کہ رات دس بج کر دس منٹ پر جب وہ ڈاکٹر ہور برنارڈ کے ساتھ کافی پینے کے لیے تمہارے کیفے میں داخل ہوا تو یہاں سے برونو فالکنر باہر نکل رہا تھا۔

"برونو فالکنر، وہ مجسمہ ساز۔ ہاں وہ میرا مستقل گاہک ہے۔ اکثر رات گئے سگریٹ خریدنے آتا ہے۔"

"کل رات بھی وہ سگریٹ خریدنے آیا تھا؟"

"ہاں۔" سام نے ان کے سامنے کافی کے کپ رکھتے ہوئے کہا۔ "بلکہ میں ابھی اس کی راہ دیکھ رہا تھا کیونکہ رات یہاں وہ دستانے بھول گیا تھا (نا دستانے)۔" سام کچھ دیر کاؤنٹر کے نیچے ٹٹولتا رہا اور پھر دستانے نکال کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ رہے۔"

یہ کالی اور سفید دھاریوں والے گھٹیا سے دستانے تھے جن میں ناقص میٹریل استعمال کیا گیا تھا۔ اور انہیں عام طور پر نچلے طبقے کے لوگ استعمال کرتے تھے۔

"ریزگاری تلاش کرتے وقت فالکنر نے انہیں جیب سے نکالا تھا مسٹر ملر اور میرے استفسار پر بتلایا تھا کہ یہ اس کی منگیتر کے دستانے ہیں۔ وہ جو ٹیلی ویژن پر کام کرتی ہے جوانا ہیرٹ میں۔ لیکن اس کی بات پر کوئی احمق ہی یقین کرے گا۔ جوانا جیسی شوبزنس سے متعلق عورتیں ایسے گھٹیا دستانے کہاں استعمال کرتی ہیں۔" سام بے تکان بولتا چلا گیا۔

"یہ دستانے تم مجھے دے دو سام۔" ملر نے کہا۔ "میں ابھی فالکنر سے ملنے جا رہا ہوں۔ میں اسے دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے مسٹر ملر۔ اور میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔" سام نے دستانے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

ملر نے کیفے سٹارلٹ سے باہر نکل کر دستانے اور ایک پونڈ کا نوٹ کانسٹیبل براڈی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم ایسا کرو براڈی۔ گریس کے گھر چلے جاؤ۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کیا یہ دستانے اسی کے ہیں۔ اور یہ کہ تمہارا مسز فلپس کے ڈاکٹر سے رابطہ قائم ہوا؟ اس نے کیا بتایا ہے؟"

"ڈاکٹر نے فون پر کچھ بتانے سے انکار کر دیا ہے۔" براڈی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "وہ ایک انڈین ڈاکٹر ہے۔ لال داس نام ہے اس کا۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے میں ڈاکٹر لال داس سے مل لیتا ہوں۔ وہاں سے میں ہیرلڈ کے گھر کی جانب جاؤں گا اور مکان سے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔ مجھے اس کام میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگے گا۔ اور امید ہے کہ اس دوران تم بھی اُدھر سے فارغ ہو کر پہنچ جاؤ گے۔"

براڈی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹیکسی روکی۔ اور ملر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

•

ڈاکٹر لال داس لمبے قد کا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ وہ منشیات کے عادی افراد کے علاج کے سلسلے میں ملکی شہرت کا مالک تھا۔ ملر نے ایک دو کیسوں میں اس کی مدد بھی لی تھی۔ اس وقت سے وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔

ملر جب اس کے ہاں پہنچا تو وہ ناشتے سے فارغ ہو کر کافی پیتے ہوئے اخبار دیکھ رہا تھا۔

"بڑے صحیح وقت پر پہنچے ہو سارجنٹ۔ میں بس اب کلینک کے لیے نکلنے ہی والا تھا۔" لال داس اسے دیکھ کر خندہ پیشانی سے مسکرایا۔ "کافی کا دور چلے گا نا؟"

www.taemeernews.com

"ضرور ڈاکٹر" ملر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ سارجنٹ ملر نے مختصر لفظوں میں سارا واقعہ سنا ڈالا۔

ڈاکٹر لال داس بڑی توجہ سے اس کی بات سنتا رہا۔ اور جب ملر اپنی بات ختم کر چکا تو بالآخر وہ سوچ و بچار میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ کافی دیر دروازہ کھٹکھٹانے کے باوجود ہیرلڈ کی ماں کی آنکھ کیوں نہیں کھلی تھی۔ کہیں وہ نشے کی عادی تو نہیں ہے اور دوسرے ہیرلڈ کے بیان کے مطابق جب ساڑھے نو بجے گھر واپس آیا تو آیا وہ جاگ رہی تھی یا نہیں۔"

"میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں ڈاکٹر کہ مسز فلپس کو کیا بیماری ہے۔ کیونکہ مینٹل پیس پر رکھی شیشی میں جو کیپسول تھے وہ عام طور پہ بے خوابی کے مریضوں کو تجویز نہیں کیے جاتے ہیں۔"

ڈاکٹر لال داس نے اٹھ کر آتش دان میں چند کوئلے ڈالے اور واپس لوٹتے ہوئے بولا۔ "تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے یہ کیپسول ان مریضوں کو تجویز کیے جاتے ہیں جو شدید درد کے باعث سو نہ سکتے ہوں۔ اور اب میں تمہیں جو بات بتلانے لگا ہوں۔ اسے راز میں رہنا چاہیے۔ مسز فلپس کو بھی اس کا علم نہیں ہے... مسز فلپس کو کینسر ہے۔ وہ کسی بھی دن کسی بھی لمحے مر سکتی ہے۔"

کمرے میں ایک لمحے کے لیے گمبھیر خاموشی چھا گئی۔

"بے شک کیپسول کھانے کے ایک دو گھنٹے کے بعد اسے اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات خواب کی مانند یاد ہوگی اور ممکن ہے کہ اسے بات سرے سے یاد ہی نہ رہے۔" ڈاکٹر نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

ملر اٹھ کھڑا ہوا۔ "شکریہ ڈاکٹر بے حد شکریہ۔"

"کیا تم ہیرلڈ کو گرفتار کر رہے ہو؟" ڈاکٹر نے اس کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔ اور پھر لمحے توقف کے بعد کہنے لگا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مسز فلپس کو آخر تک ہیرلڈ کی گرفتاری سے بے خبر رکھا جائے۔ اس کی صحت کسی بھی صدمے کی متحمل نہیں ہو سکتی... اور چونکہ تم اس سے ہیرلڈ کے رات گھر واپس لوٹنے کے ٹائم کے متعلق لازمی پوچھو گے اس لیے میرا خیال ہے کہ مجھے اس وقت وہاں موجود ہونا چاہیے۔"

"اگر سوالات کے دوران تم وہاں موجود ہو تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوں تم گھر کے باہر میرا انتظار کرنا۔"

"ضرور۔" ملر نے کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر ہیرلڈ کے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

•

کانسٹیبل براڈی ہیرلڈ کے گھر کے قریب ایک بک اسٹال پر کھڑا تھا۔ ملر کو ہیرلڈ کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے دیکھ کر اس نے بارش میں بھاگتے ہوئے سڑک پار کی۔ اور دروازہ کھول کر پیچھے سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"میں بھی ابھی تھوڑی دیر پہلے پہنچا۔" براڈی نے جیب سے دستانے نکالتے ہوئے کہا۔ "گریس کے باپ نے دستانوں کو فوراً پہچان لیا تھا۔ یہ اس نے گریس کی سالگرہ پر خریدے تھے بلکہ اس وقت گریس بھی اس کے ہمراہ تھی۔"

اسی وقت ڈاکٹر لال داس کی کار گلی میں داخل ہوئی اور ان کے قریب آ کر رک گئی۔

ہیرلڈ نے دروازہ کھولا اور انہیں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے وہ دہشت زدہ سا رہ گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "اب کیا ہوا ہے براڈی کوئی نیا مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے کیا؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" براڈی نے نرمی سے کہا۔ "مقتولہ کے متعلق چند نئی باتیں سامنے آئی ہیں۔ اور چیف سپرنٹنڈنٹ سیلوری کا خیال ہے کہ قاتل کا سراغ لگانے میں شاید تم اس کی مدد کر سکو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پانچ منٹ میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے میں مسز فلپس کو ایک نظر دیکھ لوں۔" ڈاکٹر بغلی دروازے کا رخ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" ملر نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

مسز فلپس دوسرے کمرے میں ایک بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور سر تکیے پر ایک طرف کو مڑا ہوا تھا۔ اس کی کھال ہڈیوں پر کھنچی ہوئی تھی۔ اور چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر لال داس بستر پر بیٹھ گیا۔ اور اس نے آہستگی سے اس کا کندھا چھو کر کہا۔ "مسز فلپس۔"

مسز فلپس کی آنکھیں آہستہ سے پھڑپھڑائیں۔ اس نے

خالی نگاہوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے دوبارہ آنکھیں موند لیں... اس نے چند گہرے سانس لیے اور دوبارہ آنکھیں کھول کر ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر کمزور لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر داس"

"اب تم کیسی ہو مسز فلپس۔ کیا پہلے سے کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو؟" ڈاکٹر نے نرمی سے پوچھا۔

"تم... تم کون ہو؟" اس نے ملر کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں ہیرلڈ کا دوست ہوں مسز فلپس" ملر نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس نے رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن میں انتظار ہی کرتا رہا۔ وہ نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ خود جا کر معلوم کروں کہ رات وہ کیوں نہیں آسکا تھا؟"

"ہیرلڈ کہیں گیا تو تھا۔" اس نے مردہ لہجے میں کہا۔ "گڈ لوائے۔ جب وہ واپس آیا تو میرے لیے چائے بھی لا رہا تھا۔"

"وہ کس وقت واپس آیا تھا مسز فلپس؟" ملر نے نرمی سے پوچھا۔ "رات... ہاں وہ رات کو واپس آیا تھا۔"

"کیا ہیرلڈ نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ تمہارے لیے چائے کہاں سے لایا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم مجھے یاد نہیں ہے۔ ہیرلڈ اچھا لڑکا ہے گڈ لوائے۔" اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے پیچھے دروازہ کھلا اور ہیرلڈ اندر داخل ہوا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اس نے ناخوشی سے پوچھا۔

"تمہاری ممی کی طبیعت بہت تشویش ناک ہے میں انہیں ہسپتال لے جا رہا ہوں۔" ڈاکٹر لال داس نے کہا۔ اور یہ سن کر ہیرلڈ کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

وہ دروازے کی جانب بڑھے۔ "کیا رات تم نے یہی کپڑے پہنے ہوئے تھے؟" دفعتاً ہی براڈی نے پوچھا۔

"ہاں۔" ہیرلڈ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک دم چونکتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"براڈی۔ تم مسٹر ہیرلڈ کے ساتھ کار میں بیٹھو میں بھی آتا ہوں۔" ملر نے کہا اور ڈاکٹر کی طرف مڑا۔

"اب چند گھڑیوں کی مہمان ہے۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں سامنے والے گھر سے ٹیلی فون کر کے ایمبولینس منگوا کر اسے ہسپتال لے جا رہا ہوں۔ اگر کوئی خاص بات ہو تو تم مجھ سے وہاں رابطہ قائم کر سکتے ہو۔"

ملر نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ باہر ابھی تک مینہ برس رہا تھا۔

•

سارجنٹ ملر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا تو برڈلو فائکر کے متعلق میڈیکل رپورٹ اس کی میز پر پڑی تھی۔ وہ تیزی سے ورق الٹتا چلا گیا۔ اور پھر اطمینان سے دوبارہ رپورٹ پڑھنے لگا۔ رپورٹ ختم کر کے وہ چند لمحے خلا میں گھورتا رہا۔ اس کی تیوری چڑھی ہوئی تھی۔ اور بالآخر وہ رپورٹ اٹھا کر چیف سپرینڈنٹ سیلوری کے کمرے میں داخل ہوا۔

سیلوری اس وقت ایک فائل کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بڑی دیر لگا دی کہاں ہے وہ بدمعاش ہیرلڈ؟" سیلوری نے فائل سے نظریں اٹھائے بغیر اس سے پوچھا۔

"براڈی نے گرفتار کر لیا ہے اور اس کے کپڑے لیبارٹری ٹسٹ کے لیے بھجوا دیئے ہیں۔" ملر نے اسے بتایا۔

"اور اس کی ماں سے کوئی کام کی بات معلوم ہوئی ہے؟" سیلوری نے پوچھا اور ملر نے اسے مختصر مسز فلپس سے اپنی گفتگو اور اس کی نازک حالت کے متعلق بتا دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہیرلڈ کسی بھی وقت چائے کپ کے ساتھ آسکتا ہے اور حقیقتاً ہو بھی رہی ہے... میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیسے قبال جرم نہیں کرتا ہے۔"

"اور فائکر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے سر۔ کیا آپ نے کانسٹیبل ہنری کی رپورٹ پڑھی ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ فائکر کو قتل سے کچھ دیر پہلے جوبلی پارک کے نزدیک کیفے میں ٹسٹ میں دیکھا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے ملاقات کے دوران وہ یہ بات ہمیں بتانا بھول گیا ہو۔"

ملر نے گریس کے دستانے اس کے سامنے رکھ دیے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"ممکن ہے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ یہ اس عورت کے دستانے ہیں۔"

"لیکن پارٹی میں بہت سے لوگوں نے اسے گریس کے ساتھ دیکھا تھا۔ پھر اسے یہ جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا تھی۔؟"

"میرا خیال ہے کہ تم ایک معمولی سی بات کو خواہ مخواہ اتنی اہمیت دے رہے ہو۔"

"لیکن یہ معمولی بات نہیں ہے سر.... آپ کو پتا ہے کہ پُراسرار قاتل ہمیشہ مقتول کی کوئی نہ کوئی ذاتی چیز خود لے کر ساتھ لے جاتا ہے۔ کیا یہ نکتہ فالکنر کو مجرم نہیں ٹھہراتا ہے..؟"

"تو تمہارے خیال میں یہ قتل بھی اسی پُراسرار مجرم نے کیا ہے۔ لیکن گزشتہ وارداتوں اور اس قتل میں و بھی تو بہت سی باتیں غیر مشترک ہیں۔"

"لیکن اگر آپ فالکنر کی میڈیکل رپورٹ پڑھیں گے تو مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اصل مجرم وہی ہے۔" میلر نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس ٹائم کم ہے۔ تم ایسا کرو کہ موٹی موٹی باتیں مجھے بتا دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔" میلر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "چھ سال پہلے کاروں کی ریس کے دوران کار کے حادثے میں وہ بُری طرح زخمی ہو گیا خاص طور پر اس کے سر پر بہت چوٹیں آئی تھیں۔ اور بڑی دماغ کے ٹوٹ گئی تھی بس اس کی قسمت اچھی تھی کہ اس کی زندگی بچ گئی مگر تمام باوجود کوشش کے ڈاکٹر دماغ سے نکالنے میں ناکام رہے تھے۔ اور اس وقت سے اسے اپنے مزاج پر قابو نہیں ہے۔ قید کے دوران وہ بلامقصد قیدیوں سے اُلجھا رہتا تھا جیل سے رہائی کے وقت اسے کہا گیا تھا کہ کسی دماغی امراض کے ہسپتال میں داخل ہو کر اپنا علاج کروائے۔ لیکن اس نے اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" سیلوری نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم فالکنر سے مل کر اسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ میں ذرا ہیرلڈ کو دیکھتا ہوں۔ ویسے میں تمہیں بتا دوں کہ تمہیں فالکنر سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری ساری عمر ان قتل کی گتھیوں کو سلجھاتے گزری ہے۔ میرے خیال میں مجرم ہیرلڈ ہی ہے۔"

•

پُراسرار قاتل نے دوسرے دن صبح اخبار کھولا اور ایک دم وہ چونک پڑا۔ دوسرے صفحے کے درمیان گنزڈوئل کی تصویر دی گئی تھی اور اس کی گرفتاری کے سلسلے میں پولیس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ قاتل نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ تصویر کو بہت دیر تک گھورتا رہا۔ رات اسی شخص کی وجہ سے لڑکی اس کے ہاتھ سے بچ گئی تھی... لیکن وہ ابھی بار اتنی آسانی سے ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ بلاشبہ وہ پولیس کو فون کر کے گنزڈوئل کو گرفتار کرا سکتا تھا لیکن ایسی صورت میں مجرم کی مدد کرنے کے جرم میں لڑکی کی گرفتاری بھی یقینی تھی۔ جو وہ کسی بھی صورت میں نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو لڑکی کا شکار جلد از جلد اپنے ہاتھوں سے کرنا چاہتا تھا.. آخر ایک تجویز اس کے دماغ میں آ ہی گئی۔ بے اختیار اس نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

•

گنزڈوئل کی آہستگی سے آنکھ کھل گئی۔ اس نے ہاتھ پھیلا کر انگڑائی لی اور خالی خالی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تب اسے یاد آگیا کہ وہ کہاں ہے۔

کمرے میں اس قدر خاموشی تھی کہ دیوار گیر کلاک کی ٹک ٹک اور بارش کے کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرانے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

جینی نے اس پر جو کمبل ڈال دیا تھا وہ پھسل کر اس کے قدموں میں آن پڑا تھا۔ وہ کمبل اُٹھا کر آہستہ سے مسکرایا وہ ایک زوردار جمائی لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ آتش دان میں آگ بجھ گئی تھی۔ اس نے میز پر پڑے ہوئے سگریٹ کے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکالی اور کچن میں جا کر گیس کا چولہا آن کر کے سگریٹ سلگائی اور وہیں بیٹھ کر ہاتھوں کو سینکنے لگا۔

وہ ابھی انہی سوچوں میں گم تھا۔ جب جینی کچن میں داخل ہوئی اس نے سفید رنگ کا ایک لمبا سا چوغہ پہن رکھا تھا۔ اور اس کا چہرہ کسی سفید گلاب کی طرح تروتازہ لگ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو ڈارلنگ؟" جینی نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں تم لوگوں کو کسی مشکل میں گرفتار کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ چنانچہ چائے کا ایک کپ پی کر میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تم یہ سمجھنا کہ گویا ہماری کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔" گنز نے افسردہ لہجے میں کہا۔

جینی اس کی یہ بات سن کر چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "تم ابھی یہیں آگ کے قریب بیٹھو۔ میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

گنز اپنی کرسی پر بیٹھا جینی کو ناشتے کے برتن میز پر سجاتے اور کپوں میں چائے انڈیلتے دیکھتا رہا۔

www.taemeernews.com

"تمہاری دادی کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔ وہ دوپہر سے پہلے مشکل سے ہی بستر سے اٹھیں گی۔"

گنر وہاں بیٹھا خاموشی سے چائے پیتے ہوئے آگ کو گھورتا رہا۔

"وہاں جیل میں تم لوگ اتوار کو کیا کرتے ہو۔" جینی نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

اکثر لوگ گرجا گھر چلے جاتے ہیں۔ نہیں تو سارا دن کال کوٹھری میں بند رہتے ہیں۔ میں کوئی کتاب یا میگزین پڑھتا رہتا ہوں۔ سوچوں میں گم رہتا ہوں کہ میں ایک سزا یافتہ قیدی ہوں تو شطرنج بھی کھیلی جاتی ہے۔ اگر کسی کو جلد ہی رہائی ملنے والی ہو تو اسے ایک آدھ گھنٹہ ٹینس کھیلنے یا ٹیلیویژن دیکھنے کی بھی اجازت دے دی جاتی ہے۔" گنر نے اسے بتایا۔

جینی نے اپنا کپ نیچے رکھ دیا اور آگے جھکتے ہوئے بولی

"تم خود لوٹ کر ان کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے۔ آخر تم کب تک بھاگتے رہو گے۔ جتنی دیر تم اس طرح روپوش رہو گے اتنا ہی تمہارے حق میں برا ہوگا۔"

"مجھے اب سزا میں رعایت نہیں ملے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس منحوس قید خانے میں مزید ڈھائی سال گزارنے ہوں گے۔"

"ڈھائی سال تو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائیں گے ڈیئر۔" جینی نے اپنے لہجے میں پیار سمیٹتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد تم کم از کم آزاد تو ہو گے۔ کسی قسم کا ڈر یا خوف تو نہیں ہوگا اور پھر میں جو تمہارا انتظار کروں گی۔"

گنر اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اور وہ اس کی نگاہوں کی تپش سے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں تمہیں اپنے ڈیڈی کا کوئی جوڑا نکال کر دیتی ہوں۔ دیکھو تو تمہارے کپڑے کتنے گندے ہو رہے ہیں۔"

"اگر میں پکڑا گیا تو وہ لوگ ضرور جاننا چاہیں گے کہ یہ کپڑے میں نے کہاں سے پہنے ہیں۔"

"یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں تھی۔ خیر دیکھا جائے گا۔" وہ اس کے لیے الماری کھول کر کپڑے نکالتے ہوئے بولی

"اگر میں اسی یونیفارم میں واپس چلا جاؤں تو وہ یہی سمجھیں گے کہ میں ادھر ادھر آوارہ گھومتا رہا ہوں۔ ورنہ وہ یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ میں کہاں ٹھہرا تھا اور میری کون مدد کر رہا تھا۔" گنر کپڑے اٹھا کر باتھ روم کی جانب جاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

گنر کپڑے تبدیل کر کے باتھ روم سے نکلا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"میں ابھی فون سن کر آتی ہوں۔" جینی کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد جینی کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا رنگ اڑا ہوا تھا اور خوف کے مارے اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے۔ یہ تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔" گنر نے آگے بڑھ کر اسے تھامتے ہوئے پوچھا۔

"فون پر نجانے کون تھا۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔ "ایسا لگتا تھا جیسے وہ آواز بدل کر بول رہا ہو۔ اس نے کہا کہ تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ کسی بھی لمحے پولیس یہاں پہنچ سکتی ہے۔"

"وہ گنر ڈارلنگ۔ اب کیا ہوگا۔" وہ خوفزدہ لہجے میں کہنے لگی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم خود پر قابو رکھو اور نارمل نظر آنے کی کوشش کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ جوتے پہنتے ہوئے بولا۔

"تم خود کو پولیس کے حوالے کر دو ڈیئر۔" جینی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی۔

"پہلے مجھے یہاں سے نکلنے دو ڈارلنگ۔ تاکہ پولیس میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق قائم نہ کر سکے۔"

جینی نے نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور میز پر پڑے ہوئے ہینڈ بیگ میں سے چند نوٹ نکالے گنر پیسے لینے کے لیے کسی بھی صورت آمادہ نہ تھا۔ لیکن جینی کے اصرار کے سامنے اس کی ایک نہ چلی... اس نے وارڈروب سے ایک پرانی برساتی نکالی اور اس کے بٹن بند کرتے ہوئے سختی سے بولی۔ "بہتر ہے کہ اب تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔" اس وقت وہ ایک مختلف لڑکی نظر آ رہی تھی خوفزدہ۔ پہلے فون سن کر اس کی جو حالت ہوئی تھی جینی نے اس پر قابو پا لیا تھا۔

جینی اسے پچھلے دروازے کی طرف لے گئی۔ جو لین گلی میں کھلتا تھا۔ باہر زور و شور سے بارش ہو رہی تھی۔ گنر کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے بولا

www.taemeernews.com

الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"ٹھیک ہے میں سمجھ گئی ہوں۔ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" جینی نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا اور اسے بارش میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔

باہر یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ اور سردی ہڈیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

•

سارجنٹ ملر سیڑھیاں طے کر کے فالکنر کے فلیٹ پر پہنچا تو وہاں جوانا ہارٹ مین اور جیک مورگن پہلے ہی سے موجود تھے۔

"ہیلو ایوری باڈی" ملر خوش دلی سے مسکرایا "میں برونو سے ایک دو معاملات پر تبادلۂ خیال کرنے آیا ہوں۔ بس میں پانچ منٹ سے زیادہ ٹائم نہیں لوں گا۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس سے پہلے بھی برونو سے بہت سوالات پوچھ چکے ہو" مورگن نے کہا "اور اب پھر تمہارا یہی مقصد ہے۔ آخر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کیا تم برونو کو قتل کی واردات میں ملوث سمجھتے ہو؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے" ملر نے پریقین لہجے میں جھوٹ بولا "ہم تو اس کے تعاون سے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"مجھے کسی بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اور نہ ہی مجھے کوئی بات چھپانے کی ضرورت ہے۔ تم نے جو کچھ پوچھنا ہے۔ ایک ہی دفعہ پوچھ کر میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تاکہ میں اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو سکوں" برونو نے ڈائس پر رکھے مجسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے" ملر ایک طویل سانس لے کر بولا "جب تم گریس کو اپنے فلیٹ پر لے آئے تھے۔ تو تمہاری اس سے کیا گفتگو ہوئی تھی۔"

"گفتگو کیا ہونی تھی" برونو نے جارحانہ انداز میں کہا۔ "میں نے اسے ڈائس پر مجسموں کے ساتھ کھڑا ہونے کے لیے کہا۔ اتنی دیر میں میں نے اپنے لیے ایک ڈرنک بنائی اور لائٹ بجھا کر آتشدان کی روشنی میں اس پر ایک نگاہ ڈالی اور بس۔ میں نے اس کو دس پونڈ کا نوٹ دے کر چلتا کیا۔"

"لیکن اس کے ہینڈ بیگ سے دس پونڈ کا کوئی نوٹ نہیں برآمد ہوا ہے۔"

"اس نے وہ نوٹ میرے سامنے اپنی جرابوں میں چھپایا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں وہ زیادہ محفوظ جگہ تھی۔"

"لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے پر بھی وہ نوٹ نہیں ملا ہے" ملر نے کہا۔

"ایسی صورت میں قاتل وہ نوٹ لے گیا ہو گا۔"

ملر نے ایک لمحے کے لیے فیصلہ کیا۔ فی الحال وہ یہ بات اپنے تک ہی رکھے گا۔ کہ قتل کرنے سے پہلے مقتولہ کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی۔

قتل سے پہلے جب مقتولہ کے ساتھ جنسی فعل نہیں کیا گیا تو پھر قاتل کو دس پونڈ کے متعلق علم کیونکر ہو سکتا تھا۔ کمرے میں بوجھل خاموشی چھا گئی۔

"کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ یہاں سے جانے سے پہلے تمہارا لڑکی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔" ملر نے چند لمحے توقف کے بعد پوچھا۔

"مجھے اس کے ساتھ جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی" برونو تلخی سے ہنسا۔ "وہ تو خوشی یہاں ٹھہرنے پر آمادہ تھی شاید تمہیں معلوم نہیں کہ وہ کس قسم کی عورت تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ جوبلی پارک کے نزدیک مُردہ پائی گئی تھی سارجنٹ؟" مورگن نے پوچھا۔

"ہاں یہ بات ٹھیک ہے" ملر نے مختصراً کہا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ برونو کے پاس اپنی گاڑی نہیں ہے۔ بالفرض محال لڑکی یہاں قتل ہوئی ہوتی تو اس کی لاش اٹھا کر جوبلی پارک تک کیونکر لے جایا جا سکتا تھا۔"

"پچھلے سال نشے میں گاڑی چلانے پر انہوں نے میرا لائسنس ضبط کر لیا تھا" برونو نے اعتراف کیا۔

"لیکن تم لڑکی کے جانے کے بعد باہر بھی تو گئے تھے؟"

"ہاں میں کیفے سٹارٹ تک سگریٹ خریدنے گیا تھا۔"

"لاش دریافت ہونے کے پندرہ بیس منٹ پہلے تم وہاں کاؤنٹر پر جوانا کے دستانے بھول آئے تھے" ملر نے دستانے نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا "کیفے کے مالک سام نے یہ دستانے مجھے دیے تھے کہ میں یہ تم تک پہنچا دوں۔"

"لیکن یہ دستانے میرے تو نہیں ہیں!" جوانا نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو سارجنٹ کہ یہ گریس پیکرڈ کے دستانے ہیں" برونو نے جِز بِز ہو کر کہا "اور ریزگاری نکالنے کے دوران میں یہ وہاں بھول آیا تھا۔"

"لیکن کیفے کے مالک سام کو تم نے بتایا تھا کہ یہ جوانا

www.taemeernews.com

کے دستانے ہیں۔"

جوانا اپنی جگہ سن بیٹھی تھی۔ لیکن برونو کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"جوانا اور میں اکثر وہاں جاتے رہتے ہیں چنانچہ اسے خوامخواہ یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ کسی اور عورت کے ہیں۔"

"برونو کی بات درست ہے۔" جوانا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "بے شک سام کو یہ بتانا ضروری نہیں تھا کہ یہ کسی اور عورت کے دستانے ہیں۔"

"کیا واقعی۔؟" ملر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

جوانا ایک دم پریشان نظر آنے لگی۔ "میری سمجھ نہیں آرہا کہ تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔"

مورگن تیوری چڑھائے بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"ایک منٹ سارجنٹ۔" اس نے تیزی سے کہا۔ "دستانوں سے تم نے کیا مفروضہ قائم کیا ہے۔؟"

ملر ابھی کوئی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ فالکنر غصے سے پھٹ پڑا۔ اس کا ضبط ختم ہو گیا تھا۔ "میں یہ فضول بکواس سن سن کر تنگ آگیا ہوں۔ کیا یہ قتل پچھلی چار وارداتوں کی ایک کڑی نہیں ہے۔؟"

"بے شک، شواہد اس پراسرار قاتل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ سارجنٹ۔" مورگن نے کہا۔ "دستانوں سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ اصل مجرم کون ہے۔؟"

"اس قسم کی وارداتوں میں کوئی نہ کوئی ایسی خاص بات ہوتی ہے۔ جو پریس کو نہیں بتائی جاتی ہے۔" ملر نے کہا۔ "کیونکہ اس سے پولیس کی تفتیش میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔"

سارجنٹ اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ برونو غصے میں آکر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ہر طرح کے حالات سے نپٹنے کے لیے خود کو تیار رکھے۔

"اس طرح کے جنونی قاتل عام طور پر قتل کرنے کے لیے ایک ہی طریقہ کار استعمال کرتے ہیں۔ جس سے پولیس سمجھ لیتی ہے کہ قاتل ایک ہے جہاں تک ان وارداتوں کا تعلق ہے۔ قاتل جنسی دیوانہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ نوجوان عورتوں کو قتل کرتا ہے۔ قتل ہونے والی عورتوں میں ایک عورت کی عمر سب سے زیادہ پچاس سال تھی۔ اور گریس پیکرڈ سب سے کم عمر تھی۔ لیکن موجودہ وارداتوں میں قاتل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر دفعہ مقتولہ کی کوئی نہ کوئی ذاتی استعمال کی چیز ضرور اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔" ملر نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔" مورگن نے کہا۔ "کیا قاتل اپنے ہمراہ کوئی خاص چیز لے جاتا ہے۔"

"پہلے کیس میں ہینڈ بیگ، پھر گلے کا اسکارف۔ نائیلون کی ایک جراب، اور ایک سینڈل۔" ملر نے بتایا۔

"اور گریس کے کیس میں دستانے۔" فالکنر نے لقمہ دیا۔

"تم مجھے ایک بات بتاؤ۔ سارجنٹ کہ اگر وہ پچھلی وارداتوں میں ایک جراب اور ایک سینڈل اپنے ساتھ لے گیا تھا تو پھر اس دفعہ بھی مجھے صرف ایک دستانہ اپنے ساتھ لے جانا چاہیئے تھا۔ آخر مجھے ایک دم اپنے معمول میں تبدیلی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اچھا نکتہ ہے۔" ملر نے اعتراف کیا۔

"اور پھر دس پونڈ کے نوٹ کے متعلق کیا خیال ہے کیا اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ اس دفعہ دو آئیٹم غائب ہیں۔" جوانا نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"دس پونڈ کے نوٹ کا علم تو صرف فالکنر کو ہی تھا۔" ملر نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگائی۔

کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ پہلی مرتبہ برونو فالکنر سہیرلیس دکھائی دے رہا تھا۔ مورگن کو کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ اور جوانا ایک دم خوفزدہ نظر آرہی تھی۔۔۔

ملر نے مناسب یہی سمجھا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے منظر سے غائب ہو جائے۔ چنانچہ وہ اٹھتے ہوئے خوشدلی سے کہنے لگا۔ "میں ذرا نیچے جا رہا ہوں۔ تم لوگ آپس میں گپ شپ کرو۔ میں ابھی پانچ منٹ میں آتا ہوں۔" اور وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

●

ہیرلڈ فلپس کمرۂ تفتیش میں کافی دیر سے مجرموں کی طرح بیٹھا تھا وہ سخت طیش میں تھا۔۔ دروازہ کھلا اور سیلوری ایک فائل اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔

میز پر بیٹھ کر اس نے فائل کھول کر سامنے رکھی، اور

www.taemeernews.com

فائل پر سرسری نظر دوڑاتے ہوئے پائپ بھرنے لگا۔ اس کا چہرہ کسی پتھر کی مانند سخت ہو رہا تھا اور آنکھیں خونخوار انداز میں چمک رہی تھیں اس کی ساری شائستگی ختم ہو گئی تھی۔

"تم اصل بات چھپا کر میرا ٹائم ضائع کر رہے ہو مسٹر ہیرلڈ۔" میلوری نے کھردرے لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری زبان سے صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں نے ہر بات صاف صاف بتادی ہے۔"

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ کنگز آرمز بار میں جس آدمی سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔ تمہیں اس کا نام معلوم نہیں ہے لیکن بار سے ایک مرتبہ جانے کے بعد جب تم دوبارہ واپس لوٹ کر آئے تھے۔ تو تمہیں اس آدمی کے نام کا علم تھا۔ اور بار کے مالک ہیری سے تم نے اس شخص کا ایڈریس بھی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔" میلوری نے سپاٹ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ "پھر تمہارا کہنا ہے کہ تم نے ساڑھے نو بجے اپنی ملر کو چائے کا کپ بنا کر دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت وہ ڈاکٹر لال داس کے تجویز کردہ کیپسول کھا کر ہوش وحواس سے بیگانہ تھی۔ اور اسے کسی بھی صورت میں اٹھانا ممکن نہیں تھا۔"

"لیکن تم اسے ثابت نہیں کر سکتے ہو۔"

"پھر تمہارا یہ کہنا کہ کنگز آرمز بار سے نکلنے کے بعد تمہاری گریس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ اسے قتل کرنے سے پہلے تم نے اسے اپنا آپ تمہارے سپرد کرنے پر مجبور کیا تھا۔" میلوری نے کہا۔ "اور یہ بھی تمہاری بھول ہے کہ اس بات کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تمہارے کپڑوں کے پیچھے بڑی نشست سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ رات تم نے کسی عورت کے ساتھ وقت گزارا تھا اور یہ بھی تمہیں بتا دوں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گریس کو قتل کرنے سے پہلے ہوس کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو مسٹر ہیرلڈ۔ کیا اب بھی تم اپنی بات پر اصرار کرو گے کہ تم سچ بول رہے ہو۔ لو۔ جواب دو۔ میرے پاس ضائع کرنے کے لیے ٹائم بالکل نہیں ہے۔ مجھے اور بھی بہت سے کام نپٹانے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ہیرلڈ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں سچی بات بتائے دیتا ہوں۔ رات میں واقعی ایک عورت کے ساتھ تھا۔"

"کون تھی وہ۔" میلوری نے نرمی سے پوچھا۔ "کیا تم اسے جانتے ہو۔"

"نہیں۔" ہیرلڈ نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ مجھے سرراہ اسٹیشن کے پیچھے ایک تاریک گلی میں ملی تھی وہ غالباً کوئی طوائف تھی اس نے مجھے اپنے چہرے کی جھلک بھی نہیں دیکھنے دی تھی۔"

"یہ بات تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔" ہیرلڈ نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس طرح کی بات بتانا کون پسند کرتا ہے۔" ہیرلڈ نے معصوم بنتے ہوئے کہا۔ اس کا اعتماد آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہا تھا۔

"ملر فون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔" ایک کانسٹیبل نے آکر اسے بتایا۔ اور میلوری میز سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"تم کہاں سے بول رہے ہو سارجنٹ۔" میلوری نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔

"فالکنر کے فلیٹ کے قریب ایک پبلک فون بوتھ سے بول رہا ہوں سر۔" ملر نے کہا۔ اور مختصر لفظوں میں اسے ساری روئداد سنادی۔

"تم اپنا ٹائم ضائع کر رہے ہو ملر۔ برونو سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" میلوری نے اس کی بات سن کر ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

"کہیں ہیرلڈ نے اعترافِ جرم تو نہیں کر لیا ہے۔" ملر نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ لیکن وہی گریس کا قاتل ہے اس وقت وہ آئیں بائیں شائیں کر رہا ہے لیکن بہت جلد وہ سب کچھ اگل دے گا۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ قتل کی پچھلی وارداتوں سے ہیرلڈ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہاں تم ٹھیک سمجھتے ہو۔ ہمارا پراسرار قاتل کوئی اور ہے۔"

"ایک دلچسپ بات سر۔" ملر نے کہا۔ "آپ کو یاد ہوگا ہم جب برونو سے ملے تھے تو اس نے گریس پیکرڈ کو دس پونڈ دینے کا بتایا تھا۔ درحقیقت اس نے مقتولہ کو دس پونڈ کا نوٹ دیا تھا۔ برونو کا کہنا ہے کہ اس نے حفاظت کے پیشِ نظر نوٹ کو جراب میں چھپایا تھا۔ مقتولہ سے وہ نوٹ برآمد نہیں ہوا ہے۔۔۔ اگر اس بات پر زور دیا جائے تو۔"

www.taemeernews.com

ملر کی تاویل سن کر چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری کے عضلات ایک دم تن گئے۔

"بہتر ہے کہ تم واپس آ جاؤ ملر۔" میلوری نے حتمی لہجے میں کہا۔

"لیکن سر فالکنر ۔ ۔ ۔"

"اوہ لعنت بھیجو فالکنر پر۔" میلوری نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "فوراً واپس پہنچو۔ یہ میرا حکم ہے۔"

اسی وقت راہداری کے دوسرے کونے سے رچرڈ ملر آتا دکھائی دیا۔ اس نے ہیرلڈ کی پینٹ اٹھا رکھی تھی۔

"کچھ اور معلوم ہوا۔؟" میلوری نے اس کے قریب آنے پر پوچھا۔

"نہیں۔ بس اتنا ہی پتا چل سکا ہے کہ رات وہ کسی عورت کے ساتھ دادِ عیش دیتا رہا ہے۔ لیکن حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ رات وہ گریس کے ساتھ تھا۔"

"ہوں۔" میلوری نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تم میرے ساتھ کمرہ تفتیش میں چلو۔ وہاں تم پینٹ اٹھائے خاموشی سے کھڑے رہنا۔ کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس تمہیں سیریس نظر آنا چاہیے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہو گا سر؟" براڈی نے پوچھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے وہاں آن کھڑا ہوا تھا۔

"بس تم دیکھتے جاؤ۔" میلوری نے کہا۔ "میں ہیرلڈ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ میں اس سے اچھا پوکر کا کھلاڑی ہوں۔"

●

سارجنٹ ملر کے جانے کے بعد کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

بالآخر اس خاموشی کو فالکنر نے توڑا۔ وہ بار تک گیا۔ اور اپنے لیے جن کا ایک بڑا پیگ بناتے ہوئے قہقہہ لگا کر بولا۔ "یہ تم لوگ آخر کس بات کا سوگ منا رہے ہو۔ میں کہیں پھانسی پر تو نہیں لٹک رہا ہوں۔"

"بس کرو برونو۔" جوانا نے تیزی سے کہا۔ "یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ آخر تمہیں اس ذلیل لڑکی کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اب چھوڑو بھی۔" مورگن نے کہا۔ "تم نے خوامخواہ کی مصیبت مول لے لی ہے۔"

"اوہ، تو تم لوگوں کو میری بات پر اعتبار نہیں ہے۔" برونو فالکنر نے تاسف سے کہا۔ اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے تھے۔

"برا مت مناؤ برونو۔" مورگن نے کہا۔ "حقائق سے نظریں چرانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ موجودہ حالات کی بنا کر ملر تمہیں عدالت میں بھی گھسیٹ سکتا ہے۔"

"تم خوامخواہ الٹی سیدھی باتیں سوچ رہے ہو۔ مورگن ڈیئر۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ برونو۔ میں تمہارا دوست ہی نہیں۔ ایک قانون دان بھی ہوں۔" مورگن کھنکھارتے ہوئے کہا۔

"تمہاری غصہ ور طبیعت۔ بات بات پر ہاتھا پائی پر اتر آنا اور جیل سے رہائی کے موقع پر دماغی امراض کے ہسپتال میں داخل ہونے سے انکار کو موضوع بنا کر وکیل استغاثہ جیوری کو متاثر کر سکتا ہے۔ پھر گریس ہیکرڈ کو محض دو مین سنٹ لونے بنے پر دس پونڈ دے دینا بھی جیوری کو شک میں ڈال سکتا ہے۔"

"کیوں مجھے ڈرا رہے ہو۔" برونو نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔

"پہلے میری پوری بات سن لو۔" مورگن بولا۔ "مقتولہ کے یہاں سے جانے کے فوراً بعد ہی تم سگریٹ لینے کے لیے کیفے اسٹارٹ کا رخ کرتے ہو اور پندرہ بیس منٹ بعد وہ وہاں سے دو سو گز کے فاصلے پر مردہ پائی جاتی ہے۔ اور مقتولہ کے دستانے تم اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ ہے کہ استغاثہ اس سے کیا نتیجہ نکالنے کی کوشش کرے گا۔"

برونو اس کی بات سن کر حیرت انگیز طور پر پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔

"تم گریس ہیکرڈ کے دستانوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔۔۔ حالانکہ دستانے کاؤنٹر پر بھولنے کے وقت مقتولہ زندہ تھی اور پھر دستانوں کا مسئلہ تو اس وقت کھڑا ہوتا ہے اگر گریس کو پراسرار قاتل نے موت کے گھاٹ اتارا ہو۔ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے۔"

"ہاں میں نے اس پہلو پر بھی سوچا ہے۔" مورگن نے سنجیدگی سے کہا۔

"فرض کرو اگر پراسرار قاتل میں ہوں اور باقی تمام وارداتیں بھی میں نے ہی کی ہیں تو اسے کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے۔ رات جب تم مجھے پارٹی میں بلانے آئے تھے تو میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ میں مسلسل دو دن سے کام

کر رہا ہوں اور ایک لمحے کے لیے اسٹوڈیو سے باہر نہیں نکلا ہوں۔"

"قتل کی ساری وارداتیں جوبلی پارک کے قرب و جوار میں ہوئی ہیں۔ جو یہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ تم کسی کی نظر میں آئے بغیر پچھلے زینے سے جا کر ایک گھنٹے میں لوٹ کر واپس آ سکتے ہو۔ استغاثہ یہ موقف اختیار کر سکتا ہے۔" مورگن نے کہا۔

"لیکن مجھے پرسوں رات کے قتل کے بارے میں تو علم ہی نہیں تھا۔ یاد ہے تم ہی نے تو مجھے بتایا تھا۔ جب میں لباس تبدیل کر رہا تھا۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔ اس وقت آتش دان کے قریب اخبار بھی پڑا تھا۔ میں نے اس نیت سے اخبار اٹھا کر دیکھا تھا کہ شاید اس قتل کی خبر ہو۔ لیکن اخبار پچھلے کی شام کا تھا جبکہ قتل کا ارتکاب رات نو بجے ہوا تھا۔" مورگن نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا۔ "شاید وہ اخبار اب بھی ادھر اُدھر ہی پڑا ہو۔"

مورگن نے اخبار کی تلاش میں ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور کسی خیال کے آتے ہی وہ بری طرح چونک پڑا۔

"تمہارے ہاں تو ہاکر اخبار ڈال کر نہیں جاتا ہے برونو؟" مورگن نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، کیوں۔؟"

"رات تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم پچھلے دو دنوں سے اسٹوڈیو سے باہر نہیں نکلے تو پھر پیچھے کی شام کا اخبار تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟" جوانا کا خوف کے مارے برا حال تھا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا... برونو بھی بدحواس دکھائی دے رہا تھا۔

"اب مجھے یاد آیا ہے۔" برونو تیوری چڑھائے سر کھجا کر بولا۔ "میں سگریٹ خریدنے کے لیے باہر گیا تھا اور واپسی میں نے البانی اسٹریٹ سے اخبار خریدا تھا..."

"جوبلی پارک کے ساتھ والی گلی سے نا؟" مورگن نے جملہ پورا کر دیا۔

کمرے میں بھیانک سکوت طاری تھا۔ مورگن بت بنا ساکت و صامت تھا اور جوانا کے چہرے سے خوف جھلک رہا تھا۔

برونو نے آہستہ سے اپنا سر جھٹکا جیسے صورتحال اس کی سمجھ میں نہ آ رہی ہو اور جوانا کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

"مجھ پر یقین کرو جوانا... مجھ پر بھروسہ رکھو۔"

لیکن جوانا نے اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دی اور مورگن کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "مجھے گھر لے چلو جیک پلیز مجھے گھر لے چلو۔"

"تم اس طرح شکوک و شبہات لیے یہاں سے نہیں جا سکتی ہو۔" برونو نے غصے سے کہا اور جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ جوانا خوفزدہ ہو کر ایک دم پیچھے ہٹتے ہوئے اسٹینڈ پر رکھے ڈرائنگ بورڈ سے ٹکرائی۔ بورڈ نیچے جا پڑا۔ کاغذات ادھر اُدھر بکھر گئے اور جس اسکیچ پر برونو کام کر رہا تھا۔ وہ عین جوانا کے قدموں میں آن گرا۔ اس نے اسکیچ اٹھا کر اس پر ایک نظر ڈالی۔ اور بے اختیار اس کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ یہ چار مجسموں کا رف کاغذ تھا جس میں پانچویں کا اضافہ کیا گیا تھا۔

"کہا اب بھی کسی وضاحت کی ضرورت ہے فالکنر؟" مورگن نے جوانا سے اسکیچ لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔

فالکنر نے اسے ایک طرف ہٹایا اور جوانا کے دونوں ہاتھ تھام کر بولا۔ "میری بات سنو جوانا۔ تم میری بات تو سنو۔"

جوانا نے خود کو چھڑاتے ہوئے برونو کے منہ پر ایک تھپڑ دے مارا۔ مورگن برونو کو اس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک دم برونو کا دماغ پھر گیا۔ اس نے مورگن کو گریبان سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا اور وہ بلڈ پر جا کر گرا۔ یہ دیکھ کر جوانا دروازے کی طرف بھاگی۔ لیکن برونو نے لپک کر اسے گردن سے پکڑ لیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ "تم ذلیل کتیا میری بات تک سننے کی روادار نہیں ہو۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" وہ غصے سے پھنکار رہا تھا۔

مورگن لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا اور اس نے برونو کو پیچھے سے بالوں سے پکڑ کر زور سے اپنی جانب کھینچا۔ درد سے بے دم ہو کر جوانا پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اور مورگن نے پاس پڑا ہوا ٹھنڈے پانی کا جگ اس کے سر پر الٹ دیا... ایک دم جیسے برونو اپنے حواس میں واپس آ گیا وہ خالی خالی نگاہوں سے وہیں کھڑا آگے پیچھے جھومتا رہا۔

"کیا تم ٹھیک ہو جوانا؟" مورگن اسے سہارا دے کر اٹھنے میں مدد دیتے ہوئے پوچھا۔ اور جوانا محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"تو پولیس کو تم نے اس طرح جان سے مارا تھا برونو؟" مورگن اس کی جانب مڑتے ہوئے پوچھنے لگا۔

www.taemeernews.com

"اچھا تو تم یہ بات میرے منہ سے اگلوانا چاہتے ہو؟" وہ دھیمی ہنسی ہنسی۔ "ٹھیک ہے جاؤ جسے مرضی چاہے یہ بات بتا دو مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔"

•

سارجنٹ ملر وہاں پہنچا تو جوانا آتش دان کے نزدیک ایک ایزی چیئر پر بے دم پڑی سسکیاں لے رہی تھی اور برونو دروازے کی طرف پشت کیے اپنے لیے ایک اور جام بنا رہا تھا۔

"کیا ہوا تھا؟" ملر نے مورگن سے پوچھا۔ اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"اب خاموش کیوں ہو۔ بتاتے کیوں نہیں کہ میں نے گریس کو قتل کیا ہے؟" برونو مورگن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"کیا تمہیں اس بات کا اندازہ بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ملر نے آہستگی سے کہا۔

"اس نے جوانا اور میرے سامنے گریس کے قتل کا اعتراف کیا ہے۔" مورگن نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"تمہیں میرے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر چلنا پڑے گا مسٹر برونو۔" ملر نے کہا۔ اور جیب سے ہتھکڑی نکال کر اس کے ہاتھوں میں ڈال دی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" مورگن نے کہا۔

"کیا مس ہارٹ جین بالکل ٹھیک ہے؟" ملر نے پوچھا جوانا نے نگاہیں اٹھا کر اوپر دیکھا اس کی آنکھیں رونے سے سوج گئی تھیں۔

"میرے متعلق فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔" جوانا نے کہا اور مورگن کی جانب مڑتے ہوئے بولی "کیا تم مجھے لینے کے لیے واپس آؤ گے جیک؟"

"میں تمہارے لیے اپنی کار چھوڑے جاتا ہوں۔" وہ بار کے اوپر چابیاں رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب تو تم خوش ہو نا جوانا؟" برونو نے اس کی جانب رخ کر کے پوچھا۔

جوانا نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ برونو نے اس کی یہ حالت دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا۔ ملر نے اسے زور سے دروازے کی جانب دھکیلا اور مورگن نے اپنے پیچھے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔

•

میلوری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر باہر بارش برسنے کا نظارہ کرنے لگا۔ اس کی پشت ہیرلڈ کی جانب تھی۔ رچرڈ مینکے دوسرے سرے پر ہیرلڈ کی پینٹ بازو پر ڈالے کھڑا تھا... ہیرلڈ کو اپنے گلے میں کوئی چیز گلے میں کوئی چیز اٹکتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر بے چارگی سے کانسٹیبل براڈی کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے نگاہیں جھکا لیں۔

"تم نے دس پونڈ کا کیا کیا تھا۔؟" میلوری نے ہیرلڈ کی جانب مڑے بغیر پوچھا۔

"دس پونڈ۔ کون سے دس پونڈ؟"

"دس پونڈ کا نوٹ، جو تم نے مقتولہ کی جراب سے نکالا تھا۔" میلوری اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

"نجانے تم کیا کہہ رہے ہو۔" ہیرلڈ نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"اگر تم میں ذرا بھی عقل ہوتی تو تم وہ نوٹ ضائع کر دیتے۔" میلوری نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے اسے کہاں سے کھلا کروایا تھا۔ شاید اسٹیشن سے جب سے تم نے کافی لی تھی۔"

ہیرلڈ ایک دم غصے سے لال پیلا ہو گیا

"آخر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

میلوری نے فون اٹھا کر جنرل آفس میں موجود ڈیوٹی انسپکٹر کا نمبر ملایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم ریلوے اسٹیشن پر کافی ہاؤس سے رابطہ قائم کرو اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کل رات کسی نے دس پونڈ کا نوٹ کھلا کروایا تھا؟"

ہیرلڈ کا رنگ ایک دم کاغذ کی طرح سفید پڑ گیا تھا

"تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔" وہ ایک دم پھٹ پڑا "کافی ہاؤس میں تو بیسیوں آدمیوں نے دس کا نوٹ کھلا کروایا ہوگا۔ اس سے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"حوصلہ رکھو تھوڑی دیر تک تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔"

ہیرلڈ اپنی ہمت مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "تم مجھے مجرم سمجھتے ہو تو میں فوری طور پر اپنے وکیل سے ملنا چاہوں گا۔ اور اگر میں مجرم نہیں ہوں تو یہاں سے ایک منٹ بھی مزید نہیں ٹھہروں گا۔"

www.taemeernews.com

"اگر تم پانچ منٹ مزید ٹھہرو تو سارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے" میلوری نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" ہیرلڈ نے خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"لیبارٹری سے ایک آدمی ابھی تھوڑی دیر تک یہاں پہنچنے والا ہے۔ وہ تمہارا صرف خون ٹیسٹ کرے گا۔"

"خون ٹیسٹ۔ وہ کس لیے؟" وہ ایک دم چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔

"تمہاری پینٹ کے لیبارٹری ٹسٹ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تم رات ایک عورت کے ساتھ تھے" میلوری نے کہنا شروع کیا۔

"بے شک میں یہ بات تسلیم کر چکا ہوں" ہیرلڈ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق گریس کو قتل کرنے سے پہلے اسے ہوس کا نشانہ بنایا گیا تھا"

"لیکن یہ بات میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ عدالت کے بعد میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی"

"تمہارے خون ٹیسٹ سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ گریس کو قتل کرنے سے پہلے تم نے ہی اس کے ساتھ بدفعلی کی تھی"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

ہیرلڈ زور زور سے نفی میں اپنا سر ہلا رہا تھا۔ اس نے ایک دم اٹھنے کی کوشش کی اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

"کمینی ذلیل کتیا۔ ہاں میں نے ہی اسے قتل کیا تھا... میں نے ہی اسے ٹھکانے لگایا تھا۔ اس نے میرا مذاق اڑایا تھا... اس نے میری تذلیل کی تھی..." وہ ہذیانی انداز میں زور زور سے چیخ رہا تھا اور اس کے منہ سے کف جاری تھا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ایک کانسٹیبل نے اندر آکر کاغذ کا ایک پرزہ میلوری کی جانب بڑھا دیا۔ میلوری نے کاغذ کو پڑھ کر بغیر کوئی رد عمل ظاہر کیے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

ڈاکٹر لال داس کی طرف سے پیغام تھا کہ مسز فلپس کا پندرہ منٹ پہلے ہسپتال میں انتقال ہو گیا تھا۔

●

"ہیرلڈ نے اقبال جرم کر لیا ہے ملر" میلوری نے کہا۔ "درحقیقت وہ فالکنر کے فلیٹ کے باہر کہیں موجود تھا اس نے فالکنر اور گریس کو فلیٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر جب تھوڑی دیر بعد گریس باہر نکلی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا اور جوبلی پارک کے نزدیک اس کو جا لیا۔ وہاں کچھ دیر ایک دوسرے سے گلے شکوے کرنے کے بعد دونوں آپس میں مدغم ہو گئے۔"

"لیکن پھر ہیرلڈ کو اسے قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" ملر نے پوچھا۔

"ہیرلڈ اسے آئندہ برونو سے ملنے سے منع کر رہا تھا لیکن گریس اس کی یہ بات ماننے پر آمادہ نہ تھی کیونکہ برونو نے بغیر کسی بات کے اسے دس پونڈ تھما دیے تھے۔ گریس نے کہیں باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ اب تم برونو کے خلاف بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہو جبکہ وہاں بارہا تو تمہارے غبارے کی ہوا نکل گئی تھی... ہیرلڈ سے یہ بات برداشت نہیں ہو سکی اور وہ اسے زدوکوب کرنے لگا بظاہر وہ اسے قتل کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ایک زوردار ضرب سے اس کی گردن کی ہڈی چٹخ گئی..." میلوری نے اسے بتایا۔ "ہیرلڈ کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ وہ پیسے کہاں چھپا کر رکھتی ہے۔ چنانچہ اس نے گریس کی جراب سے دس کا نوٹ نکالا اور چمپت ہو گیا..."

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میلوری نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ چند لمحے بات سنتا رہا اور پھر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کافی ہاؤس کے منیجر کا کہنا ہے کہ ہیرلڈ نے رات وہاں سے دس پونڈ کا نوٹ تڑوایا تھا وہاں کافی پینے کے لئے آتا رہتا ہے۔ اور رات پونے گیارہ بجے وہ کافی ہاؤس میں تھا"

"احمق کہیں کا" ملر نے کہا۔

"اس کی حماقت ہمارے لیے سود مند ہے" میلوری نے کہا "ورنہ ہمارا کام بے حد مشکل ہو کر رہ جاتا"

"تو پھر یہ خبیث برونو فالکنر کون سا کھیل کھیل رہا ہے"

"اسے یہاں بلاؤ۔ ابھی معلوم کر لیتے ہیں" میلوری نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

ملر نے دروازہ کھولا اور برونو کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے مورگن تھا۔ برونو میز کے سامنے لاپرواہی سے جیبوں میں ہاتھ ڈالے بے خوف و خطر کھڑا تھا۔ اور

www.taemeernews.com

ذرا بھی پریشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔۔ میلوری نے اطمینان سے پائپ میں تمباکو بھر کر اسے ماچس دکھائی اور نظریں اٹھا کر برونو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے سامنے ہیرلڈ نے گریس پیکرڈ کے قتل کے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔۔۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"کیا واقعی سپرنٹنڈنٹ؟ کیا یہ بات سچ ہے؟" مورگن نے تیزی سے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہاں یہ بات سو فیصد درست ہے بلکہ ہم نے نوٹ کا بھی پتا چلا لیا ہے جو مسٹر برونو نے مقتولہ کو دیا تھا۔" میلوری نے کہا۔

"تم ہمارے ساتھ کیا آنکھ مچولی کھیل رہے ہو برونو۔ تم نے ہمیں یہ کیوں کہا تھا کہ گریس کو ٹھکانے تم نے ہی لگایا تھا؟" مورگن نے برونو کی طرف مڑتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"میں نے تو تمہیں ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔" برونو نے کندھے اچکائے۔ "تم خود ہی دلائل سے مجھے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تو تم ہمیں بے وقوف بنا رہے تھے۔" مورگن نے ناراضگی سے کہا۔ "تمہیں احساس بھی ہے کہ جو اس کے ساتھ تم نے کیا کیا ہے؟"

"اسے میری بات کا یقین کرنا چاہیے تھا لیکن اس کے برعکس وہ تمہاری طرف داری کر رہی تھی۔ چنانچہ وہ اسی سلوک کی مستحق تھی۔" برونو نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اور میلوری کی طرف رخ کر کے بولا۔ "مجھے اجازت ہے سپرنٹنڈنٹ؟"

"بلاشبہ۔ تم جا سکتے ہو۔"

برونو کے جانے کے بعد کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ مورگن وہاں کھڑا خالی خالی نظروں سے خلا میں گھور رہا تھا۔ اچانک وہ مڑا اور ایک لفظ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ملر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا اور بارش ہوتے دیکھتا رہا اس نے برونو کو مین گیٹ سے باہر نکلتے اور تیزی سے ایک طرف روانہ ہوتے دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد مورگن باہر نکلا اور ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ ٹھیک کہتے تھے مگر اصل مجرم ہیرلڈ ہے۔" ملر نے کھڑکی سے ہٹتے ہوئے کہا۔

یادوں کی سوغات

رُت بدلی رنگیں چار سُو پھیل گئی ہیں
عید کا چاند بھی تابانیاں لیے
جلوہ افروز ہوا ہے
چار سُو ہے مہندی کی مہک
اور ہے چوڑیوں کی کھنک
لوگ خوشیاں سمیٹے رنگیں پیرہن سجائے
لبوں پہ مسرتوں کی نوید ہے
اک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں
اور میں ان نعمتوں سے محروم
اس خوشی کے دن
اپنے دکھوں کی چادر اوڑھے
اپنے من کے مرجھائے پھول کے سنگ
تمہاری یادوں کی سوغات لیے
اپنے کمرے میں بند ہوں
تازہ ہوا کا جھونکا بھی مجھے چھو نہ سکے
اسی واسطے میں نے کھڑکیاں اور روشندان
سبھی بند کر دیے ہیں۔۔۔۔

مینا ناز ملک

"دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں ہے ملر۔ تمہارا شبہ بجا درست تھا کیونکہ برونو ایک غیر متوازن شخصیت کا مالک ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ چلو کسی اچھے ریسٹورنٹ میں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔"

"بہتر سر۔" ملر نے کہا۔ "میں ذرا اپنی میز صاف کر لوں پھر چلتے ہیں۔"

●

چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری اور سارجنٹ ملر لنچ کرنے کی غرض سے پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکلے تو بارش کی شدت میں کچھ مزید اضافہ ہو گیا تھا۔۔ سڑکیں سنسان دکھائی دے رہی تھیں اور بارش سے دھل کر خوب نکھر آئی تھیں ملر خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا ہیرلڈ کے اعترافِ جرم سے اسے زبردست شک پہنچا تھا۔۔۔ برونو کے بارے میں اس کے سارے خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔

www.taemeernews.com

گاڑی نے ایک موڑ کاٹا۔ اور میلوری نے اسے ٹہوکا دیتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "دیکھنا یہ سامنے کیا ہو رہا ہے؟"

ملر نے گاڑی کو ایک دم بریک لگا کر روکا۔ اور نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا۔ گلی کے درمیان دو آدمی آپس میں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک گشتی پولیس کا سپاہی تھا اس کی موٹر سائیکل بھی قریب ہی کھڑی تھی۔ دوسرا آدمی بنیت شرٹ پہنے ہوئے ــ ننگے پاؤں تھا... اسی لمحے کانسٹیبل کا پاؤں پھسلا اور وہ دھڑام سے نیچے گرا پڑا۔ دوسرے آدمی نے موٹر سائیکل کی جانب ایک چھلانگ لگائی۔ کِک مار کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کیا اور ایک دم کلچ چھوڑ دیا۔ کانسٹیبل جلدی سے اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن وہ شخص ہوا ہو چکا تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر ملر نے ایک دم کار آگے بڑھائی۔ اور اس شخص کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی لیکن وہ شخص پھرتی سے اپنے بائیں طرف ایک گلی میں گھستا چلا گیا۔ جسے ملر نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ گنر ڈونل تھا... اس نے ریورس گیئر لگا کر گاڑی پیچھے ہٹائی اور تیزی سے اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

●

مورگن فالکنر کے فلیٹ پر واپس پہنچا تو جوانا وہاں اپنا کچھ سامان اکٹھا کر رہی تھی۔ اتنی سی دیر میں اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ حالانکہ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"برونو نے گریس کو قتل نہیں کیا تھا۔ جوانا!" اس نے کمرے میں داخل ہو کر تیزی سے کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے؟" جوانا آہستگی سے اس کی جانب بڑھی۔

"گریس کو قتل اس کے منگیتر ہیرلڈ نے کیا تھا اس نے پولیس کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے۔"

"لیکن برونو نے کہا تھا کہ... "

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" وہ نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہنے لگا۔ "لیکن برونو سیریس نہیں تھا وہ سارے مسئلے کو مذاق میں لے رہا تھا۔ تم تو اسے اچھی طرح جانتی ہو۔"

"اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ مجھ سے پہلے روانہ ہوا تھا۔ میں نے اسے بارش میں پیدل جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے اپنا سر ہلایا۔ "میں یہ سامان پیک کر لوں پھر یہاں سے چلتے ہیں۔"

"تم اس سے مل کر نہیں جاؤ گی۔؟"

"میں اب زندگی بھر اس کی شکل نہیں دیکھوں گی۔" جوانا نے خوابگاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

مورگن دروازے میں جا کھڑا ہوا۔

جوانا نے کپڑے تہہ کر کے بستر پر رکھے اور ان کے اوپر دوسری چھوٹی موٹی استعمال کی چیزیں رکھیں جو اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں سے نکال تھیں۔ دیوار کے ساتھ وارڈروب میں اوپر نیچے کئی سوٹ کیس پڑے تھے۔ مورگن نے آگے بڑھ کر سب سے نیچے والا سوٹ کیس باہر نکال لیا۔

"یہ تو مجھے کچھ بھاری لگ رہا ہے۔ ضرور اس کے اندر کوئی سامان ہے۔" مورگن تیوری چڑھا کر کہنے لگا۔ اس نے بستر پر رکھ کر سوٹ کیس کھولا اور بے اختیار جوانا کی چیخ نکل گئی۔ سوٹ کیس کے اندر کالے چمڑے کا ہینڈ بیگ، نگے کا اسکارف نائیلون کی جراب اور ایک سینڈل صاف دکھائی دے رہے تھے۔

●

گنر ڈونل حیران پریشان اپنے خیالات میں گم ایک گلی سے دوسری گلی میں چلا جا رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد اس نے خود کو جوبلی پارک کے نزدیک پایا۔ اس نے جیب سے نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور پارک میں داخل ہو کر ادھر ادھر بے مقصد گھومنے پھرنے لگا۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے دور دور تک کسی آدمی کا نام ونشان تک نہ تھا۔

گنر جینی کی خوبصورتی وحسن، حوصلے مندی، ایثار اور محبت کے متعلق مسلسل سوچ رہا تھا۔ اور پھر اس کی سوچ کا رخ یکدم تبدیل ہو گیا... یہ ایک تلخ حقیقت تھی کہ پولیس اس کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑے گی۔ آخر وہ پولیس سے کب تک بھاگے گا۔ اس کو ہر وقت پکڑے جانے کا دھڑکا لگا رہے گا۔ وہ جگہ جگہ چھپتا پھرے گا۔ اور ایک لمحے بھی سکون کا سانس نہیں لے سکے گا۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ وہ خود کو پولیس کے حوالے کر دے...

تھک ہار کر گنر ایک طرف جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور ایک بار پھر سوچ کے تانوں بانوں میں گم ہو گیا۔ بالآخر وہ ایک فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ خود کو پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے وہ اپنے حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس کی اعانت کے الزام میں جینی اور اس کی دادی تک پولیس نہ پہنچ سکے اس نے جھاڑیوں کے پیچھے ایک موٹی لکڑی کی

www.taemeernews.com

...ندے گڑھا کھود کر یہ ساق سوئیٹر جرابیں اور جوتے اس میں چھپا دیئے اور مٹی ڈال کر زمین ہموار کر دی۔ پارک سے نکل کر وہ پولیس ہیڈکوارٹر جانے کے لیے گلی میں داخل ہوا ہی چاہتا کہ اس کی نظر گلی کے آخری سرے پر واقع ٹیلی فون باکس پر پڑی۔ اور آخری مرتبہ جینی سے بات کرنے کی خاطر وہ ٹیلی فون باکس میں گھس گیا۔ اس نے نمبر ڈائل کیا اور دوسری طرف سے فوراً ہی جینی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"جینی! گنز بول رہا ہوں۔ یہاں کوئی اور تو نہیں ہے؟"

"تھینکس گاڈ!" وہ کون کا سانس لے کر بولی "تم کہاں سے بول رہے ہو جان؟"

"میں یہاں جوبلی پارک کے قریب سے بول رہا ہوں جینی۔ میں نے خود پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" گنز نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

دوسری طرف سے جینی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

"رومت جینی! پلیز یہ آنسو پونچھ ڈالو!"

جینی خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"کیا پولیس آئی تھی؟"

"یہاں تو کوئی نہیں آیا تھا!"

"کیا میرے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا تھا؟" گنز نے حیرت سے کہا اور ایک انجانے خیال سے اس کے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی اور بے اختیار اس کا دل ڈوبنے لگا اس سے پہلے کہ وہ جینی سے کچھ اور پوچھتا۔ دوسری طرف سے جینی کی آواز سنائی دی "ایک منٹ ہولڈ کرنا گنز باہر صحن میں کوئی آیا ہے۔"

اور دوسرے ہی لمحے لائن بے جان ہو گئی۔ ایک لمحے میں ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ رات جا بیرس نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا لیکن جینی پر حملہ آور نے اس کا چہرہ قریب سے دیکھا تھا اور گنز آدمی اور طوفان کی طرح ٹیلیفون بوتھ سے باہر نکلا اور بھاگتے ہوئے گلی میں داخل ہوا۔ سامنے ہی ایک پولیس مین موٹر سائیکل کے قریب کھڑا کتاب میں کوئی انٹری بنا رہا تھا۔ تھوڑی سی زور آزمائی کے بعد وہ موٹر سائیکل لیے اڑا جا رہا تھا۔ گلی میں ایک دم مڑتے ہوئے اس کی نظر ایک لمحے کے لیے سارجنٹ ملر پر پڑی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

•

جینی کی دادی حسب معمول اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی اخبار پڑھ رہی تھی۔ حالانکہ دوپہر ہو چکی تھی۔ جینی نے ریسیور میز پر رکھ کر کھڑکی میں سے باہر دیکھا اور اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئی باہر وہ خبیث موجود تھا جس نے رات اس کی جان لینی چاہی تھی اس نے ایک جھٹکے سے ٹیلیفون کی تار کھینچ لی تھی۔ اور اب اندر داخل ہونے کے لیے کھڑکی کے شیشے توڑ رہا تھا۔ جینی کو خود سے زیادہ اپنی دادی کی فکر تھی۔ اس نے تیزی سے دادی کے کمرے کا دروازہ باہر سے لاک کیا اور خود چھت پر چڑھ گئی تاکہ اس شخص کی توجہ صرف اسی پر مرکوز رہے اور وہ اس کی دادی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

جینی نے جوتے اتار پھینکے تھے۔ اور وہ پائپ لائن کے ذریعے دوسری طرف گلی میں اترنے کے لیے چھت کے کنارے پہنچی ہی تھی کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ منہ کے بل چھت پر آن گری۔ اور ابھی وہ اٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ پُراسرار قاتل اس کے سر پر تھا۔ وہ اسے ایک ٹک گھور رہا تھا پھر اس نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور جینی سر سے پاؤں تک کانپ کر رہ گئی۔ وہ جینی کی جانب بڑھا اسی لمحے گنز پیچھے سے آ کر کسی بجلی کی طرح اس پر جھپٹا۔ پُراسرار قاتل مڑا اور اس نے گنز کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔ گنز لڑکھڑایا اور اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے چھت سے پھسل کر نیچے گرنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

•

سارجنٹ ملر نے جینی کے گھر کے سامنے بریک لگائی اور اتنی دیر میں چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری اپنی طرف کا دروازہ کھول کر بھاگتا ہوا گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ میلوری تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ اور ابھی وہ آخری سیڑھی پر تھا کہ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا چھت پر برونو گنز جینی کو پاؤں سے پکڑے چھت پر گھسیٹ رہا تھا۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا اور وہ بے اختیار چیخیں مار رہی تھی میلوری کے لیے برونو کی یہاں موجودگی کسی خواب کی مانند تھی۔ بالآخر سارجنٹ ملر ٹھیک کہتا تھا۔ برونو کے متعلق اس کے شکوک و شبہات درست تھے۔ ساری حقیقت اس پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی۔ جینی کی ایک اور چیخ بلند ہوئی اور دوسرے لمحے وہ اپنے خیالات سے چونک پڑا اور حقیقت

www.taemeernews.com

کی دنیا میں لوٹ آیا۔

میلوری کسی زمانے میں نہ صرف گیم کا بہت اچھا کھلاڑی رہا تھا۔ بلکہ وہ پولیس کی باکسنگ ٹیم میں بھی شامل تھا اس نے برونو کو شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کے منہ پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔ لیکن برونو پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس نے کسی بپھرے ہوئے سانڈ کی مانند میلوری کے سینے پر ایک زوردار ٹکر رسید کی۔.. میلوری کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ درد سے کراہا اور نیچے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ برونو نے اسے کوٹ کے کالر سے پکڑ کر چھت کے گرد نصب جنگلے کی طرف دھکیل دیا۔

اسی اثنا میں ملر بھاگتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا اور جب اس کی نظر برونو فالکنر پر پڑی تو اس نے اپنے جسم میں ایک نئی توانائی محسوس کی۔ بلاشبہ برونو کے مجرم ہونے کے متعلق اس کا اندازہ سو فیصدی درست تھا وہ ایک جست لگا کر آگے بڑھا اور اس نے ہوا میں اچھل کر برونو کے منہ پر فلائنگ کک ماری۔ برونو پیچھے کی طرف لڑکھڑایا اور اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ ملر ابھی صحیح طرح زمین پر قدم جمانے نہیں پایا تھا کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ میلوری پر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتا۔ برونو کے ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے تھے۔ ملر نے اپنی گردن چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن برونو کی گرفت اس کے گلے پر بہت سخت تھی ملر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شکنجے میں جکڑا ہوا ہو۔ اس نے اندھا دھند برونو کے چہرے پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ تکلیف سے گھبرا کر برونو اس کا گلا چھوڑ کر ایک دم پیچھے ہٹا۔ ملر نے تین چار لمبے لمبے سانس لیے۔ اور دونوں ہاتھوں سے گلا سہلاتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے گلے پر برونو کی انگلیوں کے نشانات صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بمشکل اپنے قدموں پر کھڑا ہو پایا تھا کہ برونو نے پوری قوت سے اس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ ملر کی چیخ نکل گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے گھٹنوں کے بل جھکتا چلا گیا۔ برونو نے اس کی پسلیوں میں ایک زوردار ٹھوکر رسید کی اور ملر منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ برونو کے سر پر خون سوار تھا وہ ملر کو اٹھا کر نیچے پھینکنے کے ارادے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک دم جینی ... کے لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھی اور وہ اپنی پوری طاقت سے برونو کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچنے لگی... برونو نے ایک جھٹکے سے جینی کو ایک طرف دھکیل دیا۔ اور جھپٹتا ہوا دوبارہ ملر کی جانب بڑھا۔ بلاشبہ اس کے جسم میں کسی بھینسے کی سی طاقت تھی۔ اسی لمحے گرنر ڈونل چھت کے گرد لگے ہوئے جنگلے کے پیچھے دکھائی دیا۔ اور دوسرے لمحے وہ چھت پر تھا

•

گرنر لڑکھڑا کر چھت سے نیچے گرنے لگا تھا کہ خوش قسمتی سے اس کا ہاتھ دیوار کے ساتھ ساتھ نیچے جاتے ہوئے پائپ لائن پر پڑ گیا۔ اور وہ نیچے کی طرف پھسلنے لگا لیکن اس نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے خود کو سنبھال لیا ہوا اب وہ زمین سے تیس فٹ کی بلندی پر پائپ سے چمٹے ہوئے لٹک رہا تھا اس نے اپنی ہمت مجتمع کی۔ اور آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ بارش کی وجہ سے پائپ پر بار بار اس کے ہاتھ پاؤں پھسل رہے تھے۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ اور مسلسل اوپر چڑھتے ہوئے جنگلے کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے جنگلے کو تھام کر اس نے خود کو ایک جھٹکا دیا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ چھت پر تھا۔ اس وقت برونو فالکنر جینی کو ایک طرف دھکیل کر خیز انداز میں ملر پر جھپٹنے کے لیے پر تول رہا تھا.....

گرنر دبے پاؤں آگے بڑھا۔ اور اس نے بجلی کی تیزی سے پوری طاقت کے ساتھ برونو کے پیٹ پر دو تین گھونسے رسید کیے۔ تکلیف کی شدت سے برونو کی چیخ نکل گئی وہ ایک دم پیچھے ہٹا اور گرنر نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے چہرے پر پوری قوت سے ٹکر ماری۔ اور اس کی پسلیوں میں ایک زوردار ٹھوکر رسید کی اذیت سے برونو کے حلق سے کراہیں بلند ہو رہی تھیں۔

ملر بڑی مشکل سے خود کو گھسیٹ گھسیٹ کر گھٹنوں کے بل اٹھ بیٹھا۔ وہ میلوری کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا جینی بھی ملر کے نزدیک سمٹ آئی تھی اور خوفزدہ نظروں سے گرنر کو برونو سے نبرد آزما دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا اور لمحہ بہ لمحہ اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو رہا تھا فالکنر کا چہرہ بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ گرنر جو کہ اس کی دست برد سے بچاتے ہوئے اس کی خوب اچھی طرح ٹھکائی کر رہا تھا۔ گرنر نے جوش میں برونو سے قدرے قریب پہنچ کر اس کے جبڑے پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا اور یہ اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ برونو نے پوری طاقت سے اس کے منہ پر کھلی ہتھیلی سے وار کیا گرنر پھرکی کی مانند گھوم گیا۔ برونو نے اس کی پشت پر اپنے گھٹنے سے ضرب لگائی اور گرنر

www.taemoornews.com

ہوتا ہوا جا کر جنگلے سے ٹکرایا اور خوف سے جینی کا دل ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔ گنر کے حلق سے نکلنے والی چیخ.. دل دہلا دینے والی تھی۔ گنر کے منہ اور ناک سے خون جاری تھا۔ اور ابھی وہ اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہیں ہو پایا تھا کہ بروڈ بجلی کی طرح اس پر جھپٹا اور اسے کندھوں سے پکڑ کر ایک بار پھر جنگلے پر دے مارا۔ گنر جنگلے سے ٹکرا کر اچھلا اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

فالکنر آہستگی سے پیچھے مڑا۔ اس کے چہرے کے بگڑے نقوش دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے اس کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔ اور منہ سے خون بہہ بہہ کر کالر کو تر کر رہا تھا۔ جنگلے کے پاس پڑے بے بس انسانوں کو دیکھ کر اس کے حلق سے کسی درندے کی سی غراہٹ نکلی اور اس نے آگے بڑھ کر جینی کو اپنی طرف گھسیٹ لیا جینی وہاں سے اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے۔ برونو فالکنر کے ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اسی لمحے سیڑھیوں سے جینی کی دادی نمودار ہوئی اس نے ابھی تک شب خوابی کا لباس پہنا ہوا تھا اور اپنے ہاتھوں میں شارٹ گن مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی فالکنر کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی... شارٹ گن کی گولی جینی کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلا سکتی تھی لیکن ان باتوں کو سوچنے کا اب وقت نہیں تھا۔ فیصلہ کن لمحہ آن پہنچا تھا۔ زندگی میں بہر حال انسان کو کبھی نہ کبھی رسک لینا ہی پڑتا ہے۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے برونو فالکنر کے سر کا نشانہ لیا اور ٹریگر پر اس کی انگلیوں کا دباؤ بڑھتا چلا گیا ٹھائیں۔ ٹھائیں ٹھائیں۔ فائر کی آواز گونجی اور وہ بے دم ہو کر وہیں سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئی۔ بے اختیار اس کی نگاہیں بند ہوتی جا رہی تھیں بارش بدستور پوری شدت کے ساتھ جاری تھی۔

رات کے نو بجے تھے جب جینی کراؤ تھر اور سارجنٹ ملر جنرل ہسپتال میں داخل ہوئے جہاں گنر ڈونل داخل تھا ملر جینی کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہا تھا اسے کافی چوٹیں آئی تھیں اور وہ بڑی مشکل سے سانس لے رہا تھا۔

ملر سیکنڈ فلور پر کوریڈور کے آخری سرے پر دائیں طرف واقع کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دروازے کے ایک طرف اسکرین پڑی ہوئی تھی۔ اور اسکرین کی دوسری طرف گنر تکیوں کے سہارے لیٹا ہوا تھا اس کی ناک زندگی میں چوتھی مرتبہ ٹوٹی تھی۔ اور اس کی داہنی ٹانگ تین جگہ سے بری طرح فریکچر ہوئی تھی۔

کانسٹیبل جیک براڈی دروازے کے قریب کرسی پر بیٹھا کوئی میگزین دیکھ رہا تھا۔ ملر کو دیکھ کر تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

میں نے گنر کا بیان لیا ہے۔" براڈی نے کہا۔ اس کا اصرار ہے کہ یہ جینی کے ہاں رات زبردستی ٹھہرا تھا اس نے انہیں دھمکی دی تھی کہ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں نتائج کی وہ خود ذمہ دار ہوگی۔"

"کیا یہ سچ ہے گنر" ملر نے اس پر جھکتے ہوئے اس کا کندھا ہلا کر کہا۔ "اصل میں جینی نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے اس کا کہنا ہے کہ رات اسے برونو کے چنگل سے بچانے پر اس کے دل میں تمہارے لیے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی اور وہ یہ بیان عدالت میں بھی دینے کو تیار ہے۔"

"تو کیا تمہارا اسے عدالت میں گھسیٹنے کا پروگرام ہے۔" گنر نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم بے فکر رہو۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے جینی کا نام کہیں نہیں آئے گا۔" ملر نے اسے تسلی دی۔

"شکریہ سارجنٹ۔" گنر نے شکر گزاری سے کہا۔

"باہر جینی تمہاری منتظر ہے۔" ملر نے اسے بتایا۔

"لیکن میں اسے ملنا نہیں چاہتا۔"

"وہ کئی گھنٹوں سے تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہی ہے۔"

"اب وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے۔ دس ماہ کے بعد رہائی کے بجائے اب مجھے ڈھائی سال قید کاٹنا پڑے گی اور ہسپتال سے فرار ہونے کے جرم میں سزا الگ ملے گی۔ اور پھر جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی میں عمر بھر اپنی یہ ٹوٹی ہوئی ٹانگ گھسیٹتا پھروں گا۔"

"یہ تو بلکہ اچھا ہے۔" براڈی نے شوخی سے کہا۔ "تم خواہ مخواہ دیواروں پر چڑھنے سے بچ جاؤ گے۔"

"میں اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔" ملر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم اس سے علیحدگی میں بات کر سکتے ہو۔ ہم باہر ٹھہرتے ہیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" گنر نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

سارجنٹ ملر اور کانسٹیبل براڈی کمرے سے جانے

www.taemeernews.com

کے فوراً بعد جینی کمرے میں داخل ہوئی۔ اور اس کے بستر کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اور پیشانی کے زخم پر پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود اس کا حسن آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہا تھا۔ جینی کو دیکھ کر گنر کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔ یہ دل بھی کم بخت کیا ظالم چیز ہے جو عقل کی پرواہ کم ہی کرتا ہے۔ گنر کی کیفیت اس لڑکے کی سی ہو رہی تھی جو پہلی مرتبہ کسی دوشیزہ کی محبت میں گرفتار ہوا ہو۔ اس نے چاہا کہ یہ لمحے امر ہو جائیں اور جینی یونہی اس کی نگاہوں کے سامنے جلوہ گر رہے لیکن محبت قربانی مانگتی ہے۔ محبت میں انسان نفع نقصان، سود و زیاں کی پرواہ کہاں کرتا ہے۔ محبت صرف ملنے کا نام ہی تو نہیں ہے۔ محبت ملن کی محتاج کہاں ہے۔ گنر نہیں چاہتا تھا کہ جینی اس کے انتظار میں جوانی تیاگ دے۔ اس سے جذباتی وابستگی کے باعث اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ دے وہ جواب شاید ہمیشہ کے لئے گھر چلے گا اور جس کا کوئی مستقبل بھی نہیں ہے۔۔

"میں بہت دیر سے تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اب کیسے ہو تم۔ تم ٹھیک تو ہو نا گنر۔ یہ تم نے میری خاطر اپنا کیا حال کر لیا ہے۔ تم بولتے کیوں نہیں۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ دادی بھی تمہارے متعلق بہت فکرمند ہے۔" جینی بے قراری سے بولتی چلی گئی۔ اسے کسی بھی پہلو قرار نہیں آ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں جینی، تمہاری دادی کیسی ہے۔" بالآخر گنر نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "براڈی نے مجھے ابھی بتایا تھا کہ تمہاری دادی نے بروقت فائر کر کے برونو کو کیفرِ کردار تک پہنچایا تھا۔ ورنہ اس کا ارادہ تو ہم میں سے کسی کو بھی زندہ چھوڑنے کا نہیں تھا۔"

"تمہیں فون پر ہولڈ کروا کر میں نے باہر نکل کر دیکھا تو برونو کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ میں نے لوی کے کمرے کو باہر سے لاک کر دیا تھا۔ مجھے گھبراہٹ میں شارٹ گن کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ جو دادی ہمیشہ اپنی وارڈروب میں رکھتی ہے۔ دادی کو باہر نکلنے کے لیے مجبوراً شارٹ گن کے فائر سے تالا توڑنا پڑا۔ اگر دادی کو تھوڑی سی بھی دیر ہو جاتی تو ... نہ جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔" جینی وہ منظر یاد کر کے کانپ کر رہ گئی۔

"ہوں!" گنر ہنکارا بھر کر بولا۔ "چلو سارا قصہ ختم ہوا۔"

"کیا مطلب گنر۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" جینی اس کے لہجے کی بے رخی پر دل مسوس کر رہ گئی۔

"میرے پاس کہنے کے لیے رکھا ہی کیا ہے۔" گنر ملائمت سے بولا۔ "یہاں میں تمہارے سامنے زخمی حالت میں پڑا ہوں۔ یونہی میں محض ملبہ ہوا۔ یہ لوگ مجھے جیل لے جائیں گے اب تم اور مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

گنر کی یہ بات سن کر جینی اپنی جگہ گم سم بیٹھی رہی۔ "میرا خیال تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" بالآخر وہ آہستگی سے زخمی لہجے میں بولی۔

"کون کسی سے محبت کرتا ہے۔" گنر نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اور پھر میں تو ایک آزاد پنچھی ہوں۔ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" گنر نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ گنر کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ لیکن وہ جینی کو کیسے بتاتا کہ وہ یہ سب کچھ اس کی بہتری کے لیے کر رہا ہے۔

●

جینی کمرے سے باہر آئی تو آنسو اس کی آنکھوں سے چھلکے پڑ رہے تھے۔ وہ نظریں جھکائے۔ تیز تیز قدم اٹھاتی ملر کے پاس سے گزر گئی۔ اور اس کی یہ حالت دیکھ کر ملر اس کے پیچھے لپکا۔

"کیا ہوا ہے آخر۔ تم رو کیوں رہی ہو۔" ملر نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"اس نے مجھے صاف صاف بتا دیا ہے کہ اسے مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے۔" جینی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"تمہاری عقل کا بھی جواب نہیں ہے جینی۔ ذرا سوچو جب اس نے تمہارا گھر چھوڑا تو وہ تمہارے ڈیڈی کے کپڑے اور جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اور اس کی جیب میں رقم تھی۔ جو تم نے اسے دی تھی۔ لیکن جب اس نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا کہ وہ خود کو پولیس کے حوالے کر رہا ہے۔ تو اس وقت وہ ننگے پاؤں کیوں تھا۔ اس نے وہ کپڑے کہاں کھو کر کیوں دبا دیئے تھے؟ جب تم خطرے میں تھی تو وہ تمہیں بچانے کے لیے آندھی اور طوفان کی طرح دوڑتا ہوا کیوں آیا تھا۔ اور بالفرض محال اگر اسے تم سے محبت نہیں ہے تو پھر اس نے تمہاری خاطر اپنی جان کو موت کے منہ میں کیوں ڈالا تھا۔" ملر سانس لینے کے لیے رکا۔ "گنر نہیں چاہتا کہ وہ اپنی وجہ سے تمہارا مستقبل تباہ کر دے۔ کیا پتا اسے کتنا عرصہ اور قید کاٹنی پڑے گی خود سوچو جینی کیا اس کی بے رخی سے اس کی بے پناہ محبت کا اظہار نہیں ہوتا۔ بے وقوف تم تو ...

www.taemeernews.com

طا چھوڑ کر رہی ہو۔ شاید زندگی میں پہلی مرتبہ تو اس نے کسی کو دل کی گہرائیوں سے جذبوں کی تمام تر سچائی سے چاہا ہے چلو واپس چلتے ہیں۔ تم اسکرین کے پیچھے خاموش کھڑی رہنا تمہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ گنز تم سے کتنا مخلص ہے۔"

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر گنز نے آنکھیں کھولیں اور ملر کو دیکھ کر اس نے کہا۔ "اب کیا مسئلہ ہے سارجنٹ۔"

"میں تمہیں شاباش دینے آیا تھا گنز۔ کیا دوسروں کا اس طرح دل توڑا جاتا ہے۔ جینی روتی ہوئی یہاں سے گئی ہے۔"

"میں اور کیا کرتا سارجنٹ۔ میں اپنی خاطر جینی کی زندگی تباہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی اسے میری باتوں سے صدمہ پہنچا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد وہ مجھے بھول بھال جائے گی۔ لیکن شاید میں اسے کبھی نہ بھلا سکوں سارجنٹ۔" گنز نے ملر کی طرف دیکھتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔ "اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ملر اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جاؤ مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔" گنز نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ سارجنٹ ملر کے دور ہوتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

کمرے میں گمبھیر خاموشی چھا گئی۔ گنز نے پرفیوم کی خوشبو محسوس کر کے آنکھیں کھولیں۔ جینی اس کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"او گنز ڈارلنگ۔" وہ اس کے سینے پر سر ٹکاتے ہوئے بولی۔ "مجھے تم سے محبت ہے۔ تمہاری محبت کے سہارے تو میں قیامت تک انتظار کر سکتی ہوں۔۔۔"

•

سارجنٹ ملر ہسپتال کے ایک دوسرے کمرے میں چیف سپرنٹنڈنٹ میلوری کے بستر پر بیٹھا اسے رپورٹ دے رہا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں پھولوں کا ایک گلدستہ مہک رہا تھا۔ اور میلوری کی بیوی تھوڑی دیر میں پہنچنے والی تھی۔

"تو تم نے ان دونوں کو تنہا چھوڑ دیا۔"

"یس سر۔" ملر نے سر ہلایا۔ "اب وہ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا ہے۔"

"اس کی ٹانگ کے متعلق ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔" میلوری نے پوچھا۔

"اس کی ٹانگ ٹھیک تو ہو جائے گی لیکن وہ ساری عمر لنگڑا کر چلے گا۔" ملر نے کہا۔ اور چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "گنز اگر پچھلی رات جینی کراؤ تھر کے ہاں موجود نہ ہوتا تو وہ برونو کا پانچواں شکار ہوتی سر اور ہم ابھی تک مجرم کی تلاش میں سرکھپا رہے ہوتے اور پھر آج اس نے اپنی جان پر کھیل کر ہماری زندگیاں بچائی ہیں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ملر۔" میلوری نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی رپورٹ میں گنز کے متعلق یہ سب کچھ ضرور لکھوں گا۔ اور اطمینان رکھو مجھے پوری امید ہے کہ حکام بالا میری سفارشات کی بنا پر اسے دس ماہ بعد پیرول پر رہا کر دیں گے۔"

"شکریہ سر۔" ملر نے ممنونیت سے کہا اور بستر سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے آپ اجازت دیں سر میں چلتا ہوں۔ آپ آرام کریں۔"

ملر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ میلوری نے اسے آواز دی۔ "ملر۔"

"یس سر۔" ملر نے مڑتے ہوئے کہا۔

"ہیرلڈ کے بارے میں میرا اندازہ درست تھا سارجنٹ۔" میلوری نے آہستگی سے کہا۔ "مس گریس ہیکرڈ کا قاتل وہی تھا لیکن جہاں تک برونو فالکنر کا تعلق ہے بے شک میں غلطی پر تھا۔ برونو کے متعلق تمہارے شکوک و شبہات حقائق پر مبنی تھے۔ تم ایک محنتی نوجوان ہو ملر اور مجھے تمہاری ذہانت اور حقائق کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت پر فخر ہے۔"

"تھینک یو سر۔ تھینک یو وہری مچ۔" ملر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ میلوری کی زبان سے اپنے متعلق بیچین تعریفی کلمات سن کر اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا۔ اسے ایک دم ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی ساری تھکاوٹ دور ہو گئی ہو۔۔۔۔ باہر نکل کر اس نے تازہ ہوا میں چند لمبے لمبے سانس لیے اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

موسلا دھار بارش رک چکی تھی۔ اور آسمان پر چھائے ہوئے بادل نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔۔۔۔

www.taemeernews.com

درندہ

محمد طارق

کسی درندے کو اگر انسانی خون کی چاٹ لگ جائے تو وہ پھر اپنے محسن کو بھی نہیں بخشتا۔ ایک ایسے ہی انسان نما درندے کی کہانی جو اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھا تھا۔

علمِ [illegible] پر مبنی ایک دلکش اور حیرت انگیز کہانی

میں، جو لندن کی سب سے بڑی جاگیر کا وارث تھا اپنے والد لارڈ ساؤتھ ٹن کے انتقال کے بعد بڑی کسمپرسی کے عالم میں دن کاٹ رہا تھا کیونکہ والد کے انتقال کے بعد چچا کو لارڈ ساؤتھ ٹن کے خطاب کے ساتھ ہی جاگیر کا نگران بھی مقرر کیا گیا تھا۔ مگر چچا کے مسلسل تغافل اور بے التفاتی کے باعث میری حالت بہت خستہ ہو چکی تھی۔ قرض خواہوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ میرے لیے زندگی کسی مفلس کی قبا بن کر رہ گئی تھی۔ ایک دن حسبِ معمول اپنی کم نصیبی، بے چارگی اور مفلسی پر دل خون کے آنسو رو رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے چچا زاد بھائی ایڈورڈ کنگ کا خط موصول ہوا جو حال ہی میں مہماتی زندگی گزار کر واپس آیا تھا۔ بے پناہ دولت کا مالک ہونے کی وجہ سے اس نے سستے ہی گرے لینڈ کی مشہور جاگیر منہ مانگے داموں خرید لی تھی اور اب اس علاقے کا سب سے بڑا رئیس شمار ہوتا تھا۔ خط میں مجھے سیر و تفریح کی خاطر گرے لینڈ آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ یہ سوچ کر کہ شاید میرے اس رئیس بھائی کو [illegible]

دن شام کی گاڑی سے گرے لینڈ روانہ ہو گیا۔

الپسوچ ریلوے اسٹیشن پر گاڑی تبدیل کرنے کے بعد ایک مقامی چھوٹی گاڑی نے مجھے گرے لینڈ سے قریب ترین ایک سنسان سے اسٹیشن پر اتار دیا۔ پلیٹ فارم پر اتر کر میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مجھے لینے کے لیے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ میری آمد کا تار انہیں دیر سے ملا تھا۔ میں نے ایک گاڑی بان سے بات کی۔ وہ میرے چچا زاد بھائی کے حسنِ سلوک، شریف النفسی اور فیاضی کا بے حد معترف تھا۔ اس کی گاڑی گرے لینڈ کو چلی۔ دورانِ سفر اس نے مجھے بتایا کہ گرد و نواح میں ایڈورڈ کنگ کا نام بڑی محبت سے لیا جاتا ہے اور ہر شخص اس کا بے حد احترام کرتا ہے۔ گرے لینڈ پارک کا صدر دروازہ عبور کرتے ہی مجھے چھوٹے، بھاری بھرکم جسموں والے خوب صورت غزال، عجیب نسل کے جنگلی شتر، نیل کنٹھ جیسے رنگین پروں والے مگر جسامت میں اس سے کافی بڑے بہت ہی خوشنما پرندے، انواع و اقسام کی [illegible] طوطے، کبوتر، کلکے اور مرغ، خالص امریکی نسل کے سفید براق خرگوش اور چند بڑے نایاب جنگلی جانور نظر آئے۔ یہ میرے بھائی

www.taemeernews.com

کے عمدہ ذوق اور جانوروں کے ساتھ والہانہ لگاؤ کا جیتا جاگتا ثبوت تھے۔ گاڑی بان چھپی چھپی نظروں سے انہیں آزادانہ چہلیں کرتے دیکھ رہا تھا اور میرا سر فخر سے بلند تھا۔

اپنے عالیشان مکان کے دروازے پر میرا چچا زاد بھائی میرے استقبال کے لیے بنفسِ نفیس موجود تھا سلوک اور شرافت کی منہ بولتی تصویر۔ اس کے سدا بہار مسکراتے چہرے کا رنگ برازیل کی چلچلاتی دھوپ سے سنولایا ہوا تھا اس کی عمر تقریباً پینتالیس سال ہوگی، باغبانوں کی طرح کتان کے سفید کپڑوں میں ملبوس ہونٹوں میں بیش قیمت سگار دبائے سر پر بڑا سا پانامہ ہیٹ رکھے ہوئے وہ آگے بڑھا۔

"خوش آمدید! مسٹر مارشل!" اس نے وفورِ مسرت سے مجھے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "اس عزت افزائی کا بہت بہت شکریہ!!"

"کس منہ سے کروں شکر ادا اس لطفِ خاص کا" میں نے اس کے بے پناہ خلوص اور گرم جوشی سے متاثر ہو کر کہا۔ پھر ہمارے ساتھ اپنے خاندانی روابط کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ میرا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر چل دیا۔ وہاں اس نے اپنی دُبلی پتلی خوب صورت اور لانبی بیوی کے ساتھ میرا تعارف کرایا مگر اپنے خاوند کے بالکل برعکس وہ بڑی ہی سرد مہری بلکہ کسی حد تک بداخلاقی سے پیش آئی شستہ انگریزی بولنے پر قادر ہونے کے باوجود اس کے برازیلی ہونے کا مجھے بخوبی یقین تھا۔ چنانچہ اس کے گنوارپن اور بدتمیزی کو انگریزی آدابِ معاشرت سے ناواقفیت پر محمول کرتے ہوئے میں نے اس سے چشم پوشی کی کوشش کی۔ اگرچہ اس نے براہِ راست مجھے بے حد کم مخاطب کیا۔ لیکن اس کی متوحش آنکھیں صاف طور پر کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں: "خدارا ہمارا پیچھا چھوڑ دو اور واپس لندن بھاگ جاؤ!" لیکن میں نے اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ مجھے اپنے مخلص چچا زاد بھائی کے چہرے پر مسرت و انبساط کی کرنیں پھوٹتی

www.taemeernews.com

دیکھ کر کسی اور کے متعلق سوچنے کی چنداں ضرورت نہ تھی اس لیے میرے آرام و آسائش میں بہت زیادہ دل چسپی لی گئی۔ مجھے بہترین فرنیچر سے آراستہ پیراستہ کمرہ دیا گیا۔ رات کا کھانا بالکل شاہانہ تھا۔ میرے کانوں میں گاڑی بان کے الفاظ گونج رہے تھے اس جیسا مہمان نواز اور کھلے دل والا شخص آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

دوسری صبح مجھے ایک اور —— انوکھا تجربہ ہوا ناشتے کی میز پر میرے سامنے بیٹھی ہوئی مسز ایورنیڈ کنگ کا رویّہ انتہائی جارحانہ ہو چکا تھا۔ وہ مختلف حیلے بہانوں سے مجھے تند و تلخ اور تکلیف دہ فقروں سے نواز رہی تھی۔ اچانک اس کا خاوند اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا تو وہ انتہائی ڈھٹائی سے بولی۔

"لندن کو بہترین گاڑی دن کے سوا بارہ بجے جاتی ہے"

"لیکن میں آج واپس نہیں جاؤں گا" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس غیر مہذب عورت کو سبق سکھائے بغیر میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"میں کہتی ہوں دفع ہو جاؤ" اس کی آنکھوں میں نفرت و حقارت کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" ایورنیڈ کنگ کی تشویش بھری آواز سنائی دی۔ دوسرے لمحے وہ کمرے میں داخل ہوا اس نے اپنی بیوی کے توہین آمیز الفاظ سن لیے تھے۔ اور باقی باتیں ہمارے چہرے کی لکیروں نے واضح کر دی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا متبسّم چہرہ غیظ و غضب سے سرخ ہو گیا۔ مجھے مخاطب کرتے ہوئے اس نے درخواست کی۔

"مسٹر مارشل! ذرا باہر جائیے"

میرے چلے جانے کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا پھر اس کی اپنی بیوی کو دھیمی مگر غصیلی آواز میں ڈانٹ پلانے کی آواز آئی۔ میں چھپ کر باتیں سننے کو بد دیانتی سمجھتا ہوں۔ اس لیے ٹہلتا ہوا لان میں آ گیا۔ جلد ہی مجھے اپنے پیچھے تیز قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا میرے سامنے وہی بد زبان عورت کھڑی تھی اس کا رنگ اڑا ہوا اور آنکھیں اشک آلود تھیں۔

"مسٹر مارشل! میرے خاوند نے مجھے تم سے معافی مانگنے کے لیے بھیجا ہے" اس نے اپنی پشیمان نگاہوں کو جھکا کر کہا۔ مجھے اس پر ترس آنے لگا۔

"محترمہ کے لیے ایسی بات نہ کہیے مسز کنگ" میرے لہجے

میں تاسف نمایاں تھا۔ اچانک اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔

"بے وقوف کہیں کا!" وہ نتھنے پھلا کر سسکاری اور تیزی سے مکان کی طرف چل دی۔ یہ تو ہمیں اتنی غیر متوقع تھی کہ میں ہکا بکا ہو کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسی لمحے میری نظر ... ایورنیڈ کنگ پر پڑی اس کے چہرے پر بڑی مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔

"میرا خیال ہے میری بیوی نے اپنے احمقانہ رویّے کی معافی مانگ لی ہوگی" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں! بالکل" میں بڑبڑا کر بولا۔

اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے میرے بائیں ہاتھ کو آہستگی سے تھاما اور ہم لان میں ٹہلنے لگے۔

"مسٹر مارشل! مجھے معاف کر دو اس احمق کی وجہ سے یہاں تمہارے قیام میں ایک گھنٹے کی تخفیف بھی میرے لیے سوہان روح ہوگی۔ دراصل بات یہ ہے کہ وہ تعصب کی حد تک حاسد ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی میرے اور اپنے درمیان کسی کا وجود بھی برداشت نہیں کرتی۔ کبھی کبھی تو وہ مجھے پاگل لگتی ہے اس کے متعلق زیادہ سوچنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سمجھے؟"

"جی!" میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"اچھا تو یہ سگار جلاؤ اور آؤ میرے ساتھ میں تمہیں اپنا چڑیا گھر دکھاتا ہوں"

"تمام دوپہر ہم نے چڑیا گھر میں ہی گزاری۔ میں نے بے شمار پرندے، خونخوار درندے اور انواع و اقسام کی مخلوق دیکھی۔ ان میں سے کچھ جانور آزادانہ گھوم رہے تھے۔ کچھ آہنی یا چوبی پنجروں میں بند تھے۔ اور کچھ کو ان کا قدرتی جنگل ماحول مہیا کیا گیا تھا۔ وہ بڑے جذباتی لہجے میں لہریں ان گنت کامیابیوں اور ناکامیوں کی داستان سنا رہا تھا۔ اثنائے گفتگو جب کوئی خوشنما پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا گھاس سے اڑتا یا کوئی درندہ خوفزدہ ہو کر کسی اوٹ میں چھپتا تو وہ کسی بچے کی طرح کھلکھلا اٹھتا۔ آخر میں ہم ایک طویل راہداری عبور کرتے ہوئے ایک بھاری دروازے کے سامنے آ رکے۔ دروازے کے دائیں پٹ میں زمین سے تقریباً چار فٹ بلندی پر ایک سوراخ دار کھڑکی بنی ہوئی تھی۔ دیوار کے اندر لوہے کا ایک بڑا سا ہینڈل نصب تھا۔ ایورنیڈ شفقت سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

www.taemeernews.com

"یہاں میرے چڑیا گھر کا سب سے قیمتی بیبا بند ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"برازیلی بلی۔۔۔ اس وقت اس نسل کی دوسری بلی روئے زمین پر نہیں ہے۔"

"مگر۔۔۔ بلیوں ۔۔۔ کسی لحاظ سے مختلف ہے"

"یہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا" اس نے ہنستے ہوئے اشارہ کیا: "ذرا اس کھڑکی میں سے اندر جھانکو" میں آگے بڑھا اور اندر دیکھنے لگا۔ میرے سامنے ایک بڑا سا خالی کمرہ تھا۔ دیں طرف کمرے کی چھت سے قریباً تین فٹ نیچے سلاخوں کی چھت بنی ہوئی تھی جسے دو ستون سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ان سلاخوں کا مقصد میری سمجھ سے باہر تھا۔ کمرے کے عین وسط میں چیتے جتنی بڑی اور آبنی رنگت کی سیاہ اور چمکیلی مخلوق سورج کی سنہری روشنی کے تالاب میں نہا رہی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت قد آور اور سحر انگیز تھی کہ کچھ دیر تک میں اس پر سے اپنی نظریں دوسری طرف نہ ہٹا سکا۔

"کیسی ہے؟" میرے میزبان نے مجھے ٹہوکا دیا۔

"لاجواب! میں نے آج تک اتنا پرکشش جانور نہیں دیکھا!"

"کچھ لوگ اسے امریکی چیتا 'پوما' کہتے ہیں لیکن فی الحقیقت یہ امریکی چیتا نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی سر سے دم تک لمبائی گیارہ فٹ ہے۔ چار سال قبل یہ سیاہ رنگ کی چمکدار آنکھوں والی گیند لگتی تھی۔ میں نے اسے پیٹاگونیا کے خطرناک جنگلات میں بسنے والے وحشی قبائل سے خریدا تھا انہوں نے اس کی ماں کو نیزے مار مار کر ہلاک کر دیا تھا کیونکہ اس نے ان کے ایک درجن آدمی ہلاک کر دیئے تھے۔"

"پھر تو یہ خونخوار بھی ہے" میں خوفزدہ ہو گیا۔

"یہ جنگل کی دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار، مکار اور خطرناک درندہ ہے۔ دغا اس کی سرشت میں شامل ہے کسی ویسٹ انڈین سے برازیلی بلی کے متعلق بات کرو تو وہ خوف سے اچھل پڑتا ہے۔ انسانوں کے شکار میں اسے خاص لطف آتا ہے۔ انسانی خون چکھتے ہی یہ انسانی خون کی پیاسی بن جاتی ہے مگر میری بلی نے ابھی تک انسانی خون نہیں چکھا یہ اپنے کمرے میں میرے علاوہ کسی کو گھسنے نہیں دیتی۔۔۔ میرے چڑیا گھر کا نگراں علی۔۔۔ اللہ دین جو اس کی خوراک کا بندوبست کرتا ہے۔ کبھی اس کے قریب جانے سے گھبراتا ہے۔ جبکہ یہ میرے ساتھ اس طرح سے پیار کرتی ہے۔ جیسے بچہ اپنی ماں کے ساتھ۔"

یوں ہی باتیں کرتے ہوئے اچانک اس نے دروازہ کھولا اور کمرے کے اندر داخل ہو کر دوبارہ دروازہ بند کر لیا۔ اپنے مالک کی آواز سن کر وہ ملائم اور چمکیلی جلد والی عظیم الجثہ بلی انگڑائی لے کر اٹھی اور اپنا بڑا سا خوفناک سر پیار سے اس کے جسم کے ساتھ رگڑنے لگی جبکہ وہ اسے پچکارتا اور ہولے ہولے تھپکتا رہا۔

"ٹامی اب اپنے پنجرے میں چلو" اس نے سلاخ دار چھت کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور بلی خاموشی سے سلاخ دار چھت کے نیچے ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ ایورینڈ کنگ باہر آیا اور آہنی ہینڈل (جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں) پکڑ کر گھمانے لگا۔ ایسا کرتے ہی سامنے کی دیوار سے قریباً دس گیارہ فٹ بلند سلاخوں کی قطار سی نکلی اور جہاں سمت والی دیوار کے ساتھ آ لگی اوپر نیچے کی طرف یہ چھت والی سلاخوں سے مل کر ایک موثر پنجرہ بنا رہی تھیں۔ کنگ نے دوبارہ دروازہ کھولا اور مجھے اندر آنے کی دعوت دی۔ اندر گوشت اور جانوروں کے جسم سے نکلنے والی مخصوص ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔

"ہم اسے سارا دن ٹہلنے کودنے کے لیے کھلا چھوڑتے ہیں اور رات کو پنجرے میں بند کر دیتے ہیں۔ اس آہنی ہینڈل کو الٹا گھما کر سے دوبارہ باہر نکال لیا جاتا ہے"

ان جالوں میں سے میں نے سلاخوں کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کے چمکیلے سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرنا چاہا تھا کہ کنگ نے فوراً جھٹکے سے میرے ہاتھ کو باہر نکالا اور گھبرا کر بولا۔

"یہ کیا کرنے لگے تھے؟ یہ مت سوچو کہ میری طرح ہر کوئی اس سے بے تکلف ہو سکتا ہے۔ یہ کسی سے ۔۔۔"

ایک دفعہ کچھ لوگ ۔۔۔ کے وقت حضرت مالک بن دینار کی زیارت کے لئے گئے۔ دیکھا کہ گھر میں اندھیرا ہے اور مالک ایک روٹی کو ہاتھ میں لئے ہوئے مل رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا: حضرت گھر میں نہ دیا ہے اور نہ کوئی کھانے کے سامان۔ کہا: "دنیا جہاں تھوڑا ہے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم میں تو ان چیزوں پر بھی نادم ہوں جو میرے پاس ہیں۔"

---

www.taemeernews.com

پسند نہیں؟ کیوں نامی؟"

اپنے جنوبی امریکن بھائی کی جانوروں کے ساتھ غیر معمولی دل چسپی کو دیکھتے ہوئے میرا خیال تھا کہ اسے ان دیس بدیس کے جانوروں کے علاوہ کسی اور چیز سے کوئی لگاؤ نہیں ہوگا لیکن اس کے روزانہ تاروں کی باقاعدہ آمد نے میرے اس خیال کی نفی کر دی۔ میرا خیال تھا۔ ان میں کوئی بے حد اہم خفیہ اور فوری قسم کی اطلاعات ہوتی ہوں گی۔ اس لیے وہ خود انہیں اپنے ہاتھ سے کھول کر پڑھتا ہے۔ اس وقت اس کا چہرہ تشویش اور اضطراب کا عجیب امتزاج پیش کیا کرتا تھا۔ میں نے اس معاملے میں غیرت ورنہ تجسس کو مناسب خیال نہ کیا۔ میں نے اپنے ایک ہفتے کے قیام کے دوران میں دیکھا کہ تین یا چار تاریں روزانہ آتے تھے البتہ کسی کسی دن ان کی تعداد سات آٹھ تک بھی پہنچ جاتی تھی۔

اب تک ہم دونوں میں خاصی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی اور میں اس کی گزشتہ شاندار پُرخطر مگر ولولہ انگیز زندگی کے بڑے حصے سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اب میں صرف اس انتظار میں تھا کہ اپنے دل کی بات کو کس طرح اپنی زبان پر لاؤں۔ بہر حال بات کرنے کا ارادہ کرتا مگر خودداری آڑے آتی اور میں اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔ آخر ایک دن حوصلے کی کمی سے تنگ آ کر میں نے جرأت کر کے اسے اپنی مشکلات سے قرضے کے بوجھ، قرض خواہوں کے پیہم آتا نوٹس [illegible] چچا کی طوطا چشمی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اس نے بڑی توجہ سے میری باتیں سنیں اور پھر سگار کا ایک لمبا کش لے کر منہ سے دھوئیں کے مرغولے چھوڑتے ہوئے بولا۔

"یقینی طور پر تم — چچا ارنز ساؤتھ ٹن کے وارث ہو۔"

"لیکن اس کے باوجود چچا مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیتے۔"

"ہاں! ہاں! ان کی کنجوسیوں سے کون واقف نہیں ہے۔ میرے بدنصیب بھائی تمہاری حالت قابل افسوس ہی نہیں قابل رحم بھی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ ارنز ساؤتھ ٹن کی صحت کیسی ہے؟"

"دائم جنم کا مریض ہے۔ میں نے اسے کبھی صحت مند نہیں دیکھا۔"

"واقعی اس کا کوئی نہ کوئی پرزہ ہمیشہ ڈھیلا رہتا ہے بہر حال اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ سب حقائق جانتے ہوئے مجھے کچھ رقم دیں گے ...؟"

"میرا دکھو میرے عزیز ...! [illegible] بات کا سنا ہوا لولا، ہم آج رات اس مسئلے پر [illegible] غور کریں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میرے بس میں ہے تمہارے لیے کروں گا۔ میں یوں انتہائی [illegible] رات [illegible] سے مبہم سا اظہار کرنے لگا۔

اور مسٹر یورینڈ کنک کا [illegible] ہوئے دل میں نفرت وحقارت کے کانٹے چبھتے [illegible] دوبارہ کسی [illegible] کا اظہار تو نہیں کیا۔ شاید [illegible] کے خوف سے لیکن اب اس نے اپنی جنونانہ رقابت کو ایک نیا رنگ دے دیا تھا وہ مجھ سے قطعی لاتعلق ہو گئی تھی۔ [illegible] مجھے اس حد تک نظر انداز کیا ہوا تھا جیسے اس کے لیے میرا وجود یا عدم وجود برابر تھا۔ اس نے مجھے مخاطب کیے بغیر وہ خاموش طریقہ اختیار کیا جو میرے لیے گرے لینڈ میں قیام کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دہ بنا سکتا تھا۔ [illegible]

دن تو اس کی بدسلوکی اس انتہا کو پہنچ گئی کہ اگر اس رات میں نے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ اپنی معاشی حالت سدھارنے کے لیے بات چیت نہ کرنی ہوتی تو میں فوراً وہاں سے بھاگ آتا۔

آج مسٹر یورینڈ کنک کے نام پہلے سے بھی زیادہ تاریں موصول ہوئی تھیں اسی لیے رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ [illegible] اپنی مطالعہ گاہ میں چلا گیا تھا اور اس وقت باہر نکلا جب سارا گھر سو چکا تھا۔ میں بلیئرڈ روم میں بیٹھا اس کی آمد کا منتظر تھا اس نے حسب معمول مختلف کمروں کو تالے لگائے اور پھر ایک ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس بلیئرڈ روم میں داخل ہوا۔ اس نے بڑی ایڑی والے سرخ رنگ کے سلیپر پہن رکھے تھے۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک جام میں خوبصورت شفاف پانی میں کافی مقدار میں وہسکی کی آمیزش کی اور ایک ہی سانس میں غٹاغٹ پی گیا۔

"رات کتنی خوفناک ہے!" وہ گلاس ختم کر کے بولا۔

رات واقعی بے حد بھیانک تھی۔ باہر تند و تیز ہوا مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑ رہی تھی اور کمرے کی چاپ دار [illegible] یوں جل رہی تھیں جیسے ابھی اکھڑ کر نیچے گر جائیں گی لیمپ کی زرد روشنی اور سگار کے تمباکو کی خوشبو ماحول کی [illegible] میں اضافہ کر رہی تھی۔

"عزیزم! ..." میرا میزبان بولا۔ "اب یہ گھر اور رات ...

www.taemeernews.com

ہماری ہے مجھے تفصیل سے تمام معاملات سمجھاؤ، میں دیکھوں گا کہ میں تمہارے کیا کام آسکتا ہوں "؟

میں نے پوری تفصیل سے باقاعدہ اعداد و شمار کے ساتھ اپنے مالی حالات اس کے سامنے رکھے مگر دوران گفتگو اس بات نے مجھے بے حد مایوس کیا کہ میرے میزبان کی نظریں باتوں کے بجائے کہیں اور تھیں اور وہ دور خلاؤں میں عجیب انداز سے گھورتا ہوا صرف، ہوں، ہاں پر اکتفا کرتا رہا۔ جب میں نے بات ختم کی تو وہ اچانک سنبھل کر بولا۔

"میرے بھائی! یہ تمام اعداد و شمار صحیح کاغذ پر لکھ کر مجھے دینا۔"

اچانک گھڑی کی تیرہ ٹن دے لے بھیں چونکا دیا۔ وہ دیوار پر دیکھتا ہوا بولا۔

"ایک بج چکا ہے اب ہمیں سونا چاہیئے۔"

باہر ہوا کی تندی و تیزی میں کوئی فرق نہ آیا تھا اور وہ ابھی تک کسی طوفانی دریا کی طرح بپھری ہوئی تھی۔ ہم سونے کے واسطے اپنے کمروں میں جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک اسے جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ بولا۔

"سونے سے پہلے میں اپنی بلی کے پاس ضرور جاؤں گا طوفانی راتوں میں وہ بہت غضب ناک ہو جایا کرتی ہے کیا تم ساتھ چلوگے "؟

"یقیناً" میں نے کہا۔

"تو چپ چاپ نرم قدموں سے میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

ہم ہال میں بچھے ہوئے بیش قیمت ایرانی قالین پر چلتے ہوئے راہداری کی طرف آئے وہاں گھپ اندھیرا تھا۔ میرے میزبان نے دیوار سے ایک لالٹین اتاری اسے روشن کیا اور ہم راہداری سے ہوتے ہوئے اسی بھاری دروازے کے سامنے آگئے۔ دروازہ کھول کر ہم کمرے کے اندر داخل ہوئے بلی پنجرے میں بند تھی۔ ہمارے قریب پہنچتے ہی وہ خوفناک انداز میں غرائی وہ واقعی طیش میں تھی۔ لالٹین کی کانپتی لرزتی روشنی میں ہم نے اسے پنجرے کے ایک تاریک گوشے میں چاروں زانوؤں پر بیٹھے دیکھا اس کی غیر معمولی جسامت کا سایہ سامنے دیوار پر بے حد ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ اس کی لمبی دم غصے سے سانپ کی مانند بل کھا رہی تھی۔ "وکٹوریہ کا مزاج بہت برہم ہے" البرٹ کنگ نے

سامانِ عید

پلکوں پہ اہتمام چراغاں ہوا تو کیا
اس طرح اپنی عید کا ساماں ہوا تو کیا
دل خون رو رہا تھا تو آیا پیام یار
ہم کو مٹا کے کوئی پشیماں ہوا تو کیا
غنچہ کوئی کھلا ہے نہ چٹکی کوئی کلی
دیوانگی میں چاک گریباں ہوا تو کیا
کچھ ان سے عرض حال کی صورت نہیں رہی
وہ مال پہ چند روز کا مہماں ہوا تو کیا
طوفاں میں ہے سفینہ کنارے سے دور دور
مجھ پر غم حیات کا احساں ہوا تو کیا
دنیا میں دردِ دل ہے بس انسانیت کی شرط
کافر ہوا تو کیا جو مسلماں ہوا تو کیا
اب شہر آرزو میں کوئی ہمنوا نہیں
جاوید انجمن میں غزل خواں ہوا تو کیا

ایم اسلم جاوید فیصل آباد

*

اسے لغو دیکھتے ہوئے کہا "اسے خوش کرنے کے لیے مجھے کوئی عمدہ چیز کھانا پڑے گی۔ ذرا یہ لالٹین پکڑو" میں نے اس کے ہاتھ سے لالٹین لے لی تو دروازے کی طرف بڑھا۔

"گوشت کا ڈبہ راہداری کے باہر ہے میں ابھی لے کر آتا ہوں" یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکلا اس کے پیچھے دروازہ کے زور سے بند ہونے کی آواز آئی پھر دروازے کے آہنی بولٹ کے گرنے کی مخصوص آواز "کڑاک" سن کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون جم گیا۔ خوف و دہشت کی سرد لہر اور کسی انجانے خطرے کے موہوم تصور سے میرا تمام جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ میں فوراً دروازے کی طرف لپکا مگر وہ بڑی مضبوطی سے بند ہو چکا تھا۔

"خدا کے لیے دروازہ کھولو" میں گلا پھاڑ کر چلایا "شور کیوں مچاتے ہو" میرے میزبان نے راہداری سے آواز دی "کیا تمہارے پاس لالٹین نہیں ہے "؟

www.taemeernews.com

"ہے! لیکن میں یوں بند ہونا پسند نہیں کرتا۔"

"اخاہ! مگر تمہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔" اس نے قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا۔

"دروازہ کھولو۔" میں نے غصے سے دروازہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "میں اس قسم کے عملی مذاق کا عادی نہیں ہوں۔"

جواب میں اس کے فلک شگاف قہقہے کی آواز سنائی دی اور میرا دل سینے میں اتنی زور سے اچھلا جیسے باہر نکل جائے گا۔ کیونکہ میں نے طوفان کے شور میں ہینڈل گھومنے کی آواز سنی اور اس کے ساتھ ہی پنجرے کا راستہ کھلنے لگا اور سلاخیں واپس دیوار میں سرکنے لگیں۔

"خدا کی پناہ!"

وہ پراسرار بلی کو یا شکار کرنے کے لیے پنجرے سے آزاد کر رہا تھا۔ اتنے حملہ آور اور وحشی جانور کو بلی جیسے بے ضرر نام سے پکارنا سراسر زیادتی ہے۔ اس لیے میں آئندہ صفحات میں اس کے لیے چیتے یا درندے کا لفظ استعمال کروں گا۔ سلاخیں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھیں اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے پنجرے کے منہ میں ایک فٹ چوڑا شگاف نمودار ہو چکا تھا۔ غضب ناک چیتا کسی بھی لمحے مجھے دبوچ سکتا تھا۔ لرزہ خیز موت کے خوف سے چیختے ہوئے میں نے چھلانگ لگا کر آخری سوراخ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور خوف اور غصے سے پاگل کسی دیوانے آدمی کی طاقت سے اسے مخالف سمت میں کھینچنے لگا۔ تقریباً ایک منٹ تک سلاخیں اپنی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ لیکن کب تک؟ مشینی زور کے مقابلے میں میری ہار یقینی تھی۔ پھر بھی میں اپنی پوری قوت صرف کرتا رہا۔ لیکن سلاخیں سست رفتاری سے کھسکتی رہیں اور پھسلتا فرش میرے پاؤں کے نیچے سے کھسکتا رہا۔ اس یاس انگیز زور آزمائی کے دوران میں اپنے سنگدل میزبان سے رحم کی بھیک مانگتا رہا۔ میں نے اپنے خونی رشتے کا واسطہ دیا۔ اسے یاد دلایا میں اس کا مہمان ہوں۔ گڑگڑا کر اس سے پوچھا کہ آخر کس جرم کی اتنی سنگین سزا دی جا رہی ہے؟ لیکن میری ان التجاؤں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کسی بہرے جلاد کی طرح وہ پنجرے کا دروازہ کھولنے والے ہینڈل کو الٹا گھماتا رہا۔ میں سلاخوں کے ساتھ بری طرح چمٹا ہوا تھا۔ اور اس حالت میں خونخوار درندے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اور آخر زندگی سے مایوسی، زخمی انگلیوں اور دکھتی کلائیوں سے اٹھنے والی ناقابل برداشت ٹیسوں نے مجھے اپنی اس لاحاصل جدوجہد کو ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ سلاخیں فوراً دیوار میں جا گھسیں۔ چند لمحوں کے بعد ترکی سلیپروں کی خاموش راہداری میں دور جانے اور پھر راہداری کے بیرونی دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی۔ اس کے بعد ماحول پر مہیب سناٹا چھا گیا۔

اس تمام عرصے میں چیتا بڑے سکون سے پنجرے کے کونے میں بیٹھا رہا۔ اب اس کی دم بھی ساکن ہو چکی تھی۔ ایک اجنبی کو اپنے پنجرے کی سلاخوں کے ساتھ چمٹے اور چیختے چلاتے دیکھ کر شاید وہ بھی حیرت زدہ تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اپنی بڑی بڑی خوفناک آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ لالٹین میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر گر گئی تھی۔ اور وہیں جل رہی تھی۔ روشنی کو زندگی کی علامت سمجھ کر میں نے لالٹین کو زمین سے اٹھانے کے لیے ایک قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ درندہ دھمکی آمیز انداز میں غرایا۔ میں وہیں جم کر رہ گیا۔ خوف سے میرے جسم کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ وہ مجھ سے دس فٹ سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ اور ایک ہی جست میں باآسانی مجھے دبوچ سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں فاسفورس کے دو گول ٹکڑوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ اگرچہ ان کی طرف دیکھنا بہت مشکل کام تھا پھر بھی میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے مجھ پر جادو کر دیا گیا ہو۔ قدرت بھی ایسے نازک موقعوں پر سنگین مذاق کیا کرتی ہے۔ کبھی مجھے یوں لگتا جیسے کہ میرے سامنے انتہائی تیز روشنی کے دو ننھے منے نقطے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ یہ دو نقطے پورے کمرے میں پھیل جاتے۔ جانے کتنی دیر میں اسی قسم کے انوکھے تجربات سے دوچار رہا کہ اچانک روشنی کے وہ نقطے معدوم ہو گئے اور میں جیسے اچانک نیند سے بیدار ہو گیا۔

درندے نے اپنی آنکھیں میچ لی تھیں۔ مجھ پر حملہ آور ہونے کے بجائے اس نے سر اپنے پنجوں پر رکھ کر خراٹے لینے شروع کر دیئے تھے۔ میں بے حس و حرکت کھڑا تھا میری معمولی سی حرکت بھی اسے دوبارہ بیدار کر سکتی تھی مگر شعلہ صفت آنکھوں کے بند ہوتے ہی میری ذہنی صلاحیتیں بیدار ہو گئیں۔ مجھے اس خونخوار جانور کے ساتھ تمام رات اسی کمرے میں بسر کرنا تھی۔ میں صبح تک اس سے کیسے بچوں گا؟ دروازہ اور کھڑکیاں

www.taemeernews.com

کا[illegible] شکست تھی۔ کمرے میں کوئی پناہ گاہ بھی نہیں تھی۔ مدد کے لیے چیخ و پکار بالکل فضول تھی کیونکہ یہ کمرہ مکان سے بالکل کٹا ہوا تھا۔ اور اسے مکان سے ملانے والی راہداری تقریباً سو فٹ طویل تھی۔ اس کے علاوہ طوفانی ہوا کے شور میں میری آواز کسی کے کانوں تک پہنچنا ناممکن تھا اب کوئی معجزہ ہی میری زندگی بچا سکتا تھا۔ تاہم میں نے آخری دم تک جان بچانے کی کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسی اثنا میں میری نظر لالٹین پر پڑی تو میرا کلیجہ حلق میں اٹک گیا۔ بتی بہت نیچی ہو چکی تھی۔ اور اس کی لو نے پھڑپھڑانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا وہ زیادہ سے زیادہ دس منٹ اور جل سکتی تھی۔ اور پھر گھُپ اندھیرا، اندھیرے کے اعصاب شکن خیال سے ہی میری آنکھوں کے سامنے موت کے ہیبت ناک عفریت ناچنے لگے۔ اپنے بچاؤ کی تدبیر بری یا بھلی، اختیار کرنے کے لیے میرے پاس صرف دس منٹ تھے اور میری مایوس نگاہیں اس جہنم زار کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اچانک مجھے امید کی ہلکی سی کرن دکھائی دی اور میری نظریں پُرامید ہو کر پنجرے کی چھت پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ پنجرے کی چھت بالکل محفوظ تو نہ تھی۔ البتہ فرش کی نسبت وہاں پر فوری حملے کا اندیشہ کم تھا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مجھے پنجرے کی چھت پر زندگی بچ نکلنے کی آس نظر آئی میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ کیونکہ روشنی کسی بھی لمحے گل ہو سکتی تھی اور پھر میرا اس محفوظ مقام تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔ گلے میں کڑوا تھوک نگلتے ہوئے میں نے پوری قوت سے اوپر اچھل کر پنجرے کی چھت کا آہنی کنارا پکڑ لیا اور جھولا جھولتے ہوئے جھٹکے سے اپنے آپ کو اس کے اوپر پھینک دیا۔ درد کی اینٹھن سے میں اوندھے منہ گرا۔ مجھے وہی تیز روشنیاں جل اٹھی تھیں اور درندہ جمائی لیتے ہوئے ہولناک انداز میں اپنے جبڑے کھولے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خشمگی کے بجائے تجسس نمایاں تھا۔ اپنے جسم کو بل دیتے ہوئے اس نے ایک لمبی انگڑائی لی۔ پھر ایک جست سے دیوار کا سہارا لے کر وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا اور دوسرے پنجے سے پنجرے کی چھت کو پکڑنے لگا۔ میں ڈر کر دوسری طرف ہٹا تو جالی کی کسی نوک میں الجھ کر گھٹنے سے میرا پاجامہ پھٹ گیا اور میرے

گھٹنے پر خراش آ گئی۔ اس کا ارادہ مجھ پر حملہ کرنے کا نہیں تھا کیونکہ تکلیف سے زیادہ خوفزدہ ہو کر میرے منہ سے تیز چیخ نکلی تو وہ فوراً نیچے گر گیا اور آہستگی سے پنجرے کے باہر کمرے میں کود گیا۔ اس کے بھاری جسم کو بالکل بے آواز ہیولے کی مانند کمرے میں ادھر ادھر بھاگتے دیکھ کر مجھے عجیب قسم کا لطف محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک لالٹین کی بتی بھڑکی اور ایک تیز پھڑپھڑاہٹ کے ساتھ بجھ گئی۔ اب میں اندھیرے کمرے میں آزاد اور غضب ناک چیتے کے ساتھ اکیلا تھا۔

اپنی حفاظت کے ممکنہ اقدامات کر لینے کے بعد انسان خطرے کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر مستعد ہو جاتا ہے پھر اسے صرف نتیجے کا انتظار کرنا ہوتا ہے۔ میں بھی پنجرے کی چھت کے اوپر خاموشی سے سانس روکے اپنی تقدیر کے فیصلے کا منتظر تھا۔ اس وقت تقریباً دو بجے ہوں گے۔ سورج طلوع ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے۔ باہر ابھی تک طوفانِ باد و باراں عروج پر تھا۔ ہوا کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بارش کے تھپیڑے کھڑکیوں پر پتھروں کی طرح برس رہے تھے۔ کمرے کے اندر کی متعفن فضا ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ میں نہ چیتے کو دیکھ سکتا تھا، ور نہ ہی اس کی کسی حرکت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے اپنے دماغ کو دوسری باتوں کی طرف مصروف رکھنے کی کوشش کی۔ مگر میرے دماغ میں دوبارہ میرے چچا زاد بھائی کا ہیولا ابھرا۔ منافقت کا مجسمہ مکاری کی تصویر! آج اس کے ہنس مکھ چہرے کے پیچھے مجھے زمانۂ قدیم کے کسی مردم خور وحشی انسان کی مکروہ شکل جھانکتی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ستمگر میری معصوم جان کا دشمن کیوں بنا؟ بے حد کوشش کے باوجود میں اس معمے کو حل نہ کر سکا۔ وہ چند گھنٹے بڑی سست رفتاری سے گزرے۔ آخر کار مدھم سی روشنی نے کھڑکیوں کے وجود کو [illegible] دو چوکور سلاخوں کی شکل میں ظاہر کیا پھر جیسے سورج کی کرنیں کمرے میں ہونے والے ڈرامے کا ڈراپ سین دیکھنے کے لیے اندر داخل ہو گئیں۔ اب میں اپنے خونخوار حریف کو دیکھ سکتا تھا۔ اور وہ بھی مجھے دیکھ رہا تھا۔

اس کے مزاج کی برہمی خطرناک حد تک شدت اختیار کر چکی تھی۔ خون کو منجمد کر دینے والی سردی اور بھوک اس کی برافروختگی میں مسلسل اضافے کا باعث بن رہی تھیں۔ وہ غراتے ہوئے کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی مونچھوں کے بال غصے سے تنے ہوئے تھے۔ اس کی دم کوڑے کی طرح

بے ۔

www.taemeernews.com

ہوا میں لہرا رہی تھی۔ اس کی للچاتی ہوئی شعلہ بار آنکھیں بڑی ہی خطرناک انداز میں بار بار گوشت کے اس لوتھڑے کی طرف اٹھتیں جو پنجرے کی چھت کے اوپر پڑا اس کی آتش شکم اور غیظ کو ہر لحظہ بھڑکا رہا تھا۔ وہ مجھ پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس کی گمبھیر اور غصیلی غراہٹ کبھی نہ ختم ہونے والے جوار بھاٹے کی طرح بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔

میں جانتا تھا کہ بے رحم موت کے استقبال کی اذیت ناک گھڑی آپہنچی ہے۔ موت کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر میں نے زندگی سے مایوس انسان کی طرح آخری بار اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ درندہ پنجرے سے باہر کمرے میں انتہائی اضطراری حالت میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ بجلی کی طرح میرے ذہن میں ایک خیال گزرا۔ اگر کسی طرح پنجرے میں داخل ہو کر اس کا سلاخ دار دروازہ باہر کھینچ لیا جائے تو جان بچنے کی صورت نکل سکتی تھی۔ مگر کیا یہ دروازہ باہر کھینچا جا سکتا ہے؟ اس الجھن نے مجھے دوبارہ مایوس کر دیا۔ مشتعل درندے کے اچانک حملے سے ڈرتے ہوئے میں معمولی حرکت کو بھی خطرناک تصور کرتا تھا۔ چنانچہ بہت ہی آہستہ آہستہ میں نے اپنا دایاں ہاتھ آگے نکالا اور دیوار میں چھپی ہوئی آخری سلاخ کو پکڑ کر باہر کی طرف زور لگایا۔ اسے باآسانی باہر سرکتے دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا۔ میں نے ایک ہلکا جھٹکا دیا، دروازہ تین انچ باہر نکل آیا۔ اس کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ اس لیے بغیر دقت کے اسے آسانی سے باہر کھینچا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے دوبارہ کھینچا ہی تھا کہ اچانک ”غرش“ کی دل ہلا دینے والی آواز۔ ایک زبردست جھٹکے کے بعد انگاروں کی طرح جلتی آنکھیں، سرخ زبان اور سفید دانت مجھے اپنے قریب سے قریب تر ہوتے دکھائی دیے۔

”اُف خدایا!“

اس کے دانت کتنے تیز نوکیلے اور بڑے تھے۔ میں تصور ہی میں ان کی کاٹ کو اپنے جسم پر محسوس کرتے ہوئے کانپ اٹھا۔ اس کی بدبودار سانس میرے چہرے کی طرف یوں آئی جیسے کسی گندے برتن کے منہ سے بھاپ اٹھی ہو۔ درندے نے مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی۔ پنجرے کی چھت سے اس کے بھاری جسم کے ٹکرانے سے سلاخیں اتنی زور سے ہلیں کہ میں نے سوچا کہ شاید چھت زمین پر گر پڑے گی اور چیتا میری تکا بوٹی کر دے گا۔ کچھ دیر تک چھت اسی طرح ہلتی رہی۔ چیتے کا خوفناک سر اور اگلے پنجے میرے بالکل قریب تھے اور پچھلے پنجوں سے جسم کو سہارا دینے کے لیے وہ انہیں کسی جگہ ٹکانے کے لیے ہوا میں جھول رہا تھا۔ جالی کے ساتھ چمٹنے کی کوشش میں اس کے اگلے پنجے جالی کے ساتھ رگڑ کھا رہے تھے۔ اس کی بدبودار سانس سے مجھے متلی ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ زیادہ دیر اسی حالت میں پنجرے کی چھت کے ساتھ نہ لٹک سکا اور تھوڑی دیر بعد غصے سے چلاتا اور سلاخوں پر مٹھی سے پنجے ملتا ہوا وہ پیچھے مڑا اور نیچے فرش پر زور سے جا گرا۔ مگر فوراً ہی ایک خوفناک گرج کے ساتھ تڑپ کر اٹھا اور اوپر دیکھتے ہوئے دوبارہ چھلانگ لگانے کے لیے اپنے آپ کو سکوڑنے لگا۔

اگلے چند لمحے میری زندگی کے لیے فیصلہ کن تھے۔ درندے نے تجربے سے پنجرے کی چھت کی بلندی کا اندازہ کر لیا تھا اور اب دوبارہ اس سے غلط چھلانگ کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ زندگی بچانے کے لیے مجھے زندگی کو خطرے میں ڈال کر فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا تھا۔ میں نے سیکنڈ کے دسویں حصے میں اپنے منصوبے کو آخری شکل دی۔ تیزی سے اپنا ڈریسنگ کوٹ اتارا اور اسے نیچے کھڑے ہوئے درندے کے منہ پر دے مارا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے چھلانگ لگا دی اور پنجرے کے دروازے کی سلاخ کو پکڑا اور پاگلوں کی طرح اسے دیوار سے کھینچتے ہوئے دوسری دیوار کی طرف دوڑا۔ پنجرے کا پورا دروازہ باہر نکل آیا تھا۔ لیکن میری بدقسمتی دیکھیے کہ میں خود باہر رہ گیا تھا۔ سخت سردی کے باوجود میں پسینے میں نہا گیا۔ گردن موڑ کر چیتے کی طرف دیکھا۔ وہ میرے ڈریسنگ کوٹ کے چیتھڑے اڑا کر میری طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ میں نے حواس باختگی کے عالم میں جلدی سے دروازے کو پیچھے دھکیلا اور اس پیدا ہونے والے شگاف میں سے تیزی سے پنجرے میں داخل ہو گیا۔ اسی لمحے چیتے نے میرے اوپر جست لگائی اور میری بائیں ٹانگ پر زور سے پنجہ مارا۔ میں نے فوراً سلاخ دار دروازہ بند کر کے اپنی جلتی ہوئی ٹانگ کی طرف دیکھا۔ میری پنڈلی سے گوشت یوں چھل چکا تھا۔ جیسے کسی ماہر بڑھئی نے ناتراشیدہ لکڑی کو ہموار کر دیا ہو۔ چیتا اپنا خون آلود پنجہ چاٹ رہا تھا۔ اگلے لمحے میں کھڑا نہ رہ سکا اور چکرا کر نیچے زمین پر گر گیا۔ میری ٹانگ سے خون کی ندی رواں تھی۔ اور میں نیم بے ہوشی کی کیفیت میں بھی ان مہربان اور حیات بخش سلاخوں کی طرف تشکر آمیز

www.taemeernews.com

کھوں سے دیکھ رہا تھا۔ جنہوں نے میری زندگی اور موت کے درمیان کچھ دیر کے لیے حدِ فاصل قائم کر دی تھی۔ چیتا پاگلوں کی طرح سلاخوں سے سر ٹکرا رہا تھا۔ وہ ایک چوڑی سیاہ چھال سے سلاخوں پر زور دے کر اپنے نوکیلے پنجوں کو اندر داخل کر کے مجھے پکڑنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا بالکل اس طرح جیسے چھوٹے پنجرے میں قید چوہے کو پکڑنے کے لیے گھر یلو بلیاں بے تاب ہوا کرتی ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے میں اس کی پہونچ سے دور گرا تھا۔ کچھ دیر بعد میں گرد و پیش سے بالکل غافل ہو گیا۔ بے ہوشی زخموں کی ناقابلِ برداشت تکلیف سے نجات کا آسان ترین طریقہ یہی ہے۔

جانے کتنی دیر بعد مجھے دوبارہ ہوش آیا۔ الیجبس چیونے مجھے مکمل شعور عطا کیا وہ چٹخنی کی وہی مخصوص کلک، تھی۔ پھر تالا کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی میں نے اپنے بھاز لو بھائی کا مسکراتا ہوا گول مگر منحوس چہرہ اندر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بیک وقت حیرت مسرت اور تجسس کی متضاد کیفیات نمایاں تھیں چیتے کو کمرے میں اور مجھے پنجرے میں پڑا دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹھکا میں بیٹھے کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اور نیم وا آنکھوں سے اپنے سفاک قاتل کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ میرے بال جلے کے حیثیت ساز جکے تھے۔ اور میرے گرد خون کا تالاب بنا ہوا تھا۔ اس کے منحوس چہرے پر سوتے کی کرنیں چمک رہی تھیں اس نے میری طرف بغور دیکھا اب اس کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلک تھی۔ اس نے جلدی سے اندر داخل ہو کر کمرے کا دروازہ بند کیا۔ اور پھر میری موت کی تصدیق اور میرا حشر دیکھنے کے لیے پنجرے کی طرف بڑھا اگرچہ میں پوری طرح ہوش میں نہیں تھا۔ تاہم مجھے اتنا یاد ہے کہ میری طرف آتے ہوئے وہ اچانک خوفزدہ ہو کر چیتے کی طرف گھوم گیا۔ ایڈورڈ کی مخصوص آواز میرے کانوں میں پہونچی۔۔۔۔۔

"ٹامی! پیارے ٹامی! ہوہ۔ بدحواس ہو کر چلایا۔ اور الٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا پنجرے کے ساتھ آ لگا۔ اس کی پیٹھ اب ۔۔۔ میری طرف تھی۔ چیتے کی غراہٹ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

"میرے سٹو! احمق! جنگلی درندے! ٹامی! کیا تم اپنے مالک کو بھی نہیں پہچانتے" اس کی آواز خوف و دہشت سے لرز رہی تھی۔

مگر تم نہیں ہو

عید کا ہے سماں مگر تم نہیں ہو
رقص میں ہے جہاں مگر تم نہیں ہو
میں عید مناؤں تو بھلا کس طرح
دل ہے ویراں، مگر تم نہیں ہو
گلے مل رہے ہیں سبھی اپنے پرائے
دل میں ہے ارماں، مگر تم نہیں ہو
گئے دنوں کی یاد ہے اس عید میں
ہتھیلی پہ ہے جاں، مگر تم نہیں ہو
ہر طرف بکھری ہے خوشیوں کی لہر
خطا ہیں اوساں، مگر تم نہیں ہو
بیکار ہیں نواز یہ سب عید کی خوشیاں
رنگین دل کہکشاں، مگر تم نہیں ہو

ایم نواز دانش، کراچی

اچانک میرے دماغ میں ایڈورڈ کنگ کے الفاظ ابھرے "انسانی خون چکھتے ہی یہ انسانی خون کی پیاسی ہو جاتی ہے۔ اس نے ابھی تک انسانی خون نہیں چکھا" لیکن اب میرے خون نے اسے انسانی خون کا پیاسا بنا دیا تھا۔ اور میرے دغاباز میزبان کو اب اس کی قیمت ادا کرنا تھی۔ پانچ مہمان کے خونِ ناحق کا قرضہ چکانا تھا۔

"میرے سٹو! شیطان!!" ایڈورڈ کنگ کی آواز پھٹ رہی تھی "بالڈون! ٹامی!! بالڈون!!! آہ میرے خدا!!"

دور آتے ہی میں نے اسے فرش پر گرتے، اٹھتے اور پھر گرتے دیکھا۔ پھر میرے کانوں نے اس قسم کی آوازیں سنیں جیسے کوئی پرانے ٹاٹ کو پھاڑ رہا ہو۔ ایڈورڈ کنگ کی لرزتی چیخیں لمحہ بہ لمحہ مدھم ہوتی گئیں اور پھر چند لمحوں کے لیے کمرے میں پراسرار خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ لقمۂ اجل بن چکا تھا۔ لیکن نہیں! ابھی وہ زندہ تھا مگر مُردوں سے بدتر، کیونکہ کچھ ہی دیر بعد میں نے کمرے میں آنکھوں سے اندھی، کٹے پھٹے جسم اور خون میں نہائی ہوئی۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والی ناقابلِ شناخت مخلوق کو پاگلوں کی طرح بھاگتے

بے

جوڑ نے سے ٹکراتے دیکھا یہ لیو رنیڈ کنگ کی آخری جھلک تھی۔ اس کے بعد مجھے اپنے آپ کا ہوش نہ رہا۔

لیورنیڈ کنگ کے شور وغل اور دردناک چیخوں کی آوازیں سن کر جیٹ باگھر کے ناظم مسٹر بالڈون اور دوسرے ملازمین بھاگتے ہوئے اس جگہ پہونچے، اور پھر کمرے میں انہیں جو دہشت ناک منظر نظر آیا۔ وہ انہیں حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایک انسانی لاش محوت میں لت پت پنجرے کے اندر پڑی تھی۔ اور دوسری لاش کے کچھ ٹکڑے اس شیر کے اگلے پنجوں میں دبے ہوئے تھے۔

مجھے تو انہوں نے جلد ہی پہچان لیا پھر بغور اندر جھانکا پھر ترکی سلیپر پہنے ہوئے ایک لہو لہان "ٹانگ" دیکھ کر انہیں اپنے آقا پر گزرنے والے سانحہ کا علم ہو گیا۔ فوراً ہی ایک رائفل منگوائی گئی۔ اور گولیاں مار کر چیتے کو ہلاک کر دیا گیا۔ پھر اندر داخل ہو کر انہوں نے اپنے آقا کی لاش کے بچے کھچے ٹکڑے جمع کیے پھر میرے پاس پہونچے۔ میرے جسم میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ چنانچہ لندن سے ایک انتہائی ماہر سرجن اور نرس کو مجھے موت کے منہ سے نکالنے کے لیے بلایا گیا۔ جس کی رات دن کی متواتر کوشش کے بعد آخر چھ ہفتے بعد میں موت کو شکست دے کر زندگی کی سرحد کی طرف لوٹ آیا۔

اسی دوران ایک رات جبکہ نرس کمرے میں نہیں تھی میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لمبی عورت سیاہ ماتمی لباس پہنے دبے قدموں سے میرے کمرے میں داخل ہوئی میں نے مدھم روشنی میں اسے پہچان لیا۔ وہ کنگ لیورنیڈ کی بدمزاج بیوی تھی۔ اس نے میرے قریب پہونچ کر جھکتے ہوئے میرے چہرے کو دیکھا۔ میری آنکھیں کھلی تھیں

"کیا تم ہوش میں ہو؟" وہ بولی۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ کیونکہ بوجہ کمزوری میں بولنے کے قابل نہ تھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں مہلک زخم آئے" وہ نفرت بھرے لہجے میں بولی۔ جو میرے لیے انتہائی غیر متوقع تھا وہ کہہ رہی تھی "لیکن اس بارے میں تم مجھے کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ میں اسے جانتی تھی اور مجھے پتا تھا کہ اپنے بھولپن کی وجہ سے تم اس کے جال میں پھنس کر زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔ اس لیے میں نے تمہیں یہاں سے بھگانے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھایا۔ مگر تم کسی اڑیل ٹٹو کی طرح اڑے رہے۔ میں نے تمہیں ایک بار بتایا تھا کہ بیوقوف

ہو اور دیکھو تم آج تک بیوقوف بنے رہے۔"

میں نے ندامت سے آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس کی ہمدردی کو بدتمیزی اور بداخلاقی پر محمول کرتا رہا تھا۔ میری پیشانی عرق آلود تھی۔ میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو وہ جا چکی تھی۔ پھر میں نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا۔ چھ ہفتے بعد صحت یاب ہو کر میں واپس لندن پہونچا تو پہلے ہی دن ہماری جاگیر کے وکیل تشریف لائے اور مجھے دیکھتے ہی بولے

"لارڈ ساؤتھ کو دوبارہ صحت یاب دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی ہے میں معزز لارڈ کو نئی لارڈ شپ پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہی جو آپ سن رہے ہیں مائی لارڈ!" اس کے لب و لہجہ میں اعتماد کی جھلک نمایاں تھی۔

"کیا چچا وفات پا گئے؟ مگر کب؟" میں نے مصنوعی تشویش ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ عجیب اتفاق تھا" وہ ایک خوفناک اسکینڈل کا انکشاف کرتے ہوئے بولے "آپ کا چچا زاد بھائی لیورنیڈ کنگ آپ کے بعد اس جاگیر کا واحد شرکتِ غیرے وارث تھا: اگر خدانخواستہ اس کی یہ اسکیم کامیاب ہو جاتی تو آج وہی لارڈ ساؤتھ ہوتا اس کی منصوبہ بندی کافی جامع اور مکمل تھی کہ آپ کے چچا کا ذاتی خادم بھی اس کا زرخرید ایجنٹ تھا اور وہ ہر چار گھنٹے بعد لارڈ ساؤتھ کی صحت کے بارے میں اسے بذریعہ تار مطلع کیا کرتا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ گرے لینڈ میں تھے۔ پھر جس دن اسے لارڈ ساؤتھ کے انتقال کا تار ملا۔ اس رات اس نے اپنے منصوبے کو کامیابی سے تکمیل کے آخری مراحل طے کرانے کے لیے بڑی مکاری سے آپ کے نوجوان اور تندرست جسم کو اپنے چیتے کی لذتِ کام و دہن کے لیے پیش کیا مگر مشیتِ ایزدی کے آگے کون دم مار سکا ہے خود آپ اپنے دام میں پھنس کر آ گیا۔"

میں ہکا بکا ہو کر اپنے وکیل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے اس جرم سے پردہ اٹھ چکا تھا۔ جس کی پاداش میں مجھے موت کے منہ میں پھینکنے کی کوشش کی گئی تھی۔

www.taemeernews.com

اندھا

ایم اے راحت

ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہو کر اپنے خاندان، قبیلے اور مادرِ گیتی کے تمام مقدس رشتوں کو پامال کرنے والوں کی داستانِ عبرت۔

لفظ لفظ جوش

سطر سطر تحیّر اور تجسس سے پُر ایک دلچسپ سلسلہ

راول خان نے یورپ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جونہی وطن کی سرزمین پر قدم رکھا۔ حالات اچانک ہی اس کے خلاف ہو گئے۔ خرابیٔ حالات کی اصل وجہ اس کی غیر ملکی بیوی جوزیفائن تھی جسے خاندان خصوصاً خانم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خانم نے ایک سازش کے تحت اسے بانجھ بنا دیا۔ ایک روز موقع پاتے ہی راول نے اپنی ماں خانم کا گلا دبا دیا۔ اسی اثناء سردار زارق کے گھر اس کے وارث طغرل خان کی ولادت ہوئی۔ جوزیفائن نے راول کو دوسری شادی کے لیے مجبور کر دیا لیکن وہ قدرت سے نہ لڑ سکی۔ راول یکے بعد دیگرے تین بیٹیوں کا باپ بن گیا۔ راول اور جوزیفائن نے طغرل کی تربیت اپنے ذمے لے لی۔ وقت کے ساتھ ساتھ طغرل اپنی چچی اور چچا کی تربیت کے باعث مجسم ابلیس اور نیک دل سردار زارق سے دور انتقام کی آگ میں جلنے والے راول خان سے قریب تر ہوتا گیا پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ اس کے ہاتھوں قبیلے کا ایک نوجوان قتل ہو گیا۔ اسی اثناء میں جوزیفائن نے طغرل کو شراب کے ذائقے سے آشنا کر دیا۔ پھر طغرل اس کی ترغیب پر پڑوسی قبیلے طارق کے ایک شراب خانے میں جا پہنچا اور وہاں کے مالک جوادکو کو قتل کر کے ایک رقاصہ کو اغوا کر لیا۔ رقاصہ راستے ہی میں ہلاک ہو گئی اور جوادکو کا بھائی فرخام اس کا بدلہ لینے کے لیے شیرکوہ پہنچ گیا لیکن وہ سوائے طغرل کے ایک دوست تولائی خان کے اور کسی کو نہ پہچان سکا۔ زارق خان نے فوراً تولائی کو گرفتار کر لیا لیکن شدید تشدد کے باوجود بھی تولائی نے کسی کا نام نہیں بتایا اور زارق خان قبیلے کی دن بدن بگڑتی ہوئی صورت حال پر پریشان ہو کر رہ گیا۔ راول خان نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے رات کی تاریکی میں قید خانے پر حملہ کر کے تولائی خان کو رہا کرا کر طغرل کی مزید ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ قید خانے پر حملے اور محافظوں کے قتل نے شیرکوہ میں تہلکہ مچا دیا۔ فرخام دھمکیاں دیتے ہوئے طارق روانہ ہو گیا۔ لیکن طغرل اور اس کے ساتھیوں نے راستے میں ختم کر کے شیرکوہ اور طارق کے درمیان ایک طویل جنگ کی بنیاد رکھ دی۔ دونوں قبیلے آمنے سامنے آ گئے۔ قریب تھا کہ شیرکوہ کو شکست ہو جاتی طغرل اور اس کے ساتھیوں نے جنگ کا نقشہ پلٹ دیا۔ طارق کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی لیکن طغرل نے اسی پر ہی بس نہ کی بلکہ وہ طارق میں داخل ہو گئے۔ درجنوں گھروں کو لوٹنے کے بعد درجنوں نوجوان لڑکیوں کو لے کر پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ لوگوں کو ان لڑکیوں کی لاشیں ملیں۔ جو لاشیں طارق اور پھر شیرکوہ پہنچیں تو زارق خان کا سر شرم سے جھک گیا۔ اب اس کے بیٹے کا نام کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی بیٹیوں اور بیوی کو گولی مار کر اپنے گھر کو نذرِ آتش کر دیا۔ راول خان نے فوراً آگے بڑھ کر سرداری کا منصب سنبھال لیا اور بقیہ چار نوجوانوں کے گھرانوں کو ان کے بیٹوں کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر ختم کر دیا۔ طغرل کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ فوراً رات کی تاریکی میں شیرکوہ پہنچ گیا۔ جب راول کو اس کا پتا چلا تو وہ سٹپٹا کر رہ گیا لیکن یہاں بھی جوزیفائن کے عیار ذہن نے اس کی مدد کی اور طغرل مطمئن ہو کر لوٹ گیا۔ اسی اثناء میں تغلق خان طارق سے خفیہ طور پر شیرکوہ پہنچا اور راول سے مل کر اپنی جائداد وغیرہ کے بارے میں بات کرنے لگا لیکن راول نے نہ صرف اسے ذلیل کیا بلکہ طغرل کو اسے قتل کرنے کی ہدایت بھی کر دی۔ جونہی تغلق شیرکوہ سے روانہ ہوا۔ طغرل نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کے بیشتر ساتھیوں کو ہلاک کر دیا لیکن خوش قسمتی سے تغلق زخمی ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ طغرل نے اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا چنانچہ تغلق ہوش میں آتے ہی چھپتے چھپاتے طارق پہنچا اور اپنے گھرانے کو لے کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شیرکوہ میں ہونے والی تبدیلیوں کو کسی نے اچھی نگاہ سے نہ دیکھا تھا لیکن کوئی بھی زبان نہ کھول سکا۔ راول نے اپنی سالگرہ منانے کا اعلان کیا۔ طغرل کو بھی جشن کی اطلاع دی تو وہ لوگ بھی اس میں شرکت کی تیاریاں کرنے لگے اور پھر روپ بدل کر جشن میں پہنچ گئے۔ وہاں ان کی دلچسپی کا ہر سامان موجود تھا لیکن وہاں پہنچتے ہی تولائی ایک رقاصہ سے پٹ گیا۔ اس جشن میں گلاب بیلی کا سردار گوندل بھی موجود تھا۔ جشن میں ایک تا

تعاقب میں

www.taemeernews.com

موجود تمیق شاں دیکھ کر لوگوں نے گوندل کو اطلاع دی کہ وہ چوری کی ہے تو گوندل اپنے سا تھیلا کے ساتھ تحقیقات کرتا ہوا طغرل کے خیمے تک پہنچ گیا جو وہاں امیر عادل کے نام سے مقیم تھا دوران گفتگو گوندل کا ایک آدمی طغرل کے غصے کا نشانہ بن گیا لیکن گوندل نے جواباً خاموشی اختیار کی اور بغیر کچھ کہے واپس ہو گیا لیکن اس اثناء میں گوندل خان کی بیٹی زرنگار جو ایک لڑکے کے روپ میں تھی طغرل کا تعاقب کرنے لگی لیکن جلد ہی طغرل کو تعاقب کا احساس ہو گیا چنانچہ زرنگار اپنی جان بچا کر واپس آگئی۔ گوندل نے راول سے طغرل کے بارے میں بات کی تو راول نے انتہائی سرد رویے کا اظہار کیا۔ چنانچہ گوندل غصے سے بھر اکھاب خیل چلا گیا اور طغرل جوزیفائن کی ہدایت کے مطابق جب لوٹ مار میں مصروف ہو گیا تاکہ شیرکوہ کے لوگ بھی بھاگ جائیں۔ میر سلام شیرکوہ کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر وہاں سے نکل گیا اور در بدر ویرانوں میں بھٹکتا ہوا ایک جگہ نقاہت سے گر پڑا لیکن جلد ہی کسی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا یہ تغلق خان تھا وہ اسے کارواں سرائے میں لے آیا جہاں وہ آج کل دلیر خان کے نام سے مقیم تھا چند ہی روز کی تیمارداری سے میر سلام تندرست ہو گیا پھر دونوں نے مل کر ایک منصوبہ تیار کیا اور دونوں بستی بستی گھوم کر راول خان کے خطرے کا پرچار کرنے لگے۔ انہوں نے کئی بستیوں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اپنے دس دس جوان طغرل کی سرکوبی کے لیے متعین کریں چنانچہ جلد ہی ہر قبیلے کے دس جوانوں کی ٹولیاں پہاڑوں میں گشت کرنے لگیں۔ ادھر جوزیفائن نے طغرل کے سامنے ایک منصوبہ بنا رکھا تھا کہ سونا آبشار سے نہیں اور ایک سرنگ پرانی حویلی تک لائی جائے تاکہ اسے شیرکوہ تک لے جانے میں آسانی رہے طغرل نے اس سلسلے میں سرمایہ فراہم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور . . .

جوزلیقانؔ نے اس کام کے لیے اپنے چند عزیزوں کو وہاں بلوایا۔ اسی اثنا میں گوندل کی بیٹی زرنگاہ نے ایک تجویز دی کہ شیرکوہ کے خلاف براہ راست کارروائی کی بجائے انہیں پہلے اپنے آدمی شیرکوہ بھیجنے چاہئیں، جو وہاں کی رپورٹ انہیں دے سکیں۔ دوسرے طارق کو شیرکوہ کے خلاف مدد دی جائے گوندل نے اس تجویز کو خاصا پسند کیا اور سراہا۔ پھر ایک روز اچانک ہی طغرل خان نے فوراً ہی سنبھالا لیا اور . . . حملہ آوروں کو اپنی گولیوں پر رکھ لیا پھر ایک شخص کو زندہ پکڑ کر وہاں سے نکل گئے اس شخص کی زبانی انہیں پتا چلا کہ وہ گھپانہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی طرح مختلف قبیلوں کے دس دس جوان اس کی تلاش پر مامور ہیں۔ طغرل یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور اس نے گھپانہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی طغرل جوزلیقانؔ سے ملنے پرانی حویلی پہنچا تو وہیں اس کی ملاقات سوہنی سے ہوئی جوزلیقان نے [illegible] کو طغرل کے ساتھ پہاڑوں کی سیر کی اجازت دے دی لیکن جلد ہی وہ طغرل [illegible] کے ساتھیوں کی درندگی کا شکار ہو گئیں اور جب [illegible] انہیں [illegible] کر جوزلیقان کے پاس پہنچا تو وہ صدمے سے بے [illegible] رہ گئی، اسے طغرل سے اس درندگی کی توقع نہیں تھی۔ ابھی وہ دونوں گفتگو ہی کر رہے تھے کہ ان کے ملازم انزل خان نے ان کی گفتگو سن لی [illegible] ہو کر پیر سلار کے پاس پہنچ گیا دوسری طرف طغرل کو ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک روز اچانک ہی دشمنوں کے نرغے میں آ گیا جابر اس معرکے میں شدید زخمی ہوا۔ اسی کی زبانی طغرل کو معلوم ہوا کہ اس ٹولی کی سربراہ ایک لڑکی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ طغرل کا ہر جگہ مقابلہ کرے گی۔ انزل خان کو پیر سلار اور تعلق نے طغرل کی تلاش میں روانہ کر دیا کہ وہ اسے تمام حالات سے آگاہ کر سکے۔ (وہ [illegible] ہے)

طغرل اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راول اور جوزیفائن سے ملنے پہنچا تو جوزیفائن نے ایک سازش کے تحت انہیں ایک سرنگ میں بھیج دیا۔ جب وہ لوگ سرنگ میں داخل ہوئے تو جوزیفائن نے سرنگ میں پانی چھوڑ دیا۔ طغرل اور اس کے ساتھی گھبرا گئے اور وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگے لیکن جابر اور فرزان نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب جوزیفائن نے لاشوں کی تلاش میں غوطہ خور بھیجے تو انہیں صرف دو ہی لاشیں مل سکیں۔ طغرل انوری اور شیرم نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جوزیفائن طغرل کے انتقام کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ گئی۔ راول خان اور جوزیفائن دونوں ہی طغرل سے خوفزدہ تھے۔ طغرل نے گھوڑے حاصل کر کے صبا خان کے ذریعے ان دونوں کو ایک پیغام دیا۔ طغرل کے ذہن میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اب سردار راول خان کو اپنی سرداری قائم رکھنے کے لیے دقتیں پیش آئیں گی۔ شیرم خان شیرکوہ سے مزید آدمی لینے چل دیا تاکہ اپنی قوت بڑھا سکے۔ طغرل کو ایک بڑھا ملا جو اس کے والد کا پرانا دوست تھا۔ اس نے طغرل کو تمام سازش دیے کس طرح راول خان نے اس کے والد کو دھوکا دیا اور قتل کیا۔ شیرم تیس آدمی لا چکا تھا۔ اس نے طغرل کو بتایا۔ گوہر خان کی بیٹی زرنگار کے بارے میں بتایا جو اس کے پیچھے دیوانی ہو رہی تھی۔ طغرل اس سے بدلہ لینے کے لیے اکیلا گلاب خیل کی طرف چل دیا۔ راستے میں ایک پہاڑی بستی میں اس کی ملاقات ایک ملنگ شخص تیمور سے ہوئی۔ طغرل اس کی حرکتوں اور عادات سے بڑا متاثر ہوا چنانچہ وہ بھی طغرل کے ساتھ مل گیا۔ اس نے طغرل کو کئی مفید مشورے بھی دیے۔ طغرل نے اس کی ہدایت پر زرنگار سے محبت کا کھیل کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ گلاب خیل پہنچتے ہی اس نے ایسی حرکتیں کیں جنہوں نے اسے فوراً ہی گوہر خان تک پہنچا دیا۔ اس نے گوہر خان سے اپنا تعارف شاہ ولی کے نام سے کرایا اور خود کو ایک غیر معروف قبیلے کا ظاہر کیا۔ گوہر خان اور زرنگار اس کی باتوں اور شخصیت سے بڑے متاثر ہوئے۔ طغرل نے ان کے سامنے راول خان کے خلاف خوب زہر اگلا۔ زرنگار اس کی مردانہ وجاہت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جلد ہی طغرل نے دونوں کے دل میں گھر کر لیا۔ پھر طغرل نے تیمور کا بتایا ہوا منصوبہ ان کے گوش گزار کیا کہ وہ لوگ جوزیفائن کے خلاف محاذ بنا سکتے ہیں۔ گوہر خان اور زرنگار کو یہ منصوبہ پسند آیا چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کرنے کی خوشی خوشی اجازت دے دی۔ طغرل تیمور کے ہمراہ روپ بدل کر شیرکوہ پہنچ گیا۔ جہاں کی رات بڑی ہو رہی تھی۔ ادھر ایک روز ایک بچی نے راول کا راستہ روک کر اسے گل دستہ پیش کیا۔ راول کو بچی پر بڑا پیار آیا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ بچی راول کی اپنی بیٹی ہے۔ راول اس کے ہمراہ اپنی بیوی فرخندہ سے ملا تو ان کا فرزند دیکھ کر شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ ہونے والی تمام زیادتیوں کا ازالہ کرے گا۔ دوسری طرف زرنگار نے بھی بے چین ہو کر شیرکوہ کا قصد کیا جہاں طغرل وکٹر اور ولیم نامی انگریزوں سے دوستی کر کے انہیں نہ صرف سوزن اور جمیل کی ہلاکت کے بارے میں بتا چکا تھا بلکہ ان کی قبروں کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔ دونوں لڑکیوں کی لاشیں برآمد ہونے پر تمام فرنگی بھڑک اٹھے۔ انہوں نے آدھی رات کو جوزیفائن کو پرانی حویلی جا لیا۔ جب جوزیفائن راول کے ہمراہ وہاں پہنچی تو وہ سوزن اور جمیل کی لاشیں دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ تمام رشتے دار اس کے خلاف ہو چکے تھے۔ جوزیفائن نے حالات پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی۔ اس کے تمام رشتے دار واپسی کی تیاریاں کرنے لگے۔ جب اس کی اطلاع طغرل کو پہنچی تو وہ شیرکوہ سے باہر ان کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں زرنگار بھی وہاں پہنچ گئی اور طغرل سے پہلے ہی تمام فرنگیوں کو گھیر لیا پھر طغرل اور زرنگار انہیں لے کر گلاب خیل پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر طغرل نے گوہر خان سے زرنگار کے ساتھ شادی کی خواہش کا اظہار کیا جسے گوہر خان نے قبول کر لیا اور دونوں کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا۔ کچھ عرصے بعد ہی طغرل نے اپنے منصوبے کے مطابق زرنگار کو گلاب خیل سے باہر رہا دیا۔ پھر وہ گمنام بنا ہوا کر وہ اپنے ساتھیوں تک پہنچ سکے۔ دوسری طرف راول، فرخندہ اور اپنی بچیوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہ رہا تھا۔ جوزیفائن کے سازشی ذہن نے جب سب کچھ ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو وہ راول کو نیچا دکھانے کے لیے مختلف ترکیبیں سوچنے لگا۔ اس نے ایک منصوبے کے تحت شیرکوہ کے ایک سرکردہ شخص بدر خان سے تعلقات بڑھائے جو راول سے مخاصمت رکھتا تھا اور اس نے بدر خان کی مخاصمت کی آگ کو مزید بھڑکانا شروع کر دیا۔ طغرل خان شاہ ولی کے روپ میں زرنگار کو بیاہ لایا اور جوزیفائن نے بدر خان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ طاہر قبیلہ گلاب خیل والوں کو شیرکوہ پر حملے کی ترغیب دے۔ زرنگار کو پتا چل گیا تھا کہ طغرل نے اسے نیچا دکھانے کے لیے اس سے شادی کی ہے۔ طغرل خان زرنگار کو قتل کر دینا چاہتا تھا لیکن یہ سن کر کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ ادھر جوزیفائن نے شیرکوہ میں بہت سی اصلاحات شروع کر دیں۔ طغرل خان کچھ عرصے تک خاموش رہنے کے بعد چھوٹی بڑی بستیوں پر حملے کرنے لگا جس سے گوہر خان کو یقین ہو گیا کہ اس کی بیٹی طغرل خان کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ راول خان کو فرخندہ نے بتایا کہ وہ ایک اور بچے کی ماں بننے والی ہے۔ اسی اثنا میں جوزیفائن کی سازش کا پتا چلا تو اس نے شیرکوہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ شیرم خان نے طغرل کو شیرکوہ کے واقعات سے آگاہ کیا تو اس نے اسے اپنے بچانے کی ٹھان لی۔ راول اور فرخندہ بچیوں کے ساتھ مصروف تھے کہ گوہر خان جوزیفائن سے ملا جس نے اس کے سامنے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ہاشم خان تباہ حال طاہر کی طرف سے ہو گیا۔ تباہی دیکھ کر وہ نیم پاگل حالت میں سرداری سے الگ ہو گیا۔ بدر خان کے بیوی بچے بھی حملے میں تھے جو زخمی حالت میں مل گئے۔ طغرل خان کے پاس جا پہنچا۔ ادھر راول خان بصورت خان کے روپ میں ایک چھوٹی سی بستی میں جا پہنچا۔ جہاں سے پناہ دی گئی۔ ادھر فرخندہ اس کے بیٹے کی ماں بن گئی۔ گوہر خان کے دل میں زرنگار کی یاد ابھی تازہ تھی۔ اس نے طغرل خان سے بدلہ لینے کا عہد کیا اور دوسرے قبیلے کے جنگجوؤں کو تیار کر کے وادی ترکمان پہنچ گیا جہاں طغرل خان پہاڑی بستیوں سے تاوان وصول کر کے پہاڑوں کے شہنشاہ کا تاج پہننے والا تھا۔ طغرل خان نے گوہر خان کے تمام ساتھیوں کو بھون ڈالا۔ گوہر خان پاگل ہو کر واپس پہنچا اور اس نے سرداری چھوڑ دی۔ راول خان ایک دن سرحد پر گیا ہوا تھا کہ ایک زخمی گھڑسوار نظر آیا۔ اس نے اسے دشمنوں سے پناہ دی بعد میں پتا چلا کہ وہ شاہ گاموس کی شہ باز کا بیٹا شہروز ہے۔ لالہ گل کی مدد سے جوزیفائن قید سے بھاگ نکلی اور بھیس بدل کر فرار کرانے والوں اور بعد میں ایک درویش کو گولی مار کر شاہ ولی کا روپ اختیار کر کے ایک خانقاہ پر بیٹھ گئی۔ زرنگار نے طغرل کے بیٹے کو جنم دیا اور طغرل نے زرنگار کی تمام خطاؤں کو معاف کر دیا۔ راول کو علم ہوا کہ شاہ گاموس کے شہروز کو ہلاک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ شاہ گاموس پہنچا تو ... بنا کر شہ باز پر راہزنی کا الزام عائد کر گیا۔ جوزیفائن نے تین ڈاکوؤں کو غلام بنا کر طغرل کے نام پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیے۔ طغرل شیرکوہ پر حملہ آور ہوا اور وہاں اپنے باپ کی بے عزتی اور ... کی سرداری سونپ کر واپس آیا۔ جوزیفائن کو دلبر خان کا ایک ہمشکل نوروز مل گیا اور اس نے دلبر کو نوروز کا روپ دینے کا فیصلہ کیا۔ نوروز کو خانقاہ میں بلایا گیا اور پھر بڑی خوبصورتی سے تہرانیہ کا سودا بدل گیا۔ شہ باز شہروز سے مل کر جوش تو گل شیر نے اسے قتل کے الزام میں پکڑ لیا اور اس پر راہزنی کا الزام عائد کیا۔ شہ باز کو جرگے میں پیش کیا لیکن تمام الزامات کے باوجود اس نے یہ نہ بتایا کہ وہ کس سے مل کر آیا ہے۔ اس کے فرار ہو جانے والے ساتھی کا نام راول خان تھا۔ راول رات بھر گل شیر کے مکان ہی میں چھپا رہا اور اگلے دن وہ فضل خان کے پاس جا پہنچا۔ راول خان نے سب کچھ بتا دیا۔

فضل خان نے اس سازش کی تہہ تک پہنچنے کی قسم کھائی۔ طغرل خان نے اب کافی طاقت حاصل کر لی تھی۔ دلبر خان نوروز کی حیثیت سے بستی تہرانیہ کا حاکم بن گیا۔ وہاں اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ دلبر خان سے ملنے درویش ابدال جو اس کی مخبر تھی۔ جوزیفائن بھی دلبر خان کے ساتھ تھی جس نے پہلے گل شیر خان کے بیٹے طاہر خان اور اس کے ساتھیوں کو راول خان کے آدمیوں سے ہلاک کروا دیا لیکن بات گل شیر خان سے چھپائی گئی پھر جرگے میں گل شیر خان نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ دلبر خان کو ایک پریشانی لاحق تھی نوروز کا جڑواں بھائی بھی درویش کا بھیس اختیار کرتا رہا۔ گل کے ساتھ خدمت گار نے کمال شاہ سے

www.taemeernews.com

بتا رہا ہے کہ شک ہے کہ وہ دونوں زندہ نہیں ہے۔ جالبر خان کو جوزلیفان نے شیشے میں اتار لیا پھر کمال شاہ جوزلیفان سے ملا تو جوزلیفان نے اس پر بھی چکنی چپڑی باتوں کا اثر چھوڑا۔ جوزلیفان نے کمال شاہ کو معلل خان کے خلاف کر دیا گل شیر اس کے اہل خانہ کو موت کی سزا سنادی گئی معلل خان کو شہ بانو نے بستی گل زادہ کا سردار بنادیا۔ ادھر شیرم خان اور تولائی خان نے ان بستیوں میں بربریت کا بازار گرم کر دیا جو طغرل خان کی باج گزار نہیں تھیں طغرل نے سردش کمال شاہ کو جوش کر کے کمال شاہ کو اپنا غلام بنالیا ... سندر خان کو ہلاک کر دیا تو طغرل نے کمال شاہ کو گرفتار کرادیا اور جیسے ہی غیرت کی ... شیرم اور ... تولائی خان نے بستی گل زادہ والوں کو لوٹا۔ اسی دوران شیرم نے بستی کے سردار جلال خان کی جگہ ... ادھر کمال شاہ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ شیرم خان نے راول خان کے بارے میں طغرل کو سب کچھ بتادیا اور طغرل اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچا وہاں سے خوش بخت خان کو اغوا کر کے طغرل نے بستی گل زادہ پیغام بھیجا۔ معلل خان اور فرخ خان پریشان ہو گئے پھر راول خان تنہا اس کی تلاش میں بھٹکتا پھرا۔ اسی دوران جوزلیفان نے ایک گروہ تیار کیا جو طغرل کے نام پر ڈاکے ڈالنے لگا۔ گروہ کے افراد نے راول کی اطلاع... جوزلیفان کو دی۔ ادھر شہ بانو نے معلل خان کو اپنے پاس بلایا اور بتایا کہ خراج ادا کرنے کا وقت قریب ہے اس دن ہم خوش بخت کو لے کر چلیں گے جوزلیفان نے بھی معلل سے انتقام کو خراج والے دن تک ملتوی کر دیا۔ پھر خراج والے دن طغرل خان کو جب بتایا کہ اس کے نام سے متعدد بستیوں کو لوٹا گیا ہے تو اس نے ان کا خراج واپس کر دیا اور سختی سے کہا کہ اب کوئی ڈاکہ ڈالنے والا ... معلل خان نے بیٹی کی واپسی کا مطالبہ کیا تو طغرل خان نے سب کے سامنے اس کی داستان ... راول وہاں سے پاگلوں کی طرح نکلا تو جوزلیفان نے ... جنگل میں ... طغرل نے اپنے کئی پہاڑ ... میں پھیلا دیئے جنہوں نے آکر اطلاع دی کہ بستی زہرانیہ کے کچھ لوگ اس کے نام سے ڈاکے ڈالتے ہیں اس طرح تیمور زہرانیہ کے ان غاروں میں جا پہنچا جہاں راول خان قید تھا۔ راول خان کی زبانی اسے ساری حقیقت کا علم ہو گیا اور طغرل خان کے پاس جا کر حالات سے آگاہ کیا۔ طغرل خان کے دشمن جوزلیفان اور معلل خان زہرانیہ میں تھے یہ سنتے ہی وہ خوش ہو گیا اور زہرانیہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگا مگر تیمور کے مشورے نے ایسا کرنے سے روکا تیمور کا کہنا تھا کہ خانم

شہ بانو اور جوزلیفان کو ٹھکانے لگا دیا جائے اور طغرل خان غضب سے جوزلیفان اور راول کو اٹھالائے تیمور نے خانم شہ بانو کو معلل خان کا پیغام پہنچایا تو خانم شہ بانو نے زہرانیہ پر حملہ کر دیا۔ اسی دوران طغرل راول اور جوزلیفان کو لے آیا۔ خانم شہ بانو نے زہرانیہ پر فتح حاصل کر لی ... راول اور جوزلیفان نے ... دونوں کو قید میں ڈال کر قید کروا دیا۔ زرنگار نے مشورہ دیا کہ گلاب خیل سے جوزلیفان کے بیٹے راول کو لاکر انہیں جوزلیفان کے سامنے اذیت دی جائے۔ طغرل نے گلاب خیل سے انگریز قیدی منگوائے اس میں جوزلیفان کا بھائی ڈرینی بھی تھا۔ جس کو خوش بخت نے جوزلیفان کے سامنے قتل کر دیا۔ شیرم خان، طغرل سے بدظن ہو گیا۔ جوزلیفان نے راول کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ وادی شیر بانہ کے معاملے کے لیے طغرل، تولائی اور تیمور کے ساتھ گیا تو شیرم، جوزلیفان سے ملا۔ جوزلیفان نے شیرم کو بتایا کہ پہلے شیرم اپنے گروہ کے افراد کو زیادہ سے زیادہ اپنا ہمنوا بنالے پھر خراج سے واپسی کے بعد تولائی اور تیمور کو ہلاک کر دے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلحہ خانے پر بھی شیرم کنٹرول حاصل کرے۔ پھر جوزلیفان نے شیرم کو نقشہ بنا کر دکھایا اور اپنا منصوبہ بتانے لگی۔ چنانچہ وادی شیر بانہ میں خراج کی ادائیگی کے بعد شیرم نے تیمور اور تولائی کو ایک علیحدہ جگہ بلایا جہاں تولائی گولی کا نشانہ بنا اور تیمور فرار ہو گیا اور زرنگار کو ساری صورت حال بتادی پھر زرنگار اور شہنشاہ خان کو وہاں سے وادی شیر بانہ کی طرف لے کر چل پڑا جہاں طغرل خان تھا لیکن طغرل جا چکا تھا۔ غار میں زرنگار اور شہنشاہ خان کو چھپا کر تیمور طغرل کی تلاش میں نکل گیا۔ شیرم نے گروہ کے لوگوں کو بلا کر انہیں طغرل خان کے خلاف ورغلایا اور تولائی خان کا قاتل قرار دے کر سب کو اس کی طرف سے بدظن کر کے بغاوت کا اعلان کر دیا پھر شیرم خان نے اسلحے پر قبضہ کیا اور زرنگار کی تلاش میں نکل گیا۔ کچھ غفلت کی آمد پر سارے ... ہوگئے۔ طغرل غار میں آیا تو نہ اسے اسلحہ ملا نہ زرنگار اور شہنشاہ، وہیں تیمور نے اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

اب آگے پڑھیے۔

بڑی کھوپڑی والا بھی اپنی فطرت میں بے مثال تھا۔ وہ بس اتفاقیہ طور پر ہی طغرل کو مل گیا تھا لیکن اس دن کے بعد سے آج تک اس کے ساتھ تھا۔ نہ صرف ساتھ تھا بلکہ اس نے طغرل کا مزاج بدل دیا تھا اور اس کی سب سے پسندیدہ شخصیت بن گیا تھا۔ اس کی وجہ سے زرنگار کی جان بچی تھی، اس کی وجہ سے دہشت کے قانون بدل گئے تھے اور طغرل خان پانسانیت ... لوٹنے لگا تھا لیکن یہ اس کی شخصیت کا ایک نیا پہلو تھا ... ناشعار بھی تھا جان کی بازی بھی لگا سکتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ لمحہ لمحہ بدل جانے والے طغرل خان کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا لیکن وہ یہ کوشش کر رہا تھا اور طغرل خان کی شدید ذہنی اذیت کا تجزیہ کر رہا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ آہ میں سوچنے سمجھنے کی قوتیں کھو بیٹھا ہوں۔ شیرم خان، شیرم خان اور یہ سب۔ ہو یہ ظالم لگ رہے ہیں" طغرل نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔

www.taemeernews.com

تیمور ایک بار پھر غار کے دروازے پر آیا۔ اس نے باہر کا منظر دیکھا۔ نیچے وہ لوگ مصروف عمل تھے۔ سب اپنے اپنے کام کر رہے تھے ایک پُراسرار خاموشی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ وہ اندر آگیا، پھر اس نے کہا۔

" خان طغرل خان۔ میں کہہ چکا ہوں کہ زمانے کے سرد و گرم شہنشاہوں کو بھی دیکھنے ہوتے ہیں تاریخ میں یہی سب کچھ ہے اگر شہنشاہ ایسے حالات سے دگزریں تو دھوکے کہلاتے ہیں۔ تم نے طویل عرصے تک اپنے نام کا ڈنکا بجوایا ہے اب ذرا دوسری دنیا دیکھو۔ یہ ضروری ہے طغرل خان یہ ضروری ہے "

" کیا مطلب ہے تیرا ؟"

" میرا مطلب صاف ہے تجھے اب یہ سب کچھ چھوڑنا ہوگا "

" ناممکن۔ میں یہاں آگ لگا دوں گا زندہ جلا دوں گا ان سب کو " طغرل غرّا کر بولا۔

" بات اگر صرف میری زندگی کی ہے عظیم آقا تو وہ میں تیری نذر کر چکا ہوں جس شکل میں بھی چاہے میرے لیے موت طلب کر لے بہتر ہے تو اسی جگہ مجھے ہلاک کر دے۔ میں مطمئن ہو کر مرنا چاہتا ہوں "

" بڑی کھوپڑی والے کیا یہ سب کچھ سچ ہے ؟ کیا واقعی یہ سب کچھ سچ ہے ؟"

" ہاں آقا یہ سب کچھ سچ ہے اور جو کچھ میں نے دیکھا وہ میرے لیے بھی ناقابلِ یقین تھا لیکن میں نے دیکھا، ہاں میں طغرل خان کو اس انداز میں نہیں دیکھ سکتا جو شکست خوردوں کا ہوتا ہے۔ طغرل نے ہر طرح کے حالات کو تابع کرنا سیکھا ہے کسی واقعے سے ہراساں ہو جانا، مغلوب ہو جانا طغرل جیسے سرداروں کا کام نہیں ہے "

" بڑے سر والے۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ تیری مدد کی ضرورت ہے۔ شہنشاہ کی قسم اگر پہاڑوں کے سارے قبائل جمع ہو کر یہاں آ جائے اور جنگ ہو رہی ہوتی تو میں ذرہ برابر پریشان نہ ہوتا اور خوشی سے جنگ میں شریک ہو جاتا لیکن یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ سازش شیرم نے کی ہے۔ میرے دوست نے۔ میرے ابتدائی ساتھی نے ؟"

" خان یہ سچائی ہے "

" اور اس نے تولائی کو بھی ختم کر دیا ؟"

" یہ سب کچھ ہو چکا ہے خان "

" مگر کیسے ؟"

" کاش یہ میرے علم میں ہوتا "

" مجھ پر بھی سب۔ وہ سب اس کے ہمنوا ہو گئے۔ وہ جنہیں میں نے پروان چڑھایا۔ وہ سب اجنبی بن گئے میرے لیے۔ سب۔ بدشاہ بھی اور دوسرے بھی اوہ میں سمجھ گیا۔ آج کی بات نہیں ہے۔ آج کی بات نہیں ہے مگر اب میں کیا کروں تیمور ؟ مجھے کیا کرنا چاہیے ؟"

" تیمور پر بھروسہ "

" بھروسہ ؟" طغرل نے عجیب سی نظروں سے تیمور کو دیکھتے ہوئے کہا " ہاں، مجھے تجھ پر بھروسہ ہے "

" میں نہیں جانتا آقا کہ وہ تیرے بارے میں کیا ارادہ رکھتے ہیں یقیناً وہ جانتے ہوں گے کہ شہنشاہ خان اور خانم اب اس غار میں نہیں ہیں لیکن آقا میری عقل کہتی ہے کہ وہ تیرے لیے کوئی اچھا منصوبہ نہ رکھتے ہوں گے "

" مطلب ؟"

" وہ جانتے ہیں کہ اژدہے کے سامنے آکر کیا ہوتا ہے اور یقیناً وہ تیرے قتل کے خواہاں ہوں گے "

" تو ٹھیک کہتا ہے تیمور۔ بالکل ٹھیک تجربہ ہے تیرا ورنہ وہ میرا سامنا اس طرح نہ کرتے۔ مگر آہ۔ میرے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ آہ۔ آہ۔ میں ان سب کو کھا جانا چاہتا ہوں میں انہیں۔۔۔ میں انہیں۔۔۔ " طغرل خان کی زبان ہکلانے لگی پھر وہ کرب سے غرّایا " مگر میں بے بس ہوں بے بس ہوں "

" یہ لمحات عارضی ہیں سردار۔ میں نے خانم سے کہا تھا کہ جہاں میں نے انہیں چھوڑا ہے، وہ وہیں رہیں اور ہمارا انتظار کریں سردار ہم شہنشاہ کے پاس جائیں گے۔ پہلے اس کے تحفظ کا بندوبست تو کر لیا جائے۔ اس کے بعد۔۔۔ اس کے بعد آقا باقی سب کچھ اس کے بعد ہی کیا جائے گا میری مان لو آقا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی اس وقت ہمارے حق میں بہتر ہے "

طغرل خان کرب و اذیت کے جن لمحات سے گزر رہا تھا یہ اس کی تمام تر زندگی میں اجنبی تھے۔ بچپن سے لے کر اب تک اسے صرف کامرانیاں حاصل ہوتی رہی تھیں لیکن آج پہلی بار اسے بے بسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ شدتِ غیظ و غضب سے دیوانہ ہو رہا تھا لیکن اس کے ہاتھ مفلوج کر دیے گئے تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ گروہ کے تمام افراد اس کے مخالف تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ طغرل نے انسانی زندگی کی کبھی کوئی قیمت نہیں سمجھی تھی لیکن جس طرح وہ مارنا جانتا تھا اسی طرح مرنا بھی جانتا تھا اور اگر واقعی شہنشاہ کا نام اس کی نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا تو اس وقت وہ تیمور کی کوئی بات نہ مانتا لیکن

تیمور نے جس ذہانت سے سمجھایا تھا وہ کارگر رہی تھی اور طغرل خان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس وقت حالات قطعی طور پر اُن کے خلاف ہیں۔ تیمور اُمید بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ طغرل خان کافی دیر تک کچھ نہ بولا تو تیمور نے کہا: "میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں آقا۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور میں کس طرح خانم زرنگاہ اور شہنشاہ کو یہاں سے نکال کر لے گیا ہوں۔ ایک بار ان لوگوں کے نرغے سے نکل جانے کے بعد دوبارہ یہاں آنا کتنا دشوار کام تھا لیکن میں جانتا تھا کہ آقا یہاں ضرور آئیں گے چنانچہ جان پر کھیل کر یہاں پہنچ گیا۔ اگر ہم نے کوئی کارروائی کی اور یہاں سے واپس نہ جا سکے تو خانم اور شہنشاہ کا کیا ہوگا؟ جلد بازی اور جذباتی کیفیت کبھی کارآمد نہیں ہوتی۔ باقی فیصلہ آقا کے ہاتھ میں ہے۔ تیمور خان تو ہزار بار آقا کے قدموں پر نثار ہونے کے لیے تیار ہے۔"

طغرل نے نرم نگاہوں سے تیمور کو دیکھا اور بولا: "میرے وفادار دوست۔ میرے ساتھی اس وقت جب حالات نے مجھے ان لوگوں سے دُور کر دیا ہے جنہوں نے بچپن سے میرا ساتھ دیا تو میں تیری طرف دیکھنے کے لیے مجبور ہوں۔ بے شک تُو ذہین ہے اور تُو نے اُن لوگوں کی موجودگی میں بھی میری راہنمائی کی اور بے شک میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ تیری راہنمائی سے مجھے ہمیشہ فائدے حاصل ہوئے اور دوسرے لوگ وہ نہ کر سکے جو تُو نے کیا۔ چنانچہ میں تیری بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ چلو یہاں سے نکل چلیں لیکن باہر نکلنے کے لیے کون سا راستہ اختیار کرو گے؟"

تیمور کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیل گئے۔ یہ سب سے کٹھن مرحلہ تھا اُس کے لیے۔ طغرل خان کی فطرت سے واقف تھا۔ وہ مرنا اور مارنا ہی زندگی سمجھتا تھا اور اس وقت ان حالات میں اُسے ذہنی طور پر قابو میں کرنا دُنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔ اگر یہ کام ہو جائے تو آگے بہت سے راستے کھُل جائیں گے۔ طغرل کی آمادگی پا کر تیمور خوشی سے پھولا نہ سمایا اور بولا: "عظیم آقا یہی تو فرق ہے مجھ میں اور ان لوگوں میں جو آج خود کو پہاڑوں کا شہنشاہ کہلوانے کے خواہشمند ہیں۔ تُو زیرک ہے، سمجھدار ہے اور یہ بیوقوف یہ اندازہ نہ کر سکے کہ ہمارے راستے بند کر دیتے۔ حالانکہ شیرم ان پہاڑوں کے بارے میں جانتا ہے جہاں سے نکلا جا سکتا ہے لیکن ابھی تک اُس کی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ طغرل خان کے قریب پہنچ کر اُسے اس کی تقدیر کا فیصلہ سُنا سکے۔"

"دیر ہو رہی ہے۔ دیر نہ کرو، چلو یہاں سے نکل چلیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا ارادہ بدل جائے۔ اگر اُن میں سے کوئی دوبارہ میرے سامنے آ گیا تو شاید میں اپنے غضب پر قابو نہ پا سکوں گا۔"

"عظیم آقا کے حکم کا انتظار تھا۔ تیمور تو تیار ہے۔"

"تو پھر آ۔ کون سا راستہ منتخب کیا ہے تُو نے؟"

تیمور نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔ طغرل خان کو یہاں سے نکالنے کے لیے اس نے پہلے سے بہتر انتظامات کر لیے تھے۔ اُن کے پاس سواری کا بندوبست نہیں تھا کیونکہ وہ گھوڑا تو بہرطور چھوڑنا پڑا جس پر تیمور خود یہاں تک پہنچا تھا۔ شیرم نے ہر چند کہ پہاڑوں کے چاروں طرف پہرہ بٹھا دیا تھا لیکن جن سرنگوں کی تکمیل خود تیمور نے اپنے مقصد کے تحت کرائی تھی، اُن میں سے ابھی کچھ سرنگیں باقی تھیں جنہیں تیمور جیسا سمجھدار انسان ہی استعمال کر سکتا تھا اور طغرل خان کو اُسی راستے سے تیمور نے باہر لانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ دونوں وہاں سے چل پڑے۔

باہر شیرم خان اپنے ساتھیوں سے مشورے کر رہا تھا اور یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ بالآخر اب جب کہ طغرل خان واپس نہیں آیا ہے تو ان لوگوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ اور فیصلے کرنے کا یہ وقت ہی طغرل خان اور تیمور کے حق میں بہتر تھا چنانچہ وہ سفر کرتے رہے اور پھر ایک طویل ترین اور پُر صعوبت سفر کر کے وہ زمین کے سوراخ سے باہر نکل آئے۔ تیمور نے اس سوراخ کو اُسی وقت جھاڑیوں سے بند کر دیا تھا تاکہ کسی کا شبہ اس جانب نہ جائے اور اس کے بعد وہ کھلے وسیع میدانوں میں نکل آئے۔ انہوں نے پتھروں اور چٹانوں کی آڑ لے کر آگے کا سفر شروع کر دیا۔ طغرل خان اب چونکہ تیمور خان سے تعاون پر آمادہ ہو گیا تھا چنانچہ وہ ہر طرح سے تیمور کا ساتھ دے رہا تھا چنانچہ یہ سفر جاری رہا یہاں تک کہ رات کی تاریکیاں چاروں طرف پھیل گئیں۔ سفر بہت طویل تھا اور اس بار اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ انہیں گھوڑے مل جائیں چنانچہ تیمور نے طغرل خان کو اس بات کے لیے آمادہ کر لیا تھا کہ وادی شیربانہ تک کا سفر پیدل ہی طے کیا جائے گا۔ اس وقت دوسری بات تھی جب خانم زرنگاہ اور شہنشاہ تیمور کے ساتھ تھے وہ زیادہ فکرمند تھا کیونکہ ایک عورت اور ایک بچے کا بہرطور اتنا طویل سفر پیدل طے کرنا بہت مشکل کام تھا لیکن اب سردار طغرل خان اس کے ساتھ تھا۔ بخود لنگڑے تیمور کی اپنی کیفیت بھی بہتر نہیں تھی۔ اُس نے جس قدر مشقت کی تھی اس نے اس کا عضو عضو دُکھا دیا تھا۔ رات کے سناٹوں میں بھی یہ سفر جاری رہا۔ طغرل خان کے اندر تو خیر تھکن کا نام و نشان بھی نہیں تھا لیکن تیمور خود ہی کہیں کہیں لڑکھڑا

جاتا ہے بیچ میں

www.taemeernews.com

تھا۔ ایسے موقعوں پر طغرل خان نے بارہا پیشکش کی تھی کہ اگر وہ چاہے تو طغرل خان کا سہارا لے سکتا ہے لیکن تیمور مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔

رات بھر یہ سفر جاری رہا۔ نہ تیمور نے کسی جگہ رُکنے کا ارادہ ظاہر کیا اور نہ طغرل خان رُکا۔ اب اس کے دل میں زرنگاہ اور شہنشاہ کا خیال تھا۔ پچھلے حالات اس کے ذہن سے نکل چکے تھے اس کے بارے میں اس وقت تک سوچنا مناسب نہیں تھا جب تک زرنگاہ کی صورت نظر نہ آجائے۔ وادیٔ شیربار تک کا یہ سفر پیدل طے کرنا بہت مشکل کام تھا۔ رات بھر کے اس سفر کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں اُن کے لیے پناہ گاہیں موجود تھیں چنانچہ تیمور نے تجویز پیش کی۔

"عظیم آقا کیوں نہ ہم چند گھنٹے یہاں قیام کر لیں اور اس کے بعد سفر شروع کیا جائے؟"

طغرل نے ایک نگاہ تیمور کو دیکھا اور پھر خاموشی سے گردن ہلا دی۔ تیمور نے پناہ کے لیے ایک بہتر جگہ تلاش کی اور اُسے صاف ستھرا کر کے طغرل خان سے وہاں آرام کرنے کے لیے کہا تو طغرل خان نے آہستہ سے کہا: "تو بھی یہیں میرے قریب آرام کر تیمور۔ کیا تجھے نیند آ رہی ہے؟"

"نہیں عظیم آقا بس میں چاہتا ہوں کہ یہاں تھوڑی پرسکون کے کچھ سانس لے لیے جائیں تاکہ ہم آگے کے سفر کے لیے چاق و چوبند ہو جائیں۔"

طغرل خان نے گردن ہلا دی۔ تیمور اُس کے قدموں کے نزدیک ہی لیٹ گیا۔ طغرل خان کافی دیر تک ایک پتھر پر سر رکھے سوچ میں ڈوبا رہا پھر اُس نے گردن اُٹھا کر تیمور کو دیکھا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ لنگڑا سو گیا ہے یا نہیں۔ تیمور آنکھیں بند کیے بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ طغرل نے اُسے مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا تیمور کے لیے اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات تھے لنگڑا ہونے کے باوجود اُس نے کسی موقع پر طغرل خان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور اسی کی رفتار سے سفر کرتا رہا تھا جب کہ طغرل خان اس وقت رکنے کی کیفیت میں نہیں تھا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ پر لگا کر زرنگاہ اور شہنشاہ کے پاس پہنچ جائے لیکن اُس نے تیمور کا خیال کیا تھا۔ طغرل خان کی زندگی میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں وہ اس کے تمام ساتھیوں پر عیاں ہو چکی تھیں لیکن اب تک اُس کی تمام تر محبتوں کا مرکز صرف شہنشاہ ہی رہا تھا۔ قتل و غارت گری اور خونریزی سے اس نے منہ ضرور موڑ لیا تھا لیکن صرف [illegible]

ہاتی طور پر۔

کئی گھنٹے گزر گئے اور تیمور کے بدن میں جنبش نہ ہوئی البتہ طغرل خان کی پلکیں پل بھر کے لیے بھی نہیں جھپکی تھیں۔ اس دوران اس کا ماضی اس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند آ گیا تھا بہت کچھ یاد آ رہا تھا اُسے۔ شیرکوہ، شیرکوہ کا محل اور اپنا باپ زرق خان، اپنی ماں خانم اور نجانے کون کون اور اس کے بعد گزرے ہوئے لمحات کی ہر کہانی اُس کی نگاہوں کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ خانم جوزیفائن اور جوزیفائن کے تصور کے ساتھ ہی نجانے کیوں وہ اُچھل پڑا۔ اُس کے اُچھلنے سے غالباً لنگڑے کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ اُس نے گردن اُٹھا کر طغرل خان کو دیکھا اور طغرل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تیمور تیزی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"میری دلی خواہش تھی آقا کہ طغرل خان اپنی ذہنی کیفیت پر قابو پا لے۔ غصہ، انتقام، جوش بے شک انسانی فطرت کے اہم جزو ہوتے ہیں لیکن ان تمام کیفیات پر اگر عقل غالب آجائے تو پھر وہ انسان ناقابلِ تسخیر ہوتا ہے اور میں نے طغرل کو ہمیشہ اپنے خوابوں میں ایک ناقابلِ تسخیر انسان ہی پایا ہے اور اس وقت طغرل خان کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ طغرل خان کے بارے میں میرا تصور غلط نہیں تھا۔"

"بڑے سروالے میں تیرا احترام کرتا ہوں۔ تو واحد شخص ہے جس سے میں صرف محبت ہی نہیں کرتا بلکہ احترام بھی کرتا ہوں۔"

"یہ عظیم آقا کا انعام ہے تیمور کے لیے۔"

"اور تو اسی انعام کا مستحق ہے۔" طغرل خان نے جواب دیا۔ "ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔"

"کیا عظیم آقا؟"

"تیمور تو بھی بھول گیا اور میں بھی بھول گیا۔ ہاں غلطی مجھ سے بھی ہوئی اور تجھ سے بھی۔ تجھ سے صرف اتنی سی غلطی ہوئی ہے کہ تیرے ذہن میں وہ بات نہ آسکی جو میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔"

تیمور خاموشی سے طغرل خان کی صورت دیکھتا رہا۔ تب طغرل نے کہا۔

"ہم نے بہت بڑی غلطی کی ہے نا تیمور وہ ہے جوزیفائن کی زندگی۔" طغرل خان نے کہا اور تیمور پُرخیال نگاہوں سے طغرل کو دیکھنے لگا پھر بری طرح اُچھل پڑا۔

"اوہ! عظیم آقا۔ عظیم آقا تو یقین کریں مجھے پہلے بھی برتر و

www.taemeernews.com

اعلیٰ سمجھتا تھا لیکن آج یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر طغرل خان ذہن پر زور دے تو ہزاروں میں ایک ہے۔"

"اوہ! تیمور اب میرے لیے ان الفاظ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں آئندہ تیری زبان سے اس قسم کے الفاظ سننا پسند کروں گا۔ میں جو کچھ بھی ہوں، ہوں نہیں تھا اور جب ہو جاؤں گا اس کے بعد اگر تو اپنے الفاظ میں تبدیلی لانا چاہے گا تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔"

"عظیم آقا میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔"

"کیا سمجھ رہا ہے؟"

"آپ کے خیال میں شیرم جوزیفائن کا تربیت یافتہ ہے۔"

"ہاں یہی سوچا تھا میں نے بڑے سر والے ابھی ابھی خیال میرے ذہن میں آیا تھا جوزیفائن شیطان کا دوسرا روپ ہے۔ وہ ہر حالت میں کچھ نہ کچھ کر سکتی ہے اور ہم... تیمور خان ہم وادی شیربانہ جاتے ہوئے شیرم کو یہیں چھوڑ گئے تھے۔"

"میں سمجھا نہیں عظیم آقا۔"

"اس وقت... اس وقت تیمور... اس وقت لنگڑے جب ہم وادی شیربانہ میں انتظامات کا جائزہ لینے گئے تھے شیرم یہیں تھا اور جوزیفائن بھی یہیں تھی۔"

"ہاں عظیم آقا میں سمجھ رہا ہوں۔"

"اگر شیرم جوزیفائن کے زیر اثر آجائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ جوزیفائن ایک ساحرہ ہے جس نے میرے چچا راول خان کو نگمی کا ناچ نچا دیا تھا۔"

"بے شک عظیم آقا۔ بے شک۔ ہم ان راستوں پر سوچ سکتے ہیں۔"

"مگر نجانے کیوں مجھے یقین ہوگیا ہے کہ شیرم کی اس کوشش میں کہیں نہ کہیں جوزیفائن کا ہاتھ ضرور ہے اور آہ! ہم نہ صرف جوزیفائن کو وہاں چھوڑ آئے بلکہ راول خان اور اس کا بیٹا خوش بخت خان بھی وہیں ہے۔ یوں سمجھ لے تیمور میرے تمام منصوبے خاک میں مل گئے ہیں اور اگر یہ تصور میرے ذہن میں پختہ ہو جائے کہ میرے اس زوال کا سبب جوزیفائن ہے تو پھر میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ مجھے چاہیے کہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن دبا کر خودکشی کر لوں۔"

"نہیں عظیم آقا وعدہ کر چکا ہے کہ تو جوش سے نہیں ہوش سے کام لے گا۔"

"ہاں۔ ہاں میں ہوش ہی سے کام لوں گا اس لیے کہ اب میں تنہا نہیں ہوں بلکہ میرے ساتھ شہنشاہ خان ہے۔ تیمور جلدی اٹھ۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔ بہت دیر ہوگئی۔ میں۔ میں شہنشاہ خان تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

معمول کے مطابق طغرل خان کی ذہنی رو ایک بار پھر بھٹک گئی تھی۔

"عظیم آقا میں تیار ہوں۔" تیمور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ طغرل خان کے ذہن میں جوزیفائن کا تصور جڑ پکڑ جائے۔ ذہنی رو بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہو سکتا ہے طغرل خان یہ اعلان کر دے کہ وہ واپس جا رہا ہے اور کچھ نہیں تو کم از کم جوزیفائن ہی کو ختم کر کے وہ دوبارہ یہاں آجائے گا چنانچہ یہاں سے نکل جانا اور شہنشاہ خان کے سامنے طغرل کو لے جانا اس وقت سب سے موزوں تھا۔ اب اس کی مدد کے لیے زرنگاہ بھی تیار ہوگی۔ بشرطیکہ وہ وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے چنانچہ اس سفر کا دوبارہ آغاز ہوگیا۔ راستہ بہت کٹھن تھا موسم بے حد سخت لیکن دونوں ہی موسم کی سختیوں سے بے نیاز جتنی برق رفتاری سے ہو سکتا تھا آگے کی جانب کا سفر طے کر رہے تھے اور اب بہت دور سے وادی شیربانہ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ گویا منزل قریب آتی جا رہی تھی۔ ویسے تیمور خود بھی جوزیفائن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ شیرم خان بذات خود اتنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک نہیں تھا کہ وہ حالات کو طغرل خان کے خلاف اس طرح موڑ دیتا۔ اس سلسلے میں ضرور اس کی رہنمائی کی گئی ہے اور اس وقت پہاڑوں میں سب سے بڑی شیطان راہنما عورت موجود تھی جو نگمی تھی اور جس کا ذہن ہمیشہ شیطانی منصوبے باندھنے میں بے مثال رہا تھا۔ تیمور کو بھی اس بات کا یقین ہوگیا کہ کسی نہ کسی طرح شیرم خان اور خانم جوزیفائن کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے بہر طور وہاں پر جو کچھ بھی ہوا اب حالات کم از کم پہاڑوں میں ان کے قابو میں نہ رہے تھے۔ جوزیفائن نے اگر اپنا جال مضبوطی سے شیرم خان پر ڈال دیا تھا تو اس کا مقصد تھا کہ بہر طور اسے ایک ذہین ترین عورت تسلیم کر لیا جانا چاہیے تھا لیکن اس کا اظہار تیمور نے طغرل خان پر نہیں کیا اور دونوں برق رفتاری سے اپنا سفر جاری رکھے رہے۔ سورج ڈھلنا شروع ہوا تھا جب وہ اس جگہ پہنچ گئے، جہاں سے اب انہیں ایک سرنگ میں داخل ہونا تھا اور یہی سرنگ انہیں وادی شیربانہ میں اس جگہ تک لے جا سکتی تھی جہاں زرنگاہ اور شہنشاہ خان کا قیام تھا۔ چنانچہ وہ گہری گہری سانسیں لینے کے بعد...

www.taemeernews.com

داخل ہوگئے اور پھر یہ تنگ و تاریک سفر طے کیا جانے لگا۔ تیمور بالکل خاموش تھا۔ طغرل خان کا دل بھی دھڑک رہا تھا۔ اب اس کی دھڑکنوں میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہوگیا تھا بلاشبہ طغرل خان کے اندر کافی نرم فطرت جنم لے رہی تھی جس کا اس سے پہلے اس کے وجود سے کوئی گزر نہیں ہوا تھا۔ وہ شہنشاہ خان کے بارے میں سوچ رہا تھا اور دل کی دھڑکنیں بار بار اس کا نام پکار رہی تھیں۔

رات کی تاریکیاں پہاڑوں پر پھیل گئی تھیں جب اس عظیم الشان سرنگ کو عبور کرنے کے بعد وہ اس کے مرکز پر پہنچے۔ یہ مرکز ایک گول سے کمرے کی شکل میں تھا جو پہاڑ کو کھوکھلا کر کے بنایا گیا تھا اور اس میں داخلے کا ایک ہی راستہ تھا۔ دوسرا راستہ مرکز کے دوسری جانب پہاڑوں کی طرف کھلتا تھا۔ مرکز میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور طغرل خان دھڑکتے دل کے ساتھ اس دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا تھا جسے کھول کر وہ اندر داخل ہو سکتا تھا۔ اس کے کان اندر کی آوازیں سننے کے لیے بے چین تھے لیکن آوازیں باہر نہیں آسکتی تھیں۔ پھر طغرل تیمور نے ہی مشکل حل کی اور وہ دروازہ کھول دیا۔ وہ طغرل خان سے کم متجسس نہیں تھا پھر جب اس نے سامنے ہی خانم زرنگاہ اور شہنشاہ خان کو آرام سے دراز دیکھا تو اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک لہرا گئی۔ طغرل خان کے منہ سے بے اختیار آواز نکلی۔

"شہنشاہ خان میرے بچے۔ میرے بیٹے!"

دونوں نیم غنودہ افراد اچھل پڑے تھے۔ زرنگاہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ شہنشاہ بھی اٹھ گیا تھا۔ زرنگاہ طغرل خان کے قدموں سے لپٹ گئی۔

شہنشاہ خان قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔ طغرل نے زرنگاہ کو اٹھایا، سینے سے لگایا اور پھر شہنشاہ خان کو بھی اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ تیمور واپسی کے لیے مڑنے لگا تو طغرل خان نے کہا۔ "نہیں تیمور تم باہر نہیں جاؤ گے۔"

تیمور رک گیا لیکن اس نے اپنا رخ تبدیل کر رکھا تھا۔ تب طغرل نے کہا۔

"زرنگاہ تمہیں دیکھ کر میرے وجود میں دوبارہ زندگی پیدا ہوئی ہے۔ میرے بیٹے۔ میرے شہنشاہ خان۔ وہ... وہ کچھ ہوگیا جس کا میں نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔"

"بابا خان! کیا تم اس ہونے سے پریشان ہو؟" شہنشاہ خان کی آواز ابھری اور طغرل خان چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"پریشان۔ پریشان نہیں ہوں۔ میں شہنشاہ خان لیکن... "

"نہیں بابا خان لفظ ایک ہونا چاہیے۔ ہاں یا نہیں۔"

"تو پھر میں پریشان نہیں ہوں۔"

"جب ہم پریشان نہیں ہیں تو ہم کسی بھی قسم کے ماحول سے خوفزدہ نہیں ہو سکتے۔"

طغرل کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے۔ یہ اس کا بیٹا بول رہا تھا۔ اس کا بیٹا نہیں۔ یہ پہاڑوں کا اصل شہنشاہ بول رہا تھا جس کا نام ہی شہنشاہ خان تھا۔ زرنگاہ کی آنکھوں میں بھی فخر اور مسرت کے آثار تھے پھر اس نے ممنون نگاہوں سے تیمور کو دیکھا اور آگے بڑھ کر بولی۔

"میں تجھے اپنا بھائی کہوں؟ اپنا رہنما کہوں؟ اپنا نجات دہندہ کہوں؟ کیا کہوں تیمور تجھے؟ کون سا اعزاز دوں کہ تو نے میرے طغرل خان کو میرے سامنے لا کھڑا کیا؟"

"تیمور صرف خادم کہلانے میں فرق محسوس کرے گا خانم!"

"آہ! تو خادم نہیں ہے۔ خادم نہیں ہے تو۔ تو ہمارا خون ہے۔ ہاں تیمور کہیں نہ کہیں تیرے خون میں ہمارے خون کی آمیزش ضرور ہے!"

"یہ وہ فخر ہے جسے تیمور موت کے بعد بھی نہ بھول سکے گا۔" تیمور نے کہا۔

"ہاں تیمور تو نے واقعی مجھ پر احسان کیا ہے اور طغرل خان آج پہلی بار اپنی زبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ اس کائنات میں، اس دنیا میں، ان پہاڑوں میں کس کا احسان مند ہے اور جس کا وہ احسان مند ہے اس کا نام ہے تیمور خان!"

"خان میں خوشی سے مر جاؤں گا۔ اب مزید نہ بولنا!" تیمور نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ تیمور! بیٹھ جاؤ، تم جس قدر تھک گئے ہو میں جانتا ہوں۔ میں نے تو صرف پہاڑوں سے شیر بانہ تک کا سفر ایک بار کیا ہے لیکن تم تین بار یہ سفر کر چکے ہو۔ بیٹھ جاؤ تیمور بیٹھ جاؤ، یہیں بیٹھ جاؤ۔" اور تیمور وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ طغرل نے زرنگاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"زرنگاہ، اس دوران تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"تیمور نے اس کی گنجائش ہی کہاں چھوڑی؟ ہمارے لیے ہر چیز تو مہیا کر دی تھی اس نے۔" زرنگاہ نے جواب دیا۔

"ہاں تیمور ہمارا سب سے سچا اور سب سے گہرا دوست ہے

www.taemeernews.com

اور اس بات کو ہم مرتے دم تک ذہن میں رکھیں گے شہنشاہ خان تم بھی۔ سچے تیمور کے احسان کو کبھی نظر انداز مت کرنا۔"

شہنشاہ کے ہونٹوں پر ایک پُرغرور مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تب زرنگاہ نے کہا۔

"وہاں کیا ہوا طغرل خان؟ میں وہاں کے حالات جاننا چاہتی ہوں۔"

"بہت لمبی کہانی ہے۔ ہم نے یہاں تک کا سفر پیدل طے کیا ہے۔ پہلے ہمارے کھانے پینے کے لیے کوئی بندوبست کرو کیونکہ اس دوران ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ نہ صرف یہ کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا بلکہ اس کا تذکرہ ہم دونوں میں سے کسی کی زبان پر بھی نہیں آیا۔" طغرل نے ایک بار تیمور کی طرف دیکھا اور تیمور نے گردن جھکالی۔

زرنگاہ جلدی جلدی کھانے پینے کی اشیا اکٹھی کرنے لگی اور پھر اس نے بڑے احترام سے وہ اشیا سامنے سجا دیں۔ طغرل خان نے تیمور سے کہا "آؤ میرے دوست۔"

"آقا مجھے تھوڑا سا الگ دے دیا جائے تو بہتر ہے۔"

"تیمور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آج سے اپنا یہ انداز ترک کردو۔ تم اب میرے غلام نہیں میرے ساتھی ہو۔ میرے بھائی۔"

بمشکل تمام تیمور ان کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھنے پر آمادہ ہوا تھا۔ شہنشاہ اور زرنگاہ چونکہ اپنا پیٹ بھر چکے تھے اس لیے ان دونوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور طغرل تیمور کے ساتھ کھانا کھاتا رہا۔ اس کے اندر بھی معمول کے مطابق بے فکری پائی جاتی تھی جہاں غیظ و غضب کا معاملہ ہوتا وہ آتش بن جاتا تھا اور زندگی کے دوسرے لمحات سے بھی وہ کبھی الگ نہیں ہوتا تھا۔ کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ طغرل خان خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ زرنگاہ نے کہا۔

"بہتر ہے خان تم سو جاؤ اور تیمور تم بھی۔"

"نہیں خانم میں اس وقت تک نیند اپنے لیے حرام کر چکا ہوں جب تک آپ لوگوں کی بہتری نہ تلاش کرلوں گا۔" تیمور نے جواب دیا۔

"میں بھی سونے کی حاجت نہیں محسوس کرتا زرنگاہ۔"

"تو پھر میں یہ جاننا چاہوں گی کہ وہاں کیا حالات پیش آئے؟ اور ان سارے معاملات کا ذمے دار کون ہے؟"

"کتا۔ کتا شیرم خان جس نے میری بچی ہوئی ہڈیاں چچوڑ کر زندہ رہنا سیکھا ہے اور آج وہ غرا رہا ہے بھونک رہا ہے اور وہ جو کسی بھی لمحے میرے ہاتھ کتوں کی موت مارے جا سکتے تھے لیکن میں نے انہیں زندگی دی اور آج مجھ سے وہ زندگی پانے کے بعد میری ہی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی ہمت پیدا کر چکے ہیں۔"

"مگر ایسا کیسے ہوا طغرل خان؟"

"شیرم خان کی بغاوت۔ اس نے تولائی کو قتل کر دیا۔ تیمور کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر یہ اُن کے درمیان سے اپنی ذہانت سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور اس کے بعد تمہیں یہاں لے کر آگیا پھر یہ سچا ساتھی اُس جگہ جہاں تمہارا قیام تھا میرا انتظار کرنے لگا۔ اس کے اندازے حیرت انگیز طور پر درست تھے۔ میں وہاں پہنچا اور اس کے بعد یہی تھا جس نے مجھے میری ذہنی قوتوں پر قابو پانے کی ہمت دلائی اور میں اس کی بات مان کر یہاں تک آگیا۔"

"آہ! لیکن... لیکن آخر شیرم خان کو تم سے کیا شکایت پیدا ہوگئی طغرل خان؟"

"بہت سی باتیں ہیں سوچنے کے لیے زرنگاہ خانم جوزیفائن کو زندہ چھوڑ کر ہم نے غلطی کی تھی۔ شیرم کے ذہن میں شاید مجھ سے بغاوت بہت عرصے پہلے جنم لے چکی تھی لیکن وہ کبھی اس بغاوت کے اظہار کی جرأت نہیں کر پایا اور یقیناً اسے کسی طرح جوزیفائن تک رسائی حاصل ہوگئی۔ ارے ہاں یہ کون سا مشکل کام تھا آخر جب میں وہاں موجود نہیں تھا تو شیرم کو جوزیفائن کے پنجرے تک جانے سے کون روک سکتا تھا۔ یقیناً کسی طرح اس جادوگرنی نے شیرم پر قابو پایا اور اس کے بعد اس کی زیر ہدایت یہ سب کچھ ہوگیا۔ وادی شیرباہ میں ہم خراج کی رقم وصول کر رہے تھے اور ادھر شیرم ہمارے خلاف اپنا مورچہ مضبوط کر رہا تھا۔ وہ وادی شیرباہ میں ہمارے ساتھ ضرور تھا لیکن پھر وہ خاموشی سے وہاں سے نکل آیا اور اس نے چالاکی سے تولائی اور تیمور کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ تولائی تو بے چارہ کام آگیا لیکن تیمور وہاں سے نکل بھاگا اور سیدھا تمہارے پاس پہنچا۔"

دیر تک خاموشی چھائی رہی اور اس کے بعد طغرل خان نے کہا: "وہ خنزیر۔ جس نے بچپن سے میرا ساتھ دیا ہے مجھ سے باغی ہوگیا اور وہ کتے۔ وہ بھی اس کے ساتھی بن گئے۔ او لنگڑے سو رہا ہے کیا؟ تو مجھے بتائے گا نہیں۔ آخر وہ سب میرے خلاف کیسے ہوگئے؟" طغرل خان کو رہ رہ کر اس صورت حال سے اذیت ہو رہی تھی۔

تیمور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے پُرخیال لہجے میں کہا: "آقا میں اپنی کھوپڑی کو پچھلے راستوں کی سمت دوڑانے کے بعد میں

www.taemeernews.com

واقعات یاد کر رہا ہوں اور یہ اندازہ لگا رہا ہوں کہ وہ کون سا وقت تھا جب شیرم خان کے ذہن میں تیرے لیے بغاوت پیدا ہوئی اور آقا جہاں تک ماضی کے کچھ واقعات مجھے یاد آئے ہیں، میں ایک احساس کو شدت سے اپنے ذہن میں محسوس کرتا ہوں۔"

"کیا؟" طغرل خان نے سوال کیا۔

"تولائی خان، شیرم خان کے بارے میں شاید بہت پہلے سے جانتا تھا۔ کہ شیرم خان کے ذہن میں بغاوت پیدا ہو رہی ہے۔"

"تو اس بے وقوف نے۔ اس مردود نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"اس لیے سردار۔ یقیناً اس لیے کہ تو غصّہ ہو جائے گا اور اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"کیا اُس کا زندہ چھوڑ دینا میرے حق میں بہتر ہوا؟ کیا تولائی خان کے حق میں بہتر ہوا؟"

"شاید تولائی خان کی رگوں میں ایک نیک باپ کا خون تھا۔ وہ اس حد تک نہیں سوچ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یقیناً آقا یہ خیال ہو گا کہ بدبخت شیرم خان اس حد تک جا سکتا ہے کچھ ایسے واقعات مجھے یاد آ رہے ہیں جب میں نے شیرم اور تولائی خان کو گفتگو کرتے دیکھا اور اب جب ان پر غور کرتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تولائی خان اُسے باز رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"آہ! میرا دوست۔ میرا آخری دوست تولائی خان۔ میں تیمور۔ میں اُس کی موت کا انتقام لوں گا۔ ایک ایک کو چن کر قتل کر ڈالوں گا۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ میری زندگی کا پہلا مقصد ہے زرنگاہ مجھے مشورہ دے۔ تیمور مجھے بتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اوئے شہنشاہ ادھر آ۔ تو بھی اب بڑا ہو گیا ہے میرے شیر۔ پہاڑوں کی یہ مملکت میری نہیں اب تیری ہے۔ مجھے بتا میں اپنے دشمنوں سے کیسے انتقام لوں؟"

شہنشاہ خاموشی سے ماں باپ کی صورت دیکھنے لگا۔ تب زرنگاہ نے کہا۔ "خان جو کچھ میں یا تیمور خان کہیں گے تم اسے قبول کر لو گے؟"

"مقصد؟" طغرل غرّایا۔

"مقصد یہی ہے کہ تم اسے اپنے خلاف توہین مت سمجھنا۔ ہم جو کچھ بھی کہیں گے اس صورت حال کو سامنے رکھ کر کہیں گے۔"

"اوہ! تو بکو تو سہی۔ کیا بکنا چاہتے ہو تم لوگ؟ تیمور اب کیا مشورہ ہے تیرا! مجھے بتا کہ میں اُن لوگوں کے خلاف اپنی کارروائی کا آغاز کس طرح کروں؟"

"سمجھ بوڑھا خان حالات پوری طرح ہمارے خلاف ہو چکے ہیں۔ سو کچھ میں نے سُنا جو کچھ میں نے دیکھا وہ بتاتا ہے کہ شیرم خان مکمل طور سے پورے گروہ کو اپنے حق میں کر چکا ہے اور اس وقت ہمارا ساتھی کوئی بھی نہیں ہے۔"

"میں خود۔ میں خود ان پہاڑوں میں انہیں تباہ کر دوں گا۔ میں اتنے کچے ذہن کا مالک نہیں ہوں میں منصوبہ بندی کر سکتا ہوں۔ میں ان سب کو اب پہاڑوں میں گھیر کر تباہ کر سکتا ہوں۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے تیمور خان، بہت کچھ ہو سکتا ہے؟"

"ہاں خان۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ انہیں ان پہاڑوں میں تباہ کیا جا سکتا ہے لیکن کسی بھی تبدیل ہو جانے والی صورت حال سے ہم نہیں نمٹ سکتے۔ میں تیرے حکم پر اُن کے درمیان گھس کر ان پر گولیوں کی بارش کر سکتا ہوں جتنے بھی مر جائیں لیکن اُس کے بعد بالآخر مجھے مرنا پڑے گا اور تو۔ شہنشاہ طغرل خان تو بھی ایسا ہی کر سکتا ہے اور خانم زرنگاہ بھی اور ہمارا یہ شہنشاہ خان بھی لیکن ہم صرف چار ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ ہے؟ کوئی ایسی تجویز اس وقت نہیں ہے طغرل خان جو ہمیں فوری طور پر کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔ سوائے ایک تجویز کے۔"

"کیا۔ کیا؟ میں وہی سننا چاہتا ہوں۔" طغرل خان نے سخت غصّے کے عالم میں کہا۔

"تجویز یہ ہے طغرل خان کہ سب سے پہلے ہم اپنے لیے کوئی مناسب پناہ گاہ تلاش کریں ایسی پناہ گاہ جہاں شیرم اور اس کے کتّوں کے قدم ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ انتہائی ضروری ہے طغرل خان۔ پہلے ہم اپنے تحفظ کا بندوبست کر لیں اور اس کے بعد ان پہاڑوں کو شیرم کے لیے جہنم بنا دیں۔ یہی ایک تجویز آخری ہے۔"

"مگر۔۔ مگر کام تو بہت دیر طلب ہے۔ بہت دیر میں ہو گا یہ سب کچھ۔ میں۔۔۔ میں اُس وقت تک صبر کیسے کر سکوں گا؟"

"اس وقت تک صبر کرنا ہی پڑے گا طغرل خان۔ اپنے لیے نہیں میں اور تو اور خانم زرنگاہ جان دے سکتے ہیں لیکن ہمارے ننھے سے سردار کے لیے ابھی یہ وقت جان دینے کا نہیں ہے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے تو تیمور خان؟"

"وہ کہہ رہا ہوں جو حقیقت ہے۔ وہ کہہ رہا ہوں جو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ ہم شہنشاہ خان کی موت کسی طور برداشت نہیں کر سکیں گے۔"

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ شہنشاہ خان کے ساتھ موت کا نام بھی نہ لگانا تیمور۔ کبھی نہ لگانا۔" طغرل خان نے آگے بڑھ کر شہنشاہ خان کو اپنے سینے سے بھینچ لیا۔

www.taemeernews.com

"اس شہنشاہ کے لیے مصلحت سے کام لینا ہوگا طغرل خان' مصلحت سے کام لینا ہوگا۔"

"اوہ! خدائی خوار بول تو سہی کیا مصلحت ہے وہ؟ کیا کرنا ہوگا ہمیں!"

"کہا نا سردار یہاں سے نکل کر بہت دُور پہاڑوں کے کسی پُراسرار گوشے میں ہمیں پناہ لینی ہوگی اور اس کے بعد ہم منصوبہ بندی کرلیں گے۔ پہلے اپنے دشمنوں کے نرغے سے تو نکل جائیں۔"

طغرل خان گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ تب زرنگاہ نے کہا: "بالکل یہی تجویز میری بھی ہے طغرل خان اور ہم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ پہلے ہم اپنے تحفظ کا بندوبست کرلیں اس کے بعد ہم شیرم خان کو اس بغاوت کے نتیجے میں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر وہ زندہ رہا تو میرے لیے خودکشی کرلینا مناسب ہوگا۔"

"بالکل خان۔ بالکل، یہ درست کہا تم نے صرف تمہارے لیے نہیں۔ ہم سب کے لیے۔"

"تو پھر۔ تو پھر تیرا بھی یہی مشورہ ہے۔ اوئے تیمور یہ بتا ہم کہاں پناہ لیں گے؟ آہ! آج طغرل خان یہ سوال کررہا ہے۔ وہ جس کے جلال سے پہاڑوں میں کسی کو کہیں پناہ نہیں ملتی تھی۔ آج وہ اپنے لیے پناہ گاہ ڈھونڈ رہا ہے۔"

"اس سلسلے میں خان سے آخری بار کہوں گا کہ یہ سارے واقعات شہنشاہوں کو پیش آتے ہیں۔ کوئی بھی معمولی آدمی ان واقعات سے دوچار نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں تم دونوں کی رائے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر اب۔ اب کیا کیا جائے؟"

"سب سے پہلے اپنے غصّے کو ذہن سے اتار دے طغرل خان اور ایک سمجھدار انسان بن کر سوچ۔"

"اوئے کہہ تو دیا مجھ سے بک بک کیے جارہا ہے میری محبت سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے تو۔" طغرل خان پھر تیمور پر بگڑ گیا اور تیمور نے گردن خم کرکے کہا۔

"معزز سردار کو اندازہ ہوگا کہ ہم کہاں ہیں؟"

"ہاں پاگل ہوں کیا میں۔ دماغی توازن کھو بیٹھا ہوں؟ ہم وادیٔ شیربانہ میں ہیں۔"

"اور سردار یہ بھی جانتا ہے کہ وادیٔ شیربانہ میں ہمارے گروہ کے بیشتر افراد متعین ہیں۔"

"اوئے ہاں۔ واقعی یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ سچ کہتا ہے تو تیمور خان واقعی میں اس وقت ذہنی توازن کھو بیٹھا ہوں۔ ہاں وہ کتنے ابھی یہاں موجود ہیں۔"

"لیکن ہم یقین نہیں کرسکتے طغرل خان کہ اُن میں سے کون شیرم خان کا ہمنوا ہے اور کون طغرل خان کا۔"

"اب اُن میں سے کسی پر مجھے کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وہ جو کمبخت میرے ٹکڑوں پر پلے بڑھے وہ تک غدار ہو گئے بدرشاہ۔ بدرشاہ پر میں نے رحم کیا۔ سب سے بڑی غلطی کی میں نے کہ اپنے گروہ کی کمان بدرشاہ کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ غدار بھی شیرم خان سے مل گیا۔"

"سبھی اُس سے مل گئے طغرل خان۔ سبھی اُس سے مل گئے۔"

"ٹھیک۔ ٹھیک تو پھر ہم ایک کام کیوں نہ کریں تیمور خان۔ یہاں جتنے آدمی موجود ہیں ان سب کو ہلاک کردیں۔ سب کو۔ ایک ایک کو چن چن کر ہلاک کر ڈالیں۔ کیسا رہے گا؟ کم از کم اس گروہ میں چند ہی کتے کم ہو جائیں گے۔"

"اس سے یہ گروہ ختم ہو جائے گا؟ کیا شیرم خان کی بغاوت ناکام ہو جائے گی طغرل خان؟"

"پھر بھی دل تو ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"کیوں خانم زرنگاہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟" تیمور نے زرنگاہ سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ان میں سے کسی ایک کو نقصان پہنچانا مناسب نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں یہ تجویز پیش کرتی ہوں کہ یہاں سے ہمیں صرف چار گھوڑے حاصل کرنے ہوں گے اور اگر ممکن ہو سکے تیمور خان تو کھانے پینے کی کچھ اشیا جو راستے میں ہمارے کام آسکیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی تھوڑا سا اسلحہ جو ہماری ضرورت پوری کرسکے۔ اگر ہم ان اشیا کے حصول میں کامیاب ہو جائیں تو پھر ہمیں خاموشی سے یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔"

"بالکل خانم بالکل۔ یہی تجویز بوڑھے اور لنگڑے تیمور کی ہے۔"

طغرل خان گردن ہلانے لگا پھر بولا: "ٹھیک ہے میں تم لوگوں سے وعدہ کرچکا ہوں کہ میں تمہارے کام میں مداخلت نہیں کروں گا۔"

"تو پھر مجھے اجازت دے سردار میں راتوں رات یہ کام کرلینا چاہتا ہوں۔"

"اوئے نہیں۔ اب تو ہمارے لیے بہت قیمتی ہوگا ان کے بیچ میں

www.taemeernews.com

تیمور خان، ہم تمہیں اکیلے یہ کام نہیں کرنے دیں گے۔"
"لیکن طغرل خان ایک وعدہ کرنا ہوگا تمہیں تیمور خان کے سامنے۔"
"اوئے۔ اوئے لنگڑے تو بھی بہک رہا ہے؟" طغرل خان پھر غرایا۔
"ہاں۔ اس وقت میں بہک رہا ہوں۔ تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"
"کیا؟ بکتا کیوں نہیں ہے؟"
"حالات کچھ بھی پیش آجائیں۔ تم غصے سے کام نہیں لوگے خان یہ غصہ ہمارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہی ہے کہ خاموشی سے گھوڑے، خوراک اور ہتھیار حاصل کریں اور اس کے بعد راتوں رات یہاں سے باہر نکل جائیں۔ خان ان سرنگوں کی تعمیر میں میری کھوپڑی کام کرتی رہی ہے اور میں جانتا ہوں کہ کہاں سے ہمارا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔"
"ہاں ٹھیک ہے، تو جانتا ہے، بے شک تو جانتا ہے۔"
"تو بہتر یہ ہے کہ اگر تم زیادہ سے زیادہ میری مدد کرنا چاہو تو یوں کرو جو کچھ میں بتاؤں ان راستوں پر عمل کرو۔"
"ٹھیک ہے بھئی۔ آج تھوڑی دیر کے لیے تو ان پہاڑوں کا سردار بن گیا ہے۔ بتا۔ بتا کیا کرنا ہے؟"
زرنگاہ نے آگے بڑھ کر کہا: "تیمور، میں بھی تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"
"خانم۔ ٹھیک ہے آپ شہنشاہ کو لے جائیے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میں آپ کی جہاں نشاندہی کردوں وہاں خوراک کے ذخیرے سے اپنے لیے مناسب خوراک تلاش کر لیجیے اور پھر آپ خاتون ہیں اس سلسلے میں زیادہ بہتر طور پر کام کر سکتی ہیں۔"
"ٹھیک ہے میں اس کے لیے تیار ہوں۔"
"آئیے خان ہم اور آپ اسلحہ اور گھوڑے حاصل کرتے ہیں۔" تیمور نے کہا اور طغرل خان نے گردن ہلا دی۔
اس نے ایک نظر زرنگاہ اور شہنشاہ پر ڈالی اور پھر تیمور کے ساتھ باہر نکل گیا۔

✿ شیرم خان شدید ذہنی ہیجان کا شکار تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طویل عرصے سے اُسے طغرل خان سے نفرت ہو گئی تھی اور وہ طغرل خان کے خلاف اپنے ذہن میں تانے بانے بُنتا رہتا تھا لیکن اس بات کا بھی ماضی گواہ تھا کہ طغرل خان ہمیشہ اُن کے ذہنوں پر شیر کی حیثیت سے ہی سوار رہا تھا اور اس کے سامنے وہ ہمیشہ احساسِ کمتری کا شکار رہے تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ طغرل خان ہی تھا جس نے انہیں کچھ سے کچھ بنا دیا تھا ورنہ شیر کوہ کے یہ نوجوان شناسا کیے جاتے تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ طغرل خان ہی تھا جس نے اُن کی حیثیت اس قدر بڑھا دی تھی کہ لوگ اُن سے خوف کھانے لگے تھے۔ طغرل خان اگر ان کا پُشت پناہ نہ ہوتا تو وہ اس قسم کی کارروائیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ پُرانی بات تھی۔ طغرل خان کے ساتھ انہوں نے وفاداری سے بہت سا وقت گزارا اور ہر قسم کے معاملات میں اس کا ساتھ دیتے رہے، لیکن شیرم خان ہر تجربے سے گزر چکا تھا۔ ایک بار تولائی خان کے مشورے پر اس نے شیرم خان کے نام سے بستی کو تاراج کرنے کی کوشش کی تو انہیں بدترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ طغرل خان کا نام ہی بستیوں کے لیے دہشت کی علامت تھا اور اس بات نے شیرم کو کچھ اور دل برداشتہ کر دیا تھا اُسے بارہا یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں اور اب جب کہ طغرل خان نے اپنا رنگ بدل لیا تھا تو شیرم خان اس سے بہت زیادہ مخالفت محسوس کرنے لگا تھا۔ تولائی خان کی موت شیرم خان کے لیے بھی کوئی خوشی کی بات نہیں تھی لیکن تولائی خان کو وہ بارہا آزما چکا تھا۔ تولائی خان آنکھیں بند کر کے طغرل پر اعتبار کرتا تھا اگر تولائی خان بھی اس کا شریکِ کار بن جاتا تو شیرم کو کسی بات کا خوف نہ ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ تولائی خان بہترین دوست اور بے حد دلیر انسان ہے لیکن یہ گزرے وقت کی کہانیاں تھیں۔ وہ وقت تو اب سر پر آکھڑا ہوا تھا جس کے لیے شیرم خان نے شدید محنت کی تھی اور اپنے دوست تولائی خان کو ہلاک کر دیا تھا۔ پہاڑوں میں طغرل خان کے گروہ میں پھوٹ ڈالنا آسان بات نہیں تھی اس کے لیے وہ اپنے ساتھیوں کا ممنون تھا جنہوں نے بہر حال یہ فضا پیدا کر دی اور پھر عمل کا وقت بھی آگیا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جوزیفائن نے اس کے ارادوں کو آخری حد تک پہنچایا تھا اور جوزیفائن کی شخصیت اُسے اپنی پُشت پر ایک مضبوط دیوار کی مانند محسوس ہوتی تھی۔ وہ پہاڑوں میں واپس آگیا تھا اور پھر اس نے جوزیفائن سے ملاقات کی تھی لیکن اسے سب سے بڑا ذہنی دھچکا اُس وقت لگا تھا جب زرنگاہ اور شہنشاہ اسے دستیاب نہ ہوئے تھے۔ وہ شدتِ حیرت سے گنگ رہ گیا تھا اگر شہنشاہ اور زرنگاہ نے یہ سب کچھ سُن لیا ہے تو اس کے منصوبے کا کیا ہوگا؟ کہیں وقت سے پہلے اس کا یہ منصوبہ طغرل خان کے علم میں نہ آجائے وہ جانتا تھا کہ طغرل خان حالات کو بدلنے کی قدرت رکھتا ہے۔ بہر طور اب اس نے پھانسی کا پھندہ اپنی گردن میں ڈال ہی لیا تھا تو ذرا بھی ہچک سے کام نہیں لے سکتا تھا۔
زرنگاہ اور شہنشاہ کی تلاش میں جانے والے مایوس ہو کر واپس آگئے

www.taemeernews.com

تھے شیرم خان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ زیادہ وقت اُن دونوں کی تلاش پر صرف کرتا کیونکہ اُسے شبہ تھا کہ بہت جلد طغرل خان باہر پہنچ جائے گا۔ اصول کے مطابق تو طغرل خان کو ذرا دیر بعد ہی آنا تھا لیکن شیرم کو یہ اندازہ تھا کہ اُن تینوں کی یعنی شیرم، تولائی اور تیمور کی غیر موجودگی سے جلا کر وہ ہو سکتا ہے وقت سے پہلے ہی اس طرف کا رُخ کرلے چنانچہ اُس نے اپنے طور پر حالات اپنے قابو میں کر لیے تھے اور اس کا یہ اندازہ بالکل درست ہی نکلا تھا۔ طغرل خان آندھی اور طوفان کی مانند آیا تھا اور جن لوگوں کو اُس نے اپنے دونوں پستولوں سے ہلاک کیا تھا ان کی ہلاکت نے یہاں موجود لوگوں میں نفرت کی چنگاریاں اور بڑھادی تھیں اور اب یہ چنگاریاں شعلوں کی صورت اختیار کر گئی تھیں چنانچہ نتیجے میں شیرم خان نے دیکھ ہی لیا تھا کہ طغرل خان کے ساتھ آنے والے چھ افراد کو اُس کی نگاہوں کے سامنے ہلاک کر دیا گیا تھا اور طغرل خان شدتِ غیظ سے پلٹ کر اپنی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا تھا۔ اُس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا لیکن یہ دیکھ کر اُسے کافی حد تک اطمینان ہوا کہ اس کے تمام ساتھی بلکہ اس وقت تو طغرل خان کا پورا گروہ ہی شدتِ غیظ میں ڈوبا ہوا ہے اور طغرل خان کے خلاف ہر عمل کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس بات سے اسے کافی ڈھارس ہوئی تھی۔ اُس کی نگاہیں بلندیوں کی جانب اُٹھی تھیں جہاں طغرل خان کی رہائش گاہ تھی اور پھر اسے یاد آیا کہ اب اس کی رہائش گاہ میں اسلحہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس بات سے شیرم کو مزید سکون نصیب ہوا تھا۔ رلوت خان اس کے قریب ہی کھڑا تھا اس نے راوت خان کو دیکھتے ہوئے کہا: "اور اب وہ اسلحے کی تلاش میں گیا ہے۔"

"ہاں شیرم خان لیکن غار میں اسے ایک کارتوس بھی نہیں ملے گا۔"

"اُس کے بعد وہ کیا کرے گا؟"

"اپنے سر کے بال نوچنے کے علاوہ اور کیا کر سکے گا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے راوت خان۔ کیا ہم اُسے ہلاک کر دیں؟" شیرم خان نے پوچھا اور راوت خان کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر اُس نے کہا۔

"اس سلسلے میں شیرم خان ہی بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔ میں کیا مشورہ دُوں؟"

"اوہ! ہاں ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" شیرم خان کو اچانک احساس ہو گیا کہ اُسے یہ الفاظ راوت خان سے نہیں کہنے چاہیے تھے۔ اس وقت وہ اس بغاوت کی قیادت کر رہا ہے اور اسے پتھر کی چٹان کی مانند مضبوط ہونا چاہیے۔ بہر طور لمحے آہستہ آہستہ گزرتے رہے۔ طغرل خان ابھی تک غار سے برآمد نہیں ہوا تھا لیکن اس بات کا اب شیرم خان کو بھی اطمینان ہوتا جا رہا تھا کہ طغرل خان اگر باہر آ بھی گیا تو وہ ان لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ گروہ کے تمام افراد اُسی ٹیلے کی جانب دیکھ رہے تھے تقریباً ہر ایک فرد یہیں آکر جمع ہو گیا تھا۔ ابھی ان لاشوں کو بھی یہاں سے نہیں ہٹایا گیا تھا جن میں سے کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں اور باقی طغرل خان کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ وہ طغرل خان کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ آئندہ کے لیے کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں۔ چاروں طرف مکمل خاموشی طاری تھی اور سب کی نظریں ایک سمت لگی ہوئی تھیں لیکن وقت کچھ زیادہ ہی گزر گیا۔ طغرل خان سے اس بات کی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی کہ کارتوس وغیرہ نہ ملنے کی صورت میں وہ غار ہی میں بیٹھا رہے گا۔ اُس کی آتش مزاج فطرت سے بھی واقف تھے لیکن طغرل خان غار سے برآمد نہیں ہوا تھا اور پھر بہت دیر کے بعد دفعتہً یوں محسوس ہوا جیسے شیرم خان کے بدن میں چنگاریاں سی دوڑ گئی ہوں۔ ایک لمحے کے لیے اس کے پورے وجود میں زلزلہ آگیا اور اس زلزلے کا محرک ایک خیال تھا جو اچانک ہی اُس کے ذہن میں آیا تھا۔ وہ وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ راوت خان اُس کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے کپکپاتی آواز میں راوت خان سے کہا: "راوت خان، طغرل خان۔ طغرل خان۔"

"کہاں۔ کہاں شیرم خان۔ کہاں ہے وہ؟"

"وہ غار سے واپس نہیں آیا۔"

"ہاں خان۔ واپس آکر کیا کرتا؟ اب وہ نہتا ہے۔" راوت خان نے جواب دیا۔

"نہیں رلوت خان نہیں۔ کچھ کرو۔ کچھ کرو۔"

"کیا بات ہے خان تم اچانک پریشان ہو گئے ہو؟" راوت خان نے کہا۔

"اوہ! کیا تمہیں علم نہیں ہے راوت خان کہ اسی غار سے زرنگاہ اور اُس کا بیٹا اس طرح غائب ہو گئے کہ ہمیں اُن کا نشان بھی نہیں ملا۔" شیرم خان نے آہستہ سے کہا اور راوت خان اُس کے الفاظ کا مفہوم سمجھ گیا۔

دوسرے لمحے راوت خان کی کیفیت بھی شیرم خان سے مختلف نہیں تھی۔ اُس کی آنکھوں سے بھی وحشت جھانکنے لگی اور پھر اُس نے کہا: "تو پھر چلو خان۔ دیر کیوں کر رہے ہو؟ چلو۔ دیکھو۔ دیکھو۔"

شیرم خان نے گہری گہری سانسیں لیں۔ ان لمحا

www.taemeernews.com

عبور کر کے طغرل خان کی رہائش گاہ میں داخل ہونا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ کون جانے طغرل خان کے پاس کچھ موجود ہی ہو۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر راوت خان سے بولا: "تم پانچ آدمیوں کو اکٹھا کرو اور ان بلندیوں کی جانب سفر کرو۔ میں فوراً ہی راستوں کی ناکہ بندی کرتا ہوں۔"

راوت خان نے عجیب سی نگاہوں سے شیرم خان کو دیکھا شیرم خان کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی چنانچہ اس نے اپنی پسند کے پانچ آدمیوں کا انتخاب کیا اور یہ پانچوں راوت خان کی سرکردگی میں طغرل کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑے۔ شیرم دوسروں کو دکھانے کے لیے فوری طور پر احکامات نافذ کر رہا تھا۔ اس نے گروہ کے افراد سے کہا۔

"چاروں طرف پھیل جاؤ۔ مجھے شبہ ہے کہ طغرل خان نے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ ایک ایک چپے پر پھیل جاؤ۔ خبردار کسی بھی راستے کو خالی مت چھوڑنا۔"

اُس کے اس حکم کے ساتھ ہی لوگ منتشر ہو گئے۔ کچھ ایسا سحر پھونکا تھا شیرم خان نے ان لوگوں پر کہ سب کے سب طغرل خان کے خلاف ہو گئے تھے۔ پتا نہیں اس میں طغرل کی بدنصیبی کا عمل تھا یا پھر واقعی کچھ لوگ اُس کی حرکتوں سے نالاں ہو گئے تھے۔ خاص طور سے اس وقت طغرل خان نے جو کچھ کیا تھا اُس نے اُن لوگوں کو بھی اس سے برگشتہ کر دیا تھا جن کے دل میں اس کے لیے تھوڑا بہت احترام موجود تھا۔

سبھی اِدھر اُدھر دوڑ پڑے اور پھر پہاڑوں میں ہر جگہ کی ناکہ بندی کی جانے لگی۔ راوت خان نے جن پانچ آدمیوں کا انتخاب کیا تھا اس نے انہیں آگے رکھا تھا۔ وہ سب بھی بُری طرح لرزاں تھے لیکن اس وقت صورت حال ہی ایسی تھی کہ انہیں موت کے منہ میں جانا پڑ رہا تھا۔ راوت خان اُن کی ہمت بندھا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ غار کے اُس دہانے پر پہنچ گئے جس کے اندر طغرل خان کی رہائش گاہ تھی۔ راوت خان نے غار کے دہانے پر کھڑے ہو کر کہا۔

"خان طغرل خان باہر آؤ۔ تمہیں اپنے جرائم کا حساب دینا ہوگا۔"

چند لمحات خاموش رہ کر اُس نے جواب کا انتظار کیا لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ تب راوت خان نے اُن پانچوں سے کہا: "اندر جاؤ اور خان طغرل خان کو گرفتار کر لو۔ یہ شیرم خان کا حکم ہے۔"

[illegible] پانچوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے پھر شاید وہ آنکھیں [illegible] غار میں داخل ہوئے تھے۔ راوت خان نے اس وقت [illegible] بھی غار میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کی لیکن پانچوں آدمی زندگی کی بازی لگا کر اندر پہنچ گئے تھے۔ غار خاموش اور سنسان تھا۔ وہاں کسی کا وجود نہیں تھا۔ جب اندر سے کوئی چلنے کی آواز نہ سنائی دی اور کسی قسم کی جد و جہد کے آثار بھی نہ ملے تو راوت خان خود بھی غار میں داخل ہو گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا۔ کیا طغرل خان یہاں نہیں ہے؟"

"نہیں راوت خان وہ یہاں نہیں ہے۔"

راوت خان نے غار کا ایک ایک گوشہ چھان مارا لیکن طغرل خان کا پتا نہیں چلا۔ تب وہ چیختا چنگھاڑتا باہر آیا اور تھوڑے فاصلے پر کھڑے شیرم خان کے بدن میں لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ دوسروں کو ہدایات دینے کے بعد اُوپر ہونے والی کارروائی کا منتظر تھا اور اتنا ہی بے چین تھا جتنا خود راوت خان غار میں داخل ہونے سے پہلے۔ راوت خان نے چیخ کر کہا: "خان شیرم خان، طغرل خان فرار ہو گیا۔ وہ یہاں موجود نہیں ہے۔"

شیرم خان سکتے کے سے عالم میں کھڑا رہا تھا۔ یہ صورت حال اس کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔ اس کے بعد وہ ہمت کر کے خود بھی اُوپر چڑھا اور پھر غار کی تلاشی لینے لگا۔ اُس نے ایک ایک جگہ تلاش کی کدالوں سے غار کی دیواریں کھود دی گئیں اور اس کے بعد وہ سرنگ انہیں نظر آ گئی جو خفیہ تھی۔ شیرم خان نے سرنگ کا ایک حصہ توڑ دیا اور اس کے بعد پوری طرح مسلح ہو کر اپنے آدمیوں کے ساتھ سرنگ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا دل لرز گیا۔ اگر طغرل خان نکل گیا تو اس کا مطلب ہے کہ اب اُس ممکنہ خطرے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جو خود شیرم خان کی زندگی کو پیش آ گیا تھا۔ کچھ بھی تھا طغرل خان کی فطرت سے شیرم سے زیادہ اور کون واقف ہو سکتا تھا۔ شیرم کو افسوس ہونے لگا کہ اُس نے طغرل کو اُوپر آنے کا موقع ہی کیوں دیا؟ یہ اس کی بزدلی تھی کہ وہ اُسی وقت طغرل خان پر حملہ نہ کر سکا جب طغرل خان ان کے درمیان موجود تھا لیکن اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا تھا۔

سرنگ میں وہ آگے بڑھتا رہا۔ فاصلہ معمولی نہیں تھا۔ اس کام میں انہیں کافی وقت صرف کرنا پڑا۔ شیرم نے اس وقت بھی اپنے ساتھیوں کو آگے رکھا تھا۔ راوت خان اور وہ ایک ساتھ سفر کر رہے تھے اور آہستہ آہستہ اس سلسلے میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ شیرم خان نے کہا: "یہ سرنگ یقیناً طغرل خان خود تو نہ بنا پایا کبھی نہیں تھا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس سرنگ کی تعمیر

نے کرائی ہوگی۔ اور وہ علیحدہ طور پر بھی بہت کچھ کر رہا ہے؟"

"خان ایک بات سے تشویش ظاہر ہو رہی ہے۔" راوت خان بولا۔

"کیا؟"

"تیمور کی لاش کا نہ ملنا بھی ہمارے لیے باعثِ خوف ہے۔"

شیرم خان نے ایک گہری سانس لی۔ اس سانس میں خوف کا عنصر شامل تھا۔ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ یہاں تک کہ سرنگ کا دہانہ آ گیا۔ اس کے بعد کھلا میدان تھا۔ اس دہانے کو جس طرح تباہ و برباد کیا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ لوگ اسی سرنگ کے راستے نکلے ہیں۔ طغرل خان اکیلا یا اس کے ساتھ ہو سکتا ہے کوئی اور بھی۔ جھاڑیاں ہٹانے کے بعد انہوں نے دُور دُور تک کے میدان دیکھ ڈالے لیکن اب تو قدموں کے نشانات بھی مٹ چکے تھے۔ شیرم خان کو مایوس واپس آنا پڑا لیکن اُس کی حالت خراب تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ طغرل خان کا نکل جانا اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ مسئلہ ختم نہیں ہوا ہے اور کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ لیکن اب... اب؟

شیرم خان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ بالآخر وہ اپنے علاقے میں واپس پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی چپّے چپّے پر پھیلے ہوئے تھے۔ شیرم خان نے انہیں ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ اب یہ سب کچھ بے مقصد ہی تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ یہاں راوت خان بھی اُس کے پاس نہیں تھا۔ بہت دیر تک وہ سر پکڑے بیٹھا رہا۔ اس تمام ہنگامے کا نتیجہ کوئی خاص نہیں نکلا تھا۔ طغرل خان اگر اس کی آنکھوں کے سامنے مر جاتا تو اس کے بعد کم از کم وہ یہ محسوس کرتا کہ جس مسئلے میں اُس نے قدم اُٹھایا ہے اس کی تکمیل ہو گئی لیکن... لیکن طغرل خان نکل گیا تھا۔ غلطی اس کی اپنی ہی تھی۔ اب اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ اور پھر ہر مرض کی دوا جوزیفائن تو ذہن میں آئی۔ اب ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ جوزیفائن کے پاس جاتے ہوئے وہ کسی قسم کا خطرہ محسوس کرتا چنانچہ وہ تیز رفتاری سے اپنی جگہ سے نکل کر جوزیفائن کی قیام گاہ کی جانب چل پڑا۔ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا وہ جوزیفائن کے نزدیک پہنچ گیا جو اطمینان سے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی البتہ راول خان بہت بے چینی سے اپنے قید خانے میں ٹہل رہا تھا۔ صورت حال کے بارے میں اُسے بھی علم تھا کہ کیا ہے اور اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے۔ جوزیفائن نے پُرسکون نگاہوں سے شیرم خان کو دیکھا اور مسکراتی ہوئی

اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "ہاں شیرم خان کہاں تک پہنچے؟"

"خانم سب کچھ ہو گیا خانم... لیکن ایک افسوس ناک خبر ہے۔"

"کیا؟" جوزیفائن نے کسی قسم کی جذباتی کیفیت کا مظاہرہ کیے بغیر کہا۔

"خانم میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں۔ تفصیل سے بتاتا ہوں کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں مجھ سے۔"

"بتاؤ۔ بتاؤ۔ ویسے ایک بات، میں اس سے پہلے نہیں بتا دوں بعض اوقات ایک چھوٹی سی غلطی زندگی بھر کے لیے گردن کا پھندہ بن جاتی ہے۔"

"شاید مجھ سے بھی ایک ایسی ہی غلطی ہوئی ہے خانم لیکن اب صورت حال میرے ہاتھوں سے باہر ہے۔"

"ہوا کیا؟ اب تفصیل بتاؤ۔"

"خانم میں زرنگاہ اور اس کے بیٹے شہنشاہ کی حفاظت نہ کر سکا۔ وہ غار ہی میں موجود تھے اور میں نے یہ سوچا تھا کہ اب وہ نکل کر کہاں جائیں گے لیکن وہ دونوں غار سے غائب ہو گئے ہیں نے اسی وقت دیکھ لیا تھا۔ ان کا پتا نہیں چل سکا۔"

"ہوں! آگے بڑھو۔" جوزیفائن کا چہرہ سُت گیا۔

"اور خانم اُس کے بعد میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان کی تلاش کے لیے زیادہ کوشش کرتا کیونکہ اس طرح مجھے خدشہ تھا کہ وقت سے پہلے طغرل خان کو یہ تفصیلات نہ معلوم ہو جائیں۔"

خانم جوزیفائن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے شیرم کی باتیں سُنتی رہی۔ راول خان کے کان بھی اسی سمت لگے ہوئے تھے۔ تب شیرم نے کہا۔

"طغرل خان میری توقع کے خلاف بہت جلد واپس آ گیا۔ اُسے یہ خیال تھا کہ ہم تینوں کہاں غائب ہو گئے یعنی میں تیمور اور تولائی خان۔ وہ غصّے میں بھرا ہوا آیا تھا اور اُس کے ساتھ صرف چھ افراد تھے۔ وہ ہمارے درمیان پہنچا اور اس نے برہمی کا اظہار کیا تو میں نے اُس سے اسی بات میں بات کی جس پر بڑا فروختہ ہو کر طغرل خان نے ہمارے ساتھیوں پر اپنے دونوں پستول خالی کر دیے اور کئی افراد اسی جگہ مارے گئے۔ جواب میں ان لوگوں نے طغرل کے چھ ساتھی مار دیے۔ طغرل غصّے [illegible] ہو کر امونیشن حاصل کرنے کے لیے [illegible] غار تک پہنچا اور پھر وہ واپس نہ آیا۔"

"ہوں! آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔" جوزیفائن [illegible] میں

www.taemeernews.com

اب غراہٹ سی پیدا ہوگئی تھی۔

"جب وہ کافی دیر تک واپس نہ پہنچا تو ہمیں حیرت ہوئی اور ہم سب اس کے غار میں داخل ہو گئے خانم لیکن طغرل خان وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ اس پورے علاقے میں موجود نہیں ہے۔ غار کے اندر ایک خفیہ سرنگ برآمد ہوئی اور اس سرنگ کا فاصلہ طے کر کے ہم کافی دور نکل گئے ہیں بخوبی یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ طغرل خان اس سرنگ کے ذریعے فرار ہو گیا ہے۔"

خانم جوزیفائن سنے دانت بھینچ کر شیرم خان کو دیکھا اور پھر غراتے ہوئے لہجے میں بولی "تمہارے پاس پستول موجود ہے اسے نکالو اپنی کنپٹی پہ رکھو اور گولی چلا دو کہ تم جیسے ناکارہ انسان کا اس کے علاوہ اور کوئی انجام نہیں ہونا چاہیئے۔"

شیرم چونک پڑا۔ اس نے جوزیفائن کی طرف دیکھا اور کسی قدر درشت لہجے میں بولا "جوزیفائن تم میری حکمران نہیں ہو اپنا لہجہ سنبھالو۔ میں یہ لہجہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

جوزیفائن جلتی نگاہوں سے شیرم کو دیکھتی رہی اور پھر آہستہ سے بولی "معافی چاہتی ہوں لیکن شیرم خان یہ ٹھیک نہ ہوا۔ طغرل خان ایک بار پہلے بھی نکل گیا تھا اس وقت شیرم خان مجھے معاف کرنا... اس وقت جب میں نے تم لوگوں کو پانی کی سرنگ میں فنا کرنے کی کوشش کی تھی اور طغرل خان کے اس طرح نکل جانے کا خمیازہ آج اس شکل میں میں بھگت رہی ہوں۔ میرا یہ قید خانہ دیکھ رہے ہو تم۔ میری حالت زار دیکھ رہے ہو۔ یہ صرف ایک چھوٹی سی غلطی کا نتیجہ تھا۔ مجھے یہ غلطی نہیں کرنی چاہیئے تھی شیرم خان اور آج۔ آج تم نے وہی غلطی دہرائی ہے۔"

"میں اس بات کی توقع نہیں رکھتا تھا کہ وہ نکل جائے گا۔" شیرم خان نے کہا۔

"اور اب اس بات کی امید بھی نہیں رکھتے کہ تم اسے تلاش کر لو اور جس جگہ بھی وہ نظر آئے۔ اسے ہلاک کر دو۔"

"میرے ساتھی اس کی تلاش میں نکل سکتے ہیں۔ میں تم سے مشورہ لینے آیا تھا۔ لیکن... لیکن..."

"نہیں شیرم خان میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میرے دل میں تمہارے لیے جو گنجائش اور جو جگہ پیدا ہو گئی ہے وہ مجھے ایک بزرگ کی حیثیت دیتی ہے اور اسی بزرگ کی حیثیت سے میں نے تم سے قدرے درشتگی سے یہ الفاظ ادا کر دیئے تھے اگر تم مجھے وہ حیثیت نہیں دینا چاہتے تو میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔"

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے خانم جوزیفائن۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

"کیا طغرل خان کی تلاش کی ہر امید ختم ہو چکی ہے؟"

"وہ اتنی آسانی سے قابو میں نہیں آسکتا۔ جس چالاکی سے وہ باہر نکل گیا ہے خانم۔ اسی چالاکی سے وہ اپنے آپ کو روپوش بھی کر سکتا ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں چنانچہ میرے خیال میں اب اس کی تلاش بے کار ہو گی۔"

خانم جوزیفائن خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی پھر اس نے کہا "کیا تمہارے خیال میں طغرل خان کا کوئی ساتھی بھی ہو سکتا ہے؟"

"یہ بات میں نے بھی سوچی ہے اور صرف ایک شبہ ہے میرے ذہن میں، صرف ایک شبہ۔"

"کیا؟"

"میرے ساتھی راحت خان نے جب درۂ بلساریہ میں ان لوگوں کو ہلاک کیا تھا تو اسے تیمور کی لاش نہیں مل سکی تھی بڑے سر والا لنگڑا تیمور شیطان صفت ہے۔ اس کی بڑی کھوپڑی ہمیشہ ایسے کارنامے دکھاتی ہے جو ناقابل یقین ہوتے ہیں اور اس کی لاش کا نہ ملنا اس بات کا مظہر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہلاک ہی نہیں ہوا۔ زرنگاہ کا گم ہو جانا اور اس کے بعد طغرل خان کا اس مونگال میں غائب ہو جانا مجھے اس بات کا شبہ دلاتا ہے کہ تیمور زندہ ہے۔ طغرل دیوانہ ہے۔ وہ جوش جذبات میں سب کچھ بھول جاتا ہے لیکن زیرک تیمور ہمیشہ اس کی راہنمائی کرتا تھا۔ اس وقت بھی طغرل کا یہاں سے چلا جانا میرے لیے بہت تعجب خیز ہے۔ وہ جان دینے والوں میں سے ہے، بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں سے فرار ہو گیا اس سرنگ کے ذریعے تو اس بات کا شبہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کے لیے اسے مجبور کرنے والا تیمور ہے۔"

جوزیفائن نے ایک بار پھر دانت پیسے تھے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ "ہوں! گویا اب اس بات کی توقع رکھنا فضول ہے کہ طغرل خان، اس کی بیوی زرنگاہ اس کا بیٹا شہنشاہ ہمارے ہاتھ لگ سکتے ہیں؟"

"میرا یہی خیال ہے خانم۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کب تک یہاں قید رہوں گی؟"

"اوہ! خانم ابھی چند لمحات کے بعد میں تمہارے لیے بہتر رہائش گاہ کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔"

"تو پہلے یہ بندوبست کرو۔ میری رہائش گاہ کسی مناسب جگہ ہونی چاہیئے۔ راول خان کو بھی نکالو۔"

www.taemeernews.com

"ہاں میں ابھی اس کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔"

اُسی وقت راول خان نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اور خوش بخت خان کہاں ہے شیرم؟ شیرم خان میرا بیٹا خوش بخت خان کہاں ہے؟"

"خوش بخت خان اپنی جگہ موجود ہوگا۔ کیا میں اسے دیکھوں خانم؟"

"ہاں۔ ہاں ضرور۔ اُس کے تحفظ کا بھی معقول بندوبست ممکنہ کہیں ایسا تو نہیں کہ طغرل اُسے بھی اپنے ساتھ لے گیا ہو؟"

"اس بات کے امکانات بالکل نہیں ہیں۔ تاہم میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم لوگوں کو اطلاع دیے دیتا ہوں۔" شیرم خان نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

جوزیفائن مسکراتی نگاہوں سے راول خان کو دیکھ رہی تھی، پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ "راول خان کیا خیال ہے ان تمام واقعات کے بارے میں؟"

"جوزیفائن، طغرل کا نکل جانا تمہارے کہنے کے مطابق خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ایک اور خیال میرے ذہن میں ہے۔"

"کیا؟" راول خان نے صبر و تحمل سے پوچھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اقتدار جوزیفائن کے ہاتھ میں ہے بے شک شیرم خان ایک اکھڑ مزاج اور خطرناک نوجوان ہے لیکن جوزیفائن اُسے ہینڈل کرنا جانتی ہے چنانچہ ابھی جوزیفائن سے بھرپور تعاون ہی ضروری تھا۔

جوزیفائن پُرخیال نگاہوں سے راول خان کو دیکھتی رہی پھر بولی۔ "اس وقت طغرل خان کے ساتھ کوئی باقاعدہ گروہ نہیں تھا۔ چار ساتھی تھے اُس کے جو ہر طرح اس کے معاون تھے اور پانچ کا یہ فگر ہی بہت کافی تھا لیکن اس وقت طغرل خان دوسری پوزیشن میں ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی ہے اور ایک بچہ ہے اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے راول خان تو طغرل خان ذہنی طور پر باپ بن چکا ہے۔ شوہر بن چکا ہے۔ اگر وہ ذہنی طور پر باپ یا شوہر نہ ہوتا تو شیرم کو کبھی کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ طغرل خان کی ناکامی اسی کمزوری کا اظہار کرتی ہے۔ اس کے لیے کسی دوسرے گروہ کا اکٹھا کرنا اب آسانی سے ممکن نہیں ہوگا۔ فرض کرو اگر اس نے چند افراد اپنے ساتھ شامل کر بھی لیے تو وہ اس پائے کے نہ ہوں گے جس پائے کے اس کے ساتھی تھے اور اگر اُسے کچھ پچھلے لوگ مل بھی جائیں تو اب وہ اپنی بیوی اور بچے کے لیے خوفزدہ رہے گا کیونکہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ پورا گروہ اُس کا مخالف ہو چکا ہے چنانچہ اب وہ اتنا خطرناک نہیں رہا لیکن اس کے باوجود ہم اُس سے غافل نہ رہیں گے سوال یہ پیدا ہوتا ہے راول خان کہ اب جب ہم نے اس صورت میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم آزاد نکل گئے تو ہمارا آئندہ اقدام کیا ہوگا؟"

"جوزیفائن تم اس سلسلے میں پہلے ہی فیصلے کر چکی ہو۔"

"ہاں میں تو فیصلے کر چکی ہوں لیکن راول خان کی زبان سے لفظ جوزی ابھی تک نہیں نکلا۔" جوزیفائن نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ راول خان کے ذہن میں ابھی کدورت ہے۔"

راول خان چند لمحات خاموش رہا پھر سنبھل کر بولا۔ "دیکھو جوزیفائن حالات نے ہمیں ایک دوسرے سے ذہنی طور پر تھوڑا بہت تو دور کر دیا ہے۔ تم اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتیں۔ میں پُرخلوص دل سے تم تک آنے کی کوشش بھی کروں تو مجھے ایک بات کا سچے دل سے جواب دو کیا تم اُسی خلوص سے میرا استقبال کر سکو گی؟"

جوزیفائن عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔ "ہاں راول خان میں اُسی خلوص سے تمہارا استقبال کر سکتی ہوں۔ بشرطیکہ مجھے یہ یقین ہو جائے کہ تمہارے دل میں وہی خلوص پھر سے بیدار ہو چکا ہے۔"

"اور یہ یقین دلانے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"ابھی اتنی جلدی نہیں ہے۔ میں نہیں بتاؤں گی البتہ ایک بات کی درخواست کر سکتی ہوں تم سے۔"

"کیا؟"

"یہ کہ مجھ سے تعاون کرنا کسی قسم کی چالاکی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ نہ میں ابھی اس پوزیشن میں ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی فریب کر سکوں اور نہ ہی راول خان تم۔ اگر ہم دونوں نے ایک دوسرے کو فریب دینے کی کوشش کی تو یوں سمجھو ہمارا پورا منصوبہ چوپٹ ہو جائے گا۔"

"کم از کم ایک بات، میں تم سے ضرور کہہ سکتا ہوں جوزیفائن میں ابھی تمہارے دل تک پہنچنے میں کتنا ہی وقت صرف کروں لیکن تم سے مخلص ضرور ہو چکا ہوں..."

"اور اس کا ثبوت تم اسی صورت میں دو گے راول خان کہ میرے ساتھ بھرپور تعاون کرنا۔"

"اس کا اندازہ تمہیں ہو جائے گا جوزیفائن۔ لیکن ایک بات کا جواب تم سے مانگ سکتا ہوں؟"

www.taemeernews.com

"ہاں۔ ہاں بے تکلفی سے کہو؟"

"خوش بخت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

جوزیفائن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اُس نے کہا۔ "خوش بخت ہمارا مستقبل ہے رلول خان اُس کے لیے تو میں نے طویل ترین انتظار کیا ہے۔ اُسی کے لیے تو میں نے فرخانہ کو اپنے سینے پر سانپ کی مانند پرورش کیا ہے۔ وہ بدبخت عورت اس وقت ہمیں خوش بخت خان نہیں دے سکی۔ دیر لگادی اُس نے۔ تاہم اُس نے ہمارا فرض پورا کر دیا ہے جس کا صلہ اسے بھی دیا جائے گا۔ جہاں تک رلول خان اور جہاں تک خوش بخت کا تعلق ہے تو میں تو پہلے بھی اپنے ذہن میں یہی منصوبہ رکھتی تھی کہ شیر کوہ کو اس کا اصل سردار دلوں اور ان پہاڑوں پر اس کی حکمرانی قائم کروں اور اب وہ اُسی طرح میری نگاہوں کا مرکز ہے تم اُس کے لیے بالکل بے فکر رہو۔ میں اُسے اپنی آغوش میں پروان چڑھاؤں گی۔"

رلول خان نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ اس طرح وہ اپنی اس کیفیت کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے اندر اچانک بیدار ہوئی تھی۔ جوزیفائن کے ان الفاظ پر اس کے چہرے پر شدید نفرت اُبھر آئی تھی لیکن ابھی وہ یہ نفرت جوزیفائن کو دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے آپ پر جبر کرکے اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "گویا تم ایک اور طغرل خان کو جنم دو گی؟"

"ہاں راول خان ہاں، لیکن یہ طغرل خان پہاڑوں کا وحشی نہیں ہوگا بلکہ ایک قبیلے کا حکمران ہوگا اور تم دیکھو گے کہ کس طرح وہ ان قبائل پر حکمرانی کرتا ہے۔ میں درحقیقت اُسے پہاڑوں کا شہنشاہ بنا دوں گی، لیکن راول خان چند باتیں ہوں تو ہو سکتا ہے ہمیں اس کے لیے زیادہ موقع نہ مل سکے۔ ابھی شیرم خان کو اپنی مٹھی میں رکھنا ہے۔ میں نے ہلکا سا پیچ دے کر اسے آزمانے کی کوشش کی تھی وہ بے شک میرے اشاروں پر چل رہا ہے لیکن آخر وہ طغرل خان کا ساتھی ہے۔ ایک ایسا شخص جس نے ہزاروں انسانوں کا خون بہایا ہے چنانچہ اس سرکش گھوڑے کو رام کرنے کے لیے تھوڑا سا نرم لہجہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں میں جانتا ہوں۔"

"اس کے علاوہ ہم اپنی منصوبہ بندیاں جس انداز میں بھی آگے بڑھائیں گے شیرم خان کو اس میں پیش پیش رکھیں گے تاکہ وہ یہ محسوس کرے کہ اسے بھی کچھ ملا۔ اگر ہم نے اس کا اقتدار ختم کرنے کی کوشش کی تو یہ بھی ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

"بے شک تمہارا یہ اندازہ درست ہے خانم جوزیفائن۔" راول خان نے کہا اور جوزیفائن کچھ لوگوں کو دیکھ کر خاموش ہوگئی، جو اسی سمت آرہے تھے۔

آنے والوں نے دونوں قید خانوں کے تالے کھولے اور پھر پُراحترام انداز میں کہنے لگے: "خانم جوزیفائن تشریف لے چلیے اور رلول خان آپ بھی۔ آپ کی رہائش گاہیں درست کر دی گئی ہیں۔"

دونوں کو ایک ہی رہائش گاہ میں منتقل کیا گیا تھا اور یہ ایک خوبصورت غار تھا جس میں آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ غار میں پہنچنے کے بعد جوزیفائن نے کہا: "راول خان میرے لیے نہانے کا بندوبست کرو اور ایک اچھے لباس کا بھی۔"

راول خان خاموشی سے باہر نکل گیا۔ خانم جوزیفائن نے غسل کیا۔ لباس پہنا اور پھر ایک بستر پر دراز ہوگئی۔ اُس نے رلول خان سے کہا کہ وہ بھی غسل کرکے لباس تبدیل کرلے کیونکہ طویل عرصے سے اُن کے جسم گرد آلود اور حلیے بگڑے ہوئے تھے۔ رلول خان خود بھی اپنے آپ کو سنوارنے کے لیے چلا گیا تھا۔ غسل کرتے ہوئے بہت سے منصوبے اُس کے ذہن میں پرورش پا رہے تھے۔ بہرطور اس وقت وہ ایک ایسی عیار عورت کے ساتھ تھا جس کی ذہانت بھی بے مثال تھی اور طاقت بھی چنانچہ اسے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ خوش بخت خان کے لیے اس کا دل تڑپ رہا تھا لیکن ابھی تک اُس نے خوش بخت خان کا مطالبہ نہیں کیا تھا البتہ جب وہ خانم جوزیفائن کے سامنے پہنچا تو جوزیفائن اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی: "کیا تمہیں یہ بات یاد ہے راول خان کہ آج بھی میں تمہاری بیوی ہوں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ تم نے ذہنی طور پر مجھ سے علیحدگی اختیار کرلی تھی لیکن... لیکن شاید ہم دونوں ہی اپنے اُن رشتوں کو نہیں بھلا سکے جوزیفائن۔"

"ہاں خان میں آج بھی تمہیں چاہتی ہوں اور ایک بات شاید تم پوری سچائی کے ساتھ محسوس نہ کرسکو میرے اندر جو بھی خرابیاں رہیں جو بھی بُرائیاں رہیں لیکن ایک عورت کی حیثیت سے میں نے تمہیں دل و جان سے چاہا۔"

"ہاں جوزیفائن میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔"

"تم نے مجھے ایک نیچ خاندان کی عورت کہا۔ تم نے مجھے وہ وہ گالیاں دیں راول خان جو تم دے سکتے تھے۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا میں واقعی ایک نیچ خاندان کی عورت ہوں؟"

راول خان چند لمحات خاموش رہا پھر بولا: "تمہارے بارے میں

www.taemeernews.com

مجھے جو کچھ بتایا گیا تھا وہی الفاظ دہرائے تھے میں نے خانم لیکن وہ غصّے کی شدت تھی اور اگر وہ الفاظ تمہارے ذہن پر نقش ہو گئے ہیں تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"سنو راول خان، خاندان کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ انسان اپنے خاندان خود نہیں بناتا۔ کچھ لوگ دولت مند ہوتے ہیں۔ کچھ دولت سے محروم، لیکن اس طرح ذاتوں میں تفریق نہیں ہوتی اگر میں دولت سے محروم کسی خاندان کی فرد بھی تھی تب بھی انسان تو تھی۔ میرے دل میں تمہارے لیے محبت پیدا ہوئی تھی اور میں تمہاری بیوی بن کر زندگی گزار رہی ہوں۔ ان حالات میں کیا یہ طعنہ میرے لیے مناسب تھا؟"

"نہیں غیر مناسب تھا۔"

"تمہیں اس کا احساس ہے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، میرا دل بھی تمہاری طرف سے بہت حد تک صاف ہو گیا لیکن اپنے اس احساس کو قائم رکھنا راول خان ابھی تمہیں بہت سے امتحانات سے گزرنا ہے۔"

دل ہی دل میں راول خان نے سوچا۔ ہاں ابھی مجھے بہت سے امتحانات سے گزرنا ہے۔ خوش بخت سے ملاقات کے لیے اس کا دل بے چین تھا بہر طور یہاں وہ آزاد تھے اور بظاہر اُن پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ لگتا بھی نہیں تھا کہ شیرم اُن کے لیے خاص طور سے کوئی پابندی عائد کرے گا۔ پہاڑوں میں کیا ہو رہا تھا؟ اس بارے میں راول خان کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ تب اُس نے جوزیفائن ہی سے کہا "جوزیفائن آؤ خوش بخت کو تلاش کریں۔ ہمیں اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔"

"آؤ خان۔ کیا حرج ہے؟" جوزیفائن نے نرم لہجے میں کہا اور دونوں باہر نکل آئے۔

پہاڑوں میں لوگ گردش کر رہے تھے۔ ہر چند کہ طغرل خان کے مل جانے کے امکانات نہیں تھے اور کم از کم یہ اندازہ شیرم خان کو ہو چکا تھا کہ طغرل یہاں سے فرار ہو گیا ہے اس کے باوجود شیرم خان نے اپنے طور پر طغرل کی تلاش کی کوششیں جاری رکھی تھیں۔ ان لاشوں کی تدفین کر دی گئی تھی جو کچھ طغرل خان کے ہاتھوں اور کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے تھے ابھی یہ فیصلہ بھی کرنا تھا کہ شیرباد میں مقیم افراد کے بارے میں کیا کیا جائے؟ بہر طور شیرم خان پر زبردست ذمّے داریاں آپڑی تھیں۔ اُس نے بڑی ذمّے داری کے ساتھ یہاں کا نظام سنبھال لیا تھا۔ کوئی بھی شرارت کر سکتا تھا۔ بدرشاہ اور ایسے دوسرے لوگوں پر اُس نے خاص طور سے نظر رکھی تھی جو یہاں کوئی حیثیت رکھتے تھے، لیکن بظاہر یوں لگتا تھا کہ ابھی وہ سب شیرم سے تعاون کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ خود شیرم کے ذہن میں آئندہ کے لیے کوئی پروگرام نہیں تھا لیکن ابھی طغرل خان ہی کا مسئلہ تھا اگر طغرل خان ہلاک ہو چکا ہوتا تو اس وقت صورت حال دوسری ہوتی شیرم کو اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس تھا۔

باہر نکل کر راول خان نے ایک نوجوان سے خوش بخت خان کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "خوش بخت خان اپنی رہائش گاہ پر موجود ہے۔"

"تم مجھے وہاں پہنچا دو۔"

"آیئے۔"

راول خان اور جوزیفائن اُس شخص کے ساتھ چل پڑے۔ ایک پُر فضا مقام پر خوش بخت انہیں نظر آگیا۔ وہ ایک درخت کی جڑ میں بیٹھا ہوا ایک چھوٹے چمک دار خنجر سے کھیل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جسے وہ چھیل کر نوک دار بنا رہا تھا۔ راول خان کے پورے بدن میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ بہت عرصے کے بعد وہ خوش بخت خان سے اس حیثیت سے مل رہا تھا۔ اس وقت وہ جوزیفائن کو بھی نظر انداز کر گیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر خوش بخت خان کو آواز دی اور خوش بخت خان گردن اُٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ راول خان کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔

"خوش بخت خان۔ خوش بخت خان میرے بچے سینے سے لگ جا۔ میرے بچے سینے سے لگ خوش بخت خان۔" اُس نے خوش بخت خان کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔۔ لیکن خوش بخت کے بدن میں ایک اکڑاؤ سا تھا جسے راول خان نے اچھی طرح سے محسوس کر لیا پتا نہیں اس بچے کے ذہن کو کس طرح تبدیل کر دیا گیا تھا بہر طور خوش بخت اس سے علیحدہ نہیں ہوا تھا۔ راول خان نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر خوش بخت کا چہرہ اُوپر اُٹھایا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا "خوش بخت خان تو جانتا ہے میں کون ہوں؟"

"میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا بابا خان کہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے باپ ہو۔"

"اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میرے دل میں تیرے لیے کتنا پیار ہے؟"

"شاید لیکن میں ان تمام چیزوں سے مکمل طور سے واقف

نہیں ہوں۔"

"کیا تجھے اپنی ماں یاد نہیں خوش بخت خان؟"

"ماں۔ ہاں یاد ہے۔"

"اور اپنی بہنیں؟"

"شب چراغ۔ وہ سب مجھے یاد ہیں بابا خان۔ آپ مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہیں بابا خان؟"

"جب تجھے یہاں لایا گیا تھا خوش بخت تو تیرے ساتھ ان لوگوں نے کیا سلوک کیا تھا؟"

"طغرل خان نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ مجھے ہر طرح کی آسائشیں فراہم کی گئیں۔ کھیلنے کے لیے بہت سی چیزیں دی گئیں، پستول، بندوق، رائفل، خنجر، کلہاڑا۔ سب چیزیں میرے پاس موجود ہیں بابا خان اگر آپ کہیں تو میں آپ کو لے کے یہ تمام ہتھیار دکھاؤں؟ دیکھیے یہ خنجر کتنا مضبوط اور چمکدار ہے۔" خوش بخت نے کہا اور راول خان جوزیفائن کی طرف دیکھنے لگا جو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ایک درخت سے ٹکی مسکرا رہی تھی۔

راول خان بیٹے کی اس بدلی ہوئی کیفیت سے بہت دل برداشتہ ہوا تھا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "تمہیں ہم لوگوں میں سے کوئی اچھا نہیں لگتا خوش بخت خان؟"

"کیوں نہیں بابا خان آپ میرے باپ ہیں۔ آپ اچھے کیوں نہ لگیں گے۔"

"تمہیں سب سے اچھی چیز کیا لگتی ہے؟" راول خان نے سوال کیا اور خوش بخت خان عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔

تھوڑے فاصلے پر ایک خرگوش ایک درخت کی آڑ سے نکلا اور قلانچیں بھرتا ہوا ایک سمت دوڑنے لگا۔ دفعتاً ہی خوش بخت خان کے ہاتھ میں دبا ہوا خنجر بجلی کی سی چمک کے ساتھ اس کے ہاتھ سے نکلا اور دوسرے لمحے خرگوش کے بدن میں پیوست ہو گیا معصوم جانور کئی فٹ اُونچا اُچھلا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ خوش بخت خان تیزی سے آگے بڑھا اور اُس نے خرگوش کو کان سے پکڑ کر اُٹھا لیا پھر اسے اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر خنجر اس کے بدن سے کھینچا اور دوسرے لمحے اُسے خرگوش کی گردن پر پھیر دیا خرگوش کی کٹی ہوئی گردن سے سرخ سرخ خون بہ نکلا اور اُس کے دودھ جیسے سفید جسم کو داغدار کرنے لگا۔ خوش بخت خان نے اُبلتا ہوا خون اپنی ہتھیلی پر لیا اور اسے لیے ہوئے راول خان کے سامنے آ گیا۔

"مجھے یہ خون سب سے اچھا لگتا ہے بابا خان بہتا ہوا گرم۔ گرم خون۔" خوش بخت خان نے ہتھیلی چہرے کے قریب کی اور زبان سے خون چاٹ لیا۔ راول خان نے مضبوطی سے اُس کی کلائی پکڑ لی۔

"یہ۔ یہ خون ہے خوش بخت خان۔"

"ہاں بابا خان۔ سرخ سرخ گرم خون" خوش بخت خان زبان کو پھر ہتھیلی کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ پینے کی چیز نہیں۔"

"یہ پینے کی چیز ہے بابا خان۔ کون کہتا ہے کہ یہ پینے کی چیز نہیں۔ اس سے لذیذ شے روئے زمین پر دوسری نہیں ہو سکتی۔"

اسی وقت جوزیفائن آگے بڑھی اور اُس نے راول خان کی کلائی پر ہاتھ ڈال کر اس سے خوش بخت خان کا ہاتھ چھڑا لیا۔

"اس بچے کو اس کی خواہش سے نہ روکو راول خان۔ کاش۔ کاش یہ پہلے مجھے مل جاتا۔ کاش یہ اُس وقت مجھے مل جاتا جب طغرل خان کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ کتنا انتظار کرنا پڑا ہے مجھے اس کا۔ آہ! راول خان تمہارا بیٹا۔ تمہارا بیٹا میری توقع کے بالکل مطابق ہے۔ یہ پہلے مجھے کیوں نہ مل گیا؟" اُس نے راول خان کو پیچھے ہٹا دیا۔

راول خان پھٹی پھٹی نگاہوں سے خوش بخت کو دیکھ رہا تھا جس نے اپنی ہتھیلی چاٹ کر صاف کر دی تھی اور پھر وہ مسکراتی نگاہوں سے جوزیفائن کو دیکھنے لگا "تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا بہتا ہوا خون لذیذ نہیں ہوتا؟"

"تیرا کہنا بالکل درست ہے خوش بخت خان، اس سے عمدہ چیز روئے زمین پر دوسری نہیں ہوتی۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔"

"کہاں؟"

"غاروں میں چلو اب تم تنہا نہیں رہو گے۔"

"میں یہاں تنہا تو نہیں ہوں۔"

"کون رہتا ہے تمہارے ساتھ؟"

"کوئی نہیں۔ یہ درخت، میرا گھر، یہ جانور، یہ سب میرے ساتھ رہتے ہیں۔ میں یہاں بہت خوش ہوں۔"

"میرے ساتھ بھی نہیں چلو گے؟" راول خان نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں بابا خان۔ یہاں سب ٹھیک ہے۔ کوئی پریشانی نہیں ہے مجھے۔ میں تمہارے ساتھ کسی دوسرے غار میں جا کر کیا کروں؟"

راول خان خاموش ہو گیا۔ اُس کے حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں نکل رہی تھیں "میرے معبود۔ میرے معبود سزا کب ختم

www.taemeernews.com

ہوگی میری۔ کب ختم ہوگی میری سزا؟ آخر کب؟

اور شاید طغرل خان کی سزا کا آغاز بھی ہوگیا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک اُس نے جو زندگی گزاری تھی، اُس میں صرف برتری تھی۔ کامیابی تھی۔ ہر دشمن پر اُسے فتح حاصل ہوئی تھی۔ کبھی کوئی ایسا مرحلہ نہیں آیا تھا جب اُس نے ناکامیوں کا مُنہ دیکھا ہو لیکن یہ صورت حال؟ یہ صورت حال اُن دنوں سے بالکل مختلف تھی۔ چار گھوڑے سپاٹ اور سنگلاخ میدانوں میں دن کے وقت دوڑتے تھے اور رات کو کوئی بہتر پناہ گاہ تلاش کر کے انہیں روک دیا جاتا تھا۔ شہنشاہ کی کیفیت کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ زرنگاہ بھی پریشان تھی اور مضمحل نظر آتی تھی اور طغرل خان سفر کی صعوبتوں سے تو شاید اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا لیکن اُس کی ذہنی کیفیت بالکل عجیب ہو گئی تھی۔ باقی رہا تیمور، تو حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سب سے حیرت انگیز کردار اُسی کا تھا۔ اپنی تمام تر پریشانیوں اور صعوبتوں کو بھول کر وہ صرف طغرل خان کی دلجوئی میں مصروف رہتا تھا۔ شہنشاہ کی خدمت کرتا تھا۔ زرنگاہ کے ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ ایسے جیسے وہ ان کا زرخرید ہو اور یہ اس کا سب سے اعلیٰ منصب ہو۔ وفاداری کی یہ مثال ناممکن تھی اور وہ بھی ایک بے مقصد جذبے کے تحت۔ طغرل سے اس کا کوئی ایسا ذہنی رابطہ نہیں تھا جس کی بنا پر یہ سوچا جائے کہ وہ اپنے فرض کو کسی ذہنی مجبوری کی بنا پر ادا کر رہا ہو لیکن وہ بڑی خوش اسلوبی سے اس سفر میں ان کا سب سے بڑا ساتھی تھا۔ بعض اوقات تو طغرل خان بھی اُسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگتا تھا۔ سفر کی منازل طے ہوتی جا رہی تھیں۔ وادئ شیرہانہ میں انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے اپنے کام انجام دیے تھے۔ زرنگاہ بے شک طغرل خان کی زوجیت میں آنے کے بعد عورت بن گئی تھی لیکن اس کے اندر اب بھی خرّم شاہ موجود تھا اور خوراک کے حصول کے لیے خرّم شاہ کی ذہانت نے بہترین کرشمے دکھائے تھے۔ ہر وہ چیز حاصل کر لی گئی تھی جس کی اس طویل سفر میں ضرورت پیش آسکتی تھی کھانے پینے کی اشیا، پانی کے لیے برتن، ضروریاتِ زندگی کا دوسرا سامان اس طرح پیک کر لیا گیا تھا کہ اُس کا حجم بھی زیادہ نہ ہو اور وہ ان کے لیے بے حد کارآمد ہو۔ طغرل خان اور تیمور نے اسلحہ اور گھوڑے حاصل کر لیے تھے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو پائی تھی اور وہاں سے واپسی کے لیے وہ وقت متعین کیا گیا تھا جب ہر شخص نیند کی شدت کا شکار ہوتا ہے اس کے بعد سے اب تک ان کا یہ سفر جاری تھا۔ راستوں کا کوئی تعین نہیں کیا گیا تھا۔ ویسے بھی پہاڑوں میں مخصوص گنے چنے راستوں کے علاوہ اور راستے استعمال کرنا ممکن نہیں ہوتا چنانچہ جس طرف مُنہ اُٹھا چلے جا رہے تھے اور سفر کی یہ چوتھی رات تھی۔ راتوں کو جب قیام کے لیے ڈیرے جما لیے جاتے اور شہنشاہ گہری نیند سو جاتا تو تینوں ایک دوسرے کو دیکھتے کہ کون بے چین ہے اور تینوں ہی ایک دوسرے کو بے چین پاتے۔ طغرل خان اکثر راتوں کو اُٹھ کر دُور دُور تک ٹہلنے نکل جاتا۔ رائفل اس کے ہاتھ میں ہوتی۔ پتا نہیں اُسے اپنے دشمنوں کی طرف سے خدشہ تھا یا یہ صرف اس کی ذہنی بے چینی تھی جو اسے پریشان رکھتی تھی۔ اس رات بھی یہی ہوا تھا۔ زرنگاہ کی شاید آنکھ لگ گئی تھی۔ تیمور بھی نیم خوابیدہ کیفیت میں تھا کہ اُس نے آہٹیں سُنیں۔ زرنگاہ تو نہ جاگی لیکن تیمور نے فوراً ہی آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ مدھم چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور اس چاندنی میں طغرل خان کسی ویرانے میں مٹلاتی ہوئی بے چین روح کی مانند گردش کر رہا تھا۔ تیمور اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کے اُٹھنے سے تیمور کی نگاہ بھی اس کی جانب اُٹھ گئی۔ تیمور آہستہ آہستہ اُٹھ کر اس کی طرف چل پڑا۔ طغرل خان ایک پتھر پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا چند لمحات کے بعد تیمور اس کے پاس پہنچ گیا۔

"اوئے لنگڑے سویا نہیں تو؟" طغرل خان کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"ہاں میں سویا نہیں طغرل خان۔ اس وقت، میں عجیب سے احساسات کا شکار ہوں۔"

کیا بڑے سر والے؟" طغرل خان کا لہجہ کسی قدر نرم ہوگیا۔

خان، میں نے اپنے دل، اپنی نگاہوں میں، اپنے ذہن میں تیرا ایک بُت تراشا ہے۔ تُو مجھے اپنے ذہن میں، اپنے دل میں ایک ایسا سنگی ستون نظر آتا ہے جس میں تیز ہوائیں، اور طوفان ذرا بھی جنبش پیدا نہیں کر سکتے اور میں نے تیرے اس بُت کی پُوجا کی ہے۔ میں نے خان تجھے اسی شکل میں دیکھ کر نجانے اپنے ذہن کے کون سے حصّے کو تسکین پاتے ہوئے محسوس کیا ہے۔ میں اگر تجھے ایک بے چین انسان کی حیثیت سے دیکھوں تو مجھے ایک عجیب سا افسوس ہوتا ہے اور ان دنوں میں تجھے پریشان دیکھ کر ایک شدید ذہنی کرب کا شکار ہوں۔"

"اوئے بڑے سر والے یہ پریشانی نہیں ہے۔ تو اسے سوچ کہہ سکتا ہے۔ میں ان دنوں سوچتا رہتا ہوں اور یہی سوچ میرے دماغ میں گھس کر میری نیند اڑا دیتی ہے۔"

"میں اس سوچ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں طغرل خان جسے تُو نے صرف اپنے ذہن میں قید کر رکھا ہے۔ کیا بڑے سر والے پر

www.taemeernews.com

تیرا اعتماد ختم ہو گیا؟"

"نہیں تیمور اب میں تجھ سے یہ کہتے ہوئے بُرا نہیں محسوس کرتا کہ شاید روزِ اوّل سے روزِ آخر تک تو ہی میرا واحد دوست ہے جو سچے وفادار کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"تو پھر طغرل خان تو مجھے بتاتا کیوں نہیں کہ کون سی سوچیں تجھے بے چین رکھتی ہیں؟"

"لمبی کہانی ہے بڑے سر والے۔ لمبی کہانی ہے۔ کیا کیا بتاؤں تجھے؟"

"میں وہ لمبی کہانی سُننا چاہتا ہوں طغرل خان تاکہ میں تیری پریشانیوں کا حل تلاش کر کے لاؤں۔"

طغرل کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اس نے ایک اُنگلی سے اپنا سر کھجایا۔ رائفل کو سیدھا زمین پر رکھا۔ اس پر ہتھیلی رکھی اور اس پر ٹھوڑی ٹکاتا ہوا بولا "بہت سے خیالات آتے ہیں تیمور۔ بہت سے خیالات آتے ہیں۔ مجھے وہ وقت یاد آتا ہے جب میں نے پہلا قتل کیا تھا۔ تیمور اُس وقت میرا باپ زارق خان زندہ تھا میری ماں اور بہنیں زندہ تھیں۔ نجانے کیا ہوا تھا مجھے۔ میں نے جس ماں کی آغوش میں آنکھ کھولی تھی اس ماں کو کبھی میں نے بیٹے کی حیثیت نہیں دی۔ میں سوچتا ہوں کیا میری ماں کے دل میں میری محبت نہ ہوگی۔ مجھے بتا تیمور خان کیا زرنگاہ شہنشاہ کو اپنے کلیجے سے لگا کر نہیں رکھتی کیا میری ماں کے دل میں یہ خواہش نہیں ہوگی کہ اُس کا بیٹا اس کے سینے سے لگا رہے؟"

"کیوں نہیں طغرل خان کیوں نہیں!" تیمور آہستہ سے بولا۔

"اور میں کبھی اس کے سینے سے نہ لگا۔ خانم جوزیفائن اور چچا راول خان نے اس طرح مجھے اپنی تحویل میں لے لیا جیسے میں اپنی ماں کی اولاد ہی نہ ہوں۔ مجھے بتا تیمور خان کیا اس میں زارق خان کا قصور نہیں تھا؟ زارق خان نے بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر ایک ماں سے اُس کی اولاد چھین لی تھی یہ مانتا ہوں میں کہ بھائی کی محبت اس کے دل میں ہوگی۔ ایک اپنے شیطان بھائی کی جو درحقیقت اس کا دوست نہیں تھا بلکہ دُشمن تھا لیکن ایک عورت کی گود سے اُس کا بچہ چھین کر دوسرے کی آغوش میں ڈال دینا، میرے باپ کی سب سے سنگین غلطی تھی۔ میں محاسبہ کر رہا ہوں ان راتوں میں تیمور خان کہ کہاں غلط ہوا اور کہاں درست؟ میرے باپ نے ایک عورت پر ظلم کیا اس کی آغوش سے اُس کا بیٹا لے کر دوسری عورت کو دے دیا۔ میں وہیں سے غلط راستوں کا راہی بنا تیمور خان۔ جوزیفائن شیطان فرنگی عورت نے اپنے انتقام کی آگ کی تسکین کی خاطر میرے لیے بُرے راستے منتخب کیے۔ مجھے ایک ایک لمحہ یاد ہے کہ مجھے کس طرح خونی مشغلوں کی جانب راغب کیا جاتا تھا اور میرا چچا راول خان اس کا شریکِ کار تھا، پھر میں نے پہلا قتل کیا تو میرے باپ زارق خان کو مجھ پر شبہ ہو گیا لیکن یہ راول خان تھا جس نے اس شبے کو زائل کر دیا لیکن اس وقت بھی میرے باپ کو میری جانب توجہ دینی چاہیے تھی۔ کم از کم یہ تو سوچنا چاہیے تھا اُسے کہ جس بات کے لیے وہ شبہ کر رہا ہے اس کی بُنیاد کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اگر وہ اسی وقت تحقیق کرتا تو راول خان کی شیطانیت اُسے نظر آ جاتی۔ یہ میرے باپ کی دوسری غلطی تھی جس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میرے باپ نے راول خان کو مکمل موقع دیا کہ وہ جس طرح چاہے میری تربیت کرے اور راول خان اور جوزیفائن نے مجھے طغرل خان بنا دیا۔ ڈاکو طغرل خان۔ شاید تو نے کبھی نہ سُنا ہو۔ آج میں تجھے بتاؤں کہ مجھے میری زندگی کی پہلی عورت میری چچی جوزیفائن نے مہیا کی تھی تاکہ مجھے ان راستوں پر بھی لگا دیا جائے۔ اُس کے بعد ہم نے طارق پر شب خون مارا اور وہاں سے لڑکیوں کو اغوا کرنے کے بعد پہاڑوں میں درندگی کی ایک مثال قائم کی۔ تیمور خان آج غور کرتا ہوں تو میں اپنے آپ کو تنہا قصوروار قرار نہیں دیتا اگر مجھے کسی خانقاہ میں پرورش کیا جاتا تو شاید میں اس دُنیا میں ایک اچھا انسان ہوتا اور پھر جو کچھ ہوا وہ ردِ عمل تھا۔ صرف اور صرف ردِ عمل۔ میں وہی کچھ بن گیا جو مجھے بنایا گیا تھا۔ میں نے زرنگاہ کو انتقام کے تحت حاصل کیا تھا لیکن شہنشاہ خان کے بعد جب میں نے پہلی بار شہنشاہ خان کو گود میں لیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اندر ایک اور روح اُتر گئی۔ تیمور خان بس اُس کے بعد سے میرے دل میں وہ وحشتیں کبھی نہیں اُبھریں جو اس سے پہلے تھیں اور... اور اُن کا نتیجہ میں آج بُھگت رہا ہوں۔ اگر میں اتنا ہی وحشی ہوتا اگر میں اتنا ہی درندہ ہوتا تو کیا شیرم جیسے کتے کی یہ مجال ہو سکتی تھی۔ میں اپنا حساب لے رہا ہوں خود سے تیمور خان کہ میں نے کہاں غلطی کی اور کہاں نہیں کی۔ یہ بات میری سمجھ میں آ جائے تو میری تمام بے چینیاں ختم ہو سکتی ہیں۔" طغرل خان نے اذیت سے بل کھاتے ہوئے کہا۔ اس نے رائفل اُٹھائی اور اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے بھینچ لی۔ اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے اور چہرہ سُرخ تھا۔ تیمور گہری نگاہوں سے طغرل خان کا جائزہ لے رہا تھا۔ کیا جواب دیتا طغرل خان کو؟ اُن حالات سے تو اسے واقفیت بھی نہیں تھی شیرکوہ کے بارے میں جتنا کچھ سُنا تھا بس اتنا ہی اسے معلوم تھا۔ اس سے زیادہ کے

www.taemeernews.com

حالات اس کے علم میں نہیں تھے۔ بہت سے ایسے کردار تھے جن کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا جیسے تغلق خان یا اور دوسرے۔ بہر طور اس سلسلے میں وہ اپنی کوئی رائے نہیں دے سکتا تھا لیکن طغرل خان کی اذیت کو وہ محسوس کر رہا تھا اور یہ اندازے لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب طغرل کا ذہن کون سی سمت اختیار کر رہا ہے؟

کافی دیر تک خاموشی طاری رہی پھر تیمور نے کہا "طغرل خان ہم اُن واقعات کو نہیں ٹال سکتے جو پیش آئے اور نہ ہی اُن واقعات کو ٹال سکتے ہیں جو پیش آنے والے ہیں۔ تُو نے زندگی میں ایک فاتح کی حیثیت سے اب تک کا وقت گزارا ہے اور اتنا طویل عرصہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو بے شک شیرم خان عارضی طور پر اپنی سازش میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن آنے والا وقت اُس کے لیے کیا فیصلے کرتا ہے یہ بھی وقت ہی پر منحصر ہے۔ جو چیزیں تجھے اذیت میں مبتلا کر سکتی ہوں انہیں ذہن تک نہ آنے دے کہ تُو اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے باقی سب کچھ حالات پر چھوڑ دے۔ میں سمجھتا ہوں حالات تیرے لیے بہتر فیصلہ کریں گے۔"

طغرل خان پُر خیال نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "تُو ٹھیک کہتا ہے بڑے سر والے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے حالات کو اپنی پسند کی جانب موڑا ہے لیکن بہر طور وقت کا بھی ایک وقار ہے اور وقت اپنے آپ کو کسی کے رنگ میں نہیں ڈھالتا وہ اپنے ہی رنگ میں رہتا ہے تُو ٹھیک کہتا ہے۔ اس بار ہم بھی وقت سے تعاون کیے لیتے ہیں۔ میں تیری اس بات سے بالکل متفق ہوں۔ اوہ! وہ دیکھ شاید کوئی بستی ہے۔ وہ دُور میری اُنگلی کی سیدھ میں جو روشنی نظر آ رہی ہے۔"

تیمور نے طغرل کے اشارے کی طرف دیکھا اور وہ مدھم روشنی اُسے بھی نظر آ گئی جس کی جانب طغرل نے اشارہ کیا تھا۔ وہ اس پر نگاہیں جمائے رہا اور دُور دُور تک کا جائزہ لیتا رہا۔ تب اُس نے کہا "نہیں سردار یہ کوئی بستی نہیں ہے۔ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں صرف ایک مکان ہے۔"

"یہ تُو کیسے کہہ سکتا ہے بڑے سر والے؟" طغرل نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"پوری بستی میں صرف ایک چراغ روشن نہیں ہوتا عظیم آقا۔ یقیناً جو کوئی بھی ہے وہاں تنہا ہے۔"

"آؤ اس طرف چلتے ہیں۔ زرنگاہ کیا شہنشاہ سو گیا ہے؟"

"نہیں، میں جاگ رہا ہوں بابا خان۔" شہنشاہ کی آواز اُبھری۔

"آؤ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ تیمور یہ سامان سنبھال لے شاید ہمیں وہاں کوئی بہتر پناہ گاہ مل جائے۔" طغرل خان نے کہا اور تیمور زرنگاہ کے ساتھ سامان سمیٹنے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد چاروں گھوڑے اس روشنی کی سیدھ اختیار کر کے اُس کی جانب جا رہے تھے۔ پتھروں سے بنی ہوئی ایک خانقاہ تھی جس کے اندرونی حصے میں چراغ جل رہا تھا اور ایک روشن دان سے اُس کی روشنی سیدھی پڑ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ انہیں دُور سے نظر آ گئی تھی۔ قریب پہنچ کر انہوں نے خانقاہ کا جائزہ لیا۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کو چن کر دیواریں بنائی گئی تھیں اور ایک بڑا سا کمرہ جس پر گھاس پھونس کا سائبان ڈال دیا گیا تھا۔ احاطے کے دروازے میں کوئی کواڑ نہیں تھا۔ وہ اپنے گھوڑوں سے اُترے اور گھوڑوں کو خانقاہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے چھوٹے سے درخت سے باندھ دیا، پھر چاروں ایک ساتھ ہی خانقاہ میں داخل ہوئے تھے۔ احاطے میں پانی کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ ایک سیڑھی بنی ہوئی تھی جو نہیں اندر لے جاتی تھی۔ پہلے طغرل خان پھر تیمور اور آخر میں زرنگاہ اور شہنشاہ اس سیڑھی سے گزر کر اُوپر پہنچ گئے۔ اندر خانقاہ کا کمرہ کافی کشادہ تھا اور اُس میں کوئی سامان نہیں تھا۔ بس ایک جائے نماز بچھی ہوئی تھی جس پر ایک بزرگ دوزانو بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ کوئی عبادت گزار، جو دُنیا کے ہنگاموں سے دُور خدا سے لو لگائے اس ویرانے میں آ بسا تھا۔ وہ لوگ اُسے دیکھتے رہے انہوں نے اپنے قدموں سے آوازیں بھی پیدا کیں تاکہ بزرگ اُن کے قدموں کی چاپ سُن لیں۔ طغرل خان نے جب مکمل خاموشی پائی تو ایک قدم آگے بڑھ آیا لیکن تیمور نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے روک دیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بزرگ کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔

چند لمحات کے بعد بزرگ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تسبیح مصلے پر رکھی اور اس کا ایک کونا موڑ کر رُخ تبدیل کر لیا۔ باریش شخص بہترین جسامت کا مالک تھا۔ اُس نے اپنے سر پر ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی غالباً عبادت کرتے ہوئے سر ڈھکنے کے لیے۔ وہی چادر اس کے شانوں پر پڑی تھی اور اسی چادر سے اُس کا پورا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔

طغرل کے بجائے تیمور نے کہا "ہم تمہاری عبادت میں خلل انداز ہوئے بزرگ معافی چاہتے ہیں لیکن ہم مسافر ہیں اور اس خانقاہ کے احاطے میں کچھ وقت کے لیے پناہ گزیں ہونا چاہتے ہیں، کیا ہمیں اس کی اجازت دی جائے گی؟"

www.taemeernews.com

بزرگ نے تھوڑی سی چادر چہرے سے سرکائی اور بھرّائے ہوئے لہجے میں بولے "زمین خدا کی ہے۔ ہر چیز پر اُس کا حق ہے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو اس کی زمین پر بسیرا کرنے سے روکے۔ مجھ سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ جتنا اس زمین پر میرا حق ہے اتنا ہی تمہارا بھی۔ جہاں چاہو آرام کرو اگر سائبان تلے آنا چاہتے ہو تو میں باہر چلا جاؤں گا۔ تمہارے ساتھ شاید کوئی عورت بھی ہے۔"

بزرگ نے نگاہیں اُٹھا کر زرنگاہ کی طرف نہیں دیکھا تھا لیکن اُن کی آواز سُنتے ہی زرنگاہ کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی تھی۔ اس کا پُورا بدن کانپنے لگا تھا۔ آنکھیں عجب وحشت ناک انداز میں پھیل گئی تھیں اور پھر دفعتہً اُس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی "بابا۔ بابا تم؟"

اس کی اس آواز پر بزرگ نے چونک کر زرنگاہ کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحے بزرگ کی کیفیت اس سے مختلف نہ ہوئی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے زرنگاہ کو دیکھ رہے تھے۔ طغرل خان اور تیمور کی نگاہیں بھی اُنہی کی سمت اُٹھی ہوئی تھیں۔

دفعتہً ہی طغرل خان نے تیمور کی طرف جُھک کر کہا "او۔ یہ گوندل خان ہے۔ گلاب خیل کا سردار گوندل خان۔ زرنگاہ کا باپ۔"

تیمور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بزرگ نے شدّتِ جذبات سے بے قابو ہو کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور زرنگاہ دوسری چیخ کے ساتھ بزرگ کے سینے میں جا سمائی۔ باپ اور بیٹی نے طویل عرصے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور ان کے جذبات بے قابو ہو گئے تھے۔ طغرل عجیب سے انداز میں شانے ہلا کر رہ گیا۔

شہنشاہ خان نے آہستہ سے کہا "بابا سونے کے لیے جگہ تلاش کرو۔ ماں نے پتا نہیں کیا کھیل شروع کر دیا ہے۔"

دونوں ایک دوسرے میں پیوست کھڑے ہوئے تھے اور ان کی زبانِ خاموشی نجانے کیا کیا باتیں کر رہی تھی۔ بالآخر گوندل خان نے زرنگاہ کو سامنے کیا۔ اس کا چہرہ دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹی سچ سچ یہ تو ہی ہے مجھے یقین نہیں آتا۔ مجھے چند لمحات کی مہلت دے۔ ایک سجدہ کر لوں اپنے معبود کو بے شک وہ دینے والا ہے اور اس سے بڑا دینے والا اس کائنات کے کسی گوشے میں نہیں۔"

گوندل خان واپس پلٹے اور ایک بار پھر انہوں نے جائے نماز کا کونا سیدھا کر لیا۔ اس کے بعد وہ کئی منٹ تک سجدے میں پڑے رہے تھے۔ تیمور نے ایک دو بار بوکھلا کر طغرل خان کی طرف دیکھا۔ یقینی طور پر طغرل خان جس مزاج کا مالک تھا اس کے تحت اس طویل سجدے پر اُسے جھاغ پا ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ ایک سنگی ستون کی مانند خاموش کھڑا تھا اور اس کے انداز میں کسی قسم کی مداخلت کا احساس نہیں۔۔ پایا جاتا تھا۔ اس دوران زرنگاہ کی حالت بہت خراب رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے زار و قطار رو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک بار پھر اپنے سجدے میں پڑے ہوئے باپ سے لپٹ جائے۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے اور اُس کے بعد بزرگ نے سر اٹھایا پھر کھڑے ہو گئے اور زرنگاہ کی طرف دیکھنے لگے۔ اُن کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔ ابھی تک انہوں نے کسی اور کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ شدّتِ جذبات سے اُن کے مُنہ سے ہلکی ہلکی سسکیاں نکل رہی تھیں انہوں نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے۔ میں نے ہر وہ کوشش کر لی زرنگاہ۔ ہر وہ کوشش کر لی جو انسانی بس میں ہوتی ہے۔ میں نے۔ میں نے اپنی ذات کو ٹکڑے کر کے طغرل خان سے اپنے گناہ کی معافی بھی مانگی۔ میں نے ہر وہ کوشش کی جس کے ذریعے میں ایک بار۔ صرف ایک بار تیری صورت دیکھ لوں لیکن ناکامیوں کے پہاڑ میرے راستے میں تھے اور میرا دل مایوسیوں کی گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ نجانے کب تک میں تیری تلاش میں سرگرداں رہا۔ ہر طرح سے میں نے تجھ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن مجھے کامیابیاں نہ ہوئیں۔ میں صحراگردی کرتے کرتے تنگ آ گیا۔ طغرل خان کے ٹھکانے تک نہ پہنچ پایا میں یہ سوچ کر میں وہاں تک جانا چاہتا تھا کہ اگر میرے سینے میں گولیاں اُتار دی گئیں تو میں آخری وقت دم توڑتے ہوئے طغرل خان سے کہوں گا کہ میرے دوست۔ میرے محسن ایک مرتے ہوئے انسان پر یہ احسان ضرور کر دے کہ اُسے اُس کی بیٹی کی صورت دکھا دے لیکن کامیابی نے مجھے کہیں سے خوشی کی خبر نہ سُنائی اور جب میں نے اُس تھکن کو محسوس کیا جو میرے وجود پر طاری ہو گئی تھی تو پھر میں نے یہ خانقاہ تعمیر کی اور اپنے معبود سے لو لگا کر بیٹھ گیا۔ میری ایک ہی ضد تھی اس سے۔ ایک بار۔ صرف ایک بار مجھے میری بیٹی کا چہرہ دکھا دے۔ اُس کے بعد میرے بدن سے سانس کھینچ لینا مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ زرنگاہ کتنا بڑا دینے والا ہے وہ۔ اُس نے تجھے یہاں بھیج دیا۔ میں۔ میں نہیں سمجھ پا رہا کہ تجھ سے محبت کا یہ اظہار اُس کی محبت سے بڑھ تو نہیں گیا۔ کہیں وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ میری بچی اُس نے یکمزوریاں ہمارے سینے

www.taemeernews.com

میں محبت کے نام پہ اُدھاری ہیں۔ میں اس سے معافی کا خواست گار ہوں۔ کاش اللہ میری راہنمائی کرے کہ میں سجدے کروں یا تیری پیشانی چوموں۔" گوندل خان کی آواز شدّتِ جذبات سے لرز رہی تھی۔

زرنگاہ ایک بار پھر اُس سے لپٹ گئی۔

تیمور نے آہستہ سے کہا "بُرا نہ ماننا سردار یہ باپ اور بیٹی کا مسئلہ ہے۔"

طغرل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا "ہاں تیمور یہ باپ اور بیٹی کا مسئلہ ہے۔ وہ مسئلہ جسے کچھ عرصہ قبل میں نہیں جانتا تھا لیکن جب میرے سینے میں ایک باپ کا دل دھڑکا تو میں نے یہ سب کچھ جان لیا۔ میں نے خود بھی گوندل خان کو تلاش کیا لیکن میری تلاش کارگر نہ رہی۔ تو محسوس نہ کر ان دونوں کے دلوں کی بھڑاس نکل جانے دے۔"

تیمور نے متحیرانہ نگاہوں سے طغرل خان کو دیکھا اور گہری سانس لے کر بولا "طغرل خان ختم ہو گیا اب طغرل خان طغرل خان نہیں ہے۔"

تھوڑی دیر تک یہ کیفیت رہی اور کسی نے اس سلسلے میں مداخلت نہیں کی۔ تیمور بے چارہ تو کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں تھا لیکن طغرل اور شہنشاہ خان نے بھی ان معاملات میں کوئی حصّہ نہ لیا اور جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو گوندل خان کی نگاہیں گھوم گئیں اور اس نے طغرل خان کو دیکھا۔ طغرل خان خاموشی سے نظریں جھکائے کھڑا ہوا تھا۔ گوندل خان اُسے دیکھتا رہا پھر اُس نے تھوڑی سی گردن گھما کر تیمور کو اور اس کے بعد مزید گردن گھما کر شہنشاہ کو دیکھا۔ اس کی نگاہیں شہنشاہ کے چہرے پر جم گئیں۔ وہ اُسے دیکھتا رہا اور پھر بے اختیار اُس کے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف بڑھے۔

"پیارے بچّے کیا تم اس طرف آنا پسند کرو گے؟"

شہنشاہ اس سے قبل کہ کوئی جواب دیتا۔ زرنگاہ آگے بڑھی اور اُس نے شہنشاہ کا شانہ پکڑ کر اُسے آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"بابا یہ آپ کا نواسا شہنشاہ خان ہے۔"

گوندل خان نے شہنشاہ کو اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ اُس نے اُسے اُٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ زرنگاہ مسرت سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ اُس نے اپنے باپ کی کلائی کو بیشتر چوما تھا اور اس کے شانے سے سر ٹکا کر کھڑی ہوئی تھی۔ ایک طرف شہنشاہ خان تھا دوسری طرف زرنگاہ اور طغرل خان اب اس منظر کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زرنگاہ نے آہستہ سے کہا "بابا وہ طغرل خان ہے۔"

گوندل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ طغرل خان اپنا نام سُن کر چونکا اور پھر اُس نے آگے بڑھ کر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں ڈاکو طغرل خان ہوں گلاب خیل کے سردار تیرا مجرم۔ وہ جس نے تجھے زمانے کے دُکھوں سے روشناس کیا تھا۔ وہ جس نے پہاڑوں میں تیری فریاد ٹھکرا دی تھی۔ میں وہی طغرل خان ہوں اور سُن گوندل خان مجھ سے انتقام لینے کی ضرورت نہیں۔ میں وقت کے انتقام کا شکار ہو چکا ہوں۔ اب تک جو کچھ ہوا وہ میرے لیے بہت اہم ہے لیکن اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے میں اُسے زندگی کا سب سے دردناک حصّہ قرار دیتا ہوں۔ میں اسے طغرل خان کے لیے بہت بڑی سزا سمجھتا ہوں۔ سُن گلاب خیل کے سردار بابا گوندل سُن یہ منظر میں نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا میں نہیں جانتا کہ بُوڑھے سینوں کا لمس کیسا ہوتا ہے۔ محبت کرنے والے جب کسی کو اپنے سینے سے لگاتے ہیں تو اُس کے جذبات کیا ہوتے ہیں؟ میں یہ سب کچھ نہیں جانتا گوندل خان۔ میرا بھی ایک باپ تھا۔ ماں تھی میری بہنیں تھیں۔ میں اگر انسانوں کی طرح پرورش پاتا تو شاید میرے دل میں بھی محبت ہوتی مگر میں کیا کروں؟ مجھے جانوروں کی طرح پروان چڑھایا گیا تھا۔ ان وحشی جانوروں کی طرح جو پنجروں میں پرورش پاتے ہیں اور ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا سوائے ان سنگلاخ دیواروں کے یا لوہے کے پنجروں کے۔ لوہے سے محبت نہیں کی جاتی۔ چٹانوں کو پیار نہیں کیا جاتا چنانچہ میرے دل میں پیار نے کبھی جنم نہیں لیا۔ ہاں اُس قدرت کے اصول، میں بھی مانتا ہوں جسے میں اس سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ یہ شہنشاہ خان میرا بیٹا جب عالمِ وجود میں آیا تو مجھے محبتوں کا احساس ہوا۔ میرے دل میں اس ننھے سے وجود کو دیکھ کر انسان جاگا اور انسان ان تمام ضروریات کے لیے مجبور ہوتا ہے جو اُس کی ذات میں سمو دی گئی ہیں۔ میں سزا پا رہا ہوں گوندل خان۔ تو نے جس طرح زرنگاہ کو اپنے سینے سے لگایا۔ آج میرے دل میں بھی یہ خواہش اُبھری ہے کہ کہیں کوئی اس روئے زمین پر ایسا ہوتا جو تڑپ کر مجھے سینے سے لگا لیتا، لیکن میرے باپ نے میری ذات کی وجہ سے خودکشی کی۔ میں وہ محروم انسان ہوں جو اگر کسی کے سینے کا لمس مانگتا ہے تو یہ احساس بھی رکھتا ہے کہ یہ لمس اُس نے اپنے ہاتھوں سے کھویا۔ اس کے باوجود گوندل خان میں تجھ سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ تو ایک

www.taemeernews.com

خانقاہ میں رہتا ہے اور یقیناً عبادت کرنے والے آگ و آہن سے نہیں کھیلتے۔ تیرے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہوگا۔ لے میرا یہ پستول لے اور اپنے دل کی بھڑاس نکال لے۔ سُن تو ان پہاڑوں کا سب سے خوش نصیب انسان ہوگا اگر طغرل خان کا سینہ تیرے ہاتھوں داغدار ہوا۔ تجھے تیری تمام پریشانیوں کا انعام مل جائے گا اور گوندل خان پہاڑوں کے رہنے والے انتقام ضرور لیتے ہیں۔ کیا تیرے سینے میں آتشِ انتقام سرد پڑ چکی ہے؟ لے یہ پستول تھام کر اس سے زیادہ سنہری موقع تجھے اور کبھی نہیں ملے گا۔ طغرل خان آج تجھے یہ موقع صرف اس لیے دے رہا ہے کہ اس کے سینے میں بھی کسی کا لمس حاصل کرنے کا جذبہ جاگا ہے۔ یہ لمس کسی کے سینے کا نہ سہی لیکن آگ کے دہکتے ہوئے انگارے کا بھی ہو تو طغرل خان کو شاید پسند آئے۔ تو یہ پستول کیوں نہیں پکڑتا گوندل خان؟ لے اس کی گولیاں میرے سینے میں اُتار دے۔"

گوندل خان نے ایک جھرجھری سی لی اور طغرل خان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا: "میرا خدا مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا طغرل خان۔ تیرے قدم اس خانقاہ میں ہیں اور میں اس خانقاہ میں بہت عرصے سے رہتا ہوں۔ کوئی کسی کے گھر مہمان آتا ہے تو اس کی تواضع گولیوں سے نہیں کی جاتی۔ اُسے جو کچھ میسر ہے پیش کیا جاتا ہے۔ اس احاطے میں تیرے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں ہوگا۔ تو مجھے کیا سبق سکھانا چاہتا ہے؟"

"وہی بیوقوفی۔ وہی حماقت گوندل خان۔ دُشمن کو جب بھی پاؤ اُسے ہلاک کردو۔ ورنہ وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ میں جان بوجھ کر یہاں نہیں آیا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ تو یہاں موجود ہے۔ حماقت مت کر اپنا انتقام لے لے مجھ سے۔ ہو سکتا ہے میرے دل میں بعد میں موت کی خواہش نہ جاگے۔ اس دفعہ اگر میں مر بھی گیا تو مجھے دُکھ نہیں ہوگا اور میں نہیں جانتا کہ اگر میں جیتا رہا تو کتنے انسان میرے ہاتھوں دُکھی ہوں گے گوندل خان تو یہ ثواب کیوں نہیں کماتا؟"

"سُن طغرل خان ابھی تھوڑی دیر پہلے میں تجھے بتا چکا ہوں کہ میں نے اپنے خدا سے کیا مانگا تھا اور خدا نے تجھے اس کا ذریعہ بنایا کہ تو خود زرنگاہ کو میرے پاس لے کر آئے۔ تو تو خدا کا بھیجا ہوا نمائندہ ہے۔ میں اپنے رب کے نمائندے کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کروں گا؟ کیسے ممکن ہے یہ۔ کیسے ممکن ہے۔ اُسے مانگ اُس سے جو ہر خواہش کی تکمیل کرنے والا ہے۔ تو اپنے لیے نیکیاں مانگ لے طغرل خان۔ تو اپنے لیے معافی مانگ لے اس سے۔ مانگتا رہ۔ ہو سکتا ہے کبھی اُس کی رحمت جوش میں آ جائے اور نیکیاں خود چل کر تیرے دروازے پر پہنچ جائیں۔ طغرل خان یہ میری نصیحت ہے۔ مانگ لے۔ ان نیکیوں کو مانگ لے اس سے اس کے خزانے خالی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ تجھے معاف کر دے۔"

طغرل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے گردن جھکا کر واپس پلٹا چند لمحات کے بعد اُس کی آواز اُبھری: "ممکن نہیں۔ میں وہ چیز کیسے مانگ سکتا ہوں جو ممکن ہی نہیں۔ جس کا وجود ہی نہ ہو میں۔ میں" طغرل خان کی آواز میں ہلکی سی بھرّاہٹ پیدا ہوئی جسے محسوس کر کے وہ خود پر غضب ناک ہو گیا اور پھر اس نے تیمور سے کہا: "بڑے سر والے چل اس کمرے سے باہر چل یہاں کی گھٹن مجھے راس نہیں آ رہی۔ چل" اُس نے تیمور کو زور سے دھکا دیا اور بے چارہ لنگڑا گرتے گرتے بچا۔

بہر طور طغرل خان اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ وہ خانقاہ کی ایک دیوار سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔ تیمور اس سے چند گز کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا۔ زرنگاہ اور شہنشاہ خان اندر ہی تھے۔ تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی۔ اس کے بعد زرنگاہ شہنشاہ اور گوندل خان باہر آ گئے۔ گوندل خان ہلکا سا لنگڑا کر چل رہا تھا۔ غالباً اُس کے پاؤں میں کوئی تکلیف تھی۔ ویسے وہ بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔ جسامت اپنی جگہ لیکن بڑھاپا اس پر بُری طرح اثر انداز ہوا تھا۔ بیٹی کے غم نے اُسے بُری طرح نڈھال کر دیا تھا۔ اس نے باہر آ کر ان دونوں کو دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا طغرل خان کے پاس پہنچ گیا۔

"شاہ دل" اُس نے طغرل خان کو ایک پُرانے نام سے پکارا اور طغرل خان نے چونک کر گوندل خان کی طرف دیکھا۔ گوندل خان نے گردن ہلا کر کہا: "ہاں شاہ دل میں انسان ہوں فرشتہ نہیں۔ طغرل خان کے خلاف میرے دل میں بہت سے شکوے بہت سے گلے ہیں بلکہ اس طرح سے میری اس سے دُشمنی ہے لیکن شاہ دل میرے لیے باعث محبت ہے۔ وہ جب میرے پاس آیا تھا تو میں نے اسے محبت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور اتنا پیار کیا تھا اُس سے کہ میں نے اپنی بیٹی اُسے سونپ دی تھی۔ وہ جو میری زندگی کا مرکز تھی۔ آج میں اسی شاہ دل کو پُکار رہا ہوں۔ اگر شاہ دل نے میری پکار کا جواب دیا تو میں سمجھوں گا کہ دُنیا سے انسانیت کا خاتمہ نہیں ہوا اگر تو طغرل خان کے نام سے مخاطب ہوگا تو طغرل خان شاید میں تجھے وہ محبت نہ دے سکوں۔ میں جانتا ہوں تو میری محبت کا طلب گار نہیں ہے لیکن تجھے علم ہوا ہے کہ طغرل خان واپسی کا

www.taemeernews.com

سفر طے کر رہا ہے۔ کیا واپسی کے اس سفر میں بھی تو کسی کو کچھ نہیں دے گا؟ مجھے شاہ دل دے دے طغرل خان۔ میں شاہ دل کو اپنے سینے سے لگاؤں گا۔ سارے گلے شکوے بھول کر ساری بُرائیاں بھول کر۔"

" مگر بابا گوندل خان، میں اس قابل نہیں ہوں۔" طغرل خان نے گردن خم کر کے کہا۔

"دیکھ اگر کوئی تجھ سے کچھ مانگے اور وہ تیرے پاس ہو تو تو یہ نہ سوچ کر وہ دینے کی چیز ہے یا نہیں، کسی کی طلب پر وہ اُسے دے دے ... دے دے شاہ دل۔ مجھے شاہ دل دے دے۔"

" اگر تو سمجھتا ہے گوندل خان کہ ایک ایسا نام مجھے دے دیا جائے جو میرا نام نہیں ہے لیکن تیرے کسی جذبے کی تسکین ہو تو میں غلط بولنے کا عادی نہیں ہوں تیرے لیے میں شاہ دل بن جاؤں گا لیکن طغرل میری ذات میں زندہ رہے گا۔"

" میرے لیے تو شاہ دل بن جائے گا اگر میں تجھے شاہ دل کہہ کر مخاطب کروں تو کیا تو مجھے جواب دے گا؟"

" ہاں گوندل خان میں تجھے جواب دُوں گا۔" طغرل خان نے آہستہ سے کہا اور گوندل خان نے اُسے آواز دی۔

" شاہ دل۔"

" ہاں بابا گوندل خان۔"

گوندل خان نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور طغرل چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

" شاہ دل سے بھی میرا وہی رشتہ ہے جو زرنگاہ سے ان بازوؤں کی گرفت سے دُور نہ رہ شاہ دل، آ۔ آ گے آ۔"

طغرل خان کے قدم نجانے کیوں آگے بڑھ گئے تھے۔ اس میں اس کی قوتِ ارادی کو دخل نہیں تھا۔ یہ اُس کے پیروں کی شرارت تھی کہ وہ اُسے آگے دھکیلتے ہوئے گوندل خان تک لے گئے اور گوندل خان نے اُسے اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا۔ طغرل خان، گوندل خان کے سینے سے لگا اور گوندل خان نے اُس کی پیشانی چُوم لی۔

" میرا شاہ دل۔ میری زندگی۔ میری بیٹی کا شوہر اور میرے نواسے کا باپ۔"

لیکن طغرل خان نجانے کس طرح اس لمس میں گھُل گیا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سارا وجود پگھل رہا ہو۔ وہ پانی بن کر بہا جا رہا ہو۔ کیا لمس ہے یہ بھی۔ کیا کیفیتیں پائی جاتی ہیں اس میں! زندگی میں پہلی بار وہ اس انوکھی لذت سے دوچار ہوا تھا۔ اُس کے بال اس کی پیشانی پر جھول رہے تھے اور اس کا سر گوندل خان کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ نجانے کیا کیا جذبات اُس کے سینے میں اُبھر رہے تھے۔ اُسے زارق خان کا چہرہ یاد آ رہا تھا اور اس وقت۔ اس وقت وہ نجانے کہاں کہاں کا سفر طے کر رہا تھا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک ننھا سا ہُمکتا ہوا بچہ ہے جسے گود میں لے کر پیار کرنے کو جی چاہے۔ جسے دیکھ کر پہلی بار طغرل خان کے سینے میں محبت کا طوفان جاگا تھا اور اس وقت بُوڑھے گوندل خان کی داڑھی اُسے اپنے باپ کی داڑھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خود شہنشاہ تھا ننھا سا۔ ہمکتا ہوا شہنشاہ اور اپنے باپ کی آغوش میں تھا۔ یہ سفر نجانے کب تک جاری رہا۔ نجانے کتنی دیواریں گریں۔ نجانے کتنے شیشے ٹوٹے اور جب اُس کا چہرہ اُوپر اُٹھا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ آگ برسانے والی آنکھیں جن سے صرف آتش فشانوں کا پگھلا ہوا لاوا بہتا رہا تھا آج پانی کی نمی سے آشنا ہوئی تھیں اور یہ نمی نجانے دل کی کون کون سی غلاظتیں دھو رہی تھی۔ ہاں یہ نمی بے حد انوکھی ہے اور جب تک یہ آنکھوں کو صاف نہ کرے۔ دل کی گندگی صاف نہیں ہوتی۔

زرنگاہ حیرت سے طغرل خان کو دیکھ رہی تھی۔ پُر پریشان

شناسائی

مقدمے کی سماعت کے سارے عرصے میں جج صاحب اپنے ذہن پر زور دیتے رہے کہ انہوں نے ملزم کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔ جب سماعت مکمل ہو گئی اور صرف فیصلہ سنانا باقی رہ گیا تو وہ اپنے تجسس پر قابو نہ پا سکے اور آخر کار ملزم سے پوچھ ہی بیٹھے کہ انھوں نے ملزم کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔

"میں آپ کی بیگم صاحبہ کو موسیقی کا سبق دیا کرتا تھا جناب!" ملزم نے جواب دیا۔

"چودہ سال قید با مشقت۔" جج نے فوراً فیصلہ سُنا دیا۔

www.taemeernews.com

نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا اور طغرل خان رو رہا تھا۔ روتے روتے اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ گوندل خان اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ طغرل خان بیٹھ گیا اور اس نے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔ وہ رو رہا تھا۔ روئے جا رہا تھا اور نجانے کتنی دیر اسی طرح گزر گئی۔

زرنگاہ بے چین ہو رہی تھی۔ نجانے اُس کے دل میں کیا کیا تصوّرات تھے لیکن باپ کی موجودگی میں شرم مانع تھی۔ وہ طغرل خان سے کچھ نہ کہہ پائی اور طغرل خان روتا اور سسکتا رہا۔ بہت دیر کے بعد طغرل خان نے چہرہ اٹھایا اور پھر آہستہ آہستہ کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: "بابا گوندل خان ہم اس خانقاہ میں تمہارے پاس رہیں گے۔"

"کیوں نہیں شاہ دل تو یہیں رہے گا۔ میں کہیں بھی جاؤں تم لوگوں کو خود سے جدا نہیں کروں گا۔ آؤ اب اندر آ جاؤ میں تمہارے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

طغرل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے خانقاہ کے اندر چلا گیا تھا۔ زرنگاہ کا چہرہ پھول کی طرح شگفتہ ہو گیا تھا اور وہ ایک انوکھی سی مسکراہٹ کے ساتھ طغرل خان کو دیکھ رہی تھی۔ طغرل خان نے اُسے دیکھا اور پھر بولا: "میرا مذاق اُڑا رہی ہے زرنگاہ؟"

"نہیں شاہ دل تیرا مذاق اُڑاؤں گی میں؟" زرنگاہ نے بے پناہ محبت سے کہا اور طغرل خان خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد تیمور اور بوڑھا گوندل خان کھانے کا سامان لے آئے۔ خانقاہ کے عقبی حصّے میں بھی ایک چھوٹی سی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں کھانے پینے کی اشیا موجود رہا کرتی تھیں۔ گوندل خان خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ طغرل خان نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔ تب گوندل خان نے کہا۔

"آؤ بچو! باہر بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔ میں تمہیں اس علاقے کے بارے میں بتاؤں گا۔ شاہ دل کیا تو ان علاقوں کے بارے میں جانتا ہے؟"

"میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا بابا۔" طغرل خان نے کہا۔

"یہاں سے کچھ فاصلے پر بستی مرجانہ ہے اور مرجانہ کی سردار خانم شیرماہ ہے۔ شیرماہ بہت ہی زیرک اور سمجھدار عورت ہے اور اس نے مرجانہ کا نظام جدید ترین بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ مرجانہ کی سرحدوں سے سمندر کی ایک شاخ ملتی ہے۔ یہ ایک بڑی کھاڑی ہے جسے سمندر سے تراش کر مرجانہ تک لایا گیا ہے اور چھوٹی چھوٹی کشتیاں مرجانہ سے سمندری راستوں کا سفر کرتی ہیں اور تجارت کی جاتی ہے۔ بہت ہی بہترین نظام قائم کیا ہے ان لوگوں نے۔ میں تو اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ مرجانہ کی یہ خانم رحم دل بھی ہے اور جنگجو بھی لیکن اُس نے اپنی سرحدوں کو بے حد مضبوط کیا ہے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ دُور دراز کے یہ فاصلے طے کر کے یہاں تک پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ مرجانہ پہاڑوں کی اندرونی بستیوں سے کٹا ہوا ہے۔ خانم نے اس کے گرد ایک حصار قائم کیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے پیشکش کی تھی کہ میں بستی میں اپنے لیے ایک عبادت گاہ بنا کر قیام کروں لیکن مجھے یہ ویرانے پسند تھے۔ اپنے دل کے ویرانوں کی مانند کیونکہ اس وقت میرا دل خالی تھا لیکن میرے بچے میرے ساتھ ہیں اور میں محبتوں کی دولت سے مالامال ہوں چنانچہ اب یہ خانقاہ ہمارے لیے مناسب نہیں رہے گی۔ شاہ دل مجھے وہ کرنے دینا جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے بہت کچھ سُن لیا ہے ہم ماضی کو بھلا دیں گے اور تو وہ کرنا جو مستقبل میں ہم سب کی بہتری کے لیے ہو۔"

طغرل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے اندر جو تبدیلیاں اچانک رُونما ہوئی تھیں وہ باعثِ حیرت تھیں۔ پھر وہ سب خانقاہ کے مختلف گوشوں میں فروکش ہو گئے۔

زرنگاہ باپ کے پاس اُس کے بازو پر سر رکھے لیٹی تھی طغرل خان کچھ فاصلے پر شہنشاہ کو پیٹ سے لپٹائے زمین پر دراز تھا اور اس کی آنکھوں کی کوروں سے آنسو ڈھلک رہے تھے۔ تیمور اس دروازے سے باہر خانقاہ کے احاطے میں گھٹنوں میں سر دیے گہرے گہرے خرّاٹے لے رہا تھا۔ اُس سے زیادہ بے فکر انسان روئے زمین پر شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ کسی بھی چیز کی اسے کبھی پروا نہیں ہوتی تھی۔ یوں یہ رات گزر گئی۔ دوسری صبح طغرل خان سب سے پہلے جاگا اور باہر نکل گیا۔ آسمان پر پرندے اپنی خوراک کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ سورج آہستہ آہستہ پہاڑیوں سے بلند ہو رہا تھا۔ وہ بلند ہوتے ہوئے سورج کو دیکھتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کوئی آہٹ محسوس کی۔ پلٹ کر دیکھا تو لنگڑا تیمور اُس کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

"بہت جلد جاگ گئے عظیم آقا۔" اُس نے کہا اور طغرل خان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اس سورج کو دیکھ رہا ہے تیمور خان یہ اسی طرح بلند ہوتا ہے اس کا غیظ و غضب بڑھتا چلا جاتا ہے یہ پوری زمین کو دہکتے ہوئے انگارے میں تبدیل کر دیتا ہے اور پھر گردشِ وقت اس کی روشنی کو پیلاہٹ میں بدلتی چلی جاتی ہے۔ بالآخر یہ زرد ہو کر پہاڑیوں ہی میں اوندھے مُنہ جا گرتا ہے۔ دیکھنے والے یہ سب

www.taemeernews.com

کچھ کیوں نہیں دیکھتے تیمور خان؟ یہ سب کچھ کیوں نہیں دیکھتے۔ اس پر غور کیوں نہیں کرتے؟ انہیں تمام حقیقتیں معلوم ہوجائیں۔"

تیمور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "نہیں عظیم آقا دیکھنے والے اسے دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی نگاہ بہت پہلے اس پر پڑ جاتی ہے اور کوئی بہت دیر سے اسے دیکھتا ہے۔"

"آہ! کہیں مجھے دیر تو نہیں ہوگئی تیمور؟ میں نے بہت دیر سے اسے نہیں دیکھا؟" طغرل خان نے آہستہ سے کہا اور پھر پلٹ کر زرنگاہ کی طرف دیکھنے لگا جو خانقاہ کے اُس کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔

اس نے مسکراتی نگاہوں سے طغرل خان کو دیکھا اور بولی "بہت جلد جاگ گئے شاہ دل۔"

"ہاں شاہ دل کو بہت جلد جاگنا چاہیئے تھا۔ دیر سے جاگا۔"

"اب جب میرا شاہ دل جاگ اٹھا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ وہ ماضی کا ہر دھبہ اپنے آپ پر سے دھو ڈالے۔ آؤ شاہ دل خانقاہ کی صفائی کریں۔" زرنگاہ نے ایک ایسی پیشکش کی تھی جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

لیکن اس کا جواب بھی حیرت انگیز تھا طغرل خان اس کے ساتھ درختوں کے پتوں سے بنے ہوئے جھاڑو لے کر خانقاہ کی صفائی میں معروف ہوگیا تھا اور تیمور خان اپنے دونوں ہاتھ باندھے خانقاہ کی ایک دیوار سے ٹکا دُنیا کے اس سب سے عجیب منظر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر زرنگاہ نے خانقاہ کے عقبی حصے میں جاکر کھانے پینے کی اشیا ٹٹولیں۔ بہت سی چیزیں خود ان کے اپنے پاس موجود تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ناشتا تیار ہوگیا۔ شہنشاہ اس دوران بالکل خاموش خاموش سا رہا تھا اور اُس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اُس کے چہرے سے بھی کسی خاص بات کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے اُس کی جانب توجہ بھی نہیں دی تھی۔ خود گوندل خان نے ان سب کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کیا اور پھر بولا "ہاں بھئی تو اب میں تمہیں بستی مرجانہ کی کہانیاں سُناتا ہوں مرجانہ کا تعلق باہری دُنیا سے بھی ہے اور جو کھاڑی سمندر کو کاٹ کر مرجانہ تک بنائی گئی ہے اس میں بعض اوقات سمندروں سے چلنے والی کشتیاں بھی آتی ہیں۔ ان کشتیوں میں تاجر آتے ہیں اور بہت سی اشیا یہاں فروخت کرتے ہیں اور بہت سی اشیا یہاں سے خرید کرلے جاتے ہیں۔ اس طرح ضرورت کی بہت سی چیزیں مرجانہ کو باہر سے بھی ملتی رہتی ہیں ایک عجیب نظام ہے یہاں۔ میں نے چند ہی دن وہاں گزارے تھے۔

لیکن دل کی بے کلی نے مجھے وہاں قیام نہ کرنے دیا اور اب ہم مرجانہ میں اپنے لیے زندگی تلاش کریں گے۔ بھول جائیں گے ہم سب اپنے آپ کو۔ یہ بھول جائیں گے کہ ہمارا شاہ دل کبھی طغرل خان رہ چکا ہے۔ یہ بھول جائیں گے کہ زرنگاہ خرم شاہ تھی اور سرزدست تمہیں بھی اپنا ماضی بھولنا پڑے گا۔"

"میرا کوئی ماضی ہی نہیں ہے خان۔ میں ایک ایسا انسان ہوں جو صرف حال سے دلچسپی رکھتا ہے اور ماضی کی کوئی بات اُسے کبھی یاد نہیں رہتی۔" تیمور نے گردن خم کرکے جواب دیا اور زرنگاہ ہنس پڑی۔

اس نے کہا: "بابا خان تیمور ایسا سچا اور اچھا ساتھی ہے کہ ہم اس پر ناز کرتے ہیں۔"

"اب یہ میرا بھی ساتھی ہے اور سُنا ہے تیمور خان کہ تو بہت زیرک آدمی ہے۔ زمانہ شناس ہے اور بے شک تیرا سر عام انسانوں سے بہت بڑا ہے۔ سو لوگ کہتے ہیں کہ بڑے سر میں بہت بڑا دماغ ہوتا ہے اور یقیناً تو اس کی زندہ مثال ہے لیکن اب تیرے دماغ کی کارستانی یہ ہوگی کہ تو ہم سب کی بہتری کے لیے سوچ اور چونکہ تو کوئی ماضی نہیں رکھتا اس لیے تجھے یہ سب کچھ بھولنے میں دقت نہیں ہوگی۔ سن تیمور خان سن ہم سب ایک دو دن یہاں آرام کریں گے یہ جگہ ہر طرح سے محفوظ ہے اور اُس کے بعد ہم سب بستی مرجانہ کا رُخ کریں گے۔ ہمیں وہاں کوئی دِقت نہیں ہوگی۔ خانم شیرماہ بہت اچھی خاتون ہے لیکن ہم اس سے اس وقت ملیں گے جب ہمیں اُس کی کوئی اشد ضرورت پیش آئے۔ ہم خود بھی اپنے لیے ٹھکانہ تلاش کرسکتے ہیں اور وہاں حلال رزق کا حصول کوئی مشکل کام نہیں ہے اور اس کی فصیلوں سے اندر داخل ہونے کی چابی میں ہوں کیونکہ خانم شیرماہ نے ایک بار اپنے تمام لوگوں سے کہا تھا کہ بزرگ گوندل خان کو کبھی بھی مرجانہ میں داخلے سے نہ روکا جائے۔ سو اب ہمیں اس خانقاہ میں کچھ وقت صرف کرنے کے بعد مرجانہ کا رُخ کرنا ہے اور اس کے لیے تمام تیاریاں کرنی ہیں۔"

باقی آئندہ

خوش آئند مستقبل اور پُرآسائش زندگی کی خواہش
کس کے دل میں نہیں ہوتی لیکن یہ سب کچھ
حاصل کرنے کے لیے جدّ وجہد بھی ضروری ہوتی ہے
اور پھر... ضروری تو نہیں کہ انسان کی ہر خواہش پوری ہو

ایم الیاس

خوابِ پشیمان

www.taemeernews.com

رضوان اپنی حسین و جمیل اور جوان بیوی طاہرہ کے ساتھ بس اسٹاپ پر سواری کے انتظار میں بڑی دیر سے کھڑا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ چھ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ جو بھی بس آ رہی تھی اس میں مسافر بھیڑ بکریوں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ تِل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی تھی۔ یہی حال منی بسوں کا بھی تھا۔ کوئی بس آکر رکتی تو مسافر پاگلوں کی طرح اس پر چڑھنے لگتے تھے۔ لیڈیز پارٹیشن کے فٹ بورڈ پر لڑکے اور اوباش قسم کے مرد لٹکے ہوئے ہوتے تھے ایسی بس میں کسی کے سوار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے یہ بات بالکل پسند نہیں تھی کہ اس کی بیوی ان مردوں کے ساتھ کھڑی ہو کر سفر کرے ان مردوں کو وہاں سے ہٹانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

رضوان بس اسٹاپ پر زیادہ دیر تک کھڑا رہ کر بس کا انتظار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے روانہ ہونا چاہتا تھا اس لیے کہ فلم کے شروع ہونے کا وقت ساڑھے چھ بجے کا تھا۔ فلم شروع ہونے میں اب آدھا گھنٹہ باقی رہ گیا تھا بہت دنوں کے بعد آج فلم کا پروگرام بنا تھا مگر بس نہ ملنے کی وجہ سے نہ صرف بوریت ہو رہی تھی بلکہ کوفت الگ اٹھانا پڑ رہی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ غصہ اسٹاپ پر کھڑے ان مردوں پر آ رہا تھا جو اس کی بیوی طاہرہ کو بھوکی نظروں سے گھور رہے تھے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کے سراپا کو جذب کر رہے تھے اس کی بیوی نے پہنا چھریرا متناسب بدن کالے رنگ کے برقعے میں چھپایا ہوا تھا مگر برقعے کی نقاب الٹی ہوئی تھی برقعے کے کالے رنگ نے اس کی سرخ و سپید رنگت کو اور پرکشش بنا دیا تھا۔ وہ دیکھنے والوں کے دلوں کو برما رہی تھی۔ ادھر رضوان کا خون نس نس میں ابلنے لگا تھا۔ اس کا بس چلتا تو طاہرہ کی طرف دیکھنے والی آنکھوں کو پھوڑ دیتا۔ وہ اندر ہی اندر کڑھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

جب دو بسیں منہ چڑاتی ہوئی گزر گئیں تو طاہرہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اب کوئی رکشا یا ٹیکسی ہی دیکھ لیں۔ اس طرح تو رات کے دس بجے بھی کوئی بس نہیں ملے گی۔"

بس اسٹاپ سے کسی قدر ہٹ کر ایک رکشا اور دو ٹیکسیاں خالی کھڑی تھیں۔ رضوان نے اسے یہیں کھڑے رہنے کے لیے کہا اور اس سمت تیزی سے لپکا تو طاہرہ مردوں کی کینہ توز نگاہوں کی تاب نہ لاکر اس کے پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی چل پڑی۔ رضوان رکشا اور ٹیکسی والوں سے بات کر کے اسے آدھے راستے میں آ لیا۔ وہ منہ بنا کر بولا "رکشا والا تو ادھر جانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ٹیکسی والے پچیس روپے مانگ رہے ہیں جبکہ میٹر سے دس روپے بھی نہیں بنتے ہیں۔"

"یہ لوگ بھی کسی لٹیرے سے کم نہیں ہیں۔" طاہرہ کے چاند سے چہرے پر بدلی سی چھا گئی "کیا حرام کی کمائی ہے جو انہیں پچیس روپے کرائے کے دیں۔"

"دو بسیں اور دیکھ لیتے ہیں۔" رضوان نے کہا "اگر بس نہیں ملی تو کل پانچ بجے ہی گھر سے نکل جائیں گے۔"

طاہرہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دونوں اسی جگہ کھڑے ہو کر بس کا انتظار کرنے لگے۔ سڑک پر ٹریفک سیلاب کی طرح بہہ رہا تھا۔ نئی خوبصورت اور البیلی دوشیزاؤں جیسی کاریں تیزی سے آ جا رہی تھیں۔ موٹر سائیکلیں اور اسکوٹروں کی بھی ریل پیل تھی۔ سائیکل موٹروں کے پیچھے مردوں کے ساتھ لڑکیاں اور عورتیں بیٹھ کر جا رہی تھیں۔ طاہرہ کی آنکھوں میں خواب لہرانے لگے۔ وہ اس کی طرف گھوم کر بولی "آپ بھی ایک سائیکل موٹر خرید لیں۔ دفتر آنے جانے اور گھومنے پھرنے میں بہت آرام ہو جائے گا۔"

"سائیکل موٹر؟" رضوان اس کی بات سن کر ہنسا "سائیکل خریدنے کی سکت نہیں ہے تم سائیکل موٹر کی بات کر رہی ہو۔"

"آپ دفتر سے قرض کیوں نہیں لے لیتے؟" طاہرہ نے مشورہ دیا۔

"قرض۔۔۔" رضوان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "مگر میں نے آپ کو گھر لانے کے لیے جو قرض لیا تھا وہ ابھی پورا کہاں ادا ہوا ہے۔ ایک سال میں جا کر رقم ادا ہو گی۔"

"آخر اتنی رقم قرض لینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اگر میں اتنی رقم قرض نہیں لیتا تو اتنی جلدی شادی بھی نہ ہو پاتی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا رہتے۔ خط لکھ لکھ کر حال دل سناتے رہتے۔"

طاہرہ کا چہرہ حیا آلود ہو گیا تو وہ اور حسین دکھائی دینے لگی تھی۔ اس نے چند لمحوں کے بعد پوچھا "کیا آپ کو مزید قرض نہیں مل سکتا؟"

"جب تک میرا قرض ادا نہیں ہو جاتا اس وقت تک نیا قرض ملنا بہت مشکل ہے۔"

طاہرہ اپنے شوہر کی بات سن کر چپ ہو گئی۔ رضوان مخالف سمت دیکھنے لگا جبھی ایک نئی ہنڈا اکارڈ ان دونوں کے سامنے

www.taemeernews.com

آ کر رکی۔ طاہرہ نے چونک کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ اسٹیرنگ پر جو شخص بیٹھا تھا وہ عمدہ تراش کے سفاری سوٹ میں ملبوس تھا۔ وہ وجیہہ، خوبصورت اور دراز قد تھا۔ وہ ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر دل نواز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ طاہرہ اس شخص کو دلچسپ نظروں سے دیکھتے پا کر گھبرا سی گئی۔ اس نے رضوان کا بازو ہلایا جو مخالف سمت دیکھ رہا تھا۔ رضوان کی نظر اس گاڑی پر نہیں پڑی تھی۔ اس نے گردن گھما کر طاہرہ کی طرف دیکھا تو وہ بولی "یہ گاڑی والا ہم دونوں کو گھور کر دیکھ رہا ہے۔"

رضوان نے نفرت اور غصّے سے گاڑی کی طرف دیکھا۔ وہ پہلی نظر میں اس شخص کو دیکھ کر پہچان نہیں سکا تھا جو اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ وہ اپنے تئیں یہی سمجھا تھا کہ یہ شخص اس کی حسین و جمیل بیوی کو دیکھ کر لفٹ کی پیش کش کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک دو بار ایسا اتفاق پیش آ چکا تھا دوسرے لمحے وہ اس شخص کو پہچان کر اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ وہ بے اختیار گاڑی کی طرف بڑھا۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر حیرت اور خوشی کے لہجے میں بولا "راحیل، تم؟"

راحیل نے گاڑی کا شیشہ اُتارنے کے بعد جواب دیا۔

"ہاں میں! کیسے ہو میرے یار!"

"اللہ کا شکر ہے۔" رضوان نے کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر مصافحہ کیا۔ "تم کیسے ہو!"

"اچھا ہوں۔" وہ بولا اور اس کی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "لگتا ہے تم نے شادی کر لی۔ کیا یہ ہماری بھابی ہیں!"

"جی ہاں! یہ تمہاری بھابی ہیں۔" رضوان نے جواب دیتے ہوئے گاڑی اور راحیل کا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لیا اسے راحیل پر بڑا رشک آ رہا تھا اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صرف ایک برس میں راحیل کی کایا پلٹ ہو جائے گی۔ اس کی صحت بھی بہت اچھی ہو گئی تھی "ماشاءاللہ تم بہت بڑے آدمی بن گئے ہو۔ مبارک ہو۔"

"شکریہ!" راحیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "چلو آؤ۔ گاڑی میں بیٹھو۔ بھابی کو بھی بُلا لو۔ تم ایک سال کے بعد ملے ہو۔ تم سے بہت ساری باتیں کرنا ہیں۔ ویسے تم ملے خوب۔"

رضوان گھوم کر طاہرہ کے پاس گیا تو اس نے متعجبانہ انداز میں پوچھا "یہ کون ہے!"

"یہ میرا دوست راحیل ہے۔" رضوان نے بتایا "دفتر میں میرے ساتھ کام کرتا تھا۔ وہ لفٹ دے رہا ہے۔ خدا نے ہم دونوں کا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ وہ ہمیں سینما پر چھوڑ کر چلا جائے گا۔ چلو۔"

طاہرہ اپنی زندگی میں کبھی ایسی شاندار قسم کی گاڑی میں نہیں بیٹھی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے پیچھے چل پڑی۔ وہ دونوں گاڑی کے پاس پہنچے۔ راحیل اپنی گاڑی کا شیشہ چڑھا چکا تھا۔ اس نے پہلے پچھلا دروازہ اور پھر آگے کا دروازہ کھولا۔ وہ طاہرہ سے مخاطب ہو کر خوش دلی سے بولا "بھابی! آپ پیچھے بیٹھ جائیں۔ رضوان میرے ساتھ بیٹھے گا۔ کچھ دیر کے لیے یہ جدائی برداشت کر لیں۔"

طاہرہ اس کی بات سن کر اپنی مسکراہٹ روک نہ سکی وہ ایک دم مسکرا اُٹھی تھی۔ وہ سیٹ پر بیٹھی تو راحیل نے اپنا ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کیا۔ اس نے ایک نظر طاہرہ کے حسین چہرے اور پُرشکوہ سراپا پر ڈالی تھی طاہرہ نے اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر نظریں نیچی کر لیں۔ گاڑی کا ائرکنڈیشنڈ آن تھا۔ اندر ٹھنڈک تھی۔ طاہرہ جو اتنی دیر سے باہر کھڑی تھی اس کا گرمی اور پسینے کی وجہ سے بُرا حال ہو گیا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ساری کوفت، بوریت اور گرمی راحت میں بدلنے لگی۔ گاڑی کے اندر پھیلی ہوئی مہک نے اسے جیسے تروتازہ کر دیا تھا۔ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

راحیل نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بات کرنے کے بہانے سے طاہرہ کی موہنی صورت کو دیکھا "بھابی! آپ کے سرتاج عرصہ پانچ برس سے میرے گہرے دوست رہے ہیں۔ ہم دونوں ایک ہی دفتر میں کام کرتے رہے ہیں۔ اس بے مروت اور خود غرض شخص سے اتنا نہ ہوا کہ اپنی شادی کے وقت مجھے یاد کر لیتا۔"

طاہرہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لجا کے رہ گئی۔ رضوان نے اس کے جواب میں کہا "تم تو گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گئے۔ میں تمہارے گھر گیا تھا تو پتا چلا کہ تم کہیں اور شفٹ ہو گئے ہو۔"

"ہاں میں شفٹ ہو گیا تھا۔" راحیل نے اعتراف کیا "ویسے تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے مجھے خوشی کے موقع پر یاد کیا۔ اچھا یہ بتاؤ۔ تم دونوں کی سواری اس وقت کہاں جا رہی تھی؟"

"ہم دونوں فلم دیکھنے جا رہے ہیں ہمیں سینما ہال چھوڑ دو۔"

"کون سی فلم دیکھنے جا رہے ہو!" سگنل بند تھا۔ راحیل نے سگنل پر گاڑی روک کر پوچھا۔

"ناز سینما پر ایک پرانی پاکستانی فلم جھومر چل رہی ہے۔" رضوان نے بتایا۔

ایک نوجوان لڑکا اپنے ہاتھ میں بہت سارے پھولوں

www.taemeernews.com

کے ہار اور گجرے لے کر آیا تو راحیل نے اس سے ایک ہار اور گجرا لے کر طاہرہ کی طرف بڑھایا تو اسے کچھ گریز سا ہوا تو راحیل بولا۔ "بھابی! اسے لیں پھول تو عورت کی کمزوری ہیں۔ اس میں چنبیلی کی جان کلیاں ہیں۔ دیکھئے، کتنی اچھی خوشبو آ رہی ہے۔"

طاہرہ نے بادلِ نخواستہ اس کے ہاتھ سے پھول لے لیے اس نے لڑکے کو پیسے دینے کے لیے اپنی جیب سے بٹوا نکال کر کھولا تو رضوان نے دیکھا کہ وہ پانچ سو، سو، پچاس، دس اور پانچ کے نوٹوں سے بھرا ہے۔ ان پھولوں کی قیمت چار روپے تھی مگر راحیل نے دس کا ایک نوٹ نکال کر لڑکے کی طرف بڑھایا اور اس سے بولا "رکھ لو۔"

لڑکا خوش ہو کر اور سلام کر کے چلا گیا تو راحیل نے اس کی طرف چہرہ گھما کر کہا۔ "وی سی آر کے اس دور میں تم سینما ہال میں ایک پرانی فلم دیکھنے جا رہے ہو۔ اور سینما کا ماحول اب اس قسم کا نہیں ہے کہ عورتوں کو ساتھ لے جایا جائے پانچ دس روپے کرائے پر ایک کیسٹ ملتی ہے گھر بیٹھ کر مزے سے فلم دیکھتے۔"

"میرے پاس بارہ انچ کا بلیک اینڈ وہائٹ ٹیلی ویژن ہے۔ وی سی آر نہیں ہے کرائے پر فلم لا کر کیسے دیکھو؟"

"سو روپے کے کرائے پر وی سی آر اور رنگین ٹیلی ویژن تو مل جاتا ہے۔"

"تم سو روپے کی بات کر رہے ہو۔ پچاس روپے نکالنے مشکل ہوتے ہیں۔" رضوان بولا۔

"میری درخواست ہے کہ آپ دونوں آج فلم کا پروگرام منسوخ کریں۔ میرے ساتھ گھر چلیں۔ وہاں بیٹھ کر چائے ناشتا کریں۔ رات کا کھانا میری طرف سے ہوگا۔"

"نہیں یار! کسی اور دن ہی۔" رضوان بولا۔

"آج بھی سہی۔ کسی اور دن بھی سہی۔" راحیل نے کہا۔ "اب میں انکار کا لفظ سننا بالکل پسند نہیں کروں گا۔"

طاہرہ کچھ جز بز سی ہو گئی اسے فلم دیکھنے کا بہت زیادہ شوق تھا شادی کے بعد یہ دوسرا موقع ملا تھا فلم دیکھنے کا وہ بھی ہاتھ سے جا رہا تھا اب وہ کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی رضوان بھی خاموش ہو گیا۔ اس نے دیکھا کار تیزی کے ساتھ گلشن کی طرف جا رہی ہے۔ اس نے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ راحیل کی کایا پلٹ کیسے ہو گئی ہے؟

راحیل کے فلیٹ میں ان دونوں نے قدم رکھا تو وہ دونوں سحر زدہ سے کھڑے رہ گئے یہ ایک لگژری فلیٹ تھا۔ آرائش و زیبائش، راحت و آسائش کے لوازمات سے مزین۔ طاہرہ نے کسی فلم میں بھی اتنا خوبصورت اور شاندار فلیٹ نہیں دیکھا تھا۔ رضوان نے اس سے پوچھا۔ "بھابی کہاں ہیں؟"

"بھابی!" وہ طاہرہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "جب ہماری بھابی گھر میں آ گئی ہیں تو وہ تمہاری بھابی بھی لے آئے گی۔ میں نے اب تک شادی نہیں کی۔ اس لیے کہ کوئی لڑکی پسند نہیں آئی۔"

"تو تم اکیلے رہتے ہو؟"

"جی ہاں۔" اس نے جواب دیا، پھر وہ دونوں کو اپنی خوابگاہ میں لے آیا جو کسی شاہی خلوت گاہ کی طرح تھی۔ اس نے وہ ٹرالی کھولی جس پر اٹھائیس انچ کے سائز کا بہت ہی خوبصورت ٹیلی ویژن سیٹ رکھا تھا اس نے دس نئے ویڈیو کیسٹ نکال کر طاہرہ کے سامنے رکھ دیے۔ "اس میں پاکستانی اور انڈین فلمیں بھی ہیں۔ جو پسند ہے بتائیں میں اسے لگا دیتا ہوں۔"

طاہرہ نے ایک انڈین فلم پسند کی تو اس نے وی سی آر پر لگا دی اور طاہرہ سے بولا۔ "آپ برقع اتار کے اطمینان سے بیٹھ کر فلم دیکھیں۔ میں اور رضوان نشست گاہ میں بیٹھ کر گپیں لڑاتے ہیں، پھر چائے اور ناشتا بھی تیار کرتے ہیں۔" اس نے کمرے سے نکلنے سے پہلے ائر کنڈیشنر کو آن کیا۔ پھر وہ رضوان کو لے کر نشست گاہ میں آ گیا۔

رضوان کا دل بھی فلم دیکھنے کو چاہ رہا تھا اور دوسری طرف اس کے دل میں تجسس بھی تھا۔ وہ راحیل سے بھید لینا چاہتا تھا کہ اتنا بڑا آدمی کیسے بنا۔ یہ تجسس فلم کے شوق پر غالب آ گیا تھا رضوان بہت دیر تک اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ وہ اصل موضوع کی طرف آنے کے لیے بے تاب سا ہونے لگا تھا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے پوچھ ہی لیا۔ "یار! اچھا یہ بتاؤ اب تم کر کیا رہے ہو۔ یہ ٹھاٹ باٹ اور شاہانہ زندگی تم نے صرف ایک سال میں کیسے حاصل کر لی، کہیں ہیروئن کا دھندا تو نہیں کر رہے ہو۔ لگتا ہے کہ تم نے بہت اونچا ہاتھ مارا ہے۔"

راحیل اس کی بات سن کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "جب تک اونچا ہاتھ نہیں مارا جاتا اس وقت تک آدمی آدمی نہیں بنتا ہے۔ اس اونچے ہاتھ نے مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے میں راتوں رات ایک بے حد دولت مند آدمی بن گیا اگر میں اونچا ہاتھ نہیں مارتا تو تمہاری طرح اسی کمپنی میں جھک مار رہا ہوتا آج میرے پاس اپنا ذاتی فلیٹ، یہ شاندار کار اور بینک بیلنس

www.taemeernews.com

نہیں ہوتا۔ آج کل تمہیں کیا تنخواہ مل رہی ہے؟"

"سولہ سو روپے۔۔" رضوان نے جواب دیا: "میں تین ہزار روپے کا مقروض الگ ہوں۔"

"چھ سال سے اس کمپنی میں جھک مار رہے ہو تنخواہ کیا مل رہی ہے۔ سولہ سو روپے ہیں۔ کیا اس تنخواہ میں گزر بسر ہو جاتی ہے؟"

"کسی نہ کسی طرح ہو تو جاتی ہے۔ ہر مہینے قرض کے دو سو روپے کٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا بہت دیکھ سمجھ کے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مکان کا کرایہ بھی چار سو روپے ہو گیا ہے۔ والدہ کو دو سو روپے بھیجنے پڑتے ہیں۔"

"آخر کب تک اس تنخواہ میں گزر بسر کروگے؟" راحیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "آج شادی ہوئی ہے کل بچے بھی ہوں گے۔ اخراجات روز بروز بڑھتے جائیں گے۔ جبکہ تنخواہ سال دو سال میں ایک بار بڑھتی ہے دو ایک بچے ہو جائیں گے تو پھر آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا۔ تب کیسے گزر ہوگی کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے؟"

"پھر میں کیا کروں یار!" اس کا چہرہ بجھ سا گیا: "میں ایک کلرک ہوں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ میرے پاس تین ہزار تو کیا تین سو روپے بھی نہیں ہیں اگر کچھ رقم ہوتی تو میں کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا کاروبار ہی کر لیتا۔ سچ پوچھو تو اس نوکری سے عاجز آچکا ہوں۔"

"چھوٹا موٹا کام کروگے تو چھوٹے ہی آدمی رہوگے۔ بڑا آدمی بننے کے لیے بڑے کام کرنے پڑتے ہیں۔"

"چھوڑو ان باتوں کو۔" رضوان دل گرفتہ لہجے میں بولا: "میں چھوٹا آدمی ہوں۔ چھوٹا ہی رہوں گا۔ کبھی بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔"

"تم چاہو تو بڑے آدمی بن سکتے ہو؟" اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہر شخص چاہے تو بڑا آدمی بن سکتا ہے لیکن میں چاہوں تو بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔" رضوان نے بے دلی سے جواب دیا۔

"تم بڑے آدمی بن سکتے ہو اگر تیار ہو تو میں تمہیں راستہ بتا سکتا ہوں۔ تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" رضوان سنبھل کر بیٹھ گیا: "کیا تم مجھے منشیات کے دھندے میں لگانا چاہتے ہو؟"

"منشیات کا فروخت کرنا اتنا آسان نہیں ہے آج کل یہ دھندا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ ایک کام ایسا ہے جس سے تم راتوں رات لکھ پتی بن سکتے ہو۔ ایسا شاندار فلیٹ خرید سکتے ہو۔ گاڑی رکھ سکتے ہو، غیر ممالک کی سیر و سیاحت کر سکتے ہو۔"

"وہ کون سا کام ہے؟" رضوان نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

"وہ کام بڑا آسان ہے۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔" راحیل بے حد سنجیدہ ہو گیا۔

"کیسی شرط۔۔۔؟" اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"تمہیں مجھے بھی اس میں سے نصف حصہ دینا ہوگا۔ اس لیے کہ اس کام میں، میں بھی تمہارا پورا پورا ساتھ دوں گا، بلکہ یوں سمجھو کہ یہ سارا کام ایک طرح سے میں ہی انجام دوں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" رضوان نے اثباتی انداز میں اپنا سر ہلایا: "اس کام میں کتنا فائدہ ہوگا؟ میرے حصے میں کتنی رقم آسکے گی؟"

"یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اب ہر ماہ کی چھ تاریخ کو تمہارے دفتر والے بینک میں کتنی رقم جمع کراتے ہیں؟"

"تقریباً بیس لاکھ کی رقم ہوتی ہے کبھی کم بھی ہوتی ہے۔ کبھی زیادہ بھی، مگر کبھی رقم پچیس لاکھ روپے سے کم نہیں ہوتی اس لیے کہ نئی عمارتوں میں فلیٹ کی بکنگ بڑی کامیابی اور تیزی سے ہو رہی ہے گاہکوں کی ایک بہت بڑی تعداد پانچ تاریخ کو عموماً شام کے وقت نقد رقوم لے کر آتی ہیں۔ بہت ہی کم چیک وغیرہ جمع کرانے جاتے ہیں۔"

"بینک میں یہ رقم کون جمع کرانے کے لیے جاتا ہے؟"

"کمپنی کے مالک شیر افضل خان۔" رضوان نے بتایا: "یہ ایک راز کی بات ہے۔ دفتر میں میرے اور کیشیئر کے سوا کسی کو خبر نہیں کہ یہ رقم کون لے جاتا ہے۔ وہ بریف کیس میں رقم رکھ کر لے جاتے ہیں۔"

"ایسی بات ہے تو بارہ سے سولہ لاکھ کی رقم تمہیں بطور حصہ ملے گی۔"

رضوان اس کی بات کی تہ میں پہنچ کر ایک دم سے اچھل پڑا تھا: "کیا تم ڈکیتی کی واردات کروگے؟ وہ بریف کیس۔۔۔"

اس نے ششدر ہو کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ اسے جیسے یقین نہیں تھا۔ اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئی تھیں۔

"ہاں!" راحیل اس کے پاس آبیٹھا: "اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں ہے۔"

"مگر۔ مگر" رضوان کی زبان لڑکھڑائی "اس طرح تو ہم قانون کی گرفت میں آجائیں گے یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔"

"جب تک پولیس میں نااہل اور غیر ذمہ دار لوگ موجود ہیں اس وقت تک ہم جیسے لوگوں کے مزے ہیں۔ تم روز اخبار پڑھتے ہو ذرا یہ بتاؤ اخبار میں ڈکیتی کرنے والے ملزمان کی گرفتاری کی کوئی خبر تمہاری نظر سے گزرتی ہے۔ آج کل کراچی میں روزانہ ڈکیتی کی تین چار وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ لوگ لاکھوں روپے لوٹ کر فرار ہو جاتے ہیں کوئی بھی پکڑا نہیں جاتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی پکڑے نہیں جائیں گے۔ آج کل دولت مند بننے کا سب سے آسان راستہ یہی ہے۔"

"میں نے تو کبھی ایک پنسل تک نہیں چرائی۔ اتنی بڑی واردات کیسے کر سکتا ہوں" اس کا دل سینے میں دھڑکنے لگا "اگر میرے پاس سے مجھے پہچان لیا تو پھر ساری زندگی غارت ہو کر رہ جائے گی۔ میں دس برس کے لیے جیل گیا سمجھو۔"

"تم ابھی سے اتنے پریشان اور اس قدر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہو" راحیل نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا "تمہیں کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ سارا کام میں کروں گا۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ تم گاڑی چلاؤ گے۔ تمہیں تو گاڑی چلانا آتی ہے۔"

"دو تین برس سے کوئی گاڑی نہیں چلائی۔ اب تو پریکٹس بھی نہیں رہی۔"

"تم اس کی فکر مت کرو" راحیل نے اسے تسلی دی "میں تمہیں ایک پرانی کار لے کر دوں گا۔ تم اسے ایک ہفتے تک صبح سے لے کر شام تک ہر طرف چلاتے رہنا۔ اس ایک ہفتے میں خوب پریکٹس ہو جائے گی۔ اب تم پورے دس دنوں کی چھٹی لے لو۔ اس لیے کہ نویں دن چھ تاریخ ہے۔ ہم اسی ماہ کی چھ تاریخ کو عظیم کارنامہ انجام دیں گے۔"

"دس دنوں کی چھٹی تو مل جائے گی لیکن اس کے پیسے کٹ جائیں گے۔ آئندہ مہینے گزر بسر بڑی مشکل سے ہوگی۔"

راحیل نے اپنی جیب سے بٹوا نکال کر اس میں سے پانچ پانچ سو کے چار نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "اسے تم رکھ لو اور بے فکر ہو جاؤ۔ چھ تاریخ کو تم لاکھ پتی بن جاؤ گے لیکن میری ایک بات ذہن نشین کر لو۔ ہمارے اس منصوبے کی بھنک کسی بھی شخص کو نہ لگے۔ تمہاری اپنی بیوی کو بھی نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تیسرا شخص اس منصوبے سے آگاہ ہو جائے۔"

رضوان کو رقم لیتے ہوئے تذبذب سا ہوا مگر راحیل کے اصرار پر اس نے جلدی سے اپنی جیب میں رکھ لی پھر اس نے راحیل کو اطمینان دلایا "تم جیسا کہو گے اس پر سختی سے کاربند رہوں گا۔"

"کیوں نہ اس خوشی میں بھابی کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے پی جائے" راحیل نے تجویز پیش کی۔

"میں طاہرہ سے چائے بنانے کے لیے کہتا ہوں" رضوان اٹھتے ہوئے بولا

راحیل، رضوان کو اپنے ساتھ خواب گاہ میں لے آیا۔ طاہرہ نرم و گداز صوفے میں دھنسی ہوئی فلم دیکھنے میں محو تھی اسکرین پر ایک رومانی منظر تھا جسے وہ بڑے انہماک اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ہیرے کی سی چمک آگئی تھی۔ اور رخساروں پر خون کی حدت بڑھ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو کمرے میں دیکھ کر سنبھل کے جھینپ گئی اور دوپٹہ درست کرنے لگی۔ راحیل نے آگے بڑھ کر آواز بہت ہلکی کر دی۔ اس وقت گانا ہو رہا تھا پھر اس نے گھوم کر طاہرہ کی طرف دیکھا۔ وہ بغیر برقعے کے بیٹھی تھی۔ راحیل نے طاہرہ کی آنکھیں دیکھیں۔ سیاہ آنکھیں جن میں موتی کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے اپنی پلکوں سے اپنی چلمن گرا لی۔ راحیل کو اندازہ نہ تھا کہ طاہرہ اتنی پرکشش ہوگی۔ وہ ایک ٹک بے خیالی میں اسے دیکھنے لگا تو طاہرہ نے ان نگاہوں کی چبھن محسوس کی تھی اس لیے اس کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔ رضوان جو ٹیلی ویژن دیکھنے لگا تھا طاہرہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا "راحیل تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پینا چاہتے ہیں۔ چل کر چائے بنا دو۔"

طاہرہ اٹھ کھڑی ہوئی تو راحیل نے بڑی شائستگی سے کہا "آیئے بھابی! میں آپ کو کچن دکھا دوں۔"

رضوان اس کمرے میں رہ گیا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کمرے کا ماحول بڑا خواب ناک تھا۔ اس نے فرش پر بچھا قالین، نرم و گداز بستر، لمبا چوڑا پلنگ، پردے، صوفہ سیٹ، تپائی، وی سی آر، کلر ٹیلی ویژن اور ایک ایک چیز دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ جب اس کے ہاتھ لاکھوں روپے کی دولت ہاتھ لگے گی۔ وہ بھی اپنی خواب گاہ اسی طرح ایسی ہی چیزوں سے آراستہ و پیراستہ کرے گا۔

راحیل طاہرہ کو اپنے ساتھ کچن میں لے کر آیا۔ راحیل کو ایسا لگا تھا کہ اس کا فلیٹ کسی پھول کی خوشبو سے مہک اٹھا

www.taemeernews.com

ہے۔اس نے بہت سی حسین لڑکیاں اور عورتیں دیکھی تھیں۔ وہ روز ہی دیکھتا تھا لیکن ایسا تازہ گلاب اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ حسن ایسا دلنشیں اور اس کی چبھن اس قیامت کی تھی کہ وہ چبھن محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر طاہرہ عمدہ تراش کا کوئی لباس، یا ساڑی اور بغیر آستین کا بلاؤز پہن لے تو دو آتشہ بن جائے گی۔ اسے رضوان سے جلن ہونے لگی۔ یہ کم بخت اتنی حسین عورت کا شوہر کیسے بن گیا۔

اس نے چائے کے لوازمات طاہرہ کو نکال کر دیے اور اپنی آنکھوں کو سینک کر وہ کمرے میں آیا جہاں رضوان صوفے پر بیٹھا ٹیلی ویژن پر فلم دیکھ رہا تھا۔ راحیل کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس کمرے میں بیٹھے مگر وہ دل پر جبر کی سل رکھ کر بیٹھ گیا۔ رضوان سے باتیں کرتے ہوئے سوچنے لگا کیا وہ اس کی حسین بیوی کو حاصل کر سکتا ہے؟ اگر طاہرہ اس کی زندگی میں آجائے تو چار چاند لگ جائیں۔

کچھ دیر کے بعد طاہرہ چائے بنا کر لے آئی۔ وہ تینوں مل کر چائے پینے لگے۔ راحیل طاہرہ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ادھر طاہرہ بھی کھلنے لگی تھی۔ رضوان ان باتوں سے بے نیاز لاکھوں کے خواب میں کھویا ہوا تھا۔ بہت دور چلا گیا تھا۔ تصور میں وہ اپنے آپ کو راحیل کی جگہ سمجھنے لگا تھا۔

دن ڈوبنے کے بعد راحیل ان دونوں کو لے کر نکلا۔ پہلے تو ان دونوں کو کلفٹن لے جا کر وہاں کی سیر کرائی، پھر ایک ریستوران میں لے جا کے رات کا پر تکلف کھانا کھلایا۔ ان دونوں کو گھر لے جا کر چھوڑا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ طاہرہ کو گھر چھوڑ دے۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ طاہرہ کو ساری ساری رات اپنی کار میں لیے پھرتا۔ قربت کا ایک ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔ طاہرہ اس کی زندگی میں پہلی عورت تھی جس نے اسے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ اس کے ذہن پہ کسی بدلی کی طرح چھا گئی تھی اور وہ بدلی اس پر برس رہی تھی اور وہ جیسے بھیگ رہا تھا۔ وہ طاہرہ کے طلسم میں ایسا جکڑا ہوا تھا کہ اسے کار چلانا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا حسین چہرہ سراپا کی سحر سامانیاں، جل ترنگ جیسی ہنسی اور حیا جس کی سرخی اور حسین بنا دیتی تھی۔ وہ آنکھیں جن میں شراب کی سی مستی تھی اس کی نظروں کے سامنے بجلی کا کوندا بن کر اس کی آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں۔ وہ سوچنے لگا یہ پھول کیچڑ میں تنگ و تاریک فلیٹ میں اور رضوان جیسے مفلس و قلاش شخص کی زندگی میں اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ اسے تو اس کی زندگی اور اس کے گھر میں مہکنا چاہیے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ طاہرہ کو حاصل کر کے رہے گا۔ سانپ بھی مر جائے گا لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ وہ نہ صرف ڈکیتی کی وارداتوں میں لوٹی ہوئی رقم ہڑپ کرے گا بلکہ طاہرہ کو بھی لے اڑے گا۔ رضوان منہ دیکھتا رہ جائے گا۔

طاہرہ کے وجود میں خواب ناک راحتوں کا زہر پھونک طرح سرایت کر چکا تھا۔ اسے گزرا ہوا وقت کسی رنگین سپنے کی طرح لگ رہا تھا۔ اسے آج معلوم ہوا تھا کہ زندگی بہت حسین اور خواب ناک بھی ہے۔ گھر جنت جیسے بھی ہیں۔ راحیل کا فلیٹ اس کی نظروں میں بسا ہوا تھا۔ ایک ایک چیز اسے یاد آ رہی تھی۔ اس نے راحیل کی خواب گاہ میں نہ صرف نرم گداز بستر کو چھو کر دیکھا تھا بلکہ وہ اس پر چند لمحوں کے لیے لیٹ بھی گئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ پھولوں کی سیج پر لیٹی ہو۔ فرش پر بچھا ہوا قالین، سنگھار میز جس میں قد آدم پر آئینہ نصب تھا۔ اس نے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کتنی ہی دیر تک اپنا چہرہ اور اپنا سراپا ناقدانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ گھنٹوں اس آئینے کے سامنے کھڑی رہتی۔ بڑا سا ٹیلی ویژن سیٹ، وی سی آر اور فلم کے درجنوں ویڈیو کیسٹ بھی تھے ... کمرے سے ملحق غسل خانہ، بے حد صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ اس میں لمبا چوڑا باتھ ٹب تھا، شاور تھا، دیوار پر ایک بہت بڑا آئینہ بھی نصب تھا۔ وہ غسل خانے میں کتنی دیر کھڑی رہی تھی۔ منہ دھونا بھول گئی تھی۔ وہ کچن جو صاف ستھرا اور خاصا کشادہ تھا۔ وہ اپنا گھر اور اپنی زندگی کا راحیل کے گھر اور زندگی سے موازنہ کرنے لگی تو اسے اپنا گھر قبر کی طرح تنگ و تاریک اور زندگی جہنم کی طرح محسوس ہونے لگی تھی۔ سوچتے سوچتے اس کی ذہنی رو بہکی تو اس نے سوچا۔ اگر وہ رضوان کی بجائے راحیل کی بیوی ہوتی تو اس کی زندگی کتنی پرسکون اور خواب ناک ہوتی۔

رضوان بھی اس رات خواب دیکھتا رہا تھا۔ دوسرے دن اس نے راحیل کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے دفتر جا کر چھٹی کی درخواست دے دی اور سیدھا راحیل کے ہاں پہنچا۔ راحیل نے اس کے لیے ایک پرانی کار کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہ شام تک ایک بہت بڑے میدان میں کار چلانے کی مشق کرتا رہا۔ راحیل بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس

www.taemeernews.com

لے شام تک بہت اچھی طرح کار چلانا سیکھ لیا۔ دو تین سال پہلے وہ پارٹ ٹائم بچوں کی اسکول وین چلاتا تھا۔ اب پھر سے اس کا ہاتھ صاف ہو گیا تھا لیکن راحیل اس سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک ہزار روپے کی رقم رضوان کو دیتے ہوئے کہا: "تم روز دفتر جانے کے بہانے سے گھر سے نکلو گے۔ شام تک کراچی کی سڑکوں پر کار چلاتے رہو گے۔ تیز رفتاری کی پریکٹس کرتے رہو گے پھر گھر پہنچو گے۔ دوپہر کا کھانا کسی ہوٹل میں کھا لینا۔ مزید رقم کی ضرورت ہو تو بلا تکلف مجھ سے لے لینا۔"

جب دوسرے دن صبح رضوان اس کے گھر آیا اور کار کی چابی لی اور کار لے کر نکل گیا تو راحیل کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ صبح دس بجے گھر سے نکلا۔ رضوان کے گھر پر پہنچا تو گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ راحیل کو دیکھ کر وہ حیرت اور خوشی سے اچھل پڑی۔ "آپ؟ اندر آیئے۔"

راحیل نے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ وہ گھریلو لباس میں تھی۔ اس کا حلیہ بھی درست نہیں تھا، پھر بھی وہ بے حد حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ حسن کے ان گنت روپ ہوتے ہیں۔ ہیرا ہیرا ہی ہوتا ہے۔ اس نے دو کمرے کے اس چھوٹے سے فلیٹ کا جائزہ لیا، پھر طاہرہ کے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے بولا: "آپ لوگ جیل کی سی کوٹھری میں رہتے ہیں، دم نہیں گھٹتا ہے؟"

"مجبوری ہے۔" وہ دوپٹہ درست کرتی ہوئی بولی تو اس کی نظروں میں راحیل کا شاندار فلیٹ گھوم گیا۔

"آپ جیسی شہزادی کو کسی محل میں رہنا چاہیے تھا۔ یہ جگہ تو آپ کے قابل نہیں ہے۔"

"یہ تو مقدر کی بات ہے۔" اس نے اپنی نظریں نیچی کر کے کہا۔

"آپ کا مقدر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ چاہیں تو اپنی زندگی بنا سکتی ہیں۔ آپ کے پاس بھی ایک ایسا شاندار فلیٹ ہو سکتا ہے جیسا میرا ہے۔ آپ کی زندگی بھی خوابوں جیسی ہو سکتی ہے۔ کار، دولت اور آسائش آپ کے قدم چوم سکتی ہے..."

"سچ..." اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں موتی دمکنے لگے تھے۔ "وہ کیسے...؟"

"کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔" راحیل نے یہ بات کہتے ہوئے اس کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں۔

وہ اپنی بات کا ردِعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ طاہرہ سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔ اس کے بشرے پر انجانے خوف کی پرچھائیاں محسوس کر کے وہ جلدی سے بولا: "کسی بھی منزل پر پہنچنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ایک روز آپ کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جس کے آپ خواب دیکھتی رہتی ہیں۔ میں اس لیے آیا ہوا تھا کہ میں آپ کو کوئی تحفہ پیش کروں۔ اس لیے کہ میں آپ کی شادی کے موقع پر حاضر نہیں تھا۔ کوئی تحفہ نہیں دے سکا اب تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ کی پسند کا تحفہ۔ بتایئے آپ تحفے میں کیا لینا پسند کریں گی؟"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" وہ لجا کے بولی۔

"ضرورت کیوں نہیں ہے۔ جس طرح مجھے رضوان عزیز ہے۔ اس طرح آپ بھی ہیں۔"

"جو مرضی میں آئے وہ تحفہ دے دیں۔" اس نے اپنی لانبی لانبی پلکیں جھپکائیں۔

"اچھا آپ ایسا کریں۔" راحیل بولا۔ "کل میں گیارہ بجے دن آپ کے پاس آؤں گا۔ آپ کو ساتھ لے جا کر آپ کی پسند کا تحفہ دلاؤں گا، پھر آپ کو گھر لا کر چھوڑ دوں گا۔ آپ کو پہلے رضوان کو ابھی نہیں بتانا ہو گی۔"

"وہ کس لیے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "میں ان کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکالتی۔"

"اس لیے کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ میں نے یہ تکلیف کیوں اٹھائی۔ آپ اسے میری آج کی آمد کے بارے میں بھی نہیں بتائیں گی۔ جب کل آپ تحفہ لے آئیں گی تب بے شک بتا دیں۔ وہ آپ کے گھر سے نکلنے پر ناراض نہیں ہوگا، اس لیے کہ آپ کے ساتھ میں جو ہوں گا۔"

"آپ کل ایسا کریں گھر پر تشریف نہ لائیں۔" طاہرہ بولی۔ "یہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ بڑے تنگ نظر ہیں۔ وہ مجھ پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ وہ چہ میگوئیاں کریں گے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں اجنبی آدمی آتا رہتا ہے۔ آپ گیارہ بجے اسی بس اسٹاپ پر مل جائیں جہاں اس روز ملے تھے۔ میں آپ کا وہاں انتظار کروں گی۔"

راحیل اس کے ہاتھ کی چائے پی کر رضوان کے گھر سے نکلا تو بے حد مسرور تھا۔ اسے ایک امید سی بندھ گئی تھی۔ کہ یہ سنہری مچھلی اس کے جال میں پھنس جائے گی۔ ایک تیر سے دو شکار کرنا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں تھا۔

صبح راحیل آیا تو اس نے رضوان کو لفافہ دیتے ہوئے کہا: "تم ابھی اور اسی وقت یہ لفافہ لے کر حیدرآباد چلے جاؤ اور حیدرآباد کے کسی بھی ڈاک خانے سے اس کی رجسٹری کر دو۔ اگر آج اس کی رجسٹری نہ ہوئی تو مجھے لاکھوں روپے کا نقصان پہنچ جائے گا۔"

رضوان وہ لفافہ لے کر اسی وقت حیدرآباد کے لیے روانہ ہو گیا۔ راحیل ٹھیک گیارہ بجے طاہرہ کو لینے بس اسٹاپ پر پہنچ گیا۔ اسے زیادہ دیر بس اسٹاپ پر طاہرہ کا انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اسے طاہرہ تیزی سے کار کی طرف آتی دکھائی دی۔ جیسے ہی طاہرہ قریب پہنچی اس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ طاہرہ اگلی نشست پر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

راحیل نے طاہرہ کو دیکھا۔ وہ دلہن کی طرح سج دھج کر آئی تھی۔ گہرے اودے رنگ کا بھڑکیلا لباس اس نے پہن رکھا تھا۔ راحیل نے کار سڑک پر لاتے ہوئے کہا: "میں ابھی کچھ دیر پہلے رضوان کے دفتر گیا تھا۔ دفتر والوں نے بتایا کہ اسے اچانک کسی کام سے حیدرآباد بھیج دیا گیا ہے۔ وہ رات نو بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچے گا۔"

اس نے یہ خبر دانستہ طاہرہ کو سنائی تھی تاکہ وہ جلدی گھر واپس جانے پر اصرار نہ کرے۔ اس نے چور نظروں سے طاہرہ کا بشرہ بھانپا۔ یہ خبر سن کر طاہرہ کے چہرے پر طمانیت دوڑ گئی تھی۔ وہ دل میں خوش ہو رہی تھی۔ اب راحیل کے پاس اسے زیادہ دیر تک روکنے کا جواز باقی تھا۔ وہ اسے کسی دکان پر لے جانے کے بجائے اپنے فلیٹ پر لے آیا۔

طاہرہ نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ راحیل اسے دکان پر لے جانے کے بجائے اپنے فلیٹ پر لے آئے گا۔ اس نے اس طرح فلیٹ میں قدم رکھا جیسے شکاری کی آہٹ یا بو پا کر ہرن چوکنے ہو جاتے ہیں۔ راحیل کی بدلی نظرے اسے احساس ہوا کہ آج تحفے کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ وہ کمزور لمحے کے خیال اور اپنے آپ کو کمزور محسوس کر کے کانپ اٹھی تھی۔

راحیل نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کا شکار کسی بھی لمحے بدک سکتا ہے۔ اسے ایسی بھی کوئی جلدی بھی نہیں تھی۔ وہ اس تنہائی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ لمحوں اور عارضی فائدے کا قائل نہیں تھا۔ اس نے طاہرہ کو اپنے اعتماد میں لینے کے خیال سے کہا: "بھابی! آپ یہ خیال نہ کریں کہ میں تنہائی سے کوئی فائدہ اٹھاؤں گا۔" اس نے توقف کر کے اپنی جیب سے پستول نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "آپ میری ذات سے کوئی خطرہ محسوس کرتی ہیں تو اسے اپنی حفاظت کے لیے رکھ لیں۔ آپ یہاں جب تک رہیں گی ایک مقدس امانت کی طرح۔ آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی میرے لیے گناہ عظیم ہے۔"

طاہرہ نے اس کے ہاتھ سے پستول نہیں لیا۔ اسے راحیل کی باتوں میں بڑی سچائی نظر آئی تھی۔ آنکھوں میں کوئی میل دکھائی نہیں دیا۔ اسے راحیل پر بھروسا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ راحیل اس کے شوہر کا گہرا دوست ہے۔ وہ اس کی ذات پر کوئی بدنما داغ نہیں آنے دے گا۔ وہ یہاں پوری طرح محفوظ ہے۔

کچھ دیر کے بعد راحیل اسے اپنی خواب گاہ میں لے آیا۔ اس نے اپنی الماری کی تجوری کھول کر اس میں سے ایک بڑی پوٹلی باہر نکالی۔ اور اسے اپنے بستر پر الٹ دیا۔ ڈھیر سارے زیورات بستر کی چادر پر جگمگانے لگے۔ یہ زیورات قیمتی اور نادر ہیروں سے جڑے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر طاہرہ کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ اتنے سارے زیورات اس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھے تھے۔

"آپ ان میں سے اپنے لیے کوئی ایک زیور پسند کر کے لے لیں۔" راحیل اسے اپنی نظروں میں جذب کرتے ہوئے بولا:

"سچ!" وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔ اس کے پاس جو پانچ تولے کے زیورات تھے وہ سارے مل کر بھی ان میں سے کسی ایک زیور کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بڑے قیمتی زیورات تھے۔ وہ للچائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی: "یہ زیورات کل کتنے کے ہیں؟"

"دس لاکھ روپے کے۔۔۔"

"دس لاکھ روپے کے!" اس نے ششدر ہو کر راحیل کی طرف دیکھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "اتنے سارے زیورات آپ نے کس لیے خرید کر رکھے ہوئے ہیں؟"

"اپنی ہونے والی بیوی کے لیے۔۔۔"

"آپ کی بیوی تو اب تک نہیں آئی۔ اگر میں یہ سارے زیورات پسند کر لوں تو۔۔۔" طاہرہ نے ازراہ مذاق پوچھا تھا۔

"آپ سارے زیورات لے سکتی ہیں لیکن ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط۔۔۔؟" طاہرہ کی آنکھوں میں حیرانی بھر گئی۔

"آپ کو میری بیوی بننا ہوگا۔ اگر آپ میری بیوی بننا منظور کر لیں تو نہ صرف یہ لاکھوں روپے کے زیورات بلکہ میرے لاکھوں روپے کا بینک بیلنس، یہ فلیٹ، کار اور غیر ممالک کی سیر و سیاحت اور تفریح آپ کے مقدر میں لکھ دی جائے گی۔"

www.taemeernews.com

"جی۔ جی۔ میں تو شادی شدہ ہوں۔"

"تو کیا ہوا؟" راحیل بولا۔ "شادی ٹوٹ بھی سکتی ہے۔ یہ سب پانے کے لیے آپ کو رضوان سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ سولہ سو روپے کی تنخواہ والا شخص آپ کو سولہ برس میں بھی وہ راحت اور سکون نہیں پہنچا سکتا جس کے آپ اور دنیا کی ہر عورت خواب دیکھتی ہے۔ آپ ساری زندگی ایسی تنگ و تاریک کوٹھری میں سڑتی رہیں گی جو جیل کی کوٹھری کی طرح ہے۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے۔ کیا زندگی جانوروں کی طرح گزاری جاتی ہے۔ کیا زندگی سسک سسک کر مرنے کا نام ہے کیا یہ بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔" وہ توقف کرکے اس کے پاس آیا۔ "میں باہر جا رہا ہوں۔ ٹھیک دو بجے آؤں گا۔ آپ یکسوئی سے سوچیں، فیصلہ کریں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ آپ کو کون سی زندگی پسند ہے۔ جنت کی یا جہنم کی؟"

"مگر۔۔۔" طاہرہ نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ زبان اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ اس لمحے اس کا دماغ چکرا کے رہ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ وہ تو خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ اپنے شوہر کو چھوڑنے کی اسے اتنی بڑی قیمت مل سکتی ہے۔ رنگین سپنے مل سکتے ہیں راحت و آسائش سے بھر زندگی مل سکتی ہے۔ جس کا ایک ایک لمحہ ناقابل فراموش ہوگا۔

"زندگی میں سنہرے مواقع بار بار نہیں ملتے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو یہ سنہرا موقع پہلی اور آخری بار مل رہا ہے۔ آپ اطمینان سے، سکون سے، ٹھنڈے دل سے، ایک حقیقت پسند عورت بن کر سوچیں۔ رہا مسئلہ رضوان سے نجات پانے کا تو یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ میں اسے بڑی سے بڑی قیمت ادا کر کے آپ کو حاصل کرلوں گا، اچھا اب میں جا رہا ہوں۔ آپ اندر سے دروازہ مقفل کرکے سوچیں۔ آپ کے پاس پورے دو گھنٹے ہیں۔"

راحیل اسے سکتے کی سی حالت میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اس نے وہ تمام زیورات یونہی چھوڑ دیے تھے۔ اسے ان زیورات کی اتنی فکر نہیں تھی۔ وہ تمام زیورات نقلی تھے جو اس نے کل ہی ایک منصوبے کے تحت خریدے تھے۔ وہ ان زیورات کی مدد سے لوٹ مار کرنا چاہتا تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ طاہرہ کو کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں ہے۔ وہ تو رضوان اور طاہرہ دونوں کو بے وقوف بنانا چاہتا تھا۔ لوٹ لینا چاہتا تھا۔ اس کے لیے طاہرہ کا حصول کوئی مشکل نہیں رہا تھا۔

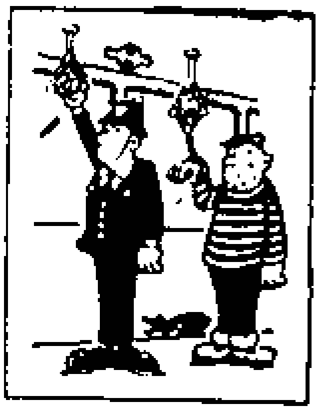

راحیل کے باہر نکلتے ہی طاہرہ کی نظروں کے سامنے کوندا سا لپکا تھا۔ اس نے زیورات کے ڈھیر کو دیکھا۔ اس گھر کو اور اس گھر کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔ اس کی نس نس میں خواب ناک راحتوں کا زہر پھر سے سرایت کرنے لگا تھا۔ اسے یاد آیا۔ اس کی ماں نے رخصتی سے قبل کہا تھا۔ شوہر، عورت کا سب سے بڑا زیور ہوتا ہے۔ شوہر کی محبت سب سے بڑی دولت ہوتی ہے شوہر اسے خوش رکھے تو وہ سمجھے کہ اس نے سب سے بڑی راحت و آسائش پالی ہے۔ مگر وہ سب باتیں تھیں۔ اس نے پلنگ پر بیٹھ کر سوچا۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

راحیل ٹھیک دو بجے آیا تو وہ بولی: "مجھے آپ اس گھر تک پہنچنے کے لیے راستہ بتانے دیجیے۔"

"راستہ تو میں بتاؤں گا۔" راحیل اس کا جواب سن کر خوش ہو گیا۔ "چلیے۔ باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں، میں آپ کو رضوان سے نجات پانے کی تدبیر بتاتا ہوں۔"

چھ تاریخ کی صبح رضوان، راحیل کے ہاں پہنچ گیا۔ راحیل نے اس کا ایسا میک اپ کیا کہ اسے کوئی بھی پہچان نہ سکے اس نے خود بھی میک اپ سے اپنا حلیہ بدل لیا تھا۔ وہ دونوں صدر پہنچے۔ راحیل نے اپنی گاڑی گھر پر چھوڑ دی۔ اس نے صدر کے علاقے سے ایک نئی سفید ٹویوٹا کرولا اڑا لی۔ پھر وہ دونوں اس سنسان جگہ پر آگئے جہاں سے رضوان کے باس کی کار گزرنے والی تھی۔ ٹھیک گیارہ بجے نیلے رنگ کی کار آتی دکھائی دی جس کا ان دونوں کو بے چینی سے انتظار تھا۔ اس کار کو روک کر راحیل نے اس کے باس سے جو بریف کیس چھینا وہ اسے اتنا آسان سا لگا کہ اس نے سوچا کہ وہ بھی ڈکیتی کی واردات بڑی آسانی سے کر سکتا ہے۔ راحیل کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر باس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے ذرا بھی مزاحمت نہیں کی تھی۔ راحیل نے بریف کیس لینے کے بعد باس کی کار کا ایک ٹائر پنکچر کر دیا تھا۔

www.taemeernews.com

راحیل کے کار میں بیٹھتے ہی اس نے کار کو جیٹ طیارے کے انداز میں چلانا شروع کر دیا۔ اس کی نظروں کے سامنے لاکھوں روپے کی رقم لہرا رہی تھی۔ وہ راحیل کے فلیٹ جیسے فلیٹ اور حسین زندگی کا خواب دیکھنے لگا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ ادھر راحیل کے لبوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ اس نے سوچا۔ انسان سوچتا کیا ہے لیکن ہوتا کیا ہے۔ رضوان جو کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔ وہ اس رقم میں سے ایک روپیہ بھی نہیں دے گا۔ طاہرہ اس کے فلیٹ میں بیٹھ کر کیسے کیسے سپنوں سے حسین زندگی کا جال بن رہی ہوگی۔ وہ اسے اس شہر سے دور لے جائے گا۔ جی بھرنے کے بعد اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ دے گا۔ جو وہ سوچ رہا ہے وہی ہوگا۔

اس نے اچانک ایک جگہ رضوان کو گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ رضوان نے گاڑی روک لی تو وہ بولا: "تم ابھی اور اسی وقت اپنے گھر پہنچ کر باہر جانے کی تیاری کرو۔ ایک سوٹ کیس میں چند جوڑے رکھ لینا۔ ہم دونوں شام پانچ بجے کی فلائٹ سے پشاور جائیں گے۔ وہاں چار دن رہ کر واپس آئیں گے۔ میں اس رقم کو ایجنسی میں رکھ کر آتا ہوں۔ اس بریف کیس کو ساتھ لے جانے میں خطرہ ہے اور پھر یہ کتنا بھاری بھی لگ رہا ہے۔"

رضوان اس کی باتوں میں آکر گاڑی سے اتر گیا۔ وہ گاڑی لے کر تیزی سے اپنے فلیٹ کی طرف چل پڑا۔ دل میں قہقہے لگانے اور رضوان کی سادگی پر تمسخرانہ انداز سے ہنسنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔ الّو۔ بے وقوف!

وہ جلد سے جلد فلیٹ پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں طاہرہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے سوچا وہ اسے اور رقم لے کر سوات چلا جائے گا۔

راحیل نے نصف میل کا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ ایک سفید ٹویوٹا کرولا کار نے جس میں چار آدمی سوار تھے اسے رکنے پر مجبور کیا۔ جب تک وہ صورت حال کو سمجھتا اس میں سے تین مسلح آدمیوں نے اتر کے اسے اپنے نرغے میں لے لیا ایک نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پچھلی نشست کے دروازے کا شیشہ کلاشنکوف کے بٹ سے توڑا۔ دروازہ کھولا اور بریف کیس باہر نکال لیا۔ وہ اپنی محنت اور منصوبے پر پانی پھرتا دیکھ کر خون کے گھونٹ پیتا رہ گیا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے لوٹ لیا جائے گا۔ پھر اسے یاد آیا کہ انسان جو سوچتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔

وہ لوگ جیسے ہی بریف کیس لے کر کار میں بیٹھے اس پر جنون سوار ہو گیا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کار پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ کا نتیجہ اس کے حق میں برا نکلا۔ اس کار سے گولیوں کی بوچھار شروع ہو گئی، پھر اسے دوسری دنیا میں جانے میں لمحوں کی دیر بھی نہیں لگی۔

رضوان گھر پہنچا۔ طاہرہ اپنے شوہر کو ناوقت گھر پہ دیکھ کر اچھل پڑی پھر اس نے اپنے شوہر اور اپنے گھر کو دیکھا اور اس کے سینے سے جا لگی اس کے لیے شوہر سے بڑی دولت کوئی نہیں تھی۔ وہ اسی لیے فلیٹ پر نہیں گئی تھی۔ اس کا دل یکدم سے بھر آیا تو وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رضوان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس نے گھبرا کر طاہرہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تو طاہرہ کے ہاتھ سے راحیل کی فلیٹ کی چابیاں نکل کر فرش پر گر پڑیں۔

◆

وہ چاروں بدمعاش بڑی تیز رفتاری سے کار چلاتے ہوئے اپنے اڈے کی طرف بڑھے ان کا باس دانت پیستا ہوا بولا: "ذلیل کمینے نے ریوالور نکال کر فائرنگ شروع کر دی تھی۔ کار کا ٹائر پنکچر ہو جاتا تو بڑی مشکل ہو جاتی... کمینہ اکیلے ہی اکیلے ساری دولت ہضم کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا!"

"مگر اس شخص اور اس کے آدمی کا جواب نہیں!" ایک ساتھی بولا "دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بریف کیس چھینا۔ یہ جا اور وہ جا۔ اس کا ڈرائیور بہ مشاق آدمی تھا۔ وہ تو جیٹ طیارے کی تیزی سے کار اڑاتا ہوا لے گیا تھا۔ ہم تو اس کی گرد بھی نہیں پا سکے تھے۔ اگر وہ ڈرائیور بعد میں بھی اس کے ساتھ ہوتا تو آج ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ وہ ڈرائیور کہاں گیا؟ اس نے کہاں اور کس لیے اسے اتار دیا؟!"

"تم کیوں اس کی فکر میں دبلے ہو رہے ہو۔ شکر کرو کہ چھتیس لاکھ کی رقم مل گئی" تیسرے ساتھی نے کہا "اگر وہ ڈرائیور کو نہیں اتارتا تو ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔"

ان لوگوں نے اپنے اڈے پر پہنچ کر بریف کیس کھولا۔ بریف کیس کے کھلتے ہی وہ چاروں اچھل پڑے تھے۔ اس بریف کیس میں انگریزی کے پرانے رسالے بھرے ہوئے تھے... ان کا منہ چڑا رہے تھے۔

دہلی ۱۶۳ اگست ۶۸۹

www.taemeernews.com

احمد صغیر صدیقی

خدا نے انسان کو دو کان عطا کئے ہیں جبکہ زبان ایک۔ تاکہ انسان سُنے زیادہ بولے کم۔ کیونکہ زبان کو فساد کی جڑ کہا گیا ہے۔ انسان اسی کی بدولت مصیبت میں پھنستا ہے

مغرب سے درآمدہ ایک محتاط لیکن چرب زبان انسان کا فسانہ جب اس کا سامنا ایک اور باتونی سے ہو گیا

میتھو فارلے پورے ایک ہفتے سے اپنے گھر کے دروازے پر کسی دستک کی توقع کر رہا تھا۔ وہ اپنے کام پر نہیں جا رہا تھا اور دعا کر رہا تھا کہ یہ دستک کبھی نہ دی جائے۔ وہ اپنے دو کمروں کے اس اپارٹمنٹ میں بالکل مقید ہو کر رہ گیا تھا۔ خشک خوراک اور ڈبوں میں بند غذا کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہا تھا۔ باہر وہ اسی وقت نکلتا تھا جب دودھ اور انڈوں کا اسٹاک ختم ہو جاتا تھا۔

اس نے خود کو گھر تک محدود صرف اس لیے کر رکھا تھا کہ شاید اُسے نہ دیکھ کر وہ لوگ یہی سمجھیں کہ وہ شہر سے کہیں چلا گیا ہے لیکن یہ تمام پیش بندیاں فضول ہی ثابت ہوئیں۔ بالآخر یہ دستک ہو کے ہی رہی۔

دستک دوبارہ ہوئی۔ اس بار اس میں زیادہ زور تھا۔ لیکن اسے اُمید نہ تھی کہ یہ دستک اس طرح دی جائے گی۔

وہ تو سمجھ رہا تھا کہ دروازے کو ٹھوکر ماری جائے گی، پھر مشین گن کا برسٹ چلے گا۔ سب کچھ اسی طرح ہوگا جس طرح اس مرنے والے کے ساتھ ہوا تھا جو بلیئرڈ روم میں مارا گیا تھا۔ یہ دستک بالکل اور طرح کی تھی۔

اس نے اپنے اندر ابھرنے والے خوف پر قابو پانے کی کوشش کی۔

دستک ایک بار پھر ابھری لیکن یہ دستک ہرگز ایسی نہ تھی، جسے موت کی دستک کہا جا سکتا۔

"مسٹر فارلے!" آواز موٹے دروازے سے چھن کر بہت ہلکی ہو کر اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ تذبذب کے عالم میں رُکا رہا۔

"مسٹر فارلے کیا تم اندر موجود ہو؟"

وہ خاموشی سے دبکا رہا۔ شاید یہ آدمی چلا جائے۔

"مسٹر فارلے میں پولیس کا آدمی ہوں۔ ہمیں پتا ہے تم اندر ہو۔ دیکھو مجھ سے بات کر لو"۔ کچھ توقف کے بعد کہا گیا۔ "مسٹر فارلے کیا تم سن رہے ہو؟"

کیا واقعی یہ پولیس ہی کا آدمی ہے؟ کیا واقعی یہ کیوں... نہیں یہ اگر قاتل کو یہ پتا ہو چکا ہے کہ اس نے اسے دیکھ لیا ہے تو پھر پولیس کو بھی یہ بات بہر حال معلوم ہو سکتی ہے۔ اس نے تشویش کے ساتھ اپنے انگوٹھے کے ناخن کو دانتوں سے کترنا شروع کر دیا۔

دستک ہو رہی تھی۔

متذبذب لہجے میں اس نے کہا تھا۔ "ہا... ہاں"۔ اس نے آواز نکالنے کی سعی کی لیکن جرأت کے فقدان کی وجہ سے پوری طرح نکل ہی نہ سکی۔

"مسٹر فارلے"۔ آواز میں تھوڑی سی اُمید جھلملا رہی تھی۔ جیسے اس نے یہ ہلکی آواز سن لی تھی۔ یقیناً باہر کے آدمی نے اُسے خاصا تلاش کیا ہوگا جبھی تو وہ یہاں تک پہنچا تھا۔

"مسٹر فارلے پلیز مجھے بات کرنے کا موقع دو۔ میں چھ روز سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔ پولیس اسٹیشن پر لوگ تمہاری طرف سے فکر مند ہو رہے ہیں"۔

فارلے دروازے کی سمت بڑھا لیکن اس نے اسے کھولا نہیں وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دروازے کے شیشے کے ساتھ اپنا چہرہ لگا دیا۔ اس کی سانسیں اس کے حلق میں پھنس رہی تھیں۔ آخر اس آدمی نے اتنی باتیں کیوں کیں؟ کہیں یہ قاتلوں میں سے تو نہیں؟ لیکن نہیں۔ اس کی آواز میں ایک نوع کا اعتماد تھا۔ یہ آدمی قاتل نہیں ہو سکتا۔

اس کا چہرہ شیشے سے ٹکرایا تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اسے اپنا عکس اس میں دکھائی دیا۔ وہ قدرے فربہ ہو گیا تھا۔ اس کے سر کے بال سفید ہو رہے تھے۔ قلمیں گھنی تھیں۔ آنکھیں نیلی تھیں۔ ان میں پانی سا بھرا ہوا تھا۔ اس کے نتھنے پھول پچک رہے تھے۔ وہ کوئی خوش شکل آدمی نہ تھا۔ اس کے سامنے کوئی بڑے عزائم بھی نہ تھے

www.taemeernews.com

وہ تو بس ایک معمولی سا آدمی تھا جس کے پاس کوئی بڑا ہنر بھی نہ تھا۔

وہ اس بڑی دُنیا میں ہزاروں آدمیوں میں سے ایک معمولی سا آدمی تھا۔ اگر اس میں کوئی ہنر تھا تو بس بولنے کا ہنر تھا۔ وہ ایک باتونی اور لسان آدمی تھا۔ اپنی اسی صلاحیت کی بنا پر بہرحال وہ کسی حد تک دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا۔

لیکن اس کی آواز بھی گم ہو گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنی بولنے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھا تھا۔ اس نے مُنہ سے آواز نکالنے کی سعی کی "نہ... نہیں!"

آواز نے اس کے عرق آلود چہرے پر ایک رنگ بکھیر دیا۔

"مسٹر فارلے! تمہیں مجھ سے بات کرنی ہوگی۔ میرا نام کاڈویل ہے۔ میں ڈٹیکٹو کاڈویل ہوں۔ تیسویں تھانے سے میرا تعلق ہے۔ تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ مجھے بھیجا گیا ہے کہ میں تم سے... مگر تم..." آدمی نے جھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "مسٹر فارلے میں تمہاری مدد کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم مجھ سے ملو گے ہی نہیں تو میں کیا کر سکوں گا؟"

فارلے نے شیشے پر ہاتھ رکھا تو وہاں نمی اُبھر آئی۔

"میں... میں دروازہ کھولنے سے ڈر رہا ہوں۔"

"مسٹر فارلے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک پولیس مین ہوں۔ میں تمہاری مدد کے لیے آیا ہوں۔" آدمی نے چیخ کر کہا پھر وہ جھلاتا ہوا مڑا۔ اس کے قدموں کی چاپ دور ہوتی محسوس ہوئی۔

گھبراہٹ نے اُسے بے چین کر دیا۔ پولیس والا جا رہا تھا۔ اُسے روکنا چاہیئے۔

فارلے نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور اپنا سر باہر نکالا۔ پولیس مین سیڑھیوں کے سرے پر ٹھٹک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔

"اوہ!" کاڈویل نے کہا۔ اس کے چہرے پر اطمینان بکھر گیا وہ حیرت زدہ بھی ہو رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔ دراصل میں بے حد پریشان ہوں۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔"

کاڈویل مڑا اور اس کی سمت بڑھا۔

"مسٹر فارلے کیا میں تم سے چند باتیں کر سکتا ہوں؟" اس کے لہجے میں معقولیت تھی۔

فارلے کو اب قدرے سکون سا محسوس ہوا۔ وہ اب قانون کے محافظ کے پاس تھا۔ اس کا اعتماد بحال سا ہو گیا۔ "ہاں کیوں نہیں اندر آ جاؤ۔"

کاڈویل نامی شخص نے دروازے میں داخل ہونے سے قبل اپنے قدم روک لیے۔ "مسٹر فارلے!" اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کچھ ڈھونڈا پھر اپنا بٹوا نکالا اور اسے کھولتے ہوئے بولا۔ "تم میرا شناختی کارڈ دیکھ لو تاکہ تم سکون سے بات کر سکو۔"

"اوہ... اندر آ جاؤ۔ پلیز۔" اس کی چرب زبانی لوٹ آئی تھی... ہو گئی تھی۔

کاڈویل کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنی لیپ... سے ... ہماری۔ فارلے نے اُسے بیٹھنے کے لیے کرسی کی سمت اشارہ کیا اور خود سامنے کے صوفے پر گر گیا۔

"مسٹر فارلے!" کاڈویل نے گفتگو کی ابتدا کی۔

"ہاں کہو!" فارلے نے کہا۔ تاہم اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس بات کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا جو ... معلوم تھی اور جو کچھ اس نے سڑک پر دیکھا تھا۔

"دیکھو مسٹر فارلے!"

"تم مجھے میتھو کہو۔ جن دنوں تھیٹر میں کام کرتا تھا۔ میں نے یہی نام اختیار کی تھا۔ سادہ سا نام ہے لیکن اچھا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا! اداکار کے لیے ایسے نام اچھے ہوتے ہیں نا؟"

"چلو میتھو ہی سہی۔ میں دراصل یہاں لیفٹیننٹ فورڈ نے ... کی ... بھیجا آیا ہوں۔ تیسویں تھانے کا انچارج وہی ہے۔"

میتھو مسکرا دیا۔ وہ اب خاصا مطمئن اور پُراعتماد ہو رہا تھا۔ وہ اب فوراً ہی کچھ بولنا چاہتا تھا۔ چند روز سے وہ مسلسل چُپ تھا اور اس کی زبان کھول رہی تھی۔ اسے اس لیے بے حد طمانیت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس وقت کسی سے مخاطب تھا۔ کسی سے بات کر رہا تھا۔

کاڈویل بولتا رہا۔ "پانچ دن قبل یہاں سے صرف ایک بلاک کے فاصلے پر مسٹر پریکی نامی ایک شخص کا قتل ہوا تھا۔ وہ ایک جواری تھا۔ چند خطرناک سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے ہمیں وہ مطلوب تھا اور ہم اسے چند ماہ سے تلاش کر رہے تھے۔ اسے صرف اس لیے قتل کیا گیا تھا کہ اس نے ایک لمبے ہاتھ میں ملنے والی خاصی بڑی رقم اپنے ساتھیوں سے چھپا لی تھی۔ مسٹر فارلے کیا تمہیں اس قتل کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

... مسٹر فارلے ... اور وہ ... بتا رہا تھا۔

... وہ ... تھا۔

... قتل کی بات کر رہے ہو مجھے

www.taemeernews.com

اس کا کچھ پتا نہیں۔ جب سے میں نے تجھے چھوڑا ہے، میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ بس تو بس کسی نہ کسی طرح اپنے آفس چلا جاتا ہوں۔ صبح سے شام تک۔ تمہیں پتا ہے کہ میں ان دنوں۔۔۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" کاڈویل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر لوہیت ابھر آئی تھی۔ اس نے اپنے مضبوط ہاتھوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے پتا ہے کہ تم پیٹرسن والوں کے ہاں ملازم ہو۔ تمہاری عمر باون سال ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم دل کے مریض ہو۔ مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔ میں چھ روز سے تمہاری تلاش میں تھا۔" رک کر اس نے کہا۔ "مجھے تمہاری تلاش اس لیے تھی کہ جہاں قتل ہوا تھا، وہاں اس وقت تمہیں بھی دیکھا گیا تھا۔ میں یہاں بلاوجہ نہیں آیا ہوں۔ براہ کرم مجھے بتاؤ کہ تم نے وہاں کیا دیکھا تھا؟"

میتھو فارلے نے اپنے ہاتھوں کو آپس میں رگڑا پھر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔ "مگر مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"کیا کہا۔۔۔؟"

اس نے بلند آواز سے کہا۔ "مسٹر کاڈویل، میں کچھ نہیں جانتا۔"

کاڈویل اپنی نشست پر جھک آیا۔ "مسٹر فارلے۔ تم بلاوجہ خوف زدہ ہو۔ یہ معاملہ خاصا سیریس ہے۔ تمہیں نہیں معلوم ایک پولیس مین کی کیا ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ شہر کو جرائم سے پاک رکھنے کے لیے ہمیں بے حد محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس میں ہمیں لوگوں کی مدد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر تم نے ہماری مدد نہ کی تو ہم بھلا کیا کر سکیں گے؟"

"تم کیا چاہتے ہو مجھ سے؟" میتھو فارلے نے جھنجلا کر پوچھا۔ وہ اس آدمی کی باتوں سے برہم ہو گیا تھا۔ "میں ایک پرامن شہری ہوں۔ مجھے بھی قتل اور جرائم وغیرہ سے اسی قدر نفرت ہے جتنی تمہیں ہے۔ ٹھیک ہے کہ میں کوئی ہیرو نہیں ہوں لیکن اگر مجھے کچھ معلوم ہوتا تو میں تمہیں ضرور بتا دیتا۔ مگر مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔ میرا خیال ہے اب تم جا سکتے ہو۔" اس نے برہم انداز میں ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ سوچ رہا تھا کاش میں نے دروازہ کھولا ہی نہ ہوتا۔ [illegible] اب ایک اور ہی دھڑکا لگا ہوا تھا۔ [illegible] کہیں قاتل نے اس کا تعاقب نہ کیا ہو۔ [illegible] جہاں پہنچ سکتا تھا۔

[illegible] بعد سے مجھ کو [illegible] ہوا۔ اس کے چہرے پر [illegible] نے مقتول کو جس کمرے میں [illegible] جتنا بڑا تمہارا کمرہ ہے [illegible]

مگر وہ بچا کیا تھا تو قاتل نے گولیاں برسائی تھیں۔ کئی راہگیر بھی زخمی ہوئے تھے۔ قاتل ابھی تک فرار ہے۔ وہ کسی کو بھی نشانہ بنا سکتا ہے۔ اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔ کیا تم کو ذرا بھی خیال نہیں کہ تمہاری خاموشی سے وہ بچا رہے گا اور معاشرے کو نقصان پہنچتا رہے گا؟"

"مجھے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں۔" بقیہ کر اس نے کہا۔ "مجھے کسی کی فکر نہیں۔ میں بس اپنے بارے میں سوچتا ہوں اور بس۔"

"یہ ایک خود غرضانہ عمل ہے مسٹر فارلے۔" کاڈویل نے غیر جذباتی لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فارلے نے کہا۔ "لیکن دوسروں کو بھی تو میری کوئی پروا نہیں۔ مجھ پر کیا بیتی۔ کبھی اس کے بارے میں کسی کو کوئی پروا نہیں۔ نہیں مسٹر کاڈویل، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں اتنا بے وقوف نہیں۔ میں اپنا منہ بند رکھوں گا۔ مجھے سرے سے کچھ نہیں معلوم اور اگر مجھے کچھ معلوم بھی ہے تو میں ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ سن لیا تم نے۔ میرا خیال ہے اب تم جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔" پھر اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے اس نے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

اسے اپنے عقب میں کاڈویل کی آواز سنائی دی۔ وہ حقارت آمیز انداز میں بول رہا تھا۔ "تم بے حد بزدل آدمی ہو میتھو۔ بے حد بزدل۔ تمہیں آدمی کہنا بھی درست نہیں۔ تم سے مل کر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔"

ہیٹ میز سے اٹھائی گئی لیکن میتھو فارلے نہیں مڑا۔

"مجھے افسوس ہے لیکن میرے لیے اسی میں عافیت ہے۔ میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ میری طبیعت بگڑ رہی ہے۔ تم اب جاؤ۔"

"ٹھیک ہے لیکن مسٹر فارلے، پولیس تمہیں طلب کر سکتی ہے۔ سمجھے! البتہ یہ بات ضرور ہے کہ تمہاری خاموشی سے ہم الجھ گئے ہیں۔ تم اس وقت واقعے کے واحد عینی شاہد تھے۔"

فارلے کے ذہن میں ایک تصویر سی ابھری۔

"تاہم اگر عدالت تک یہ بات پہنچی تو تم پر ثبوت [illegible] کے جرم میں مقدمہ چل سکتا ہے۔ تم جیل بھی جا سکتے ہو۔"

میتھو کے ذہن میں ابھرنے والی تصویر عدالت کی تھی۔ اس نے خود کو [illegible] کے کٹہرے میں کھڑے دیکھا۔ وہ اپنے نیلے سوٹ میں تھا۔ اس نے اپنے بال [illegible] وکیل [illegible] کی بات چل [illegible]

زندگی میں پہلی بار وہ لوگوں کی نگاہ کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ اب معمولی سا کلرک نہیں تھا۔ اس کی تصاویر اخباروں میں آ رہی تھیں۔ وہ ایک اہم آدمی تھا۔ اہم لوگ اس کے الفاظ غور سے سن رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے مڑا۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں کچھ نہیں معلوم تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔ ٹھیک ہے مسٹر فارلے الوداع!" کاڈویل چُپ ہو کر دروازے کی سمت بڑھا۔

"ذرا ٹھہرنا!" اس کی آواز میں جذباتی ارتعاش تھا۔ "تم نے کہا یہ کیس خاصا اہم ہے کیوں؟"

کاڈویل کا بُجھا ہوا چہرہ چمک اٹھا۔ "بالکل... یہ ایک اہم کیس ہے جناب۔ ہم آپ کی مدد سے اس شہر کو غنڈوں کے پورے گروہ سے پاک کر دیں گے۔ یہ ایک بہت بڑی بات ہوگی!"

میتھو فارلے فیصلہ کر چکا تھا۔

اُسے غنڈوں کی سرکوبی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ شہر کے امن سے۔ وہ سچائی وغیرہ کے چکر میں بھی نہ تھا۔ وہ بس اتنا چاہتا تھا کہ اہم لوگ اس کی باتیں غور سے سنیں۔ وہ ان سب کے سامنے ایک مقرر کی طرح خود کو بولتے دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ اس کی دلی آرزو تھی۔

"ٹھیک ہے مسٹر کاڈویل میں بتاؤں گا۔ تم مجھے اپنے ساتھ تھانے لے چلو۔ میں لیفٹیننٹ سے بات کروں گا۔ میں اُسے بتاؤں گا کہ میں نے کیا دیکھا تھا۔ وہ ایک ناٹے قد کا آدمی تھا مضبوط بدن والا۔ اس کے گال پر ایک سیاہ مسّہ تھا اس نے اپنے بدن پر سرخ رنگ کی جرسی..."

کاڈویل آہستہ آہستہ سر ہلا رہا تھا۔ تاسف آمیز انداز میں۔

"غیر ضروری قتل کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی مسٹر فارلے!" اس نے کہا۔ "جہاں تک ہو سکے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ البتہ جب یہ کام ضروری ہو جائے تو پھر اور بات ہے۔ رکی کے معاملے میں یہ بات ضروری ہو گئی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ تم زبان کھولنے سے ڈرو گے۔ میں یہاں یہی دیکھنے آیا تھا کہ آیا ہمارا خیال صحیح ہے کہ نہیں لیکن تمہاری باتوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے مسٹر فارلے۔ تم نے اچھی طرح مجھے سمجھایا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے میں سمجھتا ہوں کہ میرے پاس اب اور کوئی چارہ نہیں!" اس نے اپنی کمر سے بندھا ہوا اعشاریہ تین دو کا ریوالور نکالا۔

"انہوں نے مجھے صرف اس لیے تمہارے پاس بھیجا تھا کہ

مرزا شاہد بیگ

غزل

ہنستے ہوئے موسم سے اکثر میں نے کیا انعام لیا ہے
پھولوں کی تعظیم کی خاطر کانٹوں سے الزام لیا ہے

○

میری برہم نظروں سے تو میری قیمت کھیل رہی ہے
جو کچھ کہنا ہے اب کہہ دے میں نے بھی دل تھام لیا ہے

○

تشنہ تشنہ میری قسمت، خام خیالی میرا شیشہ
مچلے ہوئے اک ساقی سے میں نے ٹوٹا سا اک جام لیا ہے

○

گردوں سے جب بجلی لپکی، گلشن سے جب شعلے اٹھے
ایسے میں گھبرا کر میں نے اُن کا دامن تھام لیا ہے

○

سب کے قصے، میری باتیں، جیسے افسانے ہیں ہر سو
آنسو کی اک بوند سے دیکھو میں نے کتنا کام لیا ہے

○

دل کی بیتابی میں شاہد فرق نہ آیا کوئی اب تک
ورنہ میں نے تنہائی میں نام کسی کا نام لیا ہے

◉

میں خود بھی ایک اچھا انسان ہوں۔ انہوں نے مجھے بھیجا تھا کہ اگر میں تمہیں بولنے پر مجبور نہ کر سکا تو پھر تمہارے زندہ رہنے سے انہیں کوئی خطرہ نہیں لاحق ہو سکتا لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ میری باتوں میں آ کر تم نے بولنا شروع کر دیا ہے!" رُک کر اس نے صوفے سے ایک کُشن اٹھایا اور اسے اپنے ریوالور کی نال کے آگے جما کر اس کی سمت بڑھا۔

میتھو فارلے نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے بڑھتے دیکھا۔

"تمہارے ساتھ مشکل یہ ہے مسٹر فارلے!" کاڈویل نے ٹھنڈے لہجے میں اسے مخاطب کیا اور کُشن کو اس کے پیٹ کے ساتھ لگا کر گولی چلاتے ہوئے بولا۔ "کہ تم بولتے بہت زیادہ ہو!"

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ڈینی ولسن کے سرکس نے سردار گڑھ میں دھوم مچا رکھی تھی۔ سیزن شروع ہو چکا تھا اور سردار گڑھ کی آبادی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اندرون ملک کے میدانی علاقوں کی گرمی سے بھاگ کر متوسط طبقے کے لوگ عموماً یہیں پناہ لیتے تھے۔ کیونکہ دوسرے پہاڑی مقامات کے مقابلے میں یہاں زیادہ مصارف نہیں ہوتے تھے۔ ہوٹلوں میں ٹھہرنے کی استطاعت نہ رکھنے والے مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے گھروں میں قیام کرتے اور مناسب معاوضے پہ اپنے ہی گھر کا سا آرام پاتے۔ مقامی لوگ بڑے خوش اخلاق اور متواضع تھے۔ تین سال پہلے ڈینی نے سیزن میں یہاں سرکس لگایا تھا اور توقع سے زیادہ ہی روپے سمیٹے تھے۔ دوسرے سیزن میں بھی اتنی آمدنی ہوئی تھی کہ وہ خوش ہو گیا تھا لہٰذا اس سال کیونکر باز رہ سکتا تھا۔ اس بار تو ان لڑکیوں نے سارے سردار گڑھ میں تہلکہ مچا دیا تھا جو پتھر کے زمانے کا لباس پہن کر رقص کرتی تھیں۔ یہ تینوں نسلاً سفید فام تھیں اور اتنی بے جھجک تھیں کہ ایک اشارے پر پتھر کے دور سے بھی پہلے کے زمانے میں جست لگا سکتی تھیں۔ ڈینی صرف پانچ دن کی آمدنی کا حساب لگانے بیٹھا تھا اور اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

"یہ لڑکیاں تو ٹکسال ثابت ہو سکتی تھیں" اس نے اپنے منیجر سے کہا۔

"لیکن میرا دل روتا ہے باس" جہاندیدہ منیجر بولا۔

"اپنے دل کو ہنسنا سکھاؤ۔ زمانہ بدل چکا ہے۔ اب لوگ جانوروں کے کرتبوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ آدمیوں کے کرتب بھی نہیں بھاتے۔ ان کیبرے ڈانسرز کو سرکس سے الگ کر دو پھر پوچھوں گا کہ دن بھر میں کتنی مکھیاں مارتے ہو؟"

"وہ ایسا کیوں ہوا! لوگ فن کی قدر کیوں نہیں کرتے؟"

"فن... اوہ..." ڈینی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج کل یہی سب سے بڑا فن ہے کہ کپڑے اتار کر پھینک دو۔"

"جب ہم سب کچھ بے چون وچرا تسلیم کرتے چلے جا رہے ہیں تو پھر یہی ہوگا اگر ہم اس برائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو؟"

"میرے سرکس میں اٹھ کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔ جاؤ... نیلی کٹی اور رینا کو میرے پاس بھیج دو۔"

"وہ شاید اس وقت نہ آ سکیں۔"

"کیوں؟"

"ایک سیاح ان کے خیمے میں موجود ہے جو انہیں یہاں بندر کی کہانی سنا رہا ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور جسم پر لمبی لمبی سفید دھاریاں ہیں۔"

بوڑھا منیجر بڑا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"لیکن ان کے خیمے تک کوئی سیاح کیسے پہنچا؟" ڈینی نے جھنجھلے لہجے میں سوال کیا۔

"مسٹر ولسن! زمانہ بدل چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ڈسپلن نام کی کوئی چیز ہمارے درمیان موجود نہیں۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"وہ مغرور لڑکیاں کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں۔ میں نے انہیں اجنبیوں سے راہ و رسم پیدا کرنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔ جانتے ہیں کیا جواب ملا تھا؟"

"بکو جلدی سے... میرا وقت ضائع نہ کرو۔"

"انہوں نے کہا تھا کہ وہ کسی قسم کی بھی پابندی قبول کرنے پر تیار نہیں۔"

"میں کہتا ہوں جاؤ اور انہیں بھیج دو۔" ڈینی میز پر گھونسا مار کر دہاڑا اور منیجر بوکھلا کر اس کے خیمے سے باہر نکل گیا۔

ڈینی نے بوتل سے گلاس میں شراب انڈیلی سوڈا ملایا اور کڑے تیور سے نکاسی کے راستے کو گھورنے لگا۔

کچھ دیر بعد صرف ایک لڑکی رینا خیمے میں داخل ہوئی۔

"کیا بات ہے مسٹر ولسن؟"

"بیٹھ جاؤ" ڈینی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ تو گئی لیکن اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار تھے۔

"وہ سیاح کون ہے؟" ڈینی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایک سیاح ہے مسٹر ولسن۔"

"میں نے کہا تھا کہ اجنبیوں سے۔"

"ٹھہرو" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "آج ہماری ملاقات کا تیسرا دن ہے اب وہ اجنبی نہیں رہا..."

"میں کہتا ہوں کہ پہلی ہی ملاقات کیوں ہوئی؟ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اجنبی آرٹسٹوں کے خیموں میں آئیں۔"

"یہ تم کس استحقاق کی بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"کیا مجھ سے محبت کرو گی؟" ڈینی آنکھیں نکال کر بولا اور

www.taemeernews.com

وہ مسکرا دینے کے سے انداز میں ہنس پڑی۔
ڈینی نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے سوچا۔
اچھا گستاخ! میں تم سے سمجھوں گا فی الحال خاموشی ہی بہتر ہے سیزن ختم ہونے کے بعد ایسی ٹھوکر رسید کروں گا کہ تمہاری شکلیں نہ پہچانی جائیں گی۔ پھر دفعتہً وہ بھی ہنس پڑا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "دھاری دار سیاہ بندر کا کیا قصہ ہے؟"

"اوہ... وہ... حیرت انگیز مسٹر ونسن... اگر تم اس کی تصویریں دیکھنا چاہو تو..."

"ضرور... ضرور..." ڈینی دلچسپی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"تم ڈان فاگان سے مل کر ضرور خوش ہو گے۔ بہت اچھا اور خوش مزاج آدمی ہے۔"

"ڈان فاگان؟" ڈینی کے لہجے میں حیرت تھی "کیا وہ کوئی مقامی آدمی نہیں ہے؟"

"نہیں... اسپینی ہے۔"

"اوہ... تب تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"میں اُسے یہیں لاتی ہوں۔" رینا نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گئی۔ ڈینی نے پھر بُرا سا منہ بنایا اس کی آنکھوں میں غصے کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ ایک ہی سانس میں اس نے گلاس خالی کر دیا۔

"دھاری دار بندر... اونہہ..." وہ بڑبڑاتا ہوا دوسرا گلاس تیار کرنے لگا۔

ڈینی بلا نوشوں میں سے تھا لیکن عام طور پر جھکتا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ عمر کے اعتبار سے بھی اسے اس معاملے میں ایک کمزور دماغ آدمی سمجھا جانا چاہیے تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ خود ہی نشے پر حاوی تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ڈان فاگان کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئیں۔ یہ ایک طویل قامت اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور بے حد چمکیلی تھیں۔ اس نے مصافحے کے لیے ڈینی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا لیکن ڈینی نے مصافحہ کرنے کے بجائے شراب کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "اس سے زیادہ خلوص آپ کے ساتھ نہیں برت سکتا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں لیکن ڈان فاگان خشک لہجے میں بولا۔ "شکریہ! میں شراب نہیں پیتا۔"

پھر گلاس میز پر رکھتے ہوئے لڑکیوں سے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ سرکس کا مالک کوئی جوان آدمی ہوگا۔ یہ تو... بے حد بوڑھا ہے۔"

"اسی لیے یہ سب لڑکیاں بے خوف و خطر میرے ساتھ رہتی ہیں۔" ڈینی خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "بیٹھو۔"

ڈان فاگان سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور لڑکیاں کھڑی رہیں۔ ڈینی نے ان سے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔

دوسرا گلاس بھی وہ ایک سانس میں خالی کر گیا۔ دفعتہً ڈان فاگان لڑکیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟"

"مسٹر ونسن اس بندر کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔" رینا نے کہا۔

"اوہ... اچھا اچھا۔" ڈان فاگان مسکرا کر بولا۔ "وہ تو میرے حواس پر چھا گیا ہے لیکن کسی طرح ہاتھ نہیں آتا۔"

ڈینی نے بے اعتباری سے لڑکیوں کی طرف دیکھا تھا۔

ڈان فاگان نے ایک لفافہ جیب سے نکال کر ڈینی کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم شاید اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکو۔ جانوروں کے بارے میں وسیع تجربہ رکھتے ہو۔"

ڈینی نے لفافے سے تصویریں نکالیں اور سچ مچ متحیر ہو گیا۔ سیاہ رنگ کا بندر تھا اور اس کے پورے جسم پر لمبی لمبی سفید دھاریاں تھیں۔ کئی تصویریں تھیں جن میں وہ مختلف عورتوں کے پاس بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ تصاویر کا پس منظر ایک ہی تھا۔ جنگل اور پہاڑ...

"بڑی عجیب بات ہے مسٹر ونسن۔" ڈان فاگان بولا۔ "اگر صرف مرد اس کے ٹھکانے پر جائیں تو کہیں دکھائی نہیں دیتا البتہ پارٹی میں ایک عورت بھی شامل ہو تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے عورت اس کے پاس بھی پہنچ جائے تو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا لیکن جہاں کسی مرد نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی، دو چار چھلانگیں لگائیں اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر ڈھونڈتے پھریے۔ کہیں پتا نہیں چلتا۔"

ڈینی حیرت سے منہ کھولے سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی آہستہ سے بولا۔ "تنہا ہو گا؟" ڈان فاگان اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"یعنی تنہا نر۔ اس کی مادہ نہ ہوگی۔ لیکن اس رنگ کا بندر ساری دنیا میں کہیں نہیں پایا جاتا۔"

"یہ تصویریں جعلی تو نہیں ہیں؟" ڈان فاگان ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

www.taemeernews.com

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔ مسٹر ڈان فاگان۔ میں صرف حیرت ظاہر کر رہا ہوں۔ اگر ہم اس بندر کو پکڑ کر دُنیا کے سامنے پیش کر سکے تو ہماری بین الاقوامی حیثیت ہوگی۔ مجھے اس پر بھی حیرت ہے کہ مقامی لوگوں نے اس پر توجہ کیوں نہیں دی؟"

"بات کب آتا ہے؟ اور پھر مقامی لوگ تو اُسے کوئی بدروح سمجھ کر اس سے خائف رہتے ہیں!"

"یہ ہے کہاں؟"

"یہاں سے زیادہ دُور نہیں۔ تنگیز کی چڑھائی پر۔ فاصلہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین میل ہوگا۔"

"تم یہاں کب سے ہو؟"

"قریب قریب ہر سیزن پر آتا ہوں اور تمہارے ملک میں دس سال سے مقیم ہوں۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"ایک فرم میں ملازم ہوں۔"

"لڑکی نے کہا تھا کہ تم سیاح ہو؟"

"مسٹر ولسن! تم کسی پولیس مین کی طرح مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے ہو۔"

"اوہ... ہرگز نہیں۔۔ تو پھر ہمیں کب لے کر چل رہے ہو۔ وہاں شاید میں اُسے پکڑ سکوں؟"

"صرف اس شرط پر کہ وہ ہم دونوں کی مشترکہ ملکیت ہوگی۔"

"اوہ! یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ ابھی تو ہم اُسے دیکھنے چل رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ روانگی کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ ڈینی نے احتیاطاً سرکس کے دو تنومند جوان بھی ساتھ لے لیے تھے۔ سات افراد کا یہ قافلہ تنگیز کی طرف روانہ ہوگیا۔ ڈینی خود ہی اسٹیشن ویگن کو ڈرائیو کر رہا تھا۔

"مسٹر ولسن اس عمر میں بھی جوانوں کا سا حوصلہ رکھتے ہیں۔" رینا بولی۔ کمی اور نیلی ہنس پڑیں۔

ڈینی بُرا سا منہ بنائے ہوئے ڈرائیو کرتا رہا۔ ایک اجنبی کے سامنے ان کی خبر نہیں لینا چاہتا تھا۔

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" ڈان فاگان نے سنجیدگی سے کہا۔ "مسٹر ولسن اندر سے فولاد ہیں۔"

"شکریہ۔" ولسن آہستہ سے بولا۔

سر چار گڑھ میں ان دنوں چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی بکھری ہوئی تھی۔ گرد و پیش پھولوں کی ملی جلی خوشبوؤں سے فضا معطر رہتی۔ دن کے دس بجے تھے۔ موسم بڑا خوشگوار لگ رہا تھا۔ اسٹیشن ویگن چکراتی ہوئی پتلی سی سڑک پر مسافت طے کرتی رہی۔ حتیٰ کہ وہ تنگیز کی چڑھائی تک آ پہنچے۔ یہاں سے اُنہیں پیدل سفر کرنا تھا۔ اسٹیشن ویگن چکراتی ہوئی پتلی سی سڑک سے اُتار کر ایک جگہ کھڑی کر دی گئی۔

"راجن! تم گاڑی کی نگرانی کرو گے۔" ولسن نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔

"بہت اچھا۔ مسٹر ولسن۔" اس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ اُس کے ملازمین اس کا احترام کرتے تھے۔

یہ بڑا پُرفضا مقام تھا۔ تنگیز کی چڑھائی سرخ رنگ کے پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ دُور سے ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ یاقوت کی چٹانیں ہوں۔

"بندر جائے جہنم میں۔" نیلی نے سسکاری لی۔ "یہ جگہ کتنی حسین ہے۔"

"دماغ میں جالے۔ ہوں تو ہر جگہ بہت حسین ہے۔" ڈینی بڑبڑایا۔

وہ اُوپر جانے کے لیے تنگ سے چکر دار راستے پر چل پڑے۔ راستہ اتنا تنگ تھا کہ وہ قطار میں چل رہے تھے۔ دو آدمی برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔

"مسٹر ولسن کو جانوروں کی ہم نشینی نے فلسفی بنا دیا ہے۔" رینا بولی۔

"اور تم آدمیوں میں رہ کر بھی آدمی نہ بن سکیں۔" کمی بول پڑی۔

"کیوں؟ اس میں کیا بُرائی ہے؟" نیلی نے سوال کیا۔

"عورتوں میں کوئی بُرائی نہیں ہوتی۔" ڈینی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "وہ تو صرف مردوں کو بُرا بنانے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔"

"اوہ... اوہ..." ڈان فاگان کراہا۔ "گفتگو تلخ ہوتی جا رہی ہے۔ ہم کیوں نہ اس بندر کے بارے میں باتیں کریں۔"

"میں نے بھی آدمیوں سے تنگ آ کر جانوروں کے درمیان پناہ لی تھی۔" ڈینی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن ہم جیسے آدمیوں کے بغیر کام بھی نہیں چلتا۔" رینا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"مجبوری ہے۔" ڈینی سرد آہ بھر کر بولا۔ "اگر میں کپڑے اُتار کر ناچنا شروع کر دُوں تو لوگ مجھ پر پتھراؤ کریں گے۔ تمہارا اسی قسم کا رقص دیکھنے کے لیے اپنی جیبیں خالی کر دیتے ہیں۔"

"ڈیئر... ڈیئر..." ڈان فاگان چلتے چلتے رُک کر بولا۔

"اگر یہ بحث یہیں ختم نہیں ہوجاتی تو میں آگے جانے سے انکار کر دوں گا۔"

وہ بھی رک گئے اور ڈینی بڑبڑایا۔ "ایک غیر معمولی بندر کے لیے۔"

شمال سے سفید بادلوں کے مرغولے اٹھ اٹھ کر آہستہ آہستہ مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خنکی میں کسی قدر اضافہ ہوگیا تھا۔ سرد ارگرد کے لیے یہ دھوپ چھاؤں بڑی نئی چیز بنی ہوئی تھی۔ دن بھر اس کا سلسلہ جاری رہتا۔ البتہ مغرب سے اٹھنے والے بادل تھم کر ہی رہ جاتے اور کئی کئی دن تک سورج نہ دکھائی دیتا۔

"بحث ختم ہوگئی۔" رینا ڈان فاکان کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔ "اب چلو۔"

اوپر پہنچ کر ایک بار پھر ڈینی موضوع گفتگو بن گیا کیونکہ وہ دوسروں کی طرح ہانپ نہیں رہا تھا۔

ڈینی اپنے جیالے پن کی تعریفیں خاموشی سے سنتا رہا۔ اس جگہ تو چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

"بس یہیں بیٹھتے ہیں۔" ڈان فاکان کاندھے سے موویِ کیمرا اتارتا ہوا بولا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

ڈینی پرتشویش نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے فلاسک سے دو تین گھونٹ لیے اور ڈان فاکان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ فاکان بھی ڈینی ہی کو دیکھے جا رہا تھا۔

"کب آئے گا وہ؟" نیلی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"جب تم تینوں کی خوشبو اس تک پہنچے گی۔" فاکان مسکرا کر بولا۔

"تم تینوں کی خوشبو؟" ڈینی نے طنزیہ لہجے میں دہرایا۔

"مسٹر ولسن۔ کیا تم ان لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے ...؟" ڈان فاکان نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم پسند کی بات کرتے ہو! ان تینوں کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔"

تینوں ہنس پڑیں۔ ڈینی بھی ان کی ہنسی میں شامل تھا۔

دفعتہً ڈان فاکان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ڈینی بھی بائیں جانب کی ڈھلان سے آنکھیں تک رہا تھا۔ وہ سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ارے ... وہ رہا ..." رینا کی چہکتی ہوئی آواز فضا میں گونجی۔ بندر اچھل کر سامنے آگیا تھا لیکن دور ہی سے انہیں دیکھتا رہا۔ تینوں لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"جاؤ ... اس کے قریب جاؤ۔" ڈان فاکان بولا۔ "اس

سالگرہ مبارک

دو اداکارائیں ایک عرصے کے بعد ایک دوسرے سے ملیں۔ ایک نے دوسری سے کہا۔

"ولیتا! ان سے ملو یہ میرے تیسرے شوہر مائیکل ہیں۔"

ولیتا نے مائیکل سے ہاتھ ملاتے ہوئے پہلی اداکارہ سے کہا۔ "ارے تم بھول رہی ہو۔ جب تم میری شادی کی پہلی سالگرہ پر آئی تھیں تو اس وقت تو مائیکل میرے پہلے شوہر تھے اور میں نے تم سے ان کا تعارف کرایا تھا۔"

کی بھی تصدیق ہوجانے کی کہ وہ عورتوں سے بے حد مانوس ہے۔"

"یہ دھوکا ہے۔" دفعتہً ڈینی غرایا۔

"کیا مطلب؟" ڈان فاکان بولا اور لڑکیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"رنگ قدرتی نہیں ہے۔ کسی آدمی کی شرارت ہے۔ اسے سیاہ رنگ میں غوطہ دے کر سفید دھاریاں بنائی گئی ہیں۔"

ڈان فاکان نے طویل سانس لی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"محنت وصول ہوگئی۔" اس نے بالآخر کہا۔

"کیا مطلب؟" ڈینی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"میں اس کے سلسلے میں کسی ایکسپرٹ کی رائے چاہتا تھا۔" ڈان فاکان نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

لڑکیوں کے چہرے مایوسی کی تصویریں بن کر رہ گئے تھے۔ کبھی وہ بندر کی طرف دیکھتی تھیں اور کبھی ڈان فاکان کی طرف۔

"لیکن اس کا مقصد کیا ہے؟" ڈینی بندر کو گھورتا ہوا بولا۔

ٹھیک اسی وقت بندر نے نیلی پر چھلانگ لگائی اور بری طرح چمٹ گیا۔ نیلی کی خوفزدہ تیز چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔ ڈینی اس کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ کوئی لجلجی سی چیز اس کے چہرے سے ٹکرا کر پھٹی اور ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ڈھیروں دھواں ناک اور حلق سے گزر کر سینے میں اتر گیا ہو۔ وہ چکرا کر گرا اور بے حس و حرکت ہوگیا۔ معلوم نہیں پھر کتنی دیر بعد ہوش آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سرکس کا حیوان بھی اس کے قریب ہی اوندھا پڑا تھا۔ ڈان فاکان اور لڑکیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ڈینی نقاہت محسوس کرنے کے باوجود بھی بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا تھا اور اپنے ساتھی کو جھنجھوڑ کر آوازیں دینے لگا۔ اس پر تو کوئی اثر

نہ ہُوا۔ البتہ اچانک رینا سامنے آکھڑی ہُوئی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے خود بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ ڈینی نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھالا۔

"تت... تم..." ڈینی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن الفاظ گھٹ کر رہ گئے۔ ذہنی حالت ابھی پوری طرح اعتدال پر نہیں آئی تھی۔

"وہ... وہ... ان تینوں کو پکڑ کر لے گئے... م... میں تو... اس وقت ڈر کے مارے سامنے والی دراڑ میں چھپ گئی تھی۔ جب اس منحوس بندر نے نیلی پر چھلانگ لگائی... تھی۔" وہ رُک رُک کر کہتی رہی۔ "وہ بڑے خوفناک تھے۔ ننگ دھڑنگ سیاہ فام وحشی... ڈان فاکان کو پکڑ کر لے گئے۔ ہائے بے چاری نیلی اور کٹی پاگلوں کی طرح چیختے جا رہی تھیں۔ بھاگو یہاں سے بھاگ چلو۔"

"ک... کدھر گئے... وہ لوگ..." ڈینی نے جڑتی ہُوئی آواز میں پوچھا۔

"جدھر سے بندر آیا تھا... خدا کے لیے یہاں سے نکل چلو۔ وہ سات آٹھ تھے۔ ہم اکیلے ان کا کیا کر لیں گے؟" رینا گھگیائی۔

"م... میں اسے اُٹھا کر نہیں چل سکوں گا۔" ڈینی نے بے ہوش ساتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

پھر اس نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور چاروں طرف دیکھتا ہُوا بولا۔ "ڈر و مت... تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ وہ تو میں بے خبری میں مارا گیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا چیز تھی؛ اور کس طرف سے آئی تھی؟"

"کیا چیز تھی؟ کیا ہُوا تھا؟"

"کوئی بجلی سی چیز میرے چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گئی تھی اور بہت سا دُھواں سینے میں بھر گیا تھا۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہُوا تھا؟"

"اوہ... تو پھر اسے جلدی سے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔" رینا کپکپاتی ہُوئی آواز میں بولی۔

"میں کوشش کر چکا ہُوں۔ اب تم دیکھو۔"

رینا اس کے پاس جا بیٹھی اور ڈینی پیٹ کے بل رینگتا ہُوا بائیں جانب بڑھنے لگا جدھر سے بندر نمودار ہُوا تھا۔ ریوالور کے دستے پر اس کی اُنگلیاں سختی سے جمی ہُوئی تھیں۔

"تت تم کہاں جا رہے ہو؟" رینا خوف زدہ لہجے میں بولی۔

لیکن وہ اپنی دُھن میں آگے ہی بڑھتا رہا۔ پھر اس جگہ جا پہنچا جہاں سے بائیں جانب والی ڈھلان شروع ہوتی تھی۔ دُوسری طرف گہرا سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صدہا سال سے وہ جگہ ویران پڑی ہو۔ ہوا کی سائیں سائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی۔

"اسے ہوش آ گیا۔" اس نے رینا کی آواز سُنی اور چونک پڑا۔ اس کا ساتھی بھی اُٹھ بیٹھا تھا اور پریشان پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھے جا رہا تھا۔ ڈینی تیزی سے ان کی طرف پلٹ آیا۔

"کیا تم اُٹھ کر چل سکتے ہو؟" اس نے سوال کیا لیکن وہ ایسی بے تعلقی سے ڈینی کی طرف دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کی زبان سے اُبھرنے والے الفاظ کو معنی پہنانے سے قاصر ہو۔

بالآخر دونوں نے سہارا دے کر اُسے اُٹھایا۔ بدقت تمام وہ اس جگہ پہنچے تھے جہاں اسٹیشن ویگن دُوسرے آدمی کی نگرانی میں چھوڑی تھی۔ وہ اُنہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔" ڈینی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "جتنی جلدی ممکن ہو سرداروں کی بستی تک پہنچا سکتے ہو پہنچا دو۔ بلکہ سیدھے پولیس اسٹیشن چلو۔"

※

عمران کا فلیٹ آج کل ضرورت سے زیادہ "آباد" ہو گیا تھا اور اس "آبادی" کی سب سے بڑی وجہ تھی جیمسن کی داڑھی۔ جیمسن کی داڑھی کی وجہ سے ظفر الملک کو اپنا فلیٹ چھوڑنا پڑا تھا۔ بات در اصل یہ تھی کہ برابر والے فلیٹ پر بلڈنگ کے مالک کی بہن کا قبضہ تھا۔ یہ بھاری جسم والی ایک معمر خاتون تھیں۔ ایک دن اُنہوں نے جیمسن کو بری طرح للکارا کہ اس کے ہوش اُڑ گئے۔

"مجھے چڑاتے ہو۔" وہ اس کا راستہ روک کر دہاڑیں۔

"جی... جی... نہیں۔" جیمسن بوکھلا کر بولا۔

"تو پھر مجھے دیکھ کر داڑھی پر ہاتھ کیوں پھیرتے ہو؟"

جیمسن نے بونقوں کی طرح دانت نکال دیے اور پھر جلدی سے شرما کر بولا۔ "میری عادت ہے۔"

"بکواس ہے... تم مجھے چڑاتے ہو۔"

وہ اس طرح سر ہوئیں تو جیمسن نے پہلی بار انہیں غور سے دیکھا اور پھر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ان محترمہ کی ٹھوڑی پر تین چار لمبے لمبے بال تھے۔

اب وہ صفائی پیش کر رہا تھا اور وہ آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد یہ ہُوا کہ دُوسرے دن مالک

www.taemeernews.com

مکان نے ان کے دروازے پہ دستک دی اور ایک تحریری نوٹس ظفرالملک کے ہاتھ میں پکڑا کر چلا گیا۔ نوٹس کے مطابق انہیں اس بنا پر فلیٹ پندرہ دن کے اندر اندر خالی کر دینا تھا کہ حسب وعدہ ان کے بال بچے "چھ ماہ بعد بھی" وارد نہیں ہونے تھے۔ بال بچوں والی ہوائی بھی جیمسن ہی نے چھوڑی تھی۔ مالک مکان "کنواروں" کو کرایہ دار بنانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس پر جیمسن چھوٹتے ہی بولا تھا۔

"بال بچے دار ہیں جناب! تبادلے پر آنے میں عنقریب بال بچے بھی آجائیں گے فکر مت کیجیے:"

ظفرالملک نے اسی وقت اس غلط بیانی کی مخالفت کی تھی۔ لہٰذا اس نوٹس پر اصولاً سے فلیٹ چھوڑ دینے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ عمران نے بڑی فراخدلی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر تم لوگ اپنے ساتھ چند مرغیاں، ایک طوطے کا پنجرہ اور ایک بلی بھی لاتے تو مجھے اور زیادہ خوشی ہوتی:"

آج وہ دونوں حسب معمول مکان کی تلاش میں نکل گئے تھے اور عمران کے سر پر سلیمان مسلط تھا۔ بڑی دیر سے دماغ چاٹے جا رہا تھا کہ اچانک عمران اٹھ کر بھاگا اور باورچی خانے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

"اس سے کیا ہو گا؟" سلیمان نے باہر سے ہانک لگائی۔

"میں اب یہیں قیام کروں گا۔ تجھ سے مغز چٹوانے سے زیادہ آسان تو یہی ہو گا کہ میں خود ہی پکا پکا کر تم سبھوں کو کھلاؤں:"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"تو تینے آدمیوں کا کھانا نہیں پکا سکتا۔ اسی لیے تو بکواس کر رہا ہے:"

"ہمیشہ غلط سمجھے گئے:" سلیمان نے دروازے سے سر ٹکراتے ہوئے کہا "میں سر ٹکرا رہا ہوں۔ اس پر احتجاج کر رہا ہوں:"

"ابے جا کسی اور کو چرا نیو۔ خالی دروازے پر ہاتھ مار رہا ہے:"

"نہیں باس:" دور سے جوزف کی آواز آئی "یہ سچ مچ سر ٹکرا رہا ہے۔ دروازہ کھول دو ورنہ یہ اپنا سر توڑ دے گا:"

عمران نے دروازہ کھولا۔ جوزف کی دخل اندازی اسے غیر معمولی معلوم ہوئی تھی کیونکہ ایسے معاملات میں کبھی نہیں بولتا تھا۔ عمران کے برآمد ہوتے ہی سلیمان نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ جوزف ہاتھ اٹھا کر بولا "بس۔۔۔ بس۔۔۔ باہر کوئی اجنبی ہے:"

"کون ہے؟" عمران نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک سفید سور یا:" جوزف برا سا منہ بنا کر بولا "کہیں تے تمہارے کسی دوست کا پیغام لائی ہے:"

"اُسے نشست کے کمرے میں بٹھاؤ۔ مسالہ پیس کر ہی مل سکوں گا:"

"آپ کیوں خوامخواہ بات بڑھا رہے ہیں؟" سلیمان جھنا کر بولا "میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ جتنا آپ خرچ کے لیے دیتے ہیں اس سے کام نہیں چلے گا:"

"میں نے سنا ہے کہ مہمان اپنی قسمت ساتھ لاتے ہیں:"

"آپ ہی کی جیب سے نکلواتے ہیں۔ آپ نے غلط سنا ہے"

"اچھا۔ اچھا۔ بکواس بند۔ میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں:"

سلیمان کو وہیں چھوڑ کر وہ ڈرائنگ روم میں آیا۔ لڑکی یوریشین معلوم ہوتی تھی۔ تندرست اور خوش شکل تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال رہی ہوگی۔ عمران کو دیکھ کر اٹھ گئی تھی۔

"بیٹھیے۔۔۔ بیٹھیے۔" عمران نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "مجھے علی عمران کہتے ہیں:"

"میں ریٹا فشر ہوں:" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ دونوں بیٹھ گئے لیکن عمران کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دوسرے ہی لمحے میں اٹھ کر بھاگ نکلے گا۔

"میں سردار گڑھ سے آئی ہوں:" ریٹا نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "آپ کے دوست مسٹر ڈینی ولسن کا پیغام لائی ہوں:"

"ڈ۔ ڈ۔۔۔ ڈینی ولسن۔۔۔ لیکن میں تو کسی ڈینی ولسن کو نہیں جانتا:"

"تب پھر آپ مسٹر علی عمران نہ ہوں گے:" ریٹا نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ یہی میرا نام ہے:"

"اور آپ ڈینی ولسن کو نہیں جانتے؟"

"ہو سکتا ہے۔ جانتا ہی ہوں۔ آہا ٹھیک۔۔۔ وہ تو نہیں جس نے پچھلے سال اپنے کھیت میں تین تین سیر کے آلو اگائے تھے"

"جی نہیں۔ ان کا سرکس ہے:"

"اُف توہ۔ مجھے افسوس ہے۔ ہاں وہ بھی ڈینی ولسن ہی ہے۔ ٹھیک ٹھاک ہے نا۔ بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی:"

"وہ اس وقت سردار گڑھ میں پولیس کی حراست میں ہیں:"

"کیوں؟" عمران نے احمقانہ انداز میں حیرت ظاہر کی۔

"زبانی بتانا میرے بس سے باہر ہے۔ سب کچھ لکھ لائی ہوں۔ مسٹر ولسن کا خیال ہے کہ آپ کے علاوہ اور کوئی انہیں اس مشکل سے نجات نہیں دلا سکتا:"

عمران اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا اور اس

www.taemeernews.com

نے اپنے ہینڈ بیگ سے تہ کیے ہوئے کاغذات نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

عمران نے ہونٹ کو آواز دے کر کافی کے لیے کہا اور ان کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

ریتا خاموش بیٹھی اسے بغور دیکھے جا رہی تھی۔

کاغذات دیکھ چکنے کے بعد عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اوّل درجے کے احمق معلوم ہوتے ہیں"۔

"ک ک۔۔۔ کیا مطلب؟" ریتا چونک پڑی اور اس کی آواز سُن کر عمران بھی اسی طرح چونکا تھا جیسے اس کی موجودگی بھول بیٹھا ہو۔

"ک۔ کچھ نہیں۔۔۔ مطلب یہ کہ آخر وہ لوگ آپ کو بھی کیوں نہ اٹھا لے گئے؟"

"مجھے وہ دیکھ ہی نہیں سکے تھے۔ میں چھپ گئی تھی" ریتا جلدی سے بولی۔

"کیا وہ دونوں آپ سے زیادہ خوبصورت ہیں؟"

"کیا یہ بیہودہ سوال نہیں ہے مسٹر؟" وہ بُرا مان کر بولی۔

"مجھے حق ہے کہ آپ کو ان سے زیادہ خوبصورت سمجھوں۔ مجھے کون اس سے باز رکھ سکتا ہے؟"

"میں نہیں سمجھ سکتی۔"

"کیا نہیں سمجھ سکتیں؟"

"میں کہتی ہوں غیر متعلق باتیں چھیڑنے سے کیا فائدہ؟"

"اچھا تو یہی بتا دو کہ وہ ڈینی جیسے خرانٹ کو کیوں نہ پکڑ لے گئے۔ تمہارے تحریری بیان کے مطابق ڈان فاکان بھی ایک جگہ سڑک پر پڑا پایا گیا تھا! آہا۔ اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔"

"وہ خود کو اسپینی کہتا تھا۔"

"کہتا تھا۔۔۔ کیا مطلب؟"

"اب کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سب کچھ بھول گیا ہے۔ حتیٰ کہ اپنا نام بھی نہیں بتا سکتا۔"

"خیر۔ خیر۔ ہو سکتا ہے یادداشت کھو بیٹھا ہو۔"

"پولیس بھی یہی کہتی ہے۔"

"لیکن ڈینی زیرِ حراست کیوں ہے؟"

"پولیس اس کے بیان پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے وہاں کوئی ایسا بندر نہیں دیکھا گیا تھا۔"

"تم اس کے بیان کی تصدیق کر سکتی تھیں۔ ہوٹل کا ایک اور آدمی بھی عینی شاہد تھا۔"

"مسٹر ولسن نے پولیس کا رویہ دیکھ کر ہم دونوں کو اس معاملے سے قطعی الگ کر دیا تھا۔ سرے سے ہمارا ذکر ہی نہیں کیا۔"

"تم یقین سے ساتھ یہ کہہ سکتی ہو کہ وہ لوگ ڈان فاکان کو بھی پکڑ لے گئے تھے؟"

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

"اور پھر وہ روانگی کے مقام سے کتنے فاصلے پر ملا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر۔"

"کتنی دیر بعد ہوش آیا تھا؟"

"سات یا آٹھ گھنٹے بعد۔ لیکن اس کے جسم پر کوئی معمولی سی خراش بھی نہیں تھی۔"

"تب تو اچھا ہی ہوا کہ یادداشت کھو بیٹھا ورنہ خود پولیس ہی اسے یادداشت کھو بیٹھنے پر مجبور کر دیتی۔ تم دیکھ لینا ڈینی بھی پاگل ہو جائے گا۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب؟" ریتا پھر بُرا مان گئی۔

اتنے میں سلیمان کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور عمران نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ ریتا اسے ناگواری سے دیکھے جا رہی تھی۔

"کافی بناؤ۔" عمران نے سلیمان سے کہا۔

"میں اپنے ہاتھ سے بنا کر پیتی ہوں۔" ریتا بولی۔

"جاؤ۔" عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا اور سلیمان سر کھجاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"مسٹر ولسن کے بیان سے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ ان کے لیے جان تک دے دیں گے۔" ریتا نے کپ میں شکر ڈالتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف بوڑھا!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

ریتا جھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی ہوئی بولی۔ "شاید میں غلط جگہ آ گئی ہوں۔"

"بالکل۔۔۔ تمہارے لیے بھی صحیح جگہ جیل ہی تھی۔"

"آپ کو قطعی حق نہیں پہنچتا کہ۔۔۔"

"بیٹھ جاؤ۔۔۔ ورنہ میری کافی ضائع ہو جائے گی۔ ایسا کہاں کا لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہوں۔"

"پتا نہیں مسٹر ولسن نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا؟"

"شاید وہ چاہتا ہے کہ میں بھی دھاری دار بندر دیکھ لوں۔ تم تو دیکھ ہی چکی ہو۔"

"مسٹر۔۔۔ اب آپ اپنی زبان کو لگام دیجیے۔ میں واپس جا رہی ہوں۔"

"مجھے دھاری دار بندر نہیں دکھاؤ گی؟ ویسے قیام کہاں

ہے تمہارا!"

"سیدھی یہیں آئی ہوں لیکن اب ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رک سکتی۔ آپ بالکل احمق معلوم ہوتے ہیں۔"

"معلوم نہیں ہوتا بلکہ پیدائشی احمق ہوں... کافی پلیز۔"

وہ دھم سے بیٹھ گئی اور عمران کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔ پھر عمران ہی نے کپ تیار کر کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرے چچا کے بہنوئی کا داماد سردار گڑھ کا مجسٹریٹ ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ذینی کو رہا کر دیا جائے۔"

"یہ بھی غلط ہے۔"

"کیوں؟"

"سردار گڑھ کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ غیر شادی شدہ ہے۔"

"تب تو اُسے بھی کوئی دھاری دار بنیان ہی دے جائے گا۔"

"میں اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔"

"ساتھ ہی میری کافی بھی برباد ہو رہی ہے۔ آخر پیتی کیوں نہیں؟"

"کاش وہ مجھے بھی پکڑ لے گئے ہوتے!"

"بکو۔" عمران جھینک کر بولا۔ "اب ہوئی نا بات۔ کافی پیو۔ وہ بندر میرا چچازاد بھائی ہے۔ فکر نہ کرو۔"

"مسٹر علی عمران مجھے غصہ آتا ہے تو پاگل ہو جاتی ہوں۔"

"کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

رینا بے بسی سے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگی۔

کچھ دیر بعد جب وہ کپ خالی کر کے میز پر رکھ چکی تو عمران نے پوچھا: "کیا تم سردار گڑھ ہی واپس جاؤ گی؟"

"ہاں۔ تو مسٹر ذینی ولسن سے کہہ دینا کہ میں کسی ذینی ولسن کو نہیں جانتا۔"

"ہوں... اچھا۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم کوئی فراڈ کر رہے ہو۔ مسٹر ولسن تمہارے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

اس بار عمران نے اسے نہیں روکا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

تین دن بعد پولیس اسپتال کے ڈاکٹر نے تجویز پیش کی کہ ذان فاگان کو ذینی ولسن کے سامنے لے جایا جائے۔ ذینی حوالات میں تھا اور رینا اُسے بتا رہی تھی کہ اس کا نام نہاد دوست کس طرح پیش آیا تھا!

"بس... بس..." ذینی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "کام بن گیا۔ مجھ جیسا کہنہ سال اور تجربہ کار آدمی بھی اُسے آج تک نہیں سمجھ سکا تو تم کیا سمجھو گی! ابھی تک وہ اس زمین کی مخلوق تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔"

"صورت ہی سے اوّل درجے کا احمق معلوم ہوتا ہے۔"

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کرو۔" ذینی نے مسکرا کر کہا۔

ٹھیک اسی وقت ذان فاگان وہاں لایا گیا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھے جا رہا تھا۔ ذینی اور رینا پر اُس نے بے تعلقانہ سی نظر ڈالی تھی اور پھر پولیس سرجن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیا تم اس بوڑھے آدمی کو نہیں پہچانتے؟" سرجن نے اس سے پوچھا اور اس نے بڑی مایوسی سے اپنے سر کو منفی جنبش دی۔

"ذلیل آدمی۔" ذینی آہستہ سے بڑبڑایا اور رینا بھی پُرتعجب انداز میں اُسے دیکھنے لگی۔

دفعتہ ذان فاگان کسی ایسی زبان میں بڑبڑانے لگا جو کسی کی بھی سمجھ میں نہ آسکی۔ پولیس سرجن نے ذینی کی طرف دیکھا۔

"اوّل درجے کا فراڈ ہے۔" ذینی بڑبڑایا۔

"تم غلط کہتے ہو۔ یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔" پولیس سرجن ناگواری سے بولا۔

علاقے کا ڈی ایس پی بھی موجود تھا۔ اس نے ذینی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ان سب باتوں کی جواب دہی تمہیں کرنی پڑے گی۔ بتاؤ وہ دونوں لڑکیاں کہاں گئیں اور یہ اس حال کو کیسے پہنچا؟"

"اگر میں ہی اس کا ذمے دار ہوں تو مجھ سے زیادہ احمق روئے زمین پر شاید کوئی دوسرا نہ ملے۔" ذینی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" ڈی ایس پی کی بھنویں تن گئیں۔

"اسے تمہارے پاس کون لایا تھا؟"

"کچھ لوگ بڑے دیدہ دلیر ہوتے ہیں۔ تم اُسے بے ہوشی کی حالت میں لائے تھے اور اس سے لاعلم تھے کہ ہوش میں آنے کے باوجود بھی یہ بے ہوش ہی رہے گا ورنہ تم اسے ٹھوکریں کھانے کے لیے کہیں اور چھوڑ آتے۔"

"پھر اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔" ذینی نے کہا وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ایک معمر اور پُروقار آدمی ڈی ایس پی کے قریب آکھڑا ہوا۔

ڈی۔ایس۔پی اُسے دیکھتے ہی چونک پڑا تھا۔

اس نے ڈی ایس پی سے کہا۔ "مسٹر ذینی ولسن کی ضمانت پر رہائی کا پروانہ لایا ہوں۔"

"کس نے ضمانت دی ہے؟" ڈی ایس پی کا انداز گفتگو جارحانہ تھا۔

"میں نے..." اجنبی نے خشک لہجے میں کہا اور کچھ کاغذات ڈی ایس پی کی طرف بڑھا دیے۔

www.taemeernews.com

اس طرح آن کی آن میں ڈینی کو حیرت انگیز طور پر رہائی نصیب ہوگئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس فرشتۂ رحمت کو دیکھے جا رہا تھا۔ لاکھ ذہن پر زور دیتا رہا لیکن یاد نہ آ سکا کہ پہلے اسے کہاں دیکھا تھا! پولیس اسٹیشن کے باہر نئے ماڈل کی لمبی سی ڈرج شارلٹ کھڑی تھی۔ باوردی شوفر نے ان کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ معمر اجنبی رینا اور ڈینی کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"کیا میں اپنے محسن کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟" ڈینی نے اُسے مخاطب کرکے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا کارڈ نکال کر ڈینی کی طرف بڑھا دیا۔

"میں عینک کے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔" ڈینی نے کارڈ لے کر رینا کو دیتے ہوئے کہا۔

رینا نے بہ آوازِ بلند پڑھا۔ "مسٹر اے ایچ ہاشمی بار ایٹ لاء تھرٹین کورٹ روڈ سر دار گڑھ۔"

"لیکن... لیکن..." ڈینی نے کہنا چاہا تھا لیکن بیرسٹر ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے ایک ہمدرد نے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا میری خدمات حاصل کی ہیں۔"

"اوہ... اوہ... میں سمجھ گیا۔" ڈینی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ بیرسٹر نے ان دونوں کو سمرکس کی کپاؤنڈ میں اُتارا تھا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"تم نے دیکھا!" ڈینی نے رینا سے فخریہ لہجے میں کہا۔

"ہم... میں نہیں سمجھی۔"

"ماسٹر عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ارے وہ منحوس... میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"دیکھ لینا..."

"اگر وہی ہے تو چھپنے کی کیا ضرورت ہے! سامنے کیوں نہیں آیا!"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔"

"خیر... مجھے کیا!"

پھر ڈینی اپنے ملازمین میں گھر گیا تھا اور رینا سیدھی اپنی چھولداری کی طرف چلی گئی تھی۔ پہلے وہ عمران کے متعلق سوچتی رہی تھی پھر ذہن ڈان فاگان کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ کیا ڈینی کا خیال صحیح ہو سکتا ہے! کیا سچ مچ ڈان فاگان نے فراڈ کیا تھا! کیا اب محض اداکاری کر رہا ہے! لیکن کب تک...! اور پھر اداکاری بھی یادداشت ضائع ہو جانے کی... کب تک معمول پر نہ آئے گا! کیوں نہ اس سے علیحدگی میں ملاقات کی جائے!

لیکن وہ تو پولیس اسپتال میں ہے اور پولیس سرجن مجھے ڈینی کی ملازمہ کی حیثیت سے جانتا ہے پھر اچانک نیلی اور کیٹی یاد آئیں نہ جانے بے چاریاں کہاں ہوں گی! پتا نہیں ان پر کیا گزر رہی ہوگی! خدا غارت کرے ڈان فاگان اور منحوس بندر کو... ڈان فاگان... اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس نے تہیہ کیا کہ ڈان فاگان سے ضرور ملے گی۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ پولیس اسپتال جا پہنچی تھی۔ اتفاق سے پولیس سرجن سے پہلے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"ہو سکتا ہے میں اس کی یادداشت واپس لا سکوں۔" رینا بڑے دلآویز انداز میں مسکرا کر بولی۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں اس وقت موجود تھی جب اس نے نیلی اور کیٹی کو بندر کے سلسلے میں سفر پر آمادہ کیا تھا۔"

"آپ نے پہلے اس قسم کا کوئی بیان کیوں نہیں دیا؟"

"خوامخواہ اُلجھنا نہیں چاہتی تھی لیکن اب جب کہ مسٹر ڈینی ولسن مجرم گردانے جا رہے ہیں۔ میں کس طرح خاموش رہ سکتی ہوں؟"

"اگر یہ بات ہے تو شاید آپ اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکیں! آیئے میرے ساتھ۔"

وہ اسے اس کمرے میں لایا جہاں ڈان فاگان مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر رُکا اور رینا کو گھورنے لگا۔ اس کے بعد کچھ غیر مانوس سے الفاظ اس کی زبان سے نکلے تھے۔

"کیا کہہ رہا ہے؟" رینا نے سرجن سے پوچھا۔

"اسپینی کے علاوہ اور کچھ نہیں بول سکتا۔"

"یہ قطعی غلط ہے۔ انگریزی بھی روانی سے بولتا تھا ورنہ انہیں بندر کے بارے میں کیسے بتاتا! ہم سب اسپینی سے نابلد ہیں۔"

سرجن کسی سوچ میں پڑ گیا اور رینا نے ڈان فاگان کو مخاطب کرکے انگریزی میں کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم مجھے نہیں پہچانتے۔ تم نے کئی دن ہم تینوں کے ساتھ گزارے تھے۔" ڈان فاگان بالکل اسی طرح اُسے دیکھتا رہا جیسے کچھ بھی نہ سمجھ سکا ہو۔

"تمہارا یہ فراڈ کتنے دنوں چلے گا!" رینا پھر بولی۔

"ٹھہرو۔" سرجن ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ایک تجربہ ہے۔ ہم

ایک بار پھر تنگیزی کی چڑھائی پر چلیں اور تم بھی ہمارے ساتھ رہو۔"
"میں تیار ہوں۔" رینا نے کہا۔

پولیس سرجن نے فون پر ڈی ایس پی سے رابطہ قائم کر کے اپنی تجویز اس کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ سچ ہے کہ اس قسم کا کوئی بندر وہاں موجود ہے اور عورت کی بو پا کر سامنے آتا ہے تو اس کی بھی تصدیق ہو جائے گی کیونکہ سرکس ہی کی ایک لڑکی ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔"

کچھ دیر بعد دو جیپوں میں پانچ مسلح کانسٹیبل ۔ ایک سب انسپکٹر، پولیس سرجن، رینا اور ڈان فاگان تنگیزی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ڈان فاگان، سرجن اور رینا ایک ہی جیپ میں تھے۔ راستے میں کئی بار ڈان فاگان اسپینی میں کچھ بڑبڑایا تھا لیکن اس کے انداز سے ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ گرد و پیش کے ماحول سے قطعی بے خبر ہو۔ رینا نے اسی جگہ گاڑی رکوائی جہاں پہلے دو ترمے سے قبل ڈینی کی اسٹیشن ویگن روکی گئی تھی۔

پیچھے والی جیپ بھی رک گئی۔ تھوڑے سے ہی فاصلے پر ایک اور گاڑی نظر آئی جس میں ایک ہپی بیٹھا کوئی موٹی سی کتاب پڑھ رہا تھا۔ وہ سب جیپوں سے اتر گئے۔ ہپی کتاب بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی جاندار تھیں۔ پولیس انسپکٹر نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ دونوں جیپوں کے ڈرائیور ایک مسلح کانسٹیبل سمیت وہیں رک گئے اور بقیہ لوگوں نے چڑھائی کا رخ کیا۔ پولیس انسپکٹر بار بار مڑ کر گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہپی کو گھورنے لگتا تھا جو اب پھر اپنی موٹی سی کتاب میں ڈوب گیا تھا۔ ڈان فاگان خاموشی سے راستہ طے کر رہا تھا۔ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی کہیں بھی تو اس کی آنکھوں میں شناسائی کی جھلک نہیں دکھائی دی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہلی بار ادھر آیا ہو۔ رینا سوچ رہی تھی کہ کہیں اس سے غلطی تو سرزد نہیں ہوئی۔ اگر آج پھر کوئی حادثہ پیش آیا تو ڈینی کو کیا جواب دے گی! کچھ دیر بعد وہ اسی جگہ پہنچ گئے جہاں بندر دکھائی دیتا تھا۔ ڈان فاگان کو ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ رینا مسلح کانسٹیبلوں کے نرغے میں تھی۔ پولیس سرجن ڈان فاگان کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اچانک اسی وقت ٹھیک ادھر ہی سے دو آدمیوں کے سر ابھرے جدھر بندر نمودار ہوا تھا۔

"اوہو" رینا چونک پڑی پھر اس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے ان میں سے ایک جانی پہچانی شخصیت تھی اور دوسرا بڑے بالوں والا ایک ہپی نوجوان تھا۔

رینا کی حیرت بڑھتی رہی۔ عمران یہاں کہاں! وہ دونوں ٹھیک سامنے آ گئے۔ مسلح کانسٹیبلوں کے تیور بتا رہے تھے جیسے وہ ان پر اچانک حملہ کر دینے کے حکم کے منتظر ہوں۔ دفعتہً ڈان فاگان پھر کچھ بڑبڑایا اور رینا نے دیکھا کہ عمران نے ہنس کر بالکل ویسی ہی زبان میں اسے مخاطب کیا بس پھر کیا تھا ڈان فاگان اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دونوں کے درمیان ذہانی گفتگو کی سی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دونوں ایک دوسرے کو پھاڑ کھائیں گے۔ ہپی نوجوان کھڑا ہنس رہا تھا۔ پھر مسلح کانسٹیبلوں کی دخل اندازی نے انہیں ایک دوسرے سے فاصلے پر پہنچا دیا تھا۔

"ہاں نہیں تو۔۔" عمران سر جھٹک کر بولا۔ "سالے نے خوامخواہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔"

"تک۔۔۔ کیا آپ اسپینی جانتے ہیں!" پولیس سرجن نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"کیوں نہیں؟"

"اس نے کیا کہا تھا؟"

"بڑی گندی سی گالی دی تھی پھر میں نے بھی وہ سنائیں کہ عقل ٹھکانے آ گئی ہو گی!"

ڈان فاگان پھر بے تعلقانہ انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دیر سے اس کی زبان ہی نہ کھلی ہو۔

"آپ کون ہیں؟"

"ارے واہ۔ کیا میں آپ کو آدمی کی بجائے کچھ اور نظر آ رہا ہوں؟"

"یہ بات نہیں۔" سرجن نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہمیں توقع نہیں تھی کہ یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو گا۔ شاید نیچے آپ ہی لوگوں کی گاڑی کھڑی ہے۔"

"ہم بھی بندر دیکھنے آئے تھے۔ اخباروں میں پڑھا تھا اس کے متعلق۔"

"کیا آپ سردار گڑھ ہی کے باشندے ہیں؟"

"جی نہیں سیزن گزارنے آئے ہیں۔"

رینا اردو بول اور سمجھ سکتی تھی لیکن وہ خاموش ہی رہی۔ عمران سے متعلق ڈینی کا قول کرسی نشین ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"میرا نام سعید صدیقی ہے۔ پولیس اسپتال کا ڈاکٹر ہوں۔"

"میرا نام علی عمران ہے۔"

دونوں نے مصافحہ کیا اور ڈاکٹر بولا۔ "ہمیں کسی ایسے ہی آدمی کی تلاش تھی جو اسپینی جانتا ہو۔"

"یہ آخر ہے کیا بلا؟" عمران نے ڈان فاگان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

www.taemeernews.com

"آپ نے اخبارات میں اگر وہ کہانی پڑھی ہے تو فان گگان کے بارے میں بھی جانتے ہو گے؟"

"آہا... تو یہ حضرت ہیں۔ بھلا میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا کہ گالیاں دینے لگے"۔

"یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ کبھی کبھی اسپینی میں بڑبڑانے لگتا ہے"

"آپ لوگوں کو بھی گالیاں دیتا ہو گا۔ صورت ہی سے نابنجار معلوم ہوتا ہے"۔

"یہی تو بات ہے۔ دراصل اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کا ریکارڈ رکھنا پڑے گا"۔

سب انسپکٹر نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "پندرہ منٹ تو ہو گئے"۔

عمران اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بھی عمران ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیوں جناب! کیا آپ کو ادھر آتے ہوئے خوف نہیں محسوس ہوا تھا؟" اُس نے عمران سے پوچھا۔

"میرے ساتھ ظفر الملک ہیں"۔ عمران نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی ظفر الملک نہیں کہ خوف محسوس ہوتا"۔

"کیا بات ہوئی؟"

"آپ لوگ ان بے چاری خواتین کو یہاں کیوں لائے ہیں؟" عمران نے ریتا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کو مجھ سے کوئی سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا"۔

"بالکل پہنچتا ہے! میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اس اسپینی کو فضول سمجھ کر سڑک پر پھینک گئے تھے لیکن بے چاری لڑکیاں"۔

"آپ اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

"اردو سمجھ لیتی ہے"۔ عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ اور وہ خود ہی آئی ہے"۔

دفعتاً کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ رہا"۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک دھماکا ہوا۔ افراتفری مچ گئی۔ گہرا دھواں انہیں اپنے نرغے میں لے رہا تھا۔

*

عمران نے بائیں جانب والے نشیب میں چھلانگ لگائی تھی سو وہ بڑی تیزی سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا تھا۔ پھر کمر کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائی اور آنکھوں میں تارے ناچ گئے کوئی بڑا پتھر راہ میں حائل ہو گیا تھا ورنہ یہ اضطراری چھلانگ اسے سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ میں لے جاتی۔ کمر میں ایسی چوٹ آئی تھی کہ کئی منٹ تک اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش بھی نہ ہو سکی۔ وہ آنکھیں بند کیے دم بخود پڑا رہا۔ کرتا بھی کیا! فی الحال ذہن سے سب کچھ محو ہو گیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کمر کی چوٹ نے سارے جسم کو سُن کر دیا ہو۔ کیا ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی؟ ذہن میں بھالا سا چبھا تھا اس خیال پر لیکن پھر فوراً خیال آیا ایسا نہیں ہو سکتا۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹتی تو وہ یہ سوچنے کے قابل نہ رہ جاتا کہ کہیں ریڑھ کی ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی! کچھ وقت اور گزرا۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جا رہا تھا پھر اُس نے اٹھنے کی کوشش کی اور بخیر و عافیت اٹھ بھی بیٹھا البتہ کمر کی تکلیف بدستور قائم تھی۔ یہ ایسی جگہ تھی کہ یہاں سے سر پر پھیلے ہوئے نیلے آسمان کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ جہاں سے لڑھکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ اس ڈھلان پر قدم جما کر اوپر جانا تقریباً ناممکن ہی معلوم ہوتا تھا۔ پھر نیچے نظر ڈالی تو روح فنا ہو گئی اور وہ اس پتھر سے چمٹ گیا جس سے ٹکرا کر چوٹ کھائی تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ عمران کی نظریں چڑھائی کی طرف لگی رہیں پھر اسے اوپر کچھ لوگ دکھائی دیے۔

وہ ہاتھ ہلا ہلا کر چیخنے لگا۔ "ادھر... ادھر... میں اوپر نہیں پہنچ سکتا۔ یہ دیکھو... جلدی کرو..."

"تم وہاں کیسے پہنچے؟" کسی نے اوپر سے پوچھا۔

"یار کمال کرتے ہو۔ ارے کچھ کرو... ورنہ بالکل نیچے پہنچ جاؤں گا"۔

"اچھا... اچھا... پتھر کو مضبوطی سے پکڑے رکھو ہم کچھ کرتے ہیں"۔

پچیس منٹ بعد ایک رسہ پھینکا گیا اور پھر جب وہ اس رسے کے سہارے اوپر پہنچا تو سردی کے باوجود بھی پسینے میں شرابور تھا۔ کچھ دیر ہاتھ پیر ڈالے پڑا رہا۔ پھر اُٹھنے کی کوشش کی اور گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد ان سے پوچھا۔ "میرا ساتھی کہاں ہے؟"

"سب موجود ہیں۔ اس کے علاوہ"۔

"وہ لل... لڑکی"۔

"وہ بھی بچ گئی"۔ پولیس سرجن بولا۔ "لیکن ابھی ہوش میں نہیں آئی"۔

"کہاں ہے؟"

"وہ اُدھر... اس تنگ سی دراڑ میں پڑی ہے"۔

عمران آگے بڑھا... دراڑ دو فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی لیکن طوالت کا اندازہ کر لینا دشوار ہی تھا۔ کیونکہ آگے گہری تاریکی تھی۔

وہ پولیس والوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "لڑکی چالاک معلوم ہوتی ہے"۔

www.taemeernews.com

اس کے بعد اس نے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

"ارے... ارے... کیا ہوا جناب؟" پولیس سرجن آگے بڑھ کر بولا۔

"ہائے میرا ساتھی" عمران کراہا۔ "وہ جنگلی اُسے لڑکی سمجھ کر لے گئے۔ سمجھا تا تھا دیکھو بھائی اگر تم نے سر کے بال بڑھائے ہیں تو داڑھی بھی رکھ لے لیکن کون سنتا ہے! ہائے۔ آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ خدا کے لیے اپنے کسی سپاہی کو نیچے بھیج کر داڑھی والے کو بلوا دیجئے۔"

"اچھا۔ اچھا... آپ خود کو سنبھالیے تو" سرجن بولا۔

اتنے میں سب انسپکٹر جھپٹ کر عمران کے قریب پہنچا اور اس کا بازو پکڑ کر کہنے لگا۔ "آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ کا تعلق انہی جنگلیوں سے نہیں ہے؟"

"اب تو ہو ہی گیا ہے تعلق۔"

"کیا مطلب؟"

"جب تک میرا ساتھی نہ مل جائے مطلب خود میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

"وہ شاید ہوش میں آ رہی ہے۔" سرجن نے کہا اور تیزی سے دراڑ میں داخل ہو گیا۔

"اُدھر نہ دیکھیے... میری بات کا جواب دیجیے" سب انسپکٹر عمران کو گھورتا ہوا بولا۔

"آپ کی بات نے لاجواب کر دیا ہے مجھے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ جنگلی کس طرف سے آئے تھے؟"

"آپ نے نہیں دیکھا تھا؟"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی جناب! ابھی ابھی آپ ہی نے مجھے اس گڈھ سے نکالا ہے۔ دھماکا ہوتے ہی تو میں اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔"

"بہرحال آپ لوگ شبہے سے بالاتر قرار نہیں دیے جا سکتے۔"

"کبھی نہیں دیے گئے۔ میری تو شکل ہی دیکھ کر لوگ شبہے میں پڑ جاتے ہیں۔"

سرجن رینا کو سہارا دیے ہوئے دراڑ سے برآمد ہوا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی پھر عمران پر نظر ٹھہری۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ ہلے تھے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔

عمران دوسری طرف مڑ کر ایک کانسٹیبل سے بولا۔ "بھائی! ذرا نیچے جا کر اس داڑھی والے کو بلا لاؤ۔"

"میری اجازت کے بغیر کوئی یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔" سب انسپکٹر غرایا۔

"اچھا تو وہ لوگ آپ کی اجازت ہی سے میرے ساتھی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اب سمجھا۔ لڑکی کو بچانے کے لیے میرے ساتھی کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔ واہ۔"

"فضول باتوں میں کیا رکھا ہے؟" سرجن رینا کو ایک طرف بٹھاتا ہوا بولا۔ "ہم وقت ضائع کر رہے ہیں کیوں نہ انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے؟"

"یہ ہوئی قاعدے کی بات۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اب بتائیے وہ کدھر سے آئے تھے؟"

بات دراصل یہ تھی کہ کسی کانسٹیبل نے بندر کو دیکھ کر نعرہ لگایا تھا پھر دھماکا ہوا تھا اور ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ کوئی دیکھ ہی نہیں سکا تھا کہ جنگلی کب اور کدھر سے آئے تھے؟ سرجن عمران کو اس بارے میں بتا ہی رہا تھا کہ جیسن بھی آ پہنچا۔

عمران نے اُسے دیکھ کر اس طرح منہ بنا دیا جیسے رو ہی تو دے گا پھر گلوگیر آواز میں بولا۔ "اے میرے دوست کے یار وفادار... وہ نامراد جنگلی اُسے لڑکی سمجھ کر اٹھا لے گئے۔"

"کسے؟"

"ظفر کو۔"

"اور آپ لوگ؟" جیسن نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "لیکن تم خود بخود کیسے چلے آئے؟"

"میں نے شاید دھماکا سنا تھا۔"

"افراسیاب نے گولا مارا تھا۔ تم نے ٹھیک سنا تھا۔"

"ٹھیک سے بتائیے جناب۔ ہز ہائی نس کہاں ہیں؟"

"یقین کر بھائی۔ ان محترمہ کے دھوکے میں ظفر کو اٹھا لے گئے۔" عمران نے رینا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں نہیں سمجھی۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ تنک کر کھڑی ہو گئی۔

"پھر کیا کہوں؟ آپ تو اس دراڑ میں جا لیٹی تھیں۔ میرا ساتھی پیچھے سے انہیں لڑکی ہی لگا ہو گا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ وہ لوگ کدھر سے آئے تھے؟ آپ نے ضرور دیکھا ہو گا کیونکہ آپ کو دراڑ میں داخل ہونے کا ہوش تھا۔"

"اُدھر سے۔" رینا نے داہنی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

جیسن اس طرف بڑھا ہی تھا کہ سب انسپکٹر دہاڑا۔ "ٹھہرو! تم دونوں حراست میں ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ سردار گڑھ چلنا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟" جیسن عمران کی طرف مڑا۔

"یہ حضرت ہمیں ان جنگلیوں کا سرپرست سمجھ رہے ہیں۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟" جیسن سب انسپکٹر کو گھورتا ہوا بولا۔ "میں ہز ہائی نس نواب زادہ ظفر الملک کا سیکرٹری ہوں۔"

www.taemeernews.com

"اور کیا۔۔۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن سیکرٹری صاحب۔۔۔ ذرا آپ بھی اپنی یہ پھولدار جیکٹ اُتار دیجیے۔۔۔ تو پیچھے سے ڈاڑھی نہیں دِکھائی دیتی۔"

"یور مجسٹی۔۔۔ آپ ویری کیوں کر رہے ہیں!" جیمسن جھنجھلا کر بولا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔" عمران ریتا کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"ان کی جیکٹ اور پتلون دیکھو۔"

"میں کہہ رہا ہوں جناب۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہمیں دیکھنا چاہیئے۔" سرجن نے انسپکٹر سے کہا۔

سب انسپکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کانسٹیبلوں کو اشارہ کرتا ہوا اسی طرف بڑھا۔ اس طرف کی ڈھلان ناقابلِ عبور نہیں تھی۔

"تک۔۔۔ کیا آپ بھی۔۔۔!" عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"میں یہاں اکیلی تو نہیں ٹھہر سکتی۔" ریتا نے کہا۔

وہ اس کے برابر ہی چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ظاہر نہ ہونے دینا کہ مجھے پہچانتی ہو۔۔۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"کب ظاہر ہونے دیا ہے! میں تمہیں غلط سمجھی تھی مجھے معاف کر دو۔"

"سب ٹھیک ہے۔"

جیمسن بڑے جوش میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ دفعتہً ایک جگہ رُک کر اس نے زمین سے کوئی چیز اُٹھائی اور پھر وہ سب اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

یہ سُرخ رنگ کا ایک ریشمی رُومال تھا۔

"ہز ہائی نس کا رُومال۔" جیمسن عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔

"رکھ لو یادگار کے طور پر۔" عمران نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ بائیں جانب جھپٹا تھا۔۔۔ اُس نے بھی کچھ اُٹھایا۔ یہ فاؤنٹن پن تھا۔

"راستہ بدل دینا چاہیئے۔" اس نے سرجن سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"شاید وہ پوری طرح بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ نشان دہی کرتا گیا ہے۔" عمران نے کہا اور بائیں جانب چل پڑا۔

سب سے پہلے سرجن نے اس کی تقلید کی تھی۔ یہ راستہ دشوار گزار ثابت ہوا۔ ایک تنگ سے درّے کے قریب ظفر الملک کا سفری ملا۔ وہ پھر رُک گئے۔ ڈان خاگان بھی اُن کے ساتھ تھا۔ دفعتہً اُس نے کچھ کہا اور عمران مُڑ کر مسکرانے لگا۔

"کیا کہہ رہا ہے!" پولیس سرجن نے کہا۔

"مفلر کی والدہ محترمہ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ نا ہنجار نے۔"

"ارے تو کیا اسپینی میں بھی!"

"جی ہاں۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دُنیا کی ہر زبان مادری ہی زبان کہلاتی ہے۔"

"آپ لوگ بے تُکی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا یہ باتوں کا وقت ہے!" جیمسن جھلا کر بولا اور اسی تنگ سے درّے میں گھستا چلا گیا۔

"ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔" پولیس انسپکٹر چیختا رہا لیکن کون سنتا ہے! جیمسن ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

پھر عمران نے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن انسپکٹر اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔ "اپنے ساتھی کی رسید آ جانے دیجیے پھر آپ بھی زحمت فرمایئے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے وہ اتنی دیر میں کسی غار میں گِر کر اپنی ہڈیاں سُرمہ کر چکا ہو۔"

"تو پھر؟"

"میں اپنی موجودگی میں کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اور یہ سب کچھ ہوتا ہی رہے گا۔"

"میں مجبور ہوں۔ جب تک کوئی ایسا آدمی ساتھ نہ ہو جو ان اطراف سے بخوبی واقف نہ ہو۔"

"جتنی دیر میں آپ کوئی ایسا آدمی تلاش کریں گے وہ جنگلی میرے ساتھیوں کو بھون کر کھا جائیں گے۔ اچھی بات ہے آپ جا کر کوئی ایسا آدمی تلاش کر لایئے میں یہیں بیٹھا ہوں۔"

عمران سچ مچ درّے کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت درّے سے دوڑتے ہوئے بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی اور کوئی اُچھل کر عمران پر آ پڑا۔ یہ جیمسن تھا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ پھر ایک عقاب کسی طرف سے نمودار ہوا اور اس نے بے ہوش جیمسن پر ہی جھپٹا مارا اور اس کی جیکٹ کو اُدھیڑتا ہوا مخالف سمت میں بلند ہوتا چلا گیا۔

ریتا ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی تھی۔

"شاید اُدھر ہی کہیں کوئی مادہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔" سب انسپکٹر عقاب کی پرواز پر نظر جماتے ہوئے بولا۔

"اور اب میں اُسے لے کر بیٹھوں گا۔" عمران جیمسن کی طرف ہاتھ ہلا کر کلکلایا۔

"شکر کیجیے کہ ان حضرات کی واپسی ہو گئی۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ارے وہ پھر لیٹ رہا ہے۔" ریتا چیخی۔

www.taemeernews.com

عمران نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عقاب دوسرے جھپٹے کے لیے پلٹ چکا تھا۔

"فائر کرو" اُس نے چیخ کر کہا۔ اس بار عقاب عمران کی پُشت پر پنجے مارتا ہوا دوسری طرف نکل گیا تھا۔

ریتا سب انسپکٹر سے اُلجھ پڑی۔ "آپ فائر کیوں نہیں کرتے؟"

"راؤنڈز کا حساب دینا پڑتا ہے۔ ہمارا اسلحہ چڑی ماری کے لیے نہیں۔"

"پھر وہ کیسے قابو میں آئے گا؟ ارے۔ ارے پھر پلٹا۔"

اس مرتبہ عمران نے بڑی تیزی سے اپنا کوٹ اُتارا تھا اور پھر انہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی عقاب نے جھپٹا مارنے کے لیے غوطہ کھایا۔ عمران کے کوٹ سے اُلجھ کر رہ گیا۔ کوٹ سمیت دوسری طرف جھٹک کر عمران نے اُس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ بیٹھ گیا۔ ٹھیک اُسی وقت ڈان خاقان دہاڑتا ہوا اُس کی طرف دوڑا۔

"دیکھو... دیکھو..." عمران چیخا "اب یہ مردود براہِ راست مجھے گالیاں دے رہا ہے۔ اسے سنبھالو..."

سب انسپکٹر کے اشارے پر دو کانسٹیبل ڈان خاقان سے لپٹ گئے تھے۔ وہ رک تو گیا لیکن اُس کی زبان بدستور چل رہی تھی۔ اسی دوران میں عمران بھی اُٹھ کر اپنا کوٹ جھاڑنے لگا۔ عقاب کی گردن وہ پہلے توڑ چکا تھا۔ ریتا جیسن کے قریب جا بیٹھی تھی اور اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔ پھر ڈاکٹر بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟" سب انسپکٹر نے عمران سے پوچھا۔

"گالیاں... صرف گالیاں جیسے یہ عقاب اس کا کوئی نہایت رشتے دار رہا ہو۔ اور سنو وہ اب بوڑھی عورتوں کی طرح قُربِ قیامت کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جناب۔ لیکن آپ کیا چیز ہیں!"

"ناچیز" عمران کہتا ہوا پھر جیسن کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر اس کا داہنا بازو ٹٹولنے لگا کیونکہ آستینیں خون سے بھیگی ہوئی تھیں۔

بمشکل تمام جیکٹ اُتاری جا سکی۔ اس کا بازو زخمی تھا۔ اور آستین میں دو سوراخ نظر آئے۔

"گولی... یہ زخم گولی کا ہے" سرجن نے پُر تحیّر لہجے میں کہا۔

"ہڈی تو محفوظ ہے" عمران نے پوچھا۔

"یہی غنیمت ہے" سرجن سر ہلا کر بولا۔

غزل

شوکت عابد

دیکھ اپنے خواب کا انجام دیکھ
بارشوں میں دھل گیا وہ نام دیکھ

سانس لیتی ہیں لہُو میں خواہشیں
رقص کرتی ہے ہوائے شام دیکھ

اُٹھ رہا ہے پھر درختوں سے دھواں
دُھند بنتی جا رہی ہے شام دیکھ

چاند پھر نکلا اُسی محراب سے
جل اُٹھا پھر اک چراغِ بام دیکھ

بہتے پانی پر ہیں قدموں کے نشاں
ہے سفر کا پھر وہی ہنگام دیکھ

روشنی کے جُھنڈ سے آگے نکل
سر پہ آتی رات کا کُہرام دیکھ

"اسی لیے میں روک رہا تھا" سب انسپکٹر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا "پتا نہیں کیا چکر ہے؟"

ٹھیک اسی وقت عمران نے جیبی ٹرانسمیٹر پر اشارہ محسوس کیا۔ اس وقت یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ سب انسپکٹر سر پر سوار تھا۔ لہٰذا ٹرانسمیٹر نکالنا ہی پڑا۔

کہیں سے کوئی بھرائی ہوئی آواز میں پکار رہا تھا: "ہیلو۔ ہیلو... عمران صاحب..."

"ہیلو... عمران... ہُوازدیٹ؟"

"ظفرالملک..." دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہائیں۔ تم کہاں ہو؟"

"سڑک کے کنارے پڑا ہوں۔ لیکن کہاں؟ یہ نہیں بتا سکتا۔"

"جس راستے سے ہم آئے تھے۔ اسی پر تو نہیں؟"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اور کون ہے تمہارے پاس؟"

www.taemeernews.com

"کوئی بھی نہیں۔۔۔ دور دور تک کوئی نہیں دکھائی دیتا۔"

"تم وہاں پہنچے کس طرح؟"

"کچھ پتا نہیں۔ دھماکے کے بعد سے کچھ بھی یاد نہیں۔"

"اچھی بات ہے جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔۔۔ میرا خیال ہے تمہارا اعشاریہ ڈان فاگان ہی کا ساتھی ہے۔ ہم سردار گڑھ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔"

"بہت بہتر۔"

عمران ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے اسے جیب میں ڈالنے ہی والا تھا کہ ایس انسپکٹر نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"بہت قیمتی ہے۔ ہرگز نہ دوں گا۔" عمران بولا۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے پاس پرسٹ ہے اور آپ کس سے گفتگو کر رہے تھے؟"

"میں اپنے اسی ساتھی سے گفتگو کر رہا تھا جو راکفلوں کے درمیان بھی ان وحشیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ اس وقت کسی سڑک کے کنارے پڑا ہوا ہے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں پرسٹ۔"

"آپ جھک مار رہے ہیں۔" ریتا آگے بڑھ کر بولی۔ نہ جانے کیوں اُسے غصہ آگیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ نے اب تک کیا کیا ہے؟"

"میں جانتا ہوں کہ مجھے کب کیا کرنا چاہیے؟"

بات بڑھ جاتی لیکن سرجن آڑے آیا۔ وہ زخمی جیمسن کے لیے فوری طور پر طبی امداد فراہم کرنا چاہتا تھا۔ اُسے وہاں سے اٹھا کر سڑک تک لے جانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ گاڑیاں سردار گڑھ کی طرف روانہ ہوگئیں۔ عمران اپنی جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ پچھلی سیٹ پر جیمسن کسی نہ کسی طرح لٹا دیا گیا تھا اور اب ایس انسپکٹر عمران کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ میرے ہیڈ کوارٹر چلیں گے؟" اس نے عمران سے کہا۔

"پہلے اسپتال۔۔۔ آپ بھول رہے ہیں۔ ویسے آپ کب بھرتی ہوئے تھے جناب؟"

"بھرتی نہیں ہوا تھا۔ ٹریننگ کالج سے آیا ہوں۔"

"اوہ اچھا۔۔۔ بھلا بتایئے تو مونگ کی کھچڑی کا کیا فارمولا ہے؟"

"آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا؟"

"میرا ایک انسپکٹر دوست مونگ کی کھچڑی پر اتھارٹی ہے۔"

"خیر دیکھوں گا۔" ایس انسپکٹر بولا۔

اچانک گاڑیاں رک گئیں۔ مظفر الملک مل گیا تھا۔ اس کے کپڑے تار تار تھے اور وہ بمشکل کھڑا ہو سکتا تھا۔ وہ سب گاڑیوں سے اتر پڑے۔ مظفر الملک کو سہارا دے کر ایک گاڑی میں بٹھا لیا گیا۔ ریتا عمران کے قریب کھڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "ٹھیک اسی جگہ ڈان فاگان بھی پڑا ملا تھا اور وہاں ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ میں بھی اس حادثے کے وقت وہاں موجود تھی۔"

"فکر نہ کرو۔۔۔ سب دیکھ لیا جائے گا۔"

ایس انسپکٹر نے انہیں گفتگو کرتے دیکھ کر ان کی طرف دوڑ لگائی۔

"یار تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں اب تمہیں اپنی گاڑی میں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ یہ بیٹھیں گی میرے ساتھ۔ پولیس والوں میں اتنی دیر تک بیٹھنے سے میری کمر درد ہو گئی ہے۔"

ریتا پہلے ہی اچھل کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ ایس انسپکٹر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ اسی گاڑی میں جائیے۔"

"میں تو نہیں جاتی۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟" ایس انسپکٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"سنو دوست۔" عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولا۔ "عورتوں سے اس لہجے میں گفتگو نہیں کیا کرتے۔ تمہارا ایس پی بڑا حسن پرست آدمی ہے۔ اگر شکایت کر دی گئی تو اُسے بڑا دکھ ہوگا۔ سردار گڑھ پہنچ کر میں تمہیں اس سے ضرور ملاؤں گا۔ بس جاؤ۔ اپنی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ میرا ساتھی تمہاری ہی گاڑی میں ہے۔ میں اسے چھوڑ کر کہیں بھاگ نہیں سکتا۔"

"اچھی بات ہے۔ سردار گڑھ پہنچ کر دیکھا جائے گا۔" ایس انسپکٹر نے غصیلے لہجے میں کہا اور اگلی گاڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔

گاڑیاں پھر چل پڑی تھیں۔ ریتا مڑ کر جیمسن کو پرتشویش نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "پتا نہیں بے چارے پر اس درّے میں کیا گزری۔ ہم نے شاید فائر کی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔"

"قطعی نہیں۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

"میں آپ سے شرمندہ ہوں مسٹر عمران۔"

"کوئی بات نہیں۔ میرے سلسلے میں عورتوں کو عموماً شرمندگی ہی اٹھانی پڑتی ہے۔"

"مسٹر ولسن بڑے پیار سے آپ کے قصے سناتے ہیں۔"

www.taemeernews.com

"بوڑھا سنک گیا ہے۔ اللہ اس پر رحم کرے۔"
"ان کے سلسلے میں ڈی ایس پی کو منہ کی کھانی پڑی۔ وہ چاہتا تھا کہ ضمانت نہ ہو سکے۔"
عمران کچھ نہ بولا۔ گاڑیاں سردار گڑھ کی طرف بڑھتی رہیں۔

شام ہو گئی لیکن ریتا کا سُراغ نہ مل سکا۔ ڈینی بے حد پریشان تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ پولیس والوں کے چکر میں پڑ گئی ہوگی۔ ورنہ پولیس اسٹیشن سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر اندھیرا پھیلنے لگا۔ سرکس کا شو بھی شروع ہو چکا تھا۔ اس نے منیجر کو طلب کر کے کہا۔ "میری دشواریوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ کیا کروں؟ کچھ میں نہیں آتا۔"
"میں تو پہلے ہی سے لڑکیوں کا مخالف ہوں۔۔۔ باس۔"
"تم گدھے ہو۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گئی؟"
"رپورٹ درج کرا دوں گمشدگی کی؟"
"اس بار پھانسی ہی ہو جائے گی۔"
ڈینی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ریتا بوکھلائی ہوئی اندر داخل ہوئی اور قبل اس کے کہ ڈینی باز پرس کرتا اپنا کارنامہ بیان کر چلی۔
ڈینی غصیلے انداز میں سُنتا رہا اور پھر اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "اس بار وہ تمہیں پکڑ ہی لے جاتے تو بہتر ہوتا۔"
"کیوں؟"
"میں شبے سے بالاتر ہو جاتا۔"
"اتنی خود غرضی؟"
"آخر تم مجھ سے پوچھے بغیر گئی کیوں تھیں؟" ڈینی دہاڑا۔
"آپ اجازت نہ دیتے۔ اوہ مسٹر ولسن! وہ آپ کا دوست علی عمران تو واقعی ایک سمجھ میں نہ آنے والا آدمی معلوم ہوتا ہے۔۔۔ ایس پی اُسے دیکھ کر بوکھلا گیا تھا اور پھر جو اس نے سب انسپکٹر کو ڈانٹ پلائی ہے تو بس مزہ آ گیا تھا۔"
"کہاں ہیں، ماسٹر عمران؟" ڈینی نے کسی قدر نرم ہوتے ہوئے پوچھا۔
"پولیس اسپتال چلے گئے۔ ان کے دونوں ساتھی وہیں تو ہیں۔ شو میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد میں بھی وہیں جاؤں گی۔"
"کیوں؟"
"انہوں نے بلایا ہے۔"
"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ اب جا کر شو کے لیے تیاری کرو۔"
ریتا چلی گئی اور ڈینی مسکرا کر اپنے منیجر سے بولا۔ "ماسٹر عمران کی عجیب شخصیت ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔
"کیوں؟ تمہارا لہجہ کیوں خراب ہے؟"
"مجھے وہ لڑکی یاد ہے جو برسوں اس کے لیے روتی رہی تھی۔"
"اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔" ڈینی کا لہجہ بھی مغموم ہو گیا۔ "لیکن اس میں ماسٹر عمران کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ خوامخواہ ان کے لیے پاگل ہو گئی تھی۔ یقین کرو وہ عورتوں کو منہ نہیں لگاتے۔"
"ایسے لوگوں کو کیا کہا جائے؟ یا تو وہ آدمی ہی نہیں ہوتے یا اوّل درجے کے مکار۔۔۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں ان کے پیچھے دوڑتی پھریں۔"
"نفسیات نہ جھاڑو مجھے۔۔۔ دفع ہو جاؤ۔" ڈینی میز پر ہاتھ رکھ کر غرّایا۔
منیجر چلا گیا اور ڈینی نے بوتل اُٹھائی۔ گلاس لبریز ہی کر رہا تھا کہ کوئی بغیر اجازت پردہ ہٹا کر خیمے میں داخل ہوا۔
"ہائیں۔" ڈینی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم ڈان فاگان۔۔۔ تت۔۔۔ تم یہاں کیسے؟"
لیکن وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ کچھ بولا نہیں۔
"کیا تمہاری یادداشت واپس آ گئی ہے؟" ڈینی نے تلخ لہجے میں سوال کیا لیکن پھر کوئی جواب نہ ملا۔
"جب تم اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھے ہو تو تمہاری موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"
دفعتہً ڈان فاگان کی پشت سے آواز آئی۔ "یہ خود نہیں آیا۔ لایا گیا ہے۔" اور عمران سامنے آ گیا۔
"اوہ۔۔۔ گریٹ مین۔۔۔" ڈینی اس سے بغل گیر ہونے کے لیے جھپٹا۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عمران اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا بولا۔ "میں اسے یہاں اس لیے لایا ہوں کہ اس کی یادداشت واپس لاؤں۔ اسے جتنی پلا سکتے ہو پلاؤ۔"
پھر اس نے ڈان فاگان کی طرف مڑ کر اسپینی میں کچھ کہا تھا اور وہ بڑی سعادت مندی سے ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے بعد عمران آہستہ آہستہ ڈینی سے کچھ کہتا رہا تھا۔ ڈینی ان دونوں کو خیمے میں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ عمران وہ گلاس اُٹھا کر جو ڈینی نے اپنے لیے تیار کیا تھا۔ ڈان فاگان کی طرف بڑھاتا ہوا کچھ بولا۔۔
کسی ندیدے کی طرح ڈان فاگان نے گلاس پر قبضہ کیا تھا۔ اور اسے ختم کیے بغیر کسی اور طرف نظر تک نہیں اُٹھائی تھی۔ دوسرے گلاس کا بھی یہی حشر ہوا تھا۔ عمران تیسرے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ

ڈینی دروازے میں دکھائی دیا۔ عمران کی طرف دیکھ کر اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی تھی اور مسکراتا ہوا پلٹ گیا تھا۔ تیسرے گلاس کے بعد اس نے ڈان فاگان کو اُٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خیمے سے باہر آگیا۔ سامنے ہی پولیس کی جیپ کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے ان کے لیے دروازہ کھولا۔ ڈان فاگان اور عمران پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ جیپ چل پڑی۔ اب جو ٹھنڈی ہوا لگی تو ڈان فاگان کی زبان بھی چل پڑی۔ پتا نہیں کس قسم کی بکواس تھی جن کے جواب میں عمران بھی چہکنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی۔ پھر ایس پی کے بنگلے پر جا رکی۔۔۔ ڈان فاگان کو ایک کمرے میں پہنچا یا گیا۔ اس وقت کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ عمران اسے وہیں بٹھا کر خود باہر نکلا اور دروازے کو باہر سے مقفل کر دیا۔ راہداری میں ایس پی موجود تھا۔

"کہیے۔۔۔ کیا رہی۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے یا نہیں؟" عمران نے سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ وہ ڈرائنگ رُوم میں موجود ہیں۔"

"یہیں بلا لیجیے! میں چاہتا ہوں کہ ان کی موجودگی ہی میں اس کی یادداشت واپس آئے۔"

ایس پی چلا گیا۔

واپسی پر پولیس سرجن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ ڈینی ان میں شامل تھا۔ عمران کے اشارے سے پردہ برابر والے کمرے میں چلا گیا۔ اور بقیہ لوگ اس کمرے کے دروازے پر کھڑے رہے جس میں ڈان فاگان کو عمران نے چھوڑا تھا۔ اچانک اندر سے گھنگھروؤں کی جھنکار سُنائی دی۔ جیسے کوئی رقص کر رہا ہو۔ پھر انہوں ڈان فاگان کی چیخ سُنی۔ وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر یک بیک اسپینی سے انگریزی پر اُتر آیا۔

"دروازہ کھولو۔۔۔ بچاؤ۔۔۔ مجھے بچاؤ۔۔۔"

"دیکھا" عمران پولیس سرجن کو آنکھ مار کر بولا۔ "اس طریق علاج کو گھپلالوجیکل ٹریٹمنٹ کہتے ہیں۔"

ڈان فاگان بدستور دروازہ پیٹ پیٹ کر چیختے جا رہا تھا۔ "مجھے بچاؤ۔۔۔ ورنہ یہ مار ڈالے گا۔ ارے درندو۔ خدا کے لیے دروازہ کھولو۔"

عمران نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور ڈان فاگان اچھل کر ان لوگوں پر آپڑا۔ سنبھال لیا گیا ورنہ منہ کے بل گرا ہی ہوتا۔ کمرے میں ایک ریچھ پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ٹھمک ٹھمک کر ناچے جا رہا تھا۔ ڈرے ڈرے سے قہقہے فضا میں گونجے۔ ڈان فاگان بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ عمران نے پولیس سرجن سے کہا۔

"بس اب آپ لے جائیے اسے اور بیان لیجیے لیکن خیال ہے کہ کہیں دوبارہ بے ہوش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو لاطینی بولتا ہوا ہوش میں آئے گا اور لاطینی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔"

ریچھ جہاں تھا وہیں ناچتا رہا۔ آگے نہیں بڑھا تھا۔ عمران نے ڈینی کو داد دے کر کہا۔

"اب میری طرف سے ریچھ کو انعام دے دو۔"

پھر انہوں نے دیکھا کہ ڈینی نے اسی کمرے کے ایک دروازے سے برآمد ہو کر ریچھ کے اگلے پنجوں میں بیئر کی ایک بوتل تھما دی۔

"ارے۔۔۔ تو یہ بیئر پیتا ہے۔۔۔" کسی نے حیرت سے کہا۔

"ریچھوں کا ڈاکٹر ہے۔" عمران بولا۔

سرجن ڈان فاگان کا بازو پکڑے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ شاید عمران کی بے تکلفی اُسے گراں گزری تھی۔

دوسرے لوگ ریچھ کو بیئر پیتے دیکھتے رہے۔ بوتل خالی ہوگئی۔ عمران نے ڈینی سے کہا۔ "اب اسے یہاں سے لے جاؤ۔ ورنہ مشاعرہ برپا کر دے گا۔" اس کے بعد ایس پی عمران کو ڈرائنگ رُوم میں لایا۔ سرجن ڈان فاگان سمیت وہاں سے جا چکا تھا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کی خود فراموشی قطعی ڈھونگ تھی۔" ایس پی بولا۔

عمران خاموشی سے چیونگم کچلتا رہا۔ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا لیکن چہرے پر حماقتوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

*

ڈان فاگان نے اعتراف کر لیا تھا کہ اس نے مصلحتاً یادداشت کھو بیٹھنے کی اداکاری شروع کر دی تھی۔ حالات کے مطابق پولیس اس پر ضرور شبہ کرتی اور وہ بڑی دشواری میں پڑ جاتا۔ بھلا کس طرح ثابت کر سکتا کہ وہ لڑکیوں کے اغوا کی سازش میں شریک نہیں تھا۔ جیسن ہوش میں آنے کے باوجود بھی نہ بتا سکا کہ اس کے بازو میں گولی کیسے لگی تھی یا کس نے فائر کیا تھا!

"درہ آگے جا کر بالکل تاریک ہوگیا تھا۔" اس نے عمران کو بتایا۔ "ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ میں پلٹ آنے کے لیے سوچ ہی رہا تھا کہ بازو کو کوئی چیز چھید گئی۔ پھر پتا نہیں کس طرح میں وہاں تک پہنچا تھا۔"

رات کے دس بجے تھے۔ ریتا بھی اسی کمرے میں موجود تھی۔ ظفرالملک کو خواب آور دوا دی گئی تھی لیکن جیسن جاگ رہا تھا۔ بازو میں شدید تکلیف کے باوجود اس نے خواب آور

www.taemeernews.com

وہاں کھیلنے سے انکار کر دیا تھا۔

"تم دُوسری عورتوں کی طرح ڈرپوک نہیں معلوم ہوتیں۔" عمران نے رینا سے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ اکڑ کر مسکرائی۔

"اس مہم پر چلوگی میرے ساتھ!"

"اس کا انحصار مسٹر ولسن پر ہے۔"

"اُسے میں دیکھ لوں گا۔"

"بس پھر مجھے بھی انکار نہیں۔"

"مجھے آپ سے اختلاف ہے یور ہجسٹی۔" جیمسن بولا۔

وہ عمران کو اسی طرح مخاطب کرتا تھا۔

"اس مسئلے پر پھر بات کریں گے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اتنے میں پولیس سرجن آگیا۔ اس نے عمران سے کہا۔ "اگر انہیں آرام ہی کرنے دیا جائے تو بہتر ہے۔"

"ضرور... ضرور..." عمران اٹھتا ہوا بولا۔

سرجن انہیں اپنے کمرے میں لایا تھا۔ بیٹھتے ہی فان فاگان کا ذکر چھڑ گیا۔

"پولیس کا مطلب ہے ہَوّا۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "غیر ملکی بھی کچھ دن یہاں رہ کر ہماری پولیس کے طریق کار سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس بے چارے نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ یادداشت کھو بیٹھے۔ کیوں نہ پولیس کا نام بدل دیا جائے جیسے وکٹوریہ روڈ کا نام بدل کر شاہراہِ نورجہاں کر دیا گیا ہے۔ پولیس کا نام 'دل ربا' رکھ دیا جائے۔ یونیفارم بدل دیا جائے۔ چوڑی دار پاجامہ۔ اچکن اور دوپلی ٹوپی۔ جتنا بڑا افسر ہو اتنا ہی زوردار سُرمہ لگائے۔ پھر دیکھیے کیا مزہ آتا ہے۔ عوام پولیس کو کاندھے پہ اٹھائے اٹھائے پھریں گے۔ آپ خود سوچیے۔ آپ پولیس سرجن کی بجائے 'دلربا' سرجن کہلائیں گے۔ ہائے ہائے۔"

سرجن ہنس رہا تھا۔ عمران کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "یقین کیجیے اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو میں اپنی زندگی میں کسی نہ کسی قسم کی کمی ضرور محسوس کرتا۔"

"کرتے تا۔۔! اب فان فاگان کو میرے حوالے کر دیجیے۔ سب دیکھ لوں گا۔"

"کیس ہی ملوث ہے۔ اس لیے شاید ضمانت کے بغیر ایسا نہ ہو سکے۔"

"خیر اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔"

رینا اردو سمجھ سکتی تھی۔ اس لیے وہ بھی اس دوران میں ہنستی رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ گئے۔

"آپ کا قیام کہاں ہے؟" رینا نے اسپتال سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں اسپتال پہنچ گئے اور میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔" عمران گلوگیر آواز میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"یہاں پہنچتے ہی کام شروع کر دیا تھا۔ قیام کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ رہیے۔"

"یعنی ڈیڈی اور اس کے ریچھوں کے ساتھ۔ خدا پناہ میں رکھے۔"

"مسٹر ولسن آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ جیپ کی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اس نے رینا سے بیٹھنے کو کہا تھا اور خود اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ جیپ حرکت میں آئی اور تاریکی کا سینہ چیرتی آگے بڑھتی رہی۔

"کیا خیال ہے؟ اگر ہم اس وقت اس جگہ چلیں جہاں فان فاگان اور میرا ساتھی پائے گئے تھے۔"

"ہم... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"شاید تم ڈر رہی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ مسٹر ولسن کو معلوم ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اس لیے اس طرف سے بھی کوئی تشویش نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بھیڑ بھاڑ سے کھیل بگڑ جاتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آج پولیس پارٹی بھی اُدھر ہی جانے والی ہے تو ہرگز نہ جاتا۔"

"وہ عقاب میرے ذہن میں بُری طرح کھٹک رہا ہے۔ اس گولی سے بھی زیادہ جو مسٹر جیمسن کے بازو میں لگی تھی۔"

"ذہین بھی ہو... کسی نے بھی اس کے بعد سے 'عقاب' کا ذکر نہیں کیا۔"

"ہاں میں زیادہ تر اسی کے بارے میں سوچتی رہی ہوں۔"

گاڑی اب تنگیر کی چڑھائی کی طرف جا رہی تھی۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ان اطراف میں سورج غروب ہو جانے کے بعد ٹریفک کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔ عمران نے ٹھیک اسی جگہ گاڑی روکی جہاں ظفرالملک پڑا تھا۔ گاڑی سڑک سے ہٹا کر کھڑی کر دی گئی تھی۔ ہیڈ لائٹس بند کر دینے کے بعد پھر چاروں طرف اندھیرا ہی تھا۔

"اُترآؤ۔ فکر نہ کرو... تم مجھے بھی اپنی ہی طرح کی لڑکی پاؤ گی۔"

www.taemeernews.com

"آپ آپ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ریٹا ہنس پڑی۔

عمران ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب اونچی اونچی اور ناقابلِ عبور چٹانیں تھیں۔

"یہاں آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"وہ راستہ جدھر سے وہ میرے ساتھی کو سڑک پر ڈال گئے تھے۔"

ریٹا نے ابتدا میں بڑی تیزی دکھائی تھی لیکن اب وہ رہ رہ کر چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگی تھی۔

عمران ٹارچ کی روشنی میں بائیں جانب والی چٹانوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر ریٹا کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں آ بیٹھا اور گاڑی سردار گڑھ کی طرف موڑ دی گئی۔

"کیا آپ نے وہ راستہ تلاش کر لیا؟" ریٹا نے پوچھا۔

"دن میں دیکھیں گے۔"

"کمال کر دیا۔ آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے بازار میں کچھ خریدنے گئے تھے۔ نہیں ملا تو کل دیکھا جائے گا۔"

عمران نے خوامخواہ قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اس وقت میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کتنی باہمت ہو۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"مجھے یقین ہے کہ تمہاری مدد کے بغیر یہ مہم سر نہیں ہو سکے گی۔"

"یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"آ جائے گی... آ جائے گی۔ ابھی سے فکر میں کیوں پڑ گئیں۔"

❋

دوسرے دن ظفرالملک نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ جیمسن کے بازو کی تکلیف بڑھ گئی تھی اور اُسے بے حد افسوس تھا اس طرح لیٹ جانے پر۔ اس ورَّے کے سامنے مسلح پولیس نے پڑاؤ ڈال دیا تھا جس میں جیمسن زخمی ہوا تھا لیکن اس کے اندر داخل ہونے کی کوشش دوبارہ نہیں کی گئی تھی۔ اِدھر عمران نے اپنی مہم کے لیے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ایک چھوٹا سا خیمہ جس میں کم از کم تین آدمی رہ سکیں، گاڑی پر بار کر دیا گیا تھا۔ خورد و نوش کا سامان بھی ساتھ تھا۔ ڈیفی خاموشی سے سب کچھ دیکھے جا رہا تھا۔ آخر عمران کا بازو پکڑ کر دوسروں سے الگ ہو گیا۔

"کیا بات ہے؟" عمران نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم دو آدمی اس لڑکی کی حفاظت کر سکو گے؟"

"ارے لڑکی کی حفاظت کے لیے ایک ہی کافی ہوتا ہے تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"پھر بھی میں نہیں سمجھ سکا کہ اس مہم میں لڑکی کیوں ضروری ہے۔"

"کاش وہ لوگ تمہیں بھی اُٹھا لے گئے ہوتے۔" عمران پیشانی پہ ہاتھ مار کر بولا۔

"ماسٹر عمران! اب میں بہت بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ بات جلدی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اچھا تو سنو۔ وہ بندر صرف عورت کی بُو پر آتا ہے اور وہی ان وحشیوں کا لیڈر ہے۔ جدھر سے جاتا ہے۔ جاتے ہیں۔"

"ارے تو تم اس بے چاری کو چارا بناؤ گے؟"

"اچھا تو کوئی ایسی تلاش کر دو جو بے چاری نہ ہو۔ وہ اپنی خوشی سے جا رہی ہے۔ میں نے مجبور تو نہیں کیا۔"

"اچھی بات ہے۔"

"تم چلنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن دُشواری یہ ہے کہ ضمانت کی شرط کے مطابق تم کیس کے اختتام تک سردار گڑھ سے ہل بھی نہیں سکتے۔"

"میرا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں تم پر اعتماد نہیں کرتا۔" ڈیفی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"بس تم بیٹھو آرام سے۔" عمران اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

پھر ظفرالملک اور ریٹا سمیت وہ تنگیز کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ باربرداری کی یہ گاڑی سردار گڑھ کے ایس پی نے مہیا کی تھی۔ تینوں اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔

"ڈان فاگان کا کیا ہوا؟" ظفر نے عمران سے پوچھا۔

"وہ پولیس پارٹی کے ساتھ ہے۔"

"اسکیم کیا ہے؟"

"ابھی خود ہی دیکھ لوگے۔"

اچانک ایک جگہ اُس نے گاڑی سڑک سے نیچے اُتاری اور اُسے ڈھلان میں لیتا چلا گیا۔ وہ گاڑی روک کر نیچے اُترا تھا اور اُن سے بھی اُترنے کو کہتا ہوا ریٹا سے بولا۔ "اب میں تمہیں مرد بناؤں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"صرف داڑھی لگانی پڑے گی۔"

"کیوں مذاق اُڑا رہے ہیں میرا؟"

"یقین کرو۔ تم ابھی دیکھو گی۔ ہم تین شکاری ہیں۔ بڑے بالوں والی لومڑیوں کے پیشہ ور شکاری۔"

پھر ریٹا متحیر رہ گئی تھی کیونکہ عمران نے اس کی لاعلمی میں بالکل اسی کی ناپ کا مردانہ لباس تک فراہم کر لیا تھا۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر بے تحاشا ہنس پڑی۔ گنجان داڑھی اور مونچھوں میں دہانہ تک چھپ کر رہ گیا تھا۔

www.taemeernews.com

"آپ بھی داڑھی لگائیں گے؟" عمران نے ظفر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"جناب عالی! میں نہیں چاہتا کہ آپ پھر اٹھا لیے جائیں۔"

عمران نے ریٹا کی طرف دیکھا "یہ تو بندر کو بھی ہمدردی معلوم ہوں گی۔"

ریٹا ہنس پڑی۔ ظفر جھینپ گیا تھا۔ عمران چند لمحے کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا پھر ظفر سے بولا۔ "تم اپنی پسند سے میک اپ کر سکتے ہو! میں اس طرف اُدھر جا کر کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرتا ہوں جہاں خیمہ نصب کیا جا سکے۔"

وہ بائیں جانب والی چڑھائی کی طرف بڑھا تھا اور ظفر اپنے میک اپ کی تیاری کرنے لگا تھا۔

"کیا آپ لوگ سرکاری سراغ رساں ہیں؟" ریٹا نے ظفر سے پوچھا۔

"ارے نہیں۔ یہ ہماری ہابی ہے۔"

"لیکن ایس پی تو عمران صاحب سے بہت زیادہ مرعوب معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ ان کے پرانے دوستوں میں سے ہے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیا سمجھ میں نہیں آتا!"

"مسٹر ڈِسن ان سے اپنے قریبی تعلقات کا ذکر کرتے نہیں تھکتے۔ لیکن قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ بھی انہیں اچھی طرح نہیں جانتے۔"

"میرا خیال ہے کہ ان کے والدین بھی شاید انہیں اچھی طرح نہ جانتے ہوں۔"

"معاف کرنا کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن بات ہی ایسی ہے۔"

"نہیں کہو۔ ہم لوگ تکلفات کے عادی نہیں۔"

"صورت سے بالکل احمق معلوم ہوتے ہیں۔"

"اوّل درجے کے احمق ہیں۔ نہ ہوتے تو اس بوڑھے کھوسٹ کے لیے جھک مارتے پھرتے۔ میرا جاتا اگر کسی خوبصورت لڑکی کے لیے دھکے کھاتے پھر رہے ہوتے۔ یقین کرو اگر تم ساتھ نہ ہوتیں تو میں اسپتال ہی میں پڑا رہتا۔"

"داڑھی میں کیسی لگتی ہوں؟"

"داڑھی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے گھر والے قدامت پسند ہیں۔ اس لیے لڑکیاں میرے ساتھ داڑھی ہی میں رہتی ہیں۔ اس کا عادی ہوں۔"

"آ آ تو وہ لڑکی ہی ہے جو تمہارے لیے درّے میں گھس گئی تھی۔"

"وہ تو لڑکیوں کا درخت ہے۔"

"تم سب بہت زندہ دل ہو۔ کیا سچ مچ نوابزادے ہو؟"

"میرے بارے میں میرا سیکرٹری ہی تمہیں کچھ بتا سکے گا۔ میں زیادہ تر لاعلمی کی زندگی بسر کرنے کا عادی ہوں۔"

"تمہارا سیکرٹری عمران صاحب کو یور مجسٹی کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔"

"انہیں تو میں بھی بادشاہ ہی سمجھتا ہوں۔ اب دیکھو نا تم جیسی خوبصورت لڑکی کو خوش بنا کر چلے گئے۔"

ایک گھنٹے بعد خیمہ بھی نصب کر دیا گیا۔ تین بج رہے تھے سورج مغرب میں جھکنے لگا تھا۔ عمران ایک بار پھر انہیں وہیں چھوڑ کر مشرق کی سمت چل پڑا۔ وہ دراصل اس چٹان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جس کے عین سامنے ظفر اور ڈان فاگان سڑک کے کنارے پڑے پائے گئے تھے۔

پولیس پارٹی نے اس درّے کے سامنے ڈیرا ڈال رکھا تھا جس میں جیمسن زخمی ہوا تھا۔ اس پارٹی کی سربراہی وہی انسپکٹر کر رہا تھا جو پچھلے دنوں اس حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔ ڈان فاگان اُن کے ساتھ تھا اور وہ کئی بار انسپکٹر سے کہہ چکا تھا کہ کسی لڑکی کے بغیر یہ مہم کامیاب نہیں ہو سکتی۔

"لڑکیاں درخت میں تو پھلتی نہیں کہ ایک آدھ توڑ لی جاتی۔" انسپکٹر آخر کار جھلا کر بولا۔

"وہ سرکس والی لڑکی۔ میرا خیال ہے کہ پھر وہ تیار ... نی۔ بے حد چالاک ہے۔ دوسری بار بھی اُس نے اپنی جان بچالی تھی۔"

"دوسری بار سے تمہاری کیا مراد ہے؟" انسپکٹر نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

اس پر ڈان فاگان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں اپنی یادداشت نہ کھو بیٹھا ہوتا تو بتاتا کہ تیسری لڑکی اپنی چالاکی کی وجہ سے بچ گئی تھی۔"

"تو کیا وہ بھی اس دن ساتھ تھی!"

"یقیناً تھی۔"

"تم نے اپنے تحریری بیان میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟"

"خوب صورت لڑکیوں پر مجھے رحم آتا ہے۔ پتا نہیں کیوں ڈیڈی نے اپنے بیان میں اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"خیر... خیر... دیکھوں گا۔"

"تم میرا بیان تبدیل نہیں کرا سکو گے انسپکٹر۔"

انسپکٹر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ درّے سے دو آدمی برآمد ہوئے۔ یہ دونوں پیشہ ور شکاری تھے اور سردار گڑھ کے چپے چپے سے واقف تھے۔ پولیس پارٹی انہیں اپنے ساتھ لائی تھی۔ اُن میں سے

ایک آگے بڑھ کر بولا "معمولی سا درّہ ہے جناب . . . طوالت پینتس تمام دو ڈھائی سو گز ہوگی۔ دُوسری طرف بھی دُور دُور تک سناٹا ہے۔ درّے سے نکلتے تو تھوڑے ہی فاصلے پر شفاف اور میٹھے پانی کا چشمہ نظر آئے گا۔ درّہ ناقابلِ عبور نہیں ہے۔ البتہ تاریک ضرور ہے کیونکہ غالباً پچاس گز کے بعد اُس نے غار کی سی شکل اختیار کرلی ہے۔"

"دیکھنا چاہیئے" انسپکٹر بولا۔

پھر وہ سب ایک قطار بنا کر درّے میں داخل ہوئے۔ شکاری آگے تھا۔ شاید پچاس ساٹھ گز چلنے کے بعد ٹارچ روشن کرنی پڑی تھی۔ شکاری اُنہیں راستہ دکھاتے چل رہے تھے۔ پھر وہ کھلے میں نکل آئے۔ سامنے ہی ایک چٹان سے پانی کی دھار نکل کر نیچے آتی تھی اور اس جگہ تالاب سا بن گیا تھا۔ پھر تالاب کا پانی کئی چٹانوں کے رخنوں سے ہوتا ہُوا نامعلوم اطراف میں نکل گیا تھا۔

"بڑی پُرفضا جگہ ہے" ڈان فاگان بڑبڑایا۔

ٹھیک اُسی وقت ایک چیخ سنائی دی اور آواز کی سمت اُن کی نظریں اُٹھ گئیں۔ چشمے والی چٹان کے اُوپر ایک آدمی دکھائی دیا جس پر ایک عقاب رہ رہ کر جھپٹ رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عقاب اسے چٹان کے سرے کی طرف دھکیل رہا ہو۔ اچانک وہ بیچ بیچ چٹان سے پھسل کر نیچے پانی میں آ رہا۔ عقاب نے اُوپر سے جھپٹا مارا۔

اب وہ آدمی غوطے لگا لگا کر خود کو عقاب کے حملوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شکاریوں میں سے ایک نے اپنی رائفل سیدھی کی اور اس آدمی کے پانی پر اُبھرنے سے پہلے ہی عقاب پر فائر کر دیا۔ عقاب چکراتا ہُوا چشمے والی چٹان پر گرا لیکن وہ آدمی پانی کی سطح پر پھر نہ اُبھرا۔

"تک . . . کیا ڈوب گیا!" ڈان فاگان ہکلایا۔

"معلوم تو یہی ہوتا ہے" سب انسپکٹر نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

کبھی وہ تالاب کی سطح پر نظر جماتے تھے اور کبھی چشمے والی چٹان کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔

"کل بھی شاید یہی ہُوا تھا" انسپکٹر بڑبڑایا "کسی نے عقاب کو گولی مارنے کی کوشش کی تھی جو داڑھی والے کے لگ گئی تھی۔"

"تو پھر چلیں اس چٹان پر!" ایک شکاری نے پوچھا۔

"اب چٹان پر کیا رکھا ہے! عقاب کے انڈوں کے علاوہ۔ نر تو کل ہی مار دیا گیا تھا۔ مادہ آج ختم ہو گئی" انسپکٹر نے کچھ سوچتے ہُوئے کہا "لاش کس طرح نکالی جائے۔ پتا نہیں کتنی گہرائی ہے؟"

"گہرائی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا" شکاری بولا۔ "بہتر یہی ہوگا کہ اسی جگہ ٹھہر کر انتظار کریں۔ لاش اُوپر ضرور آئے گی۔"

☆

ظفرالملک نے گھڑی دیکھی۔ پانچ بجنے والے تھے۔ عمران کی واپسی ابھی تک نہیں ہُوئی تھی۔ ریتا نے آئیل اسٹوو پر کافی کے لیے پانی رکھ دیا تھا اور خیمے کے در کے قریب بیٹھی غروب ہوتے ہُوئے سُورج کا نظارہ کر رہی تھی۔

"یہ ایڈونچر بھی زندگی بھر یاد رہے گا" اُس نے ظفر کو مخاطب کیا۔

"اگر زندگی یہیں ختم نہ ہوگئی تو۔"

"اُونہہ . . ." ریتا نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"واقعی بہت دلیر معلوم ہوتی ہو۔"

"تھی نہیں . . . ہوگئی ہُوں . . . تمہارا دوست عجیب ہے۔"

"میرے دوست نے کیا کیا ہے؟"

"یہ تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس سے ملنے سے پہلے میں اتنی دلیر نہیں تھی۔"

"تم لڑکیوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔"

"یہ جملہ بھی بہت روایتی ہے۔ دُنیا کی کسی زبان کا لٹریچر اُٹھا دیں۔ یہ خیال ضرور ملے گا۔ حالانکہ ہم بے چاریاں خود اپنی ذات میں کوئی پیچیدگی نہیں پاتیں۔ اس کے برخلاف مرد۔ خدا کی پناہ۔"

"اوّل درجے کا گورکھ دھندا ہوتا ہے" پُشت سے آواز آئی اور ریتا اُچھل کر کھڑی ہوگئی۔ عمران قریب ہی کھڑا مُسکرا رہا تھا۔

"داڑھی لگا کر عورتوں کی طرف داری کرتے شرم نہیں آتی۔" اُس نے کہا۔

"آپ کا یہ نواب زادہ دوست بھی عورت کی پیچیدگی کا قائل ہے" ریتا ہنس کر بولی۔

"کیا رہا؟" ظفر نے اُٹھتے ہُوئے پوچھا۔

"اس راستے کا سُراغ مل گیا ہے جس سے گزر کر انہوں نے تمہیں سڑک تک پہنچایا ہوگا لیکن وہ خود کہاں سے آتے ہیں! یہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"خیر کافی پیجیے . . . یہ بھی معلوم ہو جائے گا" ریتا نے اسٹوو کی طرف بڑھتے ہُوئے کہا۔

"عورت واقعی نعمت ہے" عمران سر ہلا کر بولا۔ "چاہے داڑھی دار ہی کیوں نہ ہو!"

"اب میرا مذاق اُڑائیں گے آپ لوگ!"

www.taemeernews.com

"ہرگز نہیں... دل بڑھا رہے ہیں۔"

"اب رات کو کیا ہو سکے گا؟" ظفر نے سوال کیا۔

"یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

کافی پی کر عمران نے گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیاں نکالیں اور رینا کو اُن کے استعمال کا طریقہ سمجھانے لگا۔

"تو کیا رات کو؟" ظفر پھر بول پڑا۔

"لومڑیوں کا شکار رات ہی کو ہوتا ہے۔" عمران اُسے گھور کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ظفر الملک کو خیمے کے باہر لا کر بولا۔ "یہ میرا قطعی ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔ اس لیے تم دونوں کو ساتھ لایا ہوں ورنہ تم سے زیادہ تجربے کار لوگ بھی موجود تھے۔"

"آپ مجھے غلط نہ سمجھیے! میں صرف اسکیم معلوم کرنا چاہتا تھا۔ دن اور رات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہیے تو اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دوں۔"

"میں نے کہا شاید مجھے بے وقوف سمجھ کر رحم کھا رہے ہو!" ظفر الملک نے کسی رُوٹھے ہوئے بچے کی طرح مُنہ پھلا لیا تھا۔

"اے... اب ٹھیک لگ رہے ہو پتا نہیں آج کل کیا کر رہے ہو کہ لمبوترا چہرہ نکل آیا ہے۔ اب میں تم پر اپنا میک اپ بھی نہیں کر سکتا۔"

"خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دُبلا کیوں ہوں!"

"ریگی شبا... تمہارے اس رقص نے سارے شہر کو دیوانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ جس کلب یا ہوٹل میں قدم رکھو ریگی شبا ہو رہا ہے۔ ایسا واہیات رقص ہے کہ مہینے بھر میں ہاتھی کو ہرن بنا کر رکھ دے۔"

پھر وہ ریگی شبا ہی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے تھے۔

"بڑا شاندار رقص ہے۔" رینا بول پڑی۔

"اسی قبیلے کی معلوم ہوتی ہے۔" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا اور دُوربین اُٹھا کر پھر خیمے سے نکل گیا۔

"کس کے قبیلے کی معلوم ہوتی ہیں؟" رینا نے ظفر سے پوچھا۔

"میرے سیکرٹری جیمسن کے قبیلے کی کیونکہ ریگی شبا جو عمران صاحب کو سخت ناپسند ہے جیمسن ہی کی ایجاد ہے۔"

"نہیں..." رینا کے لہجے میں حیرت تھی۔ "لیکن میں نے تو اس کے بارے میں پڑھا تھا کہ کانگو جین کے تمیز کا رقص ہے۔"

"وہ ایسی ہی ہوائیاں چھوڑتا رہتا ہے اور اتنے باوقار انداز میں چھوڑتا ہے کہ بعض صحافی ان پر مضامین تک لکھ ڈالتے ہیں۔"

"تم سب ہی عجیب ہو۔"

رات کے کھانے کے بعد شکار کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ رینا کے لیے عمران نے اعشاریہ دو دو کی رائفل مہیا کی تھی جس کا استعمال وہ پہلے ہی سے جانتی تھی۔ گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیوں سے لیس ہو کر وہ باہر نکلے۔ آج مطلع ابر آلود نہیں تھا۔ چاروں طرف شفاف چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

"دیکھو! جیسے ہی ریڈی کہوں تم دونوں گیس ماسک چڑھا لینا۔" عمران نے دونوں سے کہا۔

"مزا آ گیا۔ بچپن میں ریڈی کھیلا کرتے تھے۔" رینا ہنس پڑی۔

"اور تمہارے لیے خصوصیت سے ہدایت ہے کہ اب تم سختی سے ہونٹ بند رکھنا۔" عمران نے رینا سے کہا۔ "وارثی لگا کر ایسے سُریلے قہقہے لگاؤ گی تو پہلے ہی مرحلے میں میری مغفرت ہو جائے گی۔"

"ہاں... یہ بات تو ہے۔" رینا بولی۔

کچھ دُور چلنے کے بعد عمران ایک تین فٹ گہرے خشک نالے میں اُتر گیا۔ ظفر الملک نے رینا کو سہارا دے کر اُتارا۔ نالا بتدریج ڈھلوان ہوتا چلا گیا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ ان کے قدموں کی چاپ سناٹے میں گونج رہی تھی۔ آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد عمران ایک جگہ رُک گیا اور مڑ کر آہستہ سے بولا۔ "میں تمہیں وہ جگہ دکھاتا ہوں جدھر سے وہ لوگ تمہیں سڑک پر پھینک گئے تھے۔"

اس کی ٹارچ روشن ہوئی تھی اور روشنی کا دائرہ داہنی جانب رینگ گیا تھا۔ یہ کسی غار کا دہانہ تھا۔ عمران نے فوراً ہی ٹارچ بجھا دی۔ اُنہوں نے بھی کسی قسم کی آواز سُنی تھی۔

"بیٹھ جاؤ!" عمران آہستہ سے بولا اور وہ اسی نالے میں بیٹھ گئے۔ غار کا دہانہ اب اُنہیں نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

دفعتہً تھوڑے ہی فاصلے سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "کون ہے! سامنے آؤ ورنہ زندہ نہیں بچو گے۔"

"تم کون ہو لوچھنے والے!" عمران نے اس سے بھی زیادہ بھاری بھرکم آواز میں سوال کیا تھا۔

"رینجر۔"

"میں شکاری ہوں پرمٹ ہے میرے پاس۔"

ٹھیک اسی وقت ایک آواز آئی اور یہ کسی بندر ہی کے خوخیانے کی آواز تھی۔

"ریڈی..." عمران نے آہستہ سے کہا اور دُوسرے ہی لمحے میں گیس ماسک اُن کے چہروں پر لگ گئے۔

www.taemeernews.com

اب وہ کئی قدموں کی آہٹیں سن رہے تھے پھر ایک ہلکا سا دھماکا ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہوا۔ اس کے بعد بندر کی آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ دھماکے کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ تینوں جہاں تھے وہیں بیٹھے رہے۔ گہرا دھواں ان کے سروں پر سے گزر رہا تھا۔

"لیٹ جاؤ۔ تم دونوں لیٹ جاؤ۔" عمران آہستہ سے بولا۔

دو تین منٹ گزر جانے کے بعد انہوں نے پھر قدموں کی آہٹ سنی اور کوئی گول مٹول سی چیز اچھل کر نالے میں آ پڑی۔

"ٹرچ ..." سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے عمران نے اس پر فائر کیا۔ وہ چیز ایک بار پھر اچھلی اور نالے کے باہر جا گری اور اب وہ دم توڑتا ہوا بندر بری طرح شور مچا رہا تھا۔

اس کے بعد عمران نے گونجیلی آواز میں کہا تھا: "تم چاروں اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ پوری طرح میری نظروں میں ہو۔ ذرا چلے اور مارے گئے۔"

پھر اس نے ظفر سے اٹھ جانے کو کہا۔

ظفر نے بھی رائفل سیدھی کر لی تھی لیکن اس نے دیکھا کہ ان چاروں افراد میں سے صرف ایک نے ہاتھ اوپر اٹھائے تھے۔

"تم بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" ظفر رائفل کو جنبش دے کر بولا۔

لیکن ان تینوں نے توجہ تک نہ دی۔

عمران بھی ظفر کے قریب ہی کھڑا تھا۔

اچانک وہ تینوں جنہوں نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے تھے ان پر ٹوٹ پڑے۔ عمران اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ چوتھا آدمی ہاتھ گرا کر دوسری طرف بھاگا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگائی۔ اس نے پلٹ کر حملہ کیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں زمین پر نظر آیا۔ عمران اس کے سینے پر سوار ایک ہاتھ سے گلا گھونٹ رہا تھا اور دوسرے سے کنپٹیوں پر زور آزمائی کر رہا تھا۔

چوتھا آدمی جلد ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران اسے چھوڑ کر ان تینوں کی طرف جھپٹا جو ظفر الملک پر پلے پڑ رہے تھے۔

"اوہو... تو آپ لوگ ہیں۔" عمران نے ان میں سے ایک کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ اس سے لپٹ پڑا۔

یہ تینوں سیاہ فام جنگلی ثابت ہوئے۔ ان کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔

بڑی دشواری سے ان تینوں پر قابو پایا جا سکا۔ ظفر کو تو انہوں نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ عمران نے ان کی ایسی ہی جگہوں پر ضربات لگائی تھیں کہ فوری طور پر بے ہوش ہو جائیں۔

"رینا کہاں ہے؟" عمران نے ظفر کا شانہ ہلا کر پوچھا۔ جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

"جہاں تھی۔" ظفر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

وہ بیچ بیچ نالے ہی میں اوندھی پڑی نظر آئی۔ عمران نے اسے اٹھایا اور گیس ماسک اس کے چہرے سے ہٹا کر کہا: "اپنے تھیلے سے ڈوری کی لچھی نکالو۔"

"کک... کیا ہوا؟"

"پروا نہ کرو... ڈور نکالو اور پھر اسی طرح آرام سے لیٹ جاؤ۔ لیکن سو نہ جانا۔"

ریشم کی ڈوری کا لچھا اس سے لے کر وہ پھر اسی طرف پلٹ آیا۔ ظفر کی مدد سے چاروں کے ہاتھ پیر باندھے۔ رینا بھی قریب آ کھڑی ہوئی تھی لیکن بالکل خاموش تھی۔

"اب تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" عمران نے کہا اور اس غار کی طرف بڑھ گیا جو انہیں پہلے دکھا چکا تھا۔

"بب... بندر کہاں ہے؟" رینا نے ظفر سے پوچھا۔

"ادھر کہیں پڑا ہوگا۔" ظفر نے داہنی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"مم... مر گیا۔"

"میں نہیں جانتا..."

رینا خود ہی اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آ کر بولی: "وہی ہے لیکن میں نے تو فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔"

"پچھلے سال عمران صاحب نے ایک آدمی کو آنکھ ماری تھی اور وہ اسپتال پہنچتے پہنچتے مر گیا تھا۔"

عمران نے واپسی میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"اب تم اٹھو۔" اس نے ظفر سے کہا۔ "ان چاروں کو اٹھا کر اسی غار میں پہنچانا ہے۔"

عمران ہی کی ہدایت پر رینا نے ٹارچ سنبھالی۔ غار تاریک تھا لیکن وہاں کچھ ایسا سامان نظر آیا جس کی بنا پر کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس سے پہلے کسی کا مسکن رہ چکا ہے۔ وہ چاروں غار میں پہنچا دیئے گئے۔ انہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ وہاں پائے جانے والے سامان میں کچھ موم بتیاں بھی تھیں جنہیں روشن کر دیا گیا۔

"یہ اپنے بندر سمیت اس وقت یہیں مقیم تھے۔" عمران نے ان چاروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا آپ کو پہلے سے علم تھا؟" ظفر نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ دن میں جب میں نے یہ غار دریافت کیا

www.taemeernews.com

تھا۔ اس وقت یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ادھر آؤ۔۔۔ یہ دیکھو۔ یہ ربڑ گیس کے دستی بم جو اُن کے شکاریوں کی بے ہوشی کا سبب بنتے رہے ہیں۔ اگر ہمارے پاس گیس ماسک نہ ہوتے تو۔۔۔"

عمران جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔ کیونکہ اس آدمی نے جنبش کی تھی جو سیاہ فام جنگلیوں کی طرح نیم برہنہ نہیں تھا۔ خاکی قمیض اور خاکی پتلون میں ملبوس تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری طرح ہوش میں آ گیا لیکن ہاتھ پیر بندھے ہونے کی وجہ سے اٹھ نہ سکا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

"شکاریوں سے چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ دیکھا تم نے؟" عمران نے چڑ انے کے سے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"تت۔۔۔ تم کون ہو؟"

"ایسے بجرت! یہی سے عورتوں کی سی گھبراتی ہے۔"

"کک۔۔۔ کیا مطلب؟"

"اس نامعقول بندر نے اس وقت تم لوگوں کے آرام میں خلل ڈالا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نن۔۔۔ نہیں۔"

"تم سمجھے تھے پھر کوئی عورت ہاتھ لگنے والی ہے۔"

"تم غلط نہیں کہہ رہے۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"افسوس! کہ وہ بندر میرے ہاتھوں مارا گیا۔"

"یقیناً افسوس کی بات ہے۔ کیونکہ دوسرا مہیا نہ کیا جا سکے گا۔"

"اب بتاؤ۔۔۔ چکر کیا ہے؟"

"عورتوں کا حصول۔"

"کیوں؟"

"ضرورت۔"

"کھُل کر بات کرو۔ ورنہ کھال اُتار دوں گا۔" عمران کا لہجہ بدل گیا۔

"بالکل کھُلی ہوئی بات ہے۔ مردوں کے لیے عورتیں ضروری ہیں۔"

"ارے تو نکاح خواں کہاں مر گئے ہیں کہ تم بندروں سے کام چلا رہے ہو؟"

"سب اپنی اپنی جگہ بندر ہی ہیں۔"

"دیکھو پیارے۔ میں ڈارون کا طالب علم نہیں ہوں۔"

"سچی بات کہہ رہا ہوں۔ فلسفہ نہیں پڑھا رہا۔"

"اب تک کتنی عورتیں اُٹھا چکے ہو؟"

"اٹھارہ۔"

"وہ سب کہاں ہیں؟"

"جہاں ان کی ضرورت ہے۔"

ظفر نے آگے بڑھ کر اس کے بائیں پہلو پر ٹھوکر رسید کی۔ اس نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس طرح عمران کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"اگر تم نے ان عورتوں کی نشان دہی نہ کی تو۔۔۔"

"میں نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہیں؟" قیدی جلدی سے بول پڑا۔ "جانتا بھی تو تم مجھ سے ان کے بارے میں کچھ نہ معلوم کر سکتے۔"

"کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"آدمیت کے مستقبل کے لیے۔"

عمران استہزائیہ انداز میں مسکرا کر سیاہ فام جنگلیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ان سے بھی کوئی توقع نہ رکھو کیونکہ وہ گونگے اور بہرے ہیں۔" قیدی بولا۔

"تو پھر میرا کام کس طرح چلے گا؟"

"مردہ بندر سمیت ہم چاروں کو پولیس کے حوالے کر دو۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"ہمیں ہمارے جرم کی سزا مل جائے گی۔"

"مجھے صرف عورتوں کی واپسی سے دلچسپی ہے بخصوصیت سے وہ دو سفید فام عورتیں جو ابھی حال ہی میں تنگیز کی چڑھائی سے غائب ہوئی تھیں۔"

"اچھا۔۔۔ وہ ناچنے گانے والیاں جو حیوانوں میں اپنا مستقبل تباہ کر رہی تھیں۔"

"وہ آدمیوں میں رہتی تھیں۔ ریچھوں کے کٹہرے میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔"

"ریچھ بہتر ہیں تم جیسے آدمیوں سے۔"

"ظفر۔۔۔!" دفعتہً عمران مڑ کر بولا۔ "تم غار کے دہانے پر ٹھہرو۔ یہ ہمیں باتوں میں اُلجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

قیدی نے قہقہہ لگایا۔ ٹھیک اسی وقت ایک دھماکا ہوا اور ان تینوں کو اپنے گیس ماسک استعمال کرنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ موم بتیوں کی ٹمٹماتی لویں گہرے دُھوئیں میں دفن ہو گئیں۔

عمران غار کے اس حصے کی طرف بھاگا تھا جس کی نکاس سڑک کی طرف تھی لیکن وہ اس دُھوئیں کی یلغار سے نہ بچ سکا۔ پیر لڑکھڑائے اور اس کا ذہن تاریکیوں کی دلدل میں ڈوبتا چلا گیا۔ پھر اس دلدل سے نکلنے کے بعد نہ وہ دیکھ سکتا تھا اور نہ سن سکتا تھا۔ بہت دیر بعد یہ بات سمجھ میں آ سکی کہ کسی بے حد تاریک

اور ویران جگہ پر پڑا ہوا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کو بہ آسانی جنبش دے سکتا تھا۔ وہ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا اور اپنا پورا جسم ٹٹولنے لگا۔ ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹی کے علاوہ اور سب کچھ موجود تھا۔ جیب سے پنسل ٹارچ نکالی۔ روشنی کی لکیر قریب ہی پڑے ہوئے دوسرے آدمی پر پڑی تھی۔ یہ ظفرالملک تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ روشنی کی لکیر تیزی سے چاروں طرف گردش کرنے لگی۔ ریٹا کا کہیں پتا نہیں تھا اور وہ غار بھی نہیں معلوم ہوتا تھا جس میں وہ اپنے قیدیوں سمیت داخل ہوا تھا۔ وہ پھر ظفر کی طرف پلٹ آیا اور ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس کا ریوالور بھی کارتوسوں کی پیٹی سمیت غائب تھا۔ رانفلیں بھی نمارد۔ چہرے پر مصنوعی داڑھی بھی نہیں رہی تھی۔

کچھ دیر بعد ظفر کو ہوش آگیا۔

"ٹھیرا ناصت" عمران جُھک کر آہستہ سے اُس کے کانوں میں بولا۔ "یہ قبر نہیں ہے۔"

"ہم لک۔۔۔ کہاں ہیں؟"

"جہاں بھی ہیں مزے میں ہیں۔۔۔ پروا نہ کرو۔"

"ریٹا کہاں ہے؟"

"وہ اسے داڑھی سمیت لے گئے۔ بس ثابت ہُوا کہ ایک بندر کے لیے پُوری عورت ضائع کردینا دانش مندی نہیں ہے۔"

"اِن حالات میں بھی آپ اپنے فلسفے سے باز نہیں آتے۔" ظفر کراہا۔

"ان حالات کے باوجود بھی۔ مجھے تمہاری فکر کھائے جا رہی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"آخر اتنی تیزی سے دُبلے کیوں ہورہے ہو؟"

"عمران صاحب۔۔۔ خدا را۔۔۔ آخر ہم ہیں کہاں؟"

"کسی غار میں! لیکن اس میں نہیں جہاں مسٹر انسانیت بندر پر سکالمے ہوئے تھے۔"

"کیا آپ کے پاس ٹارچ ہے؟"

"ہے اور تمہاری ٹارچ تمہاری جیب میں موجود ہے۔"

"چلیے۔ غار کا دہانہ تلاش کریں۔"

"ذرا تم کھڑے ہو کر دیکھو۔ چل پھر بھی سکتے ہو یا نہیں؟"

ظفر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ٹارچ روشن نظر آئی تھی اور وہ عمران کے مشورے پر عمل کر رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہُوں" اُس نے کہا۔

"گڈ۔۔۔" عمران بولا اور غار کے دہانے کی تلاش شروع ہوگئی۔

اس میں دیر نہیں لگی تھی۔ دہانہ مل گیا اور غار کے باہر بہت دُور چمکتی ہوئی چاندنی کا رُوح پرور نظارہ بھی جنت نگاہ بنا لیکن غار سے باہر قدم نکالنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

جتنی دُور تک پنسل ٹارچ کی روشنی گئی تھی۔ غار کا دہانہ ایک سیدھی کھڑی ہوئی دیوار ہی کا حصّہ معلوم ہوتا تھا۔

"تم نے دیکھا؟" عمران ٹارچ بجھا کر بولا۔

"جی ہاں" ظفر کی آواز کانپ رہی تھی۔

"چلو۔۔۔ واپس چلو۔۔۔ جہاں پڑے تھے وہیں رات گزاریں۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

"ہم۔۔۔ مگر وہ بے چاری۔"

"صرف مرد بے چارہ ہوتا ہے۔ کسی عورت کو بے چاری کہنا بے چارگی کو بھی شرمندہ کرنا ہے۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔"

"کیا تم کسی کے دل کی ٹھکر بن سکتے ہو؟"

"عمران صاحب۔"

"نوابزادے صاحب۔۔۔ اپنی کھال میں رہیے۔ مجھے نیند آرہی ہے۔"

"میں جاگ کر نگرانی کروں گا۔"

"میری نگرانی؟" عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔ "گھاس تو نہیں کھا گئے! اگر ہم کسی لائق ہوتے تو یہاں کیوں نظر آتے؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اب کوئی خطرہ نہیں چین سے سوجاؤ۔"

ظفر بڑی دیر تک پڑا جاگتا رہا تھا پھر پتا نہیں اُسے کب نیند آگئی تھی! دوبارہ آنکھ کھُلی تب بھی اندھیرا ہی نظر آیا۔ ٹارچ روشن کی۔ عمران کہیں نہ دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر تک لیٹا رہا پھر اُٹھ بیٹھا۔ ٹارچ ہی کی روشنی میں غار کے دہانے تک پہنچا۔ سورج طلوع ہوچکا تھا۔ دُھوپ بہت تیز چمک رہی تھی۔ عمران غار کے دہانے کے قریب کھڑا نظر آیا۔

"ہم نیچے نہیں جا سکتے" عمران بولا۔ "لیکن اگر کوشش کریں تو اُوپر ضرور پہنچ سکتے ہیں۔"

ظفر نے آدھا دھڑ دہانے سے باہر نکال کر اُوپر دیکھا تو اس کی رُوح فنا ہوگئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کوشش بھی بہرحال نیچے ہی لے جائے گی۔ کم از کم وہ اپنے پیر ان جگہوں پر نہیں جما سکتا تھا جن کی طرف عمران نے اشارہ کیا تھا۔

"کیا خیال ہے؟" عمران نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

www.taemeernews.com

سوال کیا۔

"مرنا ہی ہے تو پھر اندیشے کیسے! چلیے!"

ٹھیک اسی وقت اُنہیں اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ وہ تیزی سے مُڑے تھے۔ آنے والے رُک گئے۔

آٹھ آدمی تھے۔ چار کے ہاتھوں میں نالی گنیں نظر آئیں۔

ایک نے کسی قدر آگے بڑھ کر کہا۔ "تم لوگ شاید اُوپر جانے کی سوچ رہے تھے!"

"قدرتی بات ہے!" عمران نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"فوراً گولی ماردی جاتی۔ تم اپنے ملک کی سرحد پار کر چکے ہو۔ اُوپر دُوسرے ملک کے سرحدی محافظ موجود ہیں!"

"آپ حضرات اپنا تعارف بھی کرا دیجیے!"

"ہم آدمی ہیں!"

"ماشاء اللہ... اپنے حضرت آدم سے ہمارا سلام کہیے گا!" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"اب تم دونوں اپنا یہ لباس اُتار کر ہمارا لایا ہُوا پہنو!" اس آدمی نے عمران کے جملے پر توجہ دیے بغیر کہا۔

اُن کا لایا ہُوا لباس عمران اور ظفر کو پہننا پڑا۔ اور اب وہ دونوں ایک دُوسرے کو دیکھ دیکھ کر بے تحاشا قہقہے لگا رہے تھے۔ لباس ایسا تھا کہ بس اُن کے دہانے، ناکیں اور آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں اور وہ خود سیاہ رنگ کے قد آدم بندر معلوم ہو رہے تھے۔ پیچھے دُمیں تک لٹک رہی تھیں۔ سفید دھاریوں والے سیاہ بندر۔ وہ ہنس ہی رہے تھے کہ پھر ایک دھماکا ہُوا اور وہ ہنستے ہنستے بے ہوش ہو گئے۔

☆

ریتا کی آنکھ کھُلی تو اس نے خود کو ایک خیمے میں پایا۔ چہرے سے داڑھی غائب ہو چکی تھی اور جسم پر زنانہ لباس تھا۔ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھی۔ خوف سے چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ بائیں جانب دو بستر اور نظر آئے جن پر کٹی اور نیلی بے خبر سو رہی تھیں۔ اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ چند لمحے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر اُٹھ کر ان دونوں کو یکے بعد دیگرے جھنجوڑنے لگی۔ وہ بھی بیدار ہو گئیں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دُوسرے کو دیکھے جا رہی تھیں۔

"تم کہاں تھیں؟" کچھ دیر بعد کٹی کانپتی ہُوئی آواز میں بولی۔

"تم دونوں کی تلاش میں نکلے تھے ہم لوگ!" ریتا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "پتا نہیں میرے دونوں ساتھیوں پر کیا گزری؟"

پھر اس نے مختصراً انہیں یہ بتایا تھا کہ کس طرح وہ بندر مار ڈالا گیا۔

کٹی بولی: "ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ہمارا مصرف کیا ہے؟ ہم اس طرح کیوں لائے گئے ہیں؟"

"کیا تم دونوں قیدی ہو؟" ریتا نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! ہم پر کوئی پابندی نہیں۔ ہم یہی نہیں جانتے کہ کہاں ہیں؟"

"تمہارے علاوہ اور کتنے لوگ ہیں یہاں؟"

"بے شمار جھونپڑوں یا خیموں میں رہتے ہیں!"

"تمہارا جن لوگوں سے تعلق ہے۔ وہ کیسے ہیں؟"

"ہم نہیں جانتے کہ ہمارا مصرف کیا ہے!"

"کھانے پینے کو کون دیتا ہے؟" ریتا نے جھنجلا کر پوچھا۔

"ایک آدمی کھانا لاتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے باہر نکلتے ہیں بستی میں گھومتے پھرتے ہیں۔ کوئی ہماری طرف توجہ تک نہیں دیتا!"

پھر اُنہوں نے ریتا کو بتایا تھا کہ اپنی ضروریات اس خیمے میں پوری کر سکتی ہیں۔

ٹوائلیٹ وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ پھر صورتِ حال پر غور کرنے بیٹھ گئیں۔ ریتا اُنہیں فاق فاگان اور اس کی یادداشت کے بارے میں بتا رہی تھی۔

دفعتہً خیمے کے باہر کسی کے کھنکھارنے کی آواز آئی۔

"آجاؤ!" نیلی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک آدمی نے خیمے کا پردہ اُٹھایا اور دُوسرا بڑی سی ٹرے اُٹھائے ہُوئے اندر داخل ہُوا۔ ٹرے میز پر رکھ کر وہ اس طرح کھڑا ہو گیا تھا جیسے کسی مزید فرمائش کا منتظر ہو۔

"ٹھیک ہے جاؤ!" نیلی نے کہا اور وہ دونوں چلے گئے۔

"یہ حال ہے۔ ان کی زبان سے ابھی تک کوئی لفظ نہیں نکلا!" نیلی نے اُٹھتے ہُوئے کہا۔ "آؤ۔ یہ ناشتا ہے!"

"ہو سکتا ہے۔ گونگے ہوں!" ریتا بولی۔

"اور نہ ہوگا کچھ۔ جب تک ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ ہمیں فکرمند نہ ہونا چاہیے!"

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ باہر نکلی تھیں۔ یہ ایک سرسبز وادی تھی۔ جھونپڑوں اور خیموں پر مشتمل بستی دُور تک پھیلی ہُوئی نظر آئی۔ لوگ خیموں اور جھونپڑوں کے باہر کام کاج میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔

"آخر مقصد کیا ہے؟" ریتا کچھ دیر بعد بڑبڑائی۔

"محض اس چیز نے اُلجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ورنہ یہاں ابھی تک کسی قسم کی تکلیف نہیں ہُوئی!" کٹی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

www.taemeernews.com

"چلو... بستی میں چلیں" ریتا بولی۔
"وہاں کیا دیکھنا چاہتی ہو؟"
"کچھ بھی نہیں... بس یونہی"
"فضول ہے۔ کوئی نظر اٹھا کر دیکھتا تک نہیں"
"پھر بھی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں"
وہ ٹہلتی ہوئی بستی میں داخل ہوئیں۔ خود ان کا خیمہ بستی سے کسی قدر فاصلے پر تھا۔ عورتیں، مرد، بچے سب کسی نہ کسی کام میں مشغول نظر آئے۔ بعض خیموں میں بچے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

وہ ایک دستکار کے قریب رک گئیں جو اخروٹ کی لکڑی پر نقاشی کر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ آدھے گھنٹے تک بستی میں گھومتی پھری تھیں۔

پھر اپنے خیمے کی طرف واپسی کے لیے مڑی ہی تھیں کہ ریتا کو وہی سب انسپکٹر دکھائی دیا جس کے ساتھ وہ وفات فاگان سمیت جنگلز کی چڑھائی پر گئی تھیں۔

"تت... تم بھی..." وہ قریب پہنچ کر ہکلایا۔
"تم کیسے آ گئے؟" ریتا نے پوچھا۔
"لمبی کہانی ہے۔ میرے ساتھیوں کا کہیں پتا نہیں"
اچانک قریبی خیمے کی اوٹ سے ایک لمبا تڑنگا آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

"شٹ اپ" اس کا چابک سب انسپکٹر کی پشت پر پڑا۔ اور وہ اچھل کر دور جا کھڑا ہوا پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ آدمی تلخ لہجے میں بولا۔ "غیر عورتوں سے ہم کلام ہونا یہاں جرم ہے۔ بھاگو"

وہ دم بخود کھڑی رہ گئیں۔ سب انسپکٹر کے چہرے پر حیرت، غصہ اور نفرت کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔ پھر یہ تینوں اپنے خیمے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔

*

وہ کسی قسم کا شور سن کر بیدار ہوئے تھے۔ آنکھ کھلتے ہی اپنی حالت کا احساس ہوا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ بے شمار بچوں میں گھرے ہوئے تھے... بچے جو ہنس رہے تھے۔ تالیاں بجا رہے تھے۔

"اتنے بڑے بڑے بندر... ہاہا..."
"یہ کیا مصیبت نازل ہوئی؟" ظفر کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔
"خبردار... ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے۔ بچے ہمیں دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں" عمران بے حد مسرت ظاہر کرتا ہوا بولا۔
"میں تو اتارتا ہوں اس منحوس لباس کو"
"اس کے بعد بھی بچے تم پر پتھراؤ کریں گے کیونکہ ان نامعقولوں نے ہمارے جسم پر ہمارے انڈرویئر بھی نہیں رہنے دیے تھے اور پھر بندر رہنے میں فائدہ ہی ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ خدارسیدہ بچے ہماری طرف مونگ پھلیاں ہی پھینکیں۔ کیا تمہیں بھوک نہیں لگ رہی نواب ناداں بیے؟"

دفعتاً دو آدمی وہاں پہنچ گئے اور بچوں کو برا بھلا کہنے لگے۔
"تمہیں شرم نہیں آتی بے زبانوں کو ستاتے ہوئے؟ چلو بھاگ جاؤ۔ بھاگو۔ جلدی ورنہ سزا ملے گی"

سزا کا نام سنتے ہی بچے بھاگ کھڑے ہوئے پھر انہوں نے عمران اور ظفر الملک کو پچکارنا شروع کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھا اور ہنس پڑے۔

"خوش ہو رہے ہیں" پچکارنے والوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔
"چلو۔ انہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیں۔ ورنہ بچے پھر پریشان کریں گے" دوسرا بولا اور عمران پھر ہنس پڑا۔ شاید زندگی میں پہلی بار دل سے ہنسا تھا۔

وہ انہیں پچکارتے ہوئے ایک طرف چلے اور عمران نے ظفر الملک کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ دونوں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔

"سدھائے ہوئے لگتے ہیں" ایک بولا۔
"اتنے شریف بندر آج تک میری نظر سے نہیں گزرے" دوسرے نے کہا۔
"اب ہم دونوں انگریزی میں گفتگو کریں گے تاکہ بالکل ہی بندر سمجھے جائیں" عمران نے آہستہ سے ظفر الملک سے کہا۔

وہ دونوں بستی میں داخل ہو گئے۔ سرسبز پہاڑوں کے درمیان ڈونگ خیمے اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ بستی سے الگ تھلگ ایک خیمے کے قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ "معزز خواتین ذرا باہر آئیے"

تین یورپین لڑکیاں باہر نکل آئیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں بندروں کو دیکھنے لگی تھیں۔ پھر عمران نے ان کے چہروں پر خوفزدگی کے آثار دیکھے۔

"یہ نہایت شریف اور سلیم الطبع بندر ہیں" ایک نے ان سے کہا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ فی الحال آپ انہیں اپنی نگرانی میں رکھیے۔ بستی کے شریر بچے انہیں پریشان کر رہے ہیں"
"لل... لیکن..." ریتا ہکلائی۔
"یقین کیجیے... بے حد شریف ہیں" اس نے بندروں کی طرف مڑ کر کہا۔ "ان معزز خواتین کو جھک کر سلام کرو"

www.taemeernews.com

کو عورتوں کے پیچھے لگائے پھرتا تھا۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے؟"

رینا کچھ نہ بولی۔ انسپکٹر عمران اور ظفر کی طرف دیکھنے لگا۔

عمران سر ہلا کر بولا۔ "ہمارے ساتھ کوئی کہانی نہیں ہے۔ ہم دونوں پیدائشی طور پر بندر ہیں۔ والد صاحب افریقہ سے لائے گئے تھے اور والدہ صاحبہ نیوزی لینڈ سے تعلق رکھتی تھیں۔"

"تم سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے؟" انسپکٹر کو غصہ آ گیا۔

عمران نے ظفر سے کہا۔ "تم کچھ خیال نہ کرنا۔ یہ بندروں کے انسپکٹر ہیں۔ انہیں حق حاصل ہے کہ معمولی بندروں سے اسی طرح پیش آئیں۔"

"خدا کے لیے تم ہی اپنی زبان بند رکھو۔" رینا نے ان دونوں سے استدعا کی۔

"آپ کہتی ہیں تو اب نہ بولیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد ان کے لیے ایک بہت بڑے طشت میں اُبلی ہوئی ترکاریاں لائی گئیں۔

"تو کیا یہ مردود ہمیں سچ مچ بندروں ہی کی طرح ٹریٹ کریں گے؟" انسپکٹر بڑبڑایا۔

"ہمیں تو بہتر کھانا مل رہا ہے۔" کئی چہک کر بولی۔

"آدمی اپنی مادہ کی بہت عزت کرتے ہیں۔" عمران نے مغموم لہجے میں کہا۔

پھر تینوں بندروں نے پیٹ بھر کر اُبلی ہوئی ترکاریاں کھائی تھیں اور ایک طرف بیٹھ کر اُونگھنے لگے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ترکاریوں میں کوئی خواب آور چیز شامل تھی۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور لڑکیوں کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اگر ہم سو جائیں تو ہماری شکلیں دیکھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"کیوں؟" رینا نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بس کہہ دیا۔ احتیاط رکھنا۔ ورنہ یہ لوگ تمہیں بڑی سخت سزا دیں گے۔"

"و۔۔۔ دیکھی تم نے۔۔۔؟" انسپکٹر بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ یہ دونوں اُنہی کے آدمی ہیں۔"

"ہم بندر ہیں۔ انسپکٹر پلیز۔۔۔" عمران نے رُک رُک کر کہا۔

وہ گہری نیند سوئے تھے اور پھر سب سے پہلے عمران کی آنکھ کھلی تھی اور وہ اُٹھ بیٹھا تھا اور ظفر کو اُٹھانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے تھے اور ایک دُوسرے پر لدے پڑے خراٹے لیتے رہے تھے۔ انسپکٹر بھی جاگ پڑا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ارے ہم زمین پر ہی سو گئے تھے۔"

"اور نہیں تو کیا آسمان پر سونے کا ارادہ تھا؟" عمران نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"تم مجھ سے بات نہ کرو۔" انسپکٹر غرّایا۔

"میں عرض کر رہا تھا انسپکٹر مشکی صاحب کہ پلنگ معزز خواتین کے لیے ہیں۔ ہم بندر رات کو بھی زمین ہی پر سوئیں گے۔"

"میں کہتا ہوں۔ مجھ سے بات نہ کرو۔"

"بہت اچھا۔۔۔" عمران نے بندر ہی کی چیکار میں کہا اور لڑکیاں ہنس پڑیں۔

ظفر شروع سے اب تک خاموش ہی رہا تھا۔ عمران کو بدلی ہوئی آواز میں گفتگو کرتے سُن کر ہی اُس نے خود بولنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی آواز قابو میں نہ رکھ پاتا۔۔۔

لڑکیوں کے لیے شام کی چائے آئی تھی اور بندروں کے لیے اُبلے ہوئے چنے لائے گئے تھے۔

عمران نے لڑکیوں سے کہا۔ "اگر تم لوگ اپنے حصّے سے چائے کی خیرات نکال سکو تو ہمارا بھی بھلا ہو جائے گا ورنہ ہو سکتا ہے کہ رات تک سر پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔" رینا نے کہا۔

چائے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ دو آدمی جو اچھے لباس میں تھے۔ لڑکیوں سے اجازت طلب کر کے خیمے میں داخل ہوئے۔ ایک نے اُنہیں مخاطب کر کے کہا۔ "معزز خواتین اور مہمان بندرو۔۔۔ اب آپ کو ہماری ایک خصوصی تقریب میں شرکت کرنی ہے۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔" کئی خوش ہو کر بولی۔

"تو پھر چلیے۔"

"ہم کیا تقریب میں بھی بندر ہی رہیں گے؟" عمران نے پوچھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں۔"

"اس تقریب میں بچے تو نہ ہوں گے۔"

"یقیناً ہوں گے لیکن بہترین ڈسپلن کا مظاہرہ کریں گے۔ ہم آدمی ہیں بندر نہیں۔"

"صبح بچوں نے پریشان کیا تھا۔"

"دراصل اُنہوں نے اتنے بڑے بندر پہلی بار دیکھے تھے محض خوشی اور حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔ کسی نے پتھر تو نہیں مارا تھا؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ خدا ان کی عمریں دراز کرے۔ بےحد

www.taemeernews.com

ظفرالملک اکڑا کھڑا رہا لیکن عمران بڑے ادب سے جھک کر کورنش بجالایا تھا۔

"دیکھا آپ نے۔ بالکل بے ضرر ہیں۔"

"نہیں... نہیں..." شیلی اور کئی بے ساختہ بولیں۔

"آپ جانتی ہیں کہ انکار کی صورت میں آپ کو سزا بھگتنی پڑے گی۔" دوسرے نے سرد لہجے میں کہا اور پھر وہ دونوں عمران اور ظفرالملک کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔" عمران آواز بدل کر بولا۔ "ہم یہیں باہر بیٹھے رہیں گے۔ بس آپ ہمیں اس بستی کے افلاطون بچوں سے بچائیے گا۔"

"کیا تم اس بستی کے نہیں ہو؟" ریتا نے پوچھا۔

"جی نہیں اور کہیں سے پکڑ کر لائے گئے ہیں اور ہم لوگ محض دیکھنے کے بندر نہیں ہیں۔ ہمیں بھوک بھی لگتی ہے۔"

"ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ ہم خود کہیں اور سے پکڑ کر لائے گئے ہیں۔" ریتا نے مغموم لہجے میں کہا۔

"آپ تینوں ایک دوسری کو جانتی ہیں؟" عمران نے پوچھا اور ریتا چونک کر اُسے گھورنے لگی پھر بولی۔ "ہاں۔ ہاں کیوں نہیں؟ سردار گڑھ میں ہم تینوں ساتھ تھیں۔"

اچانک ایک تیسرا بندر دکھائی دیا جو انہی کی طرف دوڑا آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر ہانپتا ہوا بولا۔ "مس ریتا... میں انسپکٹر ہوں۔"

"اوہ... مل... لیکن۔"

"وہ مجھ پر تشدد کر رہے ہیں۔ یہ نامعقول لباس پہنا کر کہا ہے کہ اس کو اُتارنے کی کوشش زندگی سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہوگی اور پھر آپ لوگوں کے پاس بھیج دیا۔" وہ خاموش ہو کر ظفر اور عمران کو گھورنے لگا۔

"ہم صرف بندر ہیں۔ کیا آپ بندروں کے انسپکٹر ہیں جناب؟" عمران نے بدلی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بکواس مت کرو۔" انسپکٹر غرایا۔ "ٹھیک بتاؤ تم کون ہو؟ ورنہ کھال اُتار دوں گا۔"

"ضرور کھال اُتار دو ہماری اور خواتین سے گالیاں کھاؤ۔"

"یہ کون بدتمیز ہیں؟" انسپکٹر نے پھاڑ کھانے والے انداز میں ریتا سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ دو آدمی انہیں بھی ہمارے حوالے کر گئے ہیں۔"

"کوئی بھی ہوں۔ میں انہیں ٹھیک کر دوں گا۔"

"انسپکٹر صاحب! یہ آپ کا تھانہ نہیں ہے۔" عمران چڑانے والے انداز میں بولا۔ "ورنہ قرقا شروا کر دوں گا۔"

"یہ... یہ..." انسپکٹر ریتا کی طرف مڑ کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہیں کے معلوم ہوتے ہیں۔"

ریتا کچھ نہ بولی۔ اتنے میں ایک آدمی ٹھیلے پر ترکاریاں رکھے ہوئے خیمے کے قریب پہنچا اور لڑکیوں سے بولا۔ "اپنے بندروں کے لیے جو کچھ لینا چاہیں لے لیں۔"

عمران نے ٹھیلے والے سے کہا۔ "اے بھائی! ہم دونوں بہت ہی کلچرڈ قسم کے بندر ہیں۔ کچی ترکاریاں نہیں کھاتے۔"

"اور ہمارے پاس اُبالنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔" ریتا بولی۔

"اچھا۔ اچھا۔" ٹھیلے والا سر ہلا کر بولا۔ "اُبلی ہوئی آجائیں گی لیکن براہِ کرم آپ تینوں کو اندر لے جائیے ورنہ بچے پریشان کریں گے۔"

وہ ٹھیلا دھکیلتا ہوا پھر بستی کی طرف چلا گیا۔

"چلو اندر۔" ریتا نے مُردہ سی آواز میں اُن سے کہا۔

خیمے کے اندر پہنچ کر انسپکٹر نے ریتا سے پوچھا۔ "یہ دونوں وہی لڑکیاں ہیں نا جو پہلے اٹھائی گئی تھیں؟"

"ہاں وہی ہیں۔"

"تم کیسے آئیں؟"

"پہلے تم بتاؤ۔"

"ہم اس درّے سے گزر رہے تھے جس میں اس بچی کے گولی لگی تھی۔ دوسری طرف ایک چشمہ تھا چشمے والی چٹان کے اوپر ہمیں ایک آدمی نظر آیا جس پر عقاب جھپٹے مار رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تالاب میں آگرا اور غرق ہوگیا۔ پھر ہم نے اس کی لاش نکال لینے کی مہم شروع ہی کی تھی کہ ایک بار پھر گیس بم کے دھماکے نے ہمیں ناکارہ کردیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو اس بستی میں پایا۔ پتا نہیں میرے ماتحتوں اور فان فاگان پر کیا گزری؟"

"وہ بھی ساتھ تھا؟" ریتا نے پوچھا۔

"ہاں۔ اور یہ اسی نامعقول آدمی کی تجویز تھی جس نے پتا نہیں کس طرح ہمارے ایس پی صاحب کو مرعوب کر لیا تھا۔"

"عمران؟"

"ہاں... مت نام لو اس کا۔ اسی کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہوں۔ اب تم بتاؤ؟"

ریتا نے اپنی کہانی شروع کی جس کے اختتام پر انسپکٹر بولا۔

"دیکھا تم نے کتنا پاگل آدمی ہے... ہونہہ... تمہیں مردہ بنا کر ساتھ لیے پھر رہا تھا۔"

"کچھ بھی ہو۔ بندر کا خاتمہ تو اس نے کر ہی دیا جو ان لوگوں

www.taemeernews.com

شائستہ بچے تھے ؟"

"شکریہ ۔ اچھا اب اٹھو۔"

وہ خیمے سے باہر نکلے ۔ چاروں طرف سناٹا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لوگ بستی چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہوں ۔ وہ چلتے رہے حتیٰ کہ بستی بہت پیچھے رہ گئی ۔ لڑکیاں تھکن کی شکایت کر رہی تھیں ۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے میدان میں پہنچے جہاں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی ۔ شاید پوری بستی کے لوگ وہیں اکٹھے ہو گئے تھے ۔ عورت مرد، بوڑھے، بچے لیکن ایسا سناٹا تھا جیسے وہ کوئی ماتمی تقریب ہو ۔ ان بندروں کو دیکھ کر بھی بچوں نے شور نہ مچایا ۔

"خدا کی پناہ ۔۔۔" انسپکٹر بڑبڑایا پھر رینا سے بولا ۔ "وہ اِدھر دیکھو ۔۔۔ اس اونچی چٹان پر ۔ کیا وہ ڈان فاگان نہیں ہے ؟"

"آ ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ ہے تو ۔ لیکن ۔۔۔"

ڈان فاگان اس چٹان پر تنہا کھڑا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سناٹا اسی کے لیے ہو ۔ اسی کی وجہ سے مجمع کو سانپ سونگھ گیا ہو ۔ عمران وغیرہ کی رہنمائی کرنے والے بھیڑ میں راستہ بناتے ہوئے انہیں اسی چٹان کی طرف لیے جا رہے تھے ۔ چٹان کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے اور ان سے اوپر جانے کو کہا ۔ وہ ہچکچائے تھے لیکن عمران نے پہل کی ۔ ظفر اس کے پیچھے تھا ۔ پھر دوسروں کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی تھی ۔

سب انسپکٹر نے اوپر پہنچتے ہی ڈان فاگان سے پوچھا ۔

"ان لوگوں نے تمہیں بندر نہیں بنایا ؟"

عمران تیز سیٹی کی سی آواز میں بندروں کی طرح خوخیایا ۔

ڈان فاگان تیزی سے اس کی طرف مڑا تھا ۔

"میں تمہیں پہچانتا ہوں ۔" ڈان فاگان نے قہر آلود لہجے میں اس سے کہا ۔

عمران پھر خوخیایا ۔

"خاموش رہو ۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہی ان حرکتوں کے ذمہ دار ہو ۔" انسپکٹر تلخ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا ۔

"تم ٹھیک سمجھے ۔" ڈان فاگان نے بے پروائی سے کہا ۔

"میرے ماتحت اور دونوں شکاری کہاں ہیں ؟"

"وہ لوگ غیر ضروری تھے ۔ اس لیے اپنے گھروں تک پہنچ گئے ہوں گے ۔"

ظفر کچھ بولنا ہی چاہتا تھا لیکن عمران نے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا ۔

"میں کیوں ضروری ہوں ۔۔۔ ؟ اور وہ ضرورت کیا ہے ؟" انسپکٹر پھر بولا ۔

"بس اب خاموش رہو ۔" ڈان فاگان ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں بولا ۔ اور پھر چیخ چیخ کر نیچے کھڑے ہوئے لوگوں سے کہنے لگا تھا ۔ "ساتھیو ۔۔۔ ! تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے ۔ یہ تینوں لڑکیاں تمہارے لیے تفریح مہیا کریں گی ۔ اب یہ تمہارے درمیان ہی رہیں گی ۔"

تالیوں کے شور میں وہ خاموش ہو گیا ۔ عمران اور اس کے ساتھی اسے حیرت سے دیکھے جا رہے تھے کیونکہ اس نے مجمع سے اردو میں خطاب کیا تھا ۔

"ہم اس پر تیار نہیں ہیں ۔" دفعتہً رینا جھلا کر بولی ۔

"کیا تم ان بندروں کو بہت بڑی طاقت سمجھتی ہو ؟" ڈان فاگان نے حیرت سے کہا ۔

"ایک منٹ ۔" عمران نے بدلی ہوئی آواز میں دخل اندازی کی ۔ "آخر تم لوگ کون ہو ؟ اور کیا چاہتے ہو ؟"

"ہم دنیا کے بہت ہی ترقی یافتہ لوگ ہیں اور دنیا میں امن چاہتے ہیں ۔"

"عورتوں کا جبری اغوا ترقی ہے یا امن پسندی ؟"

"وقتی ضرورت ۔۔۔ یہ ہماری لڑکیوں کو رقص کی تربیت دیں گی اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا ۔"

"اچھی بات ہے ۔ تو پھر ہم تینوں واپس جا رہے ہیں ۔"

"کوشش کر کے دیکھو ۔" ڈان فاگان نے استہزائیہ انداز میں کہا ۔ "اگر ہم سے بچ گئے تو اس ملک کے سرحدی محافظ تمہیں گولیوں کا نشانہ بنا دیں گے ۔"

"اچھا تو پھر ہمارا مصرف بھی بتاؤ ۔"

"تمہارے ذہنوں سے صدیوں کا زنگ اور میل کچیل صاف کر کے تمہیں ایک ترقی یافتہ آدمی بنا دیں گے ۔ فی الحال ہماری ذہنی سطح کے اعتبار سے تم صرف بندر ہو ۔ چھین جھپٹ کر کھانے والے ۔"

"اوہ ۔۔۔ تو ۔۔۔ تم ۔۔۔ لیکن یہاں اس علاقے میں تم اپنے قدم کس طرح جما سکے ۔ یہاں کی حکومت تمہیں کس طرح برداشت کر رہی ہے ؟"

"ہم یہاں ایک نئے طریقِ کار کا تجربہ کر رہے ہیں ۔ تم دیکھ ہی لو گے ۔" ڈان فاگان بولا ۔

"تمہیں رقص کرنا چاہیے ۔" دفعتہً عمران نے رینا کی طرف مڑ کر کہا ۔ "یہ سب اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں ۔ ہاں ۔ کوئی بات

www.taemeernews.com

"چلو..."

پھر ایک ٹیپ ریکارڈر سے رقص کے لیے موسیقی شروع ہوئی تھی اور تینوں نے ناچنا شروع کر دیا تھا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی یہ تقریب اختتام کو پہنچی تھی اور مجمع بستی کی طرف چل پڑا تھا۔

"تم تینوں میرے ساتھ چلو گے۔" ڈان فاگان نے عمران کو مخاطب کر کے کہا۔ "اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ پوری بستی کا خاتمہ کر دینے کے باوجود بھی تم لوگ ان پہاڑوں کے اس پار نہ پہنچ سکو گے۔"

"ہمیں واپسی کی جلدی نہیں ہے۔" عمران بے حد نرم لہجے میں بولا۔ "لیکن اس بے ہودہ لباس سے تو ہمیں چھٹکارا دلا دو۔"

"فی الحال یہ بھی ناممکن ہے میرے دوست! ہم اپنے طریقِ کار کو بدل نہیں سکتے۔ بتدریج تمہیں بندر سے آدمی بنا دیں گے۔"

"اچھا... دُم ہی اکھاڑ دو۔"

"بچوں کی طرح ضد نہ کرو۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔"

"خیر۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میری یادداشت واپس لانے کے لیے تم نے جو حرکت کی تھی۔ اُسے معاف کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر چونک کر بولا۔

"کچھ نہیں... کچھ نہیں... فکر نہ کرو۔" عمران نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

لڑکیاں وہاں سے لے جائی جا چکی تھیں۔ ڈان فاگان کے ساتھ وہ تینوں بستی میں آئے۔ ان کے لیے بستی کے وسط میں ایک خیمے کا انتظام کیا گیا تھا۔

"اب میں جا رہا ہوں۔" ڈان فاگان نے کہا۔ "کل تم یہاں بہت کچھ دیکھو گے۔" وہ چلا گیا۔ یہ تینوں خاموشی سے اپنے اپنے بستروں پر جا بیٹھے۔

رات کے کھانے میں بھی اُبلی ہوئی ترکاریاں ہی ملیں۔

انسپکٹر بھنّا کر بولا۔ "سچ مچ بندر بنا کر رکھ دیا ہے۔"

ڈان فاگان کے ریمارک کے بعد سے عمران نے بدلی ہوئی آواز میں گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور اب انسپکٹر کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔ اس نے عمران سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"سنو دوست۔" اس نے انسپکٹر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اس لڑکی ریتا کو معلوم نہ ہونے پائے کہ میں عمران ہوں۔ ورنہ وہ مجھے بندر سے آدمی بنا کر رکھ دے گی۔ آہاں... ذرا ایک بات تو بتاتا۔"

"پوچھیے...؟"

"کیا وہ آدمی بھی ہماری طرح بندر تھا جسے عقاب نے چٹان سے تالاب میں گرایا تھا۔"

"نن... نہیں... وہ خاکی لباس میں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس طرف کے سرحدی محافظوں میں سے تھا۔"

"اوہ..." عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔

دُوسری صبح ناشتے میں بھی اُنہیں اُبلی ہوئی ترکاریاں ہی ملی تھیں۔

"چائے کے بغیر تو میری زندگی محال ہے۔" ظفر الملک بڑبڑایا۔

"ان کا کرم ہے کہ ترکاریاں اُبلی ہوئی ملتی ہیں۔ بندروں کے لیے چائے کہاں سے بنواتے پھریں گے۔ ویسے مجھے یہ برین واشنگ کا ابتدائی کورس معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر چونک پڑا۔

"ارے اسی طرح ترکاریاں نصیب ہوتی رہیں تو ہم ہاں میں ہاں ملانے کے فن میں ماہر ہو جائیں گے۔ خدا کی پناہ شاہینوں کو اُبلی ہوئی ترکاریاں کھلا رہے ہیں۔"

نو بجے کے قریب ایک آدمی خیمے میں داخل ہوا... جو ٹامی گن سے مسلح تھا۔ اس نے اُنہیں خیمے سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

خیمے کے باہر ڈان فاگان دُوسرے مسلح آدمی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"میرے پیچھے آؤ..." اس نے تینوں سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

مسلح آدمی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر یہ تینوں تھے اور ان کے پیچھے دُوسرا مسلح آدمی تھا۔ لڑکیوں کے خیمے کے قریب پہنچے تو وہ بھی باہر ہی کھڑی نظر آئیں۔ ان کے پاس بھی ایک شخص ٹامی گن لیے موجود تھا۔ اسے عمران نے پہچان لیا۔ یہ وہی تھا جسے اُس نے سیاہ فام وحشیوں کے ساتھ گرفتار کیا تھا۔ وہ ان تینوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ تینوں لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہولیں۔ اب تین مسلح آدمی ان کی نگرانی کر رہے تھے۔

"کیا ہم ان لڑکیوں سے گفتگو کر سکتے ہیں؟" عمران نے بدلی ہوئی آواز میں ڈان فاگان سے پوچھا۔

"اجازت ہے۔"

"رات کیسی گزری؟" عمران نے ریتا کو مخاطب کیا۔

"تم لوگ اپنی کہو۔"

"بہت خوش ہیں۔"

وہ تینوں بیزار بیزار سی لگ رہی تھیں۔ اس لیے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ عمران بھی خاموش ہو گیا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں چاروں طرف اونچی اونچی نوکیلی چٹانیں تھیں۔

"میں تم لوگوں کو ایک تماشا دکھاؤں گا۔" ڈان فاگان ان کی طرف مڑ کر بولا۔

"ہم تماشوں کو تماشا دکھاؤ گے۔" عمران ہنس پڑا۔

"مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ تم بے حد خطرناک آدمی ہو۔ بین الاقوامی شہرت کے مالک۔"

"اُٹھائی ہو گی کسی دشمن نے۔ میں تو ان تینوں لڑکیوں کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ مجھے تمہاری بستی سے کوئی سروکار نہیں۔"

"میں تمہیں یہی دکھانا چاہتا ہوں کہ تم ایسا نہ کر سکو گے۔ پچھلی رات ایک بندر بستی سے فرار ہو گیا ہے۔ وہ یہاں سے نکل جانے کے راستے سے واقف تھا۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت وہ کہاں چھپا ہو گا۔"

"اچھا تو پھر!"

"اس کے فرار کا منظر تم بھی دیکھ لو۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔

سب انسپکٹر اس کے قریب کھسک آیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "اگر ایک ٹامی گن بھی ہوتی تو کسی نہ کسی طرح نپٹ لیا جاتا۔ تین تین ہیں۔"

"تم لوگ اِدھر بیٹھ جاؤ۔" ڈان فاگان بولا۔ "ہو سکتا ہے ابھی دیر لگے لیکن تم وہ دلچسپ منظر ضرور دیکھو گے۔ مجھے یقین ہے۔"

بتائی ہوئی جگہ پر بیٹھ جانے کے بعد عمران نے ڈان فاگان کو مخاطب کیا۔ "اس میں کیا مصلحت تھی کہ پہلی بار تم سڑک کے کنارے بے ہوش پائے گئے تھے؟"

"وہ تیسری لڑکی ہاتھ نہیں آسکی تھی۔ اس کا حصول بھی ضروری تھا۔ اچھا... اچھا... میں تمہیں پوری کہانی سناتا ہوں۔ وہ بے چارے یہ نہیں جانتے تھے کہ میں اردو بھی بول اور سمجھ سکتا ہوں۔"

"میں بے چارہ بھی نہیں جانتا تھا۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اور اب پوری کہانی میں ہی تمہیں سنا سکوں گا۔ تمہیں علم تھا کہ لڑکی میرے ساتھ ہو گی۔ تمہاری موجودگی ہی میں ایس پی کو میں نے اپنی اسکیم بتائی تھی اور بدقسمتی سے اردو میں بتائی تھی۔"

"تم کتنی زبانیں بول اور سمجھ سکتے ہو۔"

"انگریزی اور اسپینی۔"

"میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ تمہیں فرنچ اور جرمن بھی آتی ہوں گی۔ یورپی زبانوں کے شائقین کے لیے اسپینی بہت بعد کی چیز ہے۔ خیر ہو گا۔" وہ شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"مجھے اس سے کیا سروکار؟ ہاں مجھے تمہاری اسکیم کا علم تھا۔ میں نے اس پارٹی کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد جس کے ساتھ خود تھا۔ تمہاری تلاش شروع کر دی تھی لیکن لڑکی تمہارے ساتھ نہیں تھی۔ وہ تو رات کو بندر نے۔۔۔"

"مجھے اس کے مارے جانے پر افسوس ہے لیکن یہ ناگزیر تھا۔ اسے چھوٹ دیتا تو داڑھی والی لڑکی پکڑی جاتی۔"

"تو یہ تم ہو۔۔۔" ریتا چیخ کر عمران کی طرف لپکی۔

"وہیں۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔" ڈان فاگان ہاتھ اُٹھا کر سخت لہجے میں بولا۔

ریتا رک کر اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ اُدھر ہی بیٹھو۔" عمران نے سر ہلا کر کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر ڈان فاگان سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ تماشا خوشگوار نہ ہو گا۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" ڈان فاگان کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"اس لیے اگر ان لڑکیوں کو یہاں سے ہٹا دو تو بہتر ہو گا۔"

"انہیں بھی دیکھنا چاہیے۔" خشک لہجے میں جواب ملا۔

تینوں مسلح آدمی ٹامی گنیں سنبھالے ان کی طرف نگران تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان سے کسی قسم کی حرکت سرزد ہوتے ہی ٹامی گنیں گولیاں اُگلنا شروع کر دیں گی۔

"یہ خاموشی گراں گزر رہی ہے۔" ظفر الملک بولا۔

"اچھا تو پھر تم ہی کچھ گاؤ۔" عمران نے کہا۔

انسپکٹر نے غصیلی نظروں سے ظفر کی طرف دیکھا تھا۔ شاید وہ خاموشی ہی چاہتا تھا۔

"تمہیں کس سے اطلاع ملی تھی کہ میں بہت خطرناک آدمی ہوں۔" عمران نے ڈان فاگان سے پوچھا۔

"اپنے ایک ایجنٹ سے جو مستقل طور پر سردار گڑھ میں رہتا ہے جیسے ہی تم میری یادداشت واپس لائے تھے۔ اُس نے تمہاری چھان بین شروع کر دی تھی۔"

"میں گاؤں؟" دفعتہً ریتا زور سے بولی۔ "واقعی اس

www.taemeernews.com

خاموشی سے بڑی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔"

"اسے سی نور ڈان فاگان" عمران جھلا کر بولا۔ "میں کہتا ہوں ان احمقوں کو یہاں سے ہٹا دو تاکہ ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں۔"

"اچھی بات ہے" وہ عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر ایک مسلح آدمی سے کہا کہ وہ انہیں پیچھے والی چٹان کے عقب میں لے جائے اور کڑی نگرانی میں رکھے۔

"ہاں ۔۔۔ اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو" ڈان فاگان نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

اب وہاں دو مسلح آدمیوں اور ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

عمران اس سے کسی قدر قریب ہوتا ہوا بولا۔ "اگر تمہارے ایجنٹ نے میرے متعلق مکمل معلومات فراہم کی ہیں تو تمہیں میری دکھ بھری زندگی سے پوری طرح آگاہی ہو گئی ہوگی۔"

"ہاں تمہارا پیشہ ایمانداری پر مبنی نہیں ہے۔ پولیس اور مجرموں کو بلیک میل کر کے زندگی بسر کرتے ہو۔"

"بس میرا قصور یہ ہے کہ صورت سے اسمارٹ نہیں لگتا۔ اسی لیے ابھی تک کوئی ڈھنگ کی ملازمت نہ مل سکی۔ تم مجھے اپنی بستی کا احوال بتاؤ۔ شاید میری برین واشنگ کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

"تم ایک نیم وحشی معاشرے سے تعلق رکھتے ہو۔" ڈان فاگان بولا۔ "تمہارا معاشرہ لٹیروں اور بھکاریوں کا معاشرہ ہے تم ان درندوں کے نقال ہو جو خلائی دور کو آدمی کی ترقی سمجھتے ہیں۔"

"بالکل ۔۔۔ بالکل ۔۔۔"

"آدمی کی سب سے بڑی ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں دوسروں کو بھی حصہ دار بنائے۔ یہاں ہم سب ایک دوسرے کے لیے کماتے ہیں۔ کوئی شخص اپنی محنت کے ثمرے پر صرف اپنا ہی حق نہیں جتاتا۔ ہم اپنی ساری آمدنی یکجا کر کے ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق ۔۔۔"

"میں بالکل سمجھ گیا۔ تم درندے نہیں ہو لیکن جس کھیل کے لیے تم ہم لوگوں کو یہاں لائے ہو۔ اس کا کیا جواز ہے؟"

"تم کیا سمجھتے ہو؟"

"یہی کہ ۔۔۔ تمہارا قیدی جب فرار کے راستے پر لگے گا تو اچانک ۔۔۔ یہ عقاب ٹوٹ پڑیں گے اور وہ بلندی سے نیچے آ رہے گا۔"

"واقعی ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"تم چاہو تو اسے بچا بھی سکتے ہو۔"

"میں نہیں بچانا چاہتا۔" ڈان فاگان غصیلے لہجے میں بولا۔ "یہ ثابت ہوا کہ تم بھی ہماری طرح ہی نیم وحشی ہو۔ بغض اور انتقام بھی حیوانی جبلتوں کی پیداوار ہیں۔ تم چاہتے تو اسے دوبارہ گرفتار کر کے اپنی قید میں رکھ سکتے تھے لیکن تم محض اس لیے اس کی زندگی کا خاتمہ کر رہے ہو کہ ہم عبرت پکڑ سکیں اور یہاں سے نکل جانے کا تصور تک نہ کر سکیں۔"

"تم ٹھیک سمجھے۔" ڈان فاگان اسپینی میں غرایا۔ "تم اسپینی سمجھ سکتے ہو۔ اس لیے میں تم سے اسی زبان میں گفتگو کروں گا۔"

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ چند لمحے خاموش رہ کر پھر دہاڑا۔ "میں بے ضمیر نہیں ہوں۔ سب کچھ سمجھتا ہوں لیکن مجبور ہوں۔ تم مجھے بااختیار سمجھتے ہو گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے یہ تینوں مسلح آدمی مجھ پر حکومت کرتے ہیں۔ میری ذہانت اور میرا علم ان تین وحشی درندوں کا تابع فرمان ہے۔ ان کی نالائقی مجھے ان کے بنائے ہوئے سانچوں میں ڈھالتی رہتی ہیں۔"

"اے ۔۔۔ تم کتوں کی طرح کیوں بھونکنے لگے؟ ہم کچھ نہیں سمجھا۔" عمران نے اردو میں کہا۔

"شاباش" ڈان فاگان نے بدستور غصے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسپینی ہی استعمال کی۔ "واقعی بہت ذہین معلوم ہوتے ہو۔ ان پر ہرگز نہ ظاہر ہونے دینا کہ تم میری مادری زبان سمجھ سکتے ہو۔"

"یہ کیا بک رہا ہے؟" عمران نے مسلح آدمیوں کی طرف مڑ کر کہا۔

"غصہ آگیا ہے شاید" ایک بولا۔

"تو کیا غصے میں بھونکنے لگتا ہے؟"

"نہیں ۔۔۔ اس کی مادری زبان اسپینی ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ"

اچانک سامنے والی بلند چٹان سے پے در پے چیخیں سنائی دیں اور ایک آدمی لڑھکتا ہوا نیچے آ پڑا۔

ادھر کئی عقاب فضا میں چکرا رہے تھے۔ نیچے گرنے والا بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ اس کے جسم پر بھی ویسا ہی لباس نظر آیا جیسا عمران اور اس کے ساتھیوں کے جسموں پر منڈھا گیا تھا۔

کچھ دیر تک وہ تینوں بالکل ساکت صامت کھڑے رہے۔ پھر عمران گرنے والے کی طرف جھپٹا۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش

www.taemeernews.com

نہیں کی تھی۔ چٹان سے گرنے والا مر چکا تھا۔ عمران گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اُسے دیکھنے لگا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ دفعتہً اُس نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

"ارے۔ ارے" ڈان فاگان بڑبڑایا۔ پھر مسلح آدمیوں سے بولا۔" دیکھو... اسے ہٹاؤ یہاں سے"

وہ دونوں آگے بڑھے۔ پہلے اُنہوں نے عمران سے ہٹ جانے کو کہا لیکن اُس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی تھی۔ آخرکار اُن میں سے ایک نے بائیں ہاتھ سے عمران کا بازو پکڑ کر اُٹھانے کی کوشش کی۔ دُوسرے ہی لمحے میں وہ تو اُچھل کر دُور جا پڑا تھا اور اس کی ٹامی گن عمران کے ہاتھ میں نظر آئی تھی۔ پھر اس ٹامی گن کا دستہ دُوسرے مسلح آدمی کے سر پہ پڑا۔ پہلے آدمی نے عمران پہ دوبارہ جست لگائی اور مُنہ کی کھائی۔ ٹامی گن کا دستہ اس کی کنپٹی پہ پڑا تھا پھر جتنی دیر میں ڈان فاگان قریب پہنچتا۔ وہ دونوں بے حس و حرکت ہو چکے تھے۔

"وہیں ٹھہرو" عمران اس کی طرف دیکھ کر غرّایا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو" وہ آہستہ سے بولا۔

"سمجھاؤ" عمران نے رازدارانہ انداز میں اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک عمران کا چپا تُلا ہاتھ اس کی کنپٹی پہ پڑا اور وہ بھی چکرا کر ڈھیر ہو گیا۔ پھر دُوسری ٹامی گن زمین سے اُٹھاتے ہوئے اُس نے اس چٹان کی طرف دیکھا جس کے پیچھے تیسرا مسلح آدمی اس کے ساتھیوں کو لے گیا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا۔ دونوں ٹامی گنیں ایک جگہ چھپا دیں پھر اس چٹان پہ چڑھنے لگا۔ جس کی دُوسری طرف اُس کے ساتھی موجود تھے۔ چٹان ناقابلِ عبور نہیں تھی۔ اُوپر پہنچ کر بڑی احتیاط سے اُس نے دُوسری طرف جھانکا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ مسلح آدمی کی پوزیشن اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد وہ پھر اس چٹان کے نیچے اُتر آیا۔ اب وہ اس طرف چل پڑا۔ جدھر سے گزر کر وہ لوگ اس چٹان کے پیچھے پہنچے تھے۔ مسلح آدمی کی پُشت پر پہنچ کر اس نے اس پہ چھلانگ لگائی اور دبوچ بیٹھا۔ ٹامی گن اس کی گرفت سے نکل کر دُور جا پڑی۔ ظفرالملک نے ٹامی گن پر قبضہ کر لینے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

عمران اپنے شکار کو دبوچے ہوئے کہہ رہا تھا۔" اس رات تم ڈان فاگان کی وجہ سے بچ گئے تھے۔ آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا"

"اُن... اُن... کا کیا ہوا" شکار ہکلایا۔

"وہی جو تمہارا ہونے والا ہے"

عمران نے اس کی گردن میں قینچی ڈال دی تھی اور بتدریج دباؤ بڑھتا جا رہا تھا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا سر زمین سے ٹکرا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اپنے بے ہوش ساتھیوں کے قریب لیٹا ہوا نظر آیا تھا۔

عمران نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔" جتنی جلد ممکن ہو ہمیں بندر سے آدمی بن جانا چاہیئے۔ ترکیب اس کی یہ ہے کہ ان تینوں کے کپڑے اُتار کر ہم پہنیں اور انہیں بندر بنا دیں"

پندرہ بیس منٹ میں اُنہوں نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا تھا۔

ڈان فاگان کو پہلے ہوش آیا۔ تین ٹامی گنیں اس کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُنہیں دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتہً اُٹھ بیٹھا اور عمران سے انگریزی میں بولا۔" واقعی تم باکمال آدمی ہو"

"جہاں ہو! وہیں بیٹھے رہو"

"لگ... کیا تم نے ان تینوں کو مار ڈالا؟"

"نہیں... یہ بھی عقابوں ہی کے شکار ہوں گے جس طرح وہ بے چارہ" عمران نے نامعلوم آدمی کی لاش کی طرف دیکھ کر کہا۔" کیا یہ بھی میرے ہی ملک سے تعلق رکھتا تھا؟"

"نہیں..."

"چلو... مجھے اس کا چہرہ دکھاؤ"

ڈان فاگان نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے پہ منڈھا ہوا خول ہٹا دیا۔ ناک نقشے سے وہ مشرقِ بعید کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔

"اب تم اپنے کپڑے اُتار کر اس لاش کا لباس اپنے جسم پر منڈھ لوگے" عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تت... تم آخر سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے! میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں" ڈان فاگان نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں...؟"

"میں خود اس کے جال سے نکلنا چاہتا ہوں"

"بڑی عجیب بات ہے... ایسی بستی چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟"

"میں نے جو کچھ بھی کہا تھا۔ ان لوگوں کو سنانے کے لیے کہا تھا۔ یہاں انسانیت کے نام پہ فراڈ ہو رہا ہے"

"خوب... وہ کس طرح؟"

"یہاں سے کہیں اور چلو۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا"

"یہیں بتا دینے میں کیا دُشواری ہے!"

"میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ ہوش میں آ کر ہمیں گفتگو کرتے دیکھ لیں"

www.taemeernews.com

"وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی خود کو بے بس محسوس کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔"

"میں کہتا ہوں وقت ضائع نہ کرو۔ ورنہ زندگی بھر یہاں سے نہ نکل سکو گے۔ پہلے میری بات سن لو۔ اس کے بعد میں بھی تمہارا قیدی ہی بن کر چلوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ چلو ادھر ہی۔" عمران نے کہا اور ظفر الملک سے بلند آواز میں کہا۔ "پوری طرح چوکس رہنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ ڈان فاگان کو اسی چٹان کے پیچھے لے گیا جہاں کچھ دیر پہلے اس کے ساتھی تھے۔

"صرف ایک آدمی نکاسی کے راستے سے واقف ہے۔" ڈان فاگان بولا۔ "میں بھی نہیں جانتا۔ ایک مخصوص جگہ پر میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔ تب میں ادھر سے اُدھر پہنچ سکتا ہوں یا اُدھر سے اِدھر آسکتا ہوں۔"

"وہ کون ہے؟"

"وہی آدمی جس کے ساتھ سیاہ فام وحشی رہتے ہیں جسے تم نے اس رات گرفتار کر کے غار میں ڈال دیا تھا۔"

"اوہ۔۔۔ اچھا اب ان عقابوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ان کے بارے میں بھی وہی شخص بتا سکے گا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"شاید میں بھی کسی حد تک جانتا ہوں۔"

"اس آدمی کو الگ کر لو اور ان دونوں کو یا تو مار ڈالو یا بے بس کر کے ایسی جگہ ڈال دو کہ بستی تک نہ پہنچ سکیں۔"

عمران کچھ سوچنے لگا۔

"ان کے ہوش میں آنے سے پہلے مجھے قیدی بنالو۔"

"آخر۔۔ کیوں؟ اب تم سب ہی قیدی ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟"

ڈان فاگان کوئی جواب دیے بغیر اپنی ٹائی کی گرہ کھولنے لگا۔ پھر ٹائی عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "میرے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ جلدی کرو۔ اگر اس آدمی کو شبہ بھی ہو گیا کہ میں تم سے مل گیا ہوں تو وہ ہمیں نکاسی کے راستے تک ہرگز نہ لے جائے گا۔"

عمران نے ڈان فاگان کے مشورے پر عمل کیا لیکن اس کے انداز۔۔۔ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے بات پوری طرح اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ دوسری طرف ان تینوں کو بھی ہوش آگیا تھا اور وہ ان دونوں گنوں کو گھور رہے تھے جو اب ظفر الملک اور سب انسپکٹر کے ہاتھوں میں تھیں۔ پھر انہوں نے ڈان فاگان کو دیکھا جسے عمران دھکیلتا ہوا ادھر لا رہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے ڈان فاگان کو بھی انہی کے ساتھ بیٹھ جانے کا حکم دیا۔

ریٹا جھپٹ کر عمران کی طرف آئی تھی۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ جلدی سے نکل چلو۔" اس نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

"صبر کرو۔" اس نے ریٹا کو الگ ہٹاتے ہوئے چاروں قیدیوں کو مخاطب کیا۔

"تم چاروں صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہو کہ ہمیں ہماری سرحد تک پہنچا دو۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران نے پھر وہی جملہ دُہرایا۔

"تم ہمیں مار ڈالو۔" ڈان فاگان کڑک کر بولا۔ "لیکن ہم تمہیں راستہ نہیں بتائیں گے۔"

"خاموش رہو۔" وہ آدمی جھنجھلا کر بولا جس کی نشاندہی ڈان فاگان نے کی تھی۔

"دوسری صورت میں ڈان فاگان کو بھی مُردہ آدمی کا لباس پہنا دیا جائے گا اور ہم تم چاروں کو اُوپر لے جائیں گے۔" عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔" وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"یہی ہوگا۔ اس لباس میں عقاب تمہارا بھی یہی حشر کریں گے۔" عمران نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس پر اُس نے کہا تھا کہ اگر ان کا لباس تبدیل کرا دیا جائے تو وہ اُنہیں نکاسی کے راستے تک پہنچا دیں گے۔

"لباس! میں کہاں سے مہیا کروں گا؟" عمران اُسے گھور کر بولا۔

"ڈان فاگان کے ہاتھ کھول دو اور اسے بستی تک لے جاؤ۔ وہ ہمارے لیے دُوسرا لباس لائے گا۔"

"سنو پیارے! دُنیا مجھے بے وقوف کہتی ہے لیکن کیا تم بھی مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے ہو؟"

"کوئی تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

"اور یہ ڈان فاگان ہمیں بخش دے گا۔" عمران ہنس کر بولا۔

"ڈان فاگان میرا پابند ہے۔ جو کچھ میں کہوں گا۔ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔"

"اچھی بات ہے لیکن اتنا یاد رکھو کہ اگر معاہدے کے خلاف کچھ ہوا تو یہ ٹامی گن اس وقت تک قہقہے لگاتی رہے گی جب تک میگزین کا آخری کارتوس نہ ختم ہو جائے۔"

"بے فکر ہو جاؤ۔۔۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔"

ریٹا نے ڈان فاگان کے ہاتھ کھولے تھے اور عمران اسے

www.taemeernews.com

بستی کی طرف سے چلا تھا اور چلتے وقت اُس نے نعرے کہا تھا۔
"اگر یہ کوئی حماقت کریں تو انہیں بے دریغ چھلنی کر دینا!"
راستے میں ڈان خاگان نے کہا: "یہاں میری کوئی اہم حیثیت نہیں ہے۔ مجبوری ہمارا باس ہے اور خود مرشد کا غلام ہے۔"
"یہاں کوئی مرشد بھی ہے!"
"وہی تو سب کچھ ہے اور اس کے رویئے کی بنا پر میں نے یہ کہا تھا کہ یہاں انسانیت کے نام پر فراڈ ہو رہا ہے۔ تمہاری تینوں لڑکیوں کو اس نے سرکس میں دیکھا تھا اور پھر حکم دیا تھا کہ انہیں بستی میں پہنچا دو۔۔۔"
"کیا وہ بستی میں ہی رہتا ہے؟"
"نہیں۔۔۔ سردار گڑھ کا عظیم الشان محل اس کا مسکن ہے۔ بستی کی لڑکیاں اعلیٰ تربیت کے بہانے سردار گڑھ پہنچائی جاتی ہیں اور وہ مرشد انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے استعمال میں لاتا ہے۔"
"کیا تم کبھی اس کے محل میں گئے ہو؟"
"کیوں نہیں۔ اتنی خوب صورت عیش گاہ شاید ہی دنیا کے کسی حصے میں ہو۔ عمارت کا نام المرشد ہے خان اعظم روڈ پر لیکن وہ آج کل سردار گڑھ میں نہیں ہے کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ لڑکیوں کو بستی میں پہنچانے کا حکم دے کر کہیں چلا گیا تھا۔ ایک بار مجھے اس کی ایک محفل میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا۔ بوتلوں پر بوتلیں خالی کرتا چلا جاتا ہے لیکن کیا مجال ہے کہ ذرا سا نشہ تو ہو جائے۔"
"اوہو۔۔۔ ذرا اس کا حلیہ تو بتاؤ!" عمران نے چونک کر کہا۔
"حلیہ؟" ڈان خاگان ہنس کر بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں! بس وہ ایک لمبی سی بام مچھلی ہے لیکن طاقت۔۔۔ خدا کی پناہ۔۔۔ اگر گھنی داڑھی نہ ہوتی تو وہ چینی معلوم ہوتا۔"
"خدا کی پناہ۔۔۔ یہ تو تم میرے چچا کا حلیہ بتا رہے ہو۔" عمران چلتے چلتے رک کر بولا۔
"کیا مطلب؟ کیا کہا تم نے؟"
"کچھ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ جلدی کرو۔"
بستی میں پہنچ کر ڈان خاگان ایک خیمے میں داخل ہوا۔ وہاں سے اس نے کچھ کپڑے لیے تھے اور باہر نکل آیا تھا۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے چلتے رہے پھر عمران بولا۔

سبق

اسکول ٹیچر نے بچوں کو نیوٹن کا واقعہ سُنایا۔
"ایک دن نیوٹن باغ میں سیب کے درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ اُس کے سر پر ایک سیب آگرا اور یوں اُس نے کشش ثقل کا اصول دریافت کر لیا۔" پھر اُس نے بچوں سے پوچھا۔ "آپ نے اِس بات سے کیا سبق حاصل کیا؟"
ایک بچہ بولا: "یہی کہ اسکول سے غائب ہونا کتنی اچھی بات ہے۔ اگر نیوٹن اس دن اسکول گیا ہوتا تو یہ اُصول کبھی دریافت نہ ہوتا۔"

"اب تم اپنا جغرافیہ بتاؤ۔ تم اس چکر میں کیوں پڑے تھے؟ اور اب کیوں اس سے نکلنا چاہتے ہو؟"
"میں مرشد کے چکر سے نکلنا چاہتا ہوں۔ اسی توقع پر تمہاری مدد کر رہا ہوں کہ تم مجھے اپنے ملک سے نکل جانے میں مدد دو گے۔"
"یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گے؟"
"میرے دوست! یہ سب مت پوچھو! میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ تم میری مدد کرو۔"
"اچھی بات ہے! لیکن کیا تم اس پر روشنی ڈال سکو گے کہ وہ لوگ لباس کیوں تبدیل کرنا چاہتے ہیں؟"
"عقاب اس لباس کے لیے خصوصیت سے سدھائے گئے تھے جو کچھ دیر پہلے تمہارے جسم پر تھا۔ اس لباس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے جس پر عقاب آتے ہیں۔"
"لیکن مجھے وہ عقاب ابھی تک نہیں بھولا جو میرے ساتھی پر جھپٹے مار رہا تھا۔"
"یہاں دو طرح کے عقابوں کے جھنڈ ہیں۔ ایک وہ جو ہر آدمی پر جھپٹتے ہیں خواہ وہ کسی لباس میں ہو۔ وہ اس لیے ہیں کہ سرحدی محافظوں کو اس طرف نہ آنے دیں۔ تمہارا ساتھی اس دن کسی سرحدی محافظ ہی کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ جو دراصل عقاب پر چلائی گئی ہوگی۔"
"اور دوسری قسم کے عقاب تمہارے قیدیوں کو فرار نہیں

ہو نے دیتے جنہیں برین واشنگ کے دوران میں بندر ہی بنائے رکھا جاتا ہے۔" عمران نے کہا۔

"یہی بات ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈان خاقان بولا۔ "میں غوری کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ وہ تم سے شدید نفرت کرتا ہے کیونکہ تم نے اس کا بندر مار ڈالا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ غلط رہنمائی کر کے تم لوگوں کو موت کے منہ میں نہ پہنچا دے۔"

"تم کم از کم یہ تو جانتے ہی ہو گے کہ سرحدی محافظ کس طرف ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ یہ میں جانتا ہوں۔"

"بس اگر وہ ہمیں اس طرف لے جانا چاہے تو مجھے آگاہ کر دینا۔"

منزل مقصود پر پہنچ کر ڈان خاقان دوبارہ قیدیوں میں شامل کر دیا گیا۔

غوری آگے چل رہا تھا۔ چڑھائی کے راستوں پر لڑکیوں کی حالت ابتر ہو جاتی۔

ریتا عمران کے ساتھ چل رہی تھی۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے اُسے صرف اپنی ملکیت سمجھتی ہو۔ اگر کوئی دوسری لڑکی عمران سے گفتگو کرنا چاہتی تو فوراً دخل اندازی کر بیٹھتی۔ ایک بار عمران سے یہ بھی کہا تھا کہ نیلی اور کٹی اوّل درجے کی فلرٹ ہیں۔ وہ کبھی کسی ایک کی ہو کر نہیں رہ سکتیں۔

"اگر دونوں مل کر کوشش کریں تو کسی ایک کی ہو کر رہ سکتی ہیں۔" عمران بولا۔

"وہ کس طرح۔۔۔؟"

"پکڑ لیں کسی ایک کو۔ کدھر بھاگ کر جا سکے گا بے چارہ۔"

"تم کبھی سنجیدہ بھی ہوتے ہو!" وہ بگڑ گئی تھی۔

"صرف اسی وقت جب میرے ہاتھوں میں شامی گن ہو۔"

ایک جگہ غوری رک کر ان کی طرف مڑا اور عمران سے بولا۔ "میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے تحفظ کے لیے تمہیں راستہ بتا رہا ہوں لیکن اس جگہ میں اپنے ساتھیوں کی آنکھوں پر پٹی باندھوں گا۔ وہ راستہ نہیں دیکھ سکتے۔ یہی ہمارا اصول ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" عمران نے کہہ کر ڈان خاقان کی طرف دیکھا جس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں غوری کے بیان کی تصدیق کی۔

ڈینی وسٹ دیوانوں کی طرح عمران کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ اس کے سرکس کی تینوں لڑکیاں اسے واپس مل گئی تھیں۔

"میری بات سنو۔" عمران اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "اب ان تینوں کو ایک ڈبیا میں بند کر کے کسی بینک کے سیف ڈیپازٹ لاکر میں رکھوا دو۔۔۔"

"کیوں۔۔۔؟ کیا مطلب؟"

"ایک ایسے آدمی کو یہ تینوں پسند آ گئی ہیں جو ان کی قبروں میں گھس جائے گا۔"

"تت۔۔۔ تو پھر۔۔۔ میں کیا کروں؟"

"مقدمہ میں ختم کرا دوں گا۔ تم اپنے سرکس سمیت یہاں سے رفو چکر ہو جاؤ۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا مسٹر عمران۔۔۔"

"تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔"

"ریتا کی زبان پر تمہارے علاوہ اور کوئی ذکر نہیں۔"

"زندہ ہو گیا ہو گا۔۔۔ جو شاندہ پلواؤ۔۔۔ اچھا۔۔۔ ٹاٹا۔۔۔"

"میں تمہارے لیے کیا کروں؟"

"ایک پیکٹ چیونگم منگوا دو۔۔۔"

ڈینی سے پیچھا چھڑا کر وہ اپنے ہوٹل میں واپس آیا۔ ظفر اور جیمسن اس کے منتظر تھے۔ جیمسن کو اسپتال سے رخصت کر دیا گیا تھا۔

"آپ کے لیے کسی کا خط ہے۔" ظفر الملک نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کون لایا تھا؟" عمران چونک کر بولا۔

"ایک لڑکی۔۔۔"

عمران نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پر اس کا نام تحریر تھا۔ پھر خط نکالا۔۔۔ کسی نے لکھا تھا۔

"بھتیجے!

تمہارا یہ حرامی پن ایک آنکھ نہیں بھایا۔ کیا ضروری ہے کہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتے پھرو۔۔۔ میرا خیال ہے کہ سچ مچ تمہاری شامت آ گئی ہے۔ میرے چاروں آدمیوں کو فوری طور پر رہائی ملنی چاہیے۔۔۔ ورنہ پورے سردار گڑھ کو جہنم بنا کر رکھ دوں گا۔۔۔ مجھے علم ہے کہ تم 'المرشد' بھی ہو آئے ہو۔۔۔ میں اس عمارت میں مقیم ہوں۔ تینوں لڑکیاں میری ہیں۔۔۔ وہ سردار گڑھ سے باہر نہیں جا سکیں گی۔ مناسب ہو گا کہ تم ہی انہیں 'المرشد' تک پہنچا دو۔ دو دن کی مہلت دیتا ہوں۔۔۔ اگر پولیس نے 'المرشد' کی طرف آنکھ اُٹھانے کی بھی جرأت کی، تو سردار گڑھ کے

www.taemeernews.com

سیکڑوں باشندے رائفلیں لے کر ٹوٹ پڑیں گے۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ ایک بیان بھی مرشد کہلا سکتا ہے۔

تم سے بے حد بیزار تمہارا چچا۔"

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور خط لفافے میں رکھ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟ آپ بے حد سنجیدہ نظر آ رہے ہیں۔" ظفر بولا۔

عمران نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور ایک پیس منہ میں ڈال کر اسے آہستہ آہستہ کچلتا رہا۔ پھر ظفر سے بولا۔ "کھیل اب شروع ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مسٹنگ ہی۔"

"اوہ... تنگ... کیسے؟"

"فکر نہ کرو... اس بار میں نہیں... یا... وہ نہیں۔"

"تو... وہ بستی۔"

"کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں... وہ چاروں بھی اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ شہر سچ مچ جہنم کا نمونہ بن جائے۔"

عمران نے بے خیالی میں ایک اور پیس منہ میں ڈال لیا

"یور ہجسٹی! کچھ متفکر معلوم ہوتے ہیں۔" جیمسن بولا۔

"کیا وہ ایسا ہی ہے کہ آپ جیسے لوگ بھی سوچ بچار میں پڑ جائیں؟"

"ارے نہیں..." عمران بے پروائی سے ہاتھ جھٹک کر بولا۔ "بس ذرا ان لڑکیوں کی طرف سے تشویش ہے۔ وہ انہیں سردار گڑھ سے باہر نہیں جانے دے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"ایسی ہی بات ہے۔ سنگ ان مجرموں میں سے ہے جو ساری دنیا کو خالہ جی کا گھر سمجھتے ہیں۔ اب یہی دیکھو۔ پتا نہیں کب سے سردار گڑھ میں مقیم ہے؟ خاصی شہرت بھی رکھتا ہے... لیکن پولیس سو رہی ہے۔"

"کہاں ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"فی الحال خاموشی اختیار کرو۔ چھیڑ چھاڑ کا لطف تو کچھ اسی کے ساتھ آتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہو تو تینوں لڑکیوں کو میرے پاس پہنچا دو... دو دن کی مہلت دی ہے۔"

ایک عرب شیخ نے اپنے گھر ٹیلی فون کیا۔ دوسری طرف سے ہیلو کی آواز آتے ہی اس نے کہا: "میں تمہارا شوہر بول رہا ہوں۔ تم کون بول رہی ہو؟"

متحدہ عرب امارات سے فرخ مہدی کا عطیہ

بہادری

کسی جرنیل نے مہم فتح کر لینے کے بعد ایک جوان سے پوچھا: "تم نے اس لڑائی میں کیا بہادری دکھائی؟"

جوان نے جواب دیا: "میں نے دشمن کے سپاہی کا ایک پاؤں کاٹ ڈالا۔"

اس پر جرنیل نے کہا: "پاؤں کاٹنے سے بھلا کیا حاصل، سر کیوں نہ کاٹا؟"

سپاہی بولا: "سر تو پہلے ہی کٹا ہوا تھا جناب۔"

"کمال ہے۔ آپ کو چیلنج کر رہا ہے۔" جیمسن بولا۔

"پرانی جان پہچان ہے۔ چچا بنا کر چھوڑ دیا ہے... خیر چھوڑو... چلو کسی کلب میں... ریگی تمبا انٹروڈیوس کریں۔"

"میں اپنا بازو نہیں ہلا سکتا۔" جیمسن بولا۔

"میں بازو ہلاتا رہوں گا... فکر نہ کرو..."

"ریگی تمبا..." ظفر جیمسن کو گھورتا ہوا بولا۔ "دوسرا بازو بھی توڑ دوں گا... اس نام سے الرجک ہو گیا ہوں... چلو... سرکس دیکھیں گے..."

"جی... اچھی..." عمران اسے گھورتا ہوا بولا... "وہ لڑکیاں اب وہاں نہیں ہیں... یہیں تشریف رکھیے..."

جیمسن نے ظفر کو دیکھ کر دانت نکال دیے اور ظفر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

www.taemeernews.com

ورثہ

www.taemeernews.com

قسمت کا قائل ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا احمقوں کا وتیرہ ہے۔ قسمت انسان خود بناتا ہے اور اس کے لیے انتھک محنت اور جدوجہد ضروری ہے۔ "نئے اُفق" کے قارئین کے لیے ایک ایسے مرد کا فسانہ جو اپنے آباؤ اجداد کے چھپائے ہوئے خزانے کی تلاش میں اپنے گھر کو گرا چکا تھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا پیٹر کہ تمہیں یہ سودا منظور نہیں ہے۔" مسٹر جان براؤن نے کہا۔ "تم اس بات سے متفق نہیں ہو کہ جو رقم دی گئی ہے اس کے عوض میں وہ گھر اور اس سے متصل زمین خریدوں؟"

"جی ہاں نہ ہی اس قیمت پر نہ ہی اس سے زیادہ قیمت پر۔" لحیم شحیم اور کالی داڑھی والے پیٹر گولڈ سمتھ نے جواب دیا۔ "حقیقت یہ ہے مسٹر براؤن کہ تمہیں اپنے پسندیدہ بلاک کی تیاری کے لیے اور کہیں زمین مل جائے گی اور میری زمین اور جائداد بھی موجودہ مالک کے پاس رہے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ آئندہ سال میں اس بوسیدہ گھر کو گرا کر اس پر عالی شان مینشن تعمیر کرواؤں گا۔"

"اوہ پیٹر۔" مسٹر براؤن نے باورچی خانے کا دروازہ کھولتے ہوئے زور سے کہا۔ "تم اس شہر میں ہوائی قلعے بنانا چاہتے ہو جہاں گھر زمین سے زیادہ سستے ہیں جہاں گھروں کی لاگت بھی وصول نہیں ہوتی۔ تم چاہو تو اپنے مقصد کے لیے تمہیں بہترین بنی بنائی عمارت بھی مل سکتی ہے۔ تم یہ گھر مجھے دے دو۔ اس طرح ہم دونوں کا کام نکل جائے گا۔ بولو اب تم کیا کہتے ہو؟"

"میرا جواب وہی ہے جو پہلے تھا مسٹر براؤن۔" پیٹر نے جواب دیا "اس کے علاوہ تمہارا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میں ہوائی قلعے بناؤں گا۔ میں ایسی عمارت بناؤں گا جس میں بہت سے بلاک ہوں گے۔ جن میں خشک اشیا کے اسٹور، درزیوں کی دکانیں، بینک وغیرہ بھی ہوں گے۔ اس عمارت میں وکیلوں کے دفتر بھی ہوں گے جو دوسری منزل پر ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کے مقابلے کی عمارت نہیں بنا سکو گے۔"

"اور اس پر لاگت کتنی آئے گی پیٹر؟" مسٹر براؤن نے پوچھا "اس کے لیے تمہیں شاید بینک سے اپنی ساری جمع پونجی نکالنا پڑے گی۔"

جان براؤن اور پیٹر گولڈ سمتھ بیس تیس سال سے کاروبار کی دنیا سے وابستہ تھے اور اس دنیا کے رازوں سے بھی واقف تھے وہ دونوں شراکت دار تھے اور ان کی فرم کا نام "گولڈ سمتھ اینڈ براؤن" تھا۔ اس فرم میں جان براؤن کی محنت کو زیادہ دخل تھا۔ اس نے بے تحاشا محنت کر کے اپنی فرم کو ترقی کی بلندیوں پر پہنچایا تھا۔ اب وہ فرم ملک کی بہترین فرموں میں شمار ہوتی تھی۔

شروع شروع میں جان براؤن ایک عام سا آدمی تھا۔ اس میں عام لوگوں جیسی ہی صفات تھیں لیکن پھر وہ رفتہ رفتہ اتنا امیر ہو گیا کہ اس کا شمار ملک کے امیر ترین لوگوں میں ہونے لگا۔ اس کے بعد پیٹر تھا جو ملک کا سارا روپیہ اپنے ادارے میں جمع کر لینا چاہتا تھا۔ ان دونوں میں ایک فرق تھا اور وہ یہ کہ براؤن نے کبھی قسمت پر بھروسا نہیں کیا تھا لیکن قسمت نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا تھا جبکہ پیٹر اپنے تمام کاروبار کی کامیابی کی ضمانت اپنی قسمت کو سمجھتا تھا اور ہمیشہ قسمت اسے دھوکا دیتی تھی۔ اسے پچھلے چند سالوں میں اپنے چھوٹے سے بزنس میں جو کامیابیاں ہوئی تھیں وہ اتنی غیر متوقع تھیں کہ وہ انہیں اتفاقاً لاٹری نکل آنے سے تشبیہ دیتا رہا تھا۔

ایک بار کسی جنوبی علاقے میں پیٹر سونے کی تلاش میں بھی گیا تھا اور ہمیشہ کے مقابلے میں بہت زیادہ تیزی سے اپنی دولت گنوا بیٹھا تھا جبکہ اس کی طرح دوسری پارٹیاں جو سونے کی تلاش میں گئی تھیں وہ سونا نہ ملنے کے باوجود بھی سیکین اسکریپ کے کام میں اتنا کما چکی تھیں کہ ان کی سات پشتیں بھی بیٹھ کر کھا سکتی تھیں ان پارٹیوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو اپنی کمائی ہوئی دولت سے کوئی سلطنت بھی خرید سکتا تھا۔ وہ خود اس شخص کی زمین دیکھ کر آیا تھا اور اس سے اتنا متاثر تھا کہ جب اپنی زمینوں پر واپس آیا تھا اور اس نے اپنی مکئی کی فصلیں تباہ شدہ حالت میں دیکھی تھیں تو اس کا دل بہت دکھی ہوا تھا پھر بھی اس نے سوچا تھا کہ وہ محنت کے بل بوتے پر اپنی زمین کو پھر سے سبزہ زار میں تبدیل کرے گا۔

www.taemeernews.com

اس زمانے میں پیٹر کی آمدنی اتنی بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے پرانے اور بوسیدہ گھر کا ٹیکس ادا کر سکے۔ اس کا گھر وسیع ضرور تھا اور اس کی عمارت پرانے تختوں کی مدد سے کھڑی تھی۔ وہ دو منزلہ گھر تھا اس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ اپنے آس پاس موجود عالی شان گھروں پر ماتم کر رہا ہو۔ یہ گھر شہر کی سب سے بڑی سڑک پر واقع تھا اور اس کی حالت اپنے مالک پیٹر کی طرح خستہ تھی، جبکہ اس گھر کو بیچنے سے پیٹر کو اچھی خاصی رقم مل سکتی تھی لیکن پیٹر اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس گھر میں اس کی پیدائش ہوئی تھی اور وہ گھر اس کے آباؤ اجداد کی نشانی تھا۔ وہ اپنی بدقسمتی کے ساتھ ہی اپنی زندگی گزار رہا تھا۔ اسے اس وقت کا انتظار تھا جب خوش قسمتی خود اس کے دروازے پر دستک دیتی۔

آج اس کا دوست براؤن اس سے ملنے آیا تھا اور وہ اپنے باورچی خانے میں اس کے ساتھ موجود تھا۔ اس کا باورچی خانہ ہی اس کے گھر میں ایک ایسی واحد جگہ تھی جہاں آگ روشن کر کے وہ نومبر کی سردی سے کچھ محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس کا دوست براؤن اس سے باتیں کرتے ہوئے کن انکھیوں سے اس کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔ پیٹر کا لباس تقریباً پھٹ چکا تھا۔ اس کے کوٹ کے کچھ بٹن ٹوٹ گئے تھے جن کی جگہ دوسرے بٹن لگائے گئے تھے اس طرح ایک کوٹ میں دو طرح کے بٹن لگے نظر آ رہے تھے۔ کوٹ کے نیچے اس نے کسی کھلی پتلون پہنی ہوئی تھی جس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑ گیا تھا۔ خود پیٹر کے سر کے بال جو کبھی سیاہ ہوتے تھے اب سفید ہو چکے تھے۔ اس کے رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں اور اس کا گلابی رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ وہ کسی ایسے شخص کی مکمل تصویر نظر آ رہا تھا جسے اپنے کاروبار میں خسارہ ہو گیا ہو اور اس کی امیدیں دم توڑ چکی ہوں۔

براؤن جا چکا تھا۔

عادت کے اعتبار سے پیٹر ایک سلجھا ہوا اور شریف انسان تھا۔ ایک ایسا انسان جس جیسا انسان کسی بھی مثالی شخص کو ہونا چاہیئے تھا۔

پیٹر اس وقت اپنے باورچی خانے میں کھڑا اس کے بوسیدہ در و دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک انجانی سی چمک لہرا رہی تھی۔

"اب وقت آگیا ہے۔" اس نے کہا۔ "اب میری بھی قسمت بدلنے والی ہے۔ اب میں زیادہ عرصے تک غریب نہیں رہوں گا کل صبح میں اپنا کام شروع کروں گا اور اس وقت تک اپنے ہاتھ نہیں روکوں گا جب تک پورا گھر زمیں بوس نہ ہو جائے۔"

باورچی خانے کے ایک کونے میں ایک بوڑھی عورت یوں بیٹھی تھی جیسے کوئی بدروح ہو۔ اس کے ہاتھ میں دو موزے تھے جن کی وہ مرمت کر رہی تھی۔ یہ پیٹر کے موزے تھے جو وہ اپنے پیروں کو سردی سے بچانے کے لیے پہنتا تھا۔ وہ بوڑھی عورت ٹیبی پورٹر تھی۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ پچپن سال سے اس گھر میں موجود تھی۔ اسے پیٹر کے دادا اس گھر میں لائے تھے۔ اس کا پیٹر کے علاوہ کوئی دوست یا جاننے والا نہیں تھا اور پیٹر بھی ٹیبی کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا تھا۔ ٹیبی اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ وہ اس کے کپڑے درست کرتی، اسے کھانا تیار کر کے دیتی، اس کا ہر چھوٹے سے چھوٹا کام کرتی۔ حالانکہ اب اس کی عمر کا تقاضا یہ تھا کہ وہ آرام کرے لیکن وہ کبھی تھک کر بیٹھتی بھی تھی تو اس کے ہاتھ میں کوئی کام ہی ہوتا تھا۔ اس وقت گھر گرانے کی باتیں سن کر اس نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔

"مسٹر پیٹر، یہ کوشش کرنا کہ تم اس باورچی خانے کو سب سے آخر میں گراؤ۔" اس نے کہا۔

"ہم جتنا جلدی اسے گرا دیں اتنا ہی بہتر ہے۔" پیٹر نے کہا "میں اب اس بوسیدہ، ٹھنڈے اور اندھیرے گھر میں رہتے رہتے تنگ آگیا ہوں۔ میں جب اپنے نئے تعمیر شدہ مینشن میں قدم رکھوں گا تو خود کو ایک بار پھر جوان محسوس کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ اگلی سردیوں تک وہ مینشن تیار ہو جائے گا۔ تمہارے لیے سورج کے رخ والا کمرہ رکھا جائے گا اور ٹیبی میں کوشش کروں گا کہ تمہارے کمرے میں ویسا ہی بہترین فرنیچر ہو، جیسا میرے کمرے میں ہوگا۔"

"میں پسند کروں گی کہ میرا کمرہ تو بس اس باورچی خانے جیسا ہی ہو۔" ٹیبی نے کہا۔ "جب تک اس گھر میں کوئی کونا اتنا سیلا نہیں ہوگا جتنا اس باورچی خانے کا یہ چمنی والا حصہ ہے، مجھے وہ گھر گھر ہی نہیں لگے گا اور ایسا تو سو سال تک بھی نہیں ہو سکے گا... ویسے تمہارا کیا اندازہ ہے مسٹر پیٹر کہ گھر کی تعمیر پر کتنا خرچہ آ جائے گا؟"

"یہ جاننے کی کیا ضرورت ہے؟" پیٹر نے کہا۔ "کیا میرے دادا جن کا انتقال ستر سال پہلے ہوا تھا، وہ میرے نام اتنی دولت نہیں چھوڑ گئے ہیں کہ میں اس سے بیس منزلہ عمارت بنوا لوں؟"

"ہاں مسٹر پیٹر مجھے اس بات سے اتفاق ہے۔" ٹیبی نے سوئی سے موزے کو سیتے ہوئے کہا۔

ٹیبی جانتی تھی کہ پیٹر کا اشارہ کس دولت کی طرف ہے۔ پیٹر جانتا تھا کہ اس عمارت کے کسی تہ خانے، کسی دیوار، کسی فرش کے نیچے یا کسی پوشیدہ دراز میں کوئی خزانہ دفن ہے جو پیٹر کے لیے چھوڑا گیا ہے۔

www.taemeernews.com

پیٹر کے دادا کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ انہیں سونا جمع کرنے کا خبط تھا۔ پھر انہوں نے بہت سا سونا جمع کر کے اسے اس گھر میں کہیں چھپا دیا تھا لیکن مرتے وقت وہ اس جگہ کی نشاندہی نہیں کر سکے تھے۔ پیٹر کے والد کو بھی اس کہانی پر یقین تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ خزانہ کسی تہ خانے میں چھپا ہوا ہے۔ اب پیٹر کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ اپنی بدقسمتی کو دور کرنے کے لیے اس خزانے ہی کا سہارا لے سکتا ہے اور اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے اس نے پورا گھر گرا دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس طرح کہیں نہ کہیں سے تو خزانہ ہاتھ آنا ہی تھا چاہے وہ گھر کے کسی حصّے میں ہو حالانکہ اسے اب بھی اس کہانی میں کچھ کچھ جھوٹ کی آمیزش محسوس ہو رہی تھی لیکن اب یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس گھر کی بوسیدہ چھت کب تک قائم رہ سکتی ہے پھر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس معاملے کو مزید تاخیر میں ڈالے رہے اور پوشیدہ خزانے سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور اس کے بعد آنے والی نسل کے ہاتھ وہ خزانہ لگ جائے۔

"ہاں، کل میں یہ کام ضرور کروں گا۔" پیٹر نے ایک بار پھر زور سے کہا پھر اس نے اس معاملے پر جتنا بھی غور کیا اُسے اپنی کامیابی کے اتنے ہی زیادہ امکانات نظر آئے۔ وہ تیزی سے نینسی کی طرف بڑھا اور اُس کے ہاتھ پکڑ کر اُسے کمرے میں چکر دینے لگا یہاں تک کہ نینسی کا سانس پھول گیا پھر نینسی کو چھوڑ کر سیدھا باورچی خانے میں چکرانے لگا۔ وہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہر کسی کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"ہاں جیسے ہی سورج طلوع ہو گا میں یہ کام شروع کر دوں گا۔" اُس نے کہا۔

"میں دیکھوں گا اس گھر کے کس حصّے میں دولت چھپی ہے۔" اس نے سونے کے لیے بستر پر لیٹتے ہوئے پھر کہا۔

"ہاں، ویسے جلانے کے لیے اب ہمارے پاس لکڑیاں بھی ختم ہو گئی ہیں۔ تم جیسے جیسے گھر توڑتے جاؤ گے، ویسے ویسے میں اس سے نکلنے والی لکڑی کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑتی جاؤں گی تاکہ ہمارے باورچی خانے میں جلانے کے لیے لکڑی میسّر آ سکے۔" نینسی نے کہا۔

اس رات پیٹر عجیب عجیب خواب دیکھتا رہا۔

صبح اس کی آنکھ جلدی ہی کھل گئی اس نے اٹھتے ہی کلہاڑی اٹھائی اور گھر توڑنا شروع کر دیا۔ یہ کام اس نے اپنے بیڈ روم سے ہی شروع کیا۔ گھر توڑتے ہوئے اسے پرانی کتابیں ملی تھیں جن پر سیاہی سے کچھ نام لکھے ہوئے تھے جو اب کچھ دھندلا چکے تھے پرانے فیشن کے کچھ ملبوسات ملے تھے جنہیں وہ پہن سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ننگی تلوار ملی تھی۔ جوتوں کے بکل ملے تھے چند سلائیں ملی تھیں لیکن ان میں سے کسی پر کہیں سونا نظر نہیں آیا تھا۔ نہ ہی چاندی یا کوئی قیمتی پتھر کہیں ملا تھا۔ اسے جوتوں سے بھرا ہوا ایک بڑا صندوق بھی ملا جن کی ایڑیاں بہت اونچی اور منہ نوکدار تھے کھدائی کے دوران بہت سی چیزیں ملی تھیں لیکن کوئی قیمتی چیز اس کے ہاتھ نہیں لگی تھی پھر اچانک ہی اس کی نظر ایک آئینے پر پڑی اور اس میں اُسے اپنا عکس نظر آیا ایک لمحے کو اُسے ایسا لگا جیسے اس کے دادا اُس کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ خزانہ کہاں دفن ہے۔ اسی لمحے اُسے نینسی کی آواز سنائی دی

"مسٹر پیٹر کیا تم نے اتنا گھر توڑ لیا کہ چائے بنانے کے لیے کچھ تختے مل جائیں؟"

"نہیں نینسی ابھی نہیں۔" پیٹر نے جواب دیا۔ "لیکن جلدی تم دیکھو گی کہ اتنا بھی ہو جائے گا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے کلہاڑی اٹھائی اور دو تین ہاتھ مارے ٹیکی ہوئی دیوار کی ایک اینٹ میں گرا کوڑا اور کچھ ٹوٹے ہوئے تختے جا گرے۔

"میرا خیال ہے ہمیں سردیوں میں جلانے کے لیے اچھی خاصی لکڑی مل جائے گی۔" نینسی نے کہا

اس روز صبح سے رات تک پیٹر گھر توڑتا رہا لیکن اس نے گھر کو اندر سے ہی توڑا تھا باہر کے حصّے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے پڑوسیوں کو علم ہو کہ وہ گھر توڑ رہا ہے۔

پیٹر کبھی اتنا خوش نہیں تھا جتنا اب تھا۔ کوئی بات تھی جس نے اسے پچھلی ناکامیاں اور دکھ بھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر وہ غریب تھا، بھوکا تھا اور کاروباری اعتبار سے تباہ ہو چکا تھا تو اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ اس کے جسم میں اب ایک نئی قوت دوڑ گئی تھی۔ اب اس کی روح بھی دھوپ کی تمازت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے جسم پر موجود جھرّیوں اور اپنے سفید بالوں کے باوجود جوان ہو۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنے ماضی کی ناکامیوں اور یادوں پر نئے مستقبل کی بنیاد رکھے گا اور کافی عرصے زندہ رہے گا۔ اسے صرف اس وقت کا انتظار تھا جب اس کی کھدائی سے سونا نکل آئے۔

ہر شام وہ کام مکمل کرنے کے بعد نینسی کے ساتھ بیٹھتا تو وہ انشورنس آفسوں، نیوز روم، ایک اسٹورز کے بارے میں بات کرتا۔ وہ سارے دن کی تھکن باورچی خانے میں بیٹھ کر باتیں کر کے اتارتے تھے۔

پھر رات بھر وہ پہلے جیسا ہی خواب دیکھتا رہتا اور جب

www.taemeernews.com

صبح اُٹھتا تو پھر تازہ دم ہو جاتا۔ وہ پھر پہلے جیسی محنت سے کھدائی میں لگ جاتا۔ یہ اس کا روز کا معمول بن گیا تھا کہ وہ کھانے کے وقفے کے علاوہ سارا وقت گھر توڑنے یا زمین کھودنے میں مصروف رہتا تھا۔

اسی طرح دن اور ہفتے گزرتے رہے لیکن کوئی خاص چیز دریافت نہیں ہوئی کبھی کبھی کوئی بھورا سا چوہا رینگتا ہوا اس کے قریب سے گزر جاتا۔

پیٹر اپنے گھر کو گراتے ہوئے نچلے حصے کا کام تقریباً ختم کر چکا تھا پھر اوپری منزل پر پہنچ گیا لیکن ابھی تک اس کے ہاتھ کوئی قیمتی چیز نہیں لگی تھی۔ آج کل وہ دوسری منزل پر واقع ایک حصہ میں کام کر رہا تھا۔ وہ حصہ ایک بیڈروم کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا تھا۔ اس حصے کا فرنیچر ختم ہو چکا تھا لیکن دیواروں پر کچھ تصویریں لٹک رہی تھیں۔ ان میں سے ایک تصویر ایک بوڑھے آدمی کی تھی جو ایک گڑھے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ میں کوئی چیز پکڑی ہوئی تھی پھر اچانک ہی پیٹر کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

"او اس آدمی کو شاید اس کا سونا مل گیا ہے۔" پیٹر نے زور سے کہا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی کلہاڑی زور سے تصویر والی جگہ کی دیوار پر ماری۔ تصویر پھٹ گئی اور کلہاڑی دیوار میں پیوست ہو گئی۔

"خدا رحم کرے مسٹر پیٹر آخر تم کیا کر رہے ہو؟" ٹیبی نے کہا جو رات کا کھانا تیار کر رہی تھی لیکن پیٹر نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے دیوار میں دوبارہ کلہاڑی ماری۔ دیوار میں ایک الماری کا دروازہ نظر آیا یہ جگہ باورچی خانے کی چمنی والے حصے کے قریب تھی اور فرش سے تقریباً چھ فٹ کی بلندی پر تھی۔ اس الماری میں ایک تانبے کا لیمپ رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ایک کاغذ کا میلا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ پیٹر اس کاغذ کے ٹکڑے کا جائزہ لینے لگا اور ٹیبی نے لیمپ اٹھا کر اسے اپنے ایپرن سے صاف کرنا شروع کر دیا۔

"اس کو گھسنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ٹیبی۔" پیٹر نے کہا۔ "یہ الٰہ دین کا چراغ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ بہتر چیز تو مجھے ملی ہے۔"

اس نے کاغذ کا ٹکڑا ٹیبی کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں ضرور کوئی خاص بات ہوگی۔" پیٹر نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا اور دوبارہ اس کاغذ کے ٹکڑے کا جائزہ لینے لگا۔

"ٹیبی یہ تحریر میرے دادا کی بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں پاؤنڈ شلنگ اور پینس میں مختلف قیمتیں لکھی ہیں۔ ممکن ہے اس میں دولت کی تعداد بھی درج ہو اور دیکھو یہاں اس پرچے میں نیچے کی طرف اس جگہ کا بھی ذکر ہے جہاں یہ دولت مل سکتی ہے شاید یہ بہت پرانا ہو گیا ہے اور لکھائی بھی ہلکی ہو گئی ہے چنانچہ یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ کس جگہ کے بارے میں لکھا گیا ہے۔"

"کچھ بھی ہو لیکن یہ لیمپ تو بالکل نیا لگتا ہے۔ چلو کچھ تو ہاتھ آیا۔"

"لیمپ!" پیٹر نے چونکتے ہوئے کہا۔ "چلو یہ واقعی کام آئے گا۔ اب جب میں رات کو بھی کھدائی کروں گا تو اسے روشن کر لیا کروں گا۔"

کچھ دیر بعد ٹیبی وہاں سے چلی گئی اور پیٹر ہاتھ میں پرچہ لیے کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ وہ روشنی میں اس کا بغور جائزہ لینا چاہتا تھا لیکن کھدائی کی وجہ سے کھڑکی کے شیشوں پر اتنی گرد جم گئی تھی کہ سورج کی روشنی بمشکل اندر آ رہی تھی چنانچہ اس نے کھڑکی کھول دی اور اس کے ساتھ ہی تازہ ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا۔ پیٹر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔

وہ جنوری کا پہلا دن تھا۔ برف کی گہری تہہ گھر کے باہر جمع تھی لیکن وہ تہہ آہستہ آہستہ پانی کے قطروں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی جو سورج کی روشنی میں چمک رہے تھے اور سامنے سڑک پر برف کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی جو بالکل سفید سنگ مرمر کی طرح نظر آ رہی تھی۔

پیٹر اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور اسے اپنے جسم کے رگ و پے میں خوشی سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ سڑک پر سے چند خواتین گزر رہی تھیں جن کے سرخ رنگ کے لباس بھلے معلوم ہو رہے تھے۔

وہ کافی دیر تک کھڑکی میں کھڑا وہاں سے گزرنے والے لوگوں، جانوروں اور سواریوں کو دیکھتا رہا۔

"پیٹر... کیا حال ہے پیٹر؟"

پیٹر کو باہر کی جانب سے کسی نے آواز دی اور پیٹر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"پیٹر، ادھر دیکھو پیٹر!" کسی نے کہا اور پیٹر نے آواز کی سمت دیکھا وہاں اس کا پرانا شراکت دار جان براؤن کھڑا تھا۔ وہ سڑک کے دوسری جانب تھا اور اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ بہت مطمئن اور پُرسکون ہے۔ اس نے ایک بہترین اوور کوٹ پہنا ہوا تھا جس کا کالر اٹھا کر اس نے اپنی گردن اور کسی حد تک اپنا چہرہ بھی چھپا لیا تھا۔ اس کی آواز نے آس پاس موجود لوگوں کی توجہ بھی پیٹر کی کھڑکی کی طرف کرا دی تھی اور یوں اس کی کھڑکی اور گھر پر جمی ہوئی بے تحاشا گرد بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔

"پیٹر آخر تم کیا کرتے رہتے ہو؟ میں جب بھی یہاں سے

www.taemeernews.com

گونجتا ہوں تو تمہارے یہاں سے عجیب و غریب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کیا تم اس پرانے گھر کی مرمت کر رہے ہو؟ میرا خیال ہے تم اسے پھر سے نیا بنانا چاہتے ہو، ہے نا؟"

"نہیں براؤن، مجھے افسوس ہے کہ اب ایسا نہیں ہو سکتا اب بہت دیر ہو چکی ہے۔" پیٹر نے جواب دیا۔ "اگر میں اسے نیا بنا لوں گا تو یہ اندر اور باہر دونوں طرف سے نیا ہوگا اور پھر چھت بھی نئی ہوگی۔"

"کیا تم اب بھی میرے ساتھ سودے کے لیے تیار نہیں ہو؟" براؤن نے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔" پیٹر نے جواب دیا اور جلدی سے پیچھے ہٹ کر کھڑکی بند کر دی۔ وہ دولت کے کھوج میں لگا تھا اور پسند نہیں کرتا تھا کہ لوگوں کی توجہ اس طرف ہو اور وہ اسے دیکھیں۔

وہ کھڑکی سے پیچھے ہٹا تو اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی ایسی مسکراہٹ جس میں دولت کا راز چھپا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ مکمل تاریکی میں کھڑا ہے۔ وہ اتنی دیر سورج کی روشنی کو دیکھتا رہا تھا کہ کھڑکی بند کرنے کے بعد کمرے کے اندر کی دھندلی روشنی میں اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل نہ رہیں۔ اس نے پھر گھر توڑنے کا کام شروع کر دیا۔ اس گھر کو توڑنے کے دوران اسے وہ تمام چیزیں ملی تھیں جو گھر توڑتے ہوئے نکل سکتی ہیں لیکن اس کی مطلوبہ دولت سے بھرا ہوا صندوق اسے کہیں نہیں ملا یہاں تک کہ اس کا گھر محض ایک ڈھانچہ رہ گیا اور اس کے اندر کی تمام دیواریں، کمرے اور سیڑھیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ اب وہ محض ایک چار دیواری سے زیادہ نہیں تھا۔

جو کچھ پیٹر نے توڑ کر نیچے گرایا تھا وہ ٹیبی جلا چکی تھی اور اب اس کی ذہین رائے میں اگر ان کے پاس گھر نہیں تھا تو انہیں گرمی حاصل کرنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ یوں ان کا گھر دھواں بن کر جلتا ہوا ان کے باورچی خانے کی چمنی سے آسمان کی طرف اڑ گیا تھا۔

ایک رات ایسی آئی تھی جب اس گھر میں صرف باورچی خانہ باقی رہ گیا تھا۔ یہ رات سردیوں کی آخری اور بہار کی پہلی رات تھی۔ اس شام ایک برف کا طوفان بھی آ چکا تھا جو چند گھنٹوں پہلے ہی تھما تھا۔ ابھی فضا میں اس کے آثار باقی تھے۔ اس کا گھر تیز طوفانی ہوا میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ اس رات اس نے ٹیبی سے پینے کے لیے وہ شراب مانگی تھی جو کھدائی کے دوران اس کے ہاتھ لگی تھی اور اس کے دادا کے زمانے کی تھی۔ ٹیبی اٹھ کر باورچی خانے کے چمنی والے کونے کی طرف گئی اور وہاں سے بوتل لا کر پیٹر کے سامنے رکھ دی۔ قریب ہی وہ تانبے کا لیمپ رکھا تھا۔ تو اس کی اب تک کی محنت کا صلہ تھا۔ پیٹر اسے اپنی آنکھوں کے سامنے ہی رکھتا تھا۔ اس وقت بھی وہ شراب پیتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا پھر اسے یوں لگا جیسے اس کا ٹوٹا ہوا گھر ایک عالی شان محل میں بدل گیا ہو اور ٹیبی کے پھٹے پرانے کپڑے کسی ملکہ جیسے عالی شان ہو گئے ہوں۔

"مسٹر پیٹر، ابھی دولت تو ملی نہیں ہے، کیا ایسے میں یہ شراب پی لینا ٹھیک ہے؟" ٹیبی نے پوچھا۔

"دولت مل گئی ہے۔" پیٹر نے عجیب سے انداز میں کہا۔ "دولت کا صندوق میری دسترس میں ہے۔ میں اس وقت تک نہیں سوؤں گا جب تک یہ چابی اس کے لاک میں نہیں لگا دیتا لیکن پہلے میں دل بھر کر پینا چاہتا ہوں۔"

پیٹر نے بوتل سے شراب چینی کے ان دو پیالوں میں ڈالی جو ٹیبی باورچی خانے سے اٹھا کر لائی تھی۔ شراب اتنی شفاف تھی کہ پیالوں میں سے نظر نہیں آ رہی تھی۔

"پیو ٹیبی۔" پیٹر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "اور اس شخص کو دعا دو جس نے ہمارے لیے یہ مشروب برسوں پہلے محفوظ کر دیا تھا تاکہ آج میں اور تم اسے پئیں۔"

"ہاں اور اس بہانے تمہارے دادا کو بھی یاد کریں۔" ٹیبی نے جواب دیا۔

جس وقت وہ دونوں بوڑھے اور ناتواں لوگ شراب پینے میں مصروف تھے، اس وقت جان براؤن اس طوفانی رات میں بہت بے چین سا تھا حالانکہ وہ اپنے بہترین گرم ڈرائنگ روم میں آرام دہ کرسی پر بیٹھا تھا۔

وہ فطری طور پر ایک اچھا شخص تھا۔ آج شام وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے پرانے شراکت دار اور دوست کا کیا حال ہوگا! اس نے آخری ملاقات میں پیٹر کو پاگلوں جیسے حلیے میں دیکھا تھا اور جب اس نے پیٹر سے بات کی تھی تو وہ تیزی سے کھڑکی کے قریب سے ہٹ گیا تھا اور کھڑکی بند کر لی تھی۔

"بے چارہ پیٹر۔" براؤن نے آہستہ سے کہا۔ "بے چارہ احمق پیٹر! جو اپنی پرانی اقدار کو سنبھالے بیٹھا ہے۔ مجھے پتا تو کرنا چاہیے کہ وہ اس طوفانی موسم میں خیریت سے ہے یا نہیں۔"

اس کی یہ سوچ اس حد تک اس پر حاوی ہو گئی کہ اس نے فوراً ہی پیٹر سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ ہوا کے ہر تیز جھونکے کے ساتھ اس کا ارادہ اور مستحکم ہوتا گیا۔ وہ تیزی سے اٹھا اس نے اپنا اوور کوٹ پہنا، اپنے گلے کے گرد مفلر لپیٹا اور ہاتھ میں چھڑی

www.taemeernews.com

سنبھال کر باہر نکل گیا۔

ہوا بہت تیز تھی۔ وہ بڑی جدوجہد کے بعد پیٹر کے گھر کے دروازے تک پہنچا تھا۔ اُس کا گھر ہوا میں جھکولے کھا رہا تھا اور اس کے چرچرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر ہوا کے ایک تیز جھونکے سے وہ اپنے ہیٹ سے بھی محروم ہو گیا۔ وہ ہیٹ کو بھلا کر پیٹر کے گھر میں داخل ہو گیا۔ اُس نے دروازے پر دستک نہیں دی تھی اور گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھا باورچی خانے کی طرف دوڑا تھا۔

پیٹر اور ٹیبی باورچی خانے کے دروازے کی طرف پیٹھ کیے کھڑے تھے اور انہیں براؤن کے اندر داخل ہونے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایک بڑے سے صندوق پر جھکے ہوئے تھے۔ بوڑھی ٹیبی کے ہاتھ میں لیمپ تھا اور براؤن یہ دیکھ سکتا تھا کہ صندوق لوہے کے پرانے ٹکڑوں سے بنا ہوا تھا۔ اس میں لوہے کی پیٹیاں لگی تھیں۔ پیٹر اس صندوق کے تالے میں چابی ڈال رہا تھا۔

"اوہ ٹیبی!" اس نے چیخ کر کہا۔ "میں یہ خوشی کیسے برداشت کروں... اوہ سونا... چمکدار سونا... میں جب یہ ڈھکن اوپر اٹھاؤں گا تو میری آنکھوں کے سامنے چمکدار سونا ہوگا جو برسوں سے ہمارا منتظر تھا۔ وہ ہمیں سورج کی طرح چمکتا ہوا نظر آئے گا۔"

"تو پھر تم اس کی چمک کی وجہ سے اپنی آنکھوں پر اپنے ہاتھوں کا سایہ کرو گے..." ٹیبی نے کہا۔ "لیکن تم خدا کے لیے تالے میں چابی تو گھماؤ!"

ٹیبی کی اس بات پر پیٹر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر تالے میں چابی گھمانے کی کوشش کی۔ اس وقت تک براؤن اس کے بہت قریب آ چکا تھا پھر اسی وقت پیٹر نے تالا کھول کر صندوق کا ڈھکنا اوپر اٹھایا۔ ٹیبی نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا ہوا لیمپ اوپر اٹھایا۔

"اس میں کیا ہے مسٹر پیٹر؟" اُس نے پوچھا اور براؤن نے آگے بڑھ کر صندوق میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کے سکے تھے۔

"واقعی پیٹر تم ٹھیک کہتے تھے!" اس نے پیٹر سے کہا اور پیٹر چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر وہ دوبارہ صندوق کی طرف مڑ گیا۔ وہ حیرت سے اس میں موجود سکوں اور نوٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ اتنی دولت تھی کہ وہ اس سے پورا شہر خرید سکتا تھا۔ سارے شہر کی سڑکیں دوبارہ سے تعمیر کروا سکتا تھا۔ اس کے لیے اسے کسی شخص سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

"یہ دولت تمہارے دادا کی ہے نا!" براؤن نے اُس سے پوچھا۔

پرستار

ایک بہت مشہور ایکٹریس نے جب اپنے ایک پرستار کا خط پڑھنا شروع کیا تو اسے بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ خط میں اسے اپنے ملک کی ہی نہیں دنیا کی عظیم ترین فنکار اداکارہ قرار دیا گیا تھا۔ اس کی شخصیت اور فن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے گئے تھے۔ بیزاری اسے آخری دو جملے پڑھ کر ہوئی۔ لکھا تھا "یہ خط کوئلے سے لکھنے کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل ہم لوگوں کو یہاں پاگل خانے میں کوئی بھی نوکیلی چیز پاس رکھنے کی اجازت نہیں۔"

"اوہ یہ گھر نیچے آیا ہی چاہتا ہے!" ٹیبی نے چیخ کر کہا۔ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے وہ گھر پھر سے ہلنے لگا تھا۔

"اسے گر جانے دو" پیٹر نے کہا اور صندوق بند کر کے اُس کے اوپر بیٹھ گیا۔

"نہیں... نہیں میرے دوست پیٹر!" جان براؤن نے کہا۔ "میرے گھر میں تمہارے اور ٹیبی کے لیے بہت جگہ ہے اور تمہارا دولت سے بھرا ہوا صندوق رکھنے کے لیے سیف بھی ہے۔ تم میرے ساتھ چلو کل ہم دونوں تمہارے اس پرانے گھر کا سودا کریں گے۔ میں تمہیں اس گھر کی بہت اچھی قیمت دوں گا!"

"نہیں... نہیں براؤن، میرے دوست، مجھے اتنی دولت مل چکی ہے کہ اب مزید دولت کا لالچ نہیں رہا۔ میں اس سے اپنے منصوبے پر عمل کر سکتا ہوں اور شہر کے کسی بھی عالی شان حصے میں زمین خرید سکتا ہوں۔ یہ... یہ... زمین میں فروخت نہیں کروں گا!" پیٹر نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔

"مگر کیوں؟" براؤن نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لیے میرے دوست کہ یہ دوستی کے نام پر دھبہ ہوگا۔ یہ زمین میں تمہیں اسی دوستی کے نام تحفتاً دے رہا ہوں فروخت نہیں کر رہا ہوں!"

پھر براؤن اور پیٹر صندوق گھسیٹتے ہوئے چل پڑے۔ ان کے پیچھے بوڑھی ٹیبی بھی گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی۔

www.taemeernews.com

فنگر پرنٹ

سید احتشام

بسا اوقات قاتل ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑتا۔ ایک آدھ چیز ملتی بھی ہے تو اس سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں کیا جا سکتا جس سے قاتل تک رسائی ہو سکے۔

سیاہ رات کا لہو بوند بوند ٹپک رہا تھا۔ اچانک مسٹر اور مسز گیری ہل کی آنکھ کھل گئی۔ کوئی آہٹ، کسی کی موجودگی کا احساس، کسی خطرے کی بو، کیوں؟ آنکھ کیوں کھلی تھی؟

کمرے میں سسکتی ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی، بیمار بیمار سی چاندنی کا ملگجی غبار، ہانپتی ہوئی دھواں دھواں سی مدقوق تاریکی سے پنجہ آزما تھا۔ معاً وہ چونک اٹھے۔ کمرے کے ایک گوشے میں جہاں چاندنی اور سائے آپس میں دست و گریباں تھے۔ کوئی ملبوسات کی کوٹھری کے پاس چھپا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر سفید پتلون اور سفید قمیص تھی اور اس کا دودھیا وجود، چاندنی اور سائے کے اس دھندلے امتزاج میں چیختا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے کمرے کی فضا چیخ و پکار سے گونج اٹھی۔ جیرم گیری نے کسی چیتے کی طرح بستر سے زقند لگائی۔ اسی لمحہ وہ سفید پوش اس کی طرف جھپٹا اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ حملہ آور کے ہاتھ میں موجود کوئی شے یکایک لہرا کر چمک اٹھی۔ دونوں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش میں بیڈ روم سے ہال میں آ گئے۔ مسز گیری نے ڈریسر کی ایک دراز سے پستول نکال لیا۔ وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا، ہال سے کچن میں پہنچ گئے تھے۔ گیری چیخا۔ اور ہاتھ میں مسز گیری پستول بدست، خواب گاہ سے نکلی اور تیزی سے ہال عبور کر کے کچن کی طرف بھاگی لیکن دروازے پر ہی ٹھٹک گئی۔ اس تاریکی میں اس کا نشانہ خطا ہو سکتا تھا اور حملہ آور کے بجائے اس کا شوہر نشانہ بن سکتا تھا۔ اس نے بہت تیزی سے سوچا اور چھت میں گولی داغ دی۔ سماعت شکن دھماکے کے ساتھ ہی ہاتھا پائی رک گئی۔ حملہ آور بھاگ گیا اور گیری ہل کسی بے جان ڈھیر کی مانند کچن کے فرش پر آ رہا۔ مسز ہل کو سکتہ لگ گیا لیکن وہ جلد ہی اپنے حواس میں آ گئی اور فون کی طرف بھاگی۔

"ہیلو، ہوسٹن پولیس ڈیپارٹمنٹ۔" وہ رابطہ ملنے پر ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "میں مسز گیری ہل بول رہی ہوں۔ یہاں ایک واردات ہو گئی ہے۔ میرا شوہر... میں ۹۱۴۵ ایمرلڈا اسٹریٹ، مونٹ روز کے رہائشی سیکشن سے بول رہی ہوں...!"

۵ ۵

ایک ایمبولینس اور گشتی کاریں نہایت سرعت سے وہاں پہنچ گئیں۔ پولیس آفیسروں نے دیکھا گیری ہل شب خوابی کی قمیص اور پاجامے میں ملبوس، کچن کے فرش پر خون کے جوہڑ میں بکھرا ہوا

www.taemeernews.com

تھا۔ اسے احتیاط سے اٹھا کر ایمبولینس میں ڈال دیا گیا اور ایمبولینس
آندھی کی رفتار سے اسپتال پہنچ گئی لیکن آفیسروں کو اس کے بچنے
کی بہت کم امید تھی۔ کچن، ہال اور بیڈ روم میں بہت خون نظر آرہا
تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اور بھی پولیس آفیسر پہنچ گئے لیکن انہیں
کوئی مشتبہ آدمی یا کار نہیں ملی۔

"ہمارے پہنچنے سے پہلے اسے فرار ہونے کا کافی موقع مل گیا
تھا۔" ایک گشتی پولیس آفیسر نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسپتال سے خبر آگئی۔ گیری ہل نے دم توڑ
دیا تھا۔ موت کا سبب سینے میں چاقو کے دو گہرے زخم تھے۔ اس کی
ایک کلائی بھی تقریباً پوری کٹ گئی تھی۔ مسز گیری اور اس کے بیٹے
کو پولیس ان کے ایک رشتے دار کے ہاں پہنچا آئی اور سراغ رساں
گلبرٹ اور واٹین جائے واردات پر آدھمکے۔ انہوں نے مکمل

www.taemeernews.com

کا معائنہ کرکے حملہ آور کے داخل ہونے کے طریقے کا پتا چلا لیا۔ لڑکے کے بیڈ روم کی کھڑکی کا شیشہ کاٹ کر الگ کر دیا گیا تھا۔

"نقب زن اسی کھڑکی سے داخل ہوا تھا،" ایک سراغ رساں نے کہا۔

"وہ نقب زن بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے،" ایک پٹرول مین نے جواب دیا۔

پینتیس سالہ گیری ہل، ہوسٹن شہر کے سب سے بڑے اور انتہائی موثر روزنامے 'ہوسٹن کرونیکل' کا نیوز رپورٹر تھا، جو شام میں شائع ہوتا تھا۔ چار سال پہلے ۱۹۷۲ میں وہ اسٹار ٹیلیگرام سے بھی منسلک رہ چکا تھا۔ ۱۲ جون ۱۹۷۶ کی اس شب لمحے دھیرے دھیرے رینگ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد لیبارٹری کا عملہ اپنے سازوسامان کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ گیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"اس کھڑکی پر خصوصی توجہ دینا،" ایک سراغ رساں نے لڑکے کے بیڈ روم والی اس کھڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہا، "اور یہاں...!"

وہ ماسٹر بیڈ روم میں داخل ہو کر ملبوسات کی کوٹھری کی طرف اشارہ کرنے لگا، "ان لوگوں نے اُسے اسی کے پاس چھپا ہوا دیکھا تھا۔ ممکن ہے وہ اس کے اندر چھپا ہوا ہو۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔"

سراغ رسانوں نے یہ نوٹ کیا کہ خون بیڈ روم میں کس جگہ بہنا شروع ہوا تھا اور کس طرح بہتا ہوا ہال اور کچن کے اس جوہڑ سے جا ملا تھا۔ افسروں نے اندازہ لگایا کہ مزاحمت کے آغاز ہی میں اسے وہ کاری زخم آیا تھا جو اس کی موت کا سبب بنا لیکن وہ شدید زخمی ہونے کے باوجود حملہ آور پر اپنی توانائی صرف کرتا رہا اور جب توانائی ختم ہو گئی تو وہ کچن کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو کرونیکل کے کرائم رپورٹر کے حواس پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ آج اُسے کام کا آغاز اپنے ہی ایک ساتھی کے قتل کی رپورٹ سے کرنا تھا۔ حقائق اکٹھا کرنے کے دوران اُسے پولیس کی زبانی صرف اتنا معلوم ہوا کہ گیری کو کسی نے اس کے گھر کے اندر چاقو گھونپ کر ہلاک کر دیا تھا اور سراغ رسانوں کے خیال میں وہ کوئی نقب زن تھا جو کھڑکی کا شیشہ کاٹ کر گھر میں گھسا تھا۔

پولیس، گیری ہل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اخبار کے دفتر پہنچ گئی۔ انہیں بتایا گیا کہ گیری نے حال میں ایسا کوئی مضمون نہیں لکھا تھا جس سے تشدد کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ وہ خطرناک قسم کے لوگوں کے خلاف کبھی تفتیش میں شامل نہیں تھا۔ اس کے ساتھیوں نے بتایا، وہ بہت ہی شریف النفس اور قدرے کم گو واقع ہوا تھا۔ گیری کی زندگی بہت سیدھی سادی تھی۔ اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتا تھا۔ اکثر پریس کلب میں بیئر کی چسکیاں لیتا یا پوکر کھیلتا ہوا نظر آتا تھا۔ یہ ساری معلومات اکٹھی کرکے اسی صبح پولیس چیف باند کے دفتر پہنچا دی گئیں جو اس کیس میں خصوصی دلچسپی لے رہا تھا۔

فنگر پرنٹس کا عملہ جائے واردات سے چند انگلیوں کے نشانات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ رات کے دس بجے سراغ رساں موسیٹر اور کلوویٹز، مقتول کی بیوہ مسز سوسن ہل سے اس کے گھر پر ملے جو اب اپنے رشتے دار کے ہاں سے واپس آگئی تھی۔ وہ ایک جوان عورت تھی اور لگتا تھا کہ صدمے سے کچھ سنبھل گئی ہے۔ اس نے سراغ رسانوں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ اس نے حملہ آور کو سب سے پہلے کہاں دیکھا تھا اور ہاتھا پائی کیسے شروع ہوئی تھی۔ اس نے چھت میں فائر کرنے کی بھی وضاحت کی۔ سراغ رساں اس کی حاضر دماغی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس طرح اس نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر حملہ آور کو ڈرا دیا تھا لیکن بدقسمتی سے گیری کے سینے کا زخم مہلک ثابت ہوا تھا۔ حملہ آور نے غالباً آغاز ہی میں، بیڈ روم میں اس کے سینے میں چاقو گھونپ دیا تھا۔

"تمہیں جو کچھ بھی یاد ہے، ہمیں بتاؤ،" ایک سراغ رساں نے ملائمت سے کہا۔

"کمرہ نیم تاریک تھا، لہٰذا میں حملہ آور کو ٹھیک سے نہیں دیکھ سکی،" وہ بولی، "مجھے یاد آتا ہے کہ وہ سر سے پیر تک سفید لباس میں تھا۔ قد پانچ فٹ دس انچ سے لے کر چھ فٹ تک ہوگا۔"

"گھر سے کوئی چیز غائب ہے؟"

"ہاں، ایک بہت قیمتی کیمرا اور ایک دوربین ڈائننگ روم میں کافی ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی، یہ دونوں چیزیں غائب ہیں۔"

"شاید گھر میں گھستے ہی اس کی نظر ان دونوں چیزوں پر پڑ گئی ہوگی،" ایک سراغ رساں نے کہا، "اور وہ انہیں اٹھانے کے بعد ملبوسات کی کوٹھری میں قیمتی چیزیں تلاش کرنے لگا ہوگا۔"

ایک افسر، جو علاقے میں تفتیش کر رہا تھا، کمرے میں داخل ہوا، "ہمیں علاقے میں ایسا کوئی گھر نہیں ملا جہاں پچھلی رات ڈاکا پڑا ہو،" وہ بولا، "لیکن یہ چیزیں ہمیں کئی گھروں کے بعد اس بلاک میں ایک لان پر سے ملی ہیں۔" اس نے ایک رومال کھول کر دکھایا۔

اس رومال میں متعدد سکّے، نیکلس اور جواہرات تھے۔

"کیا یہ چیزیں اس گھر سے چرائی گئی ہیں؟" ایک سراغ رساں

www.taemeernews.com

نے سوسن سے پوچھا۔

"نہیں، یہ چیزیں گیری کی نہیں ہیں۔" سوسن نے جواب دیا۔

موسیٹر اور کلوویٹر اس آفیسر کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے جہاں وہ چیزیں ملی تھیں۔

"اس گھر میں کوئی نہیں ہے۔" اس آفیسر نے آگاہ کیا۔ "پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ یہ لوگ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"غالباً نقب زن نے پہلے یہاں ہاتھ مارا تھا۔" موسیٹر نے خیال آرائی کی۔ "اور لوٹ کا یہ مال، کسی اور گھر میں واردات کرنے کے بعد اٹھانے کے خیال سے یہاں چھوڑ گیا تھا لیکن گیری کو جان سے مارنے کے بعد فرار ہو گیا اور ادھر کا رخ کرنے کی زحمت نہیں کی۔"

"پھر تمہیں یقین ہے کہ یہ نقب زن ہی ہے کوئی اور نہیں۔" اس آفیسر نے پوچھا۔

موسیٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "کرونیکل سے ہمیں جو تراشے ملے ہیں ان کے مطابق گیری نے اخبار میں ایسی کوئی بات تحریر نہیں کی تھی جس سے تشدد کو ابھارنے میں تقویت ملتی ہو۔ یہ نقب زن زیادہ چالاک معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے جسم پر سفید کپڑے تھے۔ ذرا سوچو تو ایک نقب زن رات میں سفید کپڑے پہن کر کسی کے گھر میں گھستا ہے؟ یہ کوئی معمولی نقب زن بھی نہیں لگتا۔"

"تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہو؟"

"اگر قاتل، منشی تھا تو اسے کپڑوں کی نہیں صرف ڈاکا ڈالنے کی فکر ہوگی۔" موسیٹر نے خیال پیش کیا۔ "ایک اور قابلِ غور بات بھی ہے۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور دو بیکریاں ہیں۔ ان کا کوئی ملازم کام پر جاتے ہوئے یہ فیصلہ کر کے نکلا ہو کہ وہ راستے میں ایک دو جگہ ڈاکے ڈال کر کام پر پہنچے گا۔"

"اگر یہی معاملہ ہے تو ایک بات یقینی ہے۔" دوسرے آفیسر نے کہا۔ "وہ آج صبح کام پر نہیں آیا ہوگا۔ کیوں کہ اس کے سفید کپڑے خون آلود ہوں گے۔"

اس نتیجہ پر پہنچ کر وہ لوگ گیری کے ہاں واپس آئے۔ جہاں انہیں سوسن کی انگلیوں کے نشانات لینے تھے۔ اس کے بعد سراغ رساں موسیٹر اور کلوویٹر وہاں سے کئی بلاک کے فاصلے پر واقع ایک بیکری میں پہنچ گئے۔ بیکری کے عقبی حصے میں جہاں سفید کپڑوں میں ملبوس ملازمین اپنے کام میں مصروف [illegible] نے ایک شخص سے بات کی۔ اس نے ایک اور شخص [illegible] جانب اشارہ کر دیا جو ان ہی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ہم سراغ رساں ہیں۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ "اور ان اطراف میں تفتیش کر رہے ہیں۔ تمہارے آدمی کام پر کس وقت پہنچتے ہیں؟"

"صبح کے تین، چار اور پانچ بجے۔۔۔ مختلف اوقات میں پہنچتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "معاملہ کیا ہے؟"

"کیا آج سارے ملازمین کام پر آئے تھے؟" موسیٹر نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

"بات کیا ہے؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

انہوں نے اسے اس واقعے سے آگاہ کیا اور پوچھ گچھ کے مقصد کی وضاحت کی۔

"گویا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ نقب زن کسی بیکری میں کام کرتا ہے، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" وہ شخص بولا۔

"ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھا اور کوئی نقب زن خاص طور سے رات میں واردات کرنے کے موقع پر سفید کپڑے نہیں پہنتا۔" کلوویٹر نے کہا۔ "ہمارا خیال ہے کہ وہ گھر سے کام کے لیے نکلا ہوگا، ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ یہاں یا کہیں اور کام کرتا ہے۔ ہم محض تفتیش کر کے قاتل کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ اب بتاؤ، کیا تمہارے سارے ملازمین آج صبح کام پر آئے تھے؟"

"تو تمہارا خیال ہے، اگر میرا کوئی آدمی اس واردات میں ملوث ہے تو وہ کام پر نہیں آیا ہوگا؟" اس شخص نے پوچھا۔

"دیکھو مسٹر۔" موسیٹر نے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔ "اس کے سفید کپڑے خون آلود ہیں۔ وہ اس حالت میں کام پر نہیں آ سکتا۔ تاوقتیکہ وہ کہیں چھپ کر، نہا دھو کر کپڑے بدل لے۔ وہ سیدھا واپس گھر بھاگا ہوگا اور نہا دھو کر کپڑے بدل کر کام پر آیا ہوگا۔ لہٰذا اگر تمہارا کوئی ملازم کام پر نہیں آیا یا دیر سے آیا ہے تو اسے ہمارے سامنے لاؤ۔"

"آفس میں آؤ۔" اس شخص نے کہا اور ان کی رہنمائی کرتا ہوا انہیں اپنے آفس میں لے گیا۔

"میں یہاں کوئی گڑبڑ نہیں چاہتا۔" وہ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "مجھے محتاط رہنا پڑتا ہے۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو؟"

"نہیں ہم نہیں سمجھے، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" کلوویٹر نے کہا۔

"میرے ہاں ایک آدمی کام کرتا ہے۔" وہ بولا۔ "اس کا نام کلنٹن ٹوبور ہے۔ کبھی وہ نقب زنی کیا کرتا تھا، پھر جب وہ پیرول پر رہا ہوا تو وہ لوگ اسے کام دلانے کے لیے میرے پاس لے کر آئے۔ وہ جیل کی بیکری میں کام کرتا رہا تھا، میں نے اسے رکھ لیا۔ چند سال پہلے میں نے جیل سے رہا ہونے والے ایک اور شخص کو ملازم رکھا تھا۔ وہ بہت طاق ہے۔ اب بھی یہاں ملازم ہے۔

ڈیور نے ایک مہینہ پہلے کام شروع کیا تھا۔ وہ شروع شروع میں گھوڑے کی طرح کام کرتا تھا، پھر وہ سست پڑنے لگا۔ آئے دن دیر سے آنے لگا۔ میں اُسے پریشان کرنا نہیں چاہتا لہٰذا کچھ کہنے سے گریز کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ یہ سوچے میں اُسے تنگ کر رہا ہوں اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے کام سے واقف ہے۔ اس کی ڈیوٹی صبح چار بجے سے شروع ہوتی۔ پچھلے ہفتے وہ دیر سے آیا تھا تو میں نے اسے آئندہ وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی آج صبح وہ صرف پندرہ منٹ دیر سے پہنچا تھا لہٰذا میں نے نظرانداز کر دیا۔ وہ ہانپتا کانپتا پہنچا تھا۔ گویا راستے بھر دوڑتا رہا ہو۔"

"کیا میں فون استعمال کر سکتا ہوں؟" موسیئر نے کہا۔

بیکری کے مالک نے فون اس کی طرف کھسکا دیا۔ موسیئر نے پولیس ہیڈکوارٹر سے رابطہ قائم کیا اور ڈیور نامی شخص کی بابت پوچھا۔ اسے بتایا گیا کہ ڈیور نقب زنی کے جرم میں تین بار گرفتار ہو چکا تھا۔ دوسری مرتبہ بطور آزمائش رہا ہوا تھا اور تیسری مرتبہ گرفتار ہونے کے بعد اُسے تین سے پانچ سال تک کی سزا ہوئی تھی اور وہ حال ہی میں پیرول پر رہا ہوا تھا۔ یہ معلومات حاصل کر کے موسیئر نے ریسیور رکھ دیا۔

"ہم اس سے بات کرنا چاہیں گے۔" وہ بیکری کے مالک سے بولا۔ "کیا ہم تمہارا دفتر استعمال کر سکتے ہیں؟"

بیکری کا مالک خاموش رہا۔

"ہم اس سے یہاں یا شہر لے جا کر بات کریں گے۔" موسیئر نے کہا۔

"میں اسے بلاتا ہوں۔" مالک بولا اور اُٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

چند ہی ثانیے کے بعد ڈیور داخل ہوا۔ وہ تیئس، چوبیس سال کا، دُبلا پتلا اور کشیدہ قامت نوجوان تھا۔ وہ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور انہیں مشکوک نظروں سے گھورنے لگا۔ دونوں نے اپنا تعارف کرایا۔

"لیکن میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔" وہ پُرزور لہجے میں بولا۔ "میں جب سے رہا ہوا ہوں اس وقت سے بے داغ ہوں۔"

"کوئی بھی یہ نہیں کہہ رہا کہ تم نے کچھ کیا ہے۔" کلوویئر نے کہا۔ "ہم محض ایک واقعے کی تفتیش کر رہے ہیں۔ اگر تم نے کچھ نہیں کیا ہے تو تمہیں ہم سے بات کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیئے لیکن اگر تم بات کرنا نہیں چاہتے تو مت کرو۔"

"میں تیار ہوں۔" وہ بولا۔

"تم آج صبح کام پر دیر سے آئے تھے۔" موسیئر نے کہا۔ "کیا ہمیں بتاؤ گے کہ دیر سے کیوں آئے تھے؟"

اس کے چہرے سے حیرت جھلکنے لگی۔ "میری کار راستے میں خراب ہو گئی تھی۔" چند ثانیے کے بعد وہ بولا۔ "وہ کچھ عرصے سے پریشان کر رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مجھے پہنچنے میں دیر ہو جاتی تھی۔ رات کے تین بجے اگر آپ کی کار راستے میں کہیں خراب ہو جائے تو کہیں سے مدد ملنے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔ آج خوش قسمتی سے صرف تین بلاک طے کر کے رُک گئی۔ میں کچھ دیر تک اس سے اُلجھتا رہا پھر گھر واپس آ گیا اور ٹیکسی طلب کر لی۔"

*

سراغ رسانوں نے اس ٹیکسی ڈرائیور کا پتا چلانے میں کچھ وقت گزارا جو ڈیور کو اس کے گھر سے بیکری تک چھوڑ گیا تھا، پھر ڈیور کے گھر پر پوچھ گچھ کی اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ہِل کے گھر میں ڈاکا ڈالتا، اپنے گھر واپس آ کر نہاتا دھوتا، کپڑے بدلتا، پھر ایک ٹیکسی پکڑ کر سوا چار بجے بیکری پہنچتا۔ وہ لوگ سہ پہر میں پولیس ہیڈکوارٹر پہنچے تو فنگر پرنٹس کی رپورٹ ان کا انتظار کر رہی تھی۔ جائے واردات سے صرف تین فنگر پرنٹس ملبوسات کی کوٹھری کے نچلے حصوں سے ملے تھے۔

"صرف یہی تین فنگر پرنٹس ہیں جو ہِل یا اس کی بیوی کے نہیں ہیں۔" ایک ٹیکنیشین نے کہا۔ "لہٰذا یہ قاتل ہی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ کوٹھری کے دروازے کے اس نچلے حصے کے آس پاس کسی اور کے فنگر پرنٹس پائے جانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب وہ وہاں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ اُسی وقت اپنے فنگر پرنٹس چھوڑ گیا تھا۔"

انہوں نے ان فنگر پرنٹس کو ڈیور کے فنگر پرنٹس سے ملایا اور مطمئن ہو گئے۔ یہ اس کے فنگر پرنٹس نہیں تھے۔ لہٰذا بیکری فون کر کے اطلاع دے دی گئی کہ وہ شبہے سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔

"ہمیں ہِل کے ہاں واردات کے سلسلے میں کچھ اور بھی باتیں سننے کو مل رہی ہیں۔" ایک سراغ رساں نے کہا۔

"ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ وہ ایک چاقو بدست نقب زن کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔" موسیئر نے کہا۔ "اس نے ایک اور گھر میں واردات کی تھی۔ اس گھر کے لوگ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ وہاں جا کر فنگر پرنٹس حاصل کر سکیں۔"

"ہم گروی رکھنے والی دُکانوں کو بھی چیک کر رہے ہیں۔" ایک سراغ رساں نے کہا۔ "ممکن ہے وہ کیمرا اور دُوربین کسی ایسی ہی

دُکان سے مل جائے۔"

انہیں اور بھی بیکریوں اور ہیوسٹن کے جنوب مغرب میں واقع ایک ڈیری کو بھی چیک کرنا تھا۔ نائٹ شفٹ کے سراغرساں ڈان اور ایڈ نے ان جگہوں کو چیک کرنا شروع کر دیا۔ صبح میں موسیئر اور کلوویٹر ہیڈکوارٹر آکر ان کی رپورٹ چیک کرتے اور تفتیش کی گاڑی کو آگے بڑھاتے۔ بیکریوں اور ڈیری فارموں میں کام کرنے والے سابق مجرموں سے پوچھ گچھ کی گئی اور ان کے فنگر پرنٹس حاصل کر کے جائے واردات سے حاصل ہونے والے تین فنگر پرنٹس سے ملائے گئے۔ سراغ رساں حضرات، سامان گروی رکھنے والی دکانوں کی کڑی نگرانی کرتے رہے لیکن ایک ہفتے کی محنتِ شاقہ کے باوجود انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

"ہمارے پاس فنگر پرنٹس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔" ایک سراغ رساں نے لمبی سانس لے کر کہا۔ "یہی ہمارا سرمایہ ہے۔ وہ لوگ جن کے ہاں نقب زن گھسا تھا، واپس آ گئے ہیں انہوں نے اپنے جواہرات شناخت کر لیے ہیں لیکن ہمیں ان کے گھر سے مزید فنگر پرنٹس حاصل نہیں ہو سکے۔"

"پھر نقب زن فورتھ وارڈ سے آیا ہوگا۔" دوسرے سراغرساں نے خیال پیش کیا۔ "وہ جگہ مونٹ روز سیکشن سے زیادہ دور نہیں ہے اور اس علاقے میں کچھ بدمعاش رہتے ہیں۔"

اگلے چند روز کے دوران پولیس نے اپنا طریقۂ کار بدل دیا اور ان لوگوں کا نام نوٹ کرنے لگی جو ہیرولڈ اسٹریٹ پر واقع گھر میں ہونے والے قتل کا ذکر کرنے کے دوران کسی قیمتی ہیرے یا دوربین فروخت کرنے کی بات کر رہے تھے۔ سراغ رساں حضرات مختلف لوگوں کو شاملِ تفتیش کر کے ان سے پوچھ گچھ کرنے کے علاوہ موقعِ واردات سے ان کی عدم موجودگی بھی چیک کر رہے تھے اور ان کی انگلیوں کے نشانات اپنے شناختی بیورو کو ارسال کر رہے تھے۔ فورتھ وارڈ کے علاقے میں تفتیش کرتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا لیکن کام کی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ تب سراغ رساں موسیئر اور کلوویٹر ہیرس کاؤنٹی کے شیرف کے پاس پہنچے اور اسے اپنے مسئلے سے آگاہ کیا۔

"ہم نے بعض نقب زنوں کے فنگر پرنٹس چیک کیے لیکن ناکام رہے۔" موسیئر نے شیرف سے کہا۔ "تمہارے خیال میں تمہاری یہ سنگل پرنٹ مشین ہماری کچھ مدد کر سکے گی؟"

"ہم کوشش کر سکتے ہیں۔" شیرف نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں معلوم ہے ہمارے پاس فنگر پرنٹس لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔"

دونوں سراغ رساں ایک فنگر پرنٹ ایکسپرٹ کے ساتھ بیٹھ گئے اور ٹی۔ وی اسکرین جیسی ایک اسکرین پہ سنگل پرنٹس کا معائنہ کرنے لگے۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ یہاں سے مایوس ہو کر موسیئر اور کلوویٹر آسٹن پہنچ گئے اور تحفظ عامہ کے دفتر میں ایک ریاستی فنگر پرنٹ ایکسپرٹ کے ساتھ کام میں لگ گئے۔ ادھر ہیوسٹن کے سراغ رسانوں نے پھر اپنی فائلیں کھول لیں اور فنگر پرنٹس شناخت کے لیے شناختی کارڈ بھیجنے لگے۔ ایک روز صبح ہی موسیئر پرنٹ ڈویژن کے سربراہ فوسٹر کے پاس اس مسئلے کے ساتھ پہنچ گیا۔

"تم اس پر دو سال تک کام کر سکتے ہو۔" فوسٹر بولا۔

"ممکن ہے ہم شارٹ کٹ استعمال کر سکیں۔" موسیئر نے کہا۔ "ہمیں ہر روز تمہیں زحمت دیتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ تم ہمیں ان تین فنگر پرنٹس کی درجہ بندی کر کے سمجھا دو تاکہ ہم کسی خاص نشان کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ کون سا پرنٹ تمہیں بھیجا جائے اور کون سا روک لیا جائے۔ اس طرح تم پر کام کا دباؤ کم ہو جائے گا۔"

فوسٹر نے اسے چند تیکنیکی باتیں سمجھا دیں، پھر بولا۔ "لیکن تمہیں اس کے باوجود دو سال لگ جائیں گے۔"

※

گیری ہل کو قتل ہوئے ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ اس دوران سراغ رسانوں نے سو سے زیادہ افراد سے پوچھ گچھ کی تھی اور ہزاروں فنگر پرنٹس لیے تھے۔

"اگر ہم اپنی فائلیں کھنگالیں تو ہمیں لاکھوں فنگر پرنٹس مل جائیں گے۔" ایک سراغ رساں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" موسیئر نے جواب دیا۔ "لیکن میں نے چند تیکنیکی باتیں سیکھ لی ہیں جس سے کام کا دباؤ کم ہو جائے گا۔ اب میں نئے فنگر پرنٹس کے ساتھ ہی فائلوں سے مخصوص فنگر پرنٹس منتخب کرنے والا ہوں۔"

"میرے خیال میں یہ شخص پاگل ہوگا۔" اس سراغ رساں نے کہا۔

"پاگل ہو یا نہ ہو، یہ اس کی پہلی یا آخری واردات نہیں ہوگی۔" موسیئر نے جواب دیا۔ "وہ جلد ہی کسی دوسری واردات میں پکڑا جائے گا۔ میں اس کے گرفتار ہونے اور فنگر پرنٹس یہاں بھیجے جانے کا منتظر ہوں۔"

۱۵ جولائی بروز جمعرات، موسیئر نائٹ شفٹ میں کام کر رہا تھا۔ تقریباً ساڑھے دس بجے ایک آفیسر اس کے پاس پہنچا۔

"تمہارے لیے چند تازہ فنگر پرنٹس لے کر آیا ہوں۔" وہ بولا۔ "یہ سب مجرم آج رات ہی پکڑے گئے ہیں۔"

ملزمان میں سے کوئی بھی کسی خاص اہمیت کا حامل نہ تھا۔ موسیئر

نے ان کی رپورٹ اور فنگر پرنٹس کارڈ کا مطالعہ کیا اور شناختی بیورو پہنچ گیا۔

"یہ مزید آئے ہیں۔" اس نے فنگر پرنٹس کے کارڈ ایک ٹیکنیشن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں صبح میں مسٹر فوسٹر کو دے دوں گا۔" اس نے جواب دیا۔

اگلی صبح موسیٹرو پولیس ہیڈ کوارٹر سے چند بلاک دور ہیرس کاؤنٹی کورٹ ہاؤس میں تھا کہ اس کا رنر سے پیغام پہنچایا: "اس وقت اپنے دفتر کے آئی ڈی بیورو سے رابطہ قائم کرو۔ مسٹر فوسٹر تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے فوراً فون پر فوسٹر سے رابطہ قائم کیا۔

"تم نے پچھلی رات جو فنگر پرنٹس بھیجے تھے، ان میں سے ایک نشانے پر بیٹھ گیا۔" فوسٹر نے انکشاف کیا۔

"میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور سیدھا پولیس ہیڈکوارٹر بھاگا۔

گیری بل کیس کے تین پرنٹس، پچھلی رات پکڑے جانے والے دو ساتھی ملزمان میں سے ایک کے تین فنگر پرنٹس سے بالکل ملتے جلتے تھے۔ اس کا نام سیمی تھا اور اس کا ساتھی ہنری تھا۔ ان پر سونے کے جعلی سکے فروخت کرنے کا الزام تھا۔ پچھلے روز سہ پہر میں ہوسٹن کے ایک اسٹورکیپر نے پولیس کو فون پر اطلاع دی تھی کہ دو آدمیوں نے اُسے سونے کے جعلی سکوں کی پیش کش کی تھی۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ شام کے پانچ بجے آئیں۔ وہ رقم لاکر رکھے گا۔ رپورٹ میں یہ کہا گیا تھا کہ سیمی اور ہنری شام کے پانچ بجے اس اسٹور میں پہنچے تو وہاں پولیس ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ سکے، سونے کے ان سکوں کا چربہ تھے جو ایک غیر ملکی حکومت نے حال ہی میں ڈھالے تھے۔ دونوں ملزمان کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا اور سیمی تھوڑی ہی دیر میں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی موقعوں پر گرفتار ہو چکا تھا۔ اس کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ وہ پچھلے اکتوبر میں ہیوسٹن کے ایک اپارٹمنٹ میں ڈاکا ڈالنے کے جرم میں گرفتار ہوا تھا اور ضمانت پر رہا ہو گیا تھا۔ پھر جنوری ۱۹۷۷ میں نقب زنی کی ایک واردات میں ملزم قرار دیے جانے کے بعد دس سال کی آزمائشی مدت گزار رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ ہمیں کہاں ملے گا۔" موسیٹر نے ساتھی سراغ رسانوں سے کہا۔ "میں اس کے پروبیشن آفیسر سے بات کروں گا۔"

اطلاعات کے مطابق سیمی، ہیوسٹن کی ایک آئل کمپنی میں کی پنچ آپریٹر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ موسیٹرا اور کلوویٹرا اس کمپنی کے دفتر میں پہنچ گئے اور اپنے مشتبہ کو حراست میں لے لیا۔ وہ کشیدہ قامت تھا اور طور طریقوں سے شریف لگتا تھا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ وہ ایک قتل کے کیس میں گرفتار کیا جا رہا ہے تو اس کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اس سہ پہر میں سراغ رسانوں کو اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں۔ ان کے مطابق، اس نے اور ہنری نے لاس اینجلز میں سونے کے جعلی سکے بہت بڑی تعداد میں فروخت کیے تھے اور اب ہیوسٹن میں بھی بیچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پوچھ گچھ کے دوران ہنری نے اقرار کیا کہ ۱۳ جون اتوار کی صبح وہ سیمی کے ساتھ تھا اور دونوں ایک اسٹور میں گئے تھے۔ ہنری نے مبینہ طور پر کہا کہ سیمی کے پاس ایک کیمرا اور ایک دوربین تھی۔

"جب میں نے دوربین اٹھائی تو سیمی نے کہا، 'احتیاط سے... اُسے چراتے ہوئے مجھے ایک گھر سے فرار ہوتے وقت صاحب خانہ کو چاقو مارنا پڑا تھا۔'"

ہنری نے مزید بتایا کہ سیمی اس کیمرے اور دوربین کے ساتھ ایک اسٹور میں چلا گیا اور انہیں بہتر ڈالر میں فروخت کرکے آ گیا۔

۱۷ جولائی بروز ہفتہ سیمی کو گیری بل کے قتل کا ملزم قرار دے کر ہیوسٹن جیل میں بھیج دیا گیا۔ آج کل وہ قتل کا مقدمہ عدالت میں پیش ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔

❋

میرا کُتا اتنا ہوشیار ہے کہ میں اُسے سگریٹ لانے کے لیے دکان پر بھیجتا ہوں تو وہی سگریٹ لاتا ہے جو میں پیتا ہوں۔"

"میرا کُتا تمہارے کُتے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ اُسے دکاندار وہ سگریٹ دیتا ہے جو میں نہیں پیتا تو کُتا نہیں لیتا، خود ہی میرا برانڈ اٹھا لیتا ہے۔" — دوسرے آدمی نے کہا اور اپنے تیسرے ساتھی سے پوچھا "تم نے بھی کُتا رکھا ہوا ہے۔ کیسا ہے؟"

"میرا کُتا اسی دکان میں کام کرتا ہے جس سے تم دونوں کے کُتے تمہارے لیے سگریٹ لاتے ہیں۔ وہ وہی سگریٹ دیتا ہے جو اس سے مانگو۔"

www.taemeernews.com

نقش فریادی

مصوری کے شاہکار، نادر تصویریں، لکڑی اور پتھر کے مجسمے وغیرہ جمع کرنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ مشغلہ میری زندگی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ انگریزی زبان میں یہ فن ابرو ڈیکا کہلاتا ہے۔ میرے پاس آرٹ کے نادر اور بیش بہا نمونوں کا ایک باقاعدہ عجائب خانہ ہے۔ عجائب خانے کی عمارت خاص طور پر اس طرح تعمیر کرائی گئی ہے کہ وہ نقب زنی اور آتش زنی وغیرہ سے قطعی محفوظ ہے فی الحال میرے پاس لطیف اور نادر آرٹ کے پندرہ ہزار نمونے موجود ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق قبل مسیح کے زمانے سے ہے۔ میں ان نادر نمونوں کی تلاش اور حصول کے لئے اب تک تقریباً بیس لاکھ میل کا سفر طے کر چکا ہوں اور پچیس لاکھ ڈالر سے زیادہ رقم خرچ کر چکا ہوں۔ ممکن ہے آپ اسے مبالغہ آرائی سمجھیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شوق ایک انتہائی گراں مشغلہ ہے خصوصاً جب یہ جنون کی حد تک پہنچ جائے۔ مثلاً ایک بار میں کمبوڈیا کے ایک غار میں گیا۔ غار کی دیواروں پر تصویریں کندہ تھیں۔ ایک دیوار کی تصویریں مجھے بے حد پسند آئیں۔ میں نے ایک کثیر رقم خرچ کر کے غار کی وہ پوری دیوار بنیاد تک کھدوا دی۔ اسے کرین کے ذریعہ بندرگاہ تک لایا گیا۔ اور جہاز میں رکھوا کر نیویارک پہنچا یا گیا۔ عریاں آرٹ کا یہ نادر نمونہ آج کل میرے عجائب خانے کی زینت ہے اور اس پر مجھے بے حد ناز ہے۔ یہ تصاویر غار کی دیوار پر ایسی مہارت سے کندہ کی گئی ہیں کہ اگر ان پر خاص زاویوں سے ہلکی روشنی ڈالی جائے تو جسم کا ایک ایک حصہ نہایت خوبی سے اجاگر ہو جاتا ہے۔ اگر ایک خاص زاویہ سے انھیں دیر تک دیکھا جائے تو ہر تصویر ایک متحرک اور جیتا جاگتا جسم معلوم ہوتی ہے۔

www.taemeernews.com

نمونہ ہے جس میں زمانہ گزرنے سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔ ابتدا سے لیکر آج تک یہ ایک ہی انداز سے قائم ہے۔ یہ یکسانی آپ کو اس فن کے ان تمام شاہکاروں میں نظر آئے گی جو میسوپوٹامیا، مصر، اناطولیا، ایران... ہندوستان، چین، جاپان، آسٹریلیا، افریقہ، یونان، اٹلی اور امریکہ سے دستیاب ہوئے ہیں۔

مجھ سے اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ایروٹیکا اور پورنوگرافی (فحاشی) میں کیا فرق ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے اس لئے کہ جو شخص یہ سوال کرنا ضروری سمجھتا ہے، وہ اس کا جواب سمجھ ہی نہیں سکتا میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ پورنوگرافی، پورنوگرافی ہے اور ایروٹیکا، ایروٹیکا۔ حقیقتاً ان دونوں میں اتنا وسیع فرق ہے جتنا عمدہ و نایاب انگوری شراب اور ٹھرے میں۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کی عدلیہ میں ایسے کور ذوق لوگ موجود ہیں جو پورنوگرافی اور ایروٹیکا جیسے اعلا فن میں امتیاز نہیں کر سکتے۔

ترکی سفارت خانے کے ایک شخص علی سے مجھے تین شاہکار مجسموں کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں اسے ان کی ہوا کیسے لگ گئی؟ یہ مجھے معلوم نہیں ہو سکا بہرحال وہ بھی میرا ہم ذوق تھا اور میری ہی طرح مجسمے اور تصویریں جمع کرنے کا رسیا تھا۔ ہم لوگوں نے اس کام کے لئے اپنے اپنے مخبر مقرر کر رکھے تھے۔ مجھے وہ شام اچھی طرح یاد ہے جب میں علی اور ہیرولڈ کے ساتھ ایک کلب میں کھانا کھا رہا تھا۔ ہیرولڈ نے حال میں ایک نئی کتاب حاصل کی تھی۔ اس کے متعلق اس نے بتایا کہ وہ شکسپیئر کے سانیٹ کا ایک نادر مجموعہ ہے اور اب دنیا میں اس کے صرف سات نسخے باقی رہ گئے ہیں۔ مجھے کوئی خاص تجسس نہیں ہوا کیونکہ اس کتاب کے دو نسخے پہلے ہی میری لائبریری میں موجود تھے علی خلاف معمول آج کھانے کے دوران میں خاموش تھا ہیرولڈ نے کتاب کا قصہ سنانے کے بعد علی سے کہا۔

"تم سناؤ علی! پچھلے دنوں تم نے کیا کیا حاصل کیا"

"کچھ نہیں، کوئی قابل ذکر چیز نہیں ملی۔" علی نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "البتہ میں نے تین مجسمے خریدنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کا مالک انھیں فروخت کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوا۔"

مجسموں کے بارے میں سنکر مجھے تعجب ہوا کہ میرے مخبر نے مجھے یہ اطلاع کیوں نہیں دی؟ بہرحال میرا تجسس بیدار ہو گیا اور میں غور سے علی کی بات سنتا رہا ہیرولڈ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بظاہر اطمینان سے اس کی بات سن رہا تھا۔ مگر میں تاڑ گیا کہ میری طرح وہ بھی ان مجسموں کے حصول کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔

علی بڑی اداسی سے اپنا قصہ سنا رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔ شروع میں مجھے اپنے مخبر کی باتیں مذاق معلوم ہوئیں کیونکہ میرا خیال تھا۔ ریاست اوہیو کے ایک پس ماندہ گاؤں امباتی میں ایسی کوئی قابل قدر چیز ملنا بعید از قیاس ہے لیکن مجھے اپنے مخبر پر اعتماد تھا اس لئے میں اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا چنانچہ میں مخبر کے بتائے ہوئے پتے پر امباتی پہنچ گیا۔ امباتی کے باشندے اتنے پس ماندہ اور جنگلی ہیں جتنے آگری ڈاگ کے قبائلی لوگ۔ ان کا رہن سہن بھی قبائلیوں کے رہن سہن سے ملتا جلتا ہے۔ میں گاؤں کی تنگ اور گندی گلیوں سے ہوتا ہوا وہاں پہنچا۔ ایک کھلیان کے عقبی حصے میں جانوروں کا ایک چھوٹا سا گندہ باڑا بنا ہوا تھا یہیں اس سنگ تراش کا مکان تھا۔ یہ کچی اینٹوں کا ایک مختصر سا مکان تھا میں نے دروازے پر دستک دی اور کھلیان کے اندر جھانک کر دیکھا"

علی نے سگار کا ایک لمبا کش لیا پھر کسی تصور میں کھو گیا "اور وہاں وہ رکھے ہوئے تھے۔"

"کیا رکھے ہوئے تھے؟" ہیرولڈ نے بڑی بے تابی سے دریافت کیا۔

"وہی خوبصورت مجسمے، انتہائی خوش نما اور دلکش، فن کے کامل نمونے۔ وہ تینوں پندرہ سولہ سال کی انتہائی خوبصورت لڑکیوں کے مجسمے تھے۔ انھیں مخمل کی ایک خوشنما پر ٹایا گیا تھا تینوں کی سپردگی کے انداز مختلف اور انتہائی ہیجان انگیز تھے ایک لڑکی کی دونوں ٹانگیں..." علی نے اپنے ہاتھوں

[illegible]

مجسمے عام پتھر سے بنے ہوئے نہیں ہیں بلکہ انھیں بنانے کے لئے کوئی نامعلوم مواد استعمال کیا گیا ہے جس کی رنگت کیرارا کے پتھر سے مشابہ ہے چہروں کے تاثرات، فرطِ جذبات سے بھنچے ہوئے لب، کسا ہوا پیٹ اور ابھری ابھری رانیں۔ یہ سب کچھ انتہائی ہیجان انگیز تھا۔ مجسموں پر نظر پڑتے ہی میں مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے جتنا کا بیسواں غار بھی دیکھا ہے۔ ایلفنٹا، ڈائنٹ کا کرتا بھی منہدم ہونے سے قبل دیکھ چکا ہوں۔ پاٹرس اور گاگن کے ذخیرے بھی میری نظر سے گزرے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ریاست اوہیو کے مجسموں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" علی نے میری جانب معذرت کے انداز میں دیکھی۔ "تمھاری غار کی دیوار بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی مسٹر اینڈ۔ پلیز بس یہ تعجب بہت ناز ہے"

"بے شک اپنا بیان جاری رکھئے مسٹر علی!" میں نے طنزیہ انداز میں کہا اس لئے کہ مجھے یقین تھا میری دیوار بہ صورت ایک شاہکار چیز ہے۔ میں دل ہی دل میں یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ ریاست اوہیو پہنچنے میں مجھے کتنا وقت لگے گا؟ ہیرولڈ بھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی قسمت آزمائی کرنا چاہتا تھا۔

علی اپنا قصہ سناتے ہوئے بولا۔ "میں وہ مجسمے قریب سے چھو کر دیکھنا چاہتا تھا مگر جیسے ہی میں نے قدم بڑھایا، مجھے پیچھے سے کسی کی چاپ اور بندوق کی کلک سنائی دی۔ میں نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ وہ سنگ تراش تھا۔ اس نے انتہائی گندا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اور آنکھوں سے وحشت نمایاں تھی۔ وہ کچھ بولا نہیں۔ مگر بندوق تانے ہوئے مجھے گھورتا رہا۔ میں نے یہ کچھ جھجک کے اپنا تعارف کرایا۔ "میرا نام علی ہے اور میرا تعلق ترکی کے سفارت خانے سے ہے۔ میں نے اپنی جیب سے شناختی کارڈ نکال کے اسے دکھانے کی کوشش کی لیکن اس نے ایک لمحے کے لئے بھی میرے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی۔ میں نے اس کے مجسموں کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ان سے بہتر مجسمے میں نے آج تک نہیں دیکھے ہیں۔ اس نے میری تعریف پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں

[illegible]

لینا چاہتا ہے؟ اس سوال پر وہ پہلی بار انتہائی بھونڈے اور کریہہ لہجہ میں بولا کہ یہ فروخت کرنے کے لئے نہیں ہیں لہٰذا تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ میں نے اس کی اس دھمکی کے باوجود اس سے سودا کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ کیا آپ انھیں پچیس ہزار ڈالر میں بھی بیچنا پسند نہیں کریں گے؟ سنگ تراش نے نفی میں سر ہلایا اور بندوق کی نال میرے سینے سے لگا دی اور مجھے دھکیلتا ہوا دروازے تک لے آیا۔ میں نے پلٹ کر ایک لاکھ ڈالر کی پیشکش کی لیکن وہ خاموش رہا۔ آخر چلتے ہوئے میں نے ڈیڑھ لاکھ پیش کئے۔ تو ایک بار پھر اسی اٹل لہجے میں بولا کہ "یہ فروخت کرنے کے لئے نہیں ہیں۔" علی نے ہم دونوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور تاسف سے بولا۔ "وہ جینئس دنیا کے عظیم سنگ تراشوں میں سے ایک ہے لیکن افسوس کہ پاگل ہے۔ وہ اپنے مجسمے بھی نہیں بیچے گا کبھی نہیں۔ میں نے دوسرے روز پھر کوشش کی تھی۔ اور ایک لاکھ پینسٹھ ہزار ڈالر کا تصدیق شدہ چیک پیش کیا تھا لیکن اس بار وہ مشتعل ہو گیا اور اس نے فوراً مجھ پر بندوق چلا دی۔ خوش قسمتی سے گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ آخر نامید ہو کر میں واپس آ گیا۔ اس واقعے کو ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ اس وقت سے میری نیند حرام ہو کر رہ گئی ہے۔ ہائے کیا خوبصورت مجسمے ہیں۔ جو ایک کھلیان میں پڑے ہوئے گرد و غبار سے خراب ہو رہے ہیں۔" علی بڑے تاسف سے بولا۔

ہیرولڈ سر درد کی شکایت کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور معذرت کر کے اپنے گھر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد مجھے بھی اسی بداخلاقی کا مرتکب ہونا پڑا۔ میں بھی اپنے آزردہ دوست کو اکیلا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ ہیرولڈ نے سر درد کا صرف بہانہ کیا ہے۔ ورنہ وہ بھی مجسمے خریدنے کے لئے بے چین ہے۔ بہرحال میں نے وقت ضائع کئے بغیر ایک جیٹ جہاز چارٹر کیا اور علی سے رخصت ہونے کے کوئی ساڑھے تین گھنٹے بعد میں پہنچ گیا۔ وہاں سے مجھے اوہیو جانا تھا تقریباً پون گھنٹے بعد میں سنگ تراش

www.taemeernews.com

[illegible]

...ہوں میں دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے وہی سنگ تراش کھڑا تھا جس کا حلیہ علی نے بتایا تھا۔ پستہ قد، بڑھے ہوئے بال، گندے کپڑے۔ یہ بلاشبہ وہی شخص تھا اور بلاشبہ یہ ایک پاگل آدمی تھا۔ میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا "میں آپ کے شاہکار مجسمے دیکھنے کی آرزو میں نیویارک سے آیا ہوں۔ کیا آپ مجھے مجسمے دیکھنے کی اجازت دیں گے"

"چلے جاؤ یہاں سے،" وہ غرایا۔ "وہ فروخت کرنے کے لئے نہیں ہیں۔" اس نے بندوق اٹھا کر میرے اوپر تان لی۔

میں اس پاگل سے اسی سلوک کی توقع رکھتا تھا۔ اسی لئے میں نے اس توقع کی روشنی میں اسے رام کرنے کے لئے پہلے ہی ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ "بے شک فن کے وہ نادر نمونے فروخت کرنے کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں۔ وہ بیش بہا فنی تخلیق ہیں۔ ایک جینئس کی تخلیق ان کا کوئی مول ہو ہی نہیں سکتا۔"

میرے تعریفی کلمات سے وہ کچھ متاثر ہوا۔ اب اس کی آنکھوں میں نفرت کی جگہ حیرت اور بے یقینی جھلک رہی تھی۔ وہ مشکوک انداز میں بولا۔ "تمہارا مطلب ہے... تم..... تم مجھے ان سے جدا کرنے کی کوشش نہیں کرو گے؟ دوسرے لوگوں کی طرح ان کا سودا نہیں کرو گے؟"

"نہیں، ہرگز نہیں۔" میں نے جھوٹ بولا۔ "میں نے آپ کے مجسموں کی تعریف سنی تھی کہ وہ سنگ تراشی کا کامل نمونہ ہیں۔ میں ان مجسموں کے خالق کو صرف خراج تحسین پیش کرنے آیا ہوں۔"

وہ کچھ دیر تک غور سے مجھے دیکھتا رہا، جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے پرکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے اپنی بندوق نیچی کر لی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "جو شخص بھی انہیں دیکھنے آتا ہے۔ وہ انہیں خریدنے کی کوشش کرتا ہے۔ سب لوگ انہیں جدا کر لیجانا چاہتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔"

اس کے کپڑوں سے بدبو اٹھ رہی تھی۔ میں نے

[illegible]

میں اپنے دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا وہ مجسمے واقعی اتنے خوب صورت ہیں جتنا میں نے ان کے بارے میں سنا ہے؟"

اب وہ مجھے اپنے مجسمے دکھانے پر آمادہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے لالٹین ہاتھ میں اٹھائی اور مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ کھلیان کے دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گیا۔ اور پلٹ کر مجھ سے کہنے لگا۔ "اپنی آنکھیں بند کر لو۔ رات کے وقت روشنی صحیح زاویوں پر پڑنی چاہئے ورنہ تمہیں اصل تاثر نہیں ملے گا۔"

یہ شخص واقعی فن کار ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر کے سوچا۔ یہ جانتا ہے کہ فن کی نمائش میں اس کے مکمل تاثرات کس طرح اجاگر کئے جا سکتے ہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے مجھ سے کہا۔ "اب آنکھوں کو کھول لو اور اندر آ جاؤ۔"

میں نے کوٹھری میں قدم رکھا۔ مجسمے سامنے ہی رکھے ہوئے تھے۔ ان پر روشنی اس طرح پڑ رہی تھی کہ وہ بالکل زندہ معلوم ہوتے تھے۔ ان پر نظر پڑتے ہی میں کچھ دیر کے لئے مبہوت رہ گیا۔ اس فن کے بے شمار شہ پارے میری نظر سے گزر چکے تھے مگر ایسی بے نظیر چیزیں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر کسی طرح یہ مجھے حاصل ہو جائیں تو میرے ذخیرے میں ایک قیمتی اور قابل قدر اضافہ ہو جائے گا۔ اتنے خوب صورت اور زندگی سے بھرپور مجسمے آج تک کوئی سنگ تراش تخلیق نہیں کر سکا ہے اور نہ شاید آئندہ کوئی کر سکے۔ میں وہ مجسمے ہر قیمت پر لینے کے لئے تیار تھا۔ ان کے خالق کی حالت زار پر مجھے بہت افسوس ہوا۔ مجھے اس کا احساس تھا کہ میں ان مجسموں کی خاطر اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔

میں اس کے ساتھ بیٹھ کر تقریباً ایک گھنٹے تک اسی موضوع پر باتیں کرتا رہا۔ اور آخر اسے یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ یہاں اس کے مجسمے محفوظ نہیں ہیں۔ اور لوگ اسے یہاں سے اڑانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ وہ میری باتیں سن کر ایک خوف زدہ بچے کی طرح کونے میں بیٹھا روتا رہا۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور

اپنے منصوبے کے مطابق اسے مشورہ دیا کہ "یہ مجسمے لوگوں سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انہیں یہاں سے اٹھا کر کسی محفوظ جگہ چھپا دیا جائے۔"

وہ یک بارگی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "ہاں، ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ میں انہیں چھپا کر رکھ دیتا ہوں۔" وہ مجسموں کی طرف بڑھا۔

"نہیں۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "انہیں یہاں چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ لوگ نہیں اور تمہارے مجسموں کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ البتہ اگر میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے میں تمہاری مدد کروں جو یہاں سے کافی دور ہو..... مثلاً نیویارک میں کوئی محفوظ جگہ ؟ ....."

"خدا کے لئے میری مدد کرو۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ انہیں کہاں لے جاکر چھپاؤں؟"

"تم کوئی فکر نہ کرو۔" میں نے اسے تسلی دی میں ایک خفیہ عجائب خانے میں انہیں چھپانے کا انتظام کرا دوں گا۔

صبح ہونے سے قبل ہمارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ مجسمے ایک سال خوردہ پک اپ ٹرک میں لدوا گئے اور انہیں ایک پھٹی پرانی ترپال سے ڈھانپ دیا گیا۔ میں نے بوڑھے سنگ تراش کو اپنا پتہ دیکر ٹرک کے ساتھ نیویارک روانہ کر دیا۔ اور خود جہاز سے واپس آیا۔

میں نے تین روز بڑی بے چینی سے گزارے میں نے اس دوران میں اپنے عجائب خانے کی ترتیب میں کچھ رد و بدل کیا اور وہ مجسمے رکھنے کے لئے جگہ بنائی ان کے لئے فرنیچر مارکیٹ سے مخمل کا ایک اعلیٰ سرخ کوچ خریدا۔ کوچ دیواری تصاویر کے قریب ایک گوشے میں بچھا دیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں میرے روز بوڑھے کی آمد کا بے قراری سے منتظر تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ مجھے یقین تھا کہ وہی بوڑھا ہوگا۔ مگر وہ ہیرولڈ تھا۔ "ہیلو اینڈریو میں کل ہی تمہیں مبارک باد پیش کرنا چاہ رہا تھا۔"

"تو تمہیں میری کامیابی کا پتہ چل گیا؟" میرے لہجے میں فخر و مسرت کی جھلک تھی۔

"نہیں، ہوا یہ کہ جب میں وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ سنگ تراش اپنے مجسموں سمیت وہاں سے غائب ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اس بار پھر تم نے مجھے شکست دے دی۔" میں اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں مسکرایا اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ بوڑھا مجسمے لیکر وہاں سے بحفاظت نکل چکا ہے

"لیکن مجھے انتہائی افسوس ہے دوست!" ہیرولڈ کی آواز پر میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "افسوس ؟ کس بات کا افسوس ؟"

"تم نے آج شام کا اخبار نہیں دیکھا ؟"

"نہیں، کیا خبر ہے اخبار میں ؟"

"یہ خبر پہلے ہی صفحہ پر ہے دوست!" ہیرولڈ نے جواب دیا۔ "بوڑھے سنگ تراش اور اس کے عریاں مجسموں کے بارے میں وہ انہیں ایک ٹرک میں کہیں لے جا رہا تھا کہ راستہ میں ایکسی ڈنٹ ہو گیا۔ اس کے عریاں مجسمے پولیس کے ہاتھ لگ گئے۔ پولیس اب وہ خوبصورت مجسمے تلف کر ڈالے گی۔"

"تلف کر ڈالے گی ؟ اوہ نہیں نہیں۔ پولیس کو ایسی حماقت نہیں کرنا چاہئے، وہ پورنو گرافی نہیں ہے میں ابھی گورنر کو فون کرتا ہوں۔

"نہیں میرے دوست اب ان باتوں سے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔"

"کیوں نہیں ہوگا ؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" میں اس پر گرجا۔ "وہ مجسمے فن کے نادر نمونے ہیں، تم سن رہے ہو؟ وہ فن ہیں فن۔ پولیس انہیں تلف نہیں کر سکتی۔ وہ میرے مجسمے ہیں۔ ... بوڑھے سنگ تراش کے مجسمے ہیں ...."

"سنگ تراش ؟" ہیرولڈ نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ارے نہیں اینڈریو! وہ پاگل بوڑھا سنگ تراش نہیں تھا، وہ تو مردہ جانوروں کی کھالوں میں بھس بھرنے کا کام کرتا تھا.... اور وہ تینوں مجسمے نہیں تھے۔"

سہمی ہوئی لڑکی

ابن صفی بی۔اے

ہال میں احمقوں کا ہجوم تھا اور اسٹیج پر ایک امریکی گلوکارہ حلق پھاڑ رہی تھی۔ ہر احمق کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات پائے جاتے تھے جیسے وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں سے پوری طرح محظوظ ہو رہا ہو۔ موسیقی کے اتار چڑھاؤ پر احمقوں کے سر اس طرح جنبش کرتے جیسے وہ ان کے ریشے ریشے میں رچی بسی ہو، آغوشِ مادر میں بھی انہوں نے دیسی لوریوں کے بجائے یہی سب کچھ سنا ہو۔

ان احمقوں میں وہ سب سے بڑا احمق بھی شامل تھا جس کی عقل ہمیشہ معدے ہی میں مقیم رہنے پر مصر رہتی تھی۔ دوسروں کو محظوظ ہوتے دیکھ کر وہ بھی محظوظ ہونے کی کوشش کرتا لیکن خالی پیٹ کی قراقر کی طرف توجہ زیادہ تھی۔ اور وہ کسی قدر اداس بھی تھا۔ اداس اس لئے تھا کہ پہلو میں "حمید بھائی" کے بجائے "گہری خانم" مقیم تھیں۔

آج کل وہ قاسم کو تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ مقصد یہی تھا کہ کیپٹن حمید کا ساتھ نہ ہونے پائے۔ اس کا خیال تھا کہ قاسم کا دماغ خراب کرنے میں پچہتر فیصدی اس کا ہاتھ ہے اور یہی بات اس نے عاصم صاحب کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اس پر عاصم صاحب نے گرجکر اپنے فرزند ارجمند کو حکم دیا تھا کہ

www.taemeernews.com

اب وہ تنہا باہر نکلا کرے۔ قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں اور کہا تھا "ارے میرے ساتھ تمہاں بندگی پھریں گی۔ میں تو دن بھر گھر سے باہر رہتا ہوں۔"

"بیوی کڑک کر بولی تھی۔ تمہاری بھلائی کے لئے میں یہ تکلیف بھی گوارا کروں گی۔"

پھر باپ کے آگے قاسم صاحب کی کہاں چلتی۔ گھری خانم تعویذ بن کر گلے میں لٹک گئی تھیں اور قاسم کا خیال تھا کہ اب وہ چوبیسوں گھنٹے سلگ سلگ کر بالآخر بھسم ہی ہو جائے گا۔

بعض اوقات جھلاہٹ میں ایسی حرکتیں کرتا جسے کوئی بھی باسلیقہ آدمی برداشت نہیں کر سکتا لیکن بیوی شاید اس پر تل گئی تھی کہ ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گی وہ اس وقت بھی سوچ رہا تھا کہ پروگرام ختم ہونے پر کھانا کسی نانبائی کی دکان پر کھائے گا۔ پھر دیکھے کیسے بیٹھتی ہیں بیگم صاحبہ میرے ساتھ سڑک کے کنارے گندگی کی بنچ پر اور کیسے کھاتی ہیں میرے ساتھ گندگی کی بنچ پر۔

خدا خدا کر کے ساڑھے نو بجے غیر ملکی موسیقی کا وہ مظاہرہ ختم ہوا۔ دونوں ہال سے باہر آئے اور قاسم نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بھوک لگی ہے۔"

"اب تم مجھے کچھ دو.....!" قاسم کی بیوی جھنجلا کر بولی "جب دیکھو تب بھوک لگی ہے۔"

"میں تو بھینس کے پائے اور تنوری روٹی کھاؤں گا۔"

"کیا کہا؟"

"وہی جو تم نے سنا۔" قاسم نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "بہادر شاہ روڈ پر فجا نانبائی کی دکان ہے۔"

"فجا نانبائی کی دکان....؟"

"ہاں ...!" قاسم غرایا۔

"اچھا گھر چلو میں منگوا دوں گی ...!"

"نہیں .... وہیں بیٹھ کر کھاؤں گا ...!"

"کیا؟" بیوی اچھل پڑی۔

"سڑک کے کنارے میزیں اور بنچیں پڑی رہتی ہیں ...!"

"اور تم سڑک کے کنارے بیٹھ کر کھاؤ گے ...!"

"تم بھی بیٹھو گی میرے ساتھ۔"

"ہوش میں تو ہو ...!"

"نہیں بے ہوش پڑا ہوں۔ تم بھی جاؤ گی۔ میں بھی جاؤں گا۔"

"میں بھی جاؤں گا ...!" بیوی نے جھلاہٹ میں منہ ٹیڑھا کر کے نقل اتاری۔

بس دیکھنا۔

گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی سڑکوں سے گزرتی رہی۔ پھر وہ علاقہ بھی نظر آیا جہاں کئی نان بائیوں کی دوکانیں تھیں۔ قاسم نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔

"تم نہیں مانو گے۔" قاسم کی بیوی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یعنی بھوکا مروں تمہارے کہنے سے۔" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

"اچھی بات ہے۔" بیوی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن اتنا تو کرو کہ گاڑی یہاں سے کچھ آگے بڑھا کر کھڑی کر دو۔"

"اچھا ... اچھا۔" قاسم نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ گاڑی کچھ دور تک رینگی اور پھر رک گئی۔

"چلو اترو ..." قاسم نے کہا۔

"میں ... دماغ تو نہیں چل گیا۔ تم جاؤ۔ میں یہیں رہوں گی۔"

"اے لو تو پھر میری نگرانی کیسے ہو گی۔" وہ جلے کٹے زنانہ انداز میں بولا۔ "اگر کسی ڈپٹی یا پتیلی نے مجھے آنکھ مار دی تو کیا ہو گا۔"

لیکن پھر بیوی کے جواب پر دھیان دینے کی بجائے دوسرے منظر میں کھو گیا۔ بائیں جانب ایک دوکان میں ایک درزی جو صورت سے تو شاعر نہیں معلوم ہوتا تھا ایک دبلی پتلی خاتون کی کمر کی پیمائش کر رہا تھا۔ وہاں سے نظر ہٹ کر سائن بورڈ پر ٹھہری۔

"منصور اینڈ سنز ہیڈ ٹیلرس"

"کیا بات ہے ...! قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ سوچ رہا تھا۔ الا قسم یہ بے زور دار دھندہ۔ کیا شکل ہے۔ بیس ہی سالوں کے۔"

www.taemeernews.com

"اب کیا سوچ رہے ہو!" دفعتاً بیوی جھنجلائی "۔ یا تو اترو یا گھر چلو۔"

"اچھا — اچھا!" قاسم جلدی سے سرہلا کر بولا۔

انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

"تو یہ سب کچھ میری جان جلانے کے لئے تھا!" بیوی بولی۔

"ارے نہیں۔ ہی ہی ہی ہی۔ وہ تو مذاق تھا۔"

"مذاق بھی کر لیتے ہو!" بیوی نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں وہ تو میں بہت بڑا بڑا کر لیتا ہوں۔۔۔ اور ہاں دیکھو اب میں کل سے گھر سے باہر نہیں نکلوں گا۔"

"خیریت۔۔۔ اچانک یہ تبدیلی کیوں؟"

"کچھ نہیں۔ بس یوں ہی۔ اب میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تم تو بہت اچھی ہو۔"

"اللہ خیر کرے۔ کوئی نئی سوجھی کیا؟"

"ارے نہیں — وہ تو۔۔۔ وہ تو۔۔۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ اب مجھے کچھ کرنا چاہئے۔۔۔ کچھ سیکھنا چاہئے۔"

"یعنی گھر ہی میں رہ کر۔!" بیوی نے خوش ہو کر پوچھا۔

"اور کیا۔۔۔ شریف آدمی کا بچہ ہوں!" قاسم کے لہجے میں اکڑن تھی۔

"بھلا کیا سیکھو گے —!"

"تم مجھے کپڑا کاٹنا سکھا دو۔" قاسم گھگھیایا اور بیوی ہنسی کے مارے دوہری ہو گئی۔

ہنستی ہی رہی آخر قاسم جھنجلا گیا۔

"ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ نئی سوجھی کیسے؟"

"شوق ہے اپنا اپنا۔" قاسم نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

"پہلے تو نہیں تھا۔ یہ اچانک کیوں؟"

"اب خاموش رہو!" وہ غرایا۔

گھر آکر بھی وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ جب بے چینی بہت بڑھی تو ڈرائنگ روم میں آکر فون پر کرنل فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر کیپٹن حمید سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بھی شاید گھر ہی میں موجود تھا۔

"اوہ — اچھا آپ ہیں!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ابے دکھائی کیوں نہیں دیتے آج کل؟"

"بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں حمید بھائی۔"

"کوئی نئی محبت —!"

"ہائے ایسا کہاں ہے مقدر۔"

"پھر کیا مصیبت ہے —!"

"وہی تمہاری آپا جان۔۔۔ نن نہیں صرف آپا — آپا۔"

"جان نہیں —؟" دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

قاسم کا چہرہ بگڑ گیا اور اس نے حلق کے بل کہا "نہیں —!"

"خیر چلو — اس وقت بور کرنے کا مقصد!"

"ایک نئی ترتیب —"

"کاہے کی ترکیب۔"

"ہم تم دونوں مل کر درزی کی دکان کرلیں۔"

قاسم نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کرنے کی آواز آئی۔

"بند کر دیا سالے نے۔" وہ پُر تشویش لہجے میں بڑبڑایا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پھر نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"ابے پاگل تو نہیں ہو گیا۔" دوسری طرف سے حمید بولا۔

"اس میں تو کھفا ہونے کی کیا بات ہے۔" قاسم نے گھگھیا کر کہا۔ "پوری بات تو سن لو کوئی فون میں گھس کر تم پر چڑھ تو نہیں بیٹھوں گا۔"

"بکو جلدی سے۔"

حمید ریسیور رکھ کر ہنستا ہوا مڑا۔ دروازے میں

www.taemeernews.com

فریدی کھڑا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"غالباً اب یہ بالکل ہی پاگل ہو جائے گا" حمید بولا۔
"کیا کہہ رہا تھا؟"
"شرکت میں درزی کی دوکان کرلو ۔۔۔ لیڈیز ٹیلرنگ شاپ ۔ کہتا ہے میں نے بیوی کو راضی کرلیا ہے وہ کل سے مجھے کپڑا کاٹنا سکھائے گی۔"
"پھر کیا خیال ہے تمہارا؟"
حمید اس کے لہجے کی سنجیدگی پر چونک پڑا۔ آنکھیں پھاڑ کر نیچے سے اوپر تک جائزہ لینے کے بعد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی بولا۔ "ٹھیک کرلو۔۔۔ سے اتفاق ہی کرنا چاہیے کہ قاسم نے بھی تمہارے لئے وہی سوچا جو میں سوچ رہا تھا۔"
"اوہ تو کیا اب آپ کی شرکت میں دوکان رکھنی پڑے گی۔" حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"نہیں تنہا! ویسے قاسم کو بھی شریک کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس طرح تمہارا جی بھی بہلتا رہیگا"
حمید نے سوچا آج بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہے ہیں حضرت ۔ کیا قصہ ہے؟ وہ لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی بولا۔ "ٹھہرو ۔۔۔! تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں!"
حمید نے اس کی طرف مڑ کر طویل سانس لی اور ہونٹ بھینچ لیے۔
"دوکان ویل فرنشڈ ہے۔ چار عدد پاور مشینیں ہیں اور بھی جو لوازمات ہوتے ہیں سبھی موجود ملیں گے۔"
حمید نے ایک بار پھر اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا
فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی لیکن اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت سنجیدہ نہیں ہے
"یعنی ۔۔۔ یعنی ۔۔۔ کہ آپ ۔۔۔"
"ہاں عزیزالقدر ۔۔۔ میں سنجیدہ ہوں۔"
"اور اس گھٹیا کام کی نگرانی میرے ذمے ہوگی"
"تم سے زیادہ قابل اعتماد آدمی کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔" فریدی پھر مسکرایا۔
"عزت افزائی کا شکریہ۔" حمید حلق کے بل کراہا۔

"کیوں کیا بات ہے؟ کیا تم کچھ بیمار ہو ۔۔۔ میں تو سمجھا کہ تمہارے مذاق کی چیز ہے۔"
"یعنی میں خواتین کا ٹیلر ماسٹر بن بیٹھوں گا۔"
فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔
"اور یہ میرے مذاق کی چیز ہے۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"قاسم حکیم ہے لیکن عقل نہیں رکھتا! تم خود ہو لیکن عقلمندی کے ساتھ! اس کے علاوہ اور کیا فرق ہے تم دونوں میں۔"
"۔۔۔!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر پوچھا۔ "اور کچھ؟"
"کل تمہیں کاریگروں کا انٹرویو لینا ہے۔ وہیں دوکان پر۔ کارخانہ حال ہی میں قائم ہوا ہے۔ چار آدمی تو مشینوں پر کام کرنے کے لئے ہوں گے۔ دو آدمی کٹنگ کے لئے دو بازار دیکھنے والے اور منیجر ۔۔۔ صرف زنانہ ملبوسات کا کارخانہ۔ آج کے سارے بڑے اخبارات میں اشتہار آئے ہیں۔"
"میں نہیں سمجھ سکتا۔"
"کیا نہیں سمجھ سکتے؟"
اگر یہ اسکیم کسی قسم کی تفتیش سے تعلق رکھتی ہے تو اچانک آج ہی یہ بم مجھ پر کیوں پھٹا۔ یعنی کل ہی مجھے انٹرویو لینا ہے۔ دو دن پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔ کل اتوار ہے اگر میرے کچھ اینگیجمنٹس ہوئے تو ۔۔۔!"
"کوئی اینگیجمنٹ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں۔"
"آپ یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"
"مجھے علم ہے تمہارے بارے میں کیا نہیں جانتا"
"میں کل دن بھر شہر سے باہر رہوں گا۔"
اس کا فیصلہ تم نے ابھی اور اسی وقت کیا ہے۔ پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا۔"
کچھ بھی سہی میں تو ۔۔۔؟"
"کل اتوار ہی سہی لیکن تم ڈیوٹی پر ہو۔"
اسے خدائے لم یزل۔" حمید چھت کی طرف ہاتھ

www.taemeernews.com

پھر ہوا۔" اسے ان کی ڈیوٹی بھی انہیں لگوا دی دسے رہ روزوں تک کے جوڑے لگائے ہیں تو نے عمران کی بار بجو ویرانی کر دی۔"

"کل ٹھیک گیارہ بجے..... مارسٹن روڈ شاپ نمبر گیارہ۔" فریدی دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

وہ جا چکا تھا اور حمید سر تھامے بیٹھا سوچ رہا تھا نہ آیا اسی شکل و صورت میں اسے یہ نامعقول ڈیوٹی انجام دینی پڑے گی۔

کئی ماہ سے کوئی خاص کام حصے میں نہیں آیا تھا اس نے سوچا شاید اب اس کی کسر نکلنے والی ہے۔

لیکن یہ درزی خانے کی کیوں سوجھی۔ اس کی دانست میں تو اس دوران میں سرے سے کوئی ایسا کیس آیا ہی نہیں تھا جس کے لئے اس قسم کے کھڑاگ کرنے پڑتے۔

وہاں سے اٹھ کر لائبریری میں آیا۔ آج کے کئی اخبار میز پر پڑے ہوئے تھے۔

"ضرورت ہے" کے کالموں پر نظر دوڑانی شروع کی اور بالآخر وہ اشتہار مل ہی گیا۔ انداز کہہ رہا تھا کہ کئی دن سے شائع ہو رہا ہے۔

ٹپ ٹاپ لیڈیز ٹیلرس کو کچھ کاریگروں اور ورکرز کی ضرورت تھی پتہ وہی تھا جو کچھ دیر قبل فریدی نے بتایا تھا شاپ نمبر گیارہ، مارسٹن روڈ۔

"بھنگی بھی بننا پڑے گا کسی روز.....!" حمید بڑبڑاتا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔

بہرحال یہ رات تو میری ہی ہے اس نے سوچا۔ اوہ ..... قاسم..... کیوں نہ اسے بھی اسی راہ پر لگایا جائے۔ وقت اچھا گزرے گا!

کچھ دیر بعد وہ فون پر قاسم کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا دوسری طرف سے اسی کی آواز سن لینے کے بعد اس نے کہا۔ "اب تمہیں اپنی دوکان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ اخبارات کے وانٹ والے کالم میں دیکھو۔ مارسٹن روڈ کی شاپ نمبر گیارہ میں ٹپ ٹاپ ٹیلرز ہیں۔ انہیں کاریگروں کی ضرورت ہے کل گیارہ بجے وہ انٹرویو لیں گے عرضی لے کر چلے جانا!"

"مگر..... ابھی تو مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ یعنی کے کپڑا کاٹنا وغیرہ۔"

"رہنے دو نرے گھامڑ ہی۔ ابے ساری رات پڑی ہے۔ بیوی سے سیکھ لے۔ فی الحال جمپر اور شلوار کافی ہوں گے"

"اچھا..... اچھا..... مگر..... میں تو قرآن فرودن غائب ہیے ..... مطلب یہ کہ ابا جان۔"

"بھیس بدل دیا جائے گا۔ بس کل صبح ہی صبح کسی طرح نکل بھاگو.....!" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

"میں کہتی ہوں تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔" قاسم کی بیوی جھنجھلائی۔

"بس شلوار کاٹنا اور سکھا دو۔"

"تین بج رہے ہیں..... گھڑی کی طرف بھی دیکھو۔"

"بب..... بس..... جلدی سے سیکھ لوں گا۔ ٹانگیں ہی ٹانگیں تو ہوتی ہیں اس میں.....!"

"میں کہتی ہوں تمہیں یہ سوجھی کیسے.....؟"

"پھر وقت کیسے کٹے غا سالا۔"

"تو یہ وقت کاٹنے کے لئے رت جگا ہو رہا ہے؟"

"غاں..... غاں....."

"ایسی کی تیسی..... میں تو سونے جا رہی ہوں۔"

"کس کی ایسی کی تیسی۔ میری؟" قاسم نے غرا کر پوچھا

"سب کی ایسی کی تیسی۔" قاسم کی بیوی نے نیند کی جھونک میں کہا۔

"یعنی ابا جان کی بھی۔"

"ہاں.....!" نیم غنودہ ذہن کا جواب تھا۔

قاسم نے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی۔

"کیوں دھاڑے مار رہے ہو۔" وہ غصیلی آواز میں بولی

"ابا جان..... ہا ہا ہا..... ہی ہی ہی....."

"کہاں..... کدھر.....؟" وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

قاسم ہنستا ہی رہا۔ اور وہ جھلا کر کمرے سے چلی گئی۔

"یہ تو چھپنے والی بات ہے۔" قاسم اپنی ہنسی روک

پھر اس نے اس کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اس کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے لیکن پھر یک بیک آنکھیں چمک اٹھیں۔

"وہ مارا..... قاسم بن گیا۔" وہ دیدے چمکا چمکا کر بڑبڑاتا رہا۔ "اتنی دیر جاگی ہے۔ اب دس بجے سے پہلے نہیں اٹھ سکے گی۔ بس منہ اندھیرے نکل بھاگوں گا۔ پتہ بھی نہ چلے گا چچا تی بیگم تو!"

اور یہی ہوا بھی۔ وہ اپنے چٹکیاں لے لے کر جاگتا رہا تھا۔ ساڑھے پانچ بجے چپ چاپ کوٹھی سے نکلا اور کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی پکڑ لی۔ پھر یہ اور بات ہے کہ ڈرائیور کو فریدی کی کوٹھی کا پتہ بتا کر پچھلی سیٹ پر خراٹے لینے لگا ہو۔ اب تو ذہن پر قابو ہی نہیں رہ گیا تھا۔

ٹیکسی کا انجن راستے بھر اتنا زیادہ شور مچاتا آیا تھا کہ قاسم کے خراٹے ڈرائیور کے کانوں میں نہیں پڑے تھے۔ لہٰذا فریدی کی کوٹھی کے قریب پہنچ کر جب اس نے ٹیکسی روکی تو بری طرح بوکھلا گیا۔ قاسم ہی کی طرح اس کے خراٹے بھی عجیب تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دو کتے ایک دوسرے پر جھپٹ پڑنے سے پہلے غرا رہے ہوں۔ ٹیکسی باہر ہی اس لئے روکنی پڑی تھی کہ پھاٹک بند تھا۔

"صاحب — صاحب!" اس نے قاسم کو آواز دی لیکن قاسم کو ہوش کہاں پوری رات جاگتے رہنے کے بعد سویا تھا۔ نیند بھی بے ہوشی ہی کی طرح طاری ہوئی تھی لہٰذا وہ غل غپاڑے کو کب خاطر میں لاتی۔ ڈرائیور نے کئی بار آوازیں دیں۔ لیکن صرف خراٹے سنتا رہا۔ آخر اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے جھنجھوڑنا شروع کیا۔

ایک بار خراٹے رک گئے۔ قاسم نے منہ چلاتے ہوئے "غاؤں غاؤں" کی اور پھر خراٹے شروع کر دیئے۔

"کیا مصیبت ہے!" ڈرائیور بے بسی سے بڑبڑایا اور پھر سے جھنجھوڑنے لگا لیکن نتیجہ معلوم — صرف اتنا ہوتا کہ چند لمحوں کے لئے خراٹے رک جاتے اور "غاؤں غاؤں" شروع ہو جاتی۔ ہاتھ پیر اس طرح ہلتے جیسے کوئی ضدی بچہ کسی بات پر جھیل کر مچل رہا ہو۔

جب ٹیکسی ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے زور زور سے ہارن بجانا شروع کر دیا لیکن قاسم کی نیند نہ ٹوٹی ویسے ڈرائیور نے تو یہ کارروائی اس لئے کی تھی کہ کوٹھی والے اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

فریدی لان پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ ہارن کی مسلسل آوازیں سن کر پھاٹک کے قریب آیا۔ اب کسی قدر اجالا پھیل گیا تھا۔

ڈرائیور نے فریدی سے کہا "صاحب یہ یہاں آئے تھے اب سو گئے ہیں تو اٹھتے ہی نہیں کسی طرح۔"

"یہاں آئے تھے؟"

"جی ہاں۔ یہیں کا پتہ بتایا تھا۔"

فریدی پھاٹک کھول کر باہر آیا۔ قاسم پر نظر پڑتے ہی طویل سانس لے کر بولا۔ "اندر سے چلو گاڑی۔"

حمید شاید ابھی تک سو ہی رہا تھا۔ گاڑی کمپاؤنڈ سے گزر کر پورچ میں آ رکی۔

فریدی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے تو قاسم کو جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش کی پھر بائیں کان کے نیچے انگوٹھے سے دبا ڈالا۔

"ارے باپ رے!" یک بیک قاسم دھاڑ کر سیدھا ہو بیٹھا اور پھر عجیب طرح کی آوازیں اس کے حلق سے نکلنے لگیں جن میں خوفزدگی اور بوکھلاہٹ دونوں ہی شامل تھیں فریدی نے اس کی پیشانی پر تھپکی دی اور وہ پوری طرح ہوش میں آ گیا۔

"ج..... جی..... غوپ..... ہی ہی ہی۔"

"کیا بات ہے؟"

"میں سو گیا تھا شاید۔"

"تو اب نیچے اتر آؤ!"

"ج — جی ہاں..... غاں!"

قاسم نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا۔ ذہن اب پوری طرح جاگ اٹھا تھا اور قاسم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس وقت آنے اور اس طرح ٹیکسی میں

www.taemeernews.com

[illegible] ہے ۔

"سب خیریت ہے !" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"جی کیریت و بریت کہاں ۔" قاسم نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ "بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں ۔ !"

"کیسی مصیبت ؟"

"بُرے بُرے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ رات بھر نیند نہیں آئی ۔"

"خوب ۔! بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں"

"آپ ۔ میرے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ہی ہی ہی ہی ۔ ۔ ۔ ۔ کیا بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔"

"بہرحال آئے تو کسی مقصد ہی کے تحت ہوگے !"

"جی غاں ۔ ۔ ۔ وہ حمید بھائی ۔ !"

"اوہ تو ان خوابوں کا تعلق اسی سے ہے !"

"جی غاں ۔ غاب ۔ نن نہیں ۔ !"

"وہ ابھی سو رہا ہے ۔"

"میں انتظار کروں غا ۔"

"کیا اس نے تمہیں بلایا تھا !"

"جی ہاں ۔ جی ہاں ۔ !"

"کیوں ؟"

"پپ پتہ نہیں ۔ ۔ ۔ جی ہاں ۔ ۔ ۔ ب بالکل پتہ نہیں"

"تو اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو ؟"

"قق ۔ ۔ ۔ قید خانے سے نکل بھاغا ہوں ۔" قاسم نے جلدی سے کہا۔ پھر سنبھل کر زیر لب بڑبڑایا۔ "ارے باپ رے یہ کیا کہہ دیا ۔"

"ہوں ۔ !"

"جی کچھ نہیں ۔"

"کس قید خانے سے نکل بھاگے ہو ؟"

"مجھے بہت زور سے نیند لگ رہی ہے ، یاد نہیں کہ ابھی میں نے کیا کہا تھا ۔"

"کیا تمہارے ڈراؤنے خوابوں کی تعبیر حمید ہی بتا سکے گا ۔"

"جی ہاں ۔ جی ہاں !"

"اور یہ کس قید خانے کا تذکرہ کیا تھا !"

"پتہ نہیں ۔" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ "مجھے یاد نہیں"

"میرا خیال ہے آج شاید اس سے تمہاری ملاقات نہ ہو سکے ۔ وہ بہت مشغول رہے گا ۔"

"تو پھر بلایا کیوں تھا ؟" قاسم جھنجھلا گیا۔

"ہوں اچھا ۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم بھی کچھ دیر سو لو ۔"

"الاّ قسم ۔ میرا بھی یہی جی چاہتا ہے !"

"تو آؤ میرے ساتھ !" فریدی نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

عرفان کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ ابھی سورج ، طلوع نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے اس پار دور تک بکھرے ہوئے سرسبز درخت کہر کی ہلکی سی چادر میں لپٹے ہوئے تھے سڑک سنسان پڑی تھی اور یہ چھوٹی سی عمارت جس کی کھڑکی سے عرفان باہر دیکھ رہا تھا اس ویرانے میں بڑی عجیب سی لگ رہی تھی دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہیں تھا یہ عمارت دوسری جنگ عظیم کے دوران میں بنائی گئی تھی ۔ اس سڑک سے فوجی گاڑیوں کے قافلے گزر کر اندرون ملک میں جاتے تھے اور ہر پچاس میل پر ایسی ایک عمارت ضرور ملتی تھی ۔

بعد میں ان میں سے کچھ تو منہدم ہو گئی تھیں اور کچھ محکمہ جنگلات کے کام آئی تھیں لیکن یہ عمارت عرفان نے بڑی کوششوں کے بعد خریدی تھی ۔ وہ ایک کمرشل آرٹسٹ تھا۔ جب شہر کے ہنگاموں سے اکتا جاتا تو ادھر ہی کا رخ کرتا۔ شہر میں اس کا اچھا خاصہ کاروبار تھا۔ تجارتی حلقوں میں اس کا کام بہت مقبول تھا۔

جنگل کے دوران قیام میں وہ خالص آرٹ کے نکتہ نظر سے پینٹنگ بھی کیا کرتا تھا اور یہ پینٹنگس یا تو اس کے ڈرائنگ روم کی زینت بنتیں یا مخصوص دوستوں میں تقسیم ہو جاتیں ۔ وہ انہیں فروخت نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ وہ تخلیقات جو کسی جذباتی لگاؤ کا نتیجہ ہوں ۔ ترازو میں نہیں تل سکتیں ۔ ان کی اصل قیمت ذوق سلیم ہوتا ہے ۔

www.taemeernews.com

ان دنوں بھی وہ تجارتی کاموں سے معطل یہاں اس ویرانے میں آپڑا تھا اور کینوس میں ایک اچھوتے خیال کو رنگوں میں منعکس کرنے کی کوششیں جاری تھیں۔

وہ ایک خوش شکل اور خوش لباس آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ چند اصولوں کے تحت زندگی بسر کرنے کا قائل تھا اپنے دوسرے ہم پیشہ لوگوں کی طرح لاابالی پن کا شکار نہیں تھا۔

تجارتی کاموں سے اتنا کما لیتا تھا کہ اس کے متعلقین اطمینان اور آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔

شہر سے یہاں تک وہ اپنی چھوٹی سی اسٹیشن ویگن میں آتا تھا اور جتنے دن قیام کرنے کا ارادہ ہوتا اسی کی مناسبت سے ضروریات زندگی بھی اس کے ساتھ ہوتیں روز مرہ کے کام بھی خود ہی انجام دیتا تھا۔ اگر اس کے لئے کسی مددگار کو بھی ساتھ لاتا تو تنہائی کیسے برقرار رہتی — تنہائی — جو اس کے منفرد تخلیقی کارناموں کی خالق تھی۔ تنہائی — جو اس کی تفریح بھی تھی اور آرام جاں بھی۔

حسب معمول وہ آج بھی طلوع آفتاب سے پہلے ہی بیدار ہوا تھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر اب اسٹوو پر چائے کے لئے پانی رکھنے جا رہا تھا۔

دفعتاً اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے کے باہر صحن میں کوئی وزنی چیز کافی بلندی سے گری ہو وہ چونکا ہی تھا کہ اب پہلی آواز سے ویسی ہی کسی قدر ہلکی آواز سنائی دی۔

وہ تیزی سے صحن میں آیا اور اس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑ کر رہ گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وسط صحن میں چمڑے کا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس پڑا نظر آیا۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کاسنی رنگ کا ایک لیڈیز کوٹ بھی پڑا تھا۔

اس کی نظر سامنے والی دیوار کی طرف اٹھ گئی جس کے عقب سے ایک نسوانی سر ابھر کر آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔

عرفان کے ہونٹ کھل گئے لیکن آواز نہ نکلی۔ یہ کوئی عورت تھی دھندلکے میں چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا پتہ نہیں اس نے بھی عرفان کو دیکھ لیا تھا۔

پھر دیوار کے اوپر پہنچ کر اس نے صحن میں چھلانگ لگا دی۔ دیوار کم از کم تیرہ فٹ ضرور اونچی رہی ہوگی۔

وہ اس طرح صحن میں آگری تھی کہ خود سے اٹھنا محال ہی معلوم ہو رہا تھا۔ عرفان اس کی طرف جھپٹا۔

لیکن قریب تر پہنچتے۔ چھلانگ لگانے والی کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

عرفان نے جھک کر دیکھا۔ سانس کی رفتار نارمل تھی

"بیہوش ہو گئی۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

نبض دیکھی، وہ بھی معمول کے مطابق چل رہی تھی۔

بالآخر وہ اسے کمرے میں اٹھا لایا۔ کمرے میں ابھی تک کیروسین لیمپ روشن تھا۔

اب وہ اس کے خد و خال واضح طور پر دیکھ سکا رنگت سے یورپین معلوم ہوتی تھی۔ بال سرخی مائل بھورے تھے۔ جسم متناسب۔ عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس یا پچیس سال رہی ہوگی۔ جسم پر اسکرٹ اور بلاؤز تھے۔ پیروں میں اسٹاکنگس ضرور تھے لیکن جوتے ندارد۔

عرفان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح ہوش میں لائے۔ پتہ نہیں کہاں چوٹ آئی ہو۔ ہڈیوں کو گزند پہنچنے کا احتمال تھا۔ دیوار کافی بلند تھی۔

کچھ دیر بعد وہ .... کسمائی۔ زبان بھی ہلی تھی اور آواز نے ایک بامعنی لفظ کی تکرار کی تھی۔

"زنجیر — زنجیر —"

اور پھر سکوت طاری ہو گیا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے متحرک تھے لیکن وہ کھلی نہیں تھیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے وہ گہری نیند میں بڑبڑا کر پھر خاموش ہو گئی ہو۔

عرفان دم بخود کھڑا رہا۔

وہ صورت سے یورپین لگ رہی تھی لیکن لفظ "زنجیر" کی تکرار اردو ہی میں ہوئی تھی۔ لہجہ بھی دیسیوں ہی جیسا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ پوری طرح ہوش میں آگئی بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا اور کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"میں .... کک .... کہاں ہوں؟"

"آپ — آپ —!" عرفان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے

www.taemeernews.com

کیا بتائے۔

"اوہ ـــ خدا کے لئے مجھے بچائیے۔" وہ کہتی ہوئی اچھل کر پلنگ سے اتر آئی۔ "مجھے کہیں چھپائیے۔ وہ پھر یہاں ضرور آئے گا۔"

"کون....؟"

"مجھے چھپائیے۔ میں پھر بتا دوں گی۔ یہ جگہ اس کی نظر سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔"

"تم ـــ میں کہاں چھپاؤں؟"

"میرا ہینڈ بیگ.... میرے جوتے ـــ میرا کوٹ۔"

"وہ سب وہیں صحن میں پڑے ہوئے ہیں۔" عرفان نے کہا۔

"انہیں بھی چھپائیے۔ مجھے بھی چھپائیے۔ جلدی سے کچھ کیجئے۔ ورنہ آپ کو بعد میں افسوس ہوگا۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"کون؟"

"خدا کے لئے وقت نہ ضائع کیجئے۔ رحم کیجئے میرے حال پر۔"

"یہاں.... یہی دو کمرے ہیں اور ایک کوٹھری۔"

"مجھے اس میں مقفل کر دیجئے۔ جلدی کیجئے۔ صحن کدھر ہے میری چیزوں کو بھی اس کی نظر میں نہ آنا چاہئے۔"

عرفان اسے صحن میں لایا اور وہ مضطربانہ انداز میں اپنی چیزیں سمیٹنے لگی کوٹ اٹھاتے ہی اس میں لپٹے ہوئے بغیر ایڑیوں والے سپاٹ جوتے نکل کر فرش پر آ رہے وہ انہیں اٹھانے کے لئے پھر جھکی۔

"ٹھہریئے! میں اٹھائے لیتا ہوں۔" عرفان بولا۔

کچھ دیر بعد وہ اس چھوٹی سی کوٹھری میں بند کی جا رہی تھی جس کا مصرف ہی آج تک عرفان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

کنڈی چڑھا کر عرفان نے اس میں قفل لگا دیا۔

اس کی حیرت ابھی تک برقرار تھی۔ اس سنسان جنگل میں اس لڑکی کا کیا کام۔ یوریشین معلوم ہوتی تھی لیکن اردو کسی اہل زبان کی طرح بولتی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس پوری گفتگو کے دوران میں انگریزی کا ایک لفظ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلا اور پھر بیہوشی کے عالم میں بھی اردو ہی کے الفاظ زبان سے ادا ہونے کا مطلب یہی تھا کہ وہ بیداری کی حالت میں سرے سے انگریزی بولتی ہی نہیں ورنہ اپنے یہاں کے دوغلی نسل والے سفید فاموں کی ثانوی زبان تو اردو ہو سکتی لیکن روزانہ زندگی میں وہ انگریزی ہی بولتے ہیں۔

ابھی وہ اسی الجھن میں تھا کہ کوئی باہر سے دروازہ پیٹنے لگا۔

"یہاں کون ہے ـــ دروازہ کھولو ـــ" ایک گونجیلی اور بھاری آواز بھی آئی۔

عرفان کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہوگئی۔

"کون ہے؟" خود اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"میں ہے ـــ دروازہ کھولو۔" وہی آواز پھر آئی۔

عرفان کمرے سے گزر کر صدر دروازے تک آیا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کنڈی کھول دی۔

کوئی دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر گھس آیا۔ اگر عرفان اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو پیشانی زخمی ہو جاتی۔

"یہ کیا نوعیت ہے۔" اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"یہاں کوئی لڑکی آئی ہے۔" آنے والے نے غرا کر پوچھا

"کیسی لڑکی ـــ تم کون ہو اور اس طرح ـــ"

"خاموش رہو۔ صرف میری بات کا جواب دو۔" آنے والے نے کہا۔

عرفان نے سر سے پیر تک دیکھا۔ خاصے تن و توش کا آدمی تھا جبڑے بھاری تھے اور پیشانی کی وریدیں ابھری ہوئی تھیں۔

"کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم اس طرح یہاں کیوں گھس آئے؟" عرفان نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کر کے کہا۔ وہ خائف نہیں تھا۔

"میں پوچھ رہا ہوں یہاں کوئی لڑکی آئی ہے؟"

"نہیں ـــ یہاں میں تنہا رہتا ہوں۔"

"میں خود دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو۔" وہ آگے بڑھ کر کمرے کے دروازے کے درمیان حائل ہوتا ہوا بولا۔ "میں جنگل میں ضرور مقیم ہوں لیکن جنگل کے قانون کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔"

www.taemeernews.com

"ٹھہرو ۔۔۔!" اجنبی یک بیک پیچھے ہٹ گیا۔ کہنے ہونے کا پہلے تو اس کے چہرے پر کرختگی نظر آتی رہی پھر آہستہ آہستہ وہ کرختگی ایک بھی سی مسکراہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ دہانہ آدھے گالوں تک پھیل گیا تھا۔ اور دانت نظر آنے لگے تھے۔ عرفان فیصلہ نہ کر پایا کہ یہ مسکراہٹ تھی یا کسی کٹکھنے کتے نے دانت نکالے تھے۔

"میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔" اس بار اجنبی نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

"سنئے جناب۔" عرفان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں شہر سے یہاں ہمیشہ تنہا آتا ہوں اور اس قسم کا آرٹسٹ نہیں ہوں۔ جیسے عام طور پر ہوتے ہیں۔ مجھے لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"اوہ ۔۔۔ تو تم آرٹسٹ ہو۔"

عرفان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

"میرا مطلب تھا کہ یہیں پر تک ۔۔۔۔ کوئی لڑکی تو نہیں آئی ۔۔۔!"

"یہاں پھاٹک۔" عرفان نے لہجے میں تحیر پیدا کر کے کہا۔ "اس جنگل میں۔"

"ہاں ۔۔۔ یہاں ۔۔۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک ریلوے لائن بھی گزرتی ہے"

"میں نہیں جانتا۔" عرفان بولا۔

"وہ دراصل ۔۔۔ بہت بڑی مالیت کے زیورات لے کر بھاگی ۔۔۔ بذریعہ ریلوے ٹرین ادھر آئی تھی۔ ایک دیہاتی اسٹیشن پر اترنے کی خبر ملی تھی۔ خیال ہے کہ اس نے انہیں جنگلوں میں پناہ لی ہے۔"

"اوہ ۔۔۔۔ آئیے ۔۔۔۔ بیٹھئے۔" عرفان نے کمرے میں دائیں موڑھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "مجھے افسوس ہے اگر آپ پہلے ہی بتا دیتے تو۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ اس لڑکی کی وجہ سے ہمیں بہت پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں ۔۔۔۔ اس لئے ۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے ۔۔۔ ٹھیک ہے۔" عرفان سر ہلا کر بولا۔ "غلط فہمیاں بعض اوقات بڑی پریشانیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ آپ غلط سمجھتے ہیں۔ وہ گھریلو ملازمہ نہیں۔ ایک

خوش شکل اور جوان سال پوزیشن ہے۔"

"نہیں ۔۔۔!" اس بار عرفان نے بہت زیادہ حیرت ظاہر کی۔

"دراصل ہماری فرم زیورات کی تجارت کرتی ہے۔ یہ لڑکی ہمارے شو روم میں سیلز گرل تھی اور جواہرات کا کاؤنٹر اس کے سپرد تھا۔ لاکھوں کی مالیت کے جواہرات لے اڑی ہے۔"

"اوہ ۔۔۔" عرفان سوچ میں پڑ گیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس آدمی نے کہا۔ "اس ویرانے میں اس عمارت کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں وہ پناہ لے سکے! ہو سکتا ہے بھوک اور پیاس اسے ادھر آنے پر مجبور کریں۔"

"ممکن ہے ۔۔۔ ممکن ہے!" عرفان مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تو پھر مجھے یہیں ٹھہرنا چاہیے اور اس طرح کہ اسے علم نہ ہونے پائے اور یہ عمارت اس کے لیے چوہے دان بن جائے۔"

"جی ۔۔۔ اس ۔۔۔ کیا مطلب ۔۔۔!"

"ایک چور کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے میرے ہاتھ بٹائیے۔"

"یعنی ۔۔۔ یعنی ۔۔۔ کہ آپ یہاں قیام کریں گے۔"

"ہاں ۔۔۔ کیا حرج ہے! میں آپ کے مشاغل میں حارج نہیں ہوں گا۔ ویسے مجھے بھی مصوری سے لگاؤ ہے!"

"ٹھیک ہے لیکن کیا اسے کچھ اور آدمی بھی تلاش کر رہے ہیں۔"

"نہیں صرف میں ہی۔"

"تب تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ادھر ہی کا رخ کرے ممکن ہے کسی اور طرف نکل جائے۔ اگر دو چار لوگ بھی اس جنگل کی نگرانی کر رہے ہوتے تب تو آپ کا یہاں قیام کرنا یقیناً مفید ثابت ہوتا۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو سمجھے! میں چاہتا تھا کہ مجھے سختی نہ کرنی پڑے لیکن اگر تم مجھے اسی پر مجبور کرتے رہے تو ۔۔۔۔"

"اوہ ۔۔۔ یہ بات ہے!" عرفان اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اجنبی غرایا اور عرفان اس کے ہاتھ

www.taemeernews.com

سیاہ رنگ کا ریلوالور دیکھ رہا تھا جس کا رخ اسی کی طرف تھا

حمید نے آئینے میں شکل دیکھی اور پائپ کا کش لے کر مخصوص انداز میں ہونٹوں سے دھواں نکالتا رہا۔ اسے اپنی نئی فرنچ کٹ ڈاڑھی گراں نہیں گزر رہی تھی۔ باریک ترشی ہوئی مونچھیں بھی کسی قدر آرٹسٹک ہی تھیں۔ آنکھوں پر ریم لیس فریم والی عینک۔ یہ میک اپ اس نے خود ہی کیا تھا۔

کارخانہ بہرحال جم گیا تھا۔ کچھ لڑکیاں بھی آئی تھیں انٹرویو کے لیے۔ حمید کو اس سلسلے میں فریدی سے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ کاریگروں کے انتخاب میں کسی خاص صنف کا خیال رکھا جائے۔ لہٰذا اس چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بھی مرد کاریگر کا انتخاب نہیں کیا تھا۔

ایک لڑکی تو اسے اتنی اچھی لگی تھی کہ لڑ بھڑ کر اس کا انتخاب تو یقیناً کرتا۔ کٹنگ کے لیے ایک معمر اور بہت تجربہ کار عورت رکھی گئی تھی۔

کارخانہ تو قائم ہو گیا تھا لیکن سوال تھا کام کا۔ فوراً ہی کام بھی کہاں سے ٹپک پڑتا۔

اس وقت حمید بحیثیت منیجر لڑکیوں کو کچھ ہدایات دیتے دیتے خاموش ہو گیا تھا۔ پائپ کو راکھ دان میں خالی کرکے تازہ تمباکو بھرتے ہوئے سوچا تھا۔ کاش قاسم کو بھی اس دھندے میں شامل کرنے کی اجازت ملی ہوتی۔

وہ بیچارا اسی کے لیے رات بھر جاگتا رہا تھا۔ لباس تراشی کی مشق بہم پہنچائی تھی اور منہ اندھیرے اس کے پاس دوڑا آیا تھا لیکن فریدی نے اسے اپنی خواب گاہ میں سلا کر اس کی بیوی کو فون کر دیا تھا کہ وہ وہاں سو رہا ہے لیکن جب تک نیند پوری نہ کرے اسے جگایا نہ جا سکے گا۔

حمید کو گیارہ بجے ٹیلرنگ ہاؤس میں کاریگروں کا انٹرویو لینا تھا اس لیے اسے اس کے بیدار ہونے سے پہلے ہی چلا جانا پڑا تھا۔

اب اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں سے قاسم ہاتھ لگے تو جی بھی بہلے ورنہ یہ ٹیلرنگ شاپ تو اس کی زندگی تباہ کرکے رکھ دے گی ۔۔۔! لڑکیاں سیدھی سادھی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ جو زیادہ پسند آئی تھی اپنے رویے میں کسی قدر شوخی کی جھلکیاں ضرور رکھتی تھی۔ لیکن محتاط بھی معلوم ہوتی تھی۔ پھر پہلا ہی دن تو تھا ۔۔۔ ادھر یہ احساس کہ اسے ان لڑکیوں پر بالادستی حاصل ہے اور یہی احساس تفریح کرکری کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اسے تو عموماً ایسی لڑکیوں سے دلچسپی ہوتی تھی جو اس کی پہنچ سے باہر ہوں اور ان تک پہنچنے کے لیے اسے خاصی جدوجہد کرنی پڑے ۔۔۔؟

بہرحال صبر کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی جو اسے زیادہ پسند آئی ہے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

"کیا بات ہے؟ کیا مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو!"

"جی ہاں۔ بشرطیکہ آپ اسے پسند فرمائیں۔!"

"کیا پسند فرماؤں؟"

"مطلب یہ کہ ۔۔۔۔!"

"بات کم سے کم الفاظ میں ہونی چاہیے۔"

"ایک مرد کٹر بھی ضروری ہے یہاں کے لیے۔"

"کیوں ۔۔؟"

"اس لیے کہ یہاں صرف خواتین کے ملبوسات تیار کیے جائیں گے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو!"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے اس مسئلے پر غور کیجیے۔"

"اب درزی خانے میں بھی نفسیات چلے گی۔"

حمید نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں جناب زندگی کے ہر شعبے میں نفسیات کو دخل ہے۔"

"تو پھر یہاں کپڑے سینے کیوں آئی ہو۔ کسی کالج وہاں کی پکچر شپ کے لیے دوڑ دھوپ کی ہوتی۔"

"سخت نفرت ہے اس زندگی سے ورنہ آپ کی اطلاع کے لیے ۔۔۔ میں نے پچھلے ہی سال نفسیات میں ایم۔ اے کیا ہے!"

"تو پھر آپ اس درزی خانے ہی کو کلاس روم بنا کر رکھ دیں گی۔"

"مجھے دستکاری سے دلچسپی ہے۔"

www.taemeernews.com

"تو پھر نفسیات میں کیوں جھک مارتی رہی تھیں۔"

"اوہ ـــ ٹھہریے۔ وہ دیکھیے کچھ خواتین ادھر آرہی ہیں۔ کم سے کم اجرت بتائیے گا۔"

"میں نے ٹیلرنگ میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

تین عورتیں دوکان میں داخل ہوئیں! مختلف ملبوسات کی اجرتوں کے بارے میں پوچھتی رہیں اور جلد ہی واپس آنے کا وعدہ کرکے چلی گئیں۔

حمید نے دیکھا کہ وہ لڑکی منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہنس رہی ہے۔ اس کا نام رفیعہ تھا۔

"کیا یہ بھی کوئی نفسیاتی لطیفہ ہے۔" حمید نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"آپ ان سے بالکل پروفیسروں کے سے انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"میں پیرس کی ایک بہت بڑی دوکان پر کام کر چکا ہوں۔" حمید نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"اوہ ـــ لیکن میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ آپ جسموں کی پیمائش کے شوق میں اس طرح دربدر ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب ـــ ہائیں!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

پہلے دن اتنی بے تکلفی ـــ میں اسے پسند نہیں کرتا۔

"معافی چاہتی ہوں جناب ـــ نفسیاتی مسائل زبان پر فوراً آجاتے ہیں۔ آخر ایم اے کیا تھا نفسیات میں۔ اور میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ آپ کا غصہ قطعی مصنوعی ہے آپ نے پسند فرمائی ہے میری بے تکلفی۔"

"ارے ..... ارے ....."

"اگر سینے کو کپڑا ہوتا تو میری زبان اس حجامیت سے باز رہتی۔"

"حجامیت ..... میں نہیں سمجھا۔"

"حجام سے بنائی ہے۔ درزی کی قینچی خاموشی سے چلتی ہے اور حجام کی قینچی کے ساتھ زبان بھی چلتی رہتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم مجھے دوبارہ نور پرائمری میں داخل کراؤ گی۔"

"ویسے آپ بھی مجھے خوش مزاج ہی معلوم ہوتے ہیں۔"

"محترمہ ـــ محترمہ ـــ آپ میری ماتحتی میں کام کر رہی ہیں، یہ نہ بھولیے۔"

"یہ بھی نفسیاتی ہے ـــ"

"جہنم میں گئی نفسیات ـــ اب خاموش رہو!"

"اتنی جلدی غصہ آجانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

وہ پُر تفکر لہجے میں بڑبڑائی۔ "غالباً بچپن کا کوئی کومپلکس۔"

پھر حمید سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کیا آپ کے والدین سخت گیر تھے؟"

"اٹھائی گیر تھے ـــ! تمہارے مطلب ـــ!"

"لیکن کمال ہے کہ غصے کے عالم میں بھی آپ اس قسم کے ٹکڑے لگا سکتے ہیں۔ بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ سخت گیر۔ اٹھائی گیر ـــ واہ ـــ سبحان اللہ!"

"میں کہتا ہوں اب چپ بھی رہو!"

دوسری لڑکیاں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں بھی کبھی کسی کو اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پانے کے لئے، دوسری طرف مڑ جانا پڑتا۔

دفعتاً معمر عورت بولی۔ "تم واقعی بہت بولتی ہو۔ یہ مناسب نہیں۔ صاحب ٹھیک تو کہتے ہیں۔ تم چاہے جتنی قابل ہو تمہیں ان کی ماتحتی میں کام کرنا ہے۔"

"اسے تو تمہیں کیوں الجھن ہو رہی ہے؟" رفیعہ اس کی طرف مڑی۔

"ارے میرے منہ نہ لگنا۔ میں نے نفسیات نہیں پڑھی لیکن بوتوں کو چپ کرا دینا اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"صورت ہی سے ظاہر ہے!"

"اچھا ـــ بڑی آئی صورت والی۔ جھونٹا پھونک دوں گی۔"

"اے زبان سنبھال کے۔"

"چل چکی دوکان۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "خدا کے لئے تم لوگ خاموش رہو ورنہ یہ گوشت کی دوکان مشہور ہو جائے گی۔"

"اس بڑھیا کو چپ کرائیے۔" رفیعہ بولی۔

"اے لڑکی ہوش میں ہے یا نہیں۔" معمر عورت رفیعہ کی طرف جھپٹی لیکن حمید ان کے درمیان آگیا۔

www.taemeernews.com

"میں کہہ رہا ہوں تم دونوں ہی خاموش رہو ورنہ ابھی ایک دن کی تنخواہ دے کر رخصت کر دوں گا۔ اوہ.... دیکھو.... وہ خواتین واپس آرہی ہیں۔ غالباً کپڑا خرید لائیں۔"

دونوں ہی خاموش ہو کر سڑک کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

عرفان دم بخود رہ گیا تھا۔ چپ چاپ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"میں یہیں قیام کروں گا!" اجنبی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

عرفان اب بھی خاموش رہا۔ وہ اب بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ لڑکی کے بارے میں اسے بتائے یا نہ بتائے لیکن وہ آخر کتنی دیر اس چھوٹی سی کوٹھری میں بند رہ سکے گی۔ اگر یہ آدمی ریوالور کے زور پر یہاں رہ ہی پڑا تو لڑکی کی موجودگی کتنی دیر چھپی رہ سکے گی۔

"تم کیا سوچنے لگے" اجنبی غرایا۔

"کچھ نہیں۔"

"کیا اب مجھے ریوالور ہاتھ ہی میں لئے رہنا پڑیگا؟"

"آپ — اسے جیب میں رکھ لیجئے۔" عرفان نے ہکلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن شریف آدمی ریوالور تو نہیں لئے پھرتے۔"

اجنبی نے قہقہہ لگایا اور بولا "کیا تم محکمۂ پولیس کے لوگوں کو شریف نہیں سمجھتے!"

"پولیس — اوہ" عرفان نے طویل سانس لے کر کہا اور اپنے ہاتھ نیچے گرا دیئے۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا "تب تو.... تب تو مجھے آپ کے ناشتے کا انتظام کرنا چاہیئے"

"خوب۔ یہ اتنی دیر میں پہلی بات کام کی ہوئی ہے میں رات سے بھوکا ہوں میرے دوست۔"

اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ مجھے خود ہی تیار کرنا پڑے گا!"

"ہم دونوں مل کر کریں گے" اجنبی جلدی سے بولا

عرفان سوچ رہا تھا اگر وہ اس مقفل کوٹھری کے بارے میں سوال کر بیٹھا تو کیا ہوگا!

کچھ دیر بعد وہ دونوں باورچی خانے میں نظر آئے وہ عرفان سے کہہ رہا تھا۔ "میں پراٹھے بہت اچھے پکا سکتا ہوں"

"اور میں انڈے تلنے کا ماہر ہوں" عرفان نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تم یہاں اس ویرانے میں کیوں آبسے ہو"

"کبھی کبھی چلا آتا ہوں کچھ دنوں کے لئے۔ ہر آدمی کو کبھی نہ کبھی سکون کی تلاش ضرور ہوتی ہے"

"اور اگر لٹ جاؤ تو۔"

"ارے تو ہونا ہی کیا ہے میرے پاس۔ جو کچھ بھی ہوگا خود ہی نکال کر لوٹنے والوں کے حوالے کر دوں گا۔"

"تصویریں بناتے ہو!"

"ہاں — مصوری میرا پیشہ ہے۔"

"ویسے یہ جگہ بڑی پُر فضا ہے۔ اگر ہم دونوں دوست بن گئے تو میں کبھی کبھی آیا کروں گا —!"

"ضرور — ضرور —" عرفان سر ہلا کر بولا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ پھر باہری کمرے میں آبیٹھے۔ اجنبی مقفل کوٹھری کے قریب سے بھی گزرا تھا لیکن اس نے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا ناشتے کے بعد سے وہ ایک بدلا ہوا آدمی نظر آتا رہا تھا۔

ادھر عرفان سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی بھی بھوکی ہوگی۔ آخر اس کے لئے کیا کیا جائے؟ پتہ نہیں کیوں وہ اسے چور تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

"میں پچھلی رات جاگتا رہا ہوں!" دفعتاً اجنبی بھرائی ہوئی آواز میں بولا "کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس معاملے میں بھی میری مدد کرو —؟"

"میں نہیں سمجھا!"

"اگر میں کچھ دیر کے لئے سو جاؤں تو تم اس کا خیال رکھو گے!"

"کس کا؟"

"اوہ اتنی جلدی بھول گئے۔ میں اس چور لڑکی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔"

"ارے ہاں... اچھا تو میں کس طرح خیال رکھوں گا"

"اگر وہ یہاں پناہ لینا چاہے تو اسے اندر آنے

www.taemeernews.com

ہونے پائے کہ کوئی اس کی تلاش میں یہاں پہلے ہی سے موجود ہے۔"

"بہت اچھا۔"

"تو پھر مجھے وہ جگہ دکھا دو جہاں مجھے سونا ہے۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔

نشست کے کمرے کے برابر ہی وہ کمرہ تھا۔ اور وہاں صرف ایک ہی بستر تھا۔ عرفان اسے وہاں لایا۔

پھر شاید دس ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ اس نے اس کے خراٹوں کی آوازیں سنیں۔ چپ چاپ اٹھا دبے پاؤں چلتا ہوا کمرے کے دروازے تک آیا۔ اور آہستگی سے پٹ کھینچ کر بند کیے اور دروازے کو باہر سے بولٹ کر دیا۔ دوسری طرف نکاسی کی کوئی راہ نہیں تھی لہذا اطمینان تھا کہ اگر وہ جاگ بھی پڑا تو اس کی مدد کے بغیر کمرے کے باہر نہیں نکل سکے گا۔

اب عرفان اس کوٹھری کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ لڑکی بند تھی۔

قفل کھلا۔ لڑکی جھپٹ کر دروازے کے قریب آگئی۔

"کک ـــ کیا وہ چلا گیا؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں دوسرے کمرے میں سو رہا ہے۔"

"کیوں؟ کیا آپ اسے پہلے سے جانتے تھے؟"

لڑکی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ وہ تو زبردستی یہاں دھرنا دے بیٹھا ہے کہتا تھا کہ تم ادھر فرار ہو گی پناہ لینے کے لیے؟"

"اوہ ـــ پھر آپ نے کیا کہا؟"

"مجبوری تھی۔ اس نے ریوالور نکال لیا تھا جسمانی قوت میں بھی شاید مجھ پر حاوی رہے۔"

"آپ نے اچھا کیا؟ لیکن اس نے میرے بارے میں آپ کو کیا بتایا۔"

"اسے چھوڑو ـــ پہلے تم ناشتہ کرو۔ پتہ نہیں کب سے بھوکی ہو۔ ارے ہاں تمہاری چوٹ اب کیسی ہے۔"

[illegible]

میرا خیال ہے کہ تم اسی کوٹھری تک محدود رہو۔ میں تمہارے لیے کچھ لاؤں۔"

"وہ کہاں سو رہا ہے؟"

کمرے میں۔ میں نے باہر سے دروازہ بولٹ کر دیا ہے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ اس کا تعلق محکمۂ پولیس سے ہے۔"

"وہ جھوٹا ہے اور تب تو اس نے میرے بارے میں کوئی ایسی ہی کہانی سنائی ہوگی جس سے آپ مجھے ایک مفرور ملزمہ سمجھیں۔"

ہاں ..... ایسی ہی کوئی بات تھی ـــ بہرحال اب تم کچھ کھا پی لو۔"

وہ اسے وہیں چھوڑ کر باورچی خانے میں چلا آیا۔

فرائنگ پین کو مٹی کے تیل کے چولہے پر رکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ یہ لڑکی چور ہرگز نہیں ہو سکتی۔ پتہ نہیں کیا معاملہ ہے اور وہ سور کا بچہ بھی محکمہ پولیس سے نہیں معلوم ہوتا۔ پھر اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

پراٹھے دوبارہ گرم کرنے کے بعد دو تین انڈے بھی فرائنگ پین میں توڑے۔ اس میں تقریباً دس پندرہ منٹ صرف ہوئے تھے۔

کوٹھری میں واپس آیا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔

ناشتے کی ٹرے وہیں چھوڑ کر وہ کمرے کی طرف جھپٹا۔ سونے والے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا۔

پیروں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔ سر چکرانے لگا۔ تو گویا وہ خود ہی موت کے منہ میں جا کودی تھی۔

"وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھا ..... اور ..... اور .....

"اوہ ـــ؟" وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

اجنبی پلنگ کے نیچے منہ کے بل پڑا نظر آیا اور، خون کی ایک متحرک لکیر اس کے نیچے سے نکل کر دیوار کی جڑ تک پہنچ رہی تھی۔ عرفان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود اس جگہ سے ہل بھی نہ سکے گا۔ اسی حالت میں کئی منٹ گزر گئے۔

www.taemeernews.com

پھر دفعتاً اس نے باہر کسی موٹر کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور بے تحاشہ بیرونی دروازے کی طرف بھاگا اس کی اسٹیشن ویگن بڑی تیز رفتاری سے شہر کی جانب چلی جا رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "کیا تم کسی عرفان آرٹسٹ کو جانتے ہو؟"

"عرفان... یاد نہیں آتا.... کچھ اور بھی بتائیے۔"

"تم کبھی قاسم کو کسی آرٹسٹ کے پاس لے گئے تھے"

"اوہ — اچھا ہاں۔ ایک بار اسے مصوری کا خبط ہوا تھا۔ میں نے کہا تھا اگر سیکھنا ہی ہے تو چلو کسی آرٹسٹ سے ملوا دوں۔ مقصد یہ تھا کہ بیچارے آرٹسٹ ہی کا بھلا ہو جائے!"

"تو تم عرفان کو اچھی طرح جانتے ہو۔"

"بس جان پہچان کی حد تک..... وہ جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔"

"جان پہچان کس سلسلے میں ہوئی تھی؟"

"کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"میری بات کا جواب دو۔"

"مجھے یاد نہیں کہ کب اور کہاں اس سے تعارف ہوا تھا۔ اس کے بعد جب بھی کہیں ملاقات ہوئی وہ مزاج پرسی ہی تک محدود رہی۔"

"تم اس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو!"

"کیا قاسم کی کسی حماقت کی داستان آپ تک پہنچی ہے۔"

"میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں!"

"میں اپنے حواس میں نہیں ہوں۔ یہ خواتین بار بار آپس میں لڑ پڑتی ہیں..... ہاں تو آپ نے کیا پوچھا تھا؟"

"تم عرفان کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں۔ قاسم سے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے اس کے حوالے کر دیا تھا اور بس۔"

"خیر — تم ٹھیک سات بجے دوکان بند کر کے پرنس کے چوراہے پر مجھے مل جاؤ۔ سات بج کر پندرہ منٹ پر"

"یعنی دن بھر کی اس تھکن کے باوجود بھی؟"

دوسری طرف سے کوئی جواب ملنے کے بجائے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔

حمید ریسیور رکھ کر سر تھامے ہوئے کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

"کوئی خاص پریشانی جناب" رفیعہ نے چہک کر پوچھا

حمید کچھ نہ بولا۔

"کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں جناب۔ دوسروں کی الجھنوں کے حل تلاش کرنا میری ہابی ہے جناب۔"

"فی الحال میری سب سے بڑی الجھن تم ہو۔ باس تمہارے تقرر کی منظوری دے چکا ہوں۔ اس لئے مجبوری ہے.... ورنہ..... ورنہ...."

"ورنہ آپ مجھے اس ملازمت سے پہلے ہی دن، سبکدوش کر دیتے۔"

"نہیں میں تمہارے لئے کچھ اور سوچتا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ سوچتے تو کچھ بھی نہیں۔"

"کیا مطلب!"

"اب یہی دیکھئے کہ اس وقت بھی آپ کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ہیں۔ وہ لوگ جو زیادہ سوچنے کے عادی ہوتے ہیں انہیں جھلاہٹ کا مظاہرہ کرنے کی فرصت کہاں!"

"میں پھر یہی کہوں گا کہ یہ نفسیات کی کلاس نہیں بلکہ درزی خانہ ہے۔"

"میں پھر یہی عرض کروں گی کہ نفسیات ....."

"ارے بابا..... بس!" حمید میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا "میں بھی آدمی ہی ہوں، پتھر کی دیوار نہیں ہوں۔"

"آپ آدمی ہیں — اسی لئے تو نفسیات —!"

حمید نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور معمر عورت دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولی "اتراتے ہی نہیں بنتا بیچاری سے۔"

"ارے تم نے پھر بکواس کی۔" رفیعہ اس کی طرف پلٹی۔

"صاحب..... بس اب حد ہو چکی — [illegible]

www.taemeernews.com

سنے حمید سے کہا۔ "میں یہیں اس سے نپٹ لوں گی پھر آپ کچھ نہ کہئے گا۔"

"ہاتھا پائی کرو گی تم!" رضیہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی

"خاموش خاموش۔" حمید نے میز کھٹکھٹائی۔

"مجھ سے تو جناب ایسی نوکری نہیں ہو سکے گی۔" معمر عورت نے حمید سے کہا۔ "جہاں کل کی لونڈیاں میرے منہ آئیں"

"ارے تو احسان کیا ہے کسی پر چھوڑ جاؤ۔" رضیہ تڑ سے بولی۔ "ایسی ہی نازک دماغ تھیں تو گھر سے باہر کیوں نکلی تھیں"

"آپ سن رہے ہیں۔" معمر عورت نے حمید کو مخاطب

حمید نے بے بسی سے سر کو انتہائی جنبش دی۔

"اور آپ کچھ نہیں کہیں گے اسے۔"

"میں .... بھلا میں عورتوں کے معاملات میں کیسے دخل انداز ہو سکتا ہوں!"

"اچھا تو جناب! ایس چلی۔ کٹنگ کرنے والے کی بالادستی ہر کارخانے میں تسلیم کی جاتی ہے۔ یہاں رہ کر میں اپنی بے عزتی نہیں کراؤں گی۔ جا رہی ہوں۔" معمر عورت نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی ہوئی

"ارے .... یہ مطلب نہیں۔" حمید گڑبڑا گیا۔

"نہیں جناب شکریہ۔ میں ایک پل کے لئے بھی نہیں رک سکتی۔"

"تو یہ جو کپڑا آیا ہے اسے کون کاٹے گا؟"

"میں کاٹ لوں گی۔" رضیہ تڑ سے بولی۔ "آپ فکر نہ کیجئے۔"

"تم سے تو میں اچھی طرح سمجھوں گی۔" معمر عورت نے اسے گھونسہ دکھا کر کہا۔

"یا خدا .... کیا خواتین میں بھی غنڈہ گردی فروغ پا رہی ہے۔" حمید چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔

معمر عورت دکان کے نیچے اتر گئی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" حمید نے رضیہ سے کہا۔

"آپ کی ایک غلطی کی اصلاح کی ہے۔ اب جلدی سے ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے ورنہ یہ دوکان ہرگز نہ چلے گی۔ خواتین ادھر کا رخ بھی نہ کریں گی۔"

"ارے تو کیا تم اسے نفسیات خانہ ہی بنا کر رکھ دو گی"

"بھٹیار خانہ بننے سے بہتر ہے کہ نفسیات خانہ ہی بنے"

"میں ان کپڑوں کی کٹنگ کئے دیتی ہوں لیکن آپ آج ہی ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے۔ خوش پوش اور، خوش شکل ہونا چاہیئے۔ خوش مزاج بھی ہو تو کیا کہنا تاکہ ناپ لیتے وقت لطیفے اور چٹکلے بھی چھوڑ سکے .... نفسیاتی نکتۂ نظر سے!"

"بس بس!" حمید ہاتھ اٹھا کر غرایا۔

فریدی کی لنکن شمال کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سڑک سنسان تھی اس لئے رفتار بھی خاصی تیز تھی۔

حمید ٹھیک سوا سات بجے پرنسٹن کے چوراہے پر پہنچ گیا تھا۔ لنکن وہیں ایک جانب کھڑی ملی تھی۔ فریدی اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بھی کوئی تھا جس کی شکل اندھیرے میں نہیں دکھائی دی تھی۔ حمید گاڑی میں بیٹھ گیا تھا

اسے قطعی علم نہ ہو سکا کہ جانا کہاں ہے۔

راستہ میں حمید نے آہستہ سے پوچھا۔ "پچھلی سیٹ پر کون ہے؟"

"عرفان آرٹسٹ۔"

"اوہ .... تو .... کیا ....؟"

"ہاں یہ حضرت تمہارے ہی حوالے سے مجھ سے ملے تھے۔"

"کوئی خاص بات!"

"جہاں جا رہے ہیں وہیں پہنچ کر معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے گا۔"

پھر بات جہاں تہاں رہ گئی تھی۔

منزل مقصود حمید کی توقعات کے خلاف نکلی۔

عمارت کے چاروں طرف جنگل بکھرے ہوئے تھے۔

فریدی نے ٹارچ روشن کی اور وہ آگے بڑھنے لگے

عمارت میں بھی اندھیرا تھا۔ عرفان نے کیروسین لیمپ روشن کیا

"ادھر اس کمرے میں جناب۔" عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں آئے۔

www.taemeernews.com

"میرے خدا!....؟" عرفان نے عجیب سی آواز میں کہا اور مونقوں کی طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں.... کہاں ہے.... وہ لاش۔؟" فریدی کا لہجہ پُرسکون تھا۔

"میں..... میں.... کیا بتاؤں جناب..... وہ یہیں پڑی تھی..... اور خون بہہ بہہ کر اس دیوار تک پہنچ رہا تھا۔"

کیروسین لیمپ کی روشنی دھندلی تھی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور جھک کر فرش کا جائزہ لینے لگا پھر کچھ دیر بعد سیدھے ہوتے ہوئے پوچھا۔ وہ لڑکی کہاں تھی؟

"ادھر۔ کوٹھری میں..... چلئے میں دکھاؤں۔" عرفان بولا۔ اس کی آواز شدت سے کانپ رہی تھی۔

حمید الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر قصہ کیا ہے ادھوری باتوں سے اتنا تو اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ وہاں کچھ دیر پہلے کوئی لاش تھی۔ پھر کسی لڑکی کا تذکرہ ہوا۔

تو کیا وہ لاش کسی لڑکی کی تھی۔

اب وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہوئے اندازاً وہ یہاں کتنی دیر تک بند رہی ہوگی؟"

فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

"شاید ڈیڑھ گھنٹے۔"

"آپ نے فائر کی آواز سنی تھی؟"

جی نہیں۔ اسی پر تو حیرت ہے اگر اس کمرے میں فائر ہوتا تو باورچی خانے میں اس کی آواز ضرور سنی جاتی۔"

"لیکن مرنے والے کی چیخ تو سنی ہی ہوگی۔"

"ہرگز نہیں جناب۔ اگر چیخ کی آواز سن لی ہوتی تو اپنی گاڑی سے بھی ہاتھ نہ دھونا پڑتا۔"

"آپ شہر تک کیسے پہنچے تھے:" فریدی نے پوچھا اس کی نظریں کوٹھری کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

"مجھے ہوش نہیں کہ کتنی دور تک اپنی ویگن کے پیچھے دوڑا تھا۔ ویسے میری رفتار خاصی تیز تھی کیوں کہ ویگن کافی دور تک مجھے نظر آتی رہی تھی۔ پھر میں تھک کر گر گیا تھا۔ گھسٹتا ہوا سڑک کے کنارے جا پڑا۔ پتہ نہیں کتنی دیر بعد ادھر سے ایک لوڈنگ ٹرک گزرا تھا۔ میری درخواست پر ڈرائیور نے مجھے شہر پہنچانا منظور کر لیا۔

"ٹرک کا نمبر یاد ہے آپ کو؟"

"مجھے اس کا ہوش کہاں تھا جناب!"

"اپنی گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ تو درج کرا ہی دی ہوگی!"

"نہیں جناب! میں نے آپ کے علاوہ اور کسی کو بھی یہ واقعہ نہیں بتایا۔ میں جانتا تھا کہ صرف آپ ہی مجھے کسی قسم کے الزام سے بچا سکیں گے۔"

"خیر۔ اب میں وہ دیوار دیکھنا چاہتا ہوں جس پر سے اس نے صحن میں چھلانگ لگائی تھی۔"

"ادھر سے تشریف لائیے جناب۔" عرفان کوٹھری سے نکل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

دیوار پر ٹارچ کی روشنی کا دائرہ رینگتا رہا۔ عرفان نے اسے بتایا کہ سوٹ کیس اور کوٹ کہاں گرے تھے اور کس طرح ان کے گرنے کی آواز سن کر وہ صحن میں آیا تھا۔

"اوہ تو کیا کوئی لڑکی کودی تھی دیوار پر سے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔ جناب!"

حمید منہ چلا کر رہ گیا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر بولا۔ "دیوار کے اس طرف کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ جنگل ہے؟"

"دیوار پر وہ کس طرح چڑھی ہوگی۔ بلندی خاصی ہے۔"

"خیر۔ اب دیکھے لیتے ہیں!"

مکان کی پشت پر پہنچنے کے لئے انہیں گھنی جھاڑیوں کے درمیان سے گزرنا پڑا۔ بھائیں بھائیں کرتے ہوئے تاریک جنگل کے لئے ٹارچ کی روشنی ناکافی سی لگ رہی تھی۔

حمید کے ہاتھوں میں کئی جگہ کانٹے چبھ گئے تھے "کیا یہ آپ کی مستقل قیام گاہ ہے۔ عرفان صاحب" اس نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"نہیں۔ جناب۔ کبھی کبھی تبدیلی آب وہوا

www.taemeernews.com

کی غرض سے یہاں چلا آتا ہوں۔"

"زبان تک بدل جاتی ہوگی یہاں تو ۔۔۔!"

"میں نہیں سمجھا جناب ۔"

مثال کے طور پر اس وقت میرا بھونکنے کو جی چاہتا ہے!" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہوں ۔۔۔ اوہ!" اس نے فریدی کی آواز سنی۔ "وہ دیکھئے ۔۔۔ دیوار پر چڑھنا تو بیحد آسان ہے۔ دیکھئے کتنی اینٹیں نکلی ہوئی ہیں۔"

پھر وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے پہنچ کر اس نے ٹارچ کا رُخ ان دونوں کی جانب پھیر دیا۔ دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن حمید نے محسوس کیا جیسے اس نے پھرتی سے جھک کر کوئی چیز اٹھائی ہو۔

کچھ دیر بعد وہ مکان کے اندر واپس آئے۔

"تو پھر اب آپ کیا چاہتے ہیں۔" فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

"مم ۔۔۔ میں کیا بتاؤں جناب ۔۔۔ وہ لاش ۔۔۔!"

حمید نے دیکھا کہ فریدی نے جیب سے ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال لیا ہے۔

"آپ کو عدالت میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی کہ آپ نے میرا قیمتی وقت کیوں ضائع کرایا تھا۔"

"مم .... میں ...."

"مم ...."

"مم .... میں .... خدا کی قسم میں بے قصور ہوں۔"

"تو پھر دکھائیے نا۔ وہ لاش کہاں ہے!"

"اب .... مم .... میں کیا بتاؤں .... میری عدم موجودگی میں کسی نے .... اسے یہاں سے ہٹا دیا۔"

"عدالت ہی میں ثابت کیجئے گا۔" فریدی نے کہتے ہوئے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

"جناب .... جناب .... کرنل صاحب ...."

"مجبوری ہے .... قانون ۔۔۔"

"ایسا برا برتاؤ تو شاید کسی تھانے پر بھی نہ ہوتا۔"

"وہ اس سے زیادہ برا برتاؤ کرتے ایسے حالات میں"

"آخر قصہ کیا ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"قصہ بھی یہی بتائیں گے تمہیں۔ تم انہیں شہر لیجاؤ اپنے محکمے کے لاک اپ میں رکھنا۔"

"سنئے تو سہی .... جناب ....!" عرفان کے لہجے میں کسی قدر جھنجھلاہٹ تھی۔

"عرفان صاحب جو کچھ میں کر رہا ہوں اسی میں آپ کی عافیت ہے۔ محکمہ سراغرسانی کا لاک اپ آرام دہ ثابت ہوگا۔ سول پولیس کے لاک اپ سے بدرجہا بہتر۔ اچھا تب پھر!

کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے؟" حمید نے پوچھا۔

"بڑی پرفضا جگہ ہے۔ صبح ایک جیپ بھجوا دینا۔ ہاں میں یہیں رات بسر کروں گا۔"

پھر فریدی نے مخصوص اشاروں میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ عرفان سے اس کی کہانی سن کر اسی وقت پریس میں دیدے اور یہ ظاہر کرے کہ عرفان کی کہانی باور نہیں کی گئی۔ لہذا اسے اسی لئے حراست میں لیا گیا ہے کہ اس حرکت کا اصل مقصد معلوم کیا جاسکے۔

واپسی پر حمید کار ڈرائیو کر رہا تھا اور عرفان بھرائی ہوئی آواز میں اپنی کہانی سناتے سناتے خاموش ہوگیا تھا تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھ سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے۔"

"کیسی غلطی۔" حمید نے پوچھا۔

"لاش کو گھسیٹ کر جنگل میں پھینک آتا۔" عرفان نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"خیال اچھا ہے۔"

"آپ خود سوچئے .... کسی کو کیا پتہ چلتا۔ میں نے خود ہی یہ مصیبت اپنے سر مول لی ہے یا پھر مجھے ہی عقل آگئی ہوتی .... اس آدمی کو بتا دیتا کہ وہ کوٹھی میں موجود ہے کیونکہ یقیناً وہ چور تھی۔ نہ صرف چور بلکہ ایک سرد مزاج قاتلہ تھی"

"یہ بھی ممکن تھا کہ تم اس صورت میں اس لڑکی ہی کی لاش دیکھتے۔"

"ہرگز نہیں ۔۔۔!"

"اچھا تو پھر بتاؤ کہ وہ لاش کہاں غائب ہوگئی۔"

"یہی سوال تو مجھے بھی پاگل کئے دے رہا ہے۔"

www.taemeernews.com

"لاش غائب ہو جانے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ لاش کی تشہیر ہونے میں کسی راز کے فاش ہو جانے کا خدشہ تھا۔"

"کیسے خدشہ تھا؟"

"یہ آپ سوچ کر بتایئے!"

"میں بتاؤں۔! عرفان اچھل پڑا۔

"قطعی۔"

"میں کیا بتا سکتا ہوں۔ دونوں ہی میرے لئے اجنبی تھے۔"

"اکثر بد مزاج لوگوں کی بیویاں پڑوس کے آرٹسٹوں سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ اب فرض کیجئے ایسی ہی کوئی بیوی کسی آرٹسٹ کے پاس پائی جاتی ہے شوہر پہنچ جاتا ہے ہاتھاپائی ہوتی ہے۔ شوہر ختم ہو جاتا ہے۔ لاش ٹھکانے لگا دی جاتی ہے۔ بیوی اپنی راہ لیتی ہے لیکن آرٹسٹ صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ کمزور دل کے واقع ہوئے ہیں۔ ایک کہانی گڑھتے ہیں۔"

"بس.... بس.... خدا کے لئے بس کیجئے۔ نہ میں کمزور دل کا ہوں اور نہ پڑوس کی لڑکیوں پر جان دیتا ہوں۔ اوہ.... میرے خدا میرے حالات کے چوکھٹے میں یہ کہانی کیسی فٹ ہو گئی ہے اور شاید آپ یہ کہیں کہ میں کسی طرح کہانی کا تانا بانا نہیں بنا سکا اسی لئے مجھے فائر کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

"یہ قطعی ممکن کہ تم فائر کی آواز نہ سن سکو۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے فائر کی آواز نہیں نکلتی۔ صرف گولی نکلتی ہے۔"

"بہرحال.... ہو سکتا ہے میں رات بھر میں پاگل ہو جاؤں۔"

"لیکن کہانی تو پاگل ہونے سے پہلے سنائی تھی۔"

"کیپٹن پلیز.... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ دیکھا جائیگا میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

کار تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی۔ دفعتاً حمید کو رفتار کم کرنی پڑی دور مخالف سمت میں کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی بے قریب سے گزر گئی۔ حمید نے دیکھا کہ عرفان گردن موڑ کر اسے دیکھے جا رہا ہے۔

"خدا کی قسم۔" وہ اچھل پڑا۔ "وہ میری وین تھی.... موڑیئے.... ادھر ہی موڑیئے....!"

"خاموش ہی رہو یار.... اگر تمہاری کہانی پر یقین بھی آ گیا ہوتا میں اپنی رات برباد کرنے پر تیار نہ ہوتا۔"

"میں کہتا ہوں آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اس گاڑی کا تعاقب کیجئے۔"

"اندھیرے میں گاڑی کیسے پہچان لی۔"

"نمبر.... نمبر پلیٹ تو روشن تھی۔ ٹی۔ اے فور سکس تھری نو.... میری گاڑی کا نمبر ہے.... کیپٹن پلیز....!

لیکن حمید پرواہ کئے بغیر ایکسیلریٹر پر دباؤ بڑھاتا رہا۔ گاڑی پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔

"تم سب درندے ہو۔ وحشی ہو۔ مجھے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کی کوشش کر رہے ہو۔" عرفان چیخنے لگا لاش ملے بغیر تم پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچ سکتے.... مطمئن رہو۔"

"میں کہتا ہوں۔ وہ میری گاڑی تھی۔"

"رہی ہوگی۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "میرے چیف نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ تمہیں حوالات میں دے کر آرام سے سو جاؤں۔"

"بے رحم درندے ہو۔"

"ہمیں ہمارے فرائض سب کچھ بنا دیتے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں....!"

"کچھ دیر پہلے تم کہہ رہے تھے کہ خاموش رہنا چاہتے ہو" عرفان سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگا۔

حمید نے دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔ اس نے سوچا کچھ دیر کے لئے رکنا چاہیئے۔ ایک جگہ رفتار کم کر کے گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

"مسٹر عرفان حالانکہ یہ قانوناً درست نہیں لیکن اگر تم سگریٹ وغیرہ پینا چاہو تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔"

www.taemeernews.com

"شکریہ۔ میں سگریٹ نہیں پیتا۔" عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "میں نے دیر سے پائپ نہیں پیا۔"

"کیپٹن ۔۔۔!" تم نے مجھ پر ایک بہت بڑا الزام لگایا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ بے وجہ بھی مرسکتا ہوں لیکن یہ الزام کہ وہ کسی پڑوسی کی بیوی تھی ..... خدا کی پناہ اگر اس قسم کی کوئی کہانی پریس میں آئی تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔"

"اے تم کیسے آرٹسٹ ہو۔ میں نے کئی آرٹسٹوں کو کہتے سنا ہے کہ اس قسم کے اسکینڈل ان کے فن کو زندگی بخشتے ہیں۔"

"وہ بہروپیے ہیں، آرٹسٹ نہیں۔ کوئی بھی فن معصومیت اور پاکیزگی کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔"

"کیا تم نے کبھی کسی کو نہیں چاہا۔"

"چاہا ہے ..... لیکن جسے چاہا ہے اسے کبھی اس کا علم نہ ہوسکا۔"

"کیا بات ہوئی ۔۔۔!"

"اگر میں اس چاہت کو شدت اظہار کی نذر کردیتا تو وہ میرے فن کی رگوں میں دوڑتا ہوا گرم لہو نہ بن سکتی۔"

"واہ یار تم تو الفاظ میں بھی مصوری کرسکتے ہو!"

"کیپٹن ۔۔۔ خدا کے لئے اس قسم کا کوئی اسکینڈل نہ بننے دینا۔"

"ہوں ..." حمید طویل سانس لے کر بولا "تو اس کا مطلب یہ کہ تم نے اگر کبھی کسی کو چاہا بھی ہے تو محض اپنے فن کی خاطر۔ لہٰذا تم نے اپنے فن کے علاوہ اور کسی کو نہیں چاہا۔"

"مختلف چاہتیں فن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنتی رہی ہیں۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ کسی بھی درخت کو بڑھنے کے لئے کئی برساتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"بہت اچھا خیال ہے عرفان صاحب۔ وہ جو آج کسی دوسرے کی بیوی بنی بیٹھی ہے اس کا لہو بھی تمہارے فن میں شامل ہے۔"

"بیوی .... بیوی .... بیوی۔" وہ جھلا کر بولا۔ "آخر یہ بیوی کیوں سوار ہوگئی ہے تم پر ...."

"ختم کرو ..... چلو تسلیم کہ تمہارے فن میں کسی بکری کا لہو بھی شامل ہے۔"

"میں اب قطعی نہیں بولوں گا۔" عرفان جھلا کر بولا

"ٹھیک ہے میں تمباکو نوشی بھی ختم کرچکا ہوں۔ اب ہم خاموشی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔"

انجن جاگا اور گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد عرفان بڑبڑایا۔ "میں کیسے یقین کرلوں کہ یہ ایک ڈراؤنا خواب نہیں ہے۔"

"تم شاید اونگھ رہے ہو ۔۔۔ سو جاؤ ۔۔۔" حمید نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اچانک اس طرح گھٹا اٹھے گی اور موسلا دھار بارش شروع ہوجائے گی۔

فریدی کو باہر کی فضا کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ تو انہیں دونوں کمروں ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ کیروسین لیمپ کی ناکافی روشنی میں خواب گاہ کی ایک ایک انچ زمین کا جائزہ لینے کے بعد وہ سگار سلگا کر آرام کرسی میں نیم دراز ہوجانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ بارش کے شور سے فضا گونجنے لگی تھی۔ یکلخت بڑی بڑی بوندیں آئی تھیں اور پھر ان کا زور بڑھتا ہی گیا تھا۔

اس نے سگار سلگا کر لیمپ کی روشنی کم کردی اور آرام کرسی کی پشتگاہ سے ٹک گیا۔

عرفان کی کہانی کے بارے میں وہ ابھی تک کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرسکا تھا۔ سب سے پہلے تو وہ یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر اس ویلے میں آرام کرنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ شہر کے آس پاس بہتری ایسی جگہیں تھیں جہاں وہ ذہنی سکون حاصل کرسکتا۔

وہ آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھا۔ سگار کے جلتے ہوئے سرے سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

دفعتاً وہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ حالانکہ فضا صرف

www.taemeernews.com

بارش کے شور سے گونج رہی تھی۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

سامنے چھوٹی میز پر کیروسین لیمپ دھیمی لو سے روشن تھا۔

دفعتاً فریدی کی جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی نادیدہ دشمن کے اچانک حملے کا منتظر ہو۔

بارش کے زور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے صدر دروازے کی کنڈی نہیں لگائی تھی..... اور اب یہ احساس یقین کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ کہ اس وقت اس مکان میں اس کے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔

یہ خیال صحیح نکلا۔ ٹھیک دروازے کے قریب اس نے کسی آدمی کی خوفزدہ سی آواز سنی۔ پھر کوئی کھکارا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "یہاں کون ہے ؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"کیا یہاں کوئی موجود ہے۔" دروازے کے قریب ہی سے کسی نے اتنی اونچی آواز میں پوچھا جو اس کے اندازے کے مطابق پورے مکان میں سنی جا سکے۔

فریدی اب بھی خاموش ہی رہا۔

پھر کوئی دروازے سے گزر کر کمرے کے وسط تک چلا آیا۔ یہ ایک طویل قامت اور چوڑے شانوں والا آدمی تھا۔

کمرے کے وسط میں رک کر پھر دروازے کی طرف مڑا۔

فریدی کے ریوالور کی نال اس کے سینے کا نشانہ لے رہی تھی۔

"اوہ ...!" آنے والے کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" فریدی کی تیز تحکمانہ سرگوشی کمرے میں گونجی۔

"تم ..... میں ... مطلب یہ کہ" اس نے ہکلاتے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"میں تمہیں وقت دے رہا ہوں" فریدی بولا۔

"وقت ..... کک ..... کیسا وقت ...!"

"اس طرح یہاں داخل ہونے کے جواز میں کچھ کہنے کے لئے .....؟"

اس نے خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اس امریکن ٹورسٹ نے کہا تھا کہ وہ مکان اس وقت خالی ہوگا ..... لل ..... لیکن مجھے لیمپ کی روشنی نظر آئی ..... اور .....؟"

"یہ جواز تو نہ ہوا"

"تم ..... مطلب یہ کہ ..... میں یہاں اس کا پرس تلاش کرنے آیا ہوں جس میں اس کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تھے"

"تو پھر کرو تلاش۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ .....!" وہ طویل سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"کیا خیال ہے ؟" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اور وہ آنکھیں چرانے لگا۔ جوان آدمی تھا۔ عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال رہی ہوگی۔ صورت سے برا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"شاید میں کسی جال میں پھنس گیا ہوں ؟"

"اس کی وضاحت زیادہ مناسب ہوگی ...!"

"کیا آج آپ نے کسی امریکن ٹورسٹ خاتون کو یہاں مدعو کیا تھا"

"کہے جاؤ ...! جہاں غلطی کرو گے میں ٹوک دوں گا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا کیا چکر ہے۔ آج چار بجے شام کو ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہا تھا وہ آئی اور میری ہی میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی "میں تمہارے دیس میں اجنبی ہوں۔ ناردجام سے آئی ہوں۔ اب یہاں سے سیدھی اپنے وطن واپس جاؤں گی۔ میں نے کہا آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ پھر میں نے اس سے استدعا کی کہ وہ میرے ساتھ چائے پیئے۔ اس نے کہا میں اس پر مجبور ہوں کیونکہ اپنا پرس کھو بیٹھی ہوں۔ جس میں نہ صرف ایک بڑی رقم تھی بلکہ سفر سے متعلق ضروری کاغذات بھی تھے۔ میں نے افسوس

www.taemeernews.com

ظاہر کیا اور اسے اپنے ساتھ قیام کرنے کی دعوت بھی دے ڈالی جو بلا عذر قبول کرلی گئی۔ میں بیدا اسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں تنہا رہتا ہوں۔ بہرحال میں اسے اپنے فلیٹ لے گیا۔ وہ ایک اسٹیشن ویگن میں سفر کررہی تھی اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اسٹیشن ویگن نارجام میں بہت سستی خریدی تھی۔ اور وطن جاتے وقت وہ اسے مجھے تحفتاً دے جائے گی۔ میں تو محض انسانی ہمدردی کے تحت اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ میرے فلیٹ میں پہنچ کر اس نے بتایا کہ اگر میں اس کی مدد کروں تو شاید وہ اپنا پرس حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے بیان کے مطابق وہ نارجام سے ایک آدمی کے ساتھ شہر جانے کے لئے روانہ ہوئی تھی جو اسے کچھ دیر کے لئے اس مکان میں رہا تھا۔ اور دوپہر کا کھانا انھوں نے یہیں بیٹھ کر کھایا تھا۔ اور پھر شہر کے لئے روانہ ہوگئے تھے۔ شہر میں وہ ایک جگہ اتر گیا تھا وہ اس کا پتہ نہیں جانتی۔ نام بھی یاد نہیں رہا۔ مجھے اس نے بتایا کہ مکان اس وقت مقفل ہوگا۔ میں نے کہا۔ میں تالا توڑ سکوں گا۔ بہرحال اس کو خیال تھا کہ پرس یا تو اس مکان کی پشت والے جنگل میں جہاں وہ کچھ دیر کے لئے گئے تھے۔ خدارا آپ بتایئے کیا وہی آدمی تھا اس مکان کے مالک۔ یا مجھ سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے ——!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جارہا تھا۔

بارش تو شہر میں بھی ہوئی تھی لیکن ایسی شدید نہیں جیسی کچھ دیر پہلے فریدی جھیل چکا تھا۔

اس وقت وہ دونوں شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی نے دن کے بخیر سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ عرفان ہی کی ہو سکتی ہے لیکن فی الحال اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ لاک اپ تک جا کر اس کی مزید تصدیق کر سکتا۔

فریدی کے ساتھ جو نوجوان سفر کر رہا تھا اس نے اپنا نام طارق بتایا تھا۔

بیدا اسٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے گاڑی روک دی۔ وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"میرے ساتھ آیئے!" طارق نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

فریدی نے اب تک اسے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ دونوں گاڑی سے اتر کر ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ طارق پر دہشت سی طاری تھی۔ چلتے وقت اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ ایک فلیٹ کے سامنے رک کر اس نے دروازے پر دستک دینی چاہی لیکن ہاتھ لگتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے والا کمرہ بالکل خالی تھا۔

"آپ کہاں ہیں محترمہ!" طارق نے کمرے میں داخل ہو کر آواز دی۔ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پھر پکارا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے دوسرا دروازہ کھولا۔ اسی وقت فلیٹ کے تینوں کمرے دیکھ ڈالے لیکن لڑکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"آپ فرمایئے؟" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"کک.... کیا.... عرض کروں.... میری.... سمجھ میں نہیں آتا"

"فرض کیجئے آپ کو پرس مل جاتا تو....."

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"بھلا قانون کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ آپ کی سمجھ میں کچھ آتا بھی ہے یا نہیں"

"پھر بتایئے! میں کیا کروں؟"

"چپ چاپ میرے ساتھ حوالات تک چلئے کیوں کہ آج اس مکان میں ایک قتل ہو چکا ہے اور وہ ویگن چوری کی ہے جو آپ کو بخشی جانے والی تھی۔"

"آپ مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کر رہے ہیں"

"اگر وہ امریکن لڑکی درست ہوتی تو آپ سے بھیک مانگنے کی بجائے سیدھی اپنے سفارت خانے کا رخ کرتی"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا تھا کہ اسے اپنا پرس مل جانے کی توقع ہے اس لئے ابھی سفارتخانے سے رجوع نہیں کرنا چاہتی"

"بہرحال یہ ویگن جس پر تم سفر کرتے رہے ہو ایک جگہ سے چرائی گئی تھی"

www.taemeernews.com

"آپ کون ہیں۔ کیا آپ اس مکان کے مالک نہیں ہیں"
فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔
"کرنل۔ اے۔ کے۔ فریدی" اس لڑکے نے بہ آواز بلند اسے پڑھا اور ہکا بکا رہ گیا۔
"یع.... یعنی ...." اس نے تھوک نگل کر کہا "میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں"
"یقیناً"
کچھ دیر تک کمرے کی فضا پر سکوت طاری رہا پھر فریدی نے کہا "تم گردن تک دلدل میں پھنس گئے ہو!"
"خدا کے لئے مجھے بچائیے جناب ورنہ میرا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ سول سروس کا امتحان دیا تھا۔ بڑی اچھی پوزیشن سے پاس ہوا ہوں۔ اب وائیوا رہ گیا ہے.... کرنل صاحب.... مجھے بچائیے!"
وہ بری طرح گڑگڑا رہا تھا۔
"اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گا۔ لیکن تم مجھے مطلع کئے بغیر شہر نہیں چھوڑو گے ـــ سمجھے ـــ!"
"ہرگز نہیں" یقین کیجئے جناب ـــ!"
"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے مجھے اس لڑکی کا بالکل صحیح حلیہ بتایا ہے"
"مجھے یقین ہے جناب ـــ!"
"اگر وہ شہر میں کہیں بھی نظر آجائے تو مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ کارڈ پر وہ نمبر درج ہیں جن پر میں مل سکوں گا"
"بہت بہتر جناب!"
"محض تمہارے کیریئر خراب ہو جانے کے خیال سے تمہیں چھوڑ رہا ہوں ورنہ اس کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ایک مسروقہ کار تمہارے قبضے میں رہی ہے"
"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گا جناب آپ پولیس والوں سے مختلف ہیں"
"گاڑی میں لے جا رہا ہوں"
"بہت بہتر جناب"
پھر وہ فریدی کو رخصت کرنے کے لئے سڑک تک آیا تھا۔ فلیٹ سے باہر آنے سے قبل فریدی نے ایک بار پھر فلیٹ کے گوشے گوشے کا جائزہ لیا تھا۔
"ہائیں ـــ گگ ـــ گاڑی ـــ گاڑی کہاں گئی" وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا "یہیں تو کھڑی کی تھی"
دور دور تک کسی گاڑی کا پتہ نہیں تھا۔
"تم فلیٹ میں واپس جاؤ ـــ!" فریدی نے اس سے کہا۔
"یقین کیجئے جناب ـــ!"
"مجھے یقین ہے"
وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مڑا اور عمارت کی طرف چلا گیا۔
پھر تقریباً دس منٹ بعد فریدی کو ایک خالی ٹیکسی ملی تھی۔ گھر واپس آیا تو دونوں خواتین پذیرائی کے لئے موجود تھیں۔
برآمدے میں ایک تنی ہی چوڑی عورت نظر آئی کہ وہ ہکا بکا رہ گیا اور اس عورت کی "بی بی کی پی" تو کسی طرح ٹھکانے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ حمید ایک سٹول پر کسی بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔
"یہ کیا بیہودگی ہے؟" فریدی نے جھنجھلاہٹ میں حمید کو مخاطب کیا۔ لیکن اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ دیدے تک پتھرائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے۔ دفعتاً فریدی نے اس کی گردن دبوچی اور اسٹول سے اٹھا دیا۔
"انہیں معاف کر دیجئے" گرانڈیل عورت بولی۔ "میں نے کہا تھا ان سے اللہ قسم یہ تو نہیں مانتے تھے"
"تم یہاں کیوں آئے تھے!" فریدی اس پر الٹ پڑا۔
"میں اپنی زندگی سے تنگ آگیا ہوں" عورت بولی۔
"آگئی ہوں ـــ بے!" حمید نے تصحیح کی۔
"ہوں ـــ تو زندگی سے تنگ آکر ساڑی باندھ لی ہے"
"جی غاں"
"بچے بھی پیدا کرے گا" حمید نے گرہ لگائی اور

www.taemeernews.com

بے تعلقی سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابے مذاق نہ اڑاؤ میرا۔"

"قاسم کہیں تم پاگل نہ ہو جانا۔" فریدی بولا۔

"اللہ قرے میں تو مر ہی جاؤں۔"

"چھاتی پر دو ہتڑ چلا کر۔" حمید نے کسی فلم ڈائرکٹر کی طرح ہانک لگائی اور قاسم نے سچ مچ وہ جملہ اسی حرکت کے ساتھ دوبارہ ادا کیا۔

فریدی حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اندر چلا گیا۔

"اسے تو ان کا کیا بگڑتا ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا

"اب جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"کیا۔ میں اس طرح گھر جاؤں گا۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"کیا حرج ہے بیوی سے بھی اس میک اپ کی داد وصول کر لاؤ۔"

"سالی دیکھ کر جل جائے گی۔"

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ جلے بھنے گی تو تم اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرو گے۔!"

"اور اگر اس نے ابا جان کو فون کر دیا تو۔؟"

"تم ٹھکو پٹو گے اور وہ اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرے گی۔"

"ابے جاؤ.... سالے وہی ڈوب جانے والا مشورہ دو گے!"

"مجھے نیند آ رہی ہے قاسم۔!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"میں یہیں آرام فرماؤں گا۔" قاسم نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہارے سائز کا کوئی بستر موجود نہیں ہے۔!"

"دو بستر ملا کر کام چل جائے گا۔"

پھر حمید اسے وہیں چھوڑ کر اپنی خوابگاہ کی طرف جھپٹا تھا۔ قاسم نے اس کا تعاقب ضرور کیا لیکن وہ اسے کافی پیچھے چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا کچھ دیر تک قاسم دروازہ پیٹتا رہا۔ پھر سناٹا چھا گیا اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "یہ کیا نوبت پھیلائی ہے تم نے۔"

"خدا کی قسم آج میں نے نہیں بلایا۔ خود ہی آیا تھا۔ کہنے لگا میں نے شلوار میں الاسٹک ڈالنا بھی سیکھ لیا ہے اب ٹپ ٹاپ ٹیلرز کے یہاں نوکری دلوا دو۔ میں نے کہا وہاں صرف عورتیں کام کرتی ہیں۔ کہنے لگا تمہارے لئے کیا مشکل ہے بنا دو مجھے عورت.... ٹھیک اسی وقت ایک نیا خیال آیا۔ آپ بھی سنئے ممکن ہے آپ بھی اس سے متفق ہوں۔ دکان کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا پڑے گا۔ اس کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ قاسم کو ماڈل بنایا جائے۔ ایسی یکم شحیم عورت آج تک نہ دیکھی گئی ہوگی۔ غرارہ سوٹ پہنا کر مین دروازے پر کھڑا کر دوں گا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بورڈ ہوگا جس پر تحریر ہوگا۔ میرے ملبوسات کی فٹنگ آسان نہیں لیکن یہ دیکھئے۔"

دوسری طرف سے فریدی کی زہریلی سی ہنسی سنائی دی اور اس نے کہا۔ "تو تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں پیشہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے ممکن ہے!" حمید نے رفیعہ کے لہجے کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اتنی زبردست فاقہ کشی کے بعد پہلے دسترخوان ہی کی سوجھے گی۔"

"بکومت۔! سنجیدگی سے سنو!" وہ لڑکی جس کا تذکرہ تم نے کیا تھا بہت ذہین معلوم ہوتی ہے لہٰذا.... تمہیں ایک مرد کا بھی انتظام کرنا ہے لیکن وہ قاسم نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے کل کوئی مرد کٹر بھی ملازمت کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچے۔ اس بار مت چوکنا۔ پہلے ہی تمہیں ایک مرد کٹر ضرور رکھنا چاہیے تھا۔ خیال رہے۔! البتہ قاسم کے ماڈل بنائے جانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اس پر تمہاری شخصیت ہرگز نہ ظاہر ہونی چاہیے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ لیکن کیا آپ اس ذہین لڑکی کو مجھ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا آج اسے چھٹی دے دوں گا۔"

ایسا ہرگز مت کرنا کیوں کہ اس پیشے میں تم قطعی

www.taemeernews.com

نئے ہو۔"

"آپ کی اطلاع کے لئے وہ لڑکی بھی ماہر نفسیات ہے۔ تب تو ہر قسم کی بخیہ گری کر سکے گی۔ بہرحال اُسے رہنا ہے۔ قاسم سارے گھر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ اس کے لئے کوئی انتظام کرو۔"

"میں تو سونے جا رہا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اور حمید نے بھی تانی ـــ

دوسری صبح وہ قاسم کو سوتا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا۔ لیکن اس کے نام ایک پرچہ چھوڑے جانے میں غفلت نہیں کی تھی۔ اس نے اسے ہدایت دی تھی کہ وہ زنانہ لباس میں ٹھیک دس بجے ٹپ ٹاپ ٹیلرز کی دوکان پر پہنچ جائے۔ ساتھ ہی زبیدی سے کہا گیا تھا کہ میک اپ وہی کر دے تو بہتر ہے اور پلاسٹک میک اپ ہی اس کے خاردار گالوں کی اصلیت چھپا سکے گا۔

گھر سے جلد بھاگنے کے باوجود بھی دوکان پر کسی قدر.. دیر سے پہنچا لڑکیاں دوکان کے سامنے منتظر تھیں۔

رضیہ چہک کر بولی۔ بہت دیر سے تشریف لائے ہیں آپ۔ دوکان کی ایک کنجی میرے پاس بھی ہونی چاہیئے۔"

"صرف دس منٹ دیر سے آیا ہوں۔"

"دس منٹ بہت ہوتے ہیں۔"

"پیشۂ آبا سپہ گری رہا ہے۔ بچیں۔ کسی پشت میں کوئی خیاط نہیں ہوا۔ یہ تو مقدر کی بات ہے، لفٹنٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد ٹیلرنگ شاپ کی منیجری حصے میں آئی ہے۔"

"ایک نفسیاتی کمزوری۔ آپ اس پیشے کو ذلیل سمجھتے ہیں احساس برتری کا شکار، یہ مرض آدمی کو پاگل پن تک لے جا سکتا ہے۔"

"دوکان کھولنے دو گی یا.....؟" حمید جھلاہٹ بس اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

"چچ چچ..... یہ غصہ آپ کو لے ڈوبے گا۔"

"اب خاموش رہو ـــ!"

حمید نے دوکان کھولی..... سب اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئیں لیکن رضیہ حمید کے پاس آ بیٹھی۔

"کیوں؟" حمید نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا

"کام ہوگا تو مشین پر جا بیٹھوں گی۔"

اور کام نہ ہونے پر اس کی اور ہانگ کر دگی۔"

حمید نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

یہ بھی ضروری ہے۔ ورنہ آپ پورے کاروبار کو غرق کر دیں گے۔"

"باس کو مجھ پر اطمینان ہے۔ تم فکر نہ کرو۔"

"لفٹینٹ کرنل صاحب یہ میدان جنگ نہیں ہے۔ درزی کی دوکان ہے مشینیں کاشن پر پریڈ نہیں کرتیں انہیں چلانا پڑتا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ تم زبان کے علاوہ اور کچھ نہیں چلا سکتیں، کبھی کبھی ہاتھ بھی چلتے ہیں۔"

"بدتمیزی برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے!"

"لیکن قیافہ کہتا ہے کہ آپ عورتوں کے سلسلے میں سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔"

"صرف عورتوں کے سلسلے میں۔ نفسیات کی کتابوں کی الماری میری دانست میں سوختنی ہے۔"

"اتنی گاڑھی اُردو نہ بولیئے۔ میں نے نفسیات انگریزی میں پڑھی تھی۔"

"جہنم میں گئی نفسیات۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تم بڑبیاں سے ـــ!" ہاتھ اتنے زور سے مارا تھا۔ میز پر کہ وہ بیساختہ اچھل پڑی تھی۔ پھر تشویش کن انداز میں اپنی نبض دیکھ کر بولی تھی۔" دوران خون تیز ہو گیا۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے ـــ اعصابی .... نظام....."

حمید اتنی دیر میں دوکان چھوڑ کر نشت پر آیا تھا فون کی گھنٹی بجی۔ زبیدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کسی نے اس سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"آپ کون ہیں؟" زبیدی نے پوچھا۔

"طارق ـــ کرنل صاحب سے بس اتنا ہی کہہ دیجئے

"طارق ـــ اوہ ـــ یہ میں ہی ہوں۔"

"کرنل صاحب ـــ! ابھی وہ پھر آئی تھی۔ لیکن

www.taemeernews.com

بے تعلقی سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابے مذاق نہ اڑاؤ میرا۔"

"قاسم کہیں تم پاگل نہ ہو جانا۔" فریدی بولا۔

"اللہ قسم میں تو مر ہی جاؤں۔"

"چھاتی پر دو ہتھڑ چلا کر۔" حمید نے کسی فلم ڈائرکٹر کی طرح ہانک لگائی اور قاسم نے پچ پچ وہ جملہ اسی حرکت کے ساتھ دوبارہ ادا کیا۔

فریدی حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اندر چلا گیا۔

"اسے تو ان کا کیا بگڑتا ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا

"اب جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"کیا۔ میں اس طرح گھر جاؤں گا۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"کیا حرج ہے بیوی سے بھی اس میک اپ کی داد وصول کر لاؤ۔"

"سالی دیکھ کر جل جائے گی۔"

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ جلنے بھننے لگی تو تم اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرو گے۔"

"اور اگر اس نے ابا جان کو فون کر دیا تو۔؟"

"تم ٹھکو پٹو گے اور وہ اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرے گی۔"

"اے جاؤ... سالے وہی ڈوب جانے والا مشورہ دو گے!"

"مجھے نیند آ رہی ہے قاسم۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"میں یہیں آرام فرماؤں گا۔" قاسم نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہارے سائز کا کوئی بستر موجود نہیں ہے!"

"دو بستر ملا کر کام چل جائے گا۔"

پھر حمید اسے وہیں چھوڑ کر اپنی خوابگاہ کی طرف جھپٹا تھا۔ قاسم نے اس کا تعاقب ضرور کیا لیکن وہ اسے کافی پیچھے چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا کچھ دیر تک قاسم دروازہ پیٹتا رہا۔ پھر سناٹا چھا گیا اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "یہ کیا نوبت پھیلائی ہے تم نے۔"

"خدا کی قسم آج میں نے نہیں بلایا۔ خود ہی آیا تھا۔ کہنے لگا میں نے شلوار میں الاسٹک ڈالنا بھی سیکھ لیا ہے اب ٹپ ٹاپ ٹیلرز کے یہاں نوکری دلوا دو۔ میں نے کہا وہاں صرف عورتیں کام کرتی ہیں۔ کہنے لگا تمہارے لئے کیا مشکل ہے بنا دو مجھے عورت.... ٹھیک اسی وقت ایک نیا خیال آیا۔ آپ بھی سنئے ممکن ہے آپ بھی اس سے متفق ہوں۔ دکان کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا پڑے گا۔ اس کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ قاسم کو ماڈل بنایا جائے۔ ایسی یکم تحجم عورت آج تک نہ دیکھی گئی ہو گی۔ غرارہ سوٹ پہنا کر عین دروازے پر کھڑا کر دوں گا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بورڈ ہو گا جس پر تحریر ہو گا۔ میرے ملبوسات کی فٹنگ آسان نہیں لیکن یہ دیکھئے۔"

دوسری طرف سے فریدی کی زہریلی سی ہنسی سنائی دی اور اس نے کہا۔ "تو تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں پیشہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے ممکن ہے!" حمید نے رفیعہ کے لہجے کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اتنی زبردست فاقہ کشی کے بعد پہلے دسترخوان ہی کی سوجھے گی۔"

"بکواس۔ سنجیدگی سے سنو!" وہ لڑکی جس کا تذکرہ تم نے کیا تھا بہت ذہین معلوم ہوتی ہے لہٰذا.... تمہیں ایک مرد کا بھی انتظام کرنا ہے لیکن وہ قاسم نہیں ہو گا۔ ہو سکتا ہے کل کوئی مرد کٹر بھی ملازمت کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچے۔ اس بار مت چوکنا۔ پہلے ہی تمہیں ایک مرد کٹر ضرور رکھنا چاہئے تھا۔ خیر لیبن۔! البتہ قاسم کے ماڈل بنائے جانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اس پر تمہاری شخصیت ہرگز نہ ظاہر ہونی چاہئے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ لیکن کیا آپ اس ذہین لڑکی کو مجھ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا آج اسے چھٹی دے دوں گا۔"

"ایسا ہرگز مت کرنا کیوں کہ اس پیشے میں تم قطعی

نئے ہو؟"

"آپ کی اطلاع کے لئے وہ لڑکی بھی ماہر نفسیات ہے۔ تب تو ہر قسم کی بخیہ گری کر سکے گی۔ بہرحال اُسے رہنا ہے۔ قاسم سارے گھر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ اس کے لئے کوئی انتظام کرو۔"

"میں تو سونے جا رہا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اور حمید نے لمبی تانی ۔۔۔

دوسری صبح وہ قاسم کو سوتا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا۔ لیکن اس کے نام ایک پرچہ چھوڑنے جانے میں غفلت نہیں کی تھی۔ اس نے اسے ہدایت دی تھی کہ وہ زنانہ لباس میں ٹھیک دس بجے ٹپ ٹاپ ٹیلرز کی دوکان پر پہنچ جائے۔ ساتھ ہی فریدی نے کہا گیا تھا کہ میک اپ وہی کر دے تو بہتر ہے اور پلاسٹک میک اپ ہی اس کے غار دار گالوں کی اصلیت چھپا سکے گا۔

گھر سے جلد بھاگنے کے باوجود بھی دوکان پر کسی قدر۔۔ دیر سے پہنچا لڑکیاں دوکان کے سامنے منتظر تھیں

رضیہ چہک کر بولی۔ بہت دیر سے تشریف لائے ہیں آپ۔ دوکان کی ایک کنجی میرے پاس بھی ہونی چاہیئے۔"

"صرف دس منٹ دیر سے آیا ہوں۔"

"دس منٹ بہت ہوتے ہیں۔"

"پیشہ آبا سپہ گری رہا ہے۔ کچھیں کسی پشت میں کوئی خیاط نہیں ہوا۔ یہ تو مقدر کی بات ہے۔ لفٹنٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد ٹیلرنگ شاپ کی منیجری حصے میں آئی ہے۔"

"ایک نفسیاتی کمزوری۔ آپ اس پیشے کو ذلیل سمجھتے ہیں احساس برتری کا شکار۔ یہ مرض آدمی کو پاگل پن تک لے جا سکتا ہے۔"

"دوکان کھولنے دو گی یا۔۔۔۔؟" حمید جھلاہٹ میں اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

"پچ پچ۔۔۔۔ یہ غصہ آپ کو لے ڈوبے گا۔"

"اب خاموش رہو۔۔۔!"

حمید نے دوکان کھولی۔۔۔۔ سب اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئیں لیکن رضیہ حمید کے پاس آ بیٹھی۔

"کیوں؟" حمید نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا

"کام ہوگا تو مشین پر جا بیٹھوں گی۔"

اور کام نہ ہونے پر اس کی اور ہانگ کر دو گی۔"

حمید نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

یہ بھی ضروری ہے۔ ورنہ آپ پورے کاروبار کو غرق کر دیں گے۔"

"باس کو کچھ پر اطمینان ہے۔ تم فکر نہ کرو۔"

"لفٹینٹ کرنل صاحب یہ میدان جنگ نہیں ہے۔ درزی کی دوکان ہے مشینیں کاشن پر پریڈ نہیں کرتیں انہیں چلانا پڑتا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ تم زبان کے علاوہ اور کچھ نہیں چلا سکتیں"

"کبھی کبھی ہاتھ بھی چلاتے ہیں۔"

"بدتمیزی برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے!"

"لیکن قیافہ کہتا ہے کہ آپ عورتوں کے سلسلے میں سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔"

"صرف عورتوں کے سلسلے میں۔ نفسیات کی کتابوں کی الماری میری دانست میں سوختنی ہے۔"

"اتنی گاڑھی اردو نہ بولئے۔ میں نے نفسیات انگریزی میں پڑھی تھی۔"

"جہنم میں گئی نفسیات۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تم ٹڑیہاں سے ۔۔!" ہاتھ اتنے زور سے مارا تھا۔ میز پر کہ وہ بیساختہ اچھل پڑی تھی۔ پھر تشویش کن انداز میں اپنی نبض دیکھ کر بولی تھی۔ "دوران خون تیز ہو گیا۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے ۔۔ اعصابی ۔۔۔۔ نظام۔۔۔۔"

حمید اتنی دیر میں دوکان چھوڑ کر فٹ پاتھ پر اتر آیا تھا

فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کسی نے اس سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"آپ کون ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"طارق ۔۔ کرنل صاحب سے بس اتنا ہی کہہ دیجئے"

"طارق ۔۔ اوہ ۔۔ یہ میں ہی ہوں۔"

"کرنل صاحب ۔۔! ابھی وہ پھر آئی تھی۔ لیکن

www.taemeernews.com

نکل کر پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑی۔

ایک ریڈیو کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بڑی تیزی سے انجن اسٹارٹ کیا اور ریڈیو کا سوئچ آن کر کے مائیک میں کہا۔ ہیلو۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔ فریدی اسپیکنگ۔"

"یس سر" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"پریزنٹ پوزیشن۔"

"وہ ہوٹل میں داخل ہوئی ہے جناب!"

"سوئچ آن رکھو!"

"او کے سر"

فریدی نے کار بیک کر کے پارکنگ شیڈ سے نکالی اور اسے پھاٹک سے گزارتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ ریڈیو کا سوئچ کھلا ہوا تھا۔

ایک ہفتے کے اندر ہی اندر اتنا کام آ گیا کہ حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس کی دانست میں وقت پر ان کا پورا ہونا محال ہی تھا۔ رفیعہ چہکتی رہتی۔ اس کی بوکھلاہٹوں کا مضحکہ اڑاتی اور وہ تاؤ کھاتا رہتا۔

قاسم بھی بدستور موجود تھا۔ دکان کی پبلسٹی کا باعث وہی تو تھا۔ ایک سرخ و سپید لحیم شحیم عورت۔ جو عورتوں کو اس طرح دیدے سے گھورتی کہ وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگتیں اور اس کے دانت نکل پڑتے۔

دروازے کے قریب کھڑا ہوتا۔ جسم پر کبھی ساڑی ہوتی اور کبھی غرارہ سوٹ۔ پبلسٹی کا بورڈ اٹھائے کبھی کبھی بسورتا بھی دکھائی دیتا۔ ہاتھ دکھ جاتے لیکن حمید کا حکم تھا کہ ایک گھنٹے کے وقفے ہی سے وہ اپنے ہاتھوں کی پوزیشن بدل سکے گا۔

آج صبح ہی صبح دونوں میں جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ حمید نے کہا تھا کہ وہ اس کا حساب کر دے گا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

"یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔۔ میں تو۔۔۔۔ نہیں جاؤں غا۔۔۔۔ غی۔۔۔۔ اررر۔۔۔۔!"

"بورڈ اوپر رکھو!" حمید نے ڈانٹ کر کہا تھا۔

"ابھی تو کچھ ہوا ہی نہیں بورڈ کیسے رکھ دوں۔"

"کیا نہیں ہوا؟"

"مطلب یہ کہ دھندا ابھی چلا کہاں ہے۔"

"بس اتنی پبلسٹی کافی ہے۔"

"تو ان نپٹنا ہے۔" قاسم نے اس طرح کہا جیسے اس سلسلے میں وہ خود بھی کوئی پلان رکھتا ہو۔

"ارے دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔"

"ختم کیجئے۔" رفیعہ بیچ بچاؤ کی غرض سے بولی تھی۔ "کچھ دن اور سہی آخر آپ اتنا گھبراتے کیوں ہیں نفسیاتی نکتہ نظر سے۔۔۔۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر کی ایسی کی تیسی۔ تم کیوں دخل اندازی کر رہی ہو؟"

"میں یہی مناسب سمجھتی ہوں کہ یہ ماڈل کچھ دنوں اور کام کرے اس کے بعد میں خود اس کے لئے کوئی دوسرا کام تلاش کر دوں گی۔ مجھے ہمدردی ہے اس بیچاری سے!"

"ہے نا!" قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

رفیعہ پھر فراکوں کے گلے بنانے لگی تھی۔ وہ صرف گلے ہی بناتی تھی۔ خود کو اس کی اسپیشلسٹ کہتی تھی۔

اس وقت وہ بیکار بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور ہونٹ کسی قدر سکڑے نظر آ رہے تھے۔

دوسری لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھیں کٹر سامنے پڑے ہوئے کپڑے پر نشانات لگا رہا تھا اور حمید دانتوں میں پائپ دبائے پر تفکر انداز میں قاسم کا جائزہ لے رہا تھا جس نے ابھی ابھی پوزیشن تبدیل کی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اگر قاسم اسے پہچان لے تو اس کا رد عمل کیا ہوگا۔

ویسے قاسم کی وجہ سے ایک الجھن بڑھ گئی تھی۔ وہ تھی اس کی ذہنی رو جس کے تحت وہ خود کو کبھی مذکر بولتا تھا اور کبھی مونث! حمید کا خیال تھا کہ رفیعہ اس کے بارے میں مطمئن نہیں۔ پھر زنانہ اور مردانہ آواز میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ قاسم بھلا اپنی آواز پر قابو کیسے پاسکتا جب کہ ذہن ہی قابو میں نہیں تھا۔

بہرحال حمید کے لئے یہ ایک پریشان کن مسئلہ تھا وہ چاہتا تھا کہ اب قاسم کو چلتا کرے۔ دکان کی خاصی پبلسٹی ہو چکی تھی۔

اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دکان کے قیام

www.taemeernews.com

سے منافع کی توقع پر تجارت ہی ہوگا۔ بس اسی اسکیم کے تحت ہی ایسا ہوا تھا۔

زبیدی کی پرانی عادت تھی کہ تفتیش کے دوران میں کسی خاص نتیجے پر پہنچے بغیر اپنے بعض افعال کی وضاحت نہیں کرتا تھا۔ حمید خیالات کی رو میں بہتا رہا۔

اسے بھی اس بار کیا غور کرنا پڑا؟ ... اس نے رضیہ کی آواز سنی اور چونک پڑا۔ قاسم کے دانت نکل پڑے تھے اور وہ اب بھی رضیہ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"ادھر کیوں دیکھ رہی ہو؟" حمید نے قاسم کو للکارا۔

"انہیں گھور رہا ہوں" قاسم جل کر بولا "تو کیوں نہ دیکھوں؟"

"پتھر ماروں گی سر پھٹ جائے گا.....!" رضیہ چنچنائی۔

"نفسیاتی ہے!" حمید سر ہلا کر بولا۔

"ہاں.... ہاں.... نفسیاتی...." رضیہ جھلا کر بولی "اس حرامزادی کی ہنسی برسا جاتے ہیں.... دیکھئے گا!"

"کیا.... کہا.... حرامزادی!" قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ پھر ہنس پڑا۔ اور بولا۔ "جو حرامزادی ہو وہ برا مانے...!"

"خاموش رہو.... خاموش رہو!" حمید جلدی سے بول پڑا۔ "درزی خانہ ہے بھٹیار خانہ نہیں۔"

قاسم ہنستا رہا! اور رضیہ حمید سے بولی۔ "اب یہاں میں رہوں گی یا یہ"

"ارے واہ بی بی" قاسم نے ناک پر انگلی رکھ کر لچکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی بڑی ارچھیداری کر رہی تھیں اور اب آپے سے باہر ہو گئیں۔ اللہ تیری قدرت....!"

"یہ میرا فیصلہ ہے جناب...." رضیہ نے حمید سے کہا۔

"نفسیاتی تجزیہ نفرت ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں اور آپ بھی سنجیدگی سے سنئیے۔"

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک گاہک دوکان میں داخل ہوئی۔ ادھیڑ عمر کی پروقار عورت تھی۔ نئی ہی قسم کی ماڈل کی ایک گاڑی سے اتری تھی۔

"میرے کپڑے" اس نے حمید سے کہا۔

"جی ہاں.... تیار ہیں!" حمید کی بجائے رضیہ نے جواب دیا اور اٹھ کر ٹوکیس سے ایک جوڑا نکالا۔

عورت کچھ دیر تک جوڑے کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولی "یہ موریاں بنائی ہیں۔ شلوار کی یا مونگ کے پاپڑ بیلے ہیں!"

"میں نہیں کہی محترمہ۔"

"مجرم ہے اس میں؟" عورت غرائی۔

"جی ہاں۔" رضیہ نے کہا۔

"یہ سراسر بکواس ہے۔" عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

"وہ کیا جانیں!" رضیہ بولی "موریاں جس نے بنائی نہیں۔"

"تب تو بہتر یہی ہوگا کہ تم نہ بنایا کرو۔"

"کیا میں ادھیڑ کر دکھاؤں مجرم آپ کو۔" رضیہ نے بھی کسی قدر تیز ہو کر کہا۔

"نہیں نہیں تم خاموش رہو۔ ممکن ہے یہ خاتون درست کہہ رہی ہوں" حمید جلدی سے بول پڑا۔ "آپ کل لے لیجئے گا محترمہ۔ میں دوسرا مجرم رکھوا دوں گا..... وہ کیا کہتے ہیں.. ... گھوڑے کی دم کے بالوں والا۔"

"اور ستیاناس کر دو گے۔"

"اچھا پھر جیسے آپ فرمائیں!"

"میں کہتی ہوں اس میں مجرم نہیں ہے۔ یہ لڑکی جھوٹ بولتی ہے۔"

"بہت ہو چکا" رضیہ تیور بدل کر بولی۔ "بہتر ہے آئندہ آپ کہیں اور سلوائیں۔"

"ارے.... ارے.... دماغ نہیں چل گیا" حمید بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "معاف فرمائیے گا۔ بات یہ ہے کہ یہ لڑکی نفسیات کا شکار ہے۔ میں ان موریوں کو دوبارہ بنواؤں گا۔"

"میں تو ہرگز نہ بناؤں گی۔"

"تم چپ رہو بس" حمید کو سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

"تم ایسے بدتمیز لوگوں کو رکھتے ہی کیوں ہو۔" عورت نے رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"اے سے" دفعتاً قاسم کی للکار سنائی دی "بدتمیز دیکھ نہ کہنا اچھا نہیں تو بس!"

"تم سب بیہودہ ہو" عورت نے پیر پٹخ کر کہا۔ "اسے ٹھیک کردو اچھا.... میں کل اپنے ملازم کو بھیجوں گی۔ تیار رہے"

www.taemeernews.com

"جی بہت اچھا.... محترمہ" حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

عورت رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی چلی گئی

حمید اس وقت قطعی بھول گیا تھا کہ وہ حقیقتاً کون ہے رضیہ پر اس شدت سے غصہ آیا تھا کہ اس میں اور ایک درزی خانے کے بوڑھے ہوئے منتظم میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔ "میں اب تمہیں نہیں برداشت کر سکتا۔" وہ غصے سے ہانپتا ہوا بولا۔

"ہم دونوں کو رکھنا پڑے گا۔" قاسم باہر سے غرایا۔

"تم چپ رہو۔"

"اے.... جبان سنبھال کے.... ورنہ اٹھاؤں گا۔ کرسی اور توڑ مروڑ کر سڑک پر پھینک دوں غا.... غی.... غی.... غی....!"

"آپ لوگ جھگڑا نہ کریں۔" ایک لڑکی بڑے نرم لہجے میں بولی۔ "بگرم کا کام اب میں کیا کروں گی۔ میرے کام سے آج تک کسی کو بھی شکایت نہیں ہوئی۔"

اس لڑکی کا نام فرزانہ تھا۔ بہت کم سخن تھی۔ حمید نے تو ابھی تک اسے قہقہہ لگاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ بہت زیادہ ہنسی کی بات ہوتی تو بس ہونٹوں پر خفیف سا کھنچاؤ پیدا ہو جاتا۔ جسے مسکراہٹ بھی کہا جا سکتا تھا اور دوسرے ہنسنے والوں کی بے عقلی پر ماتم بھی۔

"نہیں اس گدھی کی بچی کی موجودگی میں تو بگرم میں ہی رکھوں گی۔" رضیہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس کے بعد پھر چاہے جو انتظام ہو۔ پلاسٹک کا بگرم رکھوں گی تاکہ پریس کرتے وقت مزہ آجائے بیگم صاحبہ کو۔"

"کیا میں الو کا بچہ ہوں۔" حمید جھلاہٹ میں سر سے پاؤں تک ہل کر رہ گیا۔

"میں اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتی۔"

"میں بھی نہیں کہہ سکتا!" قاسم نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن اگر مجھے یہاں سے نکالا گیا تو کہنا ہی پڑے گا۔"

"شٹ اپ....!"

رضیہ نے قاسم کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے۔

بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی اور ہونٹ بھینچے ہوئے ٹرنک کی جانب مڑ گیا۔

اس کے بعد سناٹا چھا گیا تھا

حمید کچھ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ دو تین کش لینے کے بعد اسے خیال آیا کہ وہ درزی نہیں بلکہ محکمہ سراغرسانی کا ایک ذمہ دار آفیسر ہے اور چونکہ یہ کسی قسم کا ڈرامہ ہی ہے اس لئے کبھی کبھی اس قسم کا کوئی نیچرل پچ اسے ناگوار نہ گزرنا چاہیئے۔

اس نے رضیہ کی طرف دیکھا جو مشین کے قریب سر جھکائے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ پائپ کے مزید دو تین کش غصے کو بالکل ہی زائل کر دینے میں مؤید و معاون ثابت ہوئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "اگر تم نسوانی نکتہ نظر سے اپنے الفاظ.. واپس لے لو تو میں ....!"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں!" رضیہ نے سر اٹھا کر کہا۔

"الاتم بالکل بے خوف ہو تم۔" قاسم بے ساختہ بول پڑا۔ "میں تو اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گی۔"

حمید اسے نظر انداز کر کے بولا۔ "میرا خیال ہے بگرم والا کام تم فرزانہ ہی کے سپرد کر دو۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بہت تیری کی!" قاسم نے چلٹی بورڈ پھینک کر اپنے زانو پر دو ہتڑ چلایا اور چند لمحے رضیہ کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ "بہت بزدل ہو۔ الفاظ بھی واپس لے اور اب کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔"

"ارے تم اپنا کام کرو میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں یوں۔"

"اے جبان سنبھال کے.... تو کیا ہو گی تم....!"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے.... تم تو بادشاہ ہو۔" رضیہ ہنس پڑی۔

"یہ تم نے بورڈ کیوں گرایا۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"افسوس کے مارے۔" قاسم نے بڑا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"اٹھاؤ بورڈ....!"

www.taemeernews.com

قائم نے جھک کر بورڈ اٹھایا۔ لیکن بورڈ سمیت دوبارہ سیدھے ہوتے ہوئے توازن قائم نہ رکھ سکا۔ چلا آیا منہ کے بل نیچے۔

آس پاس کے لوگ دوڑ پڑے۔

لڑکیاں بے تحاشا ہنس رہی تھیں اور رفاعی چنگھاڑ رہا تھا "خبردار جو کسی نے ہاتھ لگایا..... دور ہٹو..... دور ہٹو..... میں خود اٹھ جاؤں گی..... غرے..... غرے باپ ریغ....."

بدقت تمام اٹھا اور بورڈ کو ایک کنارے رکھ کر وہ دوکان کے اندر چلا آیا۔

"اب کسی کے منہ سے نہ پھوٹے تھا کہ میں بھی ذرا آرام کروں" وہ ہانپتا ہوا بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر پہلے سے بھی زیادہ ہانپنے لگا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی تو وہ اٹھ کر اندرونی کمرے میں چلا آیا۔

"ہیلو....!" ماؤتھ پیس میں پائپ کا دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔

"قائم کو وہاں سے ہٹادو!" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"یہ میرے بس سے باہر ہے۔ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں تو خود کوشش کر رہا ہوں کہ اب اس پر بجلی ہی گر جائے....!"

"میں ابھی بلوائے لیتا ہوں!"

"شکریہ..... بہت بہت شکریہ!"

"اور کوئی خاص بات!"

"ابھی تک تو کوئی ایسی عورت نظر نہیں آئی جس کا تذکرہ کیا تھا آپ نے!"

"اب اس کی فکر نہ کرو۔ اب وہ میری دسترس میں ہے!" فریدی نے کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اور وہ عورت تو چھلاوہ تھی۔ ادھر آئی اور ادھر گئی ایک ہفتے سے فریدی اس کی نگرانی کر رہا تھا لیکن ابھی تک کسی کو بھی موقع نہیں مل سکا تھا کہ قریب سے اس کی ٹھوڑی کے تل کا جائزہ لیتا۔ ویسے سیاہ رنگ کا تل دور سے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کے بالوں میں خضاب بھی اعلیٰ درجہ کا لگا ہوا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے بالوں کی اصلی رنگت سیاہ نہ ہوگی۔

اب وہ اس دن سے کہیں نہیں دیکھی جاتی تھی۔ جس کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ عرفان آرٹسٹ کی ہو سکتی ہے آج کل اس کے پاس سرخ رنگ کی چھوٹی سی سپورٹ کار تھی۔

اس وقت بھی وہ سرخ رنگ کی گاڑی نارجام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور خود فریدی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ وہ نارجام جائے گی پچھلے دن اس کی نگرانی کرنے والوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ ایک آدمی سے ملنے کے لئے نارجام جائے گی اطلاع دینے والے نے بہت قریب سے وہ گفتگو سنی تھی۔ جس کے مطابق دونوں نارجام میں ملنے والے تھے۔

فریدی کو اس کی قیام گاہ کا علم بھی تھا۔ اس ایک ہفتے کے دوران میں اس لڑکی کے سلسلے میں بہت کچھ ہوا تھا خفیہ سراغرسانی کے ایک فوٹوگرافر نے اپنے کیمرے سے اس کی تصویر لی تھی۔ یہ تصویر عرفان کو دکھائی گئی عرفان نے بتایا کہ وہ اس واردات والی لڑکی سے کسی قدر مشابہت رکھتی ہے۔ بالوں کی رنگت اور تل کے بارے میں فریدی کو عرفان ہی نے بتایا تھا اور طارق نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ لیکن اسپائی کیمرہ تصویر میں تل کو واضح نہ کر سکا۔ فریدی کا خیال تھا کہ کسی قدر مشابہت والی بات کیمرے کے غلط زاویئے کی بنا پر تھی۔ اگر زاویہ صحیح ہوتا تو عرفان اسے یقینی طور پر پہچان لیتا۔

بہرحال اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کرنا کیا چاہتی ہے؟ فی الحال اس کے خلاف عرفان کی شکایت کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں تھا۔ وہ لاش بھی تو برآمد نہیں ہو سکی تھی۔

فریدی اس وقت ایک ایسی ریڈ لوکار سے سفر کر رہا تھا۔ جو بظاہر ریڈ لوکار نہیں معلوم ہوتی تھی۔ دوسری

www.taemeernews.com

ریڈیو کار اس سے ایک میل پیچھے تھی جس میں امر سنگھ تھا، وہی اسے ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔

اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پچھلے دو ماہ سے فریدی اپنی حفاظت کے لئے کچھ ماتحتوں کو اپنے آس پاس ہی رکھنے لگا تھا۔ لیکن کسی کو اس کی وجہ نہیں بتائی تھی۔ حمید کو تو شاید اس کا بھی علم نہیں تھا کہ فریدی نے اس قسم کا کوئی انتظام کیا ہے؟

لڑکی کے بارے میں فریدی نے محسوس کیا تھا کہ وہ پیچ پیچ خائف ہے۔ ورنہ وہ اس نگرانی کو طول نہ دیتا۔

دفعتاً ایک تیز رفتار گاڑی قریب سے آگے نکل گئی۔ اس کی رفتار... معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگے جانے والی اسپورٹ کار کو بھی پیچھے ہی چھوڑ جائے گی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی اسپورٹ کار کے برابر پہنچی اور اسپورٹ کار بے تحاشہ سڑک کے کنارے اترتی چلی گئی۔ پھر فریدی نے اسے الٹتے دیکھا۔ ساتھ ہی وہ مائیک میں چیخنے لگا۔ "امر سنگھ ہلو... امر سنگھ اسپورٹ کار پر فائر ہوئے ہیں وہ بائیں جانب کے نشیب میں الٹ گئی ہے۔ اسے دیکھو۔ میں فائر کرنے والوں کا تعاقب کر رہا ہوں۔"

مائیک کو ماؤنٹ پر رکھتے ہوئے اس نے گیئر بدل کر ایکسلریٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ کار آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتی رہی۔

اور پھر وہ گاڑی نظر آئی۔ جس سے فائر ہوئے تھے اب دونوں کا درمیانی فاصلہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو گز رہا ہوگا۔ فریدی نے یہی رفتار قائم رکھی۔

ایک بڑی خوش لباس اور خوبصورت لڑکی قاسم سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ قاسم کافی نیچے جھک کر اپنا بایاں کان اس کے منہ کے قریب لایا تھا۔ سرگوشیوں کے درمیان میں وہ کبھی الوؤں کی طرح دیدے نچانے لگتا اور کبھی بیساختہ اس کے دانت نکل پڑتے۔ اور ہر بات کے اعتراف میں سر تو مستقل طور پر ہلا جا رہا تھا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور کام کرنے والی لڑکیاں بھی کچھ کم متحیر نہیں تھیں۔

دفعتاً قاسم سے سرگوشیاں کرنے والی لڑکی پیچھے ہٹی اور قاسم سیدھا ہوتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں میں تنفر آمیز کھنچاؤ صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ لڑکی اب فٹ پاتھ پر دکھائی دی۔

قاسم چند لمحے حمید کو اسی طرح گھورتا رہا پھر آگے بڑھا اور اس کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"فردو صاب... بھینگے ہے۔" اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ کون تھی؟" حمید نے ان سنی کر کے سوال کیا۔

"میری والدہ تھی... تم سے مطلب۔ فردو میرا حساب میں جا رہا... رغی... بول سے!"

"کہاں جا رہی ہو...!" رفیعہ نے پوچھا۔

"دوزخ میں جا رہے... تمہارا بھی انتظام کر دوں گی۔ یہ سالے اس قابل نہیں ہیں کہ کوئی شریف عورت ان کے یہاں قیام کرے۔"

"کیا بکتی ہو!" حمید غرایا۔

"اب کیا قسم کہ تم سارا دن ان غریبوں کو نہیں گھورتے رہتے۔"

"کیوں بکواس کر رہی ہو!"

"زبان سنبھالو منیجر صاحب! ورنہ چٹنی بنا کر رکھ دوں گا... گی... کی..."

"کرسی دیکھئے صاب!" فرزانہ بول پڑی۔ جو بہت کم سخن تھی اور کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔

حمید نے سوچا خس کم جہاں پاک اور اس کا حساب کر کے جتنی رقم بنتی تھی حوالے کی۔

قاسم نے جاتے جاتے ساری لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "دیکھو... اس آدمی سے ہوشیار رہنا۔ داڑھی بڑھا کر شکار کھیلتا ہے سالا...!"

"نکل جاؤ۔" حمید پیر پٹخ کر دہاڑا۔

قاسم ہنستا ہوا سیڑھیوں سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔

"پتہ نہیں یہ کون تھی... اور کیا کہہ گئی کہ یک بیک دماغ ہی الٹ گیا بیچارے کا۔" ایک لڑکی بولی۔

رفیعہ حمید کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں

www.taemeernews.com

پر فریب عورت اپنی مسکراہٹ لرز رہی تھی۔

"یعنی جناب! کیا آپ اس کے خیال سے متفق ہیں"

اس نے حمید سے کہا۔

"ہاں ــــ نفسیاتی نکتۂ نظر سے!" حمید کا جواب تھا لیکن خود اسے سخت الجھن تھی کہ آخر یک بیک یہ ہوا کیسے۔ وہ لڑکی کون تھی اور اس سے کیا چاہتی تھی ــ!

"سخت بدتمیز عورت تھی ــ!" رضیہ ہنس کر بولی۔ بعض عورتوں کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا۔ بدتمیز عورت کی بجائے غورت کہلائی جاسکتی ہے۔"

دفعتاً حمید کو یاد آیا۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ قاسم کو بلوائے گا ـــ تو پھر وہ لڑکی۔ ہائے.... ایسے ایسے چاند کے ٹکڑے بھی پڑے ہوئے ہیں اس نازک ذات کی جھولی میں ـــ خداوند! میری تقصیر کیا تھی ــ؟

اگلی گاڑی والوں کو شاید احساس ہوگیا تھا کہ پیچھے نظر آنے والی گاڑی ان کے تعاقب میں آئی ہے لہذا اس گاڑی کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ فریدی سوچ رہا تھا چلو کہاں تک جاؤ گے۔ خود اس کی گاڑی کی ٹنکی بھر پور تھی اور کئی گیلن پیٹرول ڈکے میں موجود تھا۔

اس نے ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا۔ اتنے میں ریڈیو سے آواز آئی۔ ہیلو.... کرنل سر!.... ہیلو.... ہیلو....!

فریدی نے بائیں ہاتھ سے مائیک اٹھا کر کہا۔

"یس اٹ از...."

"اسے گولی نہیں لگی۔ کہیں کوئی زخم بھی نہیں ہے بیہوش ہے۔ گاڑی کے باڈی میں متعدد سوراخ ہیں ـــ شاید انھوں نے ٹامی گن سے گولیاں برسائی تھیں.... اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔"

"اسے طبی امداد پہنچانے کی کوشش کرو۔ تم سے نگرانی رہے اور مجھ سے بھی رابطہ قائم رکھو۔"

"بہت بہتر جناب ــ!"

فریدی نے مائیک رکھ دیا۔ اب اس کا بایاں ہاتھ بھی اسٹیرنگ پر تھا۔

یک بیک اگلی گاڑی ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔

فریدی نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے ڈیش بورڈ کا ایک بٹن دبا دیا۔ بٹن کے قریب ہی ایک خانہ نمودار ہو۔ فریدی اس میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا کہ اس کی گاڑی بھی کچے راستے پر مڑ گئی۔

اگلی گاڑی کی رفتار اب کچھ کم ہو گئی تھی دونوں گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ اب بمشکل تمام پچاس گز رہا ہوگا۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے فریدی کا بایاں ہاتھ چار سو دس بور کی ایک چھوٹی سی بندوق سمیت باہر آیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اسے سیدھی بھی کر پاتا اگلی گاڑی یکلخت بائیں جانب مڑی اور اس کی ایک کھڑکی سے گولیوں کی بوچھار شروع ہوگئی۔ اگر فریدی نے بھی پھرتی سے اپنی گاڑی کا رخ نہ بدل دیا ہوتا تو ونڈاسکرین کے پرخچے اڑ گئے ہوتے اور پھر اس کا جو حشر ہوتا ظاہر ہے۔

اس کی گاڑی نے رخ بدل کر ایسی پوزیشن اختیار کرلی تھی کہ وہ ایک پل کے نیچے محفوظ ہوگیا لیکن اس نے فائر کرنے والے کی بجائے ان کی گاڑی کے ٹائروں پر فائر کئے اور پھرتی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

حملہ آور کی گاڑی کے دونوں ٹائر بیکار ہوگئے تھے اپنی گاڑی کی اوٹ سے کر فریدی نے بغلی ہولسٹر سے اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور نکالا۔ بندوق گاڑی ہی میں رہ گئی تھی۔

دوسری گاڑی سے فائروں کی بوچھار رک گئی تھی۔ اب فریدی کی گاڑی سے اس کا فاصلہ بمشکل بیس بائیس گز رہ گیا ہوگا۔

دفعتاً اس نے دیکھا کہ دو آدمیوں نے اس گاڑی سے چھلانگ لگائی اور مخالف سمت میں دوڑنے لگے۔

فریدی گاڑی کی اوٹ سے نکل کر ان کی طرف جھپٹا لیکن وہ ریوالور کی رینج سے باہر تھے۔

"ٹھہر جاؤ ـــ ٹھہرو ـــ ورنہ فائر کردوں گا۔" فریدی نے انہیں آواز دی۔

لیکن وہ بدستور دوڑتے رہے۔ فریدی ملک الموت کی طرح ان کے پیچھے تھا.... اور پھر جیسے ہی اس کے اندازے کے مطابق وہ ریوالور کی رینج میں آئے.... ٹریگر پر ٹھہری ہوئی انگلی نے دوبارہ جنبش کی۔

وہ دونوں لڑکھڑائے۔ دو چار قدم دوڑے اور پھر

www.taemeernews.com

ڈھیر ہو گئے۔

فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر دیکھا۔ ایک تڑپ رہا ہے اور دوسرا بالکل بے حس و حرکت ہے۔ تڑپنے والے کی ران میں گولی لگی تھی۔ اور دوسرا اوندھا پڑا تھا۔

فریدی جھک کر اسے سیدھا کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر آ گئے ...... اور دیکھتے ہی دیکھتے گردن پوری طرح ان ہاتھوں کی گرفت میں آ گئی۔

فریدی اپنے ریوالور کو پہلے ہی ہولسٹر میں رکھ چکا تھا بے دھیانی میں توازن برقرار نہ رکھ سکا، جھٹکے کے ساتھ گرے ہوئے آدمی پر آ پڑا۔

گردن پر اس کی گرفت بتدریج مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری تھی کہ وہ فریدی کو نیچے گرا دے۔

یک بیک فریدی نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا لیکن گردن کے مسلز کو بدستور اکڑائے رہا۔

اب دونوں ایک دوسرے کے مقابل زمین پر پڑے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔ وہ اسے نیچے گرا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ خود ہی فریدی نے جسم ڈھیلا چھوڑ کر اس کے لئے موقع فراہم کیا تھا۔

یک بیک اس کے حلق سے کریہہ سی آواز نکلی اور بتدریج فریدی کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔

فریدی کا داہنا ہاتھ اس کی ناک پر تھا۔

فریدی کی گردن چھوڑ کر وہ پہلا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی لیکن وہ پھر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار بھی اس کی ناک ہی پر قیامت ٹوٹی تھی .....

دونوں ہاتھوں سے ناک دبائے ہوئے گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔ ناک کے علاوہ اور عضو زخمی نہیں تھا۔ اس کے تو سرے سے گولی لگی ہی نہیں تھی۔ غالباً اس کا اندازہ ہو جانے کے بعد کہ تعاقب کرنے والا تنہا ہے اس نے فریدی سے نپٹ لینے کی ٹھانی تھی۔

گولی سے زخمی ہونے والا اب بیہوش ہو چکا تھا۔

"تم دونوں زیر حراست ہو!" فریدی نے اپنے شکار

کو مخاطب کیا جواب بھی چت پڑا۔ اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف گہرا اندھیرا ہو۔ وہ کچھ نہ بولا ...... دونوں ہاتھ اب بھی ناک ہی پر جمے ہوئے تھے۔

عین دروازے کے سامنے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور حمید نے دیکھا کہ قاسم دروازہ کھول کر باہر آ رہا ہے وہ خاموش بیٹھا رہا۔

قاسم مسکین سی صورت بنائے ہوئے دوکان میں داخل ہوا لڑکیاں خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔

"میں اپنا حساب واپس دینا چاہتی ہوں!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے!"

"مطلب یہ کہ میں پھر نہیں نوکری کروں گی۔"

"بھاگ جاؤ۔"

"اللہ قسم ..... رحم کرو .... میرے حال پر ـ وہ سالی چونا لگا گئی!"

"کیوں کیا ہوا!" رفیعہ نے حیرت ظاہر کی۔

"ارے .... وہ حرامزادی جو آئی تھی نا، مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی تھی ..... کہنے لگی میرے ساتھ چلو .... میرے کارخانے میں کام کرو ..... میرے ہی ساتھ رہنا بھی ..... میں اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی ہوں۔ بس میں نگوڑ ماری چلی گئی۔

"نگوڑ ماری" اس نے ایسے انداز میں کہا تھا کہ حمید کو ہنسی آ گئی۔

"تو پھر ہوا کیا؟" رفیعہ نے پوچھا۔

پتہ بتایا تھا حرافہ نے لیکن وہ غلط نکلا۔ نہ کارخانہ ملا ..... اور فلیٹ میں ایک مولبی صاحب بیٹھے ہوئے تھے ..... کہنے لگے یہاں کوئی دردانہ بیگم نہیں رہتیں ــ میں تنہا رہتی ہیں ..... اے لو اچھی زبردستی ہے ..... پھر آس پاس والوں نے بتایا کہ مولبی صاحب وہاں تنہا رہتے ہیں۔"

"کان نہ کھاؤ ــ جاؤ یہاں سے ....." حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

www.taemeernews.com

"پھر کو بیچئے منیجر صاحب" قاسم گھگھیا کر بولا۔
"نہیں جاؤ"۔
"اچھا اگر میں مرد ہو جاؤں تو.... کپڑے کا ٹوٹا بھی آنا ہے مجھے"
"مرد ہو جاؤ.... کیا مطلب ہے!" حمید نے بے انتہا حیرت ظاہر کی۔
"اور آپ کیا سمجھتے ہیں جناب کہ یہ عورت ہے" رضیہ نے حقارت سے کہا۔
"کیا مطلب ہے!" حمید اس کی طرف مڑا۔
"سچ کہتی ہوں بڑے بھولے ہیں آپ۔ کسی دیہاتی دوشیزہ کی طرح۔ کاش آپ کے چہرے پر داڑھی نہ ہوتی"
"یہ کیا مذاق ہے!" حمید جھلا کر کھڑا ہو گیا۔
"خفا ہونے کی بات نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ عورت نہیں ہے.... اور اب اس نے خود ہی مرد بن جانے کا سوال اٹھایا ہے"
"کیوں....!" حمید قاسم کی طرف دیکھ کر غرایا۔
قاسم پہلے تو "ہی ہی ہی" کرتا رہا پھر شرما کر بولا "اللہ قسم میں عورت نہیں ہوں.... یہاں نوکری کرنے کے لئے.... ہی ہی ہی"
"ہوں.... اچھا.... میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔ تم لوگ دیکھتی رہو بھاگ کر جانے نہ پائے"
"ارے.... یعنی.... اے باپ رے.... لے سنو تو بھی.... اللہ قسم.... ہو ہو ہو!"
حمید دوسرے کمرے کی طرف جھپٹا.... اور قاسم بدحواسی میں دکان سے اتر کر سڑک کی طرف دوڑنے لگا۔ لڑکیاں ہکا بکا کھڑی تھیں۔ قاسم نے شاید ٹیکسی چھوڑی نہیں تھی۔ پتہ نہیں کس طرح ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اس میں ٹھنس گیا۔ انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ اس کے لئے لفظ "ٹھنسا" ہی مناسب ہوگا۔
ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔
دوسرے کمرے میں حمید ٹیلیفون کے قریب دم بخود کھڑا تھا۔ اسے علم تھا کہ قاسم نکل بھاگے گا۔ [illegible]

"اب آپ اپنی داڑھی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں" پشت سے رضیہ کی آواز آئی۔ آواز بلند نہیں تھی کہ دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں تک بھی پہنچ سکتی۔
"کیا مطلب!" حمید جھلا کر پلٹا۔
"مطلب کا ہوکا لگا ہے آپ کو شاید۔ آدھے گھنٹے میں تقریباً ڈیڑھ ہزار بار آپ لفظ مطلب دہرا چکے ہوں گے؟"
"میں اس بے تکلفی کی اجازت نہیں دے سکتا"
"داڑھی اگر مصنوعی نہ ہو تب سوال پیدا ہوتا ہے توہین کا۔ پھر بھی اس واقعے کا نفسیاتی تجزیہ...."
"نفسیاتی تجزیہ...!" حمید اپنے ہونٹ بھینچ کر غرایا۔ "اب میرے نفسیاتی تجزیے کفن دفن ہی کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے"
"میں ادھیلی والی عورت ہوں۔ سمجھے جناب"
"میں کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو"
"ایلنسٹ اچھی رہیئے آپ۔ اگر میں اتنی دلکش نہ ہوتی تو آپ مجھے کبھی ملازمت نہ دیتے"
"دلکش ہے!" حمید برا سا منہ بنا کر بولا "لاحول ولا قوۃ۔ پھٹکار برس رہی ہے چہرے پر...!"
وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ایک بار پھر اس نے برا سا منہ بنایا۔
دوسری طرف سے فریدی کہہ رہا تھا۔ "فوراً سول ہسپتال پہنچ جاؤ۔ رام سنگھ نے ایک زخمی لڑکی کو وہاں داخل کرایا ہے اس کی نگرانی بیحد ضروری ہے۔ حمید ہی کی حیثیت سے تم وہاں جاؤ گے۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ اس عورت کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لہٰذا اسے زہر بھی دیا جا سکتا ہے"
"اور پھر.... یہاں کا کیا ہوگا!"
"رضیہ کو اپنے بعد منیجر بنا کر چلے جاؤ"
"کیا آپ اس سے واقف ہیں...!"
"بکواس مت کرو.... جو کہہ رہا ہوں کرو۔ ڈیٹس آل"
دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

www.taemeernews.com

کون ڈانٹ رہا تھا!" رفیعہ نے پوچھا۔

"کیا..... تم..... !" حمید صرف آنکھیں نکال کر رہ گیا۔ لفظ "مطلب" زبان سے نہ نکل سکا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے۔ ذرا آپ کے جرسی پر۔!"

"خاموش رہو۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں یہاں کی ساری ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

"زہے نصیب۔ جناب نے اس قابل سمجھا۔"

"میں کہتا ہوں زیادہ باتیں مت کیا کرو۔!"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے.....!"

"شٹ اپ۔"

سول ہسپتال میں اسے جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ اسی خیال کے تحت ہوا ہو کہ وہاں محفوظ رہے گی۔

ڈاکٹر نے حمید کو بتایا وہ کئی بار ہوش میں آکر غافل ہو چکی ہے۔ اس وقت بھی جاگ نہیں رہی تھی۔

امر سنگھ وہیں موجود تھا۔

"کیا چکر ہے؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"پتہ نہیں! میں حسب ہدایت اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا کہ کرنل صاحب نے اطلاع دی کہ ایک اسپورٹ کار آگے الٹ گئی ہے۔ جا کے دیکھو!"

"کہاں ڈیوٹی انجام دے رہے تھے؟"

"نگرانی۔!"

"کس کی نگرانی۔!"

"کرنل صاحب کی۔"

"کیا..... تم..... مطلب ہے۔!" حمید کو رفیعہ یاد آئی اور زبان لڑکھڑا گئی

"آپ نہیں جانتے؟"

"کیا نہیں جانتا!"

"پچھلے دو ماہ سے کوئی نہ کوئی کرنل صاحب کے آس پاس موجود ہوتا ہے، جب بھی وہ باہر نکلتے ہیں۔"

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ حقیقتاً اسے اس کا علم نہیں تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ البتہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ عرفان آرٹسٹ سے اس کا کوئی تعلق ہے؟"

"اوہ..."

"اسے بلوایا گیا ہے..... اوہ..... وہ آ ہی گیا۔!"

راہداری کے سرے پر عرفان دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک سادہ لباس والا بھی تھا۔ عرفان نے ہاتھ اٹھا کر حمید کو سلام کیا۔ امر سنگھ نے زخمی لڑکی تک اس کی رہنمائی کی۔!

"وہی ہے..... خدا کی قسم وہی ہے..... عرفان بے ساختہ بولا لیکن پھر کسی قدر اضمحلال کے ساتھ کہا۔ "مگر بال..... اس کے بال اخروٹ کی رنگت کے تھے۔"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے....." امر سنگھ نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "چلو....."

"لیکن مجھے..... کب تک..... اس حال میں رہنا ہوگا۔" عرفان بڑبڑایا۔

"اس کے ہوش میں آنے تک۔" حمید بولا۔ "بس اب جاؤ۔"

عرفان سادہ لباس والے کے ساتھ چلا گیا امر سنگھ اور حمید بے ہوش لڑکی کے بستر کے قریب ہی ٹھہرے رہے۔

"اب آپ اسے دیکھے رکھا!" امر سنگھ مسکرا کر بولا۔ "میرا کام عرفان سے اس کی شناخت کرا دینے کے بعد ختم ہو گیا۔"

حمید نے لاپرواہی سے سر کو جنبش دی اور امر سنگھ باہر چلا گیا۔

لڑکی کے خدوخال دلکش تھے۔ ہر چند کے بالوں اور بھنوؤں کی سیاہ رنگت خضاب کی مرہون منت تھی لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ ہی سے اس کی نہیں رہی ہے۔

حمید نے اخروٹ کی رنگت کے بالوں کا تصور کیا اس سے نہ صرف دلکشی میں اضافہ ہو گیا بلکہ یہ بھی محسوس ہوا کہ بالوں کی اصلی رنگت میں یہ چہرہ کچھ اور کمسن نظر آتا ہوگا۔ بستر کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا

اگر وہ پیچ قاتلہ ہے تو اسے افسوس ہوگا۔

کچھ دیر بعد اس نے کراہتے ہوئے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس کے چہرے پر نظر تو جمائے ہوئے ہے لیکن شاید واضح طور پر دیکھ نہیں سکتی

"کیا تمہیں کچھ چاہیئے؟" حمید نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"مورفیا کا انجکشن۔ میں اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سخت تکلیف محسوس کر رہی ہوں" لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ زبان اردو ہی تھی اور لہجہ بالکل دیسیوں ہی جیسا تھا۔

حمید نے وارڈ کے سرے پر کھڑی ہوئی نرس کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"اوہ — نہیں.... لڑکی پھر بولی۔ ہرگز نہیں۔ میں انجکشن نہیں لوں گی۔ کسی قسم کی دوا نہیں پیوں گی۔

حمید نے اس کی طرف پر تشویش نظروں سے دیکھتے ہوئے نرس سے کہا۔ ڈاکٹر کو بلاؤ — یہ ہوش میں آگئی ہے

"پولیس کیس؟" نرس نے پوچھا۔

"کیا تم مجھ سے بحث کرو گی۔!"

"وہ — دراصل.... ڈاکٹر....!"

"جاؤ —!"

نرس نے برا سا منہ بنایا اور وہاں سے چلی گئی۔

لڑکی آنکھیں پھاڑے حمید کو گھورتی رہی۔

"یہ نرس ابھی کیا کہہ رہی تھی!" اس نے حمید سے پوچھا۔ کیا پولیس کیس!"

"بکواس کر رہی تھی — تم اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔"

"تم کون ہو؟"

"ایک ہمدرد — سا"

"میں کہاں تھی —!"

"ایک اسپورٹ کار کے نیچے چوٹ لگی تھی۔"

"ہاں — مجھے یاد ہے۔ اچانک بریک فیل ہو گئے تھے۔"

حمید کو پورے واقعات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش ہی رہا۔ لڑکی کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے اتنے میں ڈاکٹر آگیا۔

"اپنے پیر کی ہڈی میں تکلیف بتاتی ہے۔" حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔

"نہیں — نہیں — وہ میرا وہم تھا۔" لڑکی جلدی سے بولی۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"لیکن چہرے پر یہ کرب کے آثار....!" حمید نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"سر میں درد ہے۔"

"میں ابھی ایک ٹیبلٹ اور مکسچر بھجواتا ہوں۔" ڈاکٹر نے اس کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ! میں کچھ کھاؤں پیوں گی نہیں۔"

"میں نہیں سمجھا!"

"میں دواؤں کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔"

"حفظ ماتقدم کے طور پر — بعض اوقات اندرونی چوٹیں کئی دن بعد گل کھلاتی ہیں۔"

"جب جو کچھ ہوگا — دیکھا جائے گا —!"

"ذہن پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے ڈاکٹر سے کہا

"ممکن ہے۔" ڈاکٹر نے پر تشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

"اوہ — تو کیا اب تم لوگ میرے ذہن توازن کے بگڑ جانے کے امکانات پر غور کر رہے ہو — ارے میں صحیح الدماغ ہوں!"

"بالکل! بالکل —!" حمید سر ہلا کر بولا۔

"خیر — میں دیکھوں گا۔" ڈاکٹر نے حمید سے کہا اور وارڈ سے چلا گیا نرس پھر وارڈ کے سرے پر جا کھڑی۔

لڑکی حمید کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پلکیں جھپکاتی رہی۔

"آخر یہ کیا چکر ہے" حمید نے جھلا کر پوچھا۔

جواب میں فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"کم از کم مجھے اس لڑکی کے بارے میں تو معلوم ہونا ہی چاہیئے جو میرے چارج میں دی گئی ہے۔"

"تمہارے چارج میں جو لڑکی دی گئی ہے" وہ ایک لڑکی ہے۔"

www.taemeernews.com

"میں اسے کریم کیک تو سمجھتا نہیں۔"

"یہ لڑکی ایک اسپورٹ کار میں سفر کر رہی تھی۔ دوسری گاڑی سے اس پر گولیوں کی بوچھار ہوئی۔ بچ کر نکل جانے کی کوشش میں کار قابو سے باہر ہو گئی اور کھڈ میں جا کر الٹ گئی۔"

"لیکن وہ تو کہتی ہے کہ بریک فیل ہو گئے تھے۔ سامنے سے آنے والی کسی گاڑی کو بچانے کے لئے اس نے اسٹیرنگ بائیں جانب گھما دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"حالانکہ سامنے سڑک بالکل سنسان تھی۔"

"اور یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں عرفان آرٹسٹ نے بتایا تھا۔"

"مجھے بھی اطلاع ملی ہے کہ عرفان نے اسے شناخت کر لیا ہے۔"

"تو یہ وہی قاتلہ ہے؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہنے کے بعد کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ اس نے تمہاری باتوں پر یقین کر لیا ہوگا؟"

"یقین نہ کرتی تو میرے ساتھ چلی کیوں آتی۔!"

"تم نے اسے کہاں رکھا ہے؟"

"اینگل بیچ والے ہٹ میں۔!"

"اور تم یہاں چلے......"

"وہ مجھے ڈاج دے کر نہیں جا سکتی!" حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"آخر یہ اطمینان کس بنا پر۔!"

"میں ماہر لڑکیات ہوں۔!" حمید اکڑ کر بولا۔

"اسی لئے ایک ماہر نفسیات تمہیں خودکشی کی طرف

www.taemeernews.com

لے جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ خدا کی قسم ایسی لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کھوپڑی چاٹ گئی۔"

"حالانکہ جناب ہی نے اس کا انتخاب فرمایا تھا۔"

"ان لڑکیوں میں اس سے زیادہ..... مطلب کہ..... کارآمد..... یعنی کہ کارگزار....."

"جی میں سمجھ گیا۔ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"سوال یہ ہے کہ آپ نے اس پر اس حد تک اعتماد کیسے کر لیا۔"

"کس حد تک؟"

"یعنی کہ دوکان ہی اسے سونپ دی۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ بھلا اس دوکان کی اہمیت ہی کیا ہے؟"

"بالکل خراب ہو گیا ہے۔ جب اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو..... یہ کم ڈاک..... میرے خدا۔" کہہ کر اس نے برآمدے سے جو دوڑ لگائی تو ٹھیک اسی جگہ آ کر رکا جہاں گاڑی کھڑی کی تھی۔

جمپ کر گاڑی میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی اور پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

اور پھر گاڑی کا رخ دوسری طرف موڑ رہا تھا کہ فریدی کی آواز آئی۔

"ٹھہرو۔"

اتنی دیر میں وہ بھی پھاٹک تک پہنچ چکا تھا۔

"اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا "اس لڑکی پر تاک گن سے فائرنگ ہوئی تھی اور میں نے نہیں اسی خدشے کے تحت سول ہسپتال بھیجا تھا کہ کہیں اسے زہر نہ دے دیا جائے۔"

"میں جانتا ہوں۔" حمید نے منہ بسور کر کہا اور اس کی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

لیکن یہ مسئلہ ابھی تک ذہن میں صاف نہیں ہوا تھا کہ اگر اس لڑکی کے لئے اتنی ہی احتیاط کی ضرورت تھی تو وہ اس طرح اس کے حوالے کیوں کر دی گئی تھی۔

جب یہ یقین ہو گیا تھا کہ لڑکی کی حالت مخدوش نہیں ہے فریدی نے حمید کو ہدایت دی تھی کہ وہ اسے اپنے ساتھ کہیں لے جائے لیکن اپنی اصلیت اس پر ظاہر نہ ہونے دے لہٰذا وہ اسے اینگل بیچ والے ہٹ میں لے گیا تھا اور وہاں سے فریدی کو بذریعہ فون اس کی اطلاع دینی چاہی تھی لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ فون کی لائن ہی ناکارہ ثابت ہوئی تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ کیوں نہ خود ہی جا کر اطلاع دے آئے۔ بعض مسائل پر فریدی سے الجھنا بھی تو تھا اور مزید الجھنیں لے کر دوبارہ اینگل بیچ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ درزی خانہ بری طرح سوار تھا ذہن پر اگر یہ کسی تفتیش ہی کے سلسلے میں قائم کیا گیا تھا تو اصل معاملہ کیا ہوگا۔

یہی سب کچھ سوچتا..... اور بور ہوتا ہوا وہ اینگل بیچ تک جا پہنچا۔

ہٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کی اور اتر کر برآمدے میں آ رکا۔

صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ کال بل کا بٹن دبایا گھنٹی کی گونج اندر سنائی دی۔

دروازہ نہ کھلا۔ لیکن حمید نے محسوس کیا کہ کوئی دروازے کے قریب ہی موجود ہے۔ اس نے پھر گھنٹی بجائی اور ساتھ ہی آواز بھی دی۔ "ارے میں ہوں..... ساجد؟"

"کون ساجد.....؟" اندر سے لڑکی کی آواز آئی۔

"وہی ساجد یعنی کہ وہ ساجد جو تمہیں یہاں لایا تھا۔"

"اوہ..... اچھا..... کیا بات ہے؟"

"ارے تو کیا دروازہ نہیں کھولو گی؟"

"میں تمہاری آواز نہیں پہچانتی..... دروازہ بند ہونے کی وجہ سے شکل بھی نہیں دیکھ سکتی۔"

"دروازہ کھول کر میری شکل دیکھی جا سکتی ہے۔"

"اگر تم ہی ہو تو واپسی کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"مجھ پر احسان جتلانے آئے ہو۔"

www.taemeernews.com

ہیں...... اس ہٹ کے مالکانہ حقوق تبدیل نام منتقل کرنے کے لئے آنا ہی پڑا۔"

"مجھے تنہا ہی چھوڑ دو۔ ہٹ کا کرایہ جس شرح سے چاہو مقرر کر سکتے ہو۔"

"بڑے مزے کی باتیں کر رہی ہو تم تو۔"

"تم کیا چاہتے ہو......؟"

"ایک ہفتے بعد بتا سکوں گا۔"

"کیوں پریشان کر رہے ہو مجھے......!"

"تمہارے لئے ایک بھیانک اطلاع ہے۔"

"میرے لئے؟... کوئی بھیانک اطلاع ہے...... میں نہیں سمجھی۔"

"پولیس کو میری بھی تلاش ہے اور تمہاری بھی۔ تم نے تو بریک فیل ہونے کی کہانی سنا کر جان چھڑا لی تھی لیکن میں کیا جواب دوں گا۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو!" لڑکی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

حمید کمرے میں داخل ہوا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر کے پھر چٹخنی چڑھا دی۔

"بولو..... جلدی بتاؤ...... کیا بات ہے؟"

"پولیس کا خیال ہے کہ تم نے اصل واقعہ نہیں بتایا۔"

"پولیس جھک مارتی ہے۔"

"تمہاری گاڑی کے بریک فیل ہو گئے۔ تم سامنے سے آنے والی ایک گاڑی کو بچانے کے لئے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار دی۔ تمہاری گاڑی الٹ گئی لیکن الٹ جانے کے بعد بھی اس کا انجن چلتا رہا تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تم سڑک کے نیچے اترتے ہی انجن کا سوئچ آف کر دیتیں۔

ہاں...... ہونا تو یہی چاہئے تھا لیکن میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ اتنی نروس ہو گئی تھی کہ ہینڈ بریک کو بھی نہ آزما سکی۔"

"چلو یہ بھی سہی لیکن پولیس کو تو اس پر تشویش ہے کہ گاڑی کا باڈی ٹامی گن کی گولیوں سے چھلنی ہو کر رہ گیا ہے......!"

لڑکی کے چہرے پر پہلے تو شکست خوردگی کے آثار نظر آئے، پھر وہ ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"پولیس کی غلط فہمی پر ہنسی آ رہی ہے...... گولیوں کے وہ نشانات کئی ماہ پرانے ہیں۔ میرے بھائی نے اس پر نشانے بازی کی مشق کی تھی اور وہ گولیاں فورٹی فائیو کیلیبر کے ریوالور کی تھیں۔ ٹامی گن کی نہیں۔ میرا بھائی فوجی ہے۔ اکثر بہت زیادہ پی جانے کے بعد ایسی ہی حرکتیں کرتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا تم اس کی وضاحت کرنے کے لئے کوتوالی تک چل سکو گی؟"

"میں کیوں جاؤں...... میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی"

"پھر میری گردن پھنسے گی۔ کیونکہ میں نے اپنا...... صحیح نام و پتہ لکھوایا تھا۔"

"تم تو بڑے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ جواب دہی کر لینا۔ ذہانت اور خوبصورتی مشکل سے ہی یکجا ہوتی ہیں۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

"خدایا رحم!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں، کیا ہوا......؟"

"کچھ نہیں۔ قدردانی کا شکریہ! زندگی میں پہلی بار کسی خاتون کی زبانی اپنے لئے ایسے الفاظ سنے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے کفن دفن کا انتظام خود کروں یا اس کی ذمہ داری محلہ والوں پر ڈال دوں۔"

"سچ کہتی ہوں...... مذاق نہیں...... بڑے پیارے لگتے ہو۔"

"محترمہ میں اتنا زبردست الو نہیں جتنا صورت سے معلوم ہوتا ہوں۔

www.taemeernews.com

"تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے....!"

"پولیس کو کئی دن سے ایک ایسی لڑکی کی بھی تلاش ہے جس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔ تھوڑی پر سرخ رنگ کا ایک ابھرا ہوا تل ہے!"

"تو پھر میں کیا کروں...؟" لڑکی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے سر کے پچھلے حصے کے تھوڑے سے بالوں کی اصلی رنگت نکل آئی ہے۔ اور تم نے آئینہ کب سے نہیں دیکھا۔ تل پر تم نے جو سیاہی چڑھائی تھی وہ بھی اتر چکی ہے۔"

"نہیں...." لڑکی تھوڑی پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"اور.... ذرا اس لٹ کو بھی ملاحظہ کرو" حمید نے اس کے سر کے پچھلے حصے کی لٹ آگے کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ "اخروٹ کی رنگت۔"

"یہ.... یہ.... اررر.... تمہیں بھی..... غلط فہمی ہوئی ہے.... اور.... پپ.... پولیس کو بھی...." اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اور ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔ "کئی دن ہوئے میں نے اخبار میں کسی آرٹسٹ کی کہانی بھی دیکھی تھی۔ اور اس کہانی کی ہیروئن کا حلیہ تیسرے دن کے اخبار میں شائع ہوا تھا۔"

"مم.... میں نے.... کوئی کہانی نہیں پڑھی"

"بہر حال تم مجھے بتاؤ کہ پھر تم کیا بلا ہو.... ظاہر ہے کہ آسمان سے تو ٹپکی نہ ہوگی.... نہ زمین پھاڑ کر برآمد ہوئی ہوگی۔ بتاؤ کچھ اپنا اتا پتا۔"

"مم.... میرا نام سائرہ رحمان ہے.... نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلاتی ہوں۔"

"انڈسٹریل ہوم؟" حمید اچھل پڑا۔

"سلائی وغیرہ کا کام سکھایا بھی جاتا ہے اور تجارتی پیمانے پر بھی سلائی ہوتی ہے۔"

"یعنی کہ.... یعنی کہ.... درزی خانہ....!"

"ہاں.... درزی خانہ.... لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ درزی خانے کے نام پر تم کچھ نروس ہو گئے ہو!"

"نن.... نہیں تو.... میں تو خاندانی درزی ہوں"

"کیا مطلب....؟"

"اپنے یہاں بھی کچھ اسی قسم کا کام ہوتا ہے۔"

"یعنی گارمنٹ فیکٹری....؟" لڑکی نے سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ "تھانوں کا کام ہوتا ہے یا کٹ پیس کا۔"

"ہم صرف ملٹری کے ٹھیکے لیتے ہیں۔" حمید پائپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔ پھر وہ خاموش ہو گئے سائرہ رحمان سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی۔ اور حمید اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً اس نے کہا۔ "یہ سائرہ رحمان کیسا نام ہے۔"

"میری ماں انگریز تھی.... اور باپ دیسی میں یوریشین ہوں۔"

"تب تو تمہیں حق حاصل ہے جب چاہو انگریز بن جاؤ اور جب چاہو اس حد تک دیسی بن جاؤ کہ بال بھی رنگ ڈالنے پڑیں۔"

"میں ایسی تبدیلیوں کی شائق ہوں۔"

"عرفان آرٹسٹ والی کہانی کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کیا بلا ہے!"

"لیکن حلیہ.... جو پولیس کی طرف سے جاری کیا گیا ہے؟"

"تصویر تو نہیں شائع ہوئی کہ تم اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہو!"

"مگر یہ سرخ رنگ کا تل اور اخروٹ کی رنگت کے بال؟"

"اس کی کوئی اہمیت؟"

"چلو بال تم نے خضاب سے رنگ لئے — لیکن میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی خاتون نے اپنے تلوں کی رنگت بھی تبدیل کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"لحظہ بہ لحظہ تبدیلیاں مجھے زیادہ خوش رکھتی ہیں۔"

"بس تو اب اپنے کان اکھاڑ کر ناک کی جگہ لگاؤ

اور ناک مجھے دے دو۔ میں اسے خشک کر کے کسی شاعر کے مقبرے پر رکھ آؤں گا۔"

"اگر تم نے میری کسی طرح مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرا مضحکہ بھی اڑاؤ ۔۔۔!"

میں بتاؤں ۔۔۔ میری ایک تجویز ہے میں بھی مطمئن ہو جاؤں گا۔ اور تم بھی اپنی پوزیشن صاف کر سکو گی۔"

میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی۔"

"لیکن میری پوزیشن ۔!"

"تمہارے لئے اس میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ ہسپتال میں میرا نام اور پتہ بھی لکھ لیا تھا۔ جب تمہاری الٹی ہوئی گاڑی میں گولیوں کے بنائے ہوئے سوراخ دیکھے گئے تو پھر پولیس میری تلاش میں کھڑی ہوئی۔ یہ بھی اچھا ہوا تھا کہ میں تمہیں اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں لے گیا تھا۔ اس ہٹ کے وجود کا علم کسی کو بھی اس طرح نہیں کہ میرے نام سے منسوب کیا جا سکے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر پائے جانے والے بے اطمینانی کے آثار اچانک مٹ گئے ہیں۔ ان کی جگہ بشاشت نے لے لی ہے۔ لیکن اس نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا اس کا مفہوم یہی ہو سکتا تھا کہ وہ بات اس کے لیے کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں۔

حمید اسے بغور دیکھتا رہا۔ دفعتاً دونوں کی نظریں ..... اور وہ ہنس پڑی۔

"بہت مسرور نظر آرہی ہو ۔۔۔!"

"اب میں کچھ دن اس ہٹ میں گذاروں گی۔"

"شوق سے۔ لیکن مجھے شہر چھوڑ کر کہیں اور جانا [illegible] "کیوں؟"

[illegible] تو کیا پولیس سے اپنی جان بچاؤں گا۔

"[illegible] یہیں رہو [illegible] کی طرف جاؤ ہی مت۔!"

"[illegible] جاؤ [illegible] حمید [illegible] نکال کر

کر بولا [illegible] یہ [illegible] میرے کار بار پر قبضہ [illegible]

[illegible] کر [illegible] لگی۔

"آؤ تو تفتیش کریں۔"

ٹھیک اسی وقت اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک طویل قامت نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ جیسے ہی سارہ کی نظر اس پر پڑی وہ بوکھلا کر اسٹول سے اٹھ گئی۔

"تت ۔۔۔ تم ۔!"

حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا تھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور اجنبی کے سینے کا نشانہ لے رہا تھا۔

اجنبی جہاں تھا وہیں ٹھٹک گیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ ۔۔۔۔ حمید غرایا۔

اجنبی نے جس کے چہرے سے پراگندگی ظاہر ہو رہی تھی چپ چاپ ہاتھ اٹھا دیے اور مڑ مڑ کر اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے داخل ہوا تھا۔

"تم نے بغیر اجازت اندر آنے کی جرأت کیسے کی؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

لیکن وہ صرف اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ "کیا پچھلا دروازہ تم نے کھولا تھا ۔۔۔!" حمید نے سارہ سے پوچھا۔

"نہیں ..... نہیں تو ....."

"کیا تم نے قفل توڑا ہے" وہ پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ کون ہے ۔۔۔؟" حمید نے سارہ کو مخاطب کیا۔ "مم ۔۔۔ میں ۔۔۔!"

"نہیں ۔۔۔ تم اس سے انکار نہیں کر سکو گی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کی آمد پر تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نکلے تھے جن میں حیرت بھی تھی اور شناسائی کا اعتراف بھی ۔۔۔!" ۔ "یہ ایک فراڈ لڑکی ہے جناب!" اجنبی نے کہا۔ "اس وقت یہ شلوار اور فراک میں نظر آرہی ہے۔ بڑی اچھی اردو بول رہی ہے۔ لیکن پچھلے ہفتے اس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک امریکن ٹورسٹ ہے بال اس نے رنگ ڈالے ہیں ورنہ یہ اخروٹی رنگ کے تھے!"

"یہ جھوٹ ہے .....!"

www.taemeernews.com

"اور اس نے مجھے ایک طوفانی رات میں ایک خاص مہم پر بھیجا تھا۔ ایک ویران مکان میں.... گھنے جنگل کے درمیان... اس کے لیے ۔!"

اجنبی نے جیب سے ایک چرمی پرس نکالتے ہوئے کہا۔ جس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی سارہ بیساختہ اس پر جھپٹ پڑی۔ پرس چھین لیا اور اسے اپنے جمپر کے گریبان میں ٹھونستی ہوئی پیچھے ہٹ آئی۔

دفعتاً حمید کو پھر اسی دروازے کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا جس سے اجنبی آیا تھا۔

عرفان آرٹسٹ ۔ یہ عرفان آرٹسٹ تھا۔ حمید سارہ کی طرف مڑا جس کا چہرہ بے حد زرد ہو چکا تھا۔

"یہی ہے ۔ وہ قاتلہ ۔!" عرفان ہاتھ اٹھا کر چیخا ۔ پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف جھپٹی ہی تھی کہ حمید نے چھلانگ لگائی۔ اور دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

"بھاگو ۔!.." اس نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ "ان کے پیچھے پولیس بھی ہوگی۔"

"پیچھے ہٹو" حمید نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"کیا کر رہے ہو تم ۔!" وہ دانت پیس کر بولی "تم بھی پھنسو گے ۔!"

"پھنس جانا میری ہابی ہے... اور پھر جبکہ... حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"یہ مذاق نہیں ہے!" وہ بپھر گئی.... اور پھر دروازے کی طرف جھپٹی۔ حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اور وہ وحشیانہ انداز میں ٹوٹ ٹوٹ کر اس پر گرنے لگی لیکن کلائیوں پر حمید کی گرفت مضبوط تھی۔

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں احمق!" حمید نے اسے پیچھے ڈھکیلتے ہوئے کہا۔

"پپ ۔ پولیس آفیسر"

اس کے ہاتھ یکلخت ڈھیلے پڑ گئے... اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ توازن کی حس کھو بیٹھی ہے... کمر میں ہاتھ دے کر سنبھال نہ لیتا تو یقیناً ٹ کے ساتھ وہ بھی گر گیا ہوتا۔

سارہ کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

حمید نے عرفان سے کہا۔ "وہ اسٹریچر منگوا دو ۔!"

اسے اسٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ بیہوش ہو گئی تھی دانت اتنی سختی سے ایک دوسرے پر جمے تھے کہ جبڑے کی دریدیں ابھر آئی تھیں۔

ہٹ کے باہر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر محکمہ سراغرسانی کے بہترین نشانے باز موجود تھے انھیں اس طرح پھیلایا گیا تھا کہ مشکل ہی سے ان کے بارے میں کسی کو کسی قسم کا شبہ ہو سکتا۔

اور فریدی ہٹ کے عقبی دروازے میں کھڑا دور دور تک کا جائزہ لے رہا تھا گلے میں دوربین لٹک رہی تھی کبھی کبھی وہ دوربین آنکھوں کے قریب لاتے ہوئے اس کا رخ ساحل کی طرف پھیر دیتا۔

کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ سن کر مڑا۔

"اوہ ۔ طارق... کیا بات؟"

"وہ بیہوش ہو گئی ہے جناب!" لمبے آدمی نے جواب دیا۔

"میرے اسسٹنٹ نے کیا برتاؤ کیا تمہارے ساتھ؟" "ارے صاحب انھوں نے تو ریوالور نکال لیا تھا۔" "ہوں تو... وہ بیہوش ہو گئی ۔ پرس کہاں ہے!"

"اس نے دیکھتے ہی جھپٹ لیا تھا... اس وقت اس کے جمپر کے گریبان میں موجود ہے!"

"ٹھیک ہے... اب تم جا سکتے ہو....."

"جب بھی کوئی ضرورت ہو آپ اسی فون نمبر پر یاد فرما سکتے ہیں ۔!"

"شکریہ!" فریدی نے کہا اور طارق باہر چلا گیا فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ماتحتوں کو کسی قسم کا اشارہ کیا اور پیچھے ہٹ کر دروازہ مقفل کرتے ہوئے اس طرح ساکت سامت ہو گیا جیسے

www.taemeernews.com

اچانک کوئی خاص بات یاد آ گئی ہو۔
سیدھا ہو کر چند لمحے قفل کے سوراخ کو گھورتا رہا پھر اندر جانے کے لئے مڑا۔ حمید سارہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا اور عرفان اسٹریچر کے قریب کچھ ایسے انداز میں کھڑا تھا جیسے خود اس سے کوئی بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہو۔
"وہ کھڑکی کھول دو" فریدی نے بائیں جانب والی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔
حمید سے پہلے عرفان کھڑکی کی طرف جھپٹا تھا
"ابھی کچھ دیر پہلے کسی قدر ہوش کے آثار نظر آتے تھے..... لیکن اب غافل ہو گئی ہے۔"
"جی ۔!" فریدی سارہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ لہجہ طنزیہ تھا۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"بیہوشی خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔"
فریدی پر تشویش لہجے میں بولا۔ "ذرا قینچی تو لاؤ۔"
"قینچی" حمید نے حیرت سے کہا۔
"ہاں ۔ سر کے سارے بال اتارنے پڑیں گے۔ ورنہ خدشہ ہے کہیں یہ بیہوشی پاگل پن کی شکل میں ختم نہ ہو"
"اچھا... اچھا...!" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ تیز قدموں سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔
سارہ کے جسم کو جنبش ہوئی۔ پھر ہلکی سی کراہ نکلی۔ آہستہ آہستہ آنکھیں کھلیں اور پھر پھیل کر رہ گئیں۔ وہ چت پڑی چھت کو تاکے جا رہی تھی پھر دیدوں نے دائیں بائیں جنبش کی اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔ فریدی سامنے کھڑا تھا اس سے نظریں ملیں اور سارہ کا جسم اس طرح ہل کر رہ گیا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔
اب وہ بغلیں جھانک رہی تھی اتنے میں حمید قینچی لئے ہوئے واپس آیا۔
"اوہ ۔ گڈ!" وہ چٹکی بجا کر بولا۔ "لیکن اطمینان کر لیجیے۔ کہیں بیہوشی پاگل پن پر نہ ختم ہوئی ہو ۔!"

"نہیں میں بالکل صحیح الدماغ ہوں" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔
"یقین نہ کیجئے گا۔ ہر پاگل یہی کہتا ہے۔" حمید بول پڑا ۔ فریدی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر سارہ کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ فضا پر بوجھل سی خاموشی طاری تھی۔ عرفان بھی ایک ٹک سارہ کی طرف دیکھ رہا تھا دفعتاً سارہ بولی۔ "ہاں ۔ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اسے قتل کر دیا تھا ۔!"
"کسے قتل کر دیا تھا" فریدی نے نرم لہجہ میں کہا
"نصیر آباد کے مشہور بدمعاش رزم خان کو ۔!"
"اوہ ۔! لیکن کہاں قتل کیا تھا....؟"
"اس شریف آدمی کے مکان میں جو نئی سڑک کے کنارے جنگل کے درمیان واقع ہے ۔
"تو ان کا بیان صحیح تھا!"
"ہاں... بالکل ۔!"
"لیکن ہمیں تو وہاں کوئی لاش نہیں ملی"
"لاش کے بارے میں بھی یہی بتا سکیں گے... وہ سو رہا تھا۔ کوٹ اتار کر کرسی پر ڈال دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کوٹ کی جیب میں ریوالور ضرور ہوگا۔ میں نے ریوالور نکال کر دل کی جگہ سینے پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے فائر کی آواز نہیں ہوئی تھی ورنہ میں اتنی آسانی سے فرار نہ ہو سکتی۔"
"لیکن وہ تمہیں کیوں مار ڈالنا چاہتا تھا"
"بتا بھی دوں تو اس سے کیا فائدہ"
"تم ایک ذمہ دار آفیسر کو بیان دے رہی ہو" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا
"آفیسر ۔ ہونہہ!" وہ برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
"ہونہہ کا کیا مطلب ۔!" حمید گرجا۔
"میں موت کے منہ سے بہت قریب ہوں"
سارہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اس لئے سنو! تم سب ناکارہ اور غیر ذمہ دار ہو۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے

www.taemeernews.com

بڑی سے بڑی غیر قانونی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں! لیکن تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یا تم مجرموں سے خائف ہوتے ہو یا ملبی رشوتیں لے کر چشم پوشی کرتے ہو یا اس لئے پہلو تہی کرتے ہو کہ تم سے بھی بڑے کسی آفیسر کی سفارش تمہارے ہاتھ روک دیتی"

"یہ تو تم سچ کہہ رہی ہو!" فریدی نے آہستہ سے کہا

سارہ اور زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگی۔

"گولڈن زیرو تنظیم کے لئے تم نے کیا کیا.... مجھے بتاؤ کیا وہ تنظیم پوری قوم کو تباہی کی طرف نہیں لے جارہی ہے۔ ملک کا کونسا ایسا شہر ہے جہاں اس کا کاروبار نہیں چل رہا!"

"گولڈن زیرو ــ مگر وہ تو محض کہانی ہے"

فریدی نے کسی قدر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اخاہ... تو عوام کی طرح پولیس بھی اس کے بارے میں یہی نظریہ رکھتی ہے!"

"ہاں آں.... عام طور پر یہی خیال پایا جاتا ہے کہ ملک کے کسی شہر میں چند آدمیوں نے اسی نام سے یہ کاروبار چلایا تھا وہ پکڑے گئے۔ دوسروں کو موقع ہاتھ آیا۔ انھوں نے بھی یہی نام اختیار کرکے اسی قسم کے کاروبار چلائے پھر یہ وبا تیزی سے پورے ملک میں پھیل گئی انفرادی کاروبار کرنے والوں نے بھی اسی نام کی آڑ لے لی۔ پکڑے گئے تو گولڈن زیرو تنظیم کا نام لے دیا....؟"

افسوس.... کہ آپ لوگ بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہیں!"

"خوب" فریدی مسکرایا لہجہ ایسا ہی تھا جیسے اس طفلانہ خیال کی تضحیک کرنا مقصود ہو!

سارہ اور زیادہ تیز ہوکر بولی "میں خود اسی تنظیم کی ماری ہوئی ہوں۔ میں جو اسی تنظیم کی ایک رکن بھی ہوں"

"ہوں ــ ہوں ــ ہوگا؟" فریدی نے اکتاہٹ کا اظہار کیا۔

"تنظیم کے سربراہ کو شبہ ہوگیا ہے کہ میں اس سے واقف ہوں۔ اس لئے وہ مجھے ختم کرا دینا چاہتا ہے۔ رزم خان اور اس کے تین گرگے میرے پیچھے تھے رزم خان کو تو میں نے ہی موت کی نیند سلادیا اور گرگوں کے بارے میں نہیں جانتی کہ ان کا کیا حشر ہوا!"

وہ خاموش ہوکر حمید کی طرف دیکھنے لگی پھر ہاتھ اٹھا کر بولی "ہاں میری گاڑی کا باڈی گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا کسی نے دوسری گاڑی سے مجھ پر فائرنگ کی تھی... لہٰذا جب میں جان بچا کر نکل جانا چاہتی تھی تو الٹ جانے کے بعد گاڑی کا انجن کیسے.. بند ملتا۔!"

"کیا تم بتا سکو گی کہ رزم خان کی لاش کیسے برآمد نہ ہو سکی!" فریدی نے پوچھا

"میں یہ سب کچھ محکمہ پولیس کے صرف ایک آفیسر کو بتا سکتی ہوں! میں اس سے ملنا چاہتی تھی اسی سے ملنے کے لئے تارجام جارہی تھی کہ مجھ پر حملہ ہوا!"

"ہوں.... کیا نام ہے اس کا"

"کرنل فریدی ــ!" سارہ نے جواب دیا۔

"تارجام میں ملنا چاہتی تھیں؟ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔ "میرے ایک شناسا نے کرنل سے میرے لئے وقت لیا تھا اور ملاقات تارجام میں ٹھہری تھی ــ!"

"اور وہی آدمی تمہارے لئے موت کا فرشتہ بن گیا تھا"

"اس بیچارے کا کیا قصور ــ وہ بھی گولڈن زیرو تنظیم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا"

"خیر فی الحال وہ حراست میں ہے اور وہ دونوں بھی جنھوں نے تمہاری گاڑی پر فائرنگ کی تھی ۔!"

"اس بیچارے کو کس بنا پر حراست میں لیا گیا ہے!"

"اس لئے کہ تم پر گولیاں برسانے والے اسی کے آدمی تھے ــ؟" "نہیں"

"اور وہ تمہیں مجھ سے ملانے کے لئے تارجام لے جارہا تھا۔ حالانکہ مجھے اس اپائنٹمنٹ کا کوئی علم نہیں"

"آپ ــ!" سارہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں ــ!"

www.taemeernews.com

وہ آنکھیں پھاڑے خلا میں گھورتی رہی پھر یک بیک دوبارہ اسٹریچر پر جا گری۔

اب وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ حمید بے بسی سے ہاتھ ملتا ہوا فریدی سے بولا۔ "اب... فرمائیے"

فریدی نے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اب آپ جا سکتے ہیں!" اس نے عرفان آرٹسٹ سے کچھ دیر بعد کہا۔

"میں بیحد شکر گذار ہوں جناب! حوالات میں مجھے کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ ویسے آپ جب بھی یاد فرمائیں گے حاضر ہو جاؤں گا"

فریدی "شکریہ!" کہتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا!

عرفان دروازے سے نکل کر بائیں جانب مڑا۔ فریدی دروازہ بند کر ہی رہا تھا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی دروازے سے گذر کر کمرے میں داخل ہوئی۔ ساتھ ہی ایک تیز قسم کی چیخ سے کمرے کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

یہ بیہوش سارہ کی چیخ تھی اور ایک تیر اسکے پہلو میں پیوست تھا سامنے والے ہٹ کی کھڑکی زوردار آواز کے ساتھ بند ہوئی دوسرے ہی لمحے فریدی باہر تھا۔ پے در پے دو فائر اس نے کھڑکی پر کئے تھے۔

اس کے وہ ماتحت جو مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے تھے اسے اس عالم میں دیکھ کر دوڑ پڑے ہٹ کو گھیرے میں لے لیا

کھڑکی کے شیشوں میں دو سوراخ تھے اور دوسری طرف کمرے میں ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ فریدی کی ایک گولی نے اس کی پیشانی کا ہیرا مونڈ دیا تھا۔ اور دوسری سینے پر بیٹھی تھی۔ قریب ہی ایک کمان پڑی نظر آئی۔ کھڑکی کے نیچے والی چھوٹی میز پر دو تیر رکھے ہوئے تھے کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے ہٹ میں واپس آیا۔ یہاں سارہ دم توڑ چکی تھی حمید برآمدے میں ہی کھڑا ملا۔

"یہ کیا ہوا؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ساری احتیاطی تدابیر خاک میں مل گئیں" فریدی نے کہا۔ اس وقت اس کی آواز کسی زخمی شیر کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔

"کیا وہ نکل گیا!"

"ہاں ۔ بالکل ۔ اس طرح ہاتھ سے نکل گیا کہ اب میرے کسی سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔

"مر گیا؟"

"دونوں کوایاں کارگر ہوئی تھیں۔ اوہ... وہ پرس!" "میرے پاس ہے!" حمید نے کوٹ کی جیب پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن جب

www.taemeernews.com

اندازے سے وہ اس پرس میں تھی مجھے اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے کافی تھا۔"

"اس نے اسی پرس کے لئے طارق کو وہاں بھیجنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں مکان کی پشت پر بھی گیا تھا۔ اور اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس پر چڑھ کر وہ صحن میں کودی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔ محض اس لئے یاد ہے کہ آپ نے میرے ساتھ ایک زیادتی کی تھی۔ ٹارچ کی روشنی اس طرح میرے چہرے پر ڈالی تھی کہ میں جھنجھلا اٹھا تھا۔"

"اور اسی وقت میں نے وہ پرس زمین سے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ پھر تم لوگوں کی روانگی کے بعد جب اس پرس کا جائزہ لیا تو مجھے وہاں رکنا ہی پڑا۔ پرس کی سادہ سطح پر ایک نشان موجود ہے اور یہی نشان میری دلچسپی کا باعث بنا تھا۔"

حمید نے پرس کو جیب سے نکالا۔ اس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی اور دوسری طرف کی سطح سادہ لیکن اس طرف تیر اور کمان کا نشان تھا۔ اور تیر کا پھل نوکیلا ہونے کے بجائے گول تھا۔

"گولڈن زیرو تنظیم سے تعلق رکھنے والے یہی نشان استعمال کرتے ہیں... لیکن... خیر ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پرس میں کوئی ایسی بڑی رقم موجود نہیں تھی جس کے لئے وہ اس قسم کا خطرہ مول لیتی۔"

"لیکن یہ گولڈن ایرو کا نشان ہے!"

"تم جانتے ہو کہ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ عوام تک جانتے ہیں کہ وہ نشان گولڈن زیرو تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔ اور تنظیم سے تعلق رکھنے والے اس کی زندگی کے گاہک کیوں بن گئے تھے۔ لاؤ یہ پرس مجھے دیدو!" فریدی نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور جیب میں ڈال لیا۔

"اب کیا کیجئے گا۔؟"

"ہمارے محکمہ کے سارے ذمہ دار آفیسروں کا یہی خیال ہے کہ گولڈن زیرو ایک ایسا خیالی ہوّا ہے جو مجرموں کا پشت پناہ بن جاتا ہے حقیقتاً اس نام کوئی وجود نہیں۔ یہ کوئی منظم گروہ نہیں بلکہ مختلف لوگ اسی نام کی آڑ لے کر اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ میں ان آفیسروں سے کبھی متفق نہیں رہا۔ عرصہ سے اس تنظیم کے سربراہ کو منظر عام پر کھینچ لانے کی سعی کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔ تو کیا... گروہ کے وہ لوگ جو پکڑے جاتے ہیں اس کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔"

"انہوں نے اس کی شکل نہیں دیکھی کیونکہ وہ سرتا پا سیاہ پوش ہوتا ہے اور چہرہ نقاب میں چھپا ہوتا ہے۔ احکامات فون پر ملتے ہیں۔ وہ آدمی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا جس نے لڑکی کو مجھ سے ملانے کا فریب دے کر نارتھ ہام کا سفر کرنے کی ہدایت کی تھی۔!"

"وہ غریب اس کو اپنا ہمدرد سمجھتی رہی تھی۔!"

"ہوں۔ اوں۔!" فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے ماتحت لاشوں کو وہاں سے ہٹانے کے انتظامات کرتے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد فریدی بولا "اب ہمیں نصیر آباد جانا پڑے گا۔ رزم خان اور اس لڑکی کے بارے میں وہیں سے معلومات حاصل ہو سکیں گی۔ رزم خاں کی لاش عرفان کے گھر سے ہٹا کر غائب کر دی گئی تھی۔ ممکن ہے رزم خاں سرگروہ سے واقف رہا ہو۔ بڑے دل گردے کا آدمی تھا۔!"

"کیا میں خود کو درزی خانے سے سبکدوش تصور کروں۔" "ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ثابت ہوا ہے۔"

"اوہ ٹھیک یاد آیا۔ لڑکی نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلا رہی تھی۔ کاروباری حیثیت سے اس میں درزی خانہ بھی شامل تھا!"

"یہ اطلاع اس سلسلے میں سودمند بھی ہو سکتی ہے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پر تفکر لہجے میں کہا۔

www.taemeernews.com

متعصب یورپ کی زہریلی فضاؤں میں جنم لینے والی ایک انوکھی رُوداد

محمد شہزاد اصغر

چہار رنگ ، دہلی ۴-۱۲ اگست ۸۹ء

www.taemeernews.com

ایک پاکستانی سائنٹسٹ کی داستانِ الم۔ وہ اغیار کی
خدمت میں سو جان سے کوشاں رہنے کے باوجود
وفاداری کی سند حاصل نہ کر سکا۔
اِک سیم تن، گُل عِذار کا فسانۂ غم انگیز، حالات کے
بے رحم تھپیڑوں نے اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹوں
کے پھول نوچ کر حزن و ملال کے رنگ بکھیر دیے تھے!

قانون کے مجرم ذہن محافظین کا قضیہ جو محافظت کے بجائے قتل پر تل گئے تھے!

مدتوں یاد رہنے والا ایک شاہکار ناول جس کی
تحیر و تجسس میں ڈوبی ہر سطر آپ کو چونکا دے گی

www.taemeernews.com

میرون لنگ کی رولز رائس جونہی واشنگٹن ڈی سی کے ساحلی علاقے کی ایک ذیلی گلی میں داخل ہوئی۔ واچ ٹاور نے دو گھنٹے بجا کر رات کے دو بجنے کا اعلان کیا۔ موسم سرد ہو رہا تھا۔ آسمان پر بادلوں کا پردہ ستاروں اور چاند کو زمین سے پوشیدہ کر رہا تھا جس کی وجہ سے اندھیرا سا چھا گیا تھا جسے اسٹریٹ لائٹس مشکل دور کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"یہی ہے؟" پولیس انسپکٹر نے آہستہ سے اپنے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے لمبے چوڑے شخص سے دریافت کیا۔

"ہاں... اور تھامس ایک بار پھر کہہ رہا ہوں یہ میرا شکار ہے؟"

پولیس انسپکٹر تھامس اسمتھ کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے رولز رائس کو گھورتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"بے فکر رہو۔ تمہارا ہی شکار ہے... ویسے مجھے یقین ہے اس کو بھاگ جانا ہے اس لیے تم ہوشیار رہنا!"

"او۔ کے!"

رولز رائس آہستگی سے رینگتی ہوئی گلی کے عین درمیان میں آ رکی لیکن اُس سے کوئی اترا نہیں۔

"شاید وکٹر کا انتظار کر رہے ہیں!" تھامس اسمتھ نے ہوے سے کہا لیکن ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے جیسن بورن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جیسن یہ بتاؤ کیا تمہیں یقین ہے کہ وکٹر کے پاس مائیکرو فلم ہے؟"

"ہاں... نہیں تو تمہیں یہاں بلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی!" جیسن نے بھاری آواز میں کہا۔ اتنے میں گلی کے دوسرے کونے سے بھی ایک جیپ داخل ہوئی اور رولز رائس کے عین سامنے آ رکی۔ جیسن اور تھامس اسمتھ کے دیکھے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ یہ دونوں اپنی کار دوسری بے شمار پارک شدہ کاروں کے درمیان پارک کر کے بیٹھے تھے۔ اتنے میں دونوں گاڑیوں سے پانچ آدمی برآمد ہوئے اور سبھی کار اور جیپ کے درمیانی فاصلے میں کھڑے ہو گئے۔ کار سے اترنے والے چار آدمی اور جیپ سے اترنے والے واحد شخص کے درمیان دس یا پندرہ فٹ کا فاصلہ موجود تھا۔

"ہاں بکو... نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ معاہدے کے باوجود تم نے کاغذات ڈینی کے حوالے کیوں نہیں کیے؟" رولز رائس سے اترنے والوں میں سے ایک ادھیڑ عمر شخص نے غصے سے کہا۔

"اس لیے مسٹر جارج کہ مجھے غلطی سے اس فلم کی اہمیت کا علم ہو گیا ہے!" جیپ سے اترنے والے شخص نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو کیا دس ہزار ڈالر کم ہیں؟" بوڑھے جارج نے حیرت سے دریافت کیا۔

"یقیناً!"

"کتے کی اولاد... تم... تمہیں ایک پیسہ بھی اس سے زیادہ نہیں ملے گا!" جارج غصے سے پاگل ہوتے ہوئے دہاڑا۔

"مائی ڈیئر فادر... میں بہت زیادہ کا اضافہ بھی نہیں چاہتا... آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لالچ بڑی بلا ہے... ہے نا! تو پھر آپ مجھے صرف بیس ہزار دے دیں!" جیپ کے پاس کھڑے شخص نے شاطرانہ لہجے میں جارج پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

"وکٹر... وکٹر تم... تم پورے پندرہ ہزار ڈالر کا اضافہ کر رہے ہو لیکن... لیکن میں تمہیں صرف پندرہ ہزار ڈالر دے سکتا ہوں!"

"مسٹر جارج... اس فلم کی بین الاقوامی منڈی میں قیمت پچاس ہزار ڈالر سے اُوپر ہی ہو گی شاید ایک لاکھ تک چلی جائے۔ تو پھر میں وہیں جاتا ہوں" وکٹر نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

"باس اسے یہیں ختم کر کے فلم لیے چلتے ہیں" جارج کے ایک موٹے گرگے نے اسٹین گن وکٹر پر تانتے ہوئے کہا۔

"نہیں.. بے وقوف یہ اپنے پیچھے ایسا ثبوت چھوڑ کر آیا ہو گا۔ جس کے ملنے سے ہم پکڑے جائیں گے.. اسی لیے تو اکیلا آیا ہے..!"

"نہیں ہم بھی ہیں.. ہینڈز اَپ.. کوئی اپنی جگہ..!" انسپکٹر تھامس نے ایک پارک کی ہوئی کار کے پیچھے سے نکل کر ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ جارج کے موٹے گرگے نے جو اسٹین گن وکٹر پر تانی ہوئی تھی، اُس کا رخ انتہائی پھرتی سے تھامس کی طرف موڑا اور ٹرائیگر پر انگلی کا پورا دباؤ ڈال دیا۔ اسٹین گن زوردار آواز سے گرجی اور گولیاں کار کی باڈی میں سوراخ کرتی چلی گئیں جب کہ تھامس کار کے پیچھے پناہ لے چکا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی گلی کی عمارتوں سے پولیس فورس فائرنگ کرتی ہوئی باہر آ گئی۔ جارج کے تینوں گرگے اور وکٹر جو کہ جیپ میں سوار ہوتے ہوتے رک گئے تھے، پولیس کی فائرنگ کا شکار ہو گئے۔ جب کہ جارج نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کار کے عقب پناہ لے لی۔ پولیس

www.taemeernews.com

نے اپنی فائرنگ کا رُخ رولز رائس کی طرف کر دیا لیکن گاڑی بلٹ پروف تھی جارج نے اطمینان سے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے گاڑی کو گلی سے نکال لے گیا۔

" ہوں تو۔۔ کتے کا باپ فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہے"

جیسن نے اپنی سیاہ جیگوار کی اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے دانت چبا کر کہا۔ جیگوار گلی سے نکل گئی۔ جیسن کو چوراہے سے کچھ پیچھے ہی رولز رائس نظر آگئی۔ رات کے دو بج کر سولہ منٹ ہو گئے تھے۔ اس لیے سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ جب تک جارج نے رولز رائس کو چوراہے سے دائیں جانب موڑا جیسن اپنی جیگوار چوراہے پر لے آیا۔ جارج نے گھبرا کر عقب نما آئینے میں دیکھا اور اسپیڈ بڑھا دی۔ جیسن نے غصے سے دانت پیستے ہوئے اپنی گاڑی کی اسپیڈ بھی بڑھا دی اور ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پر پڑا ہوا اعشاریہ پانچ کا ریوالور اٹھا لیا۔ پھر کھڑکی سے ہاتھ نکال کر نشانہ لیے بغیر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سن کر جارج کے اوسان خطا ہو گئے بلاشبہ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سربراہ تھا لیکن اُسے ایسے حالات سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اُس نے گھبرا کر گاڑی کی رفتار تیز کرنے کی بجائے کم کر دی بس اتنا وقفہ جیسن کے لیے بہت تھا۔ اُس کی جیگوار تیزی سے رولز رائس کے برابر آگئی۔ اُسی وقت جارج سے فاش غلطی ہوئی اس نے اپنی بلٹ پروف کار کا فرنٹ ڈور کا شیشہ نیچے گرا دیا اور ریوالور سے جیسن پر فائر کیا۔ گولی جیگوار کی چھت کو چومتی ہوئی چلی گئی۔ جیسن نے بھی فوراً جوابی فائر کیا گولی جارج کی کھوپڑی میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف سے نکل گئی کھوپڑی کے سوراخ سے خون کے فوارا چلنے لگا جارج کا سر اسٹیئرنگ سے ٹکرا کر فرنٹ سیٹ کی جانب جھک گیا۔ رولز رائس بے قابو ہو کر پہلے جیگوار سے ٹکرائی پھر دوسری سمت فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی گاڑیوں سے ٹکرا کر اُن کے اُوپر چڑھ کر اُلٹ گئی جیسن نے اپنی کار بمشکل قابو کر کے روکی۔ اتنی دیر میں دُور چوراہے پر پانچ پولیس کاریں سائرن بجاتی ہوئی مڑیں۔

"یس کتنے لوگ ہیں؟" جیسن نے اپنے آفس میں داخل ہوتے ہوئے اپنے پیچھے آنے والی دوشیزہ سے دریافت کیا جو اس کی سیکرٹری تھی۔ جیسن کا آفس بہت شاندار تھا۔ نفیس اور قیمتی قالین اور فرنیچر سے آراستہ۔۔

" آج صبح کے اخباروں نے تھامسن کیس کے سلسلے میں جس طرح تمہارا ذکر کیا ہے مجھے اُمید ہے کہ درجن بھر کلائنٹ اور بھی آئیں گے" سیکرٹری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" تو کیا اس وقت کسی کا بھی اپائنٹمنٹ نہیں ہے۔۔ میں اتنا بڑا ڈیٹیکٹو بھی نہیں ہوں"

" او ہ نو۔۔ تمہارے اس وقت دو کلائنٹ آئے بیٹھے ہیں۔ مسز ارشد چوہدری اور جان ابراہم"

" ہوں۔۔ مسز چوہدری کو بھیج دو"

" مسٹر جیسن بورن۔ پرائیویٹ سراغرساں"

" یے۔۔ یس، یس" جیسن نے بوکھلا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ کیونکہ وہ آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا کہ اچانک ایک شیریں و ملائم آواز نے اُس کے کانوں میں شہد گھولا تو وہ گھبرا گیا۔ جیسن حیران تھا کہ آنے والی اتنی خاموشی سے اس کے آفس میں داخل ہوئی تھی کہ اُسے بالکل معلوم نہ ہو سکا حالانکہ آفس کے دروازے سے اُس کی میز کے درمیان چھ یا سات فٹ کا فاصلہ تھا۔

"پلیز۔ تشریف رکھیں" جیسن نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ حیرت اور دلچسپی سے اُس حسین وجود کو دیکھ رہا تھا "مسز ارشد چوہدری۔۔ میں نے صحیح نام لیا نا؟" جیسن نے سوالیہ انداز میں دریافت کیا۔

"بالکل" مختصر جواب ملا۔

"مسز ارشد چوہدری۔۔ ویسے تو میرے کئی کلائنٹس ایشیا کے باشندے بھی رہے ہیں۔ لیکن مشرق کی خوبصورتی آج ہی دیکھی ہے۔۔ واقعی مشرق کی خوبصورتی خوابناک ہے"

مسز ارشد چودھری کا سر آہستگی سے جھک گیا لیکن اس سے پہلے جیسن نے اس کے حسین چہرے پر سرخ گلاب کھلتے دیکھ لیے تھے جو بلاشبہ شرمانے کی عکاسی کر رہے تھے۔ جیسن منتظر ہی رہا کہ اُسے شکریے سے نوازا جائے گا لیکن دوسری طرف بدستور خاموشی رہی۔

"ام۔ کیا مسئلہ ہے؟" جیسن نے خود بھی شرمندہ ہو کر پوچھا۔

"مسٹر جیسن بورن پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے میرا مشرقی ہونا کیسے معلوم کر لیا؟"

" بہت آسانی سے۔ آپ کی آنکھیں بار بار سمٹ کر پھیل رہی تھیں اور ہاں مجھے صرف جیسن کہیں" جیسن نے مسکرا کر کہا۔

www.taemeernews.com

"خوب۔۔واقعی آپ ذہین ہیں، دراصل مسئلہ یہ ہے کہ۔۔میرے شوہر تین دنوں سے لاپتا ہیں" مسز ارشد چوہدری نے سسکی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تین دن سے۔۔اور آپ آج رہی ہیں۔۔کیا پولیس میں رپورٹ درج کرائی ہے؟" جیسن نے حیرت سے دریافت کیا۔

"جی۔۔جی ہاں پولیس تین دن سے میرے شوہر کو تلاش کر رہی ہے۔۔لیکن۔۔لیکن وہ ان کی تلاش میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی اسی وجہ سے مجھے آپ کے پاس آنا پڑا" مسز ارشد چوہدری نے اپنے سر پر اوڑھی ہوئی باریک چادر سے نم آنکھیں خشک کیں۔

"آپ کی رہائش کہاں ہے" جیسن نے اپنی مخصوص ڈائری کھولتے ہوئے پوچھا۔

"گرین لائن۔۔وہاں قصر خوباں ہے۔وہی عمارت میری رہائش گاہ ہے"

"گڈ۔۔وہاں تو امیر ترین لوگ ہی رہتے ہیں۔۔آپ کے شوہر۔۔میرا مطلب ہے مسٹر ارشد چوہدری کیا کام کرتے ہیں؟" جیسن نے آہستگی سے مسز ارشد سے پوچھا۔

مسز ارشد چوہدری کچھ دیر خاموش رہیں پھر بولیں۔

"وہ ایک اچھے سائنسدان اور الیکٹرونکس انجینئر ہیں۔ وہ ناسا میں امریکی اسٹار وار پروگرام میں کمپیوٹر کے شعبے سے منسلک ہیں"

جیسن کا ذہن فوراً کے۔جی۔بی کی طرف گیا۔ کیونکہ ارشد چوہدری امریکہ کے ایک انتہائی حساس اور خفیہ پروگرام کے سلسلے میں کام کر رہے تھے جس کی وجہ سے روسی ایجنٹوں نے اسے اغوا کر کے اس سے کمپیوٹر کے متعلق اہم معلومات حاصل کر لی ہوں گی۔ اسٹار وار میں سب سے زیادہ اہمیت کمپیوٹر ہی کی ہوتی ہے کیونکہ ہر چیز کو جو کہ خلا میں ہو گی کمپیوٹر ہی کنٹرول کرتا ہے۔ لیکن جیسن کو یہاں پر آ کر اپنا خیال مسترد کرنا پڑا کہ اگر ارشد چوہدری اتنا اہم ہوتا کہ اسے کے۔جی۔بی کے ایجنٹوں کی طرف سے اغوا کا خدشہ ہوتا تو امریکی انتظامیہ ضرور اس کے لیے حفاظتی انتظام کرتی تاکہ روسی ایجنٹ اسے اغوا کرنے کی کوشش کریں بھی تو اس کا سیکورٹی کا عملہ ضرور مزاحمت کرتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی اتنا اہم نہیں تھا لیکن پھر وہ غائب کہاں ہو گیا؟

"مسز ارشد چوہدری۔۔آپ کے شوہر کہاں سے لاپتا ہوئے ہیں۔۔کچھ اندازہ؟" جیسن نے کچھ سوچتے ہوئے ان کو غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"پرسوں آفس سے گھر آنے کے لیے نکلے لیکن۔۔لیکن گھر۔نہیں۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگی۔

"ٹیک اٹ ایزی۔۔مسز ارشد" جیسن نے کہا۔

"تمام اسپتالوں اور پولیس اسٹیشنوں سے معلوم کیا لیکن کچھ بھی نہ پتا چلا۔ پلیز مسٹر جیسن، پلیز آپ ارشد کو تلاش کر دیں"

"آف کورس، مسز ارشد میں بھرپور کوشش کروں گا کہ مسٹر ارشد مل جائیں۔ آپ یہ بتائیں کہ کسی کا فون بھی نہیں آیا، میرا مطلب ہے اغوا کنندگان کا؟" جیسن نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہ نہ۔۔نہیں پولیس کا بھی یہی نظریہ ہے"

"مسٹر ارشد کے آفس سے کوئی ردعمل ظاہر ہوا؟"

"نہیں" مسز ارشد چوہدری نے مختصر جواب دیا۔

"اوہ! ہاں آپ کے شوہر کی کار کہاں ہے؟"

"وہ بھی نہیں ملی"

"کیا مطلب؟" جیسن نے چونک کر دریافت کیا۔

"بقول پولیس کے وہ آفس سے آتے ہوئے اس دس کلومیٹر کے راستے میں کہیں غائب ہوئے ہیں جو جنگل کے درمیان ہے"

"تو کیا کار جنگل میں تلاش نہیں کی گئی؟"

"یہ تو معلوم نہیں" مسز ارشد چوہدری نے آہستگی سے کہا پھر بولیں "اسی لیے تو میں آپ کے پاس آئی ہوں تاکہ آپ میرے شوہر کو تلاش کر سکیں"

"ہوں۔۔عجیب سا کیس ہے نہ اغوا کا لگتا ہے نہ قتل کا کیونکہ ابھی لاش نہیں ملی، آخر کار کہاں گئی؟ مسز ارشد کیا کار کو ان ورکشاپوں میں تلاش کیا جہاں کاروں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا جاتا ہے؟" جیسن نے خود کلامی کرتے ہوئے اچانک دریافت کیا۔

"ن ن۔۔نہیں، معلوم نہیں"

"اچھا آپ مجھے کار کا نام اور ماڈل اس کے علاوہ کار کا نمبر بھی دیں، اور ہاں اس پولیس افسر کا نام بھی بتائیں جو مسٹر ارشد کے کیس کو ہینڈل کر رہا ہے اور آپ گھر جا کر اطمینان سے بیٹھیں۔ میں خود اس کیس کے

www.taemeernews.com

...متعلق معلومات حاصل کر کے آپ کو بتاؤں گا اور ہاں، میں کسی بھی وقت مسٹر ارشد کے بیڈ روم اور اُن کی تحویل میں دوسری اشیا کو دیکھنے آؤں گا آپ کسی کو بھی اُسے ہاتھ نہ لگانے دیں۔ کیا پولیس والوں نے مسٹر ارشد کی چیزیں دیکھی تھیں؟"

"ہاں انہوں نے اُن کے بیڈ روم کی تلاشی لی تھی لیکن کوئی قابلِ ذکر بات معلوم نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہے۔ اب آپ جائیں میں شام کو آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

"او۔ کے مسٹر جیسن بورن۔۔ مجھے اُمید ہے آپ کسی نہ کسی نتیجے پر ضرور پہنچیں گے۔" مسز ارشد چوہدری نے اپنے لمبے اسکارف کو سر پر جماتے ہوئے کہا اور صوفے سے اُٹھ گئیں پھر دروازے کی طرف چلتے چلتے رُک کر بولی۔ "آپ رقم کی بالکل فکر نہ کریں۔۔ بس ارشد کو تلاش کر دیں۔"

"ضرور۔۔ اوہ مسز ارشد کار کا نام وغیرہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں۔" جیسن نے ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سوری۔۔ دراصل پریشانی میں یاد ہی نہیں رہا۔ لکھ لیجیے۔ مرسیڈیز ۵۶۰ ایس، ای نیوی بلو کلرنگ ۸۵ ماڈل اور نمبر۔۔۔ مجھے یاد نہیں میں فون پر بتا دوں گی۔ اس کیس کی تحقیقات انسپکٹر مائیکل فوکس کر رہا ہے۔"

"شکریہ۔"

"گڈ بائی۔" مسز ارشد چوہدری نے ہولے سے کہا اور آفس سے نکل گئی۔

جیسن نے اپنی جیگوار پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور پولیس ہیڈ کوارٹر کی بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔

"مائیکل فوکس سے ملنا ہے۔" جیسن نے کاؤنٹر پر موجود لڑکی سے کہا۔

"دائیں ہاتھ تیسرا کیبن۔" لڑکی نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور سر جھکا کر کمپیوٹر کے کی بورڈ پر مہارت سے انگلیاں چلانے لگی۔ جیسن ہر کیبن میں تاک جھانک کرتا ہوا تیسرے کیبن کے پاس پہنچ گیا۔ پولیس اسٹیشن اس وقت بالکل کسی اسٹاک ایکسچینج کا منظر پیش کر رہا تھا ہر طرف افراتفری تھی۔ جیسن نے کیبن کے دروازے پر دستک دی جو کہ کھلا ہوا تھا وہ اندر داخل ہو گیا۔ کیبن کے اندر میز کی دوسری طرف غالباً مائیکل فوکس ہی بیٹھا ہوا تھا یہ کیبن دوسرے کیبنوں کی نسبت زیادہ صاف ستھرا اور آراستہ تھا۔ جس سے مائیکل فوکس کی نفاست پسندی کا اشارہ ملتا تھا۔

"یس!۔۔ واٹ کین آئی۔۔ اوہ تم کہیں جیسن بورن تو نہیں ہو؟" مائیکل فوکس نے حیرت سے دریافت کیا۔

"آف کورس۔"

"یس مسٹر جیسن کیسے آنا ہوا؟" مائیکل نے جیسن سے مصافحہ کر کے اُسے نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں دراصل مسٹر ارشد کے کیس کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"مسٹر ارشد۔۔ اچھا وہ پاکستانی جو غائب ہو گیا۔"

"غائب ہو گیا؟ کیا مطلب؟" جیسن نے مائیکل کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"سیدھی سی بات ہے نہ کار ملی۔ نہ اغوا کنندگان کا فون آیا اور نہ ہی اس کی لاش ملی، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود کہیں بھاگ گیا غالباً کوئی فراڈ وغیرہ کر کے بھاگا ہے۔"

"کیا اس کے آفس والوں نے یہی بیان دیا ہے؟"

"نن۔۔ نہیں تو، انہوں نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ وہ اپنے کام سے غرض رکھنے والا آدمی تھا اور ویسے بھی اُس کا کام کوئی اتنا اہم اور خفیہ نہیں تھا کہ اگر وہ بھاگ جائے تو ناسا والوں کو کوئی نقصان پہنچے۔ تمہیں شاید معلوم ہی ہو وہ 'اسٹار وارز' پر کام کر رہا تھا۔"

"ہاں معلوم ہے۔ کیا تم نے جنگل میں اُس کی کار تلاش کی ہے؟"

"دیکھا تو تھا لیکن نہیں ملی۔"

"اور اُن ورکشاپوں میں جہاں کاریں تباہ کی جاتی ہیں؟"

"نن۔۔ نہیں اس کی طرف ذہن ہی نہیں گیا۔" مائیکل نے سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر چلیں؟"

"کیا جانتے ہو واشنگٹن میں کتنی ورکشاپیں ہیں؟" مائیکل نے حیرت سے چلاتے ہوئے کہا۔

"یہی کوئی دو تین سو ہوں گی۔"

"دو تین سو۔ ہونہہ پوری پانچ سو ہیں پانچ سو۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ چلیں۔" مائیکل نے ہانپتے ہوئے کہا جیسے ابھی ابھی وہ تمام ورکشاپوں کا چکر لگا کر آیا ہو۔

"تو پھر اُن ورکشاپوں کو فون کر کے معلوم کر لو۔"

www.taemeernews.com

"تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ اب میں صرف فون ہی کرتا رہوں؟" مائیکل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ! خدا۔۔ ارے بھائی تمہارا جونیئر یہ کام کرتا رہے گا، تم صرف اُسے یہ بتا دو کہ مرسیڈیز ۵۶۔ ۸۵ ماڈل اور اُس کا چیسز نمبر اس کے علاوہ گاڑی کا رجسٹریشن نمبر اور رنگ بتا دو۔ وہ آرام سے معلوم کرتا رہے گا۔" جیسن نے کہا۔

"آں ہاں۔۔ یہ ٹھیک ہے۔ اس طرح جلد معلوم ہو جائے گا۔۔ کیا تمہیں مسٹر ارشد کی بیوی نے بک کیا ہے؟" مائیکل نے ایک آنکھ دباتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"میرے خیال میں اغوا کی یہ کارروائی اُس کی بیوی کی ہے۔"

"مشکل ہے۔ ایک مشرقی عورت اس طرح نہیں کر سکتی۔" جیسن نے سر انکار میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"وہ بہت معصوم ہوتی ہیں۔"

"ہوں تو جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" جیسن نے حیرت سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔۔ اچھا تو مسٹر جیسن اب مجھے اجازت دیں مجھے کچھ اور کام بھی کرنے ہیں۔ ویسے میں اس کیس میں زیادہ دلچسپی بھی نہیں لے رہا ہوں۔" مائیکل نے خشک لہجے میں کہا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

جیسن نے بھی اُس سے مصافحہ کیا اور بولا: "میں شام کو تم سے معلومات حاصل کر لوں گا۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں تمہیں بتا دیا جائے گا۔" مائیکل نے اس انداز میں کہا جیسے کہہ رہا ہو دفع ہو جاؤ۔ جیسن خاموشی سے مائیکل کے آفس سے نکل آیا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ مشرقی عورت کی حمایت کا سن کر یکایک مائیکل کا رویہ اجنبی ہوگیا تھا۔ جیسن نے بے پروائی سے کندھے جھٹکے اور اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔

پھر جیسن نے سوچتے ہوئے اپنی کار میں لگے انسٹرومنٹ کا ریسیور اُٹھا کر نمبر ملایا۔

"ہیلو! مسز ارشد چوہدری سے بات کرنی ہے۔" جیسن نے ریسیور میں کہا۔

"آپ کی تعریف؟" دوسری طرف سے ایک نوجوان کی آواز سنائی دی۔

"جیسن۔۔ جیسن بورن پرائیویٹ ڈیٹیکٹو۔۔ آپ کون بول رہے ہیں؟" جیسن نے جواب دے کر پوچھا۔

"ارشد چوہدری کا بیٹا۔۔ آپ ہولڈ کیجیے میں ابھی بلاتا ہوں۔"

"تھینک یو۔"

جیسن نے کہا اور اپنی گاڑی چوراہے سے نکال کر آگے بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف سے مسز ارشد چوہدری کی خوبصورت آواز سنائی دی: "یس مسٹر جیسن۔"

"مسز ارشد، کیا مسٹر ارشد فیلڈ ورک کرتے تھے؟"

"یقیناً وہ کوئی کمپیوٹرائزر بنا رہے تھے یا پھر میرا خیال ہے کہ اُن میں اضافہ کر رہے تھے۔"

"ہوں! مسز ارشد اُن کا کوئی ایسا قریبی دوست جو اُن کے ساتھ کام کرتا ہو؟"

"آں ہاں۔۔ امرجیت سنگھ۔۔ یہ بھی اُن کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں۔"

"یہ تو سکھ ہے۔" جیسن نے کہا۔

"ہاں دراصل ہم لوگ پنجابی ہیں اس لیے یہ سکھ بھی پنجابی بولتا ہے جس کی وجہ سے ہماری دوستی ہوگئی۔"

"اوہ، اچھا گڈ بائی۔" جیسن نے ریسیور رکھ کر اپنی گاڑی ناسا کی اُس فیکٹری کی طرف موڑ دی جہاں کمپیوٹرائزر کا کام ہوتا تھا۔

فیکٹری کے گیٹ پر، اُسے رکنا پڑا کیونکہ گیٹ بند تھا اور دو سیکورٹی گارڈ کھڑے تھے۔ جیسن نے اپنی جیگوار روک لی اور سیکورٹی گارڈ کا انتظار کرنے لگا۔

"یس مسٹر؟" گارڈ نے سوالیہ انداز میں دریافت کیا۔

"میں امرجیت سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیا وہ آپ کو جانتے ہیں؟"

"آں ہاں۔۔ انہیں کہیے گا کہ مسز ارشد کا آدمی آیا ہے۔"

"آپ کا نام؟"

"جیسن بورن۔"

"آپ چند منٹ انتظار کیجیے۔" گارڈ نے کہا اور کیبن میں داخل ہوگیا۔ پھر تین منٹ تک وہ فون پر کسی سے بات کرتا رہا۔ جیسن کو اُلجھن ہو رہی تھی۔ ویسے تو وہ امرجیت سنگھ سے اُس کے گھر بھی مل سکتا تھا لیکن اُس نے سوچا کہ فیکٹری جا کر ملنا زیادہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ وہ وہاں، وہ کام بھی

www.taemeernews.com

دیکھ سکے گا جو ارشد چوہدری کر رہا تھا۔

"مسٹر جیسن اس رجسٹر پر دستخط کر دیجیے۔ آپ کی ملاقات کا وقت دس منٹ ہے۔ گیٹ سے گزرنے کے بعد دائیں طرف مڑ جائیے پھر دوسری بڑی بلڈنگ کے پاس رک جائیں اسی بلڈنگ کے ہال میں اپنا نام بتا دیجیے گا آپ کو امرجیت سنگھ سے ملا دیا جائے گا" گارڈ نے رجسٹر جیسن سے واپس لیتے ہوئے تفصیل سے بتایا۔

"تھینک یو" جیسن نے مسکرا کر کہا اور کار گیئر میں ڈال کر آگے چل پڑا گیٹ پہلے ہی کھل چکا تھا۔

بتائی گئی تفصیل کے مطابق اس نے کار دوسرے بلاک میں پارک کی کار سے اترتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر عمارت پر ڈالی جو کہ انتہائی وسیع و عریض تھی۔

"یس پلیز" جیسے ہی وہ مین ہال میں داخل ہوا کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے اس سے پوچھا۔

"مسٹر امرجیت سنگھ سے ملاقات کا وقت لیا تھا" جیسن نے ہال میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہال میں بیٹھنے کا بہترین انتظام تھا۔ شاید یہ ملاقاتیوں کے لیے بنایا گیا تھا۔

"آپ تشریف رکھیں۔ مسٹر امرجیت ابھی تشریف لاتے ہیں" کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا جیسن شکریے کے ساتھ ایک نسبتاً تاریک گوشے والی نشست پر بیٹھ گیا۔

"یس مسٹر جیسن بورن؟" ایک دبلے پتلے لیکن دراز قد شخص نے کہا جو بہترین تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا اور سر پر سکھوں والی مخصوص پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ داڑھی گھنی تھی اور اس کے چہرے پر بھلی لگتی تھی جیسن نے ایک ہی نظر میں اس کا بغور جائزہ لے لیا۔

"امرجیت سنگھ؟" جیسن اپنی نشست سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا اور اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھا دیا۔

"بالکل... اور آپ جیسن بورن ہی ہیں؟"

"یقیناً مسٹر امرجیت، دراصل میں مسز ارشد چوہدری کی طرف سے آیا تھا۔ دراصل انہوں نے اپنے خاوند کے متعلق تحقیقات کرنے اور ان کا سراغ لگانے کے لیے مجھ سے کہا ہے"

"ہاں۔ ارشد اچھا آدمی تھا اور نفیس بھی... لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا میرے گھر آ جاتے"

امرجیت نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"دراصل میں نے سوچا کہ اس طرح شاید وہ پلانٹ دیکھنے کا بھی موقع مل جائے گا جس پر مسٹر ارشد کام کر رہے تھے لیکن یہاں صورت حال ہی مختلف ہے"

"ہاں یہ تو ہے لیکن میں ایسے سوالات کے جواب یہاں نہیں دے سکتا تم اس طرح کرو کہ آج رات کا کھانا میرے گھر کھانا۔ میں تمہیں مشرقی ڈش بریانی کھلاؤں گا ٹھیک ہے۔ رات آٹھ بجے۔ ویسے مجھے بھی ارشد کی طرف سے تشویش ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں یہاں زیادہ دیر رکنا بھی ٹھیک نہیں، گڈ بائی... رات کو ملیں گے" امرجیت سنگھ نے کہا اور ہاتھ ہلا کر چلا گیا۔ جیسن اسے جاتے دیکھتا رہا پھر طویل سانس لے کر وہ بھی ہال کے صدر دروازے کی طرف چل پڑا۔ ہال سے باہر نکلا تو مطلع ابر آلود تھا۔ وہ تیزی سے اپنی کار کی طرف بڑھتا ہوا کہ اس کے پاس بہت وقت نہیں تھا۔

*

"کرسٹی چائے لے آؤ" جیسن نے اپنا کوٹ اتارتے ہوئے کہا جس پر کہیں کہیں بارش کے چھینٹے پڑ چکے تھے۔ بارش آہستہ آہستہ زور پکڑ رہی تھی۔ کرسٹی چائے بنا کر جیسن کے آفس میں داخل ہوئی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ جیسن نے منہ بنا کر فون کو دیکھا اور کرسٹی کو اٹینڈ کرنے کا اشارہ کر کے خود چائے پاس کھسکانے لگا۔

"یس... جی ہیں... پلیز جسٹ اے منٹ ہولڈ کیجیے... کسی انسپکٹر نکلسن کا فون ہے" کرسٹی نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے کہا جیسن نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ریسیور کرسٹی سے لے لیا۔

"یس انسپکٹر"

"میں پہلے تمہاری گاڑی میں فون کرتا رہا"

"ہاں میں ابھی لنچ کے لیے آیا ہوں کہو کچھ پتا چلا؟"

"ہاں ساری تفصیلات معلوم کرنے کے لیے تین گھنٹے صرف ہوئے ہاں تو سنو۔ پانچ سو میں سے تین سو کے پاس مرسیڈیز ۲۰۰، ۵۰، ۸۵، ماڈل ہے ان میں سے دو سو بیاسی کے پاس نیوی بلو رنگ کی ہیں..."

"لیکن یار میں نے تو گاڑی کے رجسٹر نمبر اور رجسٹریشن نمبر دیے تھے جن سے گاڑی آسانی سے شناخت کی جا سکتی ہے" جیسن نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

www.taemeernews.com

"ریاستی ورکشاپس ہمارے فون کرنے سے پہلے کئی مرسیڈیز ۵۶۰ ملف کر چکی تھیں۔ اب ہمیں نہ تو اُس کا چیسز نمبر معلوم ہو سکے گا نہ رجسٹریشن نمبر۔ اگر تم ان تمام مرسیڈیز کو دیکھنا چاہتے ہو تو میں نام لکھائے دیتا ہوں۔ ویسے مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ بھاگ گیا ہے۔"

"تو پھر تم نے دوسری ریاستی پولیس سے معلوم کیا؟"

"ہاں کیا تھا۔ ان کا جواب تھا کہ یہاں ہزاروں مرسیڈیز ۵۶۰ آتی ہیں۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہے تھے آخر واشنگٹن ملک کا دارالحکومت ہے۔ یہاں ہر ایجنسی کے پاس ایک دو مرسیڈیز ۵۶۰ تو ہوں گی۔" جیسن نے اُکتا کر کہا۔

"اوہ گڈ جیسن تم نے بہت اچھا خیال ظاہر کیا ہے ہم اس طرح کریں گے کہ ریستورانوں اور گیس اسٹیشنوں سے معلوم کریں گے کہ لوکل نمبر والی گاڑی کے بارے میں بتائیں۔"

"بہت دیر ہو گئی مسٹر فوکس اب تک تو وہ ایسی نمبر والی گاڑیاں بھول گئے ہوں گے۔"

"اچھا چھوڑو یار کیوں فضول بحث کر رہے ہو۔ تمہیں ان ورکشاپوں کے نام و پتے لکھا دوں؟"

"نہیں بہت بہت شکریہ اور گڈ بائی۔" جیسن نے تلخی سے کہا اور ریسیور پٹخ دیا۔

"کیا ہوا؟" کرسٹی نے جیسن کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کافی پاٹ سے کافی مگ میں انڈیلتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ فضول بحث کر رہا تھا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ اس نے شروع سے ہی اس کیس کو سنجیدگی سے نہیں لیا، ورنہ تو اب تک سب کچھ معلوم ہو چکا ہوتا۔" جیسن نے کہا

"یہ کار کا کیا مسئلہ تھا؟"

"تھا نہیں ہے، بس بنایا گیا ہے۔ ارشد کی کار بھی لاپتا ہے ابھی تک ملی نہیں۔۔ بس دلچسپی نہیں لی ورنہ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔"

"دلچسپی کیوں نہیں لی؟" کرسٹی نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"شاید اس لیے کہ وہ امریکی نہیں ہے بلکہ پاکستانی ہے۔" جیسن نے فرنچ فرائز منہ میں ڈالتے ہوئے کہا اور اپنی نشست سے اُٹھ گیا۔

"اب کہاں جا رہے ہو؟" کرسٹی نے نیپکن اُس کے حوالے کرتے ہوئے پوچھا۔

"مسز ارشد چوہدری کے پاس، وہاں میں ارشد چوہدری کی ذاتی اشیا ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"جیسن تم اس کیس کے پیچھے خواہ مخواہ پڑ گئے ہو۔ مجھے تو ابھی تک اس کا کوئی سر پیر نظر ہی نہیں آیا۔ آخر تمہارا کیا نظریہ ہے ارشد چوہدری کی گمشدگی کے بارے میں؟"

"دیکھو ڈیئر تم یہ نہ بھولو کہ مجھے ڈبل فیس ملی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے اگر یہ کیس حل ہو گیا تو بونس بھی مل جائے گا اب رہی دوسری بات کہ اس کیس کا رُخ روشن کیا ہے۔ تو ابھی تک میں خود بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ آیا ارشد چوہدری کی گمشدگی اُس کے کام کی وجہ سے ہے۔ یعنی کے۔جی۔بی والے تو اسے اٹھا کر نہیں لے گئے۔ اس کے متعلق آج رات واضح ہو جائے گا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا اُسے اغوا تو نہیں کیا گیا کیونکہ وہ کافی مالدار ہے اور تیسری وجہ ہے قتل جو شاید اس کی بیوی یا پھر کسی دشمن نے کرایا ہو۔" جیسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کار ڈکیتی کی بھی واردات ہو سکتی ہے؟" کرسٹی نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن پھر ارشد چوہدری خود یا اس کی لاش ملتی۔"

"تم ہی تو کہہ رہے تھے کہ مائیکل فوکس اس کیس میں سنجیدہ نہیں ہے۔"

"ہوں۔ خیر دیکھیں گے اچھا میں چلتا ہوں۔" جیسن نے طویل سانس لی۔۔۔ اور پھر وہ اپنا کوٹ پہن کر اس پر برساتی ڈالتا ہوا اپنے آفس سے نکل پڑا۔ بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا لیکن بوندا باندی ہو رہی تھی۔

پہلا چوراہا عبور کرتے ہی جیسن کی نظروں نے سلور رنگ کی بیوک کو تاڑ لیا جو اُس کے آفس سے مسلسل اُس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

"ہوں، تو کام شروع۔" جیسن نے ہولے سے کہا اور اپنی کار گیئر میں ڈال کر ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھی اور اُس کی رفتار میں اضافہ ہوتا گیا۔ بیوک بھی کسی سائے کی طرح اُس کا تعاقب کرتی رہی۔ جیسن نے پہلے تعاقب کرنے والوں کو دھوکا دینا زیادہ ضروری سمجھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی کار میں لگے

www.taemeernews.com

فون کا ریسیور اٹھایا اور نزدیکی پولیس اسٹیشن کا نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو"، جیسن نے آواز بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یس پولیس اسٹیشن"۔

"ایک سلور رنگ کی بیوک، ماڈل ۸۴ اور رجسٹریشن نمبر این۔ کے ناٹن، ڈبل ٹو سیون ون میں منشیات اسمگل ہو رہی ہیں۔ یہ کار اس وقت شاہراہ تیس پر پرنسٹن ہوٹل کے پاس سے گزرنے والی ہے"

جیسن نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں ہی دونوں کاریں پرنسٹن ہوٹل کے سامنے پہنچ گئیں۔ جیسن نے دو پولیس کاروں کو سڑک کے کنارے کھڑے دیکھا۔ وہ زیر لب مسکرا دیا اور اپنی کار تیزی سے آگے بڑھاتا چلا گیا لیکن اُس نے عقب نما آئینے پر اپنی نظریں بدستور رکھیں۔ بیوک بڑی تیزی سے جیگوار کا تعاقب کر رہی تھی لیکن اچانک دو پٹرول کاروں نے بیوک کا راستہ روک لیا۔ بیوک ڈرائیو کرنے والے نے بڑی مشکل سے کار کو روکا۔ نہیں تو اس کا پولیس کاروں سے ٹکرانا یقینی تھا۔

جیسن نے یہ سارا منظر عقب نما آئینے میں دیکھا اور ایک قہقہہ لگاتا ہوا اپنی کار کو ایک ذیلی سڑک پر لے گیا۔

جونہی سیاہ جیگوار "قصر خوباں" کے بڑے آہنی گیٹ سے وسیع و عریض ڈرائیو وے میں داخل ہوئی جیسن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ محاورتاً نہیں حقیقتاً واقعی اُس کے سامنے والی محل نما عمارت خوابوں جیسی تھی۔ جیسن اَب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ "قصر خوباں" بھی گرین لائن کی دوسری بڑی عمارتوں کی طرح جدید اور وسیع و عریض ہوگی لیکن "قصر خوباں" ایک چھوٹا سا مغلیہ طرز تعمیر کا شاہکار تھا۔ خوبصورت و دیدہ زیب محرابیں جو کہ سفید سنگ مرمر سے بنی اُجلی اُجلی لگ رہی تھیں۔ کھڑکیاں بڑی، وسیع اور فرانسیسی طرز کی تھیں۔ زیادہ تر کام سنگ مرمر سے کیا ہوا تھا۔ پورچ بھی وسیع تھا۔ اس میں بیک وقت تین کاریں بآسانی آ سکتی تھیں اور ایک بی۔ ایم۔ ڈبلیو پہلے سے وہاں کھڑی تھی۔ جیسن نے اپنی جیگوار بھی پورچ میں بی۔ ایم۔ ڈبلیو کے ساتھ روک دی۔ کار سے اُترتے ہوئے اس کی نظر وسیع لان پر پڑی جو بڑی خوبصورتی سے تراشا ہوا تھا اور کیاریوں میں صرف گلاب ہی تھا اس کے علاوہ کوئی موسمی پھول نظر نہیں آ رہا تھا جیسن باغ کو دیکھتا ہوا برآمدے کی طرف چل پڑا۔ برآمدے میں پہلے ہی سے مسز ارشد چوہدری اُس کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔ برآمدے کا فرش خوبصورت اور قدیم مغلیہ طرز کی ٹائیلوں سے بنا ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے قالین بچھا ہو۔

جب وہ سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں پہنچا تو اُسے اپنے سامنے سات فٹ اُونچا صدر دروازہ نظر آیا۔ جیسن کو سب سے زیادہ یہی چیز پسند آئی وہ حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"چلیں مسٹر جیسن"، مسز ارشد چوہدری نے ہولے سے کہا۔

"یہ دروازہ کہاں۔۔ سے لیا ہے؟" جیسن نے دلچسپی سے دروازے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دریافت کیا۔

"یہ۔۔ ہم چنیوٹ سے لائے تھے"

"چنیوٹ۔۔۔؟"

"چنیوٹ نہیں، چنیوٹ۔۔ یہ پاکستان کا ایک شہر ہے اور یہاں پر لکڑی کا کام سب سے اعلیٰ ہوتا ہے" مسز ارشد نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"اوہ! خوب۔۔ بہت خوب۔۔ بہت نفیس ہے۔ ویسے آج تک مغل طرز تعمیر کا صرف ذکر ہی سُنا تھا آج دیکھ بھی لیا" جیسن نے تعریفی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسا لگا؟" مسز ارشد نے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے پوچھا۔

"بہت اعلیٰ۔۔ تھینک یو" جیسن نے ایک بڑے سے ہال میں خوبصورت صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا پئیں گے۔۔ چائے یا کافی؟"

"کافی ٹھیک رہے گی۔۔ مسز ارشد یہ سب کچھ، معاف کیجیے گا یہ سوال پوچھنا ضروری ہے۔۔"

"نہیں، نہیں مسٹر جیسن آپ ضرور پوچھیں میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ ارشد مل جائے۔ خواہ اُس کے لیے مجھے کتنا پیسہ ہی کیوں نہ دینا پڑے"، مسز ارشد نے جیسن کی بات کاٹ کر طویل سانس لیتے ہوئے ہولے سے کہا۔

"تو سب سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ یہ اتنا خوبصورت محل اور اتنا قیمتی فرنیچر اس کے علاوہ مہنگی کاریں، یہ اتنی دولت کہاں سے آئی کہیں آپ کے خاوند اہم دستاویزات تو نہیں بیچتے رہے؟ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ وہ کتنے حساس محکمے میں ملازمت کرتے ہیں"

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مسز ارشد بولیں "یہ

www.taemeernews.com

ٹھیک ہے کہ میرے شوہر ایک حساس پیشے سے منسلک ہیں لیکن شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ بہت زیادہ امیر ہیں ہمارے آباؤاجداد بہت بڑے جاگیردار تھے اور اب بھی ہم لوگ بہت بڑے زمیندار کے علاوہ صنعت کار بھی ہیں۔ میرے شوہر کی دو ٹیکسٹائل ملیں پاکستان میں بڑی کامیابی سے چل رہی ہیں۔ اس اس کے علاوہ لاہور سے پچیس کلومیٹر دُور ہماری زرعی اراضی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں نیویارک میں ہمارا ایک فارم ہے ان چیزوں کے علاوہ میری اپنی جائداد ہے جو کہ میں اپنے جہیز میں لائی تھی۔ اس کے علاوہ ارشد کی تنخواہ اتنی زیادہ ہے کہ ہم لوگ بڑے آرام و سکون سے رہ رہے ہیں۔ اس لیے آپ یہ خیال ذہن سے نکال دیں کہ ارشد نے ایسا کیا ہوگا۔"

جیسن نے اپنا منہ، جو دولت کا سن کر تھوڑا سا کھل گیا تھا، جلدی سے بند کر کے اِدھر اُدھر دیکھا پھر بولا "کافی چلے گی۔"

مسز ارشد نے صوفے کے ساتھ پڑی ٹیبل پر رکھی گھنٹی بجائی۔

ایک خادمہ داخل ہوئی تو انہوں نے اسے کافی اور کباب لانے کے لیے کہا۔ پھر اپنا رخ جیسن کی طرف موڑتے ہوئے بولیں "یہ جو ملازمہ ابھی آئی تھی، یہ بھی میرے جہیز کے ساتھ آئی تھی اور اس کی ماں میری والدہ کے جہیز کے ساتھ آئی تھی۔"

جیسن کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا "میرا خیال ہے کہ میں مسز ارشد کا بیڈ روم ایک نظر دیکھ لوں۔" جیسن نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کافی تو پی لیجیے۔"

"کافی میں بعد میں پیوں گا آپ اس طرح کریں کہ جب تک میں بیڈ روم دیکھتا ہوں آپ گھر کے تمام افراد کو یہیں بلا لیجیے گا۔"

"او۔کے۔۔ ٹھہریئے آپ کہاں بیڈ روم تلاش کرتے رہیں گے میں طاہر کو ساتھ بھیجتی ہوں۔" مسز ارشد نے جیسن کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا اور دوبارہ گھنٹی بجائی۔ چند لمحوں بعد وہی خادمہ آئی تو مسز ارشد نے کہا، "طاہر کو بھیج دو۔"

"یہ طاہر کون ہے؟" جیسن نے رُک رُک کر پوچھا۔

"ملازم ہے جو کہ انگلش بھی جانتا ہے۔"

جیسن اثبات میں گردن ہلا کر ڈرائنگ روم کی سجاوٹ دیکھنے لگا۔ دو منٹ بعد اکیس بائیس سالہ نوجوان ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جس نے جینز کے ساتھ ٹی۔شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ قد لمبا اور جسم دبلا تھا۔ بال سیاہ تھے کلین شیو تھا۔

"یس مادام؟" اس نے خالص انگریزوں والے انداز میں کہا۔

"طاہر ان کے ساتھ اپنے صاحب کے بیڈ روم میں جاؤ۔"

"او۔کے مادام۔۔ آیئے چلیں۔" طاہر نے جیسن کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا جیسن نے اس کی نظروں میں اپنے لیے ناپسندیدگی دیکھ لی تھی اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی نوٹ کیا کہ اس کے رویے سے اکتاہٹ عیاں ہو رہی تھی۔ دونوں آگے پیچھے ایک طویل راہداری عبور کر کے آخری کمرے میں داخل ہو گئے جو ارشد چوہدری کا بیڈ روم تھا۔

"ہوں۔۔ تو یہ ہے بیڈ روم۔" جیسن نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"آپ سے پہلے بھی پولیس والے دوبار تلاشی لے چکے ہیں۔"

"کتنے افراد تھے؟"

"پہلی بار تو انسپکٹر مائیکل فوکس اور تین پولیس مین تھے اور دوسری بار انسپکٹر مائیکل اور انسپکٹر بیڈل تھے۔"

"انہیں کچھ ملا؟" جیسن نے سائیڈ ٹیبل کی درازیں کھولتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں۔" طاہر نے مختصر جواب دیا۔

جیسن نے درازیں بند کر دیں کیونکہ ان میں کوئی قابلِ ذکر اشیا نہیں تھیں۔ پھر اس نے الماری، ڈریسنگ ٹیبل، بیڈ، قالین کے نیچے، دیوار پر آویزاں تصاویر کے پیچھے اور اس کے علاوہ باتھ روم میں سنک کے پیچھے، کموڈ کے نیچے بھی ایک نظر ڈالی لیکن اسے کچھ بھی نہ ملا۔

"آپ کو بھی ان کی طرح کچھ نہیں ملے گا۔"

"انسپکٹر مائیکل کیا تلاش کر رہا تھا؟"

"انسپکٹر مائیکل تو کچھ بھی نہیں تلاش کر رہا تھا بلکہ وہ تو انسپکٹر بیڈل کو کہہ رہا تھا کہ تم فضول میں اپنا اور میرا ٹائم ضائع کر رہے ہو لیکن انسپکٹر بیڈل کہتا تھا کہ یہ تمہارا کام نہیں ہے تم صرف گمشدگی کا کیس حل کرو اندر کی بات دیکھنا ہمارا کام ہے۔"

"لیکن وہ لوگ تلاش کیا کر رہے تھے؟"

"کوئی دستاویز۔"

www.taemeernews.com

"لیکن میں تو ارشد چوہدری کی ڈائری تلاش کر رہا ہوں۔"

"مسٹر جیسن آپ شاید پرائیوٹ سراغرساں ہیں۔" طاہر نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔ جیسن نے حیرانگی سے اثبات میں گردن ہلادی۔

"تو آپ یہ معمولی سی بات مادام سے بھی دریافت کر سکتے تھے۔" جیسن کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی وہ ہونٹ سکوڑ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈرائنگ روم میں اُسے مسز ارشد چوہدری کے علاوہ تین بچے بھی نظر آئے جن میں سے ایک اٹھارہ سال کا ہوگا جب کہ باقی دونوں بچے چودہ اور بارہ سال کے لگ رہے تھے۔ بچوں کے علاوہ ایک بزرگ خاتون بھی موجود تھیں ملازموں میں اس لڑکی کے علاوہ ایک درمیانی عمر کا مرد بھی تھا جب کہ طاہر اُسی کے ساتھ تھا۔

جیسن نے سب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا "مسٹر ارشد ڈائری لکھتے تھے؟"

"نہیں بالکل نہیں کیونکہ انہیں فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔"

"گڈ۔ اچھا تو یہ ہیں آپ کے بیٹے؟"

"یس یہ سب سے بڑا بیٹا ہے عرفان، یہ شمران اور یہ سب سے چھوٹا عمران اور یہ ہیں ارشد کی والدہ۔۔۔" مسز ارشد چوہدری نے بزرگ خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر طاہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "اسے تو آپ جانتے ہی ہیں اور یہ میری ملازمہ تہمینہ ہے اور یہ شخص اس کا شوہر فضل ہے، ہاں مسٹر جیسن یہ بھی بتادوں کہ یہ تمام افراد ہمارے وفادار ہیں۔"

"ہوں۔۔ تو عرفان، شمران اور عمران کیا تم میں سے کسی کو تمہارے ڈیڈی نے کوئی ایسی بات تو نہیں بتائی جس سے ظاہر ہو کہ انہیں کوئی خوف ہو یا پھر کچھ پریشانی لاحق ہو۔"

"نہیں!" عرفان نے اعتماد سے کہا جب کہ شمران اور عمران نے صرف انکار میں سر ہلائے تھے۔

"گڈ۔۔۔ مسز ارشد کیا مسٹر ارشد کی والدہ انگلش جانتی ہیں؟" وہ دریافت کرنے لگا۔

"جی ہاں۔۔ مگر بہت کم جانتی ہیں۔"

"۔۔۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ آپ کے بیٹے نے آپ سے کوئی ۔۔۔ بات کی ہو کہ اُسے کسی سے خطرہ ہے؟"

"نہیں، اُسے تو میرے پاس بیٹھنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔" بزرگ خاتون نے ناگوار لہجے میں کہا۔ جیسن نے معنی خیز نظروں سے سب کو دیکھا سبھی خاموش اور اُداس نظر آرہے تھے۔

"مسز ارشد۔۔۔ کیس بہت مشکل ہے کیونکہ ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ کے شوہر فرار ہوئے ہیں یا پھر انہیں اغوا کیا گیا ہے۔۔ جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا کیس صحیح رُخ پر نہیں چل سکتا" جیسن نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تو آپ پہلے یہی معلوم کریں کہ انہیں اغوا کیا گیا ہے یا پھر۔۔ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتے کیا انہیں اپنے بیوی، بچوں اور بوڑھی ماں کا بھی خیال نہ آیا ہوگا۔" مسز ارشد نے تلخی سے کہا جیسن نے محسوس کیا کہ وہ فرار کے بارے میں بار بار سن کر چڑ سی گئی ہیں۔ جیسن نے خاموشی سے کافی ختم کی اور اپنی نشست سے اٹھ گیا۔

"مسز ارشد میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا۔" یہ کہہ کر جیسن ڈرائنگ روم سے باہر آگیا۔ اپنی کار میں بیٹھ کر اُس نے ایک طویل سانس پھیپھڑوں سے خارج کی۔

جیسن نے جیگوار کی ہیڈ لائٹس بجھا کر انجن بھی بند کر دیا۔ بارش پھر زور شور سے شروع ہو گئی تھی۔ حالانکہ بیس منٹ پہلے جب وہ امرجیت سنگھ کے گھر جانے کے لیے اپنے اپارٹمنٹ سے نکلا تھا تو موسم بالکل ٹھیک تھا کار بند کر کے چند لمحوں تک وہ یونہی بیٹھا امرجیت کے چھوٹے سے گھر کو گھورتا رہا۔ اُس کے گھر کی لائٹس جل رہی تھیں۔ اور اُس کی کار بھی پورچ میں موجود تھی۔ ہلکی ہلکی موسیقی کی بھی آواز آرہی تھی جیسن نے فیلٹ ہیٹ سر پر رکھی اور گاڑی سے باہر نکل کر چاروں طرف نظر دوڑائی کیونکہ اُسے اپنے تعاقب کا شک تھا۔ لیکن نہ سلور بیوک نظر آئی اور نہ ہی کوئی اور مشتبہ کار جیسن نے اطمینان کی سانس لی اور امرجیت سنگھ کے گھر کے چھوٹے سے ڈرائیووے پر چلتا ہوا صدر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے گھنٹی بجانے کے لیے بٹن پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اُس کی نظر اُس باریک جھری پر پڑی جو دروازے اور اُس کی چوکھٹ کے درمیان تھی جس کا مطلب تھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جیسن کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنے کوٹ کی ... جہاں اعشاریہ پانچ کا ریوالور پڑا ہوا تھا۔ جیسن نے ... بجانے کا ارادہ ملتوی کیا اور

www.taemeernews.com

آہستگی سے دروازے کو دھکیل دیا۔ دروازہ بے آواز کھل گیا ساتھ ہی ریوالور جیسن کے ہاتھ میں آگیا۔ پہلے چند لمحوں تک وہ سُن گن لیتا رہا پھر اس نے اپنے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔ وہ سیدھا سٹنگ رُوم میں داخل ہوا۔ اُس کے آخر میں دو دروازے تھے ایک دروازے کے اندر تاریکی تھی۔ جیسن خاموشی سے آگے بڑھا۔ پہلے اُس نے کچن میں جھانک کر دیکھا وہیں اُسے کیسٹ پلیئر چلتا دکھائی دیا۔ پھر وہ اندھیرے کمرے کی طرف مڑا دروازے کے ساتھ ہی وہ دیوار کو ٹٹولتا ہوا بورڈ تک پہنچ گیا ویسے بھی دوسرے کمرے سے آنے والی روشنی اس کمرے کے اندھیرے کو شکست دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ جیسن نے بٹن ٹٹول کر کے بعد دیگرے سارے بٹن آن کر دیے۔ جس سے کمرہ اچانک روشنی سے منور ہو گیا۔

امرجیت سنگھ بیڈ پر پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا اُس کا مُنہ جیسن کی طرف تھا جب کہ بیڈ کو رُخ ہو رہا تھا۔ جیسن نے ایک طویل سانس لی اور اپنے تنے ہوئے عضلات کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ پھر وہ خاموشی سے آگے بڑھا اور جھک کر لاش کو دیکھنے لگا۔ گولی گردن کی ہڈی توڑتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی تھی۔ جیسن نے لاش کو ہاتھ لگایا تو وہ گرم تھی یعنی اُسے مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب ہوا کہ جس وقت وہ اس طرف آ رہا تھا تو اُس وقت اُسے قتل کیا گیا ہے جیسن نے سوچا۔ پھر اُس کی نظر کھلی کھڑکی پر پڑی۔ جیسن ساری بات سمجھ گیا۔ اُس نے پہلے تلاشی لینے کے بارے میں سوچا لیکن پھر اس خیال کو ترک کر کے فوراً یہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف تیزی سے اُڑا جا رہا تھا لیکن امرجیت سنگھ کے گھر سے نکل کر سب سے پہلے اس نے فون بوتھ سے پولیس اسٹیشن گمنام کال کے ذریعے امرجیت کے قتل کی خبر پہنچا دی تھی۔

❀

وہ فون ہی کی گھنٹی تھی جس کے مسلسل بجنے سے جیسن کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے غنودگی کی حالت میں سائیڈ ٹیبل پر پڑی گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے سات بج کر سولہ منٹ ہوئے تھے جیسن نے لیٹے لیٹے اندازے سے ہاتھ فون پر مارا اور ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جیسن... اخبار دیکھا؟" دوسری طرف سے کرسٹی کی تیز آواز سنائی دی۔

"میں تو سویا ہوا تھا کہ تمہارے فون...."

"جیسن... امرجیت سنگھ قتل ہو گیا ہے" کرسٹی نے جیسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیا؟ اوہ! اچھا۔"

"جیسن" کرسٹی نے جیسن کی آواز میں کوئی جوش نہ محسوس کرتے ہوئے کہا "کل رات سات پچاس پر تم کہاں تھے؟"

"امرجیت کے گھر کی طرف جا رہا تھا اور یقین کرو جب میں وہاں پہنچا تو کام ہو چکا تھا" جیسن نے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اوہ... اس کا مطلب ہے کہ... گمنام کال تمہاری تھی"

"آف کورس... اچھا بے بی اب مجھے تیار ہونے دو"

"تمام تفصیل سنوں گی"

"آل رائٹ... گڈ بائی" جیسن نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ کچھ دیر تک بُت بنا بیڈ پر بیٹھا رہا۔ پھر چونک کر بیڈ سے اُترا اور ایک طویل انگڑائی لے کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

❀

"کیا ہوا تھا؟" کرسٹی نے جیسن کے پیچھے ہی آفس میں قدم رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"بہت بے صبر ہو رہی ہو، پہلے مجھے اخبار کی خبر تفصیل سے سناؤ" جیسن نے اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ کرسٹی نے مُنہ بنا کر میز پر پڑے اخبار کو اٹھا لیا اور دوسرے صفحے پر موجود خبر پڑھنے لگی۔

"امرجیت سنگھ کو کل رات سات بج کر پچاس منٹ پر کسی نامعلوم شخص نے گردن پر گولی مار کر قتل کر دیا۔ رات آٹھ بج کر تیرہ منٹ پر ایک گمنام کال کے ذریعے پولیس کو اطلاع ملی۔ پولیس فوراً موقع واردات پر پہنچی تو گھر کا دروازہ کھلا ملا۔ پولیس کے اندازے کے مطابق قاتل کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوا اور سوتے ہوئے امرجیت کی گردن پر اعشاریہ پانچ سات کے ریوالور سے فائر کر دیا گولی گردن کی ہڈی توڑ کر دوسری طرف نکل گئی لیکن تلاشی لینے کے [illegible] بعد جو گولی کا خول [illegible] [illegible]

www.taemeernews.com

کیبن میں رکھے کیسٹ پلیئر کو چلایا اور صدر دروازہ کھول کر فرار ہوگیا۔

امرجیت سنگھ کے ہمسایوں سے دریافت کیا گیا کہ آیا انہوں فائر کی آواز سنی یا پھر کسی کو بھاگتے دیکھا۔ جواب میں ایک ہمسائے نے لاعلمی کا اظہار کیا کیونکہ وہ اس وقت گھر پر نہیں تھا جب کہ دوسرے ہمسائے نے بتایا کہ نہ اس نے فائر کی آواز سنی اور نہ ہی کسی کو بھاگتے دیکھا ہاں البتہ اُسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ امرجیت اتنی اونچی آواز میں ٹیپ کیوں بجا رہا ہے۔ مقتول کے ہمسائے نے کہا کہ وہ یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا مقتول کے گھر کوئی فنکشن وغیرہ ہے اپنے بیڈروم کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اُسے مقتول کے گھر کے باہر ایک سیاہ جیگوار پارک کی ہوئی نظر آئی تھی۔ یاد رہے امرجیت سنگھ اسٹار وار پر ایک اہم کام کر رہا تھا۔"

کافی دیر تک کمرے میں بوجھل خاموشی رہی۔ جیسن اور کرسٹی دونوں اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں تھے۔

"جیسن... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ قاتل کھڑکی کے راستے آیا اور دروازے کے راستے فرار ہوا اور جاتے جاتے کیسٹ پلیئر آن کر گیا؟"

"سیدھی سی بات ہے کہ جس کسی نے بھی اُسے قتل کیا اُسے معلوم تھا کہ مجھے آج رات اس سے ملنا ہے۔ اس لیے اُس نے امرجیت کو قتل کر کے کیسٹ پلیئر اونچی آواز میں آن کر دیا جس سے اُس کے ہمسائے نے اس کے گھر میں جھانک کر دیکھا لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں امرجیت کے اس ہمسائے کی نظروں میں نہیں آیا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے کہ اُس نے کیسٹ پلیئر صرف اس لیے چلایا کہ تم کسی کی نظروں میں آ جاؤ۔ لیکن کھڑکی کے راستے اندر آنے کی کیا وجہ ہے جب کہ قاتل کو صرف اُسے قتل کرنا تھا سو وہ دروازے کے راستے اندر جاتا اور اُسے قتل کر کے آرام سے واپس آ جاتا۔" کرسٹی نے جیسن کو گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں کر تو وہ ایسا بڑی آسانی سے کر سکتا تھا کہ وہ کسی بہانے گھر میں دروازے کے ذریعے داخل ہو جاتا... لیکن یہی وہ بنیادی نقطہ ہے کہ امرجیت سنگھ کو شک ہو گیا تھا کہ وہ خطرے میں ہے اس لیے اُس نے دروازہ نہیں کھولا اور شاید قاتل کو بھی اس کا علم ہو گیا تھا۔"

"کیسے؟"

"تم تو میری جگہ رہی ہو... خیر مجھے اپنی امرجیت سے اُس کی فیکٹری میں ملاقات یاد آ رہی ہے کیونکہ ارشد چوہدری کا سُن کر ہی وہ گھبرا گیا تھا اس کے علاوہ فیکٹری سے نکلتے ہی میرا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔" جیسن نے ہنستے ہوئے کہا

"مجھے نہیں بتایا؟" کرسٹی نے دانت چباتے ہوئے کہا۔

"ضرورت نہیں تھی۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہوتیں۔ اچھا اب بتاؤ کتنے مرغے پھنسے؟" جیسن نے اخبار تہ کر کے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کنگ جارج کے مارے جانے اور اُس کے منشیات کے کاروبار کا جو سراغ تم نے لگایا ہے اُس سے تمہیں بڑی شہرت ملی ہے۔" کرسٹی نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"ہوں تو پھر جلدی سے انہیں لاؤ تاکہ میں جا سکوں۔"

"آل رائٹ۔" کرسٹی نے کمرے سے جاتے ہوئے کہا

جیسن ایک طویل سانس لے کر امرجیت سنگھ کے متعلق سوچنے لگا۔ اچانک اُس کے انٹرکام کا بزر بجنے لگا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھایا۔

"یس کرسٹی؟"

"جیسن مسز ارشد چوہدری کی کال ہے۔"

"ٹھیک ہے بات کراؤ اور پہلے کلائنٹ کو بھی بھیج دو۔"

"او۔کے۔"

"کرسٹی کی آواز آئی پھر کچھ دیر بعد مسز ارشد چوہدری کی آواز جیسن کے کانوں سے ٹکرائی۔ مسٹر جیسن... آج کا اخبار پڑھا؟"

"یس اور مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"تو پھر آپ نے اندازہ لگایا کہ ارشد کے اغوا اور امرجیت کے قتل کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟" مسز ارشد نے خوفزدہ آواز میں دریافت کیا۔

"مسز ارشد میں نے ایک اندازہ ضرور لگایا ہے...!"

جیسن چند لمحوں تک خاموش رہا جیسے سوچ رہا ہو کہ بات کرے یا نہ کرے۔ پھر بولا "... امرجیت کے قتل سے

www.taemeernews.com

معلوم ہوتا ہے کہ اُسے کچھ معلوم تھا۔"

"مسٹر جیسن آپ بات بدل گئے ہیں۔ ویسے چار دن کے کرب ناک انتظار کے بعد جب کہ اغوا کنندگان کی طرف سے کوئی کال نہیں آئی.. میں سمجھتی ہوں.. کہ.. کہ.. ہمیں بھی ارشد کو.. امرجیت والی حالت.. مم.. میں تلاش۔۔" مسز ارشد چوہدری نے اٹک اٹک کر اپنی بات پوری بھی نہ کی تھی کہ جیسن بول پڑا۔

"آپ کافی حقیقت پسند ہیں اور میں بھی اسی نقطے پر سوچ رہا تھا کہ ہمیں ارشد کو اغوا کے علاوہ.. مقتول کی صورت میں بھی تلاش کرنا چاہیئے۔" جیسن نے اسی دوران سسکی کی آواز بھی سُنی "مسز ارشد آپ حوصلہ رکھیں، اب تک جو ہونا تھا ہو چکا ہو گا.. اچھا او۔کے۔" جیسن نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر سامنے بیٹھے شخص کی فائل کھولنے لگا جو گفتگو کے دوران ہی وہاں آ کر بیٹھ گیا تھا۔

پورے دو گھنٹے بعد جیسن آفس سے نکلا۔ اُس نے آفس میں ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے پولیس اسٹیشن جا کر انسپکٹر بیڈل سے ملاقات کرے گا۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے اُس نے آسمان پر ایک نظر ڈالی۔ موسم سرد ہو گیا تھا اور آسمان پر مسلسل چار دنوں سے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور کل سے تو بارش بھی شروع ہو گئی تھی اس وقت بارش تو تھمی ہوئی تھی لیکن مطلع بدستور ابر آلود تھا اور ٹھنڈی ہوا مزاج پوچھ رہی تھی۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر پہلے اُس نے انسپکٹر مائیکل کے پاس جانے کا ارادہ کیا لیکن پھر یہ سوچ کر ملتوی کر دیا کہ کہیں وہ اُسے انسپکٹر بیڈل سے ملانے سے انکار نہ کر دے سو اُس نے سیدھا اُس ڈیسک کا رُخ کیا جہاں معلومات کے لیے ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

"ایکسکیوزمی.. کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ انسپکٹر بیڈل کہاں ہوں گے؟" جیسن نے انتہائی خوشگوار لہجے میں دریافت کیا۔

"انسپکٹر بیڈل.. دیکھتی ہوں" لڑکی نے حیرت سے جیسن کو گھورتے ہوئے کہا اور کمپیوٹر کے کی بورڈ پر انتہائی مہارت اور خوبصورتی سے اپنی مخروطی انگلیوں کو حرکت دی۔ کھٹ کھٹ کی مخصوص آواز کے ساتھ ہی۔ مونیٹر پر اُن انسپکٹروں کی فہرست آ گئی جو کہ اُس وقت ڈیوٹی پر تھے۔

"نو سر انسپکٹر بیڈل نامی شخص یہاں نہیں ہے.. ہو سکتا ہے کسی دوسری شفٹ میں ہو یا پھر کسی برانچ کا انسپکٹر ہو گا" لڑکی نے زبردستی مُسکراہٹ اپنے خوبصورت چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

"کیا انسپکٹر مائیکل نوکس کی یہ شفٹ نہیں ہے؟"

"بالکل یہی ہے اور وہ اس وقت اپنے آفس میں موجود ہیں۔"

"تو پھر اُن کا پارٹنر یا جونیئر بھی ہو گا۔"

"نو سر.. انسپکٹر مائیکل نوکس کا نہ کوئی پارٹنر ہے اور نہ ہی کوئی اسسٹنٹ ہے.. شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے" لڑکی نے مسکراتے ہوئے تفصیلاً کہا۔

"تھینک یو" جیسن نے مُسکرا کر کہا اور پریشان سا مڑ کر باہر کی جانب چل پڑا پھر ایک خیال کے تحت رُکا لیکن پھر چل پڑا۔ اُس نے سوچا کہ ہنری کو فون کرے پھر یہ سوچ کر باہر کی جانب چل پڑا کہ خود جا کر اُس سے ملنا چاہیئے ہنری ایک ایسا شخص تھا جسے پولیس اور مجرموں کا انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا تھا۔ اُسے ہر اُس شخص کا علم ہوتا تھا یا پھر وہ ایک گھنٹے کے اندر اندر معلومات بہم پہنچا دیتا تھا۔

جیسے ہی جیگوار اُس مخصوص بار کی جانب مڑی، جہاں ہنری عام طور پر ملتا تھا تو جیسن کو خیال آیا کہ اُسے تو بیڈل کا حلیہ وغیرہ ہی نہیں معلوم۔ وہ کس طرح ہنری کی رہنمائی کرے گا۔ اُس نے فوراً کار کا رُخ "قصرِ خوباں" کی جانب موڑا پھر فون کا ریسیور اُٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

"یس" دوسری جانب سے چوتھی گھنٹی پر کسی عورت نے فون اُٹھایا۔

"مسز ارشد چوہدری سے بات کرنی ہے۔"

"میں بول رہی ہوں مسٹر جیسن۔"

"اوہ! آپ.. آپ کی آواز" جیسن نے ہینڈی کیئر دیتے ہوئے کہا اور بڑی مہارت سے ایک ہی ہاتھ سے کار بائیں جانب موڑ لی۔

"بس.. کچھ بیٹھ سی گئی ہے، ہاں آپ بتائیں کیسے فون کیا؟"

"میں طاہر سے ملنا چاہتا ہوں اگر گھر پر ہو تو اُسے کہیں جانے..."

"اس وقت تو مارکیٹ گیا ہوا ہے جس وقت بھی آئے گا میں اُسے روک لوں گی.. کیا کچھ معلوم کرنا ہے؟" مسز ارشد نے جیسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

www.taemeernews.com

"اوہ!.. آپ نے بھی تو انسپکٹر بیٹل کو دیکھا ہوگا۔"

"نہیں.. اگر دیکھا بھی ہو تو مجھے یاد نہیں کیونکہ میں تو اپنے بیڈروم میں یا پھر کچن میں ہوتی ہوں۔"

"کیوں؟ آپ ان کے سامنے کیوں نہیں آئیں؟" جیسن نے حیرت سے دریافت کیا۔

"دیکھیں مسٹر جیسن شاید یہ بات آپ کو نہیں بتانی چاہیئے لیکن مجبوری کے تحت بتا رہی ہوں کہ میری ساس بہت زیادہ شکی مزاج ہیں اس لیے وہ میرا غیر مردوں سے ملنا بالکل پسند نہیں کرتیں، وہ تو آپ کے جانے کے بعد مجھ سے جھگڑ رہی تھیں کہ میں نے آپ کو کیوں بلایا تھا۔"

"ہوں.. طاہر تو یقیناً انہیں جانتا ہوگا کیونکہ اس نے مجھے بتایا تھا کہ جب وہ بیڈروم کی تلاشی کے لیے آئے تھے تو وہ ان کے ساتھ ہی تھا۔"

"آف کورس۔"

"تو پھر آپ اسے میرے آفس بھیج دیجیے کیونکہ اگر میں آپ کے گھر آگیا تو آپ کی ساس پھر ناراض ہوں گی.. میں اپنے آفس ہی جا رہا ہوں۔"

"تھینک یو مسٹر جیسن اینڈ گڈ بائی۔"

"بائی۔" جیسن نے ہوئے سے کہا اور فون بند کر دیا پھر کچھ دور جا کر یوٹرن لیا اور واپس اپنے آفس کی جانب چل پڑا۔ اس کا آفس شہر کے نسبتاً جدید علاقے میں ایک بیس منزلہ عمارت میں تھا جہاں اس کے آفس کے علاوہ کئی دوسری کمپنیوں اور مختلف شعبے سے تعلق رکھنے والوں کے آفس بھی تھے۔ جیسن نے ایک چوراہے پر رک کر دوسری طرف کی ٹریفک کو جانے دیا اسے اسی ٹریفک میں ارشد چوہدری کی بی۔ایم۔ ڈبلیو نظر آئی جسے طاہر ڈرائیو کر رہا تھا جیسن نے بھی اپنی جیگوار اسی سڑک پر موڑ لی بی۔ایم۔ ڈبلیو اور جیگوار کے درمیان پانچ کاریں تھیں۔ تقریباً آدھ کلومیٹر کے بعد وہ بلڈنگ آگئی جس میں جیسن کا آفس تھا۔ جس وقت جیسن وہاں پہنچا طاہر اپنی کار فٹ پاتھ کے ساتھ پارک کر چکا تھا جیسن نے بھی اپنی کار اس سے پیچھے کچھ دور پارک کر دی اور انجن بند کر کے نیچے اترنے کے لیے دروازہ کھولا اور طاہر کی جانب دیکھا جو گاڑی سے اتر کر دروازہ بند کر رہا تھا کہ اچانک اس کا سر زبردست اور شدید جھٹکے سے کار کی چھت سے ٹکرایا پھر پلک جھپکتے ہی وہ کار سے ٹکراتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

"اوہ.. گاڈ" جیسن بوکھلاہٹ میں تیزی سے کار سے نکلا۔ اس نے طاہر کی گردن سے خون کا فوارہ چھوٹتا دیکھ لیا تھا اس لیے اس نے طاہر کی بجائے اپنی عقابی نظریں ادھر ادھر دوڑائیں تاکہ معلوم کر سکے کہ بے آواز فائر کہاں سے ہوا جس کی وجہ سے طاہر کو یہ دنیا چھوڑنی پڑی۔ چند ہی لمحوں میں جیسن کی عقابی نظروں نے سلور رنگ کی بیوک کو اپنے حصار میں لے لیا۔

جیسن نے اپنی جیگوار میں بیٹھ کر اگنیشن میں چابی گھمادی۔ ساتھ ہی ایکسیلیٹر پر پاؤں کا پورا دباؤ ڈال دیا۔ کار غراتی ہوئی پارک شدہ جگہ سے ایک جھٹکے سے آگے بڑھی اور ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ بیوک کافی دور نکل چکی تھی۔ جائے حادثہ پر ٹریفک معطل ہو چکی تھی۔ لوگ خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے کچھ لوگ طاہر کی لاش کے گرد جمع ہوگئے تھے اسی دوران پولیس سائرن کی آواز سنائی دی۔ جیسن نے عقب نما آئینے میں دور دو پولیس کاروں کو جائے حادثہ پر رکتے دیکھا پھر اس نے سر جھٹک کر توجہ سے بیوک کا تعاقب جاری رکھا۔ آگے آنے والے چوراہے پر بتی سرخ تھی۔ جس سے تمام ٹریفک معطل تھی لیکن دائیں جانب کی ٹریفک چل رہی تھی۔ بیوک تیزی سے دائیں طرف مڑی اور کئی کاروں کو تیزی اور خطرناک طریقے سے کراس کیا۔ جیگوار بھی کسی موت کے سائے کی طرح اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ جیسن کو معلوم ہوگیا تھا کہ انہیں تعاقب کا علم ہوگیا ہے، لہٰذا اس نے رفتار میں اضافہ کرنا شروع کیا تاکہ فاصلے میں کمی ہو۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے تیزی سے چلی جا رہی تھیں جیسن نے گاڑیوں کے درمیانی فاصلے میں خاطر خواہ کمی کر لی تھی۔ اب وہ اس الجھن میں تھا کہ یہ لوگ کوئی کارروائی کیوں نہیں کرتے۔

جیسے ہی دونوں گاڑیاں ایک ذیلی سڑک کے پاس سے گزریں جو کہ ان کی سڑک سے آملتی تھی، جیسن کو اپنی گاڑی کے پیچھے کسی اور گاڑی کے ٹائر چرچرانے کی آواز آئی۔ اس نے فوراً عقب نما آئینے میں دیکھا تو اسے اپنی حماقت پر ماتم کرنے کو جی چاہا کہ وہ یہ معمولی سی بات بھی نہیں سمجھ سکا کہ اگلی کار والے پچھلی کار کے انتظار میں کوئی کارروائی نہیں کر رہے تھے۔ جیسن نے اس وقت بوکھلا کر اسپیڈ میں

اضافہ کر دیا جب اُس نے پچھلی کار سے اسٹین گن نکلتے دیکھی لیکن اسی دوران بیوک کی اسپیڈ میں بھی اضافہ ہو گیا اور وہ کافی تیزی سے آگے بڑھی پھر اچانک اُس نے سڑک پر ایک خطرناک انداز سے یوٹرن لیا۔ دوسری طرف سے آنے والی ٹریفک آپس میں ہی ٹکرا گئی کیونکہ وہ بہت تیز تھی اس لیے جب پچھلی گاڑی رُکی تو اُس کے پیچھے آنے والی تمام گاڑیاں اُس سے ٹکرا گئیں دو گاڑیاں اُلٹ گئیں جیسن اب اُن کی چال سمجھ چکا تھا اس لیے اُس کا دماغ مسلسل بچاؤ کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اِدھر دونوں گاڑیاں تیزی سے اُس کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔ بیوک سے ریوالور سے فائرنگ بھی شروع ہو گئی تھی جب کہ پچھلی گاڑی سے ابھی تک فائرنگ نہیں ہوئی تھی۔

جیسن اچانک اپنی جیگوار سڑک کے انتہائی کونے پر لے گیا اور اُس کے ٹائر فٹ پاتھ سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔ پھر اُس نے دونوں کاروں کی اسپیڈ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اچانک جیگوار کو ایک سو اسّی درجے کے زاویے پر موڑا۔ کار سڑک کے عین درمیان بالکل سیدھی کھڑی ہو گئی۔ جیسن نے ریوالور پہلے ہی اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ جیگوار کے پیچھے آنے والی گاڑی بھی اچانک اُس کی جانب مڑی جب کہ بیوک بدستور سیدھی جا رہی تھی۔ جیسن کو دوسری گاڑی کے سیدھے ہونے کا خدشہ ہو گیا۔ اب اُس نے احتیاط سے نشانہ لے کر سامنے آنے والی گاڑی کے اگلے ٹائر پر لگاتار تین فائر کر دیے تاکہ کوئی تو گولی نشانے پر لگے۔ دو گولیاں گاڑی کی ہیڈ لائٹس پر لگیں تیسری ٹائر پر لگی۔ ایک دھماکا ہوا گاڑی اچانک انتہائی دائیں جانب جھک کر گھوم گئی۔ گاڑی میں بیٹھے اسٹین گن والے نے بھی ایک برسٹ جیگوار پر فائر کیا جو اُس کی باڈی میں سوراخ اور ہیڈ لائٹس کو چکنا چور کر گیا لیکن اس سے جیسن کو کوئی نقصان نہ ہوا اُس شخص نے فوراً ہی دوسرا برسٹ فائر کر دیا لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی کیونکہ گاڑی کے اگلے ٹائر پھٹنے سے گاڑی اُسی جانب گھوم گئی جس طرف کا ٹائر پھٹا تھا جس کی وجہ سے برسٹ ہوا میں ہی فائر ہو گیا کیونکہ اسٹین گن کا رُخ جھٹکا لگنے سے اُوپر اُٹھ گیا تھا۔ بیوک کو ڈرائیو کرنے والا اپنے ساتھی کی گاڑی کو گھومتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اُس نے انتہائی مہارت سے اپنی بیوک تھوڑی سی ترچھی کی لیکن دوسری گاڑی گھوم کر سڑک کے درمیان آ گئی۔ بیوک کا اگلا حصہ تو بخیریت گزر گیا لیکن پچھلے حصے سے دوسری گاڑی کا فرنٹ حصہ زوردار دھماکے سے ٹکرایا۔ بیوک تیز ہونے کی وجہ سے اچانک پیچھے سے پھسل گئی اور اسی طرح گھسٹتی ہوئی فٹ پاتھ پر چڑھ گئی لیکن رُکی نہیں بلکہ اُس کا پچھلا حصہ فٹ پاتھ اور اگلا حصہ سڑک پر پھسلتے ہوئے اسٹریٹ پول سے ٹکرایا اور وہ رُک گئی۔ دوسری گاڑی بیوک سے ٹکرا کر ہوا میں اچھل اور قلابازی کھاتی ہوئی سڑک پر ہی واپس آ گئی۔ جیسن نے اتنی دیر میں ریوالور فرنٹ سیٹ پر پھینکا اور ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالتا ہوا وہاں سے فرار ہو گیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہو گیا۔ بیوک میں موجود دونوں افراد اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے بھاگے ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔

جب جیسن اپنے آفس پہنچا تو اُسے انسپکٹر تھامسن دور سے ہی نظر آ گیا انسپکٹر تھامسن نے بھی جیسن کی سیاہ جیگوار دیکھ لی تھی۔ اُس نے فضا میں ہاتھ بلند کر کے ہلایا اور جیسن ہی کی طرف آنے لگا جو کار پارک کر کے اُتر رہا تھا۔

"مجھے اُمید تھی کہ تم ہی اس واردات کے نگراں ہو گے۔" جیسن نے دروازہ لاک کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا؟ یہ کیا ہوا؟" تھامسن اپنی بات پوری کیے بغیر کار کے فرنٹ حصے کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

"اوہ یہ... یہ انہی کا کارنامہ ہے جنہوں نے طاہر کو قتل کیا ہے۔"

"طاہر! یہ وہی تو نہیں جو ابھی ابھی قتل ہوا ہے؟ میں نے اُس کے ڈرائیونگ لائسنس میں اُس کا نام پڑھا ہے۔" تھامسن نے جیسن کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیا لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی؟" جیسن نے کسی خیال کے تحت چونکتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں ابھی تو اسٹریچر پر رکھی ہے۔۔ کیوں، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ابھی صبر کرو پہلے لاش دیکھنے دو۔"

جیسن نے تھامسن سے کہا اور ایمبولینس کی طرف بڑھ گیا۔ تھامسن بھی اُس کے پیچھے بھاگا۔ جیسن نے اسٹریچر پر پڑی لاش سے زرد رنگ کی چادر اٹھائی اور وہ جگہ دیکھنے لگا جہاں گولی لگی تھی۔ اُس کے اندازے کے مطابق گولی گردن میں ہی لگی تھی جس کی وجہ سے گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جیسن نے ایک طویل سانس لے کر لاش پر چادر ڈال دی پھر ہونٹ سکوڑ کر تھامسن کی طرف رُخ پھیرا اور بولا۔ لیا

تم اپنے قاتل کو جانتے ہو جو گردن پر فائر کرتا ہو؟"

"کیا تم نہیں جانتے ہو؟ فریڈ، وکین اور ٹرشی تینوں مجھے یاد ہیں۔" تھامسن نے حیرت سے جیسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے فریڈ تو جیل میں ہے اور وکین اور ٹرشی کا کچھ پتا نہیں۔"

"ٹرشی ہانگ کانگ میں پولیس مقابلے میں مارا گیا ہے۔"

"اچھا۔۔ یہ کب کی بات ہے؟ مجھے تو معلوم نہیں ہوا۔" جیسن نے حیرت سے تھامسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی پندرہ یا سولہ دن ہوئے لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ اسے قتل کرنے والا ان تینوں۔۔ سوری صرف ایک کا ذکر کرنا چاہئے، میں سے ہوگا۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ کسی بھی شخص نے اس پر فائرنگ کی اور اتفاقاً گولی گردن میں لگ گئی۔ ۔اوہ، تم یہ تو بتاؤ طاہر کو کیسے جانتے ہو؟" تھامسن نے بات کرتے کرتے چونک کر پوچھا۔

"صبر یار، صبر۔ پہلے تم یہ بتاؤ مقتول کے گھر والوں کو اطلاع کر دی یا کرنی ہے؟"

"نہیں، پہلے سوچا اپنے کسی جونیئر سے کہہ دوں پھر خیال آیا کہ تمہارے آفس سے فون کر دوں گا اور تمہارے خرچے پر کافی کے ساتھ برگر بھی کھاؤں گا۔" تھامسن نے منہ بنا کر کہا۔

"خوب یہ بہت اچھا ہوا، چلو آفس چلو تمہیں میں گرما گرم کافی کے ساتھ برگر کھلاتا ہوں اس کے بعد دونوں جا کر اطلاع دیں گے۔" جیسن نے مسکراتے ہوئے اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا۔

"کیوں۔۔ فون کیوں نہیں کرنا؟" تھامسن نے حیران ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

"اس لیے ڈیئر کہ مجھے کچھ کچھ شک مسز ارشد پر بھی ہو رہا ہے۔ یہ جو مقتول طاہر تھا یہ مجھی سے ملنے آیا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ طاہر کے قتل کی خبر سن کر مسز ارشد کے تاثرات دیکھوں اس کے علاوہ اپنی جیگوار بھی دکھاؤں گا۔"

"اوہ، اب سمجھا یہ سارا چکر تم نے اپنی کار کے نقصان کی تلافی کے لیے چلایا ہے بہت تیز جا رہے ہو۔"

"کافی عقل مند ہو گئے ہو۔" جیسن نے آفس کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ کرسٹی نے اپنا سر اٹھا کر جیسن کو دیکھا اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

"ہیلو کرسٹی۔"

"ہائے تھامسن، کیسے ہو؟۔ بھئی واہ کیا پکڑا ہے تم نے جارج کو۔" کرسٹی نے تھامسن سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کیا خاک پکڑا ہے تمہارے ہیرو نے بھیجھ ہی اڑا دیا تھا اوہ ہاں جیسن تیس تاریخ کو تمہاری عدالت میں ضرورت ہے جارج کیس کے سلسلے میں۔"

"بے فکر رہو آجاؤں گا، کرسٹی دو برگر اور دو کافی اگر اپنے لیے منگوانا ہیں تو منگوا لو۔" یہ جیسن تھامسن کو دھکا دے کر خود بھی اپنے آفس میں داخل ہو گیا۔

"اب تو بڑا صبر ہو گیا ہے اب تو بتاؤ۔" تھامسن نے برگر کی پلیٹ اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ کرسٹی جو تینوں برگر اور کافی ایک ٹرے میں اٹھا کر جیسن کے آفس میں آگئی تھی اور اب تینوں بیٹھے کھانے کے ساتھ کافی بھی نوش کر رہے تھے۔

"تم نے امرجیت سنگھ کے قتل سے متعلق کچھ سنا یا پڑھا ہے؟" جیسن نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔

"اوں... ویسے مجھے اتنی فرصت تو نہیں ہے لیکن میں نے اخبار کی شہ سرخیاں پڑھی تو تھیں۔" تھامسن نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بس اسی لیے تمہیں معلوم نہیں ہوگا۔ یہ دیکھو۔" جیسن نے کہا اور اپنی میز کی ایک دراز کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا پھر سفید رنگ کی ایک فائل نکال کر تھامسن کو دی اور بولا۔ اس میں دو خبریں اخبار میں تم پہلے آخری یہ پہلی خبر پڑھنا۔"

"اچھا۔" تھامسن نے برگر کا ایک بڑا ٹکڑا دانتوں سے توڑتے ہوئے کہا اور فائل کھول کر آخری خبر پڑھنے لگا جو کہ امرجیت سنگھ کے قتل کی تھی پھر اس نے صفحہ پلٹ کر پہلی خبر پر نظر ڈالی جو ارشد چوہدری کے اغوا کی تھی۔

"ارے... یہ ارشد کیس کو تو نفاست پسند چوہان ہینڈل کر رہا ہے۔" تھامسن نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"نفاست پسند چوہان۔" کرسٹی اور جیسن حیرت سے دیکھنے لگے۔

"کیا کیس انسپکٹر مانک کو نہیں ہینڈل نہیں کر رہا؟"

"کر رہا ہے۔"

"ہم اسے ہی تو نفاست پسند چوہان کہتے ہیں کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ نفاست پسند ہے۔" تھامسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ مجھے تو اتنا زیادہ نفاست پسند نہیں نظر آیا ہاں البتہ اُس کا آفس کافی صاف ستھرا تھا۔"

"اب یہ مائیکل نہیں چھوڑے گا؟" جیسن نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

"میں اس اغوا کے کیس کی بات کر رہا ہوں، مائیکل جس کیس کے پیچھے پڑ جائے اُسے حل کر کے ہی چھوڑتا ہے۔"

جیسن اور کرسٹی دونوں زیرِ لب مسکرا دیئے

"کیا مطلب؟" تھامسن نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا

"مسٹر تھامسن اسمتھ، ارشد چوہدری کو اغوا ہوئے پورے پانچ دن ہو گئے ہیں اور امرجیت اور طاہر کا قتل اس کے اغوا کی بہت اہم کڑیاں ہیں۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے کہ اوپر سے ہی آرڈر آ گئے ہیں۔"

"یعنی تم پہیلیاں بھجواؤ گے۔" کرسٹی نے ہنستے ہوئے کہا

"تم نہیں سمجھیں، ارے بھئی ضرور کمشنر کا آرڈر رہا ہوگا کہ اس کیس کو بس کمیسٹو میرا مطلب ہے کہ اگر فرض کرو جیسن، جارج کو قتل نہ کرتا تو ضرور اوپر سے آرڈر آ جاتے کہ جارج کیس کی نوعیت کوئی اور بنا دو۔" تھامسن نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"آئی سی... تو چکر لمبا اور گہرا ہے۔" جیسن نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"جیسن تو تمہاری ٹریٹی اور سفر وغیرہ کے متعلق پوچھنے کی وجہ یہی تھی کہ امرجیت بھی گولی لگنے سے مرا ہے۔"

"ہاں۔ تھامسن، ایک بات تو بتاؤ، مائیکل کا پارٹنر کون ہے؟"

"مائیکل کا کوئی پارٹنر نہیں ہے۔"

"تو کیا تم انسپکٹر ہیڈل کو جانتے ہو؟"

"انسپکٹر... ہیڈل... نہیں مجھے تو یہ نام ہی اجنبی لگ رہا ہے۔" تھامسن نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو سنو، طاہر مجھے انسپکٹر ہیڈل ہی کے متعلق بتانے آیا تھا۔"

"اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ انسپکٹر ہیڈل بہت اہم کڑی ہے۔"

"اہم ہی نہیں یہ تو ارشد کیس کا آخری باب ہے اگر اسے پکڑ لیں تو تمام کیس حل ہو جائے گا۔" جیسن نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔" تھامسن نے خشکی لیتے ہوئے کہا۔ جیسن بھی کافی ختم کر کے اٹھ گیا اور نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ "بہت مشکل ہے... خیر آؤ مسز ارشد کی طرف چلیں۔"

"بڑے بے صبرے ہو رہے ہو۔"

"نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔" جیسن نے آفس کا دروازہ کھول کر باہر قدم رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"تھامسن! تمہاری کال ہے۔" کرسٹی آفس سے باہر جاتے ہوئے تھامسن کو دیکھتے ہوئے چیخی۔

"تو اس واقعے کی اطلاع آئی ہوگی۔" جیسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تھامسن بھی ہولے سے مسکرا کر پلٹ پڑا اور ریسیور کرسٹی سے لے کر کان سے لگایا پھر دوسری طرف سے ہونے والی گفتگو سنتا رہا۔ آخر میں بولا۔

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔ ہاں کتنی کاروں سے فائرنگ ہوئی تھی؟... گڈ۔" تھامسن نے آہستگی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر جیسن کی طرف رخ کر کے بولا۔ "تم سمیت وہاں اور کتنی گاڑیوں سے فائرنگ ہوئی تھی؟"

"وہ ایک تو وہی سلور رنگ کی بیوک تھی جو میرا تعاقب کرتی رہتی ہے اور ایک شیورلیٹ تھی۔"

"خوب شیورلیٹ تو الٹ گئی۔ اس لیے بیوک میں وہ سب فرار ہو گئے ہیں۔"

"ہوں تو پھر بات ختم، اب تم کو ضرور وہاں جانا ہے آؤ اب مسز ارشد کی طرف چلتے ہیں۔" جیسن نے مسکراتے ہوئے کہا

"نہیں اب تو کچھ دیر ہو جائے گی کیونکہ جائے حادثہ پر پہنچنا ضروری ہو گیا ہے۔" تھامسن نے متفکرانہ لہجے میں کہا

"کیوں خیریت؟"

"ہاں بس خیریت ہی ہے۔ ایڈبرگ نے شیورلیٹ سے کوئی بہت ضروری چیز تلاش کی ہے اور مجھے بلا رہا ہے۔"

"ایسی کون سی بات ہے؟" کرسٹی نے حیرت سے دریافت کیا۔ تھامسن نے خاموشی سے دونوں کو دیکھا جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ بتائے یا نہ بتائے کچھ دیر بعد وہ طویل سانس لے کر بولا۔

"ایڈبرگ نے شیورلیٹ کی فرنٹ سیٹ سے ایک پین تلاش کیا ہے جس پر ایک نام کندہ ہے لیکن وہ نام پڑھا نہیں جا رہا کیونکہ وہ نام... روسی زبان میں کندہ ہے۔"

"اوہ... ویری گڈ۔ گڈ پوائنٹ۔" جیسن نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

www.taemeernews.com

"لیکن یہ کیس اب ایف۔ بی۔ آئی کو مل جائے گا۔" تھامسن نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یہی بہتر ہے۔ خیر تمہارے پاس طاہر کا کیس تو ہے ہی۔" جیسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"طاہر کا کیس تو خود بخود ہی ایف۔ بی۔ آئی کو مل جائے گا بہت بُرا ہوا خیر چلو پہلے جائے حادثہ پر چلتے ہیں پھر وہاں سے تمہاری مسز ارشد کی طرف چلیں گے" یہ تھامسن نے جیسن کے کندھے پر چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

"تھامسن۔ اس کا مطلب ہے کہ ارشد پرویز کے غائب ہونے میں کے۔ جی۔ بی کا ہاتھ ہے۔" جیسن نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے تھامسن سے پُر خیال لہجے میں کہا۔

تھامسن نے جیسن کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر ہونٹ سے بولا: "دوست قبل از وقت اندازے نہ لگاؤ۔"

"یہ اندازہ قبل از وقت نہیں ہے اس کیس میں دو آدمی قتل ہو چکے ہیں اور میری مجرموں سے ایک جھڑپ بھی ہو چکی ہے یہاں۔"

"خوب اس کا مطلب ہے تم نے آدھا کیس حل کر لیا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تینوں، نہیں دونوں پیشہ ور قاتل کسی غیر ملکی تنظیم سے مل کر قتل نہیں کرتے کیوں کہ اس طرح وہ ایک طرح سے غدار کہلائیں گے اس طرح ان کا واسطہ ایف۔ بی۔ آئی سے پڑ جائے گا۔ جس کی وجہ سے ان کی آزادی سلب ہو جائے گی کیونکہ تم بھی جانتے ہو ایف۔ بی۔ آئی کسی کو بھی نہیں چھوڑتی خواہ وہ اپنا ہو یا غیر۔" تھامسن نے طنزیہ لہجے میں جیسن سے کہا۔

"پھر وہ پین؟" جیسن نے کمزور لہجے میں دریافت کیا۔

"شاید... چال ہے۔"

"چال.... کیسی چال؟"

"میرا خیال ہے وہ چاہیں... میرا مطلب ہے تمہیں خود ہی آفر کر رہے ہیں کہ تم کے۔ جی۔ بی کے متعلق سوچو تاکہ وہ لوگ اپنا کام آرام سے کر سکیں۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ...."

"دیکھو جیسن تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ اگر وہ کے جی بی سے تعلق رکھتے ہیں تو وہ اتنے بے وقوف بھی نہیں ہیں کہ روسی زبان میں لکھا ہوا اپنے نام والا پین بھی ساتھ ہی امریکہ لے آئیں۔" تھامسن نے جیسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی گاڑی روک دی جیسن نے سامنے نظر دوڑائی تو اسے جائے حادثہ پر الٹی ہوئی شیورلیٹ نظر آئی جسے کرین اٹھانے کے لیے پہنچ گئی تھی۔ اس جگہ ٹریفک بحال ہو چکی تھی۔ تھامسن کے اترتے ہی جیسن نے بھی پھرتی کا مظاہرہ کیا اور تیزی سے اس طرف بڑھا۔ جس طرف ایڈ برگ کھڑا اپنی ڈائری پر کچھ نوٹ کر رہا تھا۔

"کہاں ہے وہ پین؟" تھامسن نے ایڈ برگ کے پاس پہنچ کر پوچھا۔

"سر یہ رہا۔" ایڈ برگ نے چونک کر تھامسن کو دیکھا اور جیکٹ کی جیب سے ایک سیاہ رنگ کا پین نکال کر اسے تھما دیا۔ چند لمحوں تک تھامسن اسے غور سے الٹ پلٹ کر کے دیکھتا رہا پھر اس کا کیپ اُتار لیا نام کیپ پر ہی لکھا ہوا تھا پین کی نب دیکھ کر تھامسن چونک پڑا پھر مسکرا کر جیسن اور ایڈ برگ کی طرف دیکھتا ہوا بولا: "کیا نتیجہ اخذ کیا تم دونوں نے؟"

"شاید تم کچھ جان چکے ہو۔" جیسن نے اس کی بات پر توجہ دیے بغیر دریافت کیا۔

تھامسن ہنس پڑا پھر بولا: "آخر تم کس قسم کے سراغرساں ہو کہ تمہیں پین کی ساخت کا بھی معلوم نہیں ہوا۔"

"مسٹر تھامسن میں صرف سراغرسانی چند محدود نوعیت کے کیسوں کی کرتا ہوں اور آج تک میرے پاس کوئی ایسا کیس نہیں آیا جو کسی دوسری بین الاقوامی تنظیم سے تعلق رکھتا ہو۔" جیسن نے جلے بھنے لہجے میں منہ بنا کر جواب دیا۔

ایڈ برگ اور تھامسن مسکرا دیے۔ "بھلا بھی تعلق بین الاقوامی تنظیموں سے کہی پڑتا ہے۔ خیر معلومات مزید ہونی چاہئیں۔ یہ پین امریکی ہے لیکن اس پر روسی زبان میں لکھا ہوا ہے۔"

"اوہ!... اب کیا خیال ہے؟" جیسن نے طویل سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ چال والی بات سچ ثابت ہوئی۔"

"خیر اب وہ لوگ اتنے بے وقوف بھی نہیں کہ ایک امریکی پین جس پر روسی زبان لکھی ہوئی ہے یہاں پھینک جائیں کیا وہ نہیں جانتے کہ امریکی پولیس میں تھامسن جیسے شہرۂ ہوشیار بھی موجود ہیں۔" جیسن نے بالکل تھامسن ہی کے انداز میں کہا۔

"پھر جناب کا کیا خیال ہے؟" تھامسن نے پین ایڈبرگ

www.taemeernews.com

کو واپس کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"بہت نیک خیال ہے کہ طاہر کے قتل کی خبر پہنچا دیں۔"

"اوہ گاڈ بہت لالچی ہو رہے ہو۔"

"نہیں دوست۔ مجھے مسز ارشد پر شک ہو رہا ہے لیکن یہ کارروائی دیکھ کر خاص طور پر ہیروئن والی مجھے انسپکٹر ہینڈل کی زیادہ ضرورت پڑ گئی ہے اور میں وہاں جا کر تھوڑا بہت حلیہ بھی معلوم کر سکوں گا پھر ہنری کو بتاؤں گا تاکہ وہ مجھے معلومات پہنچا سکے۔"

"او کے۔ او کے چلتے ہیں۔ ایڈ برگ رپورٹ میں ہیروئن کا ذکر خاص طور پر کر دینا اور میری ٹیبل پر رکھ دینا میں آ کر چیک کروں گا۔"

"آل رائٹ سر۔" ایڈ برگ نے ایڑیاں بجائیں۔ اور کرین کی طرف مڑ گیا جو کہ شیورلیٹ کو اٹھا کر جانے والی تھی۔ جیمسن اور تھامسن اپنی گاڑی کی طرف بڑھے۔

پورے بیس منٹ بعد تھامسن کی فورڈ "قدخوبان" کے طویل و عریض ڈرائیو وے سے ہوتی ہوئی پورچ میں آ رکی۔ تھامسن حیرت سے بار بار منہ کھول رہا تھا۔

"یار اس کی چار دیواری نے تو اسے باہر سے بالکل چھپا رکھا ہے حالانکہ میرا اکثر اوقات ادھر سے گزر ہوتا ہے لیکن میں نے کبھی اس عمارت کی طرف توجہ نہیں دی۔ کیا نام بتایا تھا؟" تھامسن نے گاڑی سے اترتے ہوئے دریافت کیا۔

"قدخوبان" جیمسن نے مختصر جواب دیا اور سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں آ گیا۔ جہاں ارشد چوہدری کا بڑا بیٹا عرفان ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

"ہیلو عرفان" جیمسن نے مسکرا کر کہا۔

"ہیلو... آئیے" جواباً اس نے مسکرا کر کہا۔ دونوں اس کے پیچھے چل پڑے عرفان دونوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود بھی وہیں بیٹھ گیا پھر بولا "طاہر تو آپ ہی کی دی گیا تھا؟"

"ہاں... مسز ارشد کو اطلاع کر دیں۔"

"وہ کر دی ہے۔ وہ آ رہی ہیں۔ آپ نے ان سے تعارف نہیں کرایا" عرفان نے تھامسن کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ... یہ میرے دوست ہیں تھامسن۔"

"خوب یہ انسپکٹر ہیں" عرفان نے مسکرا کر کہا... دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اتنے میں مسز ارشد بھی

میں داخل ہوئیں۔ تھامسن کو ایک بار پھر حیرت کا جھٹکا لگا۔

"معاف کیجئے گا مجھے کچھ دیر ہو گئی... جی فرمائیں غالباً طاہر کو میں نے بھیج دیا تھا" مسز ارشد نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا پانچ دن کے اندر ہی وہ اپنی عمر سے دس سال بڑی لگ رہی تھی۔

"طاہر ہی کے سلسلے میں بات کرنی ہے..." جیمسن نے عرفان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر جیمسن پلیز آپ کھل کر بات کیجئے" مسز ارشد کی بجائے عرفان بول پڑا۔ جیمسن نے مسز ارشد کی طرف دیکھا انہوں نے پریشانی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ پولیس انسپکٹر تھامسن اسمتھ ہیں؟"

"خیریت تو ہے۔ طاہر تو... خیریت سے ہے؟" مسز ارشد چوہدری نے پریشان ہو کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جیمسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"مسز ارشد... ویری سوری... طاہر قتل کر دیا گیا ہے" تھامسن کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کسی بم سے کم نہیں تھے۔ مسز ارشد چوہدری کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان کے ہونٹ ایسی سی آواز کے ساتھ ہلنے لگے۔ جیمسن اور تھامسن کو صرف "میرا بچہ" ہی سمجھ میں آیا۔ عرفان فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر مسز ارشد چوہدری کے پاس پہنچ گیا "صبر کریں مم... صبر کریں۔"

"بیٹے مجھے میرے بیڈ روم تک لے چلو پلیز۔"

"او... کے مم... آپ بیٹھیے میں مم کو چھوڑ کر ابھی آتا ہوں" عرفان نے آہستگی سے کہا اور انہیں سہارا دے کر ڈرائنگ روم سے لے گیا۔

"کیا خیال ہے؟" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد تھامسن نے دریافت کیا۔

"مجھے تو واقعی دکھی لگتی ہے۔"

"صرف ایک ملازم کے لیے؟" تھامسن نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

"ہاں یہ مسلمان اپنے نوکروں کو بھی بچوں کی طرح رکھتے ہیں۔"

"حیرت ہے" تھامسن نے کہا۔

"اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز باتوں کا انکشاف ہوگا۔"

"وہ کیسے؟"

"ابھی دیکھتے جاؤ" جیمسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

www.taemeernews.com

کچھ دیر تک دونوں خاموش بیٹھے رہے پھر عرفان آگیا۔ آتے ہی بولا "ویری سوری۔۔ دراصل مم، ڈیڈی کی وجہ سے پہلے ہی اتنی اپ سیٹ ہیں کہ اب طاہر کا مسئلہ آگیا۔ طاہر بیچارا، جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے طاہر کو دیکھتے آرہے ہیں" عرفان نے آنکھوں کو بیدردی سے رگڑتے ہوئے کہا۔

"عرفان کیا تم نے انسپکٹر بیڈل کو دیکھا ہے؟"

"نہیں۔۔ دراصل وہ لوگ آتے ہی اس وقت تھے جب ہم لوگ اسکول گئے ہوتے تھے"

"اسکول؟" تھامسن نے حیرت سے دریافت کیا۔

"پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ وقت گزارنے کے لیے تاکہ ہم لوگ ڈیڈی کی کمی کو زیادہ مس نہ کریں" عرفان نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"تو گھر میں کون ہوتا ہے؟"

"مم دادی اماں اور تین نوکر جن میں سے ایک طاہر ہے۔۔ نہیں تھا" عرفان نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مم نے تو کہا تھا کہ انہوں نے انسپکٹر بیڈل کو نہیں دیکھا بلکہ یہ سب کچھ طاہر۔۔"

"ایک منٹ، ایک منٹ۔ اگر دادی اماں سے پوچھا جائے تو زیادہ بہتر ہے" عرفان نے جیسن کی بات کاٹتے ہوئے کچھ سوچ کر کہا۔

"میں مطلب نہیں سمجھا؟"

"غالباً مم نے کل آپ کو بتایا بھی تھا کہ دادی اماں بہت شکی مزاج ہیں وہ ہر آنے جانے والے پر نظر رکھتی ہیں اس لیے یقیناً انہوں نے انسپکٹر بیڈل کو بھی دیکھا ہوگا"

"ونڈرفل۔۔ زبردست تو پھر ہمیں فوراً ان سے ملوا دو"

"ابھی آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا وہ نماز پڑھ رہی ہیں"

"مسٹر عرفان وہ طاہر کی لاش کا کیا کیا جائے؟" تھامسن نے دریافت کیا۔

"ہم لوگ کل صبح آپ کو بتادیں گے۔ میرا خیال ہے کہ مم اُسے پاکستان ہی بھیجیں گی"

"تم جاکر دیکھو تو کہ انہوں نے نماز پڑھ لی؟" جیسن نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"او۔کے" عرفان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ جب تک وہ واپس آیا دونوں خاموش بیٹھے سوچتے رہے۔۔۔

بعد عرفان اپنی دادی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا دونوں احتراماً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دادی نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کو کہا۔ پھر بولیں "ہوں۔۔۔

"دراصل ہم ایک شخص کا حلیہ معلوم کرنا چاہتے تھے جو مسٹر رشد کے بیڈ روم کی تلاشی لینے آیا تھا" جیسن نے سنجیدگی سے کہا۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کے متعلق طاہر آپ کو بتلانے گیا تھا"

"آپ کو نہیں معلوم؟" جیسن نے چونک کر عرفان کی طرف دیکھا۔

"یہ اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں اور مم سیدھی اپنے بیڈ روم میں گئی تھیں" عرفان نے ہو ے سے کہا۔

"کیا ہوا خیر تو ہے؟"

دادی اماں طاہر اب ہم میں نہیں ہے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون" دادی اماں کے منہ سے آہستگی سے نکلا اور پھر وہ خاموش ہوگئیں؟ پھر وہ بولیں "بیچارا معصوم طاہر آہ۔۔۔ اپنا بیٹا سمجھتی تھی، راشد بھی جانے کہاں چلا گیا ہائے میری بچی پانچ دنوں میں ہی سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے اور ان بچوں کو دیکھو بالکل ہی زرد ہوگئے ہیں جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔۔۔ ہاں آپ کیا پوچھ رہے تھے انسپکٹر بیڈل کے متعلق؟"

"انسپکٹر بیڈل ہی کے متعلق" جیسن جلدی سے بولا۔

"ہوں۔۔۔ وہ شخص کافی شاطر نظر آتا تھا قد لمبا تھا۔ بال سنہرے مونچھیں بھی تھیں، آنکھیں نیلی، کان کچھ لمبے تھے۔ دور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا جسم کافی مضبوط تھا۔ ہاں ایک بڑی اہم بات کہ اس کا دھڑ چھوٹا تھا جب کہ ٹانگیں لمبی تھیں۔ بس میں نے اتنا ہی دیکھا تھا۔

"اوہ! تھینک یو یہ بھی بہت ہے"

"بہت سے بھی زیادہ ہے" تھامسن نے مسکرا کر کہا۔ پھر دونوں ایک ساتھ ہی اُٹھ کھڑے ہوئے

"تھینک یو" جیسن نے مسکرا کر ایک بار پھر کہا

"اچھا عرفان اگر اب انسپکٹر بیڈل آئے تو خاموشی سے مجھے فون کر دینا۔ ویسے تمہاری دادی جان کے تیز مزاج ہونے کا بہت شکریہ" جیسن نے اپنا [illegible] کارڈ عرفان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

www.taemeernews.com

"اسی لیے تو ہمارے ہاں بزرگوں کو گھر کا چوکیدار کہا جاتا ہے" عرفان نے تھامسن سے ہاتھ ملاتے ہوئے دلیل پیش کی۔

"خوب۔۔ اچھی سوچ ہے" تھامسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر دونوں برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر کار میں جا بیٹھے۔ چند لمحوں بعد وہ دونوں پولیس اسٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔ جیسے ہی دونوں پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئے ایڈ برگ تیزی سے ان کی جانب لپکا اور سرگوشی میں بولا "سر۔۔۔ ایف۔ بی۔ آئی"

"ایں۔۔۔ انہیں کیسے اطلاع ہوئی؟" تھامسن نے چونک کر دریافت کیا۔ جیسن بھی چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"آئی ڈونٹ نو سر لیکن وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ طاہر کیس اور کار ایکسیڈنٹ کی رپورٹ لے جا سکیں" ایڈ برگ نے کہا۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے رپورٹ انہیں لے جانی ہی تھی لیکن۔۔۔ لیکن انہیں اس کی خبر کیسے ہوئی" تھامسن نے آخری لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا پھر سر جھٹک کر اپنے آفس کی طرف چل پڑا۔ جیسن اور ایڈ برگ ساتھ ہی تھے۔

"مسٹر تھامسن اسمتھ؟" آفس میں داخل ہوتے ہی ایک ادھیڑ عمر شخص نے سوالیہ انداز میں تینوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یس مسٹر۔۔" تھامسن نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اوہ سائمن نورتھ اسٹیفن" ادھیڑ عمر اجنبی نے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا نام بتایا۔

"ہوں۔۔۔ کیسے آئے؟" تھامسن نے اجنبی رویہ اختیار کرتے ہوئے دریافت کیا۔ سائمن نورتھ اسٹیفن زیر لب مسکرا دیا پھر بولا "میرا تعلق ایف بی آئی سے ہے اور میں طاہر کے قتل کیس کی فائل اور اس کے ساتھ کار ایکسیڈنٹ کی رپورٹ لینے آیا ہوں"

"گڈ۔۔ آپ کچھ دیر انتظار کیجئے میں رپورٹوں پر اپنے دستخط کر دوں۔ ایڈ، رپورٹیں کہاں ہیں؟"

"سر یہ رہیں" ایڈ برگ نے بغل میں دبائی ہوئی رپورٹیں نکال کر تھامسن کو پکڑا دیں۔ تھامسن نے خاموشی سے رپورٹوں پر اپنے دستخط کر دیئے۔ اس نے پڑھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔

"یہ لیجیے" تھامسن نے رپورٹیں سائمن کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ مسٹر تھامسن، اور غالباً آپ جیسن بورن ہیں" سائمن نے شکریہ ادا کرتے ہوئے جیسن سے دریافت کیا جو کہ یہ تمام کارروائی خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

"آف کورس" جیسن نے مسکرا کر کہا۔

"خوب، بہت اچھے طریقے سے مجرم کا سراغ لگایا ہے آپ نے"

"شکریہ کیا آپ یہ بتا سکیں گے کہ آپ کو کس نے اطلاع دی کہ یہ کیس ایف۔ بی۔ آئی کا ہے؟" جیسن نے شکریہ ادا کرتے ہوئے سوال کیا۔ سائمن چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر اچانک مسکرا کر بولا "خفیہ ذرائع سے۔۔۔ گڈ بائی" اور تینوں کو حیران چھوڑ کر آفس سے نکل گیا۔

"ایڈ برگ دو کافی اور ایک برگر بھیج دینا" تھامسن نے آفس سے باہر جاتے ہوئے ایڈ برگ سے بلند آواز میں کہا۔ وہ سر ہلاتا ہوا آفس سے نکل گیا پھر تھامسن نے جیسن کی طرف دیکھا جو خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

"تمہیں رپورٹوں کے جانے کا ملال ہے؟"

"نہیں۔ دراصل مجھے جین اور ایف۔ بی۔ آئی کے بغیر اطلاع دیے یہاں پہنچ جانے والی باتیں ہضم نہیں ہو رہی" جیسن نے پریشان کن لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو لیکن یار ایف۔ بی۔ آئی والوں کے بھی ہزار ذرائع ہوتے ہیں تم کیوں دبلے ہو رہے ہو۔ آرام سے ارشد چوہدری کو تلاش کرو" تھامسن نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ ایڈ برگ خود ہی کافی کے دو مگ اور ایک برگر اٹھائے ہوئے آفس میں داخل ہوا۔ تھامسن کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح برگر پر پل پڑا۔ جب کہ جیسن خاموشی سے کافی کی چسکیاں لیتا جا رہا تھا اور مسلسل جین اور رپورٹوں کی فوری ایف۔ بی۔ آئی منتقلی کے متعلق سوچے جا رہا تھا۔

"کہاں چلے؟" تھامسن نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ارشد چوہدری کو تلاش کرنے" جیسن نے دروازے کی طرف رخ کیے ہوئے جواب دیا۔

www.taemeernews.com

"ہوں، تم نے کوئی لائن منتخب کر لی ہے۔"
تھامسن نے اَب کافی کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے کہا۔
"ہاں… گڈ بائی۔"
"ارے سنو… ارے۔" تھامسن اونچی آواز میں چلّایا لیکن جیسن تیزی سے نکلتا چلا گیا تھامسن نے منہ بنا کر کندھے اچکائے۔

پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہی جیسن نے ٹیکسی رکوائی اور آفس کا ایڈریس دے کر نشست کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ساتھ ہی آنکھیں بھی بند کر لیں وہ پچھلے تمام واقعات کو یکجا کرنے لگا جو اُس کے ساتھ پیش آئے تھے لیکن اُسے سوائے سر درد کے اور کچھ نہ ملا۔ وہ ارشد چوہدری کے اَب تک نہ ملنے پر بھی حیرت زدہ تھا کہ اتنا لمبا عرصہ کون شخص غائب رہ سکتا ہے؟" وہی جو خود غائب ہوا ہو" جیسن کے ذہن میں یہ بات اچانک آئی۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ارشد چوہدری خود ہی غائب ہوا ہے۔ لیکن پھر انسپکٹر ہیڈل کو کس خانے میں فٹ کریں گے؟ اس کے علاوہ امرجیت سنگھ اور طاہر کا قتل کس خانے میں آ سکے گا؟

جیسن سر جھٹک کر ٹیکسی سے باہر دیکھنے لگا۔ تین منٹ بعد ٹیکسی اس کے آفس پہنچ گئی اس نے کرایہ ادا کیا اور تیزی سے اپنے آفس کی طرف بڑھا پھر پلٹا اور اپنی گاڑی کی طرف آیا اور اُس کے چاروں طرف گھوم پھر کر اس کی حالت دیکھنے لگا گولیاں لگنے سے اس کی ہیڈ لائٹس ٹوٹ گئی تھیں جب کہ ایک گولی کا سوراخ بونٹ پر تھا اور دو گولیوں کے سوراخ ڈرائیونگ سائیڈ کے اگلے مڈگارڈ پر تھے جیسن نے کار پر ہلکی ٹھوکر مار کر اپنے آفس کی طرف دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے جیب سے گاڑی کی چابیاں نکال لیں۔

چند لمحوں بعد وہ اپنی سیاہ جیگوار میں بیٹھا تیزی سے سفر کر رہا تھا۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے کار میں لگے فون کا ریسیور اٹھایا اور آفس کے نمبر ملائے۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف سے کرسٹی کی خوبصورت آواز سنائی دی۔

"کرسٹی، میں انسپکٹر مائیکل فوکس کی طرف جا رہا ہوں کوئی کام یا پیغام وغیرہ ہو تو بتاؤ۔"
"نو سر کوئی پیغام نہیں ہے۔"
"او۔کے تم پانچ بجے آفس بند کر کے چلی جانا بائی۔"
"آل رائٹ سر۔"

٭٭٭ "خوب، خوب مسٹر جیسن بورن بہت جلد ملاقات ہو گئی، آپ کی تو اخبارات میں بہت تعریفیں لکھی ہوئی ہیں۔" انسپکٹر مائیکل فوکس نے جیسن کو آفس میں داخل ہوتے دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔
"بس، محنت کا ثمر ہے۔" جیسن نے انسپکٹر کی بات میں طنز یا حسد تلاش کرتے ہوئے کہا لیکن اُسے صرف خلوص نظر آیا۔
"بیٹھو کیسے آئے؟"
"تھینک یو۔ وہ میں مسٹر ارشد چوہدری کی…"
"میں جانتا ہوں اور یہ بھی بتا دوں گا کہ ابھی تک ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے۔" مائیکل نے جیسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"میں جانتا ہوں، لیکن اس وقت میں انسپکٹر ہیڈل کے متعلق معلوم کرنے آیا ہوں۔" جیسن نے مائیکل فوکس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا تاکہ اس کا ردعمل دیکھ سکے لیکن اُسے مایوسی ہوئی۔
"انسپکٹر ہیڈل… میں نے یہ نام پہلی بار سنا ہے۔" مائیکل نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"حالانکہ یہ آپ کے ساتھ ارشد چوہدری کے گھر تلاشی کے لیے جاتا رہا ہے۔" جیسن نے مسکرا کر کہا۔
"آپ کو کس نے بتایا؟"
"طاہر نے۔"
"تو پھر اسی سے پوچھ لیجیے۔"
"اسی سے پوچھتا اگر وہ اس دنیا میں ہوتا۔"
"کیا مطلب؟" مائیکل اچھل پڑا۔
"وہ آج سے دو گھنٹے پہلے قتل کر دیا گیا ہے۔"
"اوہ! گاڈ اتنی جلدی اُن… سوری مسٹر جیسن میں کسی ہیڈل کو نہیں جانتا۔"
"او۔کے… اگر تم نہیں بتاؤ گے تو میں کہیں اور سے معلوم کر لوں گا۔" جیسن نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بار میں داخل ہو کر جیسن نے ایک طائرانہ نظر چاروں طرف ڈالی پھر وہ اس مخصوص میز کی طرف چل پڑا جو کہ بار کے ایک تاریک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ اور ہلکے سے اندھیرے میں کوئی شخص میز پر جھکا ہوا بیٹھا تھا۔ شام ہونے کی وجہ سے

www.taemeernews.com

بار میں ہجوم بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔ جیسن نے آہستگی سے کرسی کھسکائی۔ پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔ میز پر سر جھکائے ہوئے شخص نے کوئی حرکت نہیں کی۔

"ہیلو ہنری!" جیسن نے مسکرا کر کہا۔

ہنری نے آہستگی سے سر اٹھایا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اُسے غور سے دیکھنے لگا پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کے ساتھ ہونٹ اور چہرہ بھی مسکرانے لگا پھر وہ ہنستے ہوئے بولا "آہ۔ جیسن بورن پرائیوٹ سراغ رساں"

"آف کورس۔۔"

"کیا پیو گے؟" جیسن نے پوچھا۔

"پہلے کافی پھر شیمپین، بڑا جام"

"پہلے کافی کیوں؟" جیسن نے ویٹرس کو اپنی جانب ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔

"تاکہ اچھی طرح دماغ کو کھول لوں کیونکہ جیسن بلاوجہ نہیں آیا" ہنری نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا پھر اپنی طرف آتی ہوئی ویٹرس کو آنکھ مار کر آرڈر دیا۔ ویٹرس بُرا سا منہ بناتی ہوئی واپس چلی گئی۔

"خوب۔۔ تو تم جان گئے کہ میں کسی کام سے آیا ہوں"

"کسی کام سے کیا تم تو صرف کسی شخص کے متعلق تحقیقات کرانے آئے ہو کیونکہ صرف میرے پاس اس شہر کے اہم افراد کی تمام خصوصیات موجود ہیں" ہنری نے جیسن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ جیسن نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش بیٹھے رہے پھر ہنری نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"ہاں کام بتاؤ"

"مجھے ایک انسپکٹر کی تلاش ہے جو کہ پتا نہیں کہ واقعی پولیس میں ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ شخص جس کا نام بیڈل ہے کوئی سرکاری آدمی ہے اور مجھے وہ آدمی چاہیے" جیسن نے کافی سے اڑتی بھاپ کو دیکھتے ہوئے بتایا

"تم نے تحقیق کی؟"

"ہاں جس جگہ کا کیس ہے وہاں کے پولیس اسٹیشن جا کر بات حاصل کی تھیں لیکن وہاں بیڈل نامی کوئی انسپکٹر نہیں۔"

"حلیہ؟"

"۔۔" جیسن نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر ہنری کے سامنے رکھ دیا۔ ہنری نے کافی کا آخری گھونٹ لے کر مگ ایک طرف کھسکا دیا اور شیمپین کا جام اپنے سامنے رکھ لیا۔ پھر کاغذ کی تہ کھول کر کاغذ پر بنے ہوئے پنسل اسکیچ پر ایک نظر ڈالی۔

"یہ کہاں سے بنوایا؟"

"انسپکٹر تھامسن اسمتھ سے"

"اچھا، اچھا، بہترین ہے۔ مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے کہ یہ چہرہ کافی جانا پہچانا لگتا ہے" ہنری نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا پھر وہ آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا۔

"یہ کام بعد میں کرنا اس کے علاوہ ڈیکن اور فریڈ کے متعلق بھی بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اور آیا انہوں نے کوئی معاہدہ تو نہیں کیا اور ہاں اگر معاہدہ کیا ہے تو وہ کس تنظیم کے ساتھ ہے یا پھر کسی ایک فرد کے ساتھ۔"

"آخری کام مشکل ہے پھر کوشش تو کرنی ہی ہے۔ ہاں بتاؤ کیا دو گے؟" ہنری نے آنکھ میچ کر کہا۔

"کیا لو گے؟" جیسن نے اپنا جام بھی اُسی کی طرف سرکاتے ہوئے دریافت کیا۔

"پانچ سو۔"

"چار سو۔"

"ساڑھے چار سو ڈالر۔"

"ڈن۔ یہ لو پورے ساڑھے چار سو ہیں اب تو خوش ہو نا۔" جیسن نے پرس سے پیسے نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل۔۔۔ اب تم بتاؤ تمہیں یہ معلومات کب چاہئیں؟"

"تم کب تک دے سکتے ہو؟"

"ڈیکن اور فریڈ کی تو آدھے گھنٹے میں ہی اطلاع کر دوں گا لیکن انسپکٹر بیڈل کے متعلق شاید کچھ دیر لگ جائے" ہنری نے جیسن کا جام بھی ختم کرتے ہوئے کہا۔

"آل رائٹ۔۔ میں انتظار کر لوں گا" جیسن نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا پھر اس نے ہنری سے ہاتھ ملایا اور محتاط قدم اٹھاتا ہوا بار سے باہر نکل آیا۔ اندھیرا چھا گیا تھا۔ سارا شہر بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف گاڑی کا رُخ کر دیا۔ اب اُسے گاڑی چلانے میں وقت پیش آ رہی تھی کیونکہ گاڑی کی ہیڈ لائٹس خراب تھیں پھر اپارٹمنٹ گاڑی میں لگے فون کا بزر بجنے لگا۔ جیسن نے ایک ہاتھ سے ریسیور اٹھا لیا "یس۔"

"جیسن۔۔ ہنری بول رہا ہوں۔ ڈیکن شکاگو جیل میں ہے اس پر ایک قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔ جبکہ فریڈ اس وقت کینیڈا میں ہے وہاں کوئی مال دار تنہا بڑھیا ہے۔ بس اُسی سے عشق کرنے کی کوشش

www.taemeernews.com

کر رہا ہے اور اُس کے پاس اس وقت کوئی کیس نہیں ہے۔ کافی لوگ پریشان ہیں کیونکہ اُنہیں ڈکِن اور فریڈ جیسا کوئی آدمی نہیں مل رہا۔"

"او۔ کے۔ ہیڈل کے متعلق بھی جلد سے جلد بتانے کی کوشش کرو۔"

"اچھا گڈ ایوننگ۔"

"ایوننگ۔" جیسن نے ریسیور میں آہستگی سے کہا پھر ریسیور رکھ کر بڑبڑایا: "کمینے پہلے ہی سب کچھ معلوم تھا... اچھا پیارے ہنری کبھی تو مٹھی میں آؤ گے کیوں؟"

اچانک پیچھے سے ایک پیٹرول کار اُسی سڑک پر مُڑی جس پر جیسن جا رہا تھا۔ جیسن نے پیٹرول کار دیکھتے ہی گاڑی سڑک کے کنارے لگائی اور انجن بند کر کے سیٹ پر جھک گیا۔ پیٹرول کار آہستگی سے چلتی ہوئی آئی اور یہ سمجھ کر کہ یہ بھی اس رہائشی علاقے میں رہنے والوں میں سے کسی کی پارک کی ہوئی کار ہے۔ آگے بڑھ گئی۔ جیسن نے طویل سانس پھیپھڑوں سے خارج کی پھر اُس وقت تک انتظار کرتا رہا۔ جب تک پیٹرول کار نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ پھر اُس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چل پڑا۔

✸

فون کی گھنٹی شاید مسلسل بجتی ہی رہتی اگر جیسن کے پاس گانوں کا ذخیرہ ختم نہ ہو گیا ہوتا۔ وہ آدھے گھنٹے سے نہا رہا تھا اور ساتھ ہی گنگنانے بھی گا ئے جا رہا تھا۔ جب اس کے پاس گانے کو کچھ نہ رہا تو خاموش ہو گیا۔ اسی وقت اُسے فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اُس نے بڑبڑاتے ہوئے تولیہ کمر سے باندھا اور تیزی سے بیڈ روم کی طرف لپکا: "ہیلو!"

"کہاں تھے تم؟ پورے سات منٹ سے فون کر رہا ہوں۔"
اُسے ہنری کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں نہا رہا تھا۔ کیا بات ہے؟ خیریت۔"

"خیریت ہی تو نہیں ہے۔ میں نے ہیڈل کا پتا کر لیا ہے لیکن اس وقت میں سخت خطرے میں ہوں۔ ہیڈل میرا پیچھا کر رہا ہے۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟ میں آ رہا ہوں۔" جیسن نے بیڈ پر پڑی شرٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"فوراً پہنچو یا پھر فون پر ہی بتا دوں، ویسے میں اس وقت بار کے سامنے فون بوتھ..."

جیسن کو اچانک ہی ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی شخص خرارے کر رہا ہو۔ وہ شرٹ پہنتے پہنتے رُک گیا اور ریسیور میں دہاڑا: "ہنری ہنری ہنری! تم بولتے کیوں نہیں ہو ہنری؟"

[illegible]

[illegible]

پھر باہر کی جانب لپکا لیکن پھر رُک کر واپس پلٹا اور میز پر پڑی ہوئی کار کی چابیاں اٹھا کر واپس باہر کی جانب بھاگا۔ جب پارکنگ لاٹ میں پہنچا تو یاد آیا کہ گاڑی کی ہیڈ لائٹس تو کام نہیں کر رہیں اور جانا بھی تقریباً آٹھ کلومیٹر دور تھا۔ جھنجھلا کر واپس بار کی جانب بھاگا جو یہاں ایک چھوٹا سا ریسٹورانٹ تھا اور اُس کا مالک جیسن کو اچھی طرح جانتا تھا۔ جیسن تیزی سے ریسٹوران میں داخل ہوا۔ جارج نے ہاتھ ہلا کر سلام کیا۔ جیسن تیزی سے اُس کی جانب لپکا: "جارج یہ لو میری گاڑی کی چابیاں اور اپنی گاڑی کی چابیاں مجھے دے دو۔"

"کیوں؟" جارج نے حیرت سے جیگوار کی چابیوں کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"او یار مجھے اس وقت شہر کے مشرقی حصے میں جانا ہے اور میری گاڑی کی ہیڈ لائٹس ٹھیک نہیں ہیں۔" جیسن نے جھنجھلا کر کہا۔ جارج کی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اُس کی ریبٹ کی چابیاں نکال لیں۔

"ارے بھئی۔ آج میری ڈیٹ ہے اور ہم لوگ فلم دیکھنے جانے والے تھے۔" جارج نے احتجاج کرتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر کیا ہوا؟ تم میری جیگوار لے جانا۔ کیوں بے بی جیگوار میں جاؤ گی یا ریبٹ میں؟" جیسن نے مسکرا کر لڑکی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"جیگوار میں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"او۔ کے۔" جیسن نے کہا اور بھاگتا ہوا ریسٹوران سے نکل گیا۔ جارج بڑا سا منہ بناتا رہ گیا۔ جیسن نے جارج کی ریبٹ اسٹارٹ کی اور گیئر میں ڈال کر ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ ڈالا۔ کار جھٹکے کے ساتھ کمان سے نکلے تیر کی مانند آگے بڑھی۔ اُس نے رفتار کی پرواہ کیے بغیر گاڑی میں دوڑ چھوڑ دی۔ ہلکی سی نوڈور ریبٹ سڑک پر چھپاتی ہوئی دوسرے کنارے تک جا پہنچی۔ پھر اُس نے بار تک پہنچنے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لیے۔ بار کے باہر موجود ٹیلی فون بوتھ کے ارد گرد بے تحاشا ہجوم تھا۔ ابھی تک پولیس نہیں پہنچی تھی۔ جیسن نے پولیس کے نہ آنے پر اطمینان کی ایک طویل سانس پھیپھڑوں سے خارج کی۔ اُس نے گاڑی پارک کی اور تیزی سے ہجوم میں شامل ہو گیا۔ پھر لوگوں کے درمیان سے جگہ بناتا ہوا فون بوتھ کے پاس جا پہنچا جس کے اندر ہنری اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ اُس کی ٹانگیں [illegible] بوتھ سے باہر تھیں جبکہ [illegible]

[illegible]

[illegible] تعلقات رہا تھا

تو اس کی گردن پر واضح طور پر گولی کا سوراخ نظر آیا۔ اس نے ہنری کی تلاشی سے متعلق سوچا ہی تھا کہ ایک درمیانی عمر کی عورت کی تیز آواز سنائی دی جو دوسری دو عورتوں کو قتل کے متعلق بتا رہی تھی شاید وہ عینی گواہ تھی۔

"میں ہیلو فون کرنے کے لیے یہاں کھڑی تھی کہ اچانک ایک لمبا تڑنگا شخص آیا اس نے برتھ کا دروازہ بہت آہستگی سے کھولا پھر اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا اور اسے شوٹ کیا۔ میں نے اسے اس وقت دیکھا جب گرنے کی آواز آئی اسی وقت میری چیخ نکل گئی، لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس قاتل نے میری چیخ سن کر مجھے دیکھا اور انگلی ہونٹوں پر رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر اس نے اطمینان سے اس کی تلاشی لی اور اس کی جیب سے تمام کاغذات نکال کر یہ جا وہ جا اس نے مجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا ... حیرت والی بات ہے نا۔" اس عورت نے اپنی ساتھی عورتوں سے دریافت کیا۔

"ہاں واقعی بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس نے تمہیں نہیں مارا۔"

جیمین ان کی گفتگو توجہ سے سن رہا تھا۔ اب اس نے ہنری کی تلاشی کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ پولیس کار کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ ہجوم سائرن کی آواز سے کچھ منتشر ہو گیا اسی وقت جیمین نے درمیانی عمر کی عورت سے قاتل کے حلیے کے متعلق پوچھا۔

"وہ ... وہ اس کی مونچھیں تھیں اور کافی لمبا تھا اس کے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں۔" عورت نے بے چارگی سے جواب دیا۔ جیمین پر بڑبڑاتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا پولیس کار ہی جائے واردات پر پہنچ کر رک گئی تھی۔ جیمین نے تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور وہاں سے بھاگنے میں جلدی کی تاکہ ہجوم کے چھٹتے چھٹتے وہ بھی غائب ہو جائے۔ جائے واردات سے کافی دور آ کر اس نے گاڑی کی رفتار میں کمی کی اور درمیانی رفتار سے چلانے لگا اس وقت [illegible] انتہائی مایوسی اور اداسی چھائی ہوئی تھی۔

[illegible] دور سے ہی [illegible] اپارٹمنٹ بلڈنگ کے پاس [illegible] نظر آ رہی تھیں۔

جیمین نے [illegible] بلڈنگ سے کچھ فاصلے پر [illegible] روک لی اور [illegible] بلڈنگ سے [illegible] تعلق [illegible] لیکن جیمین کو [illegible] نظر آ رہے تھے۔ ابھی تک کوئی [illegible] تھا جیمین ہجوم کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا [illegible] آگے پیچھے سے آواز [illegible]

اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا اس سے کچھ فاصلے پر جارج کے ریستوران کا مینجر مسٹر میکور کھڑا تھا۔ اس نے سر کا اشارہ کیا اور ہجوم کو چیرتا ہوا سڑک کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا جیمین بھی اس کے پیچھے فٹ پاتھ پر پہنچ گیا۔

"یہ سب کیا ہے؟ یہ فائر بریگیڈ کیوں آئے ہوئے ہیں؟ مجھے تو کہیں آگ نظر نہیں آ رہی؟" جیمین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مسٹر جیمین آپ کے لیے یہاں خطرہ ہے۔ آپ یہاں سے فرار ہو جائیں تو بہتر ہے۔" میکور نے ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" جیمین نے حیرت سے کہا۔

"ریستوران میں کئی لوگوں نے آپ کو جیگوار کی چابیاں جارج کو دیتے دیکھا ہے۔"

"ہاں تو پھر ... اوہ تم کہیں یہ تو نہیں سمجھ بیٹھے کہ جیگوار پر گولیوں کے نشانات کا مطلب ہے کہ میں نے کوئی سنگین واردات کی ہے اور پکڑے گئے جارج اور اس کی گرل فرینڈ۔" جیمین نے ہنستے ہوئے اپنی طرف سے ساری بات واضح کر دی۔

"نہیں مسٹر جیمین یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ مسٹر جارج اور مس لینڈا مر گئے ہیں۔"

"مر گئے ... یعنی تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" جیمین کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"وہ دونوں جب آپ کی کار میں سوار ہو کر جانے لگے تو آپ کی کار دھماکے سے اڑ گئی۔" میکور کی آواز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی اور جیمین تو چند لمحے تک سکتے کے عالم میں رہ گیا۔

"مسٹر جیمین ... جیمین۔"

"اوہ ... ہوں ... ہاں تم کیا کہہ رہے تھے؟" جیمین نے چونک کر دریافت کیا۔

"یہی کہ آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں اگر ان لوگوں نے جارج کی پہچان کر لی تو پھر آپ کی خیر نہیں۔"

"کک ... کن لوگوں نے؟" جیمین نے گھبرا کر پوچھا۔

"پولیس نے اور وہ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ آپ جارج کو مارنے کی سازش میں شریک ہیں۔"

"یہ ... یہ کیسے ہو سکتا ہے ... جارج تو اس کا دوست تھا۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ [illegible] ہوں۔" جیمین بری طرح بوکھلا گیا۔

"مسٹر جیمین اس وقت آپ پریشان ہیں اور یہی وقت ہے

اس وقت صرف مجرم ہیں ــ اور وہ بھی ایک سازش کے تحت" میکور نے طنز سے ہنستے ہوئے سرگوشی کی۔

" او۔ کے میں جا رہا ہوں لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سازش کیا ہے ؟"

جیسن اب پوری طرح چاق وچوبند ہو چکا تھا جارج کے قتل کا شاک ختم ہو چکا تھا۔

"میں نے دو آدمیوں کو اپارٹمنٹ کے لوگوں میں یہ کہتے سنا ہے کہ یہ سارا جیسن کا کیا دھرا ہے جب کہ اپارٹمنٹ والے اس بات کی نفی کرنے لگے کہ جیسن ایسا نہیں کر سکتا تو وہ ثبوت کے طور پر ریستوران کی گفتگو سنانے لگے جو کہ بیشتر لوگوں نے خود سنی ہے۔" میکور نے تفصیل سے بتایا۔

" ہوں۔ ۔ ۔ ۔ بینڈل!" جیسن نے زیر لب کہا "اچھا دوست تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ لو۔"

جیسن نے اپنے پرس سے سو ڈالر کا نوٹ نکال کر میکور کے ہاتھ میں تھمایا اور اُس کا جواب سنے بغیر ہی ایک جانب چل پڑا۔ شب بسری کے لیے سب سے پہلا جو ہوٹل نظر آیا وہ اسی میں داخل ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب اُس کا کوئی اور دوست مصیبت میں پھنسے کمرہ حاصل کر کے اُس نے سب سے پہلے کرسٹی کو فون کیا اور ساری صورت حال سمجھائی اور اس سے رات ہی کو اتنی رقم منگوائی جو اُسے ایک ہفتہ تک مالی طور پر پریشان نہ کر سکے۔ رقم اُس نے ہوٹل کے کاؤنٹر مین کو دینے کی ہدایت کی تاکہ اگر کوئی کرسٹی کا تعاقب بھی کرے تو اسے جیسن کے بارے میں علم نہ ہو فون کر کے وہ بیڈ پر جوتوں سمیت ہی لیٹ گیا۔ آدھے گھنٹے بعد اس کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

صبح اُٹھتے ہی اُس نے کاؤنٹر کلرک کو انٹرکام کے ذریعے بلایا۔

" یس سر؟"

" روم نمبر ۱۱۲ کے لیے کوئی چیز؟"

" ہے سر۔ یہ لیجیے خاتون نے کہا تھا کہ اگر یہ لفافہ درست شخص کے پاس پہنچ گیا تو وہ مجھے دس ڈالر دے گا۔" کاؤنٹر کلرک نے فدویانہ لہجے میں کہا۔ جیسن زیر لب مسکرا دیا اُس نے صوفے پر پڑے کوٹ کو اُٹھا کر اُس کی جیب سے دس ڈالر کا نوٹ نکالا اور کاؤنٹر کلرک کو دے دیا۔

" تھینک یو سر کچھ اور چاہیے تو حاضر ہوں۔"

" نو تھینک یو۔" جیسن نے بیڈ سے اُٹھتے ہوئے کہا کلرک سر جھکا کر کمرے سے نکل گیا جیسن نے منہ ہاتھ دھویا اور بالوں میں برش کر کے اپنے کمرے سے نکل آیا ٹیکسی لے کر سب سے پہلے کرائے کی کاروں کے ڈیلر کے پاس پہنچا چند لمحوں بعد وہ کرائے کی پوش سے کر تھامسن کی جانب چل پڑا راستے میں اخبار بھی خریدا جب وہ پولیس اسٹیشن پہنچا تو تھامسن گھر سے آ کر بیٹھا تھا۔

جیسن کو دیکھتے ہی بچکانہ انداز میں قہقہہ لگاتا ہوا بولا "کیوں بھئی رات بھر مفرور بنے کہاں رہے؟"

" اچھا تو گرفتاری کے وارنٹ بھی آ گئے۔" جیسن نے اخبار کھولتے ہوئے کہا۔

" بالکل اور اخبار میں کل والے واقعے کی خبر تمہیں نہیں ملے گی ہاں البتہ شاید تم بھی جانتے ہو گے کہ ہنری قتل ہو گیا ہے اور اُسے بھی گردن میں گولی ماری گئی ہے۔"

" ہاں جانتا ہوں اُسی کو تو دیکھنے گیا تھا کہ یہ ساری کارروائی ہو گئی۔" پھر جیسن نے تمام تفصیل بتائی اور آخر میں بولا۔ "اب یہ یقینی بات ہے کہ یہ تمام قتل بینڈل نے کیے ہیں کیونکہ ہنری نے مرنے سے پہلے اپنے تعاقب کے بارے میں مجھے بتایا تھا اور ایک بوڑھی عورت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

جانتا ہوں۔" تھامسن نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "جانتے ہو تمہارے ساتھ ایک بدنصیبی بھی ہوئی ہے۔"

" کک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا؟" جیسن نے ہکلا کر دریافت کیا۔

" کرسٹی کو فون کر لو۔"

" کیوں؟"

کہا جو ہے کر لو۔" تھامسن نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

" جیسن نے خاموشی سے ریسیور اُٹھایا اور کرسٹی کے نمبر ملانے کی بجائے کسی اور جگہ کے نمبر ملا دیے۔

" ہیلو! ۔ ۔ ۔ جیسن بورن بول رہا ہوں۔ ۔ جون ڈورلر سے بات کرا دیں۔"

کچھ دیر تک جیسن خاموش رہا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ تھامسن اُسے بُری طرح گھور رہا تھا جیسن نے مسکرا کر ایک آنکھ دبا دی۔ تھامسن نے غصے سے دانت پچکاتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ جیسن بول پڑا "جون فوری طور پر میری ضمانت کرا دو۔"

" بھئی کس معاملے میں؟" جون ڈورلر نے شوخ آواز میں دریافت کیا۔

" تخریب کاری۔" جیسن نے مسکرا کر کہا۔

" کیا مطلب؟" جون ڈورلر نے حیرت سے کہا۔ جواب میں جیسن نے تمام واقعے کی تفصیلات بتائیں۔

www.taemeernews.com

"او۔ کے، تین گھنٹے بعد آفس فون کر لینا۔"

"او کے۔" جبین نے کریڈل دبا دیا۔ پھر تھامسن کی طرف منہ پھیر کر بولا، "بڑی حیرت کی بات ہے کہ اخباروں میں میرے اپارٹمنٹ پر ہونے والے حادثے کی کوئی خبر ہی نہیں۔"

"پہلے تم کرسٹی کو فون کر لو۔" تھامسن نے بدستور منہ بنا کر جواب دیا۔

"نہیں یہاں سے نہیں کروں گا مجھے شک ہے کہ کال ٹریس نہ ہو جائے۔" جبین نے ہنستے ہوئے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"تو پھر مجھ سے سنتے جاؤ۔" تھامسن چیخا کیونکہ جبین اس کے آفس سے نکل چکا تھا۔ لیکن اس نے تھامسن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے پولیس اسٹیشن سے نکل گیا۔

کرائے کی پورش اس نے ریستوران کے سامنے روکی اور اندر داخل ہو گیا۔ ناشتے کا آرڈر دے کر وہ فون بوتھ کے پاس گیا۔ چند لمحوں بعد وہ کرسٹی کا نمبر ملا کر دوسری طرف سے ریسور اٹھانے کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہیلو۔" اسے کرسٹی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جبین ہوں! ۔ خیریت تو ہے؟"

"ن... نہیں جبین تمہیں پولیس تلاش کر رہی ہے اور... فکر نہ کرو میں نے ضمانت کا انتظام کر لیا ہے۔"

"اور... اور جبین تمہارا لائسنس بھی منسوخ ہو گیا ہے۔"

"اوہ... ہو... یہ تو بری خبر ہے۔" جبین نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اُ... اب کیا ہوگا؟" کرسٹی نے گھبرا کر دریافت کیا۔

"کچھ نہیں بے بی تم چھٹیوں میں میامی بیچ جانا پسند کرو گی یا ہوائی؟" جبین نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

اب تو چھٹیاں ہی ہیں اس لیے جہاں بھی جاؤ گی آنے جانے کا خرچہ میرا اور ٹھہرنے کا تمہارا۔"

"تو پھر میں یورپ جانا پسند کروں گی۔"

"او۔ کے سیٹ کنفرم کرا لو اور جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تمہیں نہ پکڑ لیا جائے... او۔ کے اینڈ گڈ لک۔"

جبین نے کہا اور فون بند کر دیا پھر تیزی سے ناشتا کیا۔

جس وقت وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا پورشن لے رہا تھا، اسے ایک پٹرول کار ریسٹورنٹ کے سامنے رکتی نظر آئی۔ جبین زیر لب مسکرا دیا اور اپنی گاڑی کو گیئر میں ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے کرسٹی کے فلیٹ کی نگرانی کا فیصلہ کیا اور اپنی پورش شہر کے مغربی حصے کی طرف موڑ دی۔

☆ کرسٹی بری طرح گھبرائی تھی۔ اس نے سب سے پہلے جینوا کے سیلے پین ایم میں سیٹ ریزرو کرائی جہاں اس کی بہن رہتی تھی۔ پھر اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ اپنا ذہن دوسرے کاموں میں بٹا لے لیکن بار بار اس کا خیال جبین کی طرف چلا جاتا۔ اس نے بمشکل پیکنگ کی پھر کافی بنا کر اس کا پہلا گھونٹ ہی بھرا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ کرسٹی بری طرح اچھل پڑی ساتھ ہی ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی۔ کچھ کافی چھلک کر اس کے کپڑوں اور میز پر گر گئی۔ وہ برا سا منہ بنا کر فون کی طرف جھپٹی

"یس۔" اس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"کرسٹی خیریت... تمہاری آواز؟" دوسری طرف سے جیسے ہی اسے جبین کی آواز سنائی دی اس کے تنے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔

"اوہ... جبین اتنی دیر کر دی فون کرنے میں!"

"ڈیئر میں نے کہا تو تھا کہ تین گھنٹے بعد فون کروں گا، ہاں تو میری ضمانت منظور ہو گئی ہے اور تم سناؤ تمہاری تیاری کیسی ہے۔ پھر میں تمہیں ایک خبر بھی سناؤں گا۔"

"تیاری تو مکمل ہے اور تین بجے کی فلائٹ ہے۔"

"گڈ... دو بج چکے ہیں ایک گھنٹہ صبر کرو ہاں فون کے بعد سڑک والی کھڑکی میں سے نیلے رنگ کی والو دیکھنا یہ تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔"

"تت ہت... تو پھر۔" کرسٹی نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"کرسٹی... تم ایک سُراغرساں کی سیکریٹری ہو ہمت سے کام لو... تم ان لوگوں پر وقفے وقفے سے نظر رکھنا، ڈھائی بجے ٹیکسی لے کر ایئرپورٹ روانہ ہو جانا اور بالکل گھبرائے بغیر آرام سے جہاز پر سوار ہونا۔" جبین نے تفصیل سے ساری بات سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں ہو گے؟" کرسٹی نے خود اعتمادی سے پوچھا۔

"خوب... بالکل اسی طرح رہو خود اعتماد، بہادر اور ہوش مند، تم میری فکر نہ کرو میں کہیں بھی رہوں تمہیں اس سلسلے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"اوہ! او۔ کے میں سمجھ گئی... اچھا گڈ بائی اینڈ وِش یو لک اب تو یورپ سے آکر ہی ملاقات ہوگی۔"

"یس گڈ گرل... بائی۔"

"بائی۔" کرسٹی نے ہولے سے کہا اور فون بند کر دیا۔ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر چونک کر سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس آ گئی

www.taemeernews.com

ہاتھ کی دو انگلیوں سے پردے کو تھوڑا سا ہٹایا۔ سڑک کے دوسرے کنارے فٹ پاتھ کے ساتھ نیلے رنگ کی والو گاڑی نظر آئی۔ اُسے فرنٹ سیٹ پر ایک شخص بیٹھا نظر آیا جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر دوسرا۔ کرسٹی نے طویل سانس لے کر پردہ چھوڑ دیا اور واپس میز کی طرف بڑھی جہاں کافی کا مگ پڑا تھا۔ کافی کا ایک گھونٹ لیا لیکن وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ کپ دھو کر کیبن میں رکھا اور ریسٹ واچ میں وقت دیکھا دو بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ وقت گزرنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ واپس کھڑکی کے پاس آئی اور پردہ تھوڑا سا کھسکا کر باہر نظر دوڑائی لیکن پھر اچانک پورا پردہ سرکا کر ایک طرف کر دیا اور کھڑکی کھول کر باہر جھانک کر دیکھنے لگی۔ کیونکہ کار سے دونوں غائب تھے۔ کرسٹی دونوں کو غائب پاکر بری طرح بوکھلا گئی۔ چند لمحوں پہلے والی خود اعتمادی اور جرأت مندی رفو چکر ہو گئی۔ کرسٹی نے فوراً ہی بھاگنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اُسے شک ہو گیا تھا کہ دونوں آدمی اُسی کی تلاش میں بلڈنگ میں داخل ہو گئے ہوں گے اور اس کا مطلب تھا کہ وہ اُسے مارنا یا پھر اغوا کرنا چاہتے ہوں گے کیونکہ اگر وہ صرف نگرانی کرنے آئے تھے تو اب بھی کار میں ہی بیٹھے ہوتے۔

کرسٹی نے تیزی سے اپنا ہینڈ بیگ اُٹھایا اور سوٹ کیس کو گھسیٹتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھی پھر رک کر ٹی وی آن کیا اور اُس کی آواز اتنی رکھی کہ اگر کوئی شخص سننا چاہے تو اُسے آواز بخوبی سنائی دے۔ پھر اُس نے دروازہ کھول کر سامان باہر رکھا اور اپنے پیچھے والا دروازہ بند کر دیا۔ پھر راہداری کے دونوں طرف نظر دوڑائی راہداری کے آخری حصے میں اُسے ایک درمیانے قد کا سوٹڈ بوٹڈ شخص نظر آیا جس نے اخبار پکڑا ہوا تھا اور اُس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جبکہ راہداری کے دوسری طرف، جہاں لفٹ تھی اُسے کوئی نظر نہ آیا۔ اُس نے ہینڈ بیگ کندھے پر رکھا اور سوٹ کیس کو گھسیٹتے ہوئے لفٹ کی جانب بڑھی۔ تیسری منزل کا بٹن دبا کر اُس نے دوبارہ اخبار کا مطالعہ کرنے والے شخص کو دیکھا جو اب اخبار لپیٹ کر رکھ چکا تھا۔ اور کرسٹی کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ کرسٹی خوف زدہ ہو گئی اُس نے گھبرا کر اوپر ڈائل کی طرف دیکھا جو کہ لفٹ کی صورت حال کے متعلق تھا لفٹ چوتھی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ اُس نے دوبارہ اپنے پیچھے آنے والے شخص کو دیکھا وہ آدمی راہداری عبور کر چکا تھا۔ اُس کے قدم بھی نسبتاً تیز ہو گئے تھے اُسی وقت گھنٹی کی آواز کے ساتھ لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔ کرسٹی نے پھرتی سے سوٹ کیس اندر گھسیٹا اور خود بھی اندر داخل ہو گئی۔ اُسی وقت اسے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اُس نے مڑ کر راہداری میں دیکھا وہ شخص بھاگتا ہوا اُسی کی طرف آ رہا تھا۔

اب کرسٹی کا شک یقین میں بدل چکا تھا اُس نے فوراً ہی اپنے پنجے سے سوٹ کیس کو کک ماری۔ سوٹ کیس تیزی سے فرش پر پھسلتا ہوا دوڑنے والے شخص کی طرف بڑھا جبکہ وہ شخص لفٹ کے کافی قریب آ گیا تھا اور اُس کی رفتار بھی خاصی تیز تھی جس کی وجہ سے وہ سنبھل نہ سکا حالانکہ اُس نے ہوا میں اوپر کی جانب چھلانگ لگائی تھی تاکہ سوٹ کیس اُس کی ٹانگوں کے نیچے سے گزر جائے لیکن سوٹ کیس بھی لارج سائز کا تھا لہٰذا اُس کی ٹانگوں سے ٹکرا کر گر گیا اور اپنے ساتھ اُسے بھی گرا لیا۔

جتنی دیر میں وہ شخص سنبھلتا لفٹ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اُس شخص نے غصے سے سوٹ کیس کو ٹھوکر ماری پھر سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ گراؤنڈ فلور پر پہنچتے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا کرسٹی کسی خوف زدہ ہرنی کی مانند بھاگتی ہوئی صدر دروازے کی جانب لپکی لیکن اچانک ہی اُس کے دوڑتے قدموں کو بریک لگ گئے۔ پھر بھی وہ چکنے فرش پر ایک دو فٹ تک پھسلتی چلی گئی کیونکہ صدر دروازے کے عین درمیان سیاہ پینٹ اور بلو جیکٹ پہنے ایک شخص ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ کرسٹی نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ دوسرا ساتھی ہے۔ وہ اچانک پلٹی تاکہ عقبی دروازے سے نکل سکے لیکن یہاں بھی اُسے رکنا پڑا کیونکہ اُس کے پیچھے آنے والا سیڑھیاں اُتر کر اُسی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کرسٹی اب دونوں طرف سے گھر گئی تھی۔ اب وہ کھڑی اِدھر اُدھر نظر دوڑا رہی تھی۔ تاکہ بچت کا کوئی بندوبست ہو سکے۔ اُسے اس بات کا اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ دونوں اُسے مارنے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ پکڑنے کی کوشش کریں گے تاکہ جیمین پر دباؤ ڈال سکیں۔ اس بڑے سے ہال میں جو بیک وقت کاؤنٹر، سیٹنگ روم اور بار کا کام دیتا تھا، میں موجود سبھی لوگ حیرانی سے یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ اُن میں سے بیشتر کرسٹی کو جاننے والے تھے کیونکہ وہ اسی رہائشی بلڈنگ کے فلیٹوں میں رہتے تھے۔ کرسٹی پریشانی سے سوچ ہی رہی تھی کہ اب کیا کرے کہ اُسے اپنی پشت پر کسی کے زمین پر گرنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی اُسے ایک تیز اور کرخت آواز بھی سنائی دی جو کہ اُس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔

"کرسی ... بھاگو" جیمین نے چیخ کر کہا۔ کرسٹی دوبارہ صدر دروازے کی جانب پلٹی اور اُدھر بھاگی جہاں جیمین اُس شخص کو گرائے کھڑا تھا، جو دروازے کے درمیان میں کھڑا تھا۔ وہ شخص دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جیمین نے دوبارہ اُس کی کمر پر اپنی لات جما دی وہ پھر دھڑام سے نیچے فرش چاٹنے لگا۔ کرسٹی تیزی سے بھاگتی ہوئی صدر دروازے سے نکل گئی اتنے ... اُس کے پیچھے آنے والے

www.taemeernews.com

شخص نے اپنے کوٹ کی جیب سے اعشاریہ پانچ کا ریوالور نکال لیا۔ ریوالور کے نکلتے ہی پورے ہال میں افراتفری پھیل گئی۔

"گلی میں... بھاگو۔" جیمس نے کرسٹی کے پیچھے بھاگتے ہوئے کہا اُسی وقت ریوالور سے دو فائر ہوئے جو کر جیمس سے کچھ انچ کے فاصلے پر دروازے کے شیشے کو چکنا چور کر گئے۔ جیمس پھر بھی بڑا گنا زینہ سے صدر دروازے سے نکل گیا۔ کرسٹی اُس سے کافی آگے بھاگ رہی تھی۔ پیچھے گرا ہوا شخص اچھل کر کھڑا ہوا اور پینٹ کی پشت سے اعشاریہ پانچ کا ریوالور نکال کر دروازے سے باہر لپکا۔ اُسے جیمس اور کرسٹی سڑک کے کنارے نظر آئے۔ اُس نے نشانہ لیے بغیر لگا تار تین فائر کیے۔ بھاگتے بھاگتے اچانک جیمس کے بائیں بازو سے ایک سلگتا ہوا انگارہ ٹکراتا ہوا گزر گیا۔ جیمس کے منہ سے کراہ نکلی اور وہ لڑکھڑا بھی گیا۔

"کک... کیا ہوا؟" کرسٹی نے رُک کر ہکلاتے ہوئے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں... بھاگو۔ گلی کے نکڑ پر سرخ پوش کھڑی ہے۔ چابیاں اگنیشن میں ہیں... اُس میں چلو۔" جیمس نے کراہتے ہوئے کہا کرسٹی پھر دوڑ پڑی۔ جیسے ہی وہ سڑک سے گلی میں داخل ہوئی اُسے سامنے ہی سرخ رنگ کی پوش کھڑی نظر آگئی۔ وہ تیزی سے اُس کی ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھی۔ جب تک اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی جیمس اُس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ کرسٹی نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ ڈالا گاڑی کے ٹائر اسی حالت میں اپنی جگہ پر گھومے اور گاڑی زبردست جھٹکے کے ساتھ پھسلتی ہوئی مین روڈ پر آگئی۔

جیمس نے اپنے بائیں جانب دیکھا تو اُسے دالو بھی سڑک کے درمیان گھومتی ہوئی انہی کی جانب بڑھتی ہوئی نظر آئی۔

"ایئرپورٹ... تیز... " جیمس بمشکل یہ الفاظ کہہ سکا اُسے اپنے بازو میں بہت شدید درد محسوس ہو رہا تھا اور خون اتنی مقدار میں نکل چکا تھا کہ اُس کا کوٹ بھی اُس میں تر ہو رہا تھا۔

"ہڈی بچ گئی؟" کرسٹی نے تشویش سے دریافت کیا۔

"ہاں، ہاں بچ گئی۔"

"میرے بیگ میں رومال ہے باندھ لو خون تو کم نکلے گا۔"

"او۔ کے۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ یہ لوگ تمہیں پکڑنے آ رہے ہیں؟" جیمس نے اُس کے ہینڈ بیگ سے رومال نکالتے ہوئے پوچھا۔

"بس اچانک ہی میں نے کھڑکی سے انہیں دوبارہ دیکھا تو دونوں ہی غائب تھے۔ اسی وجہ سے مجھے شک ہو گیا... وہ اب بھی تعاقب کر رہے ہیں۔" کرسٹی نے عقب نما میں دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"ٹھہرو۔ مجھے یہ رومال باندھنے دو میں پھر ان کا بھی بندوبست کرتا ہوں۔" جیمس نے اپنے بازو پر رومال لپیٹتے ہوئے کہا۔ جب رومال بازو پر لپٹ گیا تو اُس نے گاڑی کا اسٹیئرنگ پکڑا اور کرسٹی نے رومال باندھا۔

"او۔ کے... اب تم گاڑی ہوشیاری سے چلانا میں پچھلی سیٹ پر جا رہا ہوں۔" جیمس نے اپنا ریوالور ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کرسٹی سے کہا کرسٹی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پوری توجہ سے ڈرائیونگ کرنے لگی۔ جیمس فرنٹ سیٹ سے پچھلی سیٹ پر آیا۔ پھر اُس نے ریوالور کا دستہ مار کر گاڑی کا پچھلا شیشہ توڑ دیا۔ دالو بھی انتہائی تیزی اور مشاقی سے اُن کا تعاقب کر رہی تھی جیمس نے جیسے ہی شیشہ توڑا ویسے ہی دالو سے دونوں آدمیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

"نیچے ہو جاؤ... اور نیچے۔" جیمس نے چلا کر کہا۔ کرسٹی فوراً سیٹ پر جھک گئی۔ جبکہ جیمس پہلے ہی جھک چکا تھا۔ جیمس نے بمشکل سیٹ سے کچھ اوپر ہو کر دالو کی ڈرائیونگ سائیڈ کے اگلے ٹائر کا نشانہ لے کر یکے بعد دیگرے تین فائر کر دیئے۔ جن میں سے پہلا سڑک سے ٹکرایا دوسرا عین ٹائر میں جا کر لگا اور ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ تیسرا فائر کار کے بمپر پر گیا۔ ٹائر پھٹنے سے تیز رفتار کار اچانک ہی سڑک پر گھوم گئی اور پلٹ کر سیدھی ہو گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے چار قلابازیاں کھاتی ہوئی بالآخر چھت کے بل ہی سڑک پر پھسلتی ہوئی رُک گئی۔

"رُکو، رُکو... انہیں پکڑیں تو۔" جیمس نے کرسٹی سے کہتے ہوئے ریوالور واپس کوٹ کی جیب میں رکھا۔ کرسٹی نے کار کے بریک لگائے اور دونوں ایک ساتھ ہی کار سے اُتر کر اُلٹی ہوئی دالو کی جانب بڑھے۔ فرنٹ ڈور کھل گیا تھا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی آدھا گاڑی میں اور آدھا سڑک پر کراہ رہا تھا۔ جیمس نے پاؤں کے زور پر بیٹھتے ہی اُس کی جامہ تلاشی لی اور اُس کا پرس نکال لیا جب کہ کرسٹی ڈرائیونگ سیٹ پر پڑے شخص کی جانب بڑھی پھر فوراً ہی اُس کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی "جیمس... یہ... یہ تو... مر گیا۔"

"کیسے؟" جیمس بھی حیران ہو کر بول پڑا پھر خود بھی ڈرائیونگ سیٹ کی جانب گاڑی کے اوپر سے گھوم کر آیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر پڑے شخص کا منہ کھلا تھا اور اُس کے منہ سے خون کی کافی مقدار نکل چکی تھی۔ اسٹیئرنگ اُس کے سینے میں بری طرح پیوست تھا۔ جیمس نے فوراً اُس کی تلاشی لے کر اُس کا بٹوہ بھی نکال لیا۔

"چلو یہاں رکنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" جیمس نے کرسٹی کو بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر بعد سرخ پوش تیزی سے ایئرپورٹ کی جانب رواں دواں تھی۔

"اُو... ہو..." جیمس نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"واٹ؟" کرشی نے جو پوری توجہ سے گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی، چونک کر پوچھا۔

"یہ دیکھو۔" جبین نے دونوں تعاقب کرنے والوں کے بٹوؤں سے ایک ایک کارڈ نکال کر کرشی کو دیتے ہوئے کہا۔ کرشی نے بائیں ہاتھ سے اسٹیرنگ پکڑے رکھا جبکہ دائیں ہاتھ سے کارڈ لے لیے۔

"کیا مطلب؟" کرشی نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے جبین سے کہا۔

"ڈیئر سامنے دیکھو۔" جبین نے مسکرا کر اس کے گال پر انگلی رکھ کر اس کا چہرہ گھماتے ہوئے کہا۔

"شکریہ... لیکن... لیکن یہ سب..." کرشی نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"یہ سب ایف بی آئی سے ہے۔"

"لیکن وہ ہمارے پیچھے کیوں؟"

"معلوم نہیں... شروع سے سوچنا پڑے گا۔" جبین نے کارڈ دوبارہ بٹووں میں رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"میں بھی نہیں۔"

"تمہیں یاد ہے جب میں اور تھامسن طاہر کے قتل کی اطلاع دینے تھرموزبان جانے والے تھے تو ایڈ برگ نے تھامسن کو ایک جگہ بلایا تھا۔ جہاں میرے اور طاہر کے تابوتوں میں فائرنگ کا تبادلہ ہوا تھا۔"

"یس... یس مجھے یاد ہے۔" کرشی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر جبین نے ایڈ برگ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتائی۔

"اوہ ہاں، اس کے متعلق تو تھامسن نے وہیں بتا دیا تھا۔" کرشی نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

"بس مجھے وہ پین کھٹک رہا ہے۔" جبین نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کے جی بی اور ایف بی آئی کا یہی کیا کرا دھرا؟"

"نہیں بلکہ صرف اور صرف ایف بی آئی... کے جی بی کا تو دھوکا ہے فریب ہے۔"

"اوہو جبین... تم... تم مسلسل نامکمل گفتگو کیے جا رہے ہو جبکہ مجھے تفصیل گفتگو سے ہی کچھ سمجھ آئے گی۔" کرشی جھنجھلا کر بولی۔

جبین نرمی سے مسکرا دیا۔ پھر سامنے نظر دوڑاتے ہوئے بولا۔

"اب تو ائیر پورٹ آ گیا۔ تفصیل اندر جا کر سناؤں گا۔ کار ٹرک کے پاس ہی پارک کرنا اور ٹائم بتانا۔"

"دو بج کر پچاس... یہاں ٹھیک ہے۔"

"گڈ... ابھی فلائٹ میں دس پندرہ منٹ باقی ہیں تمہیں ساری بات تفصیل سے بتاؤں گا۔ چلو اترو۔"

"افسوس میرا بیگ وہیں رہ گیا۔ ارے ہاں جبین میرا ٹی وی آن ہی ہے۔" کرشی کو اچانک ٹی وی کا خیال آیا۔

"فکر نہ کرو میں جا کر بند کر دوں گا... ویسے کپڑے تو تمہیں تمہاری بہن لے ہی دے گی آخر کو بینک کے مالک کی بیوی ہے۔" جبین ہنستے ہوئے بولا۔ کرشی مسکرا دی۔ اس وقت دونوں ٹرمینل میں داخل ہو گئے تھے۔ کرشی نے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی خوبصورت لڑکی سے چند معلومات حاصل کیں اور لاؤنج میں بیٹھے جبین کے پاس آ کر صوفے پر گر سی گئی۔ پھر پھولی آواز میں بولی: "کافی کی شدید طلب محسوس ہو رہی ہے۔"

"تو پھر ریستوران کی طرف چلتے ہیں۔"

"نو، جہاز کی روانگی کا کسی بھی وقت اعلان ہو سکتا ہے۔"

"او کے... اپنا خیال رکھنا۔"

"خیال... میرے کپڑے اور جوتے۔"

"ادھر یہ نہیں سوچتیں کہ جان بچ گئی۔" جبین نے جھنجھلا کر کہا۔ کرشی ہنس دی پھر چونک کر جبین کو دیکھا اور کچھ یاد کرتے ہوئے بولی۔

"ارے ہاں... تم پین کے متعلق کچھ بتا رہے تھے؟"

"اور شاید تمہیں کافی کی طلب ہو رہی تھی۔"

"ہاں وہ تو اب بھی ہے لیکن وہ تو میں جہاز میں پی لوں گی تم پلیز مجھے بتاؤ۔"

"او کے۔ او کے بتاتا ہوں... دراصل میرے خیال میں یہ سارا چکر ہے ہی ناسا والوں کا... خیر تو پہلے مجھے اپنی بات پوری کرنے دو۔ ہاں تو تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ ایف بی آئی کا ناسا سے کیا تعلق؟ تعلق ہے، دونوں ہی حکومت کے ادارے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے بلکہ زیادہ یقین ہے کہ یہ سارا چکر حکومت کا چلایا ہوا ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ چکر ہے کیا؟"

"تو کیا رشید چوہدری کو حکومت ہی نے... میرا مطلب ہے کہ ناسا اور ایف بی آئی والوں نے ہی غائب کرایا ہے؟" کرشی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے سوال کیا۔

"یقیناً۔"

"لیکن حکومت کو رشید چوہدری سے کیا سروکار؟"

"شاید وہ اہم دستاویزات دوسرے ممالک کو بیچتا ہو یعنی جاسوس رہا ہو..."

"لیکن جبین اگر یہ بات ہوتی تو حکومت واضح طور پر اعلان کر سکتی تھی کہ رشید چوہدری جاسوس ہے۔ پہلے بھی تو اس طرح کے کئی واقعات ہوئے ہیں... جہاں تک میرا خیال ہے یہ سب ڈھونگ ہے، حقیقت کچھ اور ہی ہے۔" کرشی نے طویل سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے

www.taemeernews.com

ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں تمہارا کہنا درست ہے کہ حکومت جاسوسوں کے متعلق اعلان کر دیتی ہے لیکن ایسا مکمل تحقیقات کے بعد ہی کرتی ہے جب اُسے کوئی ثبوت مل جائے نب نا۔۔ اور رہی بات ڈھونگ کی تو وہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ہمارا تعاقب کرنے والے دونوں الیف۔ بی۔ آئی سے متعلق تھے"

"تو اس کا مطلب ہے کہ ارشد چودھری کے خلاف ابھی تحقیقات ہو رہی ہیں۔ اس لیے حکومت نے ابھی اعلان نہیں کیا۔" کرشی چہک کر بولی۔

"تو پھر پلین والا قصہ کس خانے میں فٹ کرو گی؟" جبین نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید تم بیڈل کو بھی بھول رہے ہو۔"

"اوہ یس۔"

اُسی وقت جنیوا براستہ لندن جانے والی فلائٹ کا اعلان ہو گیا۔ دونوں اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

"اچھا جبین گڈ بائی۔ حکومت کے متعلق سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھانا"

"کوشش کروں گا۔" جبین نے مسکرا کر کرشی کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا پھر گرمجوشی سے دبا کر چھوڑ دیا "گڈ بائی"

جبین نے دور سے سرگرشی کی کرشی ہاتھ ہلاتے ہوئے اُس ہجوم میں شامل ہو گئی۔ جو چیکنگ کرنے والوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جبین نے الیف۔ بی۔ آئی کے دونوں کارڈ دوبارہ اپنے پرس سے نکالے اور اُنہیں غور سے دیکھنے لگا پھر اُس نے ٹرمینل کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا ٹرمینل سے نکل آیا۔

گاڑی ایئرپورٹ کی حدود سے نکالتے ہوئے جبین مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ کون سا ایسا شخص ہے جو اس بات کی تصدیق کرے کہ وہ دونوں افراد واقعی الیف۔ بی۔ آئی کے رکن ہیں؟ لیکن کوئی ایسا شخص ذہن میں نہیں آیا جس کی مدد سے وہ معلوم کر سکتا۔ واپسی کے سفر میں اُس کی نظر جانے حادثہ پر پڑی جہاں واقعہ پیش آیا تھا۔ اس وقت وہاں دو پٹرول کاریں کھڑی تھیں جبکہ ایمبولینس جا رہی تھیں۔ اُسی وقت جبین کے ذہن میں ایک ترکیب آئی جبین نے مسکرا کر اپنے ذہن کو شاباش دی اور سب سے پہلے نظر آنے والے ریستوران کے سامنے گاڑی پارک کی اور ریستوران میں داخل ہو گیا۔ لنچ کا آرڈر دے کر اُس نے تھامسن کا نمبر ڈائل کیا دوسری طرف سے فوراً ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"یس تھامسن اسپیکنگ۔۔ ہیلو"

"تھامسن! میں جبین بول رہا ہوں تم کوئی سوال نہ کرنا میں رات کو

عہدِ حاضر کا شاعر

چاندنی رات کے صحرا میں بھٹکتے ہوئے چاند
جا کہیں اور چلا جا کہ یہ بستی تیرے قابل ہی نہیں
یہ وہ بستی ہے جہاں رات کے سناٹے میں
عزت و نفس کو نیلام کیا جاتا ہے!
اس جگہ بکتے ہیں انسان بھی سکوں کے عوض
اس جگہ پیار کو بدنام کیا جاتا ہے!
اس جگہ بستے ہیں کے زخموں کے سوا کچھ بھی نہیں
اس جگہ ظلم و ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں
اس جگہ مفلس و نادار بلکتے بچے
جن کے کانوں میں لڑکپن سے جواں ہونے تک
کارخانوں میں لگی بھاری مشینوں کی صدا
ماں کی شفقت بھری لوری کی طرح گونجتی ہے
جن کو معلوم ہے بس آٹا کہ روٹی کیا ہے
جن کو معلوم نہیں پیار بھری ہنسی کی
عہدِ حاضر میں پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے
جن کے تیل اور گریس لت پت جیسے پہنچے ہاتھ
عمر بھر چند کتابوں کو ترستے رہتے ہیں
جن کے کانوں میں مغنیوں نہ صدا گونجتی ہے
عہدِ نو کے جو نصابوں کو ترستے جاتے ہیں
اے مرے چاند ذرا دیکھ مری بستی کو
جس جگہ زیست کو پامال کیا جاتا ہے
جس جگہ زیست کے عنوان بدل جاتے ہیں
چار سکوں کی چمک دیکھ کے اک لمحے میں
آج کے دور کے انسان بدل جاتے ہیں
زندگی پھر آتی ہے لب سڑکوں پہ فٹ پاتھوں پہ
کسی رو با پسکے جنگل جلی لڑکی کی طرح
کسی برسات میں جلتے ہوئے گھر کی مانند
کسی نشے میں پڑے مست شرابی کی طرح
جبکہ خواہش نہیں ان اونچے حسیں بنگلوں کی
میں تو بھوکا ہوں تیرے پیار تری چاہت کا
عہدِ حاضر کا وہ بکتا ہوا شاعر ہوں میں
جس کے ہاتھوں میں نئے دور کی زنجیریں ہیں
جس کے گھر گیتوں کے ڈھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں
جس کی دولت تری یادیں تری تصویریں ہیں
چاندنی شب کے پہاڑوں پہ رواں ہوتے چاند
جا کہیں اور چلا جا کہ یہاں کلیوں کو
شاخ پہ کھلتے ہی نوچ لیا جاتا ہے
سچ کا اک کڑوا حسن جام چڑھانے کے لیے
تختۂ دار کا سہرا سوچ لیا جاتا ہے

www.taemeernews.com

تم سے ملوں گا اس سے پہلے تم ایک کام کر کے آنا... ٹھیک ہے...

"او۔کے... بولو کیا کام ہے؟"

"آج سہ پہر شہر کی مغربی سمت سے آنے والی سڑک پر ائرپورٹ کے قریب نیلے رنگ کی والوو کا حادثہ ہوا ہے۔ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس گاڑی میں سوار دونوں آدمی ایف بی آئی کے تھے یا پھر کوئی اور...؟"

جیمین نے تفصیل سے ساری بات بتاتے ہوئے کہا اُس نے اپنی آواز زیادہ بلند بھی نہیں کی۔

"ہوں... او۔کے لیکن تم کہاں ملو گے؟"

"بس میں تمہیں کہیں بھی مل لوں گا... اچھا بائی" جیمین نے ہولے سے ریسیور رکھ دیا اور واپس اپنی میز پر آکر لنچ کرنے لگا لنچ کرکے برانڈی کا ایک جام حلق میں انڈیلا اور اطمینان سے بل دے کر ریستوران سے باہر آگیا چند لمحوں تک فٹ پاتھ پر کھڑا ٹریفک کو دیکھتا رہا پھر ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھا اور ٹیکسی چل پڑی۔ سر شٹ پوش رہی لڑکی روگی جیمین کو یقین تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے تک وہ لوگ گاڑی تلاش کر لیں گے۔ سب سے پہلے اُس نے اپنا بٹوا دیکھا اُس میں خاصی رقم موجود تھی کچھ اُس نے کریش سے بھی لے لی تھی۔ اُس نے ٹیکسی گارمنٹس کی دکان کے سامنے رکوائی اور کرایہ ادا کرکے دکان میں داخل ہوگیا۔ بیس منٹ بعد جب جیمین گارمنٹس اسٹور سے نکلا تو بھورے رنگ کے تھری پیس سوٹ کے بجائے نیلی جین اور آسمانی رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی جس کے اوپر سیاہ جیکٹ تھی۔ ان کپڑوں کی وجہ سے وہ اور زیادہ وجیہہ نظر آنے لگا تھا۔ وہ ہلکے سُروں میں سیٹی بجاتا ہوا پیدل ہی ایک سمت میں روانہ ہوگیا۔ کچھ دور جا کر ٹیکسی لی اور پوسٹ آفس لا کر اطمینان سے چاروں طرف دیکھنے لگا پوسٹ آفس پہنچ کر ٹیکسی کو انتظار کا کہہ کر اندر چلا گیا۔ وہاں سے اُس نے اپنی بغل میں دبا ہوا پیکٹ اپنے ڈرائی کلینر کو پارسل کیا اور واپس ٹیکسی میں آبیٹھا پیکٹ میں اُس کا سوٹ ہی تھا۔

تھامسن ٹھیک پانچ بجے اپنے آفس سے اٹھ گیا۔ جب وہ کار پارکنگ کی طرف بڑھا اس وقت موسم کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ جیسے ہی تھامسن اپنی ٹویوٹا کار میں بیٹھا بادل گرج کر برسنے لگے۔ تھامسن نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ آفس بلڈنگ سے کار پارکنگ کا فاصلہ اتنا تھا کہ اس تیز بارش میں وہ مکمل طور پر بھیگ جاتا۔ تھامسن نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پارکنگ کی حدود سے نکل کر شاہراہ پر آگیا۔ اسے جیمسن کے سوالات نے اچھا خاصا پریشان کیا ہوا تھا اور وہ اس وقت بھی اسی کے سوالات کے متعلق سوچ رہا تھا کہ چوراہے کی بتی سرخ ہونے پر گاڑی روکنا پڑی تھامسن نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ کر ان پر ٹھوڑی رکھ دی اور سوچنے لگا۔ اچانک فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک طویل قامت شخص اس میں انتہائی پھرتی سے داخل ہوا۔ تھامسن کا ہاتھ بھی اسی پھرتی سے بغلی ہولسٹر کی طرف گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سروس ریوالور تھا۔

"گولی نہ مارنا... میں ہوں... میں جیمین..."

"اوہ... ہوں... کچھ دیر تک نہ بولتے تو گولی تو نہیں البتہ ریوالور کا دستہ ضرور منہ پر مارتا" تھامسن نے کہا۔

"بتی سبز ہوگئی ہے چلو... تم نے اپنے تعاقب پر توجہ نہیں دی" جیمین نے گیلے بالوں کو ہاتھ سے خشک کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں... نہیں کیوں...؟"

"گاڑی چلاؤ میں پیچھے نظر رکھتا ہوں" جیمین نے کہا۔

تھامسن نے گاڑی ایک چھوٹی سی گلی میں ڈال دی پھر وہ اسے کاٹ کر دوبارہ شاہراہ پر آگیا۔

"ایک نیلے رنگ کی شیورلیٹ ہے"

"مجھے نہیں معلوم کہ میرا فون ٹریس ہوتا ہوگا" تھامسن نے گاڑی آہستہ کرتے ہوئے آہستگی سے کہا جیسے خود کو مجرم سمجھ رہا ہو۔

"ہاں... ہاں یہ بھی تو ہو سکتا ہے..." جیمین نے کچھ سوچتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا؟" تھامسن نے بے تابی سے دریافت کیا۔

"تمہارا فون بند ہو... ہو سکتا ہے جب تم نے میرا دیا ہوا نمبر ملایا ہو تو وہاں سے وہ لوگ تمہارے پیچھے پڑ گئے ہوں جیسے تم نے کیسے معلوم کیا تھا۔"

"یس... یس یقیناً یہی بات ہوگی" تھامسن نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے پرجوش آواز میں کہا۔

"تم نے بتایا نہیں کیسے معلوم کیا اور کیا معلوم کیا؟" جیمین نے تعاقب میں آتی ہوئی گاڑی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جیمین میرے خیال میں اس وقت میری کار بھی بگ ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے کافی چانسز ہیں۔"

www.taemeernews.com

"تو پھر کہیں اطمینان سے بیٹھ کر مفصل گفتگو کریں گے پہلے انہیں ڈاج دیں" تھامسن نے آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہاری کار گمنڈ ہے تو پھر انہیں ڈاج دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے" تھامسن نے پُر اسرار لہجے میں کہا اور یک دم کار کے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ ڈالا تو کار گیا کار انگلی گاڑیوں سے آگے نکلتی چلی گئی۔ شیورلیٹ بھی تیزی سے تھامسن کی گاڑی کے پیچھے لپکی۔ تھامسن کی تھیوٹی سی ٹوسیٹر انتہائی پھرتی سے چھوٹی چھوٹی جگہوں سے نکلتی چلی گئی جب کہ شیورلیٹ ایسا نہ کر سکی۔ آفس ٹائم ختم ہونے کی وجہ سے سڑکوں پر ٹریفک کا اژدہام تھا جس کی وجہ سے شیورلیٹ چند ہی لمحوں میں کافی پیچھے رہ گئی جب کہ تھامسن کی ٹوسیٹر یہ جا وہ جا۔

✦

شیمپیئن کے جام رکھ کر ویٹرس چلی گئی۔ تب جیسن ایک چسکی لیتے ہوئے بولا۔ "ہاں اب اپنی تمام کہانی سنو۔"

"وہ تو میں سنا دوں گا لیکن اس سے پہلے میں تم سے ایک درخواست کروں گا" تھامسن نے بھی جام سے چھوٹی چھوٹی چسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"بولو۔"

"درخواست یہ ہے کہ اب تم مجھے اس معاملے سے دور رکھو تو بہتر ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کیونکہ یہ حکومت کا معاملہ ہے" جیسن نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"حکومت کا معاملہ؟" تھامسن نے حیرت سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں تمہیں بتاؤں گا پہلے تم مجھے بتاؤ۔"

"او کے... میں نے تمہارے فون کرنے کے بعد اس پولیس برانچ میں فون کیا اور اپنے متعلق بتا کر دریافت کیا کہ اس رنگ، میک اور نام کی گاڑی اس کے علاقے میں پکڑی یا حادثے کا شکار تو نہیں ہوئی تو اس برانچ کے انسپکٹر نے بتایا کہ ایئرپورٹ روڈ پر اسی رنگ، میک اور نام کی گاڑی کا حادثہ ہوا تو ہے لیکن مجھے کس سلسلے میں وہ کار چاہیئے؟ میں نے کہا، یہ کار یہاں ایک قتل کیس میں ملوث ہے تو اس برانچ کے انسپکٹر نے جواب دیا کہ یہ کار تو حکومت کی ہے۔ میں نے محکمہ دریافت کیا تو اس نے ہچکچاتے ہوئے ایف۔ بی۔ آئی کا نام لے دیا پھر تو میں نے افسوس کے ساتھ حادثے کی وجہ معلوم کی جواب میں اس نے تمام تفصیل بتا دی اس طرح بات کی تصدیق ہو گئی کہ دونوں افراد ایف۔ بی۔ آئی ہی سے تعلق رکھتے تھے۔"

"گڈ... ونڈرفل۔ اس کا مطلب ہے کہ واقعی اس معاملے میں حکومت کا اہم رول ہے" جیسن نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"یہ حکومت، حکومت کی کیا رٹ لگا رکھی ہے" تھامسن نے حیرت سے دریافت کیا۔ جیسن چند لمحوں تک خاموشی سے شیمپیئن کے جام کو گھورتا رہا۔

"کیا بتانا نہیں چاہتے؟"

"نہیں، نہیں۔ بھئی دراصل میں تمام واقعات کو یکجا کر رہا تھا" جیسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اصل واقعہ جارج کے مرنے کے دوسرے روز سے شروع ہوا ہے۔ جب مسز ارشد چوہدری پاکستانی نژاد امریکی نے اپنے سائنسدان شوہر ارشد چوہدری کی گمشدگی کی تحقیقات کے لیے مجھ سے کہا۔ ارشد چوہدری ناسا میں اسٹار وار کے سلسلے میں کمپیوٹر پر کوئی کام کر رہا تھا۔ جب ارشد چوہدری کی بیوی میرے پاس آئی تھی تو اسے غائب ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور پولیس بھی اسے تلاش کرنے میں ناکام ہو گئی تھی اور اس کی کار بھی نہیں ملی تھی جب کہ پولیس کا خیال تھا کہ وہ...."

"یہ تمام واقعات میں جانتا ہوں تم مجھے حکومت کے ملوث ہونے کا بتاؤ" تھامسن نے جیسن کی طویل گفتگو سے گھبرا کر کہا۔

"او کے۔ تم انسپکٹر بیڈل کو تو جانتے ہو گے؟"

"ہاں۔"

"اور لاک پن کے متعلق کیا خیال ہے جس پر روسی زبان میں نام لکھا ہوا تھا۔"

"بالکل۔ اور میں نے کہا تھا کہ یہ کوئی چال ہے" تھامسن نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ یعنی طاہر کا قتل، ارشد چوہدری کا غائب ہونا اگر اغوا کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے، ہنری کا قتل، امرجیت کا قتل اور مجھ پر قاتلانہ حملے اس

www.taemeernews.com

کے علاوہ کرسٹی کو اغوا کرنے کی کوشش۔ یہ سب کچھ ایف بی آئی یعنی حکومت کا کیا دھرا ہے۔"

"کیا اب تمام تفصیلات میں سوالات پوچھ کر حاصل کروں گا" تھامسن نے ہنستے ہوئے ویٹرس کو بلایا۔

"میں سمجھا نہیں" جیین نے حیرت سے کہا۔

"دو کافی... میرا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ تم نے صرف دو لفظوں میں بات ختم کر دی جس بات کی وضاحت کی ضرورت تھی اس کی وضاحت تم نے کی نہیں اور جس کی ضرورت نہیں تھی اس کی وضاحت کر دی" تھامسن نے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک... ارے بھئی دیکھو نا۔ جب طاہر قتل ہوا اور میں اس کے قاتلوں کے پیچھے پڑ گیا تو اس وقت تک مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ معاملہ ہے کیا ہاں البتہ امرجیت سنگھ کے قتل سے میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ تمام کارروائی... کوئی بین الاقوامی تنظیم کر رہی ہے لیکن اس وقت میرا ذہن صرف اور صرف کے۔ جی۔ بی کی طرف جاتا تھا جو کہ طاہر کے قاتلوں کی کار سے برآمد ہونے والے پین نے اور پختہ کر دیا۔

"لیکن میں نے تو تمہیں بتایا بھی تھا کہ وہ پین امریکی ہے" تھامسن نے جیین کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بالکل درست کہا کہ وہ پین امریکی ہی تھا لیکن دوست کیا کوئی روسی امریکی پین حاصل نہیں کر سکتا!" جیین نے جب تھامسن کا سر اقرار میں ہلتے دیکھا تو دوبارہ بولا۔

"درحقیقت وہ پین ہی اہم کڑی ہے اسی سے مجھے دوسرے پہلو پر سوچنے کا موقع ملا۔"

"وہ کیا؟"

"جب تم نے کہا کہ یہ جال ہے تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر یہ پین جان بوجھ کر یہاں چھوڑا گیا ہے تو پھر ان لوگوں کا جو طاہر اور امرجیت سنگھ کے قاتل تھے، کیا مقصد ہوگا۔ ہنری مجھے کوئی اہم اطلاع دینے سے پہلے ہی مر گیا اور میری کار دھماکے سے اڑا دی گئی جس میں میرا دوست اور اس کی گرل فرینڈ جا رہے تھے۔ ان تمام کارروائیوں کے بعد اچانک میرا لائسنس منسوخ ہو گیا اور میری گرفتاری کے آرڈر بھی آ گئے لیکن تمہاری بروقت اطلاع سے میری ضمانت ہو گئی۔ ان تمام واقعات سے مجھے تامسا کے اوپر شک سا ہوا کہ کہیں وہ تو یہ سب کچھ نہیں کر رہا اور اس کی وجہ بھی میرے ذہن میں آ گئی کہ شاید ارشد چوہدری کوئی اہم دستاویزات لے کر فرار ہو گیا ہوگا۔ اس معاملے کی تصدیق کے لیے میں ارشد چوہدری کی بیوی کے پاس گیا اور اس سے اتنے عالی شان محل کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس کی اپنی جائداد کے علاوہ اس کے شوہر کی بھی وسیع و عریض جائداد ہے۔ پھر میں نے یہ نقطہ بھی خارج کر دیا کہ وہ اہم دستاویزات لے کر بھاگ گیا ہوگا۔ اب پھر میں وہیں کھڑا تھا جہاں سے چلا تھا لیکن مجھے ابھی تک اس کیس کا سرا پیر نہیں مل رہا تھا لیکن جب یہ لوگ کرسٹی کے پیچھے پڑے تو میں نے ائرپورٹ جاتے ہوئے ان کو فائرنگ کر کے رکنے پر مجبور کر دیا یعنی ان کی کار الٹ گئی اور ان کی تلاشی سے جو کاغذات برآمد ہوئے ان کی روشنی میں مجھ پر یہ حقیقت کھلی تو مجھے یہ سارا کیس ایک ڈراما لگا۔"

"اور کیا اب بتاؤ کہ پین کی سازش کیا ہے؟"

"ایک تو تم بات ضرور کاٹتے ہو... ہاں تو پین کا چکر اس طرح ہے کہ یہ جو جیبٹ میڈل ہے نا۔ یہ دراصل ایف بی۔ آئی کا آدمی ہے اور اسی نے امرجیت طاہر اور ہنری کو قتل کیا ہے۔ تمہیں یاد ہے کہ تینوں مقتولوں کی گردنوں پر گولی ماری گئی۔ ہاں تو دراصل میڈل نے جب طاہر کو قتل کیا تو میں اس کے تعاقب میں لگ گیا۔ ایک جگہ ہماری جھڑپ بھی ہوئی۔ اب ایک بات بتاؤ۔ کیا اگر وہ پین جس پر روسی زبان میں نام لکھا ہوا تھا نہ ملتا تو یہ کیس کس کا تھا۔

"مکمل طور پر سول پولیس کا" تھامسن نے نہ سمجھنے والے انداز میں جواب دیا۔

"اب اس کیس میں ایک غیر ملکی چیز کا استعمال ہوا ہے جو یقیناً مجرم کی ہے اور وہ ایسی چیز بھی نہیں کہ ہم لوگ سے درگزر کر دیں کہ غیر ملکی چیزیں تو کئی وارداتوں میں استعمال ہوتی ہیں کیونکہ وہ ایک پین تھا جو کسی فرد کی ذاتی تحویل میں میں رہتا ہے اور ساتھ پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا تو پھر یہ کیس کس کا بنا؟"

"ہوں... یہ کیس فیڈرل گورنمنٹ کا بن گیا کیونکہ اس میں ایسی چیز برآمد ہوئی جس کا تعلق ملک سے باہر ہو جاتا ہے۔ اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں" تھامسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

www.taemeernews.com

"ہاں تو یہ سلا چکر۔ اس بیڈل نے اس لیے چلایا کہ یہ کیس، ہاں تمہارے پاس تو صرف طاہر کا کیس تھا نا تو جناب تھامسن انھوں نے روسی زبان میں تحریر والا بین جان بوجھ کر وہاں پھینکا تا کہ یہ کیس خود بخود ایف۔ بی۔ آئی کو مل جائے۔ اس طرح پولیس اس پر مزید تحقیق نہ کر سکے۔۔۔ ٹھیک۔۔۔" جیبن نے تھامسن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا جواب میں تھامسن نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب آؤ اس آدمی کی طرف جو آفس میں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا کہ یہ تمام رپورٹیں لے جائے اور تم اس پر حیران تھے کہ انہیں کیسے پتا چلا تو جناب یہ تمام کا تمام ڈراما انھوں نے خود ہی اسٹیج کیا تھا اس لیے وہ وہاں پہلے ہی سے موجود تھے"

"بالکل درست۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ ایف۔ بی۔ آئی کرا رہی ہے۔"

"یس۔۔ صرف ایف۔ بی۔ آئی اور ناسا ہی نہیں بلکہ حکومت بھی اس میں ملوث ہے۔"

"یس۔۔۔ دس از کریکٹ۔" تھامسن نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ دونوں کی کافی ختم ہو چکی تھی۔

"تو پھر اس سارے چکر کا مقصد کیا ہے؟"

"معلوم نہیں۔۔۔ لیکن یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ حکومت کرا رہی ہے اور بیڈل ہی وہ روشنی کی لکیر ہے جو ہمیں اس تاریک اندھیرے سے نکال سکتا ہے۔" جیبن نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"لیکن جیبن تمہاری گاڑی کی تباہی کی خبر کیوں دبائی گئی؟" تھامسن نے دریافت کیا۔

"شاید اس لیے کہ حکومت اس معاملے کو دبانا چاہتی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے یہ معاملہ دب بھی جاتا اگر مسز ارشد چوہدری میرے پاس نہ آ جاتی۔" جیبن نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں چلے؟" تھامسن بھی اٹھ گیا۔

"معلوم نہیں لیکن تم اب گھر جاؤ اور گھر جانے سے پہلے چالان کرواتے جانا تاکہ اگر تم سے پوچھ گچھ ہو کہ اتنی تیز کار کیوں دوڑائی تو مقصد بتا دینا کہ بیوی بیمار تھی اور تمہارا چالان بھی ہوا ہے۔" جیبن نے کاؤنٹر پر بل ادا کرتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو یار تم نے اچھی تجویز دی ہے، بائی۔"

"گڈ نائٹ۔" جیبن نے ہولے سے کہا اور تھامسن کی مخالف سمت میں چل پڑا۔ رات آہستگی سے اپنی باہیں پھیلائے انتہائی سرد وجود کے ساتھ واشنگٹن ڈی۔ سی پر چھائی جا رہی تھی۔

☆

سیاہ لیموزین شاہراہ سے اتر کر ایک چھوٹی سی سڑک پر درمیانی رفتار سے چلتی گئی۔ جنگل ہونے کی وجہ سے ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ حالانکہ چرند پرند دنیا کے ہنگاموں سے بے پروا اپنی ہی ذات میں مست تھے۔ صبح کے چھ بج چکے تھے۔ کہر کی وجہ سے ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔ اگر گاڑی میں ہیٹر نہ ہوتا تو یقیناً گاڑی میں موجود چاروں افراد کے دانت بج رہے ہوتے۔ لیموزین جیسے ہی چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچی تو سامنے قلعہ نما گھر واضح ہوتا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد گاڑی قلعہ نما گھر کے طویل و عریض ڈرائیو وے سے گزرتی ہوئی بڑے سے پورچ میں رک گئی۔ گاڑی سے تین افراد تیزی سے اترے جبکہ چوتھا گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر ہی بیٹھا رہا۔ تینوں، پانچ زینے طے کر کے بڑے سے صدر دروازے پر آ رکے تینوں بلا جھجک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ اب تینوں ایک وسیع و عریض ہال میں کھڑے تھے جس کی آرائش بڑی محنت سے کی گئی تھی۔ وسیع و عریض کھڑکیوں سے ابھی پردے نہیں ہٹائے گئے تھے۔ اس لیے چھت پر لگے نفیس و خوبصورت فانوس دن کا اجالا پیش کر رہے تھے۔ تینوں خاموشی سے کھڑے ہال کی آرائش کا جائزہ لے رہے تھے کہ سامنے کے دروازے سے ایک درمیانی عمر کی عورت داخل ہوئی اور دور سے ہی مسکرا کر اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے نرم آواز میں بولی "خوش آمدید جوانو۔ مجھے لیڈی انجلا کہتے ہیں۔"

"تھینک یو مائی ڈیئر لیڈی۔" درمیانے قد کے نوجوان نے ذرا سا خم ہو کر کہا۔

"مارشل گیا نا ڈی۔" طویل قامت شخص نے ذرا سا خم ہو کر کہا۔

"بیڈل۔۔۔ بیڈل آر جے۔" دوسرے طویل قامت

www.taemeernews.com

شخص نے اینجلا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"گڈ... آؤ، تم لوگ بیٹھو۔ میں اطلاع کر رہی ہوں..."

اینجلا براؤن نے مسکرا کر تینوں کو صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جو ہال کے مشرقی کونے میں پڑے تھے اور خود واپس اُسی دروازے میں غائب ہو گئی جس سے داخل ہوئی تھی۔

تینوں خاموشی سے بیٹھے ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔

"یار ہم لوگ تو اس طرح خاموش بیٹھے ہیں جیسے اجنبی ہوں۔" بیک مین نے ہنستے ہوئے سب سے پہلے زبان کھول کر خاموشی کو توڑا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں بلکہ صبح سویرے جاگنا پڑا۔ اس لیے ابھی تک حواس درست نہیں ہوئے۔" بیڈل نے طویل جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"خیر میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن میں اس بات پر حیران ہوں کہ چیف نے ہمیں اپنے مضافاتی گھر میں کیوں بلا لیا۔" بیک مین دوبارہ بولا۔

"معلوم نہیں لیکن تھوڑا سا صبر اور کریں گے تو معلوم ہو جائے گا۔" مارشل نے بے زاری سے جواب دیا۔

"لگتا ہے جینی کی ڈانٹ سن کر آیا ہے۔" بیڈل نے مسکرا کر کہا۔

"جب تم شادی کرو گے تو پوچھوں گا۔" مارشل کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ایک خوبصورت ملازمہ کافی کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ان کے سامنے آئی

"آپ لوگ کافی نوش کریں سر تشریف لا رہے ہیں... انہیں اطلاع کر دی گئی ہے۔" ملازمہ نے ادب سے کہا اور کھڑکیوں سے تمام پردے ہٹا دیے پھر خاموشی مگر تیزی سے ہال سے نکل گئی۔ پردوں کے ہٹنے سے دن کی فرحت بخش روشنی اندر آنے لگی۔ ملازمہ کے جاتے ہی تینوں کافی پر یوں ٹوٹے جیسے صدیوں سے پیاسے ہوں۔

"گڈ مارننگ ینگ بوائز۔" پچاس، باون برس کا طویل قامت سنہرے بال اور بڑی دلکش آنکھوں والا شخص سلیپنگ گاؤن پہنے ہال میں داخل ہوا۔ تینوں احتراماً اپنی نشستوں سے اٹھ گئے۔

"بیٹھو۔" پروقار اور بُردبار شخص نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو سر۔" مارشل آہستگی سے بولا جبکہ بیڈل اور بیک مین خاموشی سے بیٹھ گئے۔

"بیک کافی بناؤ۔"

بیک مین نے اثبات میں سر ہلایا اور خاموشی اور تندہی سے کافی تیار کرنے لگا۔

"ہاں سب سے پہلے تو یہ بتا دوں کہ تمہیں یہاں بلانے کی وجہ کیا ہے۔ دراصل بیڈل پچھلے اٹھائیس گھنٹوں سے تمہارا تعاقب ہو رہا ہے جس سے مجھے یہ شک گزرا ہے کہ شاید سی۔ آئی۔ بی کو ہمارے اس کیس کی تھوڑی بہت بھنک پڑ گئی ہے جس کی وجہ سے تم لوگوں کو گھر بلانا پڑا۔"

"لیکن سر تعاقب کرنے والے جیسن کے ساتھی بھی ہو سکتے ہیں۔" بیڈل گھبرا کر بولا جیسے اس تعاقب میں سارا قصور اسی کا ہے۔

"نہیں جیسن بورن ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ کل شام پانچ بجکر انیس منٹ پر مارشل کو ڈاج دے گیا اور تم دونوں جانتے ہو کہ اس کے ساتھ کون تھا؟" پروقار شخص نے انتہائی سنجیدگی سے دریافت کیا۔ بیڈل اور بیک مین نے نفی میں سر ہلایا جب کہ مارشل کی حالت ایسے چور کی سی ہو رہی تھی جیسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا ہو۔

"انسپکٹر تھامسن اس کے ساتھ تھا۔" پروقار اور بردبار شخص نے کافی ختم کر کے مگ بیک مین کو دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن لیکن سر کے۔ جی۔ بی کو کیسے علم ہو سکتا ہے؟" مارشل نے تھوک نگلتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"اچھا سوال ہے۔ اسی بات کی وجہ سے تو اس لیے پھنسا گیا کہ یہ کیس با آسانی ایف۔ بی۔ آئی یعنی ہمیں مل جائے۔ اس کے علاوہ بیڈل کی اس عادت نے بھی کافی شک پیدا کیا۔ یہ ہمیشہ فائر گردن پر کرتا ہے کتنی بار کہا ہے کہ کبھی کبھی دل کے مقام پر بھی فائر کیا کرو۔"

"سر اب کیا حکم ہے؟" بیک مین نے خشک لہجے میں دریافت کیا۔

"جتنی جلد ہو سکے یہ کام ختم کر دو۔ رشید چوہدری کی نعش کارہمیت منظر عام پر لے آؤ ورنہ خود ہی یہ معاملہ دبا دو۔ میرے خیال میں ارشد چوہدری کی لاش ملتے ہی جیسن خاموش ہو جائے گا۔ ویسے بھی اس کا لائسنس منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر وہ خاموش نہ ہوا تو کچھ اور کرنا پڑے گا۔"

"آل رائٹ سر۔"

www.taemeernews.com

"اب تم لوگ جاؤ۔ میرا ڈرائیور تمہیں جنگل کے راستے ایک چھوٹے سے قصبے میں چھوڑ آئے گا۔ وہاں سے تم بس یا ٹرین سے چلے جانا۔ میں اس معمولی سے کیس کی وجہ سے ملک کی بدنامی نہیں چاہتا۔"

"او۔ کے سر اینڈ گڈ بائی۔" تینوں یک زبان ہو کر بولے اور اپنے صوفوں سے اٹھ کر ہال کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ بوڑھے شخص کی آواز کی سنے ان کے قدم وہیں جما دیے۔

"اس کیس کے ختم ہونے کے بعد تم تینوں کو سزا بھی دی جائے گی۔ جرم تمہیں معلوم ہی ہے۔"

"لیکن سر میرا کیا جرم ہے؟" بیک مین نے گھبرا کر دریافت کیا۔

"تم جو کہ اس کیس کے انچارج بنائے گئے ہو۔ کرسٹی کو اغوا کرنے کے لیے اتنے نکمے آدمی بھیجے جو کہ دو گھنٹے کار میں بیٹھے اپنا وقت ضائع کرتے رہے جب کہ اگر وہ پہلے ہی کرسٹی کو اغوا کر لیتے تو جیمسن درمیان میں ٹانگ ہی نہ اڑاتا۔ اب نتیجہ دیکھو۔ کرسٹی جنیوا چلی گئی اور تمہارے ایک آدمی کی جان چلی گئی۔" بوڑھے شخص نے جھنجلا کر جواب دیا۔ بیک مین خاموشی سے سر جھکا کر چل پڑا۔ مارشل اور ہیڈل بھی اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

"یہ بڈھا ڈائرکٹر جنرل بھی بڑا تیز ہے۔ ہر کسی کی خبر رکھتا ہے۔" مارشل نے پھیپھڑوں سے طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"لومڑی ہے۔" ہیڈل نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔

"شاید اسی لیے ایف۔ بی۔ آئی کا ڈائرکٹر جنرل بنا ہے۔" بیک مین نے سرگوشی کی۔ در حقیقت وہ اپنے باس کو کافی حد تک پسند کرتا تھا۔ اس وقت وہ تینوں جیپ میں بیٹھے کچی سڑک پر ہچکولے کھاتے ہوئے جنگل سے گزر رہے تھے۔

"سنو بیک۔ اب جیمسن خبیث کو کیسے تلاش کریں گے؟" ہیڈل نے کسی خیال کے تحت اچانک پوچھا۔

"جواب دینے سے پہلے میری طرف سے بھی جیمسن کو اُلو کے پٹھے کا خطاب دے دینا۔" مارشل نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ہیڈل اور بیک مین مسکرا دیے۔

"جب ارشد کی لاش اور کار برآمد ہوں گی تو جیمسن بھی وہاں آئے گا اور وہیں سے اسے ٹریس کریں گے۔" بیک مین نے جیپ کی کھڑکی سے جنگل پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ خزاں

آتشِ گل

انتخاب
عامرہ زوحی - لاہور

رُخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیٔ شمع
ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیٔ شمع
(غالب)

○

لطیف طبع کو لازم ہے، سوزِ غم بھی لطیف
چمن میں آتشِ گل کا کہیں دھواں نہ ملا
(جگر مراد آبادی)

○

چمن آتشِ گل سے دہکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
(میر حسن)

○

قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں
چمن میں آتشِ گل سے نکھار کا موسم
(فیض احمد فیض)

○

اُٹھتے ہوئے دیکھا ہے دُھواں آتشِ گل سے
کیا نکہتِ برباد جلے دل کی فغاں ہے
(ادا جعفری)

○

www.taemeernews.com

کی وجہ سے جنگل میں ہر چیز پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

تھامسن بے چینی سے جیسن کی کال کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ جیسن نے جاتے ہوئے اُسے کال کرنے کو کہا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ تھامسن یوں جھپٹا جیسے بلّی چوہے پر جھپٹتی ہو۔ "یس تھامسن اسپیکنگ۔"

"خیریت سے گھر پہنچ گئے تھے؟"

"ہاں۔۔ جیسن ایک اہم خبر تھی ویسے تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔"

"ہوں کیا خبر ہے؟"

"ارشد چودھری مل گیا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس کی لاش برآمد ہوگئی ہے مع گاڑی کے۔"

"کیا۔۔۔کیا؟" جیسن پر تو جیسے بم پھٹا تھا۔

"یقین کرو۔" تھامسن سمجھا جیسے جیسن اس کی بات پر یقین نہیں کر رہا ہے پھر تھامسن کو جیسن کی لمبی ہوں سنائی دی لیکن تھامسن خاموش ہی رہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"وہ، مائیکل کا فون آیا تھا۔"

"مائیکل۔۔۔ یہ وہی مائیکل فوکس ہے نا جو اس کیس کی تفتیش کر رہا ہے؟" جیسن نے سوالیہ انداز میں دریافت کیا۔

"آف کورس یہ وہی ہے۔"

"تو اس نے تمہیں کیسے اطلاع کر دی؟"

"کیا مطلب؟" تھامسن گڑبڑا گیا۔

"یہی کہ کیا تم میں سرخاب کے پر لگے ہیں کہ اس نے بطور خاص تمہیں اطلاع دی ہے۔" اب تھامسن کے حیران ہونے کی باری تھی۔

"ہا۔۔۔ہاں یہ تو ہے۔"

"لاش کہاں ہے؟"

"شہر کے مغربی کونے کی طرف جہاں جنگل ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔"

"ارے، ارے جیسن یہ تو بتاؤ کہ اس نے مجھے کیوں اطلاع دی؟"

"خود ہی سوچو کیا تم وہ واحد آدمی نہیں ہو جو کہ مجھ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔"

"اوہ ہاں۔۔۔ یہ تو ہے لیکن مجھے کیوں نہیں یاد رہا۔" تھامسن نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"اس لیے کہ تمہیں ارشد علی چودھری کی لاش ملنے کی۔۔۔ حیرت نے دہ کر دیا تھا۔ گڈ بائی۔" جیسن نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا پھر فون بوتھ سے نکل آیا۔

"ہوں تو اب اس طرح مجھے تلاش کرو گے۔" جیسن نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر سامنے سے آنے والی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے رُکنے کا اشارہ کیا۔ ٹیکسی اس سے چند قدم آگے جا کر رُک گئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی سے سر نکال کر سوالیہ انداز میں ہلایا۔

"شہر کے مغربی کنارے پر جو جنگل ہے اس کے ساتھ ایک ریستوران ہے۔۔۔ کیا نام ہے؟"

"وہاں تو کوئی ریستوران نہیں ہے ہاں البتہ پارک میں ایک چھوٹا سا کیفے ٹیریا ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے گھورتے ہوئے کہا۔

"اسی کے متعلق تو تم سے کہہ رہا ہوں۔" جیسن نے ہنستے ہوئے کہا اور ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے خاموشی سے میٹر ڈاؤن کیا اور گاڑی کو گیئر میں ڈال دیا۔ بیس منٹ بعد ٹیکسی شہر کے مغربی کنارے پہنچی۔ ابھی وہ جنگل سے پانچ منٹ کی مسافت پر تھے۔ اتنی تاخیر ہونے کی وجہ سے سڑکوں پر رش بہت زیادہ تھا۔ صبح کے نو بج گئے تھے لیکن کہر جوں کی توں تھی اور جیسن بھی اسی کہر کی وجہ سے جائے حادثہ پر جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا کیونکہ دھند کی وجہ سے تعاقب کرنے والوں کو آسانی سے ڈاج دی جا سکتی تھی۔ جیسن نے آہستگی اور پیار سے اعشاریہ تین پانچ کے ریوالور کو تھپتھپایا جو کہ اس کی جیکٹ کی جیب میں موجود تھا۔

"یہ ہجوم کیسا ہے آگے گاڑی نہیں جا سکتی۔" ٹیکسی ڈرائیور نے سڑک کے کنارے پر موجود ہجوم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا جس نے تمام سڑک روک رکھی تھی۔ پولیس کاریں اور ایمبولینس کھڑی تھیں۔

"او کے یہیں اتار دو۔" جیسن نے بل دیتے ہوئے کہا اور ٹیکسی سے اتر آیا پھر تیزی سے چلتا ہوا ہجوم میں شامل ہو گیا۔ وہ انتہائی ہوشیاری سے چاروں طرف دیکھتا جا رہا تھا تاکہ کوئی مشکوک قسم کا آدمی تلاش کر سکے جو کسی کی نگرانی یعنی خود اس کی نگرانی کر رہا ہو لیکن ابھی تک اُسے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا تھا وہ ہجوم میں راستہ بناتا ہوا آہستگی سے آگے بڑھتا گیا۔ آخرکار وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے گاڑی صاف

www.taemeernews.com

نظر آتی تھی لیکن لاش کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ جیمین دانستہ کچھ آدمیوں کے پیچھے ہی رہا تا کہ کوئی اُسے دیکھ نہ سکے۔

"کیا ماجرا ہے؟" جیمین نے پُرتجسس لہجے میں دریافت کیا۔

"معلوم نہیں کون ہے۔ یہ مرسڈیز سڑک کی ڈھلوان پر اُلٹی ہوئی تھی اور اس میں یہ شخص مردہ پڑا تھا۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہ پہلے ہی کا مرا ہوا ہے۔ میں نے لاش تو دیکھی نہیں!"

"میں نے دیکھی ہے۔" ایک اور شخص نے سسپنس پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "انتہائی خوفناک حالت میں تھی۔ اف خدایا...!"

جیمین خاموشی سے اس کا مُنہ دیکھ رہا تھا۔ یکایک اُسے یہ احساس ہوا کہ جیسے کوئی اسے گھورے جا رہا ہو۔ جیمین نے غیر محسوس طور پر سر گھما کر دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے دماغ میں بجلی سی کوندی تھی۔

ہنری کے قتل کے عینی گواہ کا بیان اپنے سامنے نظر آنے لگا۔ لمبا قد، ٹانگیں دھڑ سے زیادہ لمبی، سنہرے بال، سنہری مونچھیں۔

"ہوں تو تم بیڈل ہو!" جیمین نے قدرے اونچی آواز تک کہا۔

"کیا کہا؟" حیرت زدہ نوجوان نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" جیمین نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "تو میرا یہاں آنے کا مقصد پورا ہو گیا۔ تمہارا دیدار اچھا شگون ہے مسٹر بیڈل!" جیمین نے زیرِ لب ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

دونوں ایک دوسرے کو مسلسل گھورے جا رہے تھے۔ جیمین کسی خیال کے تحت مسکرا دیا۔ اس نے اطمینان سے ریوالور نکالا اور سامنے سر سے بلند کیا۔ بیڈل یہ تمام کارروائی دیکھ کر بوکھلا گیا۔ جبکہ حیرت زدہ نوجوان نے بھی جیمین کو ریوالور نکالتے دیکھ لیا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

"ریو... ریو... ریوالور..."

"کک... کہاں؟"

"اسی کے ساتھ کھڑے شخص نے فوراً ادھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا لیکن پھر اُسے بھی اس کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اس نے بھی جیمین کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ لیا تھا۔

ابھی اس کی چیخ حلق میں ہی تھی کہ جیمین نے اطمینان سے فائر کر دیا۔ فائر ہوتے ہی ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی اور جیمین کو یہی چاہیے تھا۔ وہ تیزی سے ہجوم میں شامل ہو گیا جو پارک میں پناہ لینے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ بیڈل لوگوں کے دھکوں، کہنیوں، اور ٹھوکروں کے باوجود اسی جگہ کھڑا جیمین کو تلاش کرتا رہا لیکن اُسے جیمین کی صرف ایک جھلک نظر آئی جب وہ پارک کی طرف بھاگ رہا تھا۔ وہاں موجود تمام پولیس فورس نے تیزی سے ہجوم کا گھیراؤ کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اسے اس میں ناکامی ہوئی کیونکہ پولیس فورس صرف پانچ آدمیوں پر مشتمل تھی۔

بیڈل کسی کی پروا کیے بغیر کہ اس کے جوتوں تلے کون آ رہا ہے بھاگتا ہوا پارک کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی ہجوم پارک کی چھوٹی سی دیوار کے پاس پہنچا تو جیمین آہستگی سے ہجوم سے کٹ کر گاڑیوں کی اس لائن میں غائب ہو گیا جو سڑک بلاک ہونے کی وجہ سے لگی ہوئی تھیں۔ جیمین پشت کے بل تیزی سے جھک کر بھاگتا ہوا جائے حادثہ سے دور نکلتا چلا گیا۔

بیڈل جب پارک کی دیوار کے پاس پہنچا تو ہجوم پارک میں پناہ لے چکا تھا۔ جب کہ چاروں طرف کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ دس پندرہ قدم تک تو نظریں ساتھ دے رہی تھیں لیکن اس سے آگے دھند کا پردہ تھا۔ بیڈل جھنجلا گیا۔

"سالا بھاگ گیا!" بیڈل نے واپس آکر کہا۔

"میرے خیال میں تم نے ابھی تک شادی نہیں کی!" بیک مین نے چشمہ اتارتے ہوئے بیڈل کو چڑانے کے لیے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تمہارا سالا تو شادی کے بغیر پیدا ہو ہی نہیں سکتا!"

"اوہو۔ ایک تو تم بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہو!" بیڈل نے غصے سے دانت چباتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں میں نہیں تم بات کا بتنگڑ بناتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ جیمین کے پیچھے آل ریڈی ہمارے آدمی ہیں تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے کہ وہ تمہیں چکر دے کر نکل گیا؟" بیک مین نے چشمہ دوبارہ ناک پر جماتے ہوئے کہا پھر مارشل کو اپنی طرف بلایا جو کہ لاش کو ایمبولینس میں رکھوا رہا تھا۔

"ہاں کیا بات ہے؟"

"اسے بتایئے کتنے آدمی ہجوم میں اپنے تھے؟"

"دس!"

"دس... یعنی کہ آدھا ہجوم تو اپنے آدمیوں کا تھا!" بیڈل نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"یقیناً لیکن تم نے نہیں بتایا تھا!" مارشل نے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ضروری نہیں سمجھا۔" بلیک مین نے آہستگی سے جواب دیا۔ بیڈل کو ناگوار ہوا لیکن اس نے اس کی پروا نہیں کی بلکہ اس پولیس مین کو دیکھنے لگا جو ٹریفک کو کنٹرول کر رہا تھا۔

"میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔"

"کیوں۔ کیا مطلب؟ ارشد چوہدری کی لاش دیکھنے آیا تھا اور کیا کرنے آتا۔" بیڈل نے مارشل کی بات کا جواب دیا۔

"نہیں وہ تمہیں دیکھنے آیا تھا۔ آؤ چلیں ہمارے آدمیوں کی رپورٹ ہیڈکوارٹر پہنچ گئی ہوگی۔" بلیک مین نے بیڈل کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

"بیڈل کو دیکھتے؟" مارشل نے دونوں کے ساتھ چلتے ہوئے دریافت کیا۔

"ایک خدشہ ہے اگر سچ ثابت ہوا تو تمہیں بتاؤں گا... چلو جلدی چلو ابھی باس کو بھی رپورٹ کرنی ہے۔" بلیک مین نے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ بیڈل اور مارشل خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

*

جیمن مسلسل دو بلاک تک بھاگتا رہا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بس اسٹاپ پر پہنچا۔ اسٹاپ پر کھڑے ہو کر اپنی سانس درست کی اور بس کے انتظار میں کھڑے ہجوم کا گہری نظر سے جائزہ لیا لیکن اسے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس پر اسے شک ہوتا۔ دس منٹ کے انتظار کے بعد بس آئی۔ وہ اطمینان سے اس میں سوار ہو گیا۔ بس میں بیٹھ کر دوبارہ تمام مسافروں کا جائزہ لیا پھر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ بس مین مارکیٹ میں پہنچی جہاں سے سب وے اسٹیشن ایک بلاک دور تھا۔ جیمن اتر گیا۔ وہ مکمل اطمینان کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ سب وے اسٹیشن تک پہنچنے میں اس نے دس منٹ صرف کیے اور ان دس منٹوں میں یہ معلوم کر لیا کہ ایک درمیانی عمر کی عورت جو کوئی پینتیس چالیس سال کی بس اسٹاپ سے مسلسل اس کے ساتھ تھی جیمن کو اطمینان ہو گیا کہ یہ بڑھیا اس کا تعاقب کر رہی ہے اس سے نمٹنا نسبتاً آسان ہوگا۔ جب اسے سب وے اسٹیشن کا گیٹ نظر آیا تو اس نے اچانک دوڑ لگا دی اور پلک جھپکتے ہی بھیڑ میں اوجھل ہو گیا۔ جب وہ گاڑی میں سوار ہوا اور اس نے کھڑکی سے پیچھے مڑ کر نظر ڈالی تو اس کی آنکھیں حیرت کے مارے ابل پڑیں۔ بڑھیا نہایت پھرتی سے اچک کر ٹیوب میں سوار ہو گئی۔

"اوہ گاڈ... یہ آنٹی پھرتیلی اور خطرناک ہے بچنا چاہیے۔" جیمن زیر لب بڑبڑایا اور تیزی سے نشستوں کے درمیان سے ہوتا ہوا دوسرے ڈبے میں چلا گیا۔ بڑھیا بھی مسلسل اسی کے تعاقب میں تھی۔

دوسرے اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے دونوں آگے پیچھے گاڑی کے آخری ڈبے تک پہنچ گئے۔ غروب جیسے ہی... پلیٹ فارم کے ساتھ کھڑی ہوئی جیمن چھلانگ لگا کر پلیٹ فارم پر دوڑنے لگا۔ بڑھیا بھی کسی چھلاوے کی طرح مسلسل اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ جیمن تیزی سے سڑک پر آیا اور ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بھاگا لیکن پھر رک کر مخالف سمت کی طرف بھاگتے ہوئے پھولی ہوئی سانس میں آہستگی سے بڑبڑایا۔ "تجھے بھگا بھگا کر ہی تھکاؤں گا۔"

پلیٹ فارم سے نکل کر جب بوڑھی عورت سڑک پر پہنچی تو جیمن رک کر مخالف سمت میں بھاگتا نظر آیا۔ بوڑھی عورت نے اپنی رسٹ واچ ہونٹوں کے قریب کی اور بٹن دبا کر بولی۔ "فورٹی ٹو... رپورٹ... جیمن بورن پندرھویں سب وے سے نکل کر تھرٹی فور بلاک کی طرف بھاگتا ہوا گیا ہے۔ میں ٹیکسی پر اس کا تعاقب جاری رکھوں گی جب تک تم اسے دیکھ نہیں لیتے... اوور اینڈ آل۔" بڑھیا نے رسٹ واچ کا بٹن دوبارہ اس کی اصل حالت میں کر دیا اور ٹیکسی اسٹینڈ سے ایک ٹیکسی لے کر جیمن کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔

✤

"رپورٹ؟" بلیک مین نے آفس میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"سر فورٹی ٹو نے جیمن بورن کو پندرھویں سب وے سے نکل کر تھرٹی فور بلاک کی طرف بڑھتے دیکھا ہے اور اس نے فورٹی تھری کو اطلاع کر دی ہے جب کہ خود بھی تعاقب میں لگی ہوئی ہے۔" وائرلیس آپریٹر نے بلیک مین کو تمام تفصیل بتائی۔

"گڈ... گڈ ورک... جیمن بورن فورٹی تھری کو جیسے ہی نظر آئے فورٹی ٹو کو منظر سے ہٹا دو۔"

"او کے سر۔"

"میرے خیال میں ہمیں جیمن کے تعاقب میں جانا چاہیے۔"

بیڈل نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے بیک مین سے کہا۔
"تم... تم تو اسے وہاں نہ پکڑ سکے یہاں کیسے پکڑو گے۔ ویسے بھی تمہیں بھیجنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا فی الحال کافی پی جائے تو بہتر ہے۔" بیک مین نے طنزیہ لہجے میں بیڈل کو چڑاتے ہوئے کہا۔
بیڈل جھنجلا گیا لیکن خاموش رہا جب کہ مارشل صرف مسکرا دیا۔
"تم نے باس کو رپورٹ نہیں کی؟" مارشل نے اچانک یاد کرتے ہوئے دریافت کیا۔
"تھینک یو مائی فرینڈ۔ تم نے یاد کرا دیا۔ تم کافی تیار کرو میں ابھی بتا کر آیا۔" بیک مین اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے بولا۔

جیمن نے تقریباً ایک بلاک تیز تیز قدم اٹھا کر عبور کیا اور پھر گردن گھما کر جب پیچھے دیکھا تو بوڑھی عورت غائب تھی۔ جیمن وہیں رک گیا پھر تیزی سے ایک گھر کے دروازے کے ساتھ پناہ لی تاکہ اگر بڑھیا اب بھی تعاقب کر رہی ہو تو اسے معلوم ہو جائے لیکن مسلسل دس منٹ تک وہاں کسی بت کی مانند کھڑے رہنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔
تو کیا کوئی اور ؟ جیمن نے سوچا اور تیزی سے دائیں بائیں دیکھنے لگا کہ کوئی اور ایسا شخص نظر آ جائے لیکن اس چھوٹی سی گلی میں اسے کوئی بھی ذی روح نظر نہ آیا۔ وہ طویل سانس لے کر دوبارہ چل پڑا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار تھا اور اپنے آگے کی فکر کے علاوہ پیچھے کی فکر بھی کر رہا تھا۔ چھوٹی سی گلی کراس کر کے دوبارہ مین روڈ پہ آ گیا۔ یہاں پہ اس نے زیادہ توجہ اور باریک بینی سے اطراف کا جائزہ لیا لیکن اسے کوئی مشکوک شخص نظر نہیں آیا۔

"سر فورلی تھری کی کال ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔" وائرلیس آپریٹر نے بیک مین کے آفس میں آ کر کہا۔
"او۔ کے میں آ رہا ہوں۔" بیک مین نے کہا اور تیزی سے اٹھ گیا جب کہ بیڈل اور مارشل بھی اسی کے ساتھ اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یس فورلی تھری۔ بیک کالنگ یو!"
"سر جیمن بورن بہت عیار اور چالاک ہے۔ ایک ایک فرد کا اس کے تعاقب میں لگانا سراسر زیادتی ہے۔ وہ فوراً ہی معلوم کر لیتا ہے کہ اس کا تعاقب..."
"تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟" بیک مین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔
"سر کم از کم تین آدمی تو ہونے چاہئیں!"
"او۔ کے تین آدمی اور پہنچ رہے ہیں۔ اوور اینڈ آل۔" بیک مین نے وائرلیس سیٹ آپریٹر کو واپس دیتے ہوئے کہا۔
"میرا خیال ہے اپنے آدمی بہتر کام کر رہے ہیں!" مارشل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔
"یقیناً... دیکھو فورٹی فور فورٹی فائیو اور فورٹی سکس کو فوری طور پہ جیمن کے پیچھے بھیج دو اور سختی سے ہدایت دینا کہ اسے تعاقب کا شبہ نہ ہو۔"
"او۔ کے سر!"
"آخر تم ہمیں کیوں نہیں بھیجتے؟" بیڈل نے دوبارہ وہی

ساون کا اندھا

دودھ والے نے گھنٹی بجائی تو شوہر کی آنکھ کھل گئی بیوی گہری نیند سو رہی تھی اس لئے شوہر نے سردی کی وجہ سے جلدی میں بیوی کی شال اوڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ دودھ والے نے اسے دودھ دیا اور ساتھ ہی اسے لپٹا کر چوم لیا۔ شوہر ہنستا ہوا اپنی مسہری پر جا لیٹا۔ بیوی نے نیند بھری آواز میں پوچھا۔
"ہنس کیوں رہے ہو۔۔۔؟"
شوہر نے جواب دیا۔۔۔"ابھی ابھی بڑے مزے کی بات ہوئی۔ میں تمہاری شال اوڑھ کر دودھ والے سے دودھ لینے چلا گیا تو اس نے مجھے چوم لیا۔ میرا خیال ہے اس کی بیوی کے پاس بھی ایسی ہی شال ہوگی جیسی تمہاری ہے۔"

غلام شبیر

www.taemeernews.com

سوال دہرایا۔

"ابھی تمہارا وقت نہیں آیا!" بیک مین بیڈل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پُراسرار لہجے میں کہا اور اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔ بیڈل اور مارشل ایک دوسرے کو دیکھ کر کندھے اچکا کر رہ گئے پھر وہ دونوں بھی خاموشی سے اس کے پیچھے آفس کی طرف چل پڑے۔

◆

جب اُسے اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ اب کوئی اس کے تعاقب میں نہیں ہے تو اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں سوار ہو کر ایک جانب روانہ ہو گیا۔ جس وقت جیمین کی ٹیکسی حرکت میں آئی تو بیک وقت دو کاریں اور ایک ٹیکسی بھی پارکنگ پلاٹ سے سڑک پر آ گئیں۔ تھوڑی دور تک ٹیکسی کا تعاقب جاری رہا پھر ایک کار ٹیکسی کو کراس کر کے اس کے آگے آ گئی جب کہ ایک کار جیمسن کی ٹیکسی کے پیچھے ہی رہی۔

مسلسل بیس منٹ تک یہ تعاقب جاری رہا جب کہ اگلی کار اچانک ٹیکسی کے مخالف سمت میں مڑ گئی تھی اور ابھی تک دوبارہ نظر نہیں آئی تھی۔ پچھلی کار کچھ دیر بعد اپنے پیچھے آنے والی ٹیکسی کو آگے کر کے خود اس کے پیچھے چل گئی۔ جیمین جب واپس اپنے آفس کے پاس پہنچا تو وہ کافی حد تک مطمئن ہو گیا کہ اس کا پیچھا نہیں کیا گیا تھا اس نے ٹیکسی اپنے آفس سے ایک بلاک پہلے ہی رکوائی اور کرایہ دے کر اتر گیا۔ جب کہ دوسری ٹیکسی سے بھی ایک شخص اس سے کچھ فاصلے پر اتر گیا دوسری کار جو کہ ٹیکسی کے پیچھے تھی ایک ایسی جگہ کھڑی ہو گئی جہاں سے زیادہ سے زیادہ علاقہ نظر میں رہے۔

کار میں بیٹھے ہوئے دو میں سے ایک نے جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا ٹرانسمیٹر میں فریکوئنسی سیٹ کی اور اُسے ہونٹوں کے قریب لے جا کر بولا۔ "فورٹی سکس کالنگ... فورٹی سکس!"

"یس فورٹی سکس کالنگ... واٹ از پوزیشن؟"

"فورٹی سکس، جیمین لورن اپنے آفس سے ایک بلاک پہلے ہی اتر گیا ہے۔ ہم اس پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ تم فوراً مخالف سمت سے اس کے آفس پہنچ جاؤ تاکہ جب وہ اپنے آفس کے پاس پہنچے تو ہم اس پر نظر رکھ سکیں... ویسے تم ہم سے کتنے فاصلے پر ہو؟"

"صرف ڈھائی منٹ کے!"

"اوکے فوراً پہنچو... اوور اینڈ آل!" فورٹی فور نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

◆

جیمین احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا اپنے آفس کی طرف بڑھا اب اُسے اطمینان تھا کہ اس علاقے میں جو بھی واقعہ ہو گا وہ یہ دیکھتا تھامسن کے پاس جائے گا اس لیے وہ مطمئن انداز میں ایسے فون بوتھ کے پاس آ کر رک گیا جس سے اسے اپنے آفس کی عمارت با آسانی نظر آ رہی تھی۔ یہ فون بوتھ عمارت کے بالکل سامنے سڑک کی دوسری طرف تھا۔ جیمین نے بوتھ میں داخل ہو کر سکہ اندر ڈالا اور تھامسن کا نمبر ملانے لگا۔ بیل بجی گھنٹی پر تھامسن نے ریسیور اٹھا لیا جیسے وہ اس کے انتظار میں بیٹھا ہو۔ جیمین نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اُسے کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آئی جو اس پر توجہ دے رہی ہو صرف ایک شخص بوتھ کے قریب کھڑا تھا جو شاید فون کرنا چاہتا تھا۔

◆

"جیمین لورن نے تھامسن سمتھ پولیس انسپکٹر کو کال کی ہے!"

"او۔کے۔ تھامسن کا فون غالباً بگڈ ہے ہمیں تمام گفتگو سُناؤ!" بیک مین نے آپریٹر سے کہا۔ آپریٹر نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور ایک بٹن آن کر دیا۔ فوراً ہی انہیں تھامسن کی آواز سنائی دی۔

"جیمین میں نے تمہارے کہنے کے مطابق صبح گھر فون کھولا۔ تو واقعی بگڈ تھا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ انہیں معلوم ہے اور مجھے بھی معلوم ہے کہ مجرم کون ہے!" جیمین کے ہنسنے کی آواز آئی۔

"پھر وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم نے مجھے فون کیوں کیا جبکہ رات کہہ رہے تھے کہ مجھے اس معاملے سے دور رکھو گے!" تھامسن نے جھنجلا کر کہا۔

"ہاں یہ درست ہے... تم صرف یہ کرو کہ بیڈل کا اسکیچ بنا کر مجھے دو!"

"کیا مطلب اور میں سمجھا نہیں، بیڈل کا حلیہ تو مجھے معلوم نہیں!"

"حلیہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میں ارشد چوہدری کی لاش دیکھنے نہیں گیا تھا بلکہ بیڈل کا حلیہ ذہن نشین کرنے گیا تھا

باقی باتیں ملاقات کے وقت بتاؤں گا۔ ہاں نوٹ کرو۔"

"آل رائٹ سوئچ آف کر دو۔" بیک مین نے تھوڑی پر دو انگلیاں رکھتے ہوئے آپریٹر سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"بیڈل کیا خیال ہے؟" بیک مین اس کی طرف پلٹتے ہوئے بولا۔

"سمجھا نہیں؟"

"تمہیں بہت شوق تھا نا اس کے تعاقب کا تو کیوں نہ تمہیں بھیجا جائے؟"

"میں سمجھا نہیں تم مجھ پر طنز کر رہے ہو یا... واقعی تعاقب میں بھیجنا چاہتے ہو؟" بیڈل نے دانتوں تلے ہونٹ دباتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں جہاں تک میرا خیال ہے میں نے جو سوچا تھا جیسن بورن وہی کر رہا ہے۔ آں... تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" بیک مین نے بیڈل اور مارشل کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ڈائرکٹر جنرل کے آفس کی طرف بڑھا۔

"ہوں گڈ پروگریس۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ جیسن بورن کیا کرنا چاہتا ہے؟" ڈائرکٹر جنرل آف ایف۔بی۔آئی نے تمام روداد سن کر بیک مین سے پوچھا۔

"سر جہاں تک میرا خیال ہے جیسن صرف یہ معلوم کر سکا ہے کہ ارشد چوہدری، مبتری، امرجیت اور طاہر کا قتل ایف۔بی۔آئی نے کیا ہے۔ وہ اس کا مقصد معلوم نہیں کر سکا اس لیے اب وہ بیڈل کا اسکیچ بنا کر اخبار والوں کو دے گا ساتھ ہی پوری کہانی بھی ہوگی اور بیڈل کو وہ بری طرح پھنسوائے گا کیوں کہ اس نے تین قتل گردن پر گولی مار کر کیے ہیں جبکہ ارشد چوہدری کی بات دوسری ہے لیکن وہ ارشد چوہدری کا قتل بھی بیڈل کے اعمال نامے میں ہی ڈالے گا۔"

"ہاں۔ یقیناً یہی ہو سکتا ہے کیونکہ پولیس ہم پر ہاتھ ڈالنے سے رہی میرا خیال ہے اب اسے اس منظر سے ہٹا دینا چاہیے۔ ویسے بھی یہ اب ہمارے لیے ضروری ہو گیا ہے اور کیا اس نے تھامسن اسمتھ کو تمام تفصیل بتا دی؟"

"نو سر... اس نے کہا کہ ملنے پر تمام تفصیلات بتائے گا۔"

"یہ معلوم کرو کہ جب سے وہ جائے حادثہ سے فرار ہوا ہے کسی بھی طے وہ اپنے کسی آدمی کی نظروں سے اوجھل ہوا ہے؟"

"نو سر۔ میں مکمل طور پر تمام واقعات پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔" بیک مین نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی تک یہ تمام ثبوت اس کے دماغ میں ہیں۔ کسی دستاویز کی شکل اختیار نہیں کر سکے؟"

"یس سر۔"

"او۔کے... کیل اِیٹ۔"

"تھینک یو سر۔" بیک مین نے ذرا سا سر خم کر کے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔ بیڈل اور مارشل بھی اس کے پیچھے تھے۔

"یہ... یہ کیا چکر ہے؟" مارشل نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"اب تم دونوں فوری طور پر جیسن بورن کے پاس پہنچ جاؤ اور جب بھی موقع ملے اُسے ختم کر دو۔ لیکن اس بات کا خاص طور سے خیال رکھو کسی بھی دستاویز سے پہلے اس کی داستانِ حیات گل کر دو۔ بیڈل تمہارے لیے بہت ضروری ہے، ہاں کچھ اور کہا جیسن نے تھامسن سے؟" بیک مین نے بیڈل اور مارشل کو ہدایت دیتے ہوئے آپریٹر سے دریافت کیا۔

"نو سر کوئی خاص بات نہیں کی سوائے اس کے کہ ارشد چوہدری کے گھر اطلاع کر دی جائے تو تھامسن نے جواب میں کہا کہ یہ اس پولیس کا معاملہ ہے جس نے اس کی لاش اٹھائی ہے۔ تم بے فکر رہو انہیں اطلاع کر دی جائے گی۔" آپریٹر نے جواب دیا۔

"گڈ۔ تمام نگرانی کرنے والوں کو کال کرو کہ فورتھ سیون اور فورتھ ایٹ آ رہے ہیں ان کی ہر ممکن مدد کریں اور ان کی ہدایات پر عمل کریں۔ اب تم جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے نکل جائے۔" بیک مین نے بیڈل کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"او۔کے سر۔" دونوں نے آہستگی سے کہا اور تیزی سے آفس کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔

"اپنی گاڑی نہ لے جانا۔ مارشل کی مرکری پر جانا نہیں تو وہ پہچان جائے گا۔" انہیں اپنے پیچھے بیک مین کے چلانے کی آواز آئی۔ دونوں اپنے سروں کو اثبات میں ہلاتے گئے۔

جیسن ریسیور کریڈل سے لٹکا کر بوتھ سے باہر آ گیا۔ باہر کھڑے شخص نے دانت نکالے اور بوتھ میں داخل ہو گیا۔ جیسن ادھر اُدھر دیکھے بغیر آفس کی مخالف سمت چل پڑا۔ اب وہ اپنی قیام گاہ تک جانا چاہتا تھا تاکہ تمام واقعات

www.taemeernews.com

بلکہ اخبار والوں کو پوسٹ کر دے اور کانگریس اور عوام ایف بی آئی کے پیچھے پڑ جائیں کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ خود کچھ نہیں کر سکتا حالانکہ تمام مقتولین کا قاتل اس کی نظروں میں تھا اور اس کے پاس ثبوت بھی موجود تھے۔ لیکن اسے ابھی تک اس کا مقصد معلوم نہیں ہوا تھا۔ جیمین ایک کشمکش و پیچ میں مبتلا سر جھکائے چلا جا رہا تھا کہ اچانک اسے ایسا لگا جیسے اُسے کوئی دیکھ رہا ہو۔ شاید یہ اس کی چھٹی حس تھی۔

جیمین اچانک پلٹ پڑا۔ اس سے بیس تیس گز دور ایک پیلے رنگ کی مرکری رینگتی ہوئی آرہی تھی۔ جیمین وہیں ٹھٹک گیا ۔ ۔ ۔ اور غور سے کار کو اپنی طرف بڑھتے دیکھتا رہا۔ اس کے اندر بیٹھے دونوں اشخاص میں سے ایک کچھ جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ جیسے جیسے کار قریب آتی گئی دونوں چہرے واضح ہوتے گئے اور جب مکمل طور پہ واضح ہو گئے تو یک دم جیمین بھڑک کر بھاگا کیونکہ اس نے بیڈل کو دیکھ لیا تھا جو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"اسپیڈ!" بیڈل نے نپے تلے انداز میں کہا جیسے کمپیوٹر بول رہا ہو۔ مارشل نے بھی کسی روبوٹ کی طرح ایکسیلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ گاڑی غراتی ہوئی سڑک سے ایک دو انچ اوپر اٹھی اور آگے کی جانب جھپٹی۔

جیمین تیزی سے سیدھا ہی بھاگ رہا تھا اور جائے پناہ بھی تلاش کرتا جا رہا تھا۔

"وہ کافی تیز بھاگ رہا ہے۔ اپنی گاڑی آگے سے لاؤ۔" بیڈل نے ٹرانسمیٹر میں کہا اور اپنا ریوالور نکال لیا۔ اب گاڑی اور جیمین میں اتنا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اگر بیڈل فائر کرتا تو جیمین کے گولی لگ سکتی لیکن نشانے پر نہیں۔ شاید بیڈل چاہتا تھا کہ گولی عین نشانے پر لگے۔

"فائر کرو!" مارشل غرایا۔

"نہیں ۔ ۔ ۔ میں گردن پر ماروں گا!" بیڈل نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"پاگل نہ بنو ۔ ۔ ۔ اچھا پہلے زخمی تو کرو۔ کہیں بھاگ ہی نہ جائے!" مارشل نے دانت پیس کر کہا۔

"اچھا!"

بیڈل نے آہستگی سے جواب دیا اور ریوالور کھڑکی سے نکال کر بھاگتے ہوئے جیمین کا نشانہ باندھنے لگا۔ جیمین بھاگتے ہوئے سوچ ہی رہا تھا کہ کہیں آگے سے بھی کوئی نہ آجائے کہ سامنے چوک سے وہی کار تیزی سے نکلی جو اس کی ٹیکسی کا تعاقب کر کے یہاں تک پہنچی تھی۔ یہ سڑک نسبتاً سنسان تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ یہ تمام کارروائی دیکھنے والا وہاں کوئی نہ ہو۔ لوگوں کی اچھی خاصی تعداد کھڑی یہ تمام کارروائی دیکھ رہی تھی۔

جیمین ٹھٹک گیا اور اس چھوٹی سی تنگ گلی میں داخل ہونے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ ہلکی سی ٹراخ کی آواز کے ساتھ ہی اس کے زخمی بازو کے شانے میں دہکتا ہوا انگارہ آ لگا۔ جیمین ایک جھٹکے سے منہ کے بل آ گرا لیکن اس نے اپنے حواس قائم رکھے اس لیے جب بیڈل نے دوسرا فائر کیا تو جیمین اپنی جگہ تبدیل کر چکا تھا۔ وہاں کھڑے لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا لیکن جیسے ہی جیمین دوبارہ کھڑا ہوا اس کے دائیں شانے سے خون نکل کر اس کی جیکٹ اور شرٹ کو سرخ کرتا ہوا زمین پر ٹپکنے لگا تو کئی لوگوں کی چیخیں نکل گئیں جن میں خواتین زیادہ تھیں۔ جیمین نے کھڑے ہوتے ہی ایک پل ضائع کیے بغیر تیزی سے گلی میں چھلانگ لگا دی لیکن دوڑنے کے بجائے ایک بلڈنگ کے دروازے سے ٹیک لگا لی۔ تکلیف انتہائی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں برداشت سے باہر نہ ہو جائے۔ اس نے اتنی مضبوطی سے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹا کہ وہاں سے بھی خون کی ہلکی اور باریک سی لکیر بہنے لگی۔ مرکری اور فورڈ دونوں آمنے سامنے آکر رک گئیں۔ گلی اتنی چھوٹی تھی کہ صرف ایک وقت میں ایک کار اس میں داخل ہو سکتی تھی۔ مارشل نے فورڈ والوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے گاڑی کو گلی تک لے گیا۔ گلی میں داخل ہوتے ہی انہیں گلی کے آخری کونے پر ایک دروازے سے ٹیک لگائے جیمین کی جھلک نظر آئی جیمین کو دیکھتے ہی بیڈل کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ مارشل نے جب بیڈل کو دیکھا تو اسے جھرجھری آئی اور وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ کسی دن یہ ہمارے لیے بھی خطرہ بن سکتا ہے۔

جیمین نے دھندلائی ہوئی نظروں سے گاڑی کو گلی میں مڑتے دیکھ لیا تھا اس لیے اس وقت تک وہ اپنے ریوالور کا چیمبر کھول کر اس بات کا اطمینان کر چکا تھا کہ ریوالور میں چھ کی چھ گولیاں موجود ہیں۔ گاڑی عقاب کی مانند جیمین کی طرف جھپٹی جیمین کسی چیتے کی مانند چھلانگ لگا کر اچانک گلی کے وسط میں کھڑا ہو گیا لیکن یہ سب کچھ کرتے ہوئے اسے اپنی نانی یاد آگئی تھی کیونکہ خون مسلسل بہنے کی وجہ سے اُسے کمزوری ہو گئی

www.taemeernews.com

تھی اور وہ بے ہوشی اور ہوش مندی کی حدود کے آر پار ہونے ہی والا تھا۔ مارشل نے گھبرا کر بیڈل کو دیکھا۔ بیڈل نے ریوالور دوبارہ کھڑکی سے نکال لیا اور یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیے اور اسی وقت جیسن نے ریوالور سیدھا کر کے ایک... دو... تین... چار پانچ... چھ بار ٹریگر دبا دیا۔ چھ دھماکے ہوئے۔ دو گولیاں کار کی ونڈ اسکرین توڑتی ہوئی مارشل کی دائیں آنکھ میں پیوست ہو گئیں جب کہ تین گولیاں بیڈل کی گردن اور شانے میں پیوست ہو گئیں۔ ایک گولی کار کی باڈی سے ٹکرا کر اچٹ گئی جب کہ بیڈل کی فائر کی ہوئی گولیاں جیسن کے بازو کو چیرتی ہوئی گزر گئیں جبکہ ایک گولی اس کے پیٹ میں گھس گئی۔

جیسن زبردست جھٹکے کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا فٹ پاتھ پر جا گرا۔ اسی اثنا میں کار بری تیزی سے بے قابو ہوتی ہوئی گلی کی دوسری طرف موجود سڑک کے ساتھ پارک کی ہوئی کار پر چڑھ کر ہوا میں بلند ہوئی اور دکان کا شوکیس توڑتی ہوئی اسٹور میں جا گھسی۔ اسٹور میں موجود لوگ چیختے چلاتے باہر کی جانب لپکے۔ جیسن فٹ پاتھ پر پڑا بے ہوشی کی جانب رواں تھا کہ اچانک اس کے تحت الشعور میں ایک آواز ایک گاڑی اور بھی ہے کسی ہتھوڑے کی مانند پڑی۔ جیسن زخمی درندے کی مانند تڑپ کر اٹھ گیا اور گرتا پڑتا کاروں اور گھر کے دروازوں کا سہارا لیتا ہوا گلی سے نکل آیا۔ اب صرف چند لمحوں کے لیے اُسے کچھ نظر آتا تھا پھر دوبارہ تاریکی چھا جاتی تھی۔ کچھ لوگوں نے جب خون میں لتھڑے ہوئے شخص کو جھومتے ہوئے کبھی ادھر کبھی اُدھر گرتے پڑتے دیکھا تو گھبرا کر بھاگنے لگے۔

جب کہ ایک اسٹور کے مالک نے آگے بڑھ کر اُسے پکڑ لیا۔

"یہ کس نے کیا؟"

"لک... لک... کچھ نہیں۔ ٹیکسی پ... پ... پلیز..."

جیسن بمشکل بول سکا۔

"تمہیں فرسٹ ایڈ کی سخت ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے ابھی ابھی جس کار کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے وہ تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہے۔" اسٹور کیپر نے اُسے اپنے اسٹور کی جانب گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"خ... خ... خطرہ... مجھے... جانے دو... ٹیکسی۔"

"اوہ تو تمہیں فوراً پولیس کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔"

اسٹور کیپر کی بات سن کر جیسن نے خالی ریوالور نکال لیا اور اس کا رُخ اسی کی جانب کر کے غرایا۔

"ٹیکسی بیوقوف۔ گولی مار دوں گا۔"

"او کے۔ او۔ کے ابھی روکتا ہوں۔" اسٹور کیپر نے خوفزدہ ہو کر کہا اور سڑک کی جانب دوڑ پڑا۔ اب لوگ آہستہ آہستہ جیسن کے گرد اکٹھے ہونے لگے تھے۔ اِدھر فورڈ میں بیٹھے دونوں ایجنٹوں نے جب فائرنگ اور دھماکے کی آواز سنی تو گاڑی میں ہی گلی کی دوسری طرف روانہ ہوئے لیکن گلی کے درمیان میں انہیں رکنا پڑا کیونکہ لوگوں کا ہجوم گلی میں داخل ہو گیا تھا۔ وہاں بڑی مشکل سے ایک شخص سے معلوم ہوا کہ یہاں کیا واقعہ پیش آیا۔

"وہ... وہ زخمی..." گاڑی میں بیٹھے ہوئے شخص نے بھاگنے والوں میں سے ایک سے دریافت کیا۔

"وہ تو بہت زیادہ زخمی ہے شاید اب تک مر گیا ہو اُسے ایک اسٹور کیپر نے سنبھالا ہوا ہے۔" اجنبی نے جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

"اب کیا کریں؟ جہاں تک میرا خیال ہے بیڈل اور مارشل مارے گئے ہیں۔ جب کہ جیسن کسی خبیث روح کی طرح زندہ ہے۔"

"تم یہیں ٹھہرو میں دیکھ کر آتا ہوں اور اگر موقع ملا تو مار بھی دوں گا۔ ابھی رپورٹ نہ کرنا۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے سرگوشی کی اور گاڑی سے اتر گیا۔

جیسن کو اچانک یہ خیال آیا کہ کہیں یہ لوگ اُسے بیڈل وغیرہ کا قاتل سمجھ کر پکڑ نہ لیں اس لیے اپنے بچاؤ کا بندوبست کرنا چاہیے۔ لیکن اُسے بولنے میں بھی بہت دقت ہو رہی تھی پھر بھی وہ بولا۔ "م... مم میں پولیس... ڈاکو... میرے پیچھے میری مدد کرو... پولیس کو بلاؤ۔"

پھر ہجوم میں سے کوئی آدمی نکلا تھا کہ پولیس کو اطلاع دے کہ فضا پولیس سائرن کی کرخت آواز سے گونج اٹھی۔ تمام لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت اسٹور کیپر ایک ٹیکسی لے کر آ گیا۔ جیسن پوری جان کا زور لگا کر جاگا اور ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔ جب ٹیکسی چلی تو اس وقت لوگوں کو علم ہوا کہ زخمی غائب ہے۔ کچھ لوگ چیخ کر ٹیکسی کے پیچھے بھاگے۔ لیکن ٹیکسی اتنی دیر میں ہوا ہو چکی تھی۔ ان بھاگنے والوں میں فورڈ کار والا بھی تھا۔ اُسے صرف چند لمحوں کی دیر ہوئی تھی

www.taemeernews.com

"کہاں جانا ہے؟" شاید ٹیکسی ڈرائیور نے ابھی تک اس کی حالت نہیں دیکھی تھی۔ جبین نے پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے تحت ڈرائیور کو 'قصرِ خوباں' کا ایڈریس بتا دیا اور پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں تحفظ کے احساس کے ساتھ ہی تاریکی پھیل گئی۔ ٹیکسی تیزی سے قصرِ خوباں کی طرف رواں دواں تھی۔

جبین کو ہوش آیا تو اسے حیرت ہوئی کہ اس کے بیڈ کے ساتھ ایک نشست پر نرس بیٹھی تھی۔ جبین نے کمرے کے چاروں طرف نظر دوڑائی تو اسے الجھن ہوئی کہ ایک مکمل بیڈروم کسی اسپتال کا کمرہ نہیں ہے تو پھر وہ کہاں ہے! اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوچا۔

سفید لباس میں ملبوس دوشیزہ نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور اپنی کوئل جیسی آواز میں گنگنائی "ہیلو مسٹر جبین! کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"بہت بہتر۔۔ کتنے دنوں بعد ہوش آیا؟" جبین نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"زیادہ نہیں صرف اٹھائیس گھنٹے آپ سوتے رہے ہیں۔" نرس ہنستے ہوئے بولی۔

"کیا یہ اسپتال ہے؟" جبین نے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں قصرِ خوباں ہے۔۔۔ میں مسز ارشد چوہدری کو اطلاع کر دوں؟" نرس نے میگزین میز پر رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"آج کا اخبار بھی دینا۔" جبین نے جاتی نرس سے کہا۔ نرس نے اسے اخبار تھمایا اور باہر چلی گئی۔ جبین پچھلے واقعات یاد کرتے ہوئے اخبار پڑھنے لگا۔ اسے ٹیکسی میں بے ہوش ہو جانے تک کے واقعات یاد تھے۔ لیکن اس کے بعد وہ اندھیرے میں تھا اور اس کے لیے وہ مسز ارشد چوہدری سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اخبار میں ارشد چوہدری کی چھوٹی سی خبر تھی جب کہ بینڈل کے علاوہ اس کے ساتھی مار۔شل کے قتل کی خبر بھی تھی جس کے آخر میں لکھا تھا کہ قاتل ایک ٹیکسی میں فرار ہو گیا۔ ٹیکسی کی تلاش جاری ہے تاکہ قاتل کے متعلق معلوم ہو سکے۔ جبین ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ جبین نے اخبار اپنے چہرے سے ہٹایا اور اس کا دل۔۔ اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کی سانس خود بخود تیز ہو گئی۔

تمام جسم میں عجیب اور فرحت بخش سنسناہٹ دوڑ گئی۔

مسز ارشد چوہدری کے سوگوار چہرے نے حسن کو شبنم کی طرح تازگی بخشی تھی۔ اس وقت وہ ایسے لگ رہی تھی جیسے نور کے ہالے میں گلاب کا پھول اور اس کے ہر دگرد صندل ہو۔ صرف اور صرف وہی نظر آتا ہو۔ کیونکہ اس وقت مسز ارشد چوہدری مکمل طور پر سفید لباس میں تھی۔

"کیسے ہیں مسٹر جبین بورن؟" مسز ارشد نے غمگین لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر ہوں۔ میں آپ کے پاس پہنچا کیسے تھا؟" جبین نے جھجکتے ہوئے دریافت کیا۔ مسز ارشد سوگواری سے مسکرا دی۔ جبین نے اُسے پہلی بار مسکراتے دیکھا تو یہ سوچ کر رہ گیا۔ واقعی قیمتی چیزیں نایاب ہوتی ہیں۔

"کل ایک ٹیکسی یہاں آئی تھی جس میں آپ بے ہوش پڑے تھے۔ میں نے فوری طور پر آپ کو اس بیڈروم میں منتقل کیا اور اپنے فیملی ڈاکٹر کو بلایا جس نے آپ کے پیٹ سے گولی نکالی اور بازو پر پٹی کی۔"

"۔۔۔ آپ کو مسز ارشد۔۔۔" جبین نے ہکلاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں۔ اطلاع مل گئی تھی۔" مسز ارشد چوہدری نے سرد آہ بھرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"میں قاتلوں تک۔۔۔"

"اب کوئی فائدہ نہیں جانے والا تو چلا گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔ میں آپ کو آپ کی فیس دے دوں گی۔ ویسے بھی ہم پرسوں تک پاکستان چلے جائیں گے۔" مسز ارشد چوہدری نے بہنے والے آنسوؤں کو بمشکل روکتے ہوئے کہا۔

"لیکن مسز ارشد آپ کے شوہر کو قتل کیا گیا ہے۔ آ۔۔۔ آپ اپنے شوہر کے قاتلوں کو گرفتار کر کے انھیں سزا نہیں دلانا چاہتیں؟" جبین نے بیڈ پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"او ہو۔۔۔ آپ کو لیٹے رہنے کی ضرورت ہے۔" مسز ارشد چوہدری نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ جبین کے شانوں پر رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے دوبارہ لٹانے لگی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا؟" جبین نے لیٹتے ہوئے مسز ارشد کی زخمی کلائیاں دیکھیں تو دریافت کیا۔ "یہ آپ کی کلائیاں کیوں زخمی ہیں۔ کیا آپ نے خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی؟"

مسز ارشد چوہدری چند لمحے خاموشی سے اپنی زخمی کلائیاں دیکھتی رہی پھر جبین کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولی۔

"خودکشی ہمارے مذہب میں حرام ہے۔"

"اوہ ویری سوری۔ میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔" جبین شرمندگی سے بولا۔

"اور رہا میری کلائیوں کا زخمی ہونا تو یہ چوڑیاں توڑنے سے ہوئی ہیں۔"

"چوڑیاں توڑنے سے!" جبین نے حیرت سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں... سہاگ جو نہیں رہا۔" مسز ارشد سسک پڑی۔ جبین پریشان ہوکر سوچنے لگا کہ یہ سہاگ کیا ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں مسز ارشد نے اپنے آپ پر قابو پالیا۔

"آپ نہیں سمجھیں گے۔ سہاگ شوہر کو کہتے ہیں۔"

"اوہ... لیکن اس کا آپ کی چوڑیوں سے کیا تعلق؟"

"یہ مشرق کی روایت ہے۔"

"عجیب روایت ہے۔"

"مشرق ہے ہی پر اسرار اور سکون بخش۔"

"میں سمجھا نہیں۔" جبین حیرت سے بولا۔

"کچھ نہیں مسٹر جبین بورن۔ ہم سمجھے تھے کہ ہم نے امریکی شہریت لے لی ہے تو اب امریکی بن گئے ہیں لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ نہیں ہم تھے تو پاکستانی لیکن اپنے آپ کو امریکی کہلوانا چاہتے تھے لیکن یہاں والوں نے ہمیں یہ حق نہیں دیا۔ ارشد کے شوکے ایک ایک منٹ بعد ہمیں یہ احساس دلایا جاتا رہا کہ ہم امریکی نہیں پاکستانی ہیں اور یہ لوگ ہمیں پاکستانی کہہ کر ہمیں چڑا رہا ہوں اور نہ جانے کیا کیا سمجھ رہے تھے۔ جو بھی پولیس انسپکٹر آتا جو بھی اخباری رپورٹر آتا وہ سب اسی نظریے سے سوال کرتے جیسے ہم چور ہوں اور کسی کو بھی یہ یاد نہیں کہ ہم امریکی ہیں۔ سب ہمیں پاکستانی ہی کہتے تھے حالانکہ ہمارے پاس امریکی شہریت تھی اور ہے... مسٹر... بیٹا۔ کیا تمام امریکی فرشتہ صفت ہیں۔ کوئی قتل نہیں کرتے وہ۔ کوئی چوری کوئی بدمعاشی کوئی فراڈ نہیں کرتے، کیا یہ سب کچھ پاکستانی ہی کرتے ہیں۔" مسز ارشد چوہدری غصے سے ہونٹ کاٹ کر سانس لینے کے لیے رکی پھر بولی۔ "دنیا میں سب سے زیادہ درندگی اس ملک میں ہوتی ہے۔ کس طرح اس ملک میں گورے کالے کی تمیز کی جاتی ہے۔ کس طرح یہاں انسانیت کا اور کسی مذہب کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ آپ لوگوں کے قانون آپ پر لاگو نہیں لیکن ہم پر لاگو ہیں۔ ہونہہ۔ ویسے کہتے ہیں کہ انسانیت کے نام پر آپ لوگ اپنی جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور آپ کے اپنے ملک میں انسانیت کی وہ تذلیل کی جارہی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔"

جبین خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا رہا لیکن بولا کچھ نہیں کیونکہ اس نے بھی اب اپنی آنکھوں سے اپنے ملک کے قانون اور انسانیت کے علم برداروں کو دیکھ لیا تھا جو خود اس کی جان لینے کے لیے کسی شکاری کی طرح گھات لگائے بیٹھے تھے۔

"آپ لیٹے رہیے گا۔ میں آپ کے لیے ناشتا بھجواتی ہوں۔" مسز ارشد چوہدری نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ جبین خاموشی سے لیٹا چھت کو تکے جارہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ ہم لوگ کتنے کمینے اور تنگ ہیں کہ اپنے لیے انتہا سے زیادہ خود غرض ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم لوگ انسانیت کے حقوق کا چرچا جس انداز سے کرتے ہیں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ خوابوں کا دیس ہے جیسے خواب میں ہر کسی کو آزادی حاصل ہوتی ہے، ویسی ہی آزادی امریکہ میں بھی ہر کسی کو حاصل ہوگی۔ یہ تو صرف امریکیوں کے لیے خوابوں کا دیس ہے۔ ان کے لیے نہیں جو کالے ہیں یا پھر پاکستانی ہندوستانی ہوں ویت نامی وغیرہ۔

"ناشتا مسٹر جبین۔" نرس نے مسکرا کر ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔" جبین نے ہولے سے کہا اور بیڈ سے اتر کر ٹیبل تک آیا۔ اس کے پیٹ میں ہلکی سی درد کی ٹیسیں اٹھیں جو اس کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ مسز ارشد چوہدری اور ان کے ساتھ ایک پچیس چھبیس سال کا نوجوان اندر داخل ہوا۔

"مسٹر جبین بورن! مجھے راشد چوہدری کہتے ہیں، ارشد چوہدری مرحوم میرے بڑے بھائی تھے۔ بھابی یعنی مسز ارشد چوہدری نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے پولیس کے ناروا سلوک کی وجہ سے آپ کو ارشد بھائی کی تلاش پر لگایا تھا۔"

"آف کورس مسٹر راشد میں نے ان قاتلوں کو تلاش کر لیا ہے جنہوں نے آپ کے بھائی کو مارا ہے۔"

"یقیناً مسٹر جبین یہ ایک اہم اطلاع ہے۔ ہمیں پولیس کو یہ اہم خبر پہنچانی چاہیے۔"

www.taemeernews.com

"ایک منٹ مسٹر راشد" جبین نے راشد کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ ایک ایسا کیس ہے کہ اس میں پولیس کچھ نہیں کر سکتی۔"

"میں سمجھا نہیں مسٹر جبین" راشد چودھری نے حیران ہو کر مسز راشد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دراصل یہ کیس پیچیدہ بہت ہے۔ اس... اس کیس میں ایف بی آئی ملوث ہے" جبین نے شرمندگی سے اپنی بات پوری کی جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

"اوہ... آئی سی... کہیں وہ ارشد بھائی کو جاسوس تو نہیں سمجھ بیٹھے تھے؟"

"یہی بات ہے" جبین نے نظریں چراتے ہوئے ہولے سے جواب دیا۔ راشد چودھری خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا جبکہ مسز راشد چودھری بڑی سی مغلیہ طرز کی کھڑکی سے باغ کو دیکھنے لگی جبین خاموشی سے کافی کے ہلکے ہلکے سپ لیتا جا رہا تھا اور اس کا دماغ تیزی سے تمام سوالات کے جوابات مرتب کر رہا تھا جو اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ "تو پھر آپ لوگوں کا کیا خیال ہے۔ ویسے اس کے لیے ہمیں باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی پڑے گی لیکن آپ لوگوں کی طرف سے ایک ویک پوائنٹ ہے۔"

"وہ کیا؟" راشد چودھری نے دریافت کیا۔

"یہی کہ آپ لوگ پاکستانی نژاد امریکی ہیں جس کی وجہ سے کوئی امریکی آپ کی حمایت نہیں کرے گا۔"

"ہوں... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں اور میرے خیال میں ایف بی آئی والے بڑی آسانی سے ارشد بھائی کو جاسوس بنا سکتے ہیں۔ ہم لوگ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ کیوں بھابی کیا خیال ہے؟" راشد نے مسز راشد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آں ہاں... ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ ہمیں اب یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ میں اس منحوس جگہ پر ایک پل بھی نہیں رک سکتی" مسز راشد چودھری نے ہولے سے سسکی لیتے ہوئے کہا۔

"او کے۔ مسٹر جبین آپ کو اپنی فیس مع تمام نقصانات کے مل جائے گی۔ ویسے ہم لوگ پرسوں کی فلائٹ سے لاہور جا رہے ہیں۔ آپ پرسوں نہیں تو کل تک یہیں رہیے گا کیونکہ ڈاکٹر نے ہدایت کی تھی کہ کم از کم تین دن مکمل آرام کریں تھینک یو آپ نے ہمارے لیے اتنی زحمت اٹھائی۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے کسی کام نہ آ سکا۔ ہاں مسٹر راشد اور مسز راشد ویسے تو اس کیس میں ایف۔ بی۔ آئی، ناسا اور حکومت کے کچھ دوسرے ادارے ملوث ہیں لیکن جس شخص نے مسٹر ارشد، امرجیت سنگھ بیزی، طاہر اور میرے دوستوں کو قتل کیا ہے میں اُسے ٹھکانے لگا آیا ہوں۔ میں زخمی بھی اسی کی وجہ سے ہوا ہوں" جبین نے مسکراتے ہوئے تمام بات بتائی۔

"اوہ... کہیں آپ کا خیال بیڈل کی طرف تو نہیں۔ آج کے اخبار میں یہ خبر چھپ چکی ہے؟" مسز راشد چودھری نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"بالکل آپ نے درست اندازہ لگایا۔"

"بھابی یہ کون سے بیڈل کی گفتگو کر رہا ہے؟" راشد نے آہستگی سے پوچھا۔

"یہ وہی شخص ہے جو ارشد کے اغوا ہونے کے بعد گھر آیا تھا اور اس کا سارا کا سارا بیڈ روم تباہ کر گیا تھا۔"

"اچھا تو مسٹر جبین نے اسے ختم کر دیا ہے یعنی انہوں نے ارشد بھائی کے قاتل کو مار ڈالا۔ اس طرح تو آپ خود مجرم بن گئے۔" راشد چودھری نے مسکرا کر جبین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جبین اُسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یقیناً آپ کی نظروں میں مجرم ہوں لیکن مسز راشد اور خود اپنی نظروں میں میں مجرم نہیں ہوں۔ ویسے میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آپ واقعی اس صورت حال سے پریشان ہو گئے ہیں یا پھر کسی اور چکر میں ہیں؟"

"کیا مطلب مسٹر جبین؟" راشد نے سوالیہ انداز میں حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی کہ مجھے پھنسوانا چاہتے ہیں؟"

"اوہ نو... مسٹر جبین یہ آپ نے کیسے سوچ لیا میں..."

"راشد میری بات وہ تمہارے بھائی جان کے قاتلوں کو ٹھکانے لگا آیا ہے اور تم اسے پکڑوانا چاہتے ہو؟"

"نن... نہیں بھابی۔ میں تو دراصل ان سے بیڈل کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا۔ آپ دونوں نے میری بات کا غلط مطلب لے لیا" راشد پریشانی سے بولا۔

"مسٹر راشد یہ بات آپ صاف اور واضح الفاظ میں بھی کہہ سکتے تھے۔ ویسے آپ کو اس کے لیے فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ میرے پاس بیڈل کو قاتل ثابت کرنے کے لیے اتنے ثبوت موجود ہیں کہ سپریم کورٹ تو کیا ملک کا صدر بھی مجھے سزا نہیں دے سکتا۔ اس کے علاوہ اس جگہ جہاں یہ واقعہ ہوا ہے

www.taemeernews.com

بے شمار ایسے عینی گواہ ہیں کہ یہ سب کچھ میں نے اپنے تحفظ اور دفاع میں کیا ہے۔" جیمن نے طویل سانس لیتے ہوئے تمام تفصیل بتائی۔

"تھینک یو مسٹر جیمن لورنٹ۔ آپ نے میرے شوہر کے قاتل کو مار ڈالا۔ مجھے یقین تھا اگر وہ پکڑا جاتا تو آپ کے ملک کا نام نہاد انصاف اُسے ضرور بری کر دیتا اور میرے شوہر کو جاسوس ثابت کر دیتا۔ حالانکہ میرے شوہر نے کبھی خواب میں بھی جاسوسی کا نہیں سوچا تھا۔" مسز ارشد چوہدری نے جیمن کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"چلیں بھائی۔ باقی انتظامات بھی کرنے ہیں۔ اچھا جیمن تمہارا بہت بہت شکریہ دوست۔ تمہیں مجھ سے جو تکلیف پہنچی ہے اس کے لیے مجھے معاف کر دینا۔ دراصل میں بھائی جان کی موت کو ابھی تک قبول نہیں کر سکا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔" راشد نے جیمن کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا اور مسز ارشد چوہدری کی طرف دیکھا جو زیر لب مسکرا کر دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"چلیں بھائی۔"

"او کے مسٹر جیمن اینڈ گڈ لک۔" یہ مسز ارشد چوہدری نے شریلی آواز میں کہا اور بیڈ روم سے نکل گئی۔ اس کے پیچھے راشد چوہدری بھی نکل گیا۔ جیمن وہیں کھڑا یہ سوچتے جا رہا تھا کہ اتنی محنت اور نقصان کے بعد کیا حاصل ہوا۔ حالانکہ وہ خود بھی زخمی ہو گیا لیکن اسے کیس بند کرنا پڑا۔ اب اُسے اپنا لائسنس حاصل کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کرنا پڑے گا لیکن مشکل سے ہی اس کا لائسنس اسے دوبارہ ملے گا تو پھر کیا کرے۔

"شاید مجھے کوئی نیا کام تلاش کرنا پڑے۔" اس نے آہستگی سے اپنے آپ سے کہا پھر بیڈ پر جا کر لیٹ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ نیند کی وادیوں میں اترتا جا رہا تھا۔

"مسٹر جیمن، مسٹر جیمن... مسٹر جیمن۔"

"اُنگ... کیا ہوا؟" جیمن گہری نیند میں تھا۔ نرس کے جھنجھوڑنے پر تیزی سے اٹھ بیٹھا جس کی وجہ سے اس کے پیٹ میں درد کی ٹیس اٹھی۔ وہ ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔

"آرام سے آرام سے۔ آپ کے ٹانکے نہ کھل جائیں۔" نرس نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بات کیا تھی؟"

"اوہ ہاں آپ کی کال ہے۔"

"میری کال؟ لیکن میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ میں یہاں ہوں۔" جیمن نے آہستگی سے کہا پھر وال کلاک کی طرف نظر دوڑائی دوپہر کے دو بج چکے تھے۔ وہ چار گھنٹے سوتا رہا تھا۔ شاید دوائی کا اثر ہے۔ اس نے سوچا۔

"ہاں فون دو... شاید تھامسن ہو۔" جیمن نے نرس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے خاموشی سے سائڈ ٹیبل پر پڑا موبائل فون جیمن کو تھما دیا۔

"یس جیمن اسپیکنگ۔"

"مسٹر جیمن لورنٹ جان بچنے پر مبارکباد قبول ہو۔" دوسری طرف سے اجنبی آواز آئی۔

"کون بول رہا ہے؟" جیمن نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں بیک مین ہوں۔ شاید تمہیں بیڈل یاد ہو وہ میرا پارٹنر تھا۔" اجنبی آواز نے کہا۔

"او... ہ... تو تم... ایف بی آئی ہو۔" جیمن نے کن انکھیوں سے نرس کو دیکھتے ہوئے کہا جو کسی میگزین کی ورق گردانی بڑی بے پرواہی سے کر رہی تھی۔ لیکن جیمن کو معلوم تھا کہ ایف۔ بی آئی کا نام سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے ہوں گے۔

"یقیناً تم نے درست اندازہ لگایا۔"

"لیکن تمہیں میری پناہ گاہ کا کیسے پتا چلا؟"

"خوب... پناہ گاہ اچھا لفظ ہے۔ ویسے ہمارے خفیہ ذرائع بہت زیادہ ہیں۔"

"ہاں اسی لیے یہ معلوم نہ کر سکے کہ ارشد چوہدری محب وطن ہے یا جاسوس۔" جیمن نے تاؤ کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ بات تم نہیں سمجھ سکتے مسٹر جیمن کیونکہ تم ایک نچلی سطح کے شہری ہو۔ تمہیں ملک کی ذمے داریوں کا بالکل علم نہیں۔" ریسیور سے کھنکتی ہوئی آواز جیمن کے کان کے پردوں... سے ٹکرائی۔

"تم اب کیا چاہتے ہو؟ ارشد کو تو تم لوگوں نے ختم کر دیا ہے۔"

"اور تم نے بیڈل اور مارشل کو ختم کر دیا ہے۔"

"م... میں نے انتقام تو نہیں لیا۔ مجھے اپنے دفاع میں انہیں ختم کرنا پڑا ہے۔ فائرنگ انہوں نے کی تھی۔" جیمن گھبرا کر کسمسایا آخر کار وہ حکومت کے آدمی تھے۔

"فکر نہ کرو جیمن۔ یہ بات ایک سودے سے طے ہو سکتی

www.taemeernews.com

ہے۔ اگر تمہیں منظور ہو؟" بیک مین کی گفتگو جبین کے پلّے نہیں پڑ رہی تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔۔ کیسا سودا؟" جبین نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو قابو کرتے ہوئے پوچھا۔

"زیادہ مہنگا نہیں۔۔۔ اس کے بدلے تمہیں تمہارا منسوخ شدہ لائسنس اور چار آدمیوں کا نہیں چھ آدمیوں کا قتل بھی معاف ہو جائے گا اگر تم یہ نیس بہیں ختم کر دو!"

"مم۔۔۔ میں سمجھا نہیں!"

"سودا اچھا اور سستا ہے۔ تم اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا میں دس منٹ بعد تمہیں کال کروں گا۔ او۔کے۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھنے کی آواز آئی۔ جبین نے بھی خاموشی سے ریسیور رکھ دیا اور اس اہم سودے کے بارے میں سوچنے لگا پھر یکایک چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مسز ارشد چوہدری سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی اطلاع کرتی ہوں!" نرس نے کہا اور بیڈ روم سے نکل گئی۔ چند منٹوں میں ہی مسز ارشد چوہدری اس کے کمرے میں تھیں۔ اس وقت اس کے ساتھ نرس نہیں آئی تھی۔

"بیٹھیں مسز ارشد۔ ایک ضروری بات کرنی ہے!"

"کیا کوئی فیس کا مسئلہ ہے!" مسز ارشد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ لوگ جو فیس دیں گے مجھے منظور ہو گی۔ دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ لوگ پرسوں کس فلائٹ سے واپس جا رہے ہیں!"

"پرسوں سہ پہر تین بجے کی فلائٹ ہے۔"

"کون سی کمپنی!"

"پی آئی اے۔ کیوں آپ کس لیے معلوم کر رہے ہیں!" مسز ارشد چوہدری نے حیرت سے دریافت کیا۔ جبین چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"جہاں تک میں نے سوچا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میرا خیال ہے کہ ایف۔ بی۔ آئی والے آپ تمام کو بھی ختم کر دینا چاہتے ہیں اور وہ لوگ آپ لوگوں کو کسی بھی وقت ختم کر سکتے ہیں لیکن زیادہ چانسیز یہ ہیں کہ وہ لوگ کل رات یا پھر پرسوں صبح کو آپ لوگوں کو ختم کر دیں گے۔ شاید وہ کل صبح ہی آپ لوگوں کو مار ڈالیں!"

"لل۔۔۔ لیکن کیوں!"

"اس لیے کہ یہ معاملہ نہیں دب جائے!"

"میں سمجھی نہیں کہ یہ معاملہ دب کیوں نہیں جائے گا۔ حالانکہ ارشد کی لاش ملنے کے بعد ہمیں قاتلوں کے خلاف مقدمہ درج کرانا چاہیئے تھا لیکن ہم نے خود ایسا نہیں کیا کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب ہم لوگ صبر شکر کر کے پاکستان واپس جا رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ وہ لوگ ہمیں مار کر معاملہ یہیں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا انہیں یہ شک ہے کہ ہم لوگ پاکستان جا کر کچھ کریں گے؟" مسز ارشد نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل۔ انہیں یہی شک ہے۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ اگر آپ لوگوں نے پاکستان یا کہیں اور جا کر ایف۔ بی۔ آئی کے متعلق گفتگو کی تو یہ امریکہ کی بدنامی ہو گی!"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں مسٹر جبین۔ آپ کے ایف بی۔ آئی والے تو بڑی آسانی سے میرے شوہر کو جاسوس بنا دیں گے پھر ان کی کہاں بدنامی ہو گی۔ بدنامی تو ہماری ہو گی!" مسز ارشد چوہدری نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔ جبین بے بس ہو کر جھنجلا اٹھا۔ اب وہ کیسے بتاتا کہ اگر وہ تمام ثبوت اخبارات میں دے دے تو ایف۔ بی۔ آئی کہاں تک اپنا دفاع کرے گی کیونکہ ان تمام شواہد سے جو کہ جبین اخبارات میں دیتا تمام امریکی عوام کو معلوم ہو جاتا کہ ایف بی آئی کیا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر ایف۔ بی۔ آئی اپنے بچاؤ کے لیے ارشد چوہدری کو جاسوس بتاتی ہے تو جبین کے پاس اس کا جواز بھی تھا کہ جاسوس جب تک ثبوت کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کو بھی امریکی قانون کچھ نہیں کہہ سکتا اور یہاں تو قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے والی بات تھی کیونکہ ارشد چوہدری پر تو انہوں نے جاسوسی کا مقدمہ بھی نہیں چلایا تھا اور یہی وہ سب شواہد تھے جو کہ جبین کے پاس تھے۔ اور جس کے بدلے ایف۔ بی۔ آئی والے اس سے سودا کرنا چاہتے تھے اور وہ ابھی شواہد کی وجہ سے ارشد کے تمام خاندان کو ہمیشہ کے لیے چپ کر سکتے تھے کیونکہ جبین ابھی کے پاس تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جبین انہیں تمام باتیں بتا چکا ہو۔"

"اوہ۔۔۔ وہ اس طرح بھی تو کر سکتے ہیں کہ میں ادھر ان کے پاس جاؤں اور وہ ادھر ان تمام کو ختم کر دیں اور ادھر مجھے ختم کر دیں یعنی قصہ ہی تمام!" جبین آہستگی سے بڑبڑایا "مجھے ان کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔"

"مسٹر جبین آپ کن خیالوں میں گم ہیں!"

www.taemeernews.com

"کک ۔۔ کچھ نہیں ۔۔۔ مسز ارشد آپ میری ایک بات مانیں۔"

"کیا؟"

"آپ فوراً اسی وقت یا پھر رات تک امریکہ چھوڑ دیں۔"

"اتنی جلدی ۔ آخر کیوں؟ مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔" مسز ارشد چوہدری نے پریشانی سے سر دونوں ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے کہا۔

"او ہو مسز ارشد چوہدری ۔ میں مجبور ہوں ۔ میں آپ کو بات نہیں بتا سکتا بس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ یہاں سے فوراً چلی جائیں۔"

"اچھا راشد سے بات کرتی ہوں ۔" مسز ارشد چوہدری صوفے سے اٹھتی ہوئی بولی۔ "آخر ایسی کون سی بات ہے جو آپ ہمیں نہیں بتا سکتے؟"

"بس آپ آج رات تک یہاں سے چلی جائیں نہیں تو ماری جائیں گی۔" جیمس نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے پُراسرار لہجہ اختیار کیا۔ اب وہ انہیں کیسے بتا دیتا کہ اسی کے وطن کے لوگ انہیں صرف اس وجہ سے ماردیں گے کہ جیمس ان کے ہاں ٹھہرا تھا اور وہ کوئی نہ کوئی اہم بات انہیں بتا گیا ہے۔ جونہی مسز ارشد جیمس کے بیڈ روم سے نکلیں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جیمس نے لپک کر فون اٹھایا۔

"ہاں تو کیا فیصلہ کیا؟"

"میں نے سوچا ہے کہ میں تمہارے ڈائریکٹر سے ملوں گا۔"

"ٹھیک ہے اور کچھ؟"

"اور یہ کہ اس سارے قصے کا مقصد بھی جاننا چاہوں گا اور میں آج رات گیارہ بجے اُسے وائٹ ہاؤس کے چوک میں ملوں گا۔"

"او کے ٹھیک ہے لیکن مقصد والی بات صرف ڈائریکٹر کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"ٹھیک ہے میں اس سے بات کرلوں گا۔ ہاں یہ یاد رکھنا کہ اگر میں قتل ہوا تو کل کے اخبار کے ساتھ تم سب قتل ہو جاؤ گے۔" جیمس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"ڈونٹ وری جیمس تم ہم پہ بھروسا کرو۔"

"ہاں اسی لیے تو مجھے بہت زیادہ ہوشیار ہو کر آنا پڑے گا۔" جیمس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"او۔ کے۔" دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا جیمس نے فوراً ہی تھامسن کے نمبر ملائے دوسری طرف سے ریسیور تھامسن نے ہی اٹھایا۔

"تھامسن ۔ جیمس بول رہا ہوں فوراً فقیر خوبل آجاؤ تمام باتیں یہیں ہوں گی گڈ بائی۔" جیمس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تاکہ تھامسن کوئی سوال نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر بعد مسٹر راشد اور مسز ارشد چوہدری کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں داخل ہوا۔

"مسٹر جیمس یہ بھابی کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں راشد یہ درست ہے۔ تم لوگ جلد سے جلد پاکستان چلے جاؤ اور جہاں تک میرا خیال ہے پی۔ آئی۔ اے کے ذریعے سفر کرو تو بہتر ہے۔" جیمس نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن کوئی وجہ بھی تو ہو گی۔" راشد نے پریشان ہو کر دریافت کیا۔

"ہاں ایف۔ بی۔ آئی تم سب کو ختم کر دے گی۔"

"آخر کیوں؟"

"اس آخر کیوں کا جواب میرے پاس نہیں۔ ویسے بھی تم لوگوں کو جانا تو ہے۔ پرسوں نہیں تو آج سہی۔" جیمس نے اکتا کر کہا۔

"سب تو۔۔۔"

"راشد تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ میں مجبور ہوں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ پلیز تم لوگ چلے جاؤ۔" جیمس نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے جھنجلا کر کہا۔

"او کے ہم آج رات ہی یہاں سے جانے کی کوشش کریں گے۔" راشد نے چند لمحے سوچ کر کہا۔

"تھینک یو۔"

"کوئی بات نہیں۔ آئیں بھابی۔" راشد نے کہا اور دونوں خاموشی سے چلے گئے۔ جیمس بیڈ پر لیٹ گیا اور دل میں دعا کرنے لگا کہ انہیں گیارہ بجے سے پہلے کی فلائٹ ملے۔ ٹھیک پینتیس منٹ بعد تھامسن لڑکھڑاتا ہوا اس کے بیڈ روم میں داخل ہوا۔

"تم خیریت سے تو ہو؟"

"ہاں بالکل۔۔۔ آؤ بیٹھو۔" جیمس بیڈ روم سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ سب کچھ کل والے واقعے سے ہوا ہے۔" تھامسن نے اس کے بازو، شانے اور پیٹ پر بندھی پٹیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اب کیا حال ہے؟"

"پہلے سے بہتر ہوں۔ میرا تمہیں بلانے کا مقصد بہت اہم ہے ابھی ابھی ایف۔ بی۔ آئی کے ایجنٹ بیک مین کا فون آیا تھا اور وہ مجھ سے سودا کرنا چاہتا تھا۔"

www.taemeernews.com

جیمن سے تمام تفصیل سن کر تھامسن چند لمحوں تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا یہ درست ہے کہ وہ واقعی ایف ۔ بی ۔ آئی کا ایجنٹ ہے؟"

"ہاں جہاں تک میرا خیال ہے وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔"

"تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

"تمام حفاظتی اقدامات تاکہ اگر وہ لوگ مجھے مارنے کی کوشش کریں تو میری طرف سے بھی دفاع ہو۔"

"ٹھیک ہے تم اس ڈائریکٹر جنرل سے ملنا۔ میں اپنی کار میں ایک مناسب جگہ پہ تیار رہوں گا۔ اگر کسی اور کو بھی لے جانا ہے تو بتا دو۔"

"نہیں ہم دونوں ہی کافی ہیں۔" جیمن نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اچھا پھر میں رات کو دس بجے کے بعد ملوں گا۔ تم یہیں رہو گے؟"

"ہاں۔" جیمن نے جواب دیا۔ تھامسن اس کا شانہ تھپتھپا کر چلا گیا۔

*

جیسے ہی گھنٹہ گھر نے گیارہ بجائے سیاہ لیموزین ایک جانب سے نمودار ہوئی اور انتہائی سست روی سے حرکت کرتی ہوئی چوک میں آکر رک گئی۔ اس کی ہیڈ لائٹس بند کر دی گئیں لیکن رات کے سناٹے میں اس کے انجن کی گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ سردی کافی بڑھ گئی تھی۔ دھند بھی چھانے لگی تھی۔

"ہاں اب کہو کیا کرنا ہے؟ وہ تو آگئے۔" تھامسن نے سرگوشی کرتے ہوئے جیمن سے کہا۔

"ہوں۔ تم نے تمام جگہیں تو دیکھ لیں لیکن مجھے زیادہ خطرہ چوراہے کے دائیں جانب پھول دار جھاڑیوں سے ہے وہاں سے کوئی بھی بآسانی فائر کر سکتا ہے اور غائب بھی بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔" جیمن نے چوراہے کے پاس ایک کونے میں پھول دار جھاڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں نظر آ رہی تھیں۔ اس وقت دونوں تھامسن کی ذاتی ٹونسیٹر فورڈ میں بیٹھے تھے۔ تھامسن دس بج کر دس منٹ پر قصر خوباں پہنچ گیا تھا۔ جیمن اُسے چوکیدار کے کوارٹرز میں ملا۔ دریافت کرنے پر جیمن نے اُسے بتایا کہ وہ تمام لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں۔ انہیں براہ راست کراچی کا ٹکٹ نہیں ملا لیکن انہوں نے پہلی کوشش ہی یہ کی کہ امریکا سے نکلا جائے لہٰذا وہ لوگ کے ایل ایم پر فرینکفرٹ چلے گئے۔ جہاں سے پیرس جائیں گے اور بقول مسز ارشد کے راشد کے کئی دوست پیرس میں سکونت پذیر ہیں۔ وہاں سے ان کا لاہور جانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔

"گیارہ بج کر دو منٹ ہو گئے ہیں۔" تھامسن نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"او۔ کے تم اترو میں ٹھیک گیارہ تین پر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ تمہیں یہاں سے سب کچھ نظر آ رہا ہے اس لیے ہر وقت ہوشیار رہنا۔ کسی بھی وقت مجھے تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"اچھا گڈ لک۔" تھامسن اپنی ٹونسیٹر فورڈ سے اترتے ہوئے بولا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈکورمار رائفل بھی تھی۔ جیمن نے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے گیئر میں ڈال دیا لیکن ہیڈ لائٹس نہیں جلائیں۔ جب وہ ایک چکر کاٹ کر چوراہے والی سڑک پہ آیا تو اس نے ہیڈ لائٹس جلا دیں اور گاڑی کی رفتار کم کر دی پھر آہستگی سے اپنی جیکٹ اور پینٹ کی جیبوں کو تھپتھپا کر مطمئن ہو گیا کہ اس کے پاس دونوں ریوالور ہیں جن میں سے ایک اعشاریہ دو تین کا اور دوسرا اعشاریہ دو پانچ کا تھا۔

ٹونسیٹر آہستگی سے چلتی ہوئی لیموزین کے عین مقابل کوئی پچاس میٹر دور آکر رک گئی۔ گاڑی رکتے ہی جیمن نے ہیڈ لائٹس آف کر دیں۔ ویسے بھی چوراہے پہ اسٹریٹ لائٹس کی اچھی خاصی روشنی تھی۔ جیمن اس وقت تک اپنی کار میں بیٹھا رہا جب تک لیموزین سے کوئی فرد نہ اترا۔ وہ اس وقت ایسا شکار تھا جس پر شکاری بڑی آسانی سے تیر مار سکتا تھا۔ چند لمحوں بعد لیموزین کا پچھلا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا شخص نکلا۔ یہ وہی تھا جو کہ ہیڈل وغیرہ کو ایک وادی کے مکان میں ملا تھا۔

"مسٹر جیمت لورن تم بلاوجہ ہم سے خوفزدہ ہو۔" اس شخص نے پُرسوقار لہجے میں کہا۔ جیمن بھی خاموشی سے گاڑی سے اتر بیٹھا اور سائس کی طرح چل کر فاصلے پہ آ کھڑا ہوا اور بولا۔

"مسٹر ڈائریکٹر جنرل آف ایف بی آئی دانشوروں کا قول ہے کہ سانپ سے ہمیشہ خوفزدہ رہو۔"

"خوب بہت خوب کافی ذہین ہو۔"

"خیر اتنا بھی نہیں کہ یہ بھی نہ جان سکا کہ بے چارہ ارشد چوہدری کس غلطی کا خمیازہ بھگت گیا۔"

"تم نے درست کہا ہے کہ وہ کس غلطی کا خمیازہ بھگت گیا۔"

"یعنی کہ واقعی وہ جاسوس تھا اور اس نے اہم دستاویزات

www.taemeernews.com

چھپائی تھیں؟" جبین نے حیرت سے دریافت کیا۔ اس تمام گفتگو کے دوران جبین نے ایک پل کے لیے بھی اپنا ہاتھ جیکٹ کی جیب سے نہیں نکالا۔

"مسٹر جبین پہلے تم اپنا خوف دور کر لو۔ شاید تمہیں ہم پہ یقین نہیں تھا اس لیے تم محسن احمد کو اپنی حفاظت کے لیے لائے ہو۔ اور جب سے تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو تمہارا ہاتھ ایک لمحے کے لیے بھی جیب سے نہیں نکلا۔ غالباً وہاں ریوالور ہوگا۔ دیکھو جبین تمہیں مارنا کوئی مشکل نہیں۔ ہم تو تمہیں اس وقت بھی ختم کر سکتے تھے۔ جب تم اکیلے چوکیدار کے کوارٹر میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ ہم تمہیں اس وقت بھی ختم کر سکتے تھے جب تم اور محسن ان تمام ممکنہ جگہوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ جہاں کوئی آدمی چھپ سکتا ہو۔ دیکھو دوست تم اطمینان سے گفتگو کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری گفتگو بڑے خوش گوار ماحول میں ہوگی۔"

جبین بوکھلا گیا اس نے گھبرا کر دریافت کیا "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم بالکل فکر نہ کرو اور بڑے اطمینان اور خوشگوار ماحول میں تمام سوالات پوچھو میں تمہیں جواب دوں گا بیک مین نے مجھے بتایا تھا کہ تم اس سارے گورکھ دھندے کا مقصد معلوم کرنا چاہتے ہو لیکن ایک شرط پر میں تمہیں ساری تفصیل بتاؤں گا۔" ڈائریکٹر جنرل نے پروقار لہجے میں کہا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا جبین کے قریب آ گیا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ آخر تم مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو؟" جبین نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ تم نے ارشد چوہدری کے تمام خاندان کو فرار کروا دیا ہے۔"

"تو کیا انہیں تمہارے ہاتھوں قتل کروا دیتا؟"

"یقیناً ہم ایسا ہی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن تم ہم سے پہلے ہی وار کر گئے۔"

"میں اس کے لیے مجبور تھا۔ وہ لوگ بہت اچھے ہیں۔"

"بھئی تو حسن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔"

"نن... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ تم یقین کرو میں نے انہیں ایک لفظ نہیں بتایا سوائے میڈل کے۔" جبین نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"ڈائریکٹر جنرل اُسے دیکھ کر ہنس دیا۔ پھر بولا "دوست مجھے مشرق سے یہی شکوہ ہے کہ اس کا حسن نایاب ہوتا ہے...

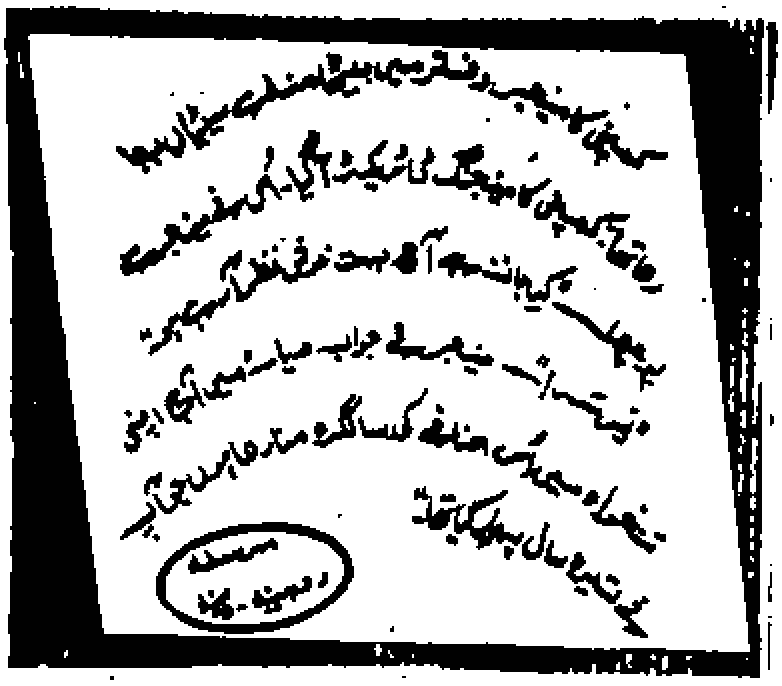

اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ میرے خیال میں تم اب اپنا خوف ختم کر چکے ہو گے؟"

"ہم... میں پہلے بھی خوفزدہ نہیں تھا بلکہ تم سے محتاط رہنا چاہتا تھا۔" جبین نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں میرا وعدہ ہے۔"

"لیکن اس سے پہلے تمہارے ہی آدمی نے مجھے کئی بار ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ زخموں کے باوجود بچ گیا۔" جبین نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں مجھے اعتراف ہے کہ تمہیں ختم کرنے کی ایک دو کوششیں کی ہیں لیکن اس کے لیے ہم مجبور تھے۔" ڈائریکٹر جنرل نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایسی ہی مجبوری تھی کہ اپنے ہی ہم وطن کو ختم کرنے لگے۔"

"دوست ملک و قوم کی خاطر بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔"

"ملک و قوم یا پھر اپنے ذاتی مفاد کی خاطر۔ ہاں تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ ارشد چوہدری جاسوس تھا کہ نہیں؟" جبین نے اکھڑے لہجے میں کہا۔

ڈائریکٹر جنرل خاموشی سے جبین کو دیکھتا رہا۔ "میرے ساتھیوں کا خیال ہے کہ تمہیں مار دینا چاہیے تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔"

"شاید میں نے بیک مین کو تنبیہہ کی تھی کہ میرے بارے میں ایسا خیال ذہن میں بھی نہ لانا۔" جبین نے اپنے لہجے کو گمبھیر بناتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ تم نے میرا خیال تو پوچھا ہی نہیں..." ڈائریکٹر جنرل نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کون سا خیال؟" جبین نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی کہ میرے خیال میں تم اپنے ملک سے محبت کرتے ہو بس اس حسینہ کی وجہ سے تھوڑے سے کھسک گئے تھے مجھے

www.taemeernews.com

امید ہے اب تم سنبھل گئے ہو گے؟

"یہ... یہ تم سینہ کا طعنہ کیوں دیتے ہو؟" جیمس نے خفت سے کہا۔ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ شخص آہستہ آہستہ اس پر چھاتا جا رہا ہے۔

"تو تم... اوہ!" جیمس یہ کہہ کر رہ گیا کیونکہ کلاک نے ساڑھے گیارہ کا گھنٹہ بجایا۔ جیمس نے گھبرا کر اپنی رسٹ واچ دیکھی۔

"کیوں! تھامسن کو خاص وقت بتایا تھا؟"

"نن... نہیں... ہاں ہاں!"

"تو پھر اسے اطلاع کر دو کہ خیریت ہے!"

"ا... اچھا!" جیمس نے کہا اور خاموشی سے کار کی ہیڈ لائٹس تین بار جلا کر بجھا دیں پھر واپس ڈائریکٹر جنرل کے پاس آ گیا۔

"آؤ تھوڑی سی سیر کریں۔ میں تمہیں تمام واقعات و مقاصد تفصیل سے بتاتا ہوں!"

"چلو!"

"بات شروع کرنے سے پہلے میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ یہ تمام واقعات صرف اور صرف ایک امریکی بن کر سنو گے!"

"کیا مطلب... کیا تمہیں میرے امریکی ہونے پر شک ہے!"

"ارے نہیں۔ بس تم آج کل جلے بھنے ہوئے ہو!"

"کیا نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھو تم لوگوں نے مجھ پر کتنا ظلم کیا ہے!" جیمس نے پینٹ سے شرٹ اٹھا کر اسے بینڈیج دکھاتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی ناراض نہ ہو!"

"اچھا اب بتا بھی دو کیا معاملہ تھا!" جیمس نے اکتا کر کہا۔

"تو تم یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم ایک محب وطن امریکی ہو!"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اگر تم لوگوں کے کرتوت انسانیت کے خلاف ہوئے تو میں مجبور ہوں گا!"

"انسانیت... کیا مطلب تمہارا! ہم لوگ انسانیت کے خلاف کام کرتے ہیں! ہم جو ساری رات صرف اس لیے جاگتے ہیں کہ تم لوگ آرام سے سو سکو۔ ہم لوگ صرف اس لیے مارے جاتے ہیں کہ تم لوگ سکون سے اپنی زندگی گزار سکو اور... اور تم جیسے لوگ ہمارے آدمیوں کو مارتے پھریں... تم کہو گے کہ انھوں نے تمہیں مارنے کے لیے بھرپور کوشش کی اس لیے کہ تم ملک و قوم کے لیے نقصان دہ ہو گئے اور اس وقت بھی ہم لوگ تم سے صرف اس لیے تعاون کر رہے ہیں کہ تم اپنی بے وقوفی سے یہ خبر اخبارات میں دے دو گے جس سے امریکہ کی اچھی خاصی سبکی ہو گی۔ تمہیں اس سارے قصے کا علم ہے۔ تمہیں معلوم ہے ہم کیوں اس میں سر کھپا رہے ہیں۔ ہونہہ تم لوگ تو یہی سمجھتے ہو کہ ہم ہمیشہ ہی غیر قانونی کاموں میں ملوث رہتے ہیں۔ ٹھیک ہے مسٹر جیمس بورن تمہاری مرضی۔ اگر تم ہمیں اس بات کا مکمل یقین نہیں دلانا چاہتے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے تھینک یو...؛ ڈائریکٹر جنرل نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنی لیموزین کی طرف بڑھا۔ جیمس وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن تیزی سے کسی خاص نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا تاکہ ڈائریکٹر جنرل کے جانے سے پہلے ہی کوئی فیصلہ کرے۔

"مسٹر ڈائریکٹر جنرل!" جیمس نے تیزی سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"یس!"

"مجھے آپ مکمل طور پر ایک محب وطن امریکی سمجھیں!"

"گڈ... جیمس شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں کسی مجبوری کے تحت تمہارے پاس تعاون کی اپیل کرنے آیا ہوں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ مجھے تمہارے اندر چھپا ہوا وہ زبردست ٹیلنٹ نظر آ رہا ہے جو تم نے کچھ دن پہلے منشیات کے واشنگٹن کے بادشاہ کو ختم کر کے دکھایا تھا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں اسی کیس کی وجہ سے تمہاری کتنی شہرت ہو گئی ہے۔ تین ٹیلی ویژن چینل اور دو ریڈیو اسٹیشن والے تمہارا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ لوگ اس بات پر حیران ہیں کہ تم اور تمہاری سیکریٹری دفتر بند کر کے اچانک کہاں چلے گئے ہیں۔ میرا مشورہ مانو تو اپنا لائسنس لو اور صبح سے آفس میں جانا شروع کر دو اور یہ تمام باتیں بھول جاؤ!" ڈائریکٹر جنرل آف ایف۔ بی۔ آئی نے دھیرے دھیرے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"یہ حقیقت ہے کہ میں تمہارے پاس صرف اپنے لائسنس کی وجہ سے آیا ہوں!" جیمس نے مسکرا کر کہا۔

"بہت اچھا فیصلہ ہے... سچ تمہارا مستقبل شاندار ہے!"

"تھینک یو!"

"اب میں امید کرتا ہوں کہ تم ایک محب وطن ہونے کے ناتے اس تمام قصے کو ایک خواب سمجھو گے!" ڈائریکٹر جنرل نے جیمس بورن کا شانہ آہستگی سے تھپتھپا کر کہا۔

www.taemeernews.com

"ہاں شاید یہی میرے لیے بہتر ہے۔"

"تمہارے لیے جیسی ہمارے لیے بھی یہی بہتر ہے۔"

"اچھا اب تو حقیقت بتا دو کیا ارشد چوہدری واقعی جاسوس تھا؟" جیسن نے چونک کر پوچھا۔

"ڈائرکیٹر جنرل ہنس پڑا پھر بولا۔" "تم معلوم کیے بغیر یہاں سے ملو گے بھی نہیں۔" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"نہیں وہ جاسوس نہیں تھا بلکہ ہمیں اُسے مارنے کا نقصان ہوا ہے۔ وہ ناسا میں جس پروگرام پر کام کر رہا تھا اس کا آخری حصّہ ابھی باقی تھا جسے وہ مکمل کر رہا تھا لیکن مجبوراً ہمیں اسے مارنا پڑا اب وہ حصّہ ہمارے سائنسدان مکمل کریں گے لیکن انہیں اس کام میں چھ ماہ یا اس سے زیادہ لگ جائیں گے جبکہ ارشد چوہدری دو یا تین ماہ میں یہ کام مکمل کر دیتا۔ بلاشبہ وہ ایک ذہین شخص تھا۔"

"لیکن تم نے اُسے مارا کیوں؟" جیسن نے ڈائرکیٹر جنرل کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اسی طرف آ رہا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ وہ کہاں کا باشندہ تھا؟"

"ہاں۔ پاکستان کا۔"

"یہی تو وجہ تھی جس کے لیے ہم نے اُسے مار ڈالا۔"

"میں سمجھا نہیں۔ تم نے صرف اس کو پاکستانی ہونے کی وجہ سے مار ڈالا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" جیسن نے حیرت سے کہا۔

ڈائرکیٹر جنرل اُسے دیکھ کر مسکرا دیا پھر بولا۔ "دراصل حکومت خوفزدہ ہوئی تھی کہ کہیں ارشد چوہدری بھی ڈاکٹر قدیر خان کی طرح اسٹار وار کی اہم ٹیکنالوجی پاکستان نہ لے جائے جس کی وجہ سے پاکستان آج اٹامک انرجی میں انتہائی تیز رفتاری سے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں آگیا ہے۔ اسی طرح کہیں ارشد چوہدری کی وجہ سے اسٹار وار اور لیزر انرجی میں بھی اسی حیرت انگیز تیزی کے ساتھ ہمارے مقابلے میں نہ آ جائے۔"

"اوہو... تو یہ بات تھی۔ یعنی کہ تم لوگوں نے ایک خدشے کی وجہ سے اُسے قتل کر دیا۔"

"ہاں جیسن یہ تو کچھ نہیں۔ اپنے ملک و قوم کے لیے اس سے بھی بڑے بڑے قتل اور عجیب و غریب جرم کرنے پڑتے ہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ واقعی مجھے محب وطن بن کر سوچنا چاہیے۔" جیسن نے آہستگی سے کہا۔ چند لمحوں پہلے والی ہمدردی جو کہ ارشد چوہدری اور اس کے خاندان سے ہو رہی تھی رفوچکر ہو چکی تھی۔

"کہو اب کیا خیال ہے؟" ڈائرکیٹر جنرل آف ایف۔ بی۔ آئی نے جیسن کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"واقعی مجھے اپنے ملک کی فکر پہلے کرنی چاہیے۔" جیسن نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے صبح تم اپنے دفتر جانا نہ بھولنا۔"

"ہاں ضرور۔" جیسن نے پرجوش لہجے میں کہا اور اپنی ٹوسیٹر فورڈ کی جانب بڑھا جبکہ ڈائرکیٹر جنرل اپنی سیاہ لیموزین میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد جھاڑیوں سے سرسراہٹ کی آواز آئی اور وہاں سے تھامسن نمودار ہوا۔

"کیوں بھئی کیا رہا؟ بڑی لمبی گفتگو کی۔"

"کچھ نہیں بس اس نے بتایا کہ ارشد چوہدری کو کس وجہ سے مارنا پڑا۔" جیسن نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کس وجہ سے مارنا پڑا؟" تھامسن نے دریافت کیا۔ جواب میں جیسن نے تمام گفتگو تھامسن کے گوش گزار دی۔

"بہت خوب، بہت اچھا اور بروقت فیصلہ تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو لیکن مجھے زندگی میں بھابی کبھی نہیں بھولے گی۔" جیسن نے طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"بھابی... یہ کون ہے؟" تھامسن نے حیرانگی سے پوچھا۔

"مسز ارشد چوہدری... مجھے تو ان کا نام معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا۔ اگر ارشد انہیں ان کے نام سے نہ پکارتا۔ ویسے تھامسن بھابی کیسا نام ہے؟" جیسن نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہوں۔ سکون والا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی تھپکی دے کر سلانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"شاید... بھابی۔ بھابی۔" جیسن نے زیرلب دوبارہ مسز ارشد چوہدری کو پکارا۔ گاڑی تیزی سے اندھیرے کی وادیوں میں کھوتی چلی گئی۔ تمام شہر پہ دھند چھائی ہوئی تھی۔ بالکل کسی امریکی کے دماغ پر چھانے والی دھند کی طرح۔

جیسن مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا کہ وہ محب وطن ہے یا خودغرض۔ کیا ہے وہ؟

www.taemeernews.com

ایم اے راحت

بساط

معاشرہ نام ہے انسانی رابطوں کا، ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونے کا، ربط وضبط اور جذبۂ ہمدردی نہ ہو تو دُنیا جنگل بن جائے جس میں انسانوں کی جگہ خوفناک درندے دندناتے پھریں۔ عدالتی کارروائیوں اور قانونی موشگافیوں سے کھیلنے والے سچ کے متلاشی ایک شوریدہ سر کی داستان جس نے وقت کو بیساکھیاں بنا کر جینے والوں کی دادرسی، خلاقیات کے علمبرداروں کو جامۂ انسانیت پہنانے اور معاشرے کو انسان نما درندوں سے پاک کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔

چہار رنگ، دہلی ۱۳۳۱ اگست ۸۹ء

www.taemeernews.com

بچپن والدین کی آغوش میں گزرتا ہے اور ان کی ہر سوچ اولاد کی سوچ ہوتی ہے۔ یہی اختلاف ہے مجھے اپنے گھر والوں سے۔ جو میں کروں پر مشتمل یہ دو منزلہ کوٹھی آشیانہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اصولؔ (قانون کا گھر ہے) والد صاحب عظمت حسین ریٹائرڈ آئی جی پولیس۔ نمبر دو پر جج امجد حسین نمبر تین پر ایس پی طارق حسین ہیں چوتھا نمبر بیرسٹر نصرت حسین کا ہے اور پانچویں نمبر پر میرا نام آتا ہے یعنی شارق۔ چھٹے نمبر پر لالہ رخ۔ اس کے علاوہ شوہر پرست والدہ صاحبہ، پُرمذاق بھابیاں۔ ایم اے اور ایل ایل بی کر لیا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین کے ساتھ کام کرتے ہوئے قتل کا ایک کیس آیا۔ وہ ایک بے قصور کو قصور وار ٹھہرا رہے تھے میں نے اس کیس پر وکیل فاروقی سے بات کی تو انھوں نے اجازت دے دی۔ راحیل کا کیس لے لیا جس نے ایک اہم آدمی ایاز احمد کی بھتیجی نصرت کو قتل کیا تھا۔ تمام ثبوت اس کو مجرم ٹھہرا رہے تھے...

میری ملاقات ایاز احمد کے بیٹے شاہد ایاز کے گھر پر ایک لڑکی روزی سے ہوئی اس کے بھائی جونی کو جو شاہد ایاز کا دست راست تھا، سرکاری گواہ بنایا اور راحیل کو بےگناہ ثابت کر کے شاہد ایاز کو اسی کیس میں پھنسا دیا۔ گھر پہنچا تو خلاف توقع سب لوگوں نے میرے اس اقدام کو سراہا۔ اس کیس کے چند روز بعد کورٹ میں ایک نوجوان احسان تائب بیڑیوں میں جکڑا ہوا نظر آیا۔ مجھے اس کے چہرے ہی سے بےگناہی کا احساس جھلکتا ہوا محسوس ہوا اور میں اس کے کیس کی سماعت سننے کے لیے عدالت میں رک گیا میرا شک یقین میں بدل گیا۔ احسان تائب کو اپنی بہن فریال حسین کے باس فرہاد احمد کو قتل کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ میں نے اس کی والدہ اور بہن کو بمشکل اس کا کیس لڑنے پر راضی کر لیا۔ فریال حسین کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور میں اسی الجھن کو دور کرنے کے لیے جیل جا پہنچ گیا۔ واپسی پر جیلر وقار احمد کے پاس رہا ہونے والے ایک قیدی استاد جمو سے ملاقات ہوئی۔ استاد جمو زمانے اور اپنی اہلیہ کے ہاتھوں ستائے ہوئے تھے۔ میں ان کو گھر لے آیا۔ آفس سے واپسی پر انسپکٹر غالب سے ملاقات ہوئی تو میں نے احسان تائب کے بارے میں بتایا اس نے مدد کرنے کی ہامی بھر لی۔ میں نے فرہاد احمد کے سابقہ ڈرائیور سے بہت سی معلومات حاصل کیں۔ انسپکٹر غالب نے فرہاد احمد کی فرم کے ایک آدمی نیاز احمد کو ڈرا دھمکا کر فرہاد احمد کی سیکرٹریوں کی فائل حاصل کی اور تین سابقہ سیکرٹریوں کو سرکاری گواہ بنا لیا۔ پھر جب عدالت میں کیس آیا تو وکیل فاروقی صاحب نے احسان تائب کے وکیل کی حیثیت سے عدالت کو تمام باتوں سے آگاہ کیا۔ ڈرائیور اور تینوں سیکرٹریوں نے عدالت کو فرہاد احمد کے کردار کے بارے میں بتلایا پھر عدالت میں فریال حسین کو بلایا گیا۔ اس نے ساری بات جج صاحب کو بتا دی کہ میرا بھائی بالکل بےگناہ ہے۔ میں نے اپنی عزت کے تحفظ کی خاطر فرہاد احمد کو قتل کر دیا تھا۔ اسی وقت حسب معمول میرا بھائی احسان مجھے لینے کے لیے وہاں پہنچ گیا اور صورت حال کو دیکھتے ہوئے سارا الزام اپنے سر لے لیا پھر احسان تائب کو رہا کر کے فریال حسین کو گرفتار کر لیا گیا۔ میں نے احسان تائب کو یقین دلایا کہ اس کی بہن کو سزا نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے فریال حسین کو بھی باعزت بری کرا لیا۔ اس کیس سے فارغ ہو کر آشیانہ پہنچا تو ایک اور جھگڑا کھڑا تھا۔ آئی جی صاحب میری شادی شفیق بھابی کی بہن نیلوفر سے کرنا چاہتے تھے۔ میں نے سختی سے انکار کیا نتیجتاً گھر سے باہر ہو گیا۔ میں اور استاد جمو ایک فلیٹ میں رہنے لگے۔ اسی دوران ایک روز جنا سعید میرے دفتر آ پہنچی۔ وہ اپنی سوتیلی ماں کے ظلم کا شکار تھی بقول اس کے مرحوم والد کے کاروبار پر قبضے کے لیے اس کے بھائی کو منشیات کا عادی بنا دیا تھا میں نے اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور جاوید کے دوست کی حیثیت سے اس کے گھر میں مقیم ہو گیا جہاں جنا کی سوتیلی والدہ فرخندہ بیگم کا کزن طاہر بھی رہتا تھا۔ میں نے جاوید کو اسپتال میں داخل کرا دیا جہاں انکشاف ہوا کہ وہ زہر خورانی کا بھی شکار ہے۔ میں نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے فرخندہ بیگم سے جاوید کے علاج کا اجازت نامہ حاصل کر لیا۔ اب یہ کیس میرے لیے انتہائی دلچسپی کا حامل تھا۔ جنا سعید چاہتی تھی کہ جاوید جلد از جلد صحت یاب [illegible] جائے [illegible] جاوید روبصحت تھا کسی نے [illegible] کے کلینک میں اسے [illegible] انجکشن لگا دیا... قتل کے الزام میں فرخندہ بیگم کو گرفتار کر لیا گیا۔ کیس عدالت میں پیش ہوا فاروقی صاحب فرخندہ بیگم پر لگائے گئے جھوٹے الزامات کے بارے میں بول چکے تو جج صاحب کی آواز ابھری "ملزمہ کا وکیل صفائی کون ہے؟" میں نے کہا "میں ملزمہ کا وکیل صفائی ہوں۔" وکیل کی حیثیت سے یہ میرا پہلا مقدمہ تھا اور اس میں بڑا لطف آ رہا تھا۔ جنا سعید اور طاہر دونوں حیران تھے۔ میں فرخندہ بیگم کو بےگناہ ثابت کرنے کے لیے ثبوت پیش کر رہا تھا۔ جب میری کارروائی ختم ہوئی تو جنا سعید نے جج صاحب سے درخواست کی کہ وہ وکیل بدلنا چاہتی ہے۔ دوسری پیشی پر میرے مدمقابل میرے بڑے بھائی بیرسٹر نصرت حسین تھے۔ میں نے فرخندہ بیگم کو بےگناہ ثابت کر دیا اور جاوید کے قتل کے جرم میں طاہر مقصود، جنا سعید اور ان کے فیملی ڈاکٹر جہانگیر نوری کو گرفتار کروا دیا۔ یہ تینوں افراد جاوید کے قتل میں برابر کے شریک تھے۔ فرخندہ بیگم کو عدالت نے باعزت بری کر دیا۔ فرخندہ بیگم نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں ان کی مدد کرتا رہوں گا۔ پاکیزگی کے تمام رشتوں کے ساتھ۔ ایک دن میں اور فاروقی صاحب دفتر میں بیٹھے تھے کہ جاوید قریشی ایک بدمعاش ٹائپ شخص بدر شاہ کو لے کر آئے۔ وہ ایک بےگناہ انسان کو جیل سے رہائی دلانا چاہتا تھا جو ایک لڑکی زہرہ کے قتل کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ اسے چودھری غیاث الدین اور اس کے بیٹے امیر الدین نے پھنسایا تھا۔ امیر الدین کو اس سے ذاتی دشمنی تھی، وہ اس شخص روشن علی کی بیوی رشیدہ پر ڈورے ڈال رہا تھا میں نے رشیدہ کو فاروقی صاحب کے گھر چھوڑا اور خود اس کیس کی تفتیش کے لیے غلام آباد چلا گیا۔ وہاں غیاث الدین کے منشی ریاض سے ملاقات ہوئی اس نے ایک عورت کا پتا بتایا۔ میں اس کے گھر کی طرف چل دیا راستے میں ایک نہایت حسین لڑکی ملی مگر پھر اچانک غائب ہو گئی میں نے اس کی تلاش میں منشی کے گھر تک جا پہنچا۔ منشی نے دھوکے سے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا لیکن میں روشن دان کے ذریعے فرار ہو کر بالی کی سرائے جا پہنچا۔ بالی نے بتایا کہ منشی کے دونوں بچوں کو اغوا کر لیا گیا ہے پھر رضی آ گئی اور میں اسے ساتھ لے کر منشی سے ملا۔ وہ مجھے منشی کے گھر کے تہ خانے میں لے گیا جہاں وہی خوبصورت لڑکی پڑی ہوئی تھی جو اچانک غائب ہو گئی تھی۔ امیر الدین کو پھانسنے کے لیے دوسرے دن مراد اور روزی کو

www.taemeernews.com

اُس کے پاس لے گیا۔ اس عرصے میں میں نے غلام جلاد اور زمرد کے والد افضل خان کو گواہی پر تیار کر لیا پھر میں نے غالب کو سب کچھ بتادیا اور اُس نے امیرالدین کو گرفتار کر لیا۔ چودھری غیاث الدین بھی شہر آگیا اور بیٹے کا کیس بیرسٹر نصرت حسین کے حوالے کر دیا۔ کیس جج امجد حسین کی عدالت میں پیش ہوا۔ بیرسٹر نصرت حسین نے امیرالدین کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے بڑا زور صرف کر دیا لیکن میرے مضبوط دلائل کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ غیاث الدین نے بیرسٹر نصرت حسین سے کیس واپس لے لیا۔ نیا وکیل بھی کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا اور میں نے غلام جلاد کی بیٹی امینہ کو عدالت میں پیش کر دیا جس کی گود میں امیرالدین کا بچہ تھا۔ امیرالدین نے اقرارِ جرم کر لیا۔ عدالت نے روشن علی کو باعزت بری کرتے ہوئے امیرالدین کو چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنادی۔ دوسرے روز آستانہ میں میری طلبی ہوئی وہاں پہنچا تو والد صاحب نے نہایت غصے کے عالم میں حکم دیا کہ مجھے پندرہ روز تک تہ خانے میں بھوکا پیاسا رکھا جائے اور جب میرا دماغ درست ہو جائے تو نیلو فر سے میرا نکاح پڑھا دیا جائے۔ میں وہاں سے بھاگ نکلا۔ جیلر وقار صاحب نے ایک قیدی حفیظ بابا سے ملوایا جو چودہ سال کی سزا کاٹ چکا تھا اور اس کی رہائی میں صرف پانچ ماہ باقی تھے۔ اُس نے بتایا کہ وہ بے گناہ ہے اور چاہتا ہے کہ اصل قاتل سامنے آجائے تاکہ وہ اپنے خاندان کے سامنے سرخرو ہوسکے۔ میں اُس سے معلومات حاصل کرکے فرحت پور روانہ ہو گیا۔ وہاں میری ملاقات مقتول نواب کی بیٹی ملاس سے ہوئی۔ اُس نے مشورہ دیا کہ میں اخباری رپورٹر کی حیثیت سے اس کی والدہ سے ملوں۔ میں بیگم حکمت آرا سے ملا اور انہیں نواب صاحب کے قتل کی دوبارہ تحقیقات کے بارے میں اُکسایا۔ اس پر انہوں نے ایک معقول انعام دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد میں حفیظ الدین کی بیوی سے ملا لیکن اس کے بھائی نے دھمکی دے کر مجھے گھر سے نکال دیا پھر حفیظ الدین کی بیوی نے ریاض احمد کی معرفت سارے واقعات بیان کر دیے۔ تحقیقات کے نتیجے میں دو کروڑ روپے کا پرونوٹ سامنے آیا جو زمینوں کے رہن رکھنے سے متعلق تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ نواب نیاز کے قتل کی وجہ یہی پرونوٹ ہے اور اس کے پیچھے نواب جہانگیر کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنے شک کو یقین میں بدلنے کے لیے نواب نیاز کا بہروپ بھرا اور اس مقام کی طرف روانہ ہو گیا جہاں نواب جہانگیر ان دنوں شکار کھیلنے میں مصروف تھا۔ نتائج میری توقع کے عین مطابق نکلے نواب جہانگیر خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا تو میں اس کی حویلی میں بھی جا پہنچا۔ نواب نے مشہور کر دیا کہ اس پر بھوت آگیا ہے۔ ہم نے بھیس بدل کر نہ صرف نواب کا بھوت اُتارا بلکہ اس سے قتل کا تحریری اعتراف نامہ بھی لے لیا۔ حفیظ الدین کا کیس بھائی صاحب نے لڑا اور وہ باعزت بری ہو گیا۔ بیگم صاحبہ نے وعدے کے مطابق مجھے دس لاکھ روپے کا چیک دے دیا۔ انہی دنوں ایک ایسی لڑکی کا کیس میرے پاس آیا جس کی زبان کاٹ دی گئی تھی۔ میں اُس کے سلسلے میں تحقیقات کرتا ہوا مرزا توقیر بیگ جا پہنچا جو فیروز پور کا نامی گرامی بدمعاش تھا۔ توقیر مرزا کی پٹائی کرکے میں باہر نکلنے لگا تو اُس کی بیگم سے ملاقات ہوئی۔ وہ اُس کے ظلم و ستم کا شکار تھی۔ میں نے اُسے وہاں سے کراچی منتقل کر دیا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ اُس کے بھائی کو توقیر مرزا نے قتل کے الزام میں سزا کرادی ہے۔ بھائی پاگل خانے میں ہے اور بھتیجی کا کوئی پتا نہیں ہے۔ میں نے توقیر مرزا کے گرد جال بُنا اور بیگم توقیر کی بھائی کو پاگل خانے سے نکال لایا۔ ان کی بچی بھی مل گئی پھر میں نے پوری قوت سے توقیر مرزا پر دھاوا بول دیا۔ تمام ثبوت پہلے ہی حاصل کیے جا چکے تھے۔ ایس پی بابر جان نے چھاپہ مار کر توقیر مرزا کے تمام ٹرک پکڑ لیے اور ان سے منشیات برآمد کر لیں۔ توقیر مرزا کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلا اور وہ اپنی سزا کو پہنچا۔ ایک روز جیلر وقار احمد نے ایک خاتون میمونہ سے ملاقات کرائی اُس کی دکھ بھری کہانی یہ تھی کہ وہ شارجہ میں اپنے باپ کے ساتھ رہتی تھی وہاں اس کی شادی ایک پاکستانی نوجوان کفیل احمد سے ہو گئی۔ اس کے گھر ایک بچے نے جنم لیا۔ کفیل کو ایک

روز پاکستان سے بلاوا آگیا تو وہ میمونہ سے چند دنوں تک واپسی کا وعدہ کرکے پاکستان آگیا پھر اُس کی کوئی خیر خبر نہ ملی۔ مجبوراً میمونہ اپنے بچے کو لے کر پاکستان آگئی۔ یہاں اُس کی ملاقات کفیل کے والد طفیل احمد شیخ اور اس کی سوتیلی ماں سے ہوئی۔ انہوں نے میمونہ کو آوارہ کہہ کر گھر سے نکال دیا۔ اسی دوران میمونہ نے کفیل کو کار میں ایک لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا اور تھانے رپورٹ کرنے گئی لیکن وہاں بھی اُس کے خلاف قدم اٹھاتے ہوئے اُسے 'بدچلنی' کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا جہاں سے وقار احمد اُسے اپنے گھر لے آئے۔ ایک منصوبے کے تحت کفیل احمد کے دوست کی حیثیت سے اس کے گھر میں داخل ہوا جہاں اس کے والد اور سوتیلی ماں نے میری پذیرائی کی کفیل کی دوسری بیوی مہک مجھ سے گھل مل گئی۔ کفیل خود کو شراب میں غرق کیے رکھتا تھا۔ اس کی بیوی مہک مجھے پارٹیوں میں لیے گھومتی رہتی تھی۔ اس نے ایک ایسے ہی جذباتی لمحے میں اپنا راز مجھ پر عیاں کر دیا۔ میں نے مہک کو اپنی نئی کوٹھی دکھائی اور اسے پیش کش کی کہ اگر وہ کفیل سے طلاق لے لے تو میں اس سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ مہک نہ صرف فوراً رضامند ہو گئی بلکہ اُس نے اپنے بارے میں سب کچھ بتادیا کہ وہ اور اس کی پھوپی نہایت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی پھوپی نے طفیل احمد کی دولت ہتھیانے کے لیے اُن کے بیٹے کو شارجہ سے بلا کر نشے کا عادی بنایا اور اُس کے ساتھ کفیل کی شادی کر دی۔۔۔ مہک نے فاروقی صاحب کی وساطت سے عدالت میں طلاق کا مقدمہ دائر کر دیا۔ میں طفیل احمد کے گھر سے ایک ہوٹل میں منتقل ہو گیا اور مہک کو فاروقی صاحب کے گھر میں چھپا دیا۔ طفیل احمد اور اُن کی بیگم نے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن ان کی ایک نہ چلی اور دوسری ہی پیشی میں مہک کو طلاق ہو گئی۔ اس موقع پر کفیل بھی موجود تھا۔ جب اُسے سوتیلی ماں کی سازش کا علم ہوا تو وہ اپنے باپ سے بھی متنفر ہو گیا۔ وہ اپنی بیوی میمونہ اور بچے کو لے کر شارجہ واپس جانا چاہتا تھا۔ میں انہیں اپنی کوٹھی لے گیا پھر ایک روز طفیل احمد ہمارے دفتر آئے۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے اور اب وہ اپنے بیٹے، بہو اور پوتے کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے اُن سے مہک کا حق مہر اور ہرجانہ طلب کیا چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کے سامنے ہی مطلوبہ چیک لکھ دیا جو میں نے مہک کے حوالے کر دیا تاکہ وہ ایک باعزت زندگی گزار سکے۔۔۔ پھر ایس پی بابر جان نے ایک ایسے خطرناک شخص کا کیس میرے حوالے کیا جو مظلوم ہونے کے باوجود اپنے بارے میں کچھ بتانے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ میں کوٹ حسن کی جیل میں جیلر عبدالرحمٰن کی وساطت سے بھادوں کے پاس پہنچ اور اُس کے مخالف قیدیوں کی پٹائی کرکے اس کا ہمدرد بن گیا۔ تب اس نے مجھے اپنے بارے میں بتایا۔ وہ ایک زمیندار بخت بیدار کے باغوں کا رکھوالا تھا اور وہیں جھونپڑی میں اپنی چھوٹی بہن رجّو کے ساتھ رہتا تھا۔ بخت بیدار بھادوں پر بہت مہربان تھا لیکن ایک روز اُس نے بھادوں کی محبوبہ کی عزت لوٹ لی اور پھر اس کی شادی بھادوں سے کرادی۔ بھادوں کو اس حقیقت کا علم ہوا تو وہ بہت چراغ پا ہوا۔ اسی دوران بخت بیدار نے اُس کی بہن رجّو کو بھی اغوا کرکے اپنی ہوس کا نشانہ بنالیا۔ اس پر بھادوں پاگل ہو گیا اور بخت بیدار کو قتل کرنے حویلی جا پہنچا لیکن بخت بیدار وہاں سے فرار ہو گیا۔ بھادوں اپنی جھونپڑی میں واپس آیا تو وہاں اس کی بیوی، بچے اور بہن کی لاشیں پڑی تھیں۔ اسی وقت پولیس پہنچ گئی اس کے ساتھ بخت بیدار بھی تھا۔ بھادوں کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بھادوں کی کہانی سن کر میں اُلجھ گیا کیونکہ بیدار بخت کا باپ شاہ بخت 'ڈیڈی' کے دوستوں میں تھا اور میری ایک کزن 'بخت بیدار کی بیوی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں ڈیڈی سے رجوع کیا۔۔۔ تو اُنہوں نے کہا کہ میں بخت بیدار کی لاعلمی میں اس کے بارے میں تحقیقات کروں ورنہ اگر وہ بے گناہ ثابت ہوا تو اسے رنج ہوگا۔۔۔ پھر میں ایس پی بابر جان سے ملا۔ کیونکہ انہوں نے ہی بھادوں کو گرفتار کیا تھا وہ میری کارکردگی سے بے حد متاثر ہوئے

اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ میں بذریعہ ٹرین شاداب گڑھی پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بخت بیدار نے ہیروئن کا بڑا ہی جال پھیلا رکھا تھا۔ میں وہاں دو دن رہا۔ ایک دن بخت بیدار نے اپنے آدمیوں کے ذریعے مجھے اپنی حویلی میں بلوالیا اور پوچھا کہ اجنبی ہوتے ہوئے میں سرائے میں کیوں ٹھہرا ہوں۔ وہاں آمنہ بانی سے ملاقات ہوئی۔ ... ہوں کہ وہ یہاں خوش نہیں ہیں۔ ... میں نے اپنا مشورہ ترک کر دیا لیکن ... شاداب گڑھی میں ایک شخص بھی بخت بیدار کے خلاف کچھ کہنے کو تیار نہ تھا۔ بخت بیدار نے دو آدمی میرے پیچھے لگا دیے تھے۔ میں نے ان کی پٹائی کر دی تو بخت بیدار نے مجھے چیلنج کیا کہ میں اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکوں گا۔ اس نے اپنی سیاہ کاریوں میں مجھے بھی شامل کرنے کی کوشش کی۔ میں بظاہر اس سے تعاون کرنے کا وعدہ کر کے واپس آیا اور چند دنوں کی چھٹی لے کر حسن پور سینٹرل جیل پہنچ گیا۔ وہاں میں نے سعدون پر اپنی حقیقت ظاہر کر دی اور اس کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ میں نے سعدون پر اپنا میک اپ کر دیا اور خود سعدون کی حیثیت اختیار کر لی۔ منصوبے کے مطابق ایک روز سعدون شفیق کے روپ میں جیل سے نکلا اور شاداب گڑھی جا کر بخت بیدار سے انتقام لیا اور اطمینان سے واپس جیل پہنچ گیا۔ میرا کام ختم ہو چکا تھا۔ بعد میں، میں نے ... کیا اور فاروقی صاحب کے سامنے اپنی ناکامی کا برملا اعتراف کر لیا۔ اسی وقت ایس پی بابر جان ہمارے دفتر میں داخل ہوئے اور انہیں بخت بیدار کے قتل کی اطلاع دی۔ ... فاروقی صاحب اور ... تشویش مجھے محسوس ہوئی ... لیکن مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ دوسرے روز دفتر میں فاروقی صاحب نے مجھے ایک خط دیا جو شاہ عالم جیل سے ایک قیدی منیر حسین مفتی نے لکھا تھا جس میں اس نے خود کو بے گناہ ظاہر کر کے مدد کی درخواست کی تھی۔ شاہ عالم جیل پہنچ کر میں نے منیر حسین سے ملاقات کی تو اس نے بتایا کہ وہ اور اس کا بھائی ساجد حسین مفتی جڑواں ہیں لیکن ہماری طبیعتوں میں تضاد ہے۔ والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ والدہ نے ان کی تربیت پر توجہ نہیں دی جس کے باعث وہ بے راہ روی کی طرف مائل ہو گیا۔ اس کے بھائی نے مذہب کا لبادہ اوڑھ لیا جس کی وجہ سے ان کی ماں ساجد کی طرف دار ہو گئیں۔ اسی دوران ان کی والدہ بیگم دوجانہ نے ایک بے سہارا لڑکی تسنیم کو پناہ دی۔

لیکن ایک رات وہ قتل کر دی گئی ... قتل کا الزام مجھ پر عائد ہو گیا اور پھر والدہ اور بھائی کی گواہی پر مجھے چودہ سال کی سزا ہو گئی۔ منیر حسین سے معلومات حاصل کر کے میں اس کی بستی تراب جالہ پہنچ گیا اور ہوٹل میں کمرہ لے لیا۔ اسی رات چند لوگ مجھے اغوا کر کے لے گئے اور جنگل میں ایک تہ خانے میں قید کر دیا لیکن میں وہاں سے نکل بھاگا اور قریب ہی ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ وہاں ایک بیدی لڑکی سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے وہاں سے فرار ہو کر ایک کھنڈر میں پناہ لی۔ لڑکی نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ اخباری رپورٹر ہے اور وہ تسنیم کے قتل کی عینی گواہ ہے جس کی وجہ سے اسے بے ... قید کر دیا گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس کے پاس تمام ثبوت موجود ہیں اور منیر تسنیم کا قاتل نہیں ہے۔

پھر میں اور اخباری رپورٹر نجہت شیراز چھپتے چھپاتے بستی تراب جالہ میں داخل ہوئے اور بیگم دوجانہ کی رہائش گاہ سے وہ کیمرا اور ٹیپ ریکارڈ حاصل کر لیا جس میں منیر حسین کے خلاف تمام ثبوت موجود تھے۔ شہر پہنچ کر میں نے بابر جان کی وساطت سے خیراللہ ٹھیکیدار اور دوسرے تمام لوگوں کو گرفتار کر دیا جو منیر حسین کے گرگے تھے۔ پھر نجہت شیراز نے میری ایما پر مجسں بے جا کا مقدمہ دائر کر دیا اور منیر حسین کی کیس فائل دوبارہ کھل گئی۔ نجہت شیراز کو میں نے اپنی ٹیم میں شامل کر لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو ڈیڈی کے ایک دوست شوکت جاہ کی آمد کی اطلاع ملی جو ہالینڈ سے تشریف لا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیگم اور صاحبزادی جادواں بھی تھیں۔ جادواں سے ملاقات ہوئی تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ کچھ زیادہ ہی احساس برتری کا شکار تھی۔ لالہ رُخ اور بھابیوں کی اس نے نہیں سنی تو انہوں نے اسے میرے سر منڈھنے کی کوشش کی لیکن میں وہاں سے نکل بھاگا۔ راستے میں انسپکٹر غالب سے ملاقات ہو گئی جسے پھر ایس آئی کر دیا گیا تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے اونچے گھرانے کے دو لڑکوں کو گرفتار کیا تھا جو ایک استانی کو اغوا کر کے لے جانا چاہتے تھے۔ میں اس کے سلسلے میں ایس پی بابر جان سے ملا اور انہوں نے میری مدد کرنے کا وعدہ کر لیا۔ شام کو گھر پہنچا تو بھابیوں اور لالہ رُخ کے منہ سوجے ہوئے تھے۔ جادواں نے جانے انہیں کیا کچھ کہہ ڈالا تھا۔

(اب آپ آگے ملاحظہ فرمایئے)

عصمت بھابی کی جادواں کے بارے میں فراہم کردہ اطلاعات میرے لیے باعثِ دلچسپی تھیں۔ کم از کم آشیانے میں کچھ رونق تو بڑھی۔ لالہ رُخ آج تک والد کو میرے خلاف استعمال کرتی رہی تھی اب خود چکر میں پڑی تھی۔

وہاں سے میں سیدھا اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور غسل کرتے ہوئے میں بہت سے منصوبے سوچتا رہا۔ میں نے اپنے لیے ایک لائحہ عمل تیار کیا اور لباس وغیرہ تبدیل کر کے باہر نکل گیا۔ خصوصاً کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا چنانچہ ہوٹل تک ٹہلنے لگا۔ شفیق بھابی سے ملاقات ہو گئی۔ مجھے دیکھ کر مسکرا دیں۔

"بیٹھو بھابی!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ سعادت مندی تمہارے اندر کب سے پیدا ہو گئی۔ وقت پر نظر آتے ہو۔"

"انسان اپنی فطرت میں تبدیلی نہیں پیدا کر سکتا بس اس کی فطرت کو محسوس کرنے کی بات ہے۔"

"سمجھی نہیں۔" شفیق بھابی نے کہا۔

"سعادت مند تو ہمیشہ سے تھا۔ آپ نے آج محسوس کیا یہ دوسری بات ہے۔"

"ارے میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ مجھے کہانیاں سنا رہے ہو۔" شفیق بھابی نے کہتے ہوئے کہا۔

"اور سنا ہے کوٹھی میں تو سنا ہے بہاریں آگئی ہیں۔"

"وہ بہار جس کا تم تذکرہ کر رہے ہو اپنے کمرے میں ہے۔" شفیق بھابی نے کہا۔

"صرف ایک درخواست ہے اپنی احمقانہ سوچ دوسروں پر مسلط کرنے سے پہلے دوسروں سے مشورہ کر لینا مناسب ہوتا ہے۔ آپ بھی ایسا کریں۔"

"حرج کیا ہے آخر؟ وہ بے حد خوبصورت ہے۔ مہر وہ

www.taemeernews.com

خوبی ہے اس میں جسے ضروری سمجھا جاتا تھا۔

"میں اس مذاق کا برا نہیں مانوں گا کیونکہ آپ میری بھابی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ابھی میں اور شفق بھابی بات ہی کر رہے تھے کہ دور سے محترمہ لالہ رُخ نظر آئیں اور میں ایک دم سیدھا ہو کر بولا۔

"باادب، باملاحظہ ہوشیار۔"

لالہ رُخ نے ہم دونوں کو دیکھا خاص طور سے مجھے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ہمیشہ ہی شکنیں پڑ جاتی تھیں لیکن شاید بھابی کو دیکھ کر ادھر آ گئی۔

"جی بھابی تو رات کا کھانا لان پر ہی کھایا جائے گا؟ سنا ہے کچھ اور لوگ بھی آ رہے ہیں۔"

"ہاں شوکت جاہ کے شناسا ہیں انہوں نے مدعو کیا ہے اور خواتین بھی ہوں گی۔"

"تو دو پورشن رکھے جائیں یا...!"

"میرا خیال ہے تھوڑے فاصلے پر میزیں لگوا دو۔ کوئی پردہ نشین خاتون تو ہو نہیں سکتیں۔" شفق بھابی نے کہا۔

"جی...!"

"وہ لالہ رُخ صاحبہ خادم کی خدمات کی ضرورت ہو تو کچھ مصروفیت سونپی جائے۔"

"خوب! تو گویا خادم بھی اپنے آپ کو اس گھر کا ایک فرد سمجھتا ہے؟" لالہ رُخ نے کہا۔

"خیر آپ کی موجودگی تو یہ کبھی نہ ہونے دے گی۔" میں نے کہا۔ "آپ مجھ سے فضول باتیں نہ کیا کیجیے۔"

"وہ دراصل لالہ رُخ ایک کام تھا تم سے میری پیاری بہن... تم تو ہر وقت ناراض ہی رہتی ہو مگر میں جانتا ہوں کہ یہ کام تمہارے سوائے کوئی نہیں کر سکے گا۔" میں نے کہا۔

"اچھا بھئی میں تو چل رہی ہوں۔" شفق بھابی بولیں۔

لالہ رُخ میرے اس انداز پر چونک کر مجھے دیکھنے لگی تھی۔ اُس کی طبیعت سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ موم بھی ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ اُس کے انداز میں اُس سے گفتگو کی جائے۔ میں اس کے ساتھ ٹہلتا ہوا باہر آ گیا۔ پھر میں نے کہا۔

"غالباً رات کے کھانے کا انتظام تمہارے سپرد ہے۔"

"تو کیا کیا جائے؟"

"ویسے لالہ رُخ اب تمہیں پارٹیوں کے انتظام کا بہترین تجربہ ہو گیا ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ ڈالیے؟ اس لہجے میں آپ نے مجھ سے کبھی بات نہیں کی۔"

"ارے نہیں لالہ ایسی کیا بات ہے۔ تم نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کام کیا ہے آپ کو مجھ سے...؟" لالہ رُخ بولی۔

"وہ جاوداں کیسی ہیں؟" میں نے کہا اور لالہ رُخ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ خوش تو ہیں ناں وہ یہاں؟"

"ہوں! خوش تو ہیں۔ ظاہر ہے کیوں نہ خوش ہوں گی آپ جو یہاں مسلسل براجمان ہیں۔"

"میں کہاں براجمان ہوں بھئی؟ صبح سے اب تو آیا ہوں۔"

"ویسے تو آپ مہینوں شکل نہیں دکھاتے تھے۔"

"وہ لالہ رُخ، جاوداں کا دل ٹٹولو۔ اس کے دل میں میرے لیے گداز پیدا کرو۔ میں دراصل... میں...!"

لالہ رُخ ایک بار پھر اچھل پڑی اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ونڈر فل...! اس کا مقصد ہے میں ایک بہترین پیش گو ہوں۔"

"کیوں...!"

"یہ پیش گوئی تو میں نے پہلے ہی کر دی تھی۔"

"بس یوں سمجھو، تمہارے کہنے کے بعد میں نے اس بارے میں سوچا اور یہ فیصلہ کیا کہ واقعی جاوداں کو زندگی کا ساتھی بنایا جا سکتا ہے۔"

"ہوں! تو خادمہ کی اس سلسلے میں کیا خدمات ہیں...؟" لالہ رُخ نے پوچھا۔

"یعنی فی الحال جاوداں تک ہی محدود رہو اور اس کے دل کو ٹٹولو۔"

"جی بہتر... بہت بہتر۔" لالہ رُخ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اور کوئی خدمت...؟"

"نہیں بس شکریہ! اگر تم نے یہ کام کر دیا تو یوں سمجھو کہ میرے لیے خوشیوں کے خزانے تلاش کر دیے۔" میں نے کہا اور لالہ رُخ نے دوسری جانب رُخ کر لیا۔

www.taemeernews.com

پھر وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ مجھے کسی قدر اطمینان ہوا تھا۔ جاوداں کے سلسلے میں شفق بھابی نے جس انداز میں کہا۔ وہ بات بڑی خطرناک بھی تھی۔ اگر اہلِ خاندان اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو ہو سکتا ہے ایک بار پھر لمبے عرصے کے لیے ان سے جدا ہونا پڑے۔ دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ آخر اپنے تھے لیکن کوئی ایسی فضول بات بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا جو میری زندگی کے سارے پلان فیل کر دے۔ لالہ رخ سے جاوداں کے بارے میں دلچسپی کا اظہار کر کے میں نے اپنی دانست میں ایک مضبوط کیل گاڑ دی تھی، اپنے اور جاوداں کے درمیان۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ میری سازش کس حد تک کامیاب ہو سکتی ہے۔ رات ہو گئی تھی تمام انتظامات لان پر کر دیے گئے۔

کچھ مہمان آ گئے تھے۔ اچھی خاصی تعداد تھی۔ ان کا استقبال شوکت جاہ، اور باقی حضرات نے کیا تھا۔ جاوداں ابھی نہیں پہنچی تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اندرونی حصے سے برآمد ہوئی تو نیلوفر نے ہنسی روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ لالہ رخ کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ تمام ہی لوگ اُدھر دیکھنے لگے تھے۔ جن میں، میں بھی شامل تھا۔ جاوداں ایک نہایت خوب صورت غرارے میں ملبوس تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے قدیم دور تازہ ہو گیا ہو اور کسی نوابی محل سے کوئی نازک اندام دوشیزہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ لباسِ قدیم میں جلوہ افروز ہو رہی ہو۔ جاوداں آگے آ گئی۔ آنے والے تمام لوگوں نے اُسے حیران نگاہوں سے دیکھا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ جاوداں اس لباس میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ بس یوں لگتا تھا جیسے کوئی قدیم روح اٹھ کر چلی آئی ہو۔ انداز اور تمکنت اور حسن جمال میں کوئی کمی نہیں تھی۔ اُسے اس لباس میں بھی اتنے ہی تپاک سے خوش آمدید کہا گیا۔ شوکت جاہ مسکرا رہے تھے۔

"یہ میری بیٹی جاوداں ہے۔ آپ لوگوں نے اسے اس لباس میں دیکھ کر یہ سوچا ہو گا کہ شاید کسی فیشن شو میں یا زمانۂ قدیم کے کسی لباس کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ جاوداں کو اپنے کلچر سے عشق ہے۔ وہ قدیم ماحول کو بے حد پُرسحر نگاہوں سے دیکھتی ہے اور یہ ماحول اس پر طاری ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کے لباس کچھ اسی قسم کے ہوا کرتے ہیں۔"

"نہیں جاوداں تو واقعی ہمیں زمانۂ قدیم کی اپنی تہذیب کی یاد دلا رہی ہے۔" کسی نے کہا۔

کچھ نوجوان بھی اس میں شامل تھے اور میں دلچسپ نگاہوں سے اُن کی نظروں کا مرکز دیکھ رہا تھا۔ جاوداں ہی تھی۔ سو فیصد جاوداں۔ ماحول کچھ اس قسم کا ہو گیا تھا کہ کسی قسم کی ذاتی شرارت بے مقصد ہو جاتی۔ بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی تھے۔ ان آنے والوں میں، بزرگوں کا بھی اچھا خاصا اجتماع تھا چنانچہ معاملہ کسی قدر سنجیدہ ہی ہو گیا لیکن یہ سنجیدگی صرف اس وقت تک قائم رہی جب تک کھانے سے فارغت نہ حاصل ہو گئی۔ کھانے کے بعد نوجوان کو اس کے مواقع مل گئے کہ وہ اپنے طور پر کھل کھیلیں۔ ان آنے والوں میں سے ایک دو سہیلیاں لالہ رخ کی بھی تھیں اور لالہ رخ نے اپنی ٹولی بنا لی۔ شاید اُن کا ہدف جاوداں ہی تھی لیکن ایک بات کو میں نے بھی خلوصِ دل سے تسلیم کیا کہ جاوداں میں اور جو کمی ہو سو ہو لیکن ایک خوبی بے مثال تھی، وہ یہ کہ وہ کسی بھی حالت میں کسی سے مرعوب ہونا نہیں جانتی تھی اور اپنی شخصیت کی انفرادیت کو ہمیشہ برقرار رکھتی تھی۔ اُس کے چہرے پر کسی کے غلط انداز میں مسکرانے سے کوئی شکن نہیں پیدا ہوتی تھی۔ ہاں اگر براہِ راست اُس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ اُس کا جواب بہت ہی عجیب انداز میں دیا کرتی تھی۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس وقت میں بھی نوجوان کے درمیان ہی آ پھنسا تھا لیکن ذرا دبا دبا بیٹھا تھا۔ چند نوجوان خصوصیت سے جاوداں کی جانب متوجہ اور اس پر اپنے اثرات ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔

"آپ نے تو ہالینڈ ہی میں ہوش سنبھالا ہے۔ اپنے ملک کی ثقافت آپ پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟"

"مجھے اپنے خون سے ہدایات ملتی رہی۔" جاوداں نے جواب دیا۔

"بہت خوب! آپ کی تو اردو بھی بہت عمدہ ہے۔ ویسے ہالینڈ اور انگلینڈ میں آپ نے کیا فرق پایا؟"

"ہر جگہ کی اپنی ثقافت ہوتی ہے۔ ہالینڈ بھی بہت خوبصورت جگہ ہے۔ دریائے رائن کے ساتھ ساتھ بادبانی کشتیاں اور جہاز ہر سمت بہت خوب صورت نظر آتے ہیں۔ سرسبز پہاڑیوں کے دامن میں ننھے منے گاؤں آباد ہیں۔ چوٹیوں پر خوب صورت پرانے قلعے نظر آتے ہیں۔ ہالینڈ کے لوگ انگریزوں کی مانند اپنے گھروں کو قلعہ بنا کر نہیں رکھتے بلکہ سرے سے چہار دیواری بنانے کا رواج ہی نہیں ہے وہاں۔ سرِ شام ہی لوگ کرسیاں باغیچے میں ڈال کر پڑوسیوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتے ہیں اور بہر طور یہ اُن کی ثقافت کا ایک حصہ ہے۔"

ہالینڈ کی ثقافت میں کوئی ایسی خاص بات نظر آئی جس نے آپ کو متاثر کیا ہو؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔ میں نے کہا کہ ہر جگہ کے رہنے والے کچھ نہ کچھ خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ میں ہالینڈ کی تعمیر سے بہت متاثر ہوں۔ وہاں بہت محنت سے کام کیا جاتا ہے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ کھیتوں اور چھوٹی چھوٹی نہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ نہروں کے کنارے دیوزاد تتلیوں کی مانند اپنے چوڑے پر پھیلائے نظر آنے والی ہوائی چکیاں اتنی حسین معلوم ہوتی ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ذرا سی آہٹ سے جھٹ فضا میں پرواز کر جائیں گی اور آپ کو یہ بات معلوم ہو کہ پچیس ہزار مربع میل کے کل رقبے سے ہالینڈ کا سوا چار ہزار مربع میل رقبہ زیر آب ہے۔ تقریباً پورا ملک سمندر کی سطح سے دس فٹ نیچے ہے۔ دنیا کی اور کوئی قوم ایسا کوئی مظاہرہ نہیں کرتی کہ اس نے اپنا ملک خود اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا ہو۔ پورے ہالینڈ کا آدھا حصہ سمندر کو خشک کر کے حاصل کیا گیا ہے اور آج سے ایک ہزار سال قبل ہالینڈ یعنی نشیبی علاقوں کے باشندوں نے اپنے دلدل اور پانی سے گھرے ہوئے مکانوں اور زمینوں کو وسعت دینے کے خواب دیکھے تھے۔ اس کی تکمیل کے لیے انہوں نے بند باندھے۔ نہریں کھودیں اور اپنے ہاتھوں سے پانی کا نکاس کیا۔ زمانہ کچھ بدلا تو انسانی ذہن نے ہوائی چکیوں کو جنم دیا جو زمین کو خشک کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئیں۔ بجلی کی ایجاد اور جدید مشینوں نے بے شک ہوائی چکیوں کی افادیت کو ختم کر دیا ہے لیکن آپ کو یہ علم ہے کہ ہالینڈ کا نقشہ انہی چکیوں کی بدولت دنیا کے نقشے پر ابھرا ہے۔"

"بہت خوب! یوں لگتا ہے جیسے آپ نے ہالینڈ کی ثقافت کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیا ہے۔"

"اپنے اندر دوسرے میں تحلیل کرنے کے لیے دوسرے کو بغور دیکھنا ہی پڑتا ہے۔" جاوداں نے جواب دیا۔

میں خاموشی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس وقت اس نے اپنے الفاظ میں بہت زیادہ گاڑھی اردو نہیں استعمال کی تھی ویسے میں اس کی شخصیت کی گہرائیوں میں بھی جھانک رہا تھا۔ یہ لڑکی یا تو بہت زیادہ چالاک ہے یا پھر انتہائی سادہ اور بیوقوف، دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں۔ اپنے آپ کو مقامی ثقافت کا اس طرح سے مظاہرہ کرانے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے لیکن اس نے کسی بھی موقع پر جھجک کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ یوں یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور پھر چند نوجوانوں نے جاوداں کو اپنے ہاں مدعو کرنے کی پیش کش بھی کی جسے اس نے خوشی سے قبول کر لیا تھا البتہ اس نے کہا۔

"اس سلسلے کو میں اپنے ابو کے سامنے پیش کروں گی اگر انہوں نے اجازت دی تو ٹھیک ہے۔ میں حاضری دوں گی۔ آپ لوگ باقاعدہ مجھے مدعو کیجیے۔" غالباً وہ یہاں اپنے رسوخ بڑھانے میں کوشاں تھی۔

"میں لالہ رخ، نیلوفر اور ہمارے باقی ساتھی اس وقت ذرا پیچھے ہی رہے۔ وہ جاوداں کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ اسے اپنی حقیقتیں معلوم ہو جائیں لیکن جاوداں کی پرسحر شخصیت نے کسی کو اس سے منسلک کرنے کی جرأت نہ دلائی اور وہ لوگ زیادہ تر اس کے بارے میں اس سے گفتگو کرتے رہے۔ بہرحال یہ محفل بخیر و خوبی ختم ہو گئی۔ میں نے لالہ رخ اور نیلوفر کی شخصیتیں دبی دبی محسوس کی تھیں۔ ویسے عموماً میرا جائزہ بھی لیا جاتا رہا تھا لیکن آج کی اس کمپنی میں میری کوئی ایسی موومنٹ سامنے نہیں آئی جو کسی کے لیے باعث دلچسپی ہوتی۔ بہرطور ڈنر کا مسئلہ تو شوکت جاہ صاحب نے ختم ہی کر دیا تھا اور ہم لوگوں کو یہ آسانی ہو گئی تھی کہ یہ تفریح ایک مخصوص وقت میں کی جاتی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اس بات سے بھی خوف زدہ رہتا تھا کہ کہیں کوئی ایسی ذمہ داری میرے سپرد نہ کر دی جائے جو میرے لیے باعث الجھن بن جائے۔ فی الحال کوئی ایسا مسئلہ سامنے نہیں تھا جس میں، میں مصروف ہوتا اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت میں لوگوں کے معاملات میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن انسپکٹر تمّا ب نے جو کچھ بتایا تھا۔ اس کے تحت میں خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ دفتر پہنچا تو فاروقی صاحب وغیرہ موجود نہیں تھے۔ میرا چونکہ کورٹ میں کوئی کام نہیں تھا اس لیے میں کافی دیر تک دفتر ہی میں بیٹھا رہا پھر تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ایک ٹیلی فون موصول ہوا۔ ریسیور اٹھا کر بات کی تو ایس، پی بابر جان تھے۔

"شارق حسین تشریف رکھتے ہیں؟ میں بابر جان بول رہا ہوں۔"

"وہی بول رہے ہیں۔ فرمایئے بابر صاحب خیریت...؟"

"اوہو شارق بھئی میں نے تمہارے کام میں کاہلی کا ثبوت نہیں دیا ہے اور اس وقت میرے پاس وہ تمام تفصیلات موجود ہیں جس کی فرمائش تم نے کی تھی۔"

www.taemeernews.com

"مصروفیت ہے... میرا مطلب ہے ٹیلی فون پر تفصیل بتانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟"

"حرج تو ہے۔ اب یہ بتاؤ چائے تم میرے ساتھ پی رہے ہو یا میں تمہارے ساتھ پیوں؟"

"آپ ہیڈ کوارٹر میں ہیں؟"

"نہیں! تمہارے دفتر سے بہت قریب ایک جگہ کام سے آیا تھا۔ یہیں سے فون کر لیا۔"

"تو پھر میں آپ کو چائے کی دعوت دیتا ہوں۔ بصد خلوص و نیاز۔"

"تو ہم بصد عجز و انکسار یہ دعوت قبول کرتے ہیں۔ پہنچ رہے ہیں۔" بابر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرا دیا۔

فون بند کرنے کے بعد میں نے استاد چھوٹے کو چائے کے لیے کہا اور وہ گردن خم کر کے باہر نکل گیا۔ میں بابر جان کا انتظار کرتا رہا۔ انہوں نے آنے میں بہت زیادہ دیر نہیں لگائی۔ میں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور پھر نہایت نیازمندی سے کہا کہ انہوں نے مجھ پر جس قدر توجہ دی ہے۔ اس کے لیے میں بے حد شکر گزار ہوں۔

"میاں مذاق مت اڑاؤ ہمارا۔ تم جانتے ہیں کہ ہمارا کام تم سے زیادہ پڑتا رہے گا اور اس لیے بہت زیادہ مستعد ہو جاتے ہیں تمہارے کسی حکم پر۔"

"میں آپ کا خادم ہوں، کبھی حکم دے کر تو دیکھیے۔ آپ نے مجھ سے کام ہی کیا لیا ہے۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ تمہاری گلو خلاصی بھی آسانی سے نہیں ہو گی۔ تم نے جو چکر چلایا ہے وہ ہم لوگوں کے لیے بھی باعث دلچسپی ہے۔ بھئی اس میں کوئی شک نہیں کہ جرائم کی تفتیش پولیس کا کام ہے لیکن بعض اوقات ہم بھی چکرا جاتے ہیں۔ البتہ ایک بات اس سلسلے میں ضرور کہی جا سکتی ہے۔"

"وہ کیا...؟"

"جب تم کسی کیس کے سلسلے میں تفتیش کرتے ہو تو تمہارے اندر پولیس کی وہ صلاحیتیں بھی موجود ہوتی ہیں جو پولیس والوں کو مجرم تک پہنچا دیتی ہیں اور ایک وکیل کے قانونی پوائنٹس بھی ان دونوں چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک چیز جو تمہارے پاس ہوتی ہے شارق حسین، وہ ہے تمہارا وقت اور فرصت، یعنی تم ایک ہی کام میں مصروف ہو جاتے ہو جبکہ پولیس کی ذمہ داریاں تم جانتے ہو کہ اس کے سپرد نہ جانے کتنے کتنے کام ہوتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"تو ایسی کسی صورت میں اگر ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت پیش آئے تو کیا تم ایک پولیس افسر کی حیثیت بھی اختیار کر سکتے ہو۔"

"آپ کے حکم پر...!" میں نے جواب دیا۔

"ہاں... پورے اختیارات کے ساتھ ہم تمہیں اس کا موقع فراہم کریں گے۔"

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"نہیں یہ پیش بندی ہے۔ یعنی ایسی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔"

"مجھے خوشی ہوگی۔" میں نے جواب دیا اور وہ مسکرانے لگے پھر بولے۔

"ہاں بھئی تو ہم نے بھی تمہارا کام کر دیا۔ ویسے یار معاملہ بہت سخت ہے۔ دیکھو میں تم جیسے کسی دلیر آدمی کو ڈرانے کی جرأت تو نہیں کر سکتا۔ لیکن شارق ایک بڑے کی حیثیت سے میرا یہ فرض بھی ہے کہ موجودہ ماحول کو سمجھو، صورت حال کچھ عجیب سی ہو گئی ہے اور باعث دکھ جو تشویش بھی ہے لیکن اس کی حقیقتوں سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کس رنگ میں جا رہی ہے لیکن اپنے ملک اور شہر کو دیکھتا ہوں تو اس بات کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔ جرم بیشک دنیا کی سب سے گھناؤنی چیز ہے اور اس کے سلسلے میں کوئی بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو کسی بھی جرم کو کوئی پسندیدہ بات قرار دے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جرم کرنے والوں نے اپنے لیے اتنی مضبوط پناہ گاہیں تلاش کر رکھی ہیں کہ ان پناہ گاہوں کے دوسری طرف پہنچنا ناممکن ہی ہو گیا ہے۔ اب تم دیکھو چھوٹے چھوٹے واقعات ہوتے ہیں کوئی بھی کچھ کر کے آ جاتا ہے اور اطمینان سے واپس چلا جاتا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ اس کی تمام تر ذمہ دار پولیس ہے؟ نہیں میاں یہ تصور ذہن سے نکال دو۔ بے شک بعض پولیس کا کردار بھی عجیب و غریب رہا ہے بلکہ ہوتا ہے... لیکن اس کے پس پردہ کچھ اور عوامل بھی ہوتے ہیں۔ پولیس اپنے طور پر صرف دیانتداری کا ثبوت دے تو اسے یہ دیانت بھی تو نہیں کرنے دی جاتی۔ اس کے بھی تو اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ نوکری کا معاملہ ہے۔ عزت کا معاملہ ہے۔ بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں۔ اب غالب ہی کو دیکھ لو۔ اس نے قانون کے مطابق عمل کرنا چاہا تھا لیکن جس شخص کے خلاف اس نے عمل کیا۔ وہ اس سے زیادہ طاقتور تھا چنانچہ اس نے اسے کس دیا۔ اب اگر غالب کسی ایسے مسئلے پر

www.taemeernews.com

اپنے اندر لچک پیدا کر لیتا ہے اور جرم کی پشت پناہی کر دیتا ہے تو وہ لوگ پتا نہیں اسے کیا کیا کہنے لگیں گے۔ میرا مطلب یہی ہے کہ اس وقت معاملہ کچھ الجھا الجھا ہوا سا چل رہا ہے چنانچہ تم بھی جو کچھ رو، اس میں تھوڑا سا اپنا تحفظ برقرار رکھنا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں اور واقعی آج تک یہ بات میرے لیے باعث اذیت رہی ہے بلکہ ہر صاحب دل کے لیے باعث اذیت ہو گی۔ انسان بستیوں میں آباد ہوتے ہیں۔ ان کے لیے قوانین بنتے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے قائم ہوتے ہیں۔ عدالتیں قائم ہوتی ہیں۔ مطلب یہی ہوتا ہے ان تمام چیزوں کا کہ اخلاق و تمدن کے وہ پہلو داغ دار نہ ہوں جو انسانوں کے لیے ازحد ضروری ہوتے ہیں لیکن انہیں داغ دار کیا جاتا ہے۔ خیر چھوڑیے! اب آپ یہ بتائیے کہ معاملہ کیا ہے؟"

"وہ صاحب جن کے بیٹے کا معاملہ ہے۔ بہت ہی عجیب و غریب شخصیت کے مالک ہیں۔ نام ہے قیصر پرویز، عہدہ اچھا خاصا ہے لیکن یہ عہدہ ان کی شخصیت کا مظہر نہیں ہے۔ اصل شخصیت ان کی یہ ہے کہ وہ ہر مشکل کا حل ہیں۔ کہیں بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو، اگر ان کا ساتھ پکڑ لیا جائے تو یوں سمجھو لوگوں کی مشکلات حل ہوتے دیر نہیں لگتی۔ وہ تقریباً ہر محکمے میں مداخلت رکھتے ہیں۔ پتا نہیں کون سے ذرائع اختیار کیے ہیں۔ انہوں نے کہ ان کے تعلقات بے پناہ ہو گئے ہیں۔ قیصر پرویز کا بیٹا مسعود پرویز ہی وہ لڑکا ہے جس نے اس بچی لڑکی کو اٹھایا تھا اور اس کے دونوں ساتھی بھی اچھے خاصے صنعت کاروں کے بیٹے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دولت کی فراوانی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مضبوط پشت پناہی بھی ہے۔ قیصر پرویز بہت سخت گیر آدمی بھی ہے۔ لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ بڑے بڑے لوگوں کو اس نے کس کر رکھ دیا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں سوچتے ہوئے ہر شخص کو کچھ سوچنا پڑتا ہے۔"

"ہوں! گویا یہ بات ثابت ہو گئی کہ واقعہ اصل میں ضرور ہے۔"

"نہیں یہ بات اس انداز میں ثابت نہیں ہوئی جس انداز میں تم سوچ رہے ہو۔ انسپکٹر غالب نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا تھا اور جس طرح اس نے ان لوگوں کو گرفتار کیا تھا۔ وہ بالکل الگ چیز تھی لیکن اس کے بعد ان کے خلاف کسی کو کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ میں نے تو صرف اپنے ذرائع سے کام لے کر یہ بات معلوم کی تھی کہ وہ تینوں لڑکے ہیں کون؟ ان میں سے ایک کا نام طارق ہے۔ دوسرے کا جاوید اور تیسرا مسعود۔ تینوں گہرے دوست ہیں اور ہر جگہ ساتھ دیکھے جاتے ہیں اور مسعود کا باپ قیصر پرویز ہے۔ بس اتنا ہی معلوم کر سکا ہوں میں۔"

"اور لڑکی اور اس کی ماں ...؟"

"ہاں! اس کیس کے بارے میں تفصیلات معلوم کرتے ہوئے ان کا پتا بھی میرے علم میں آچکا ہے۔"

"یاد ہے ...؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" انہوں نے مجھے ان کا پتا نوٹ کرا دیا اور میں نے اسے ذہن میں محفوظ کر لیا۔

لڑکی کا نام نوشابہ سلیم تھا اور اس کی ماں کا نام بارجان کو معلوم نہیں تھا بس اتنا ہی کافی تھا کہ ان کا پتا میرے پاس آگیا۔ پھر میں نے قیصر پرویز کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور مجھے ان کا پتا بھی دے کر کہنے لگے۔

"یہ شخص ہر بڑی محفل کی جان ہے۔ ہر جگہ بلایا جاتا ہے اور اس کا ایک الگ مقام ہوتا ہے۔"

"میں بھی اسے ایک الگ مقام دوں گا۔"

"بھئی تم بہتر جانتے ہو لیکن ہم تمہیں سمجھا چکے ہیں بےشک یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہیں وہی کرنا چاہیے جو تم کر رہے ہو لیکن ایک دوست کی حیثیت سے بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا۔"

"بہت بہت شکریہ! ایک سوال اور کر لوں اگر آپ جواب دینا پسند کریں۔"

"ہاں ... ہاں ضرور!"

"انسپکٹر غالب کی تنزلی کس کے ہاتھوں عمل میں آئی؟" میں نے سوال کیا اور وہ پُرخیال انداز میں تھوڑی کھجانے لگے۔ پھر نرم لہجے میں بولے۔

"دیکھو! میں کسی کی طرف داری نہیں کر رہا۔ یہ نہیں کہوں گا کہ جس نے اسے معزول کیا۔ وہ بہت ہی باکردار آدمی ہے لیکن اس بات کو ذہن میں ضرور رکھنا کہ بعض اوقات باکردار آدمی بھی معزول کر دیے جاتے ہیں۔ میری مخلصانہ رائے ہے کہ اپنا دائرہ کار اوپر کی سطح پر رکھو اور اس طرف متوجہ نہ ہو جس طرف تمہارا ذہن جا رہا ہے۔"

میں پُرخیال نگاہوں سے ان کو دیکھتا رہا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"صرف اس نظریے کی بنا پر آپ کا یہ حکم مان رہا ہوں

www.taemeernews.com

ایس پی صاحب کہ آپ بھی ایس پی بابر جان ہیں، یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کے صدقے میں اپنا یہ ارادہ ترک کرتا ہوں۔"

"میں اس عزت افزائی کے لیے تمہارا دلی شکر گزار ہوں۔ اچھا چائے کہاں ہے ہماری؟" انہوں نے کہا اور اسی وقت استاد چراغ کے جن کی مانند اندر داخل ہو گئے۔

"بھئی کمال ہے۔ یعنی یہاں کام اس انداز میں ہوتا ہے۔ استاد چائے بنا کر بھی آپ ہی دیجیے۔ آپ کے ہاتھ کی چائے پئیں گے۔" بابر جان نے ان سے کہا۔

"ابھی لیجیے صاحب!" استاد خوشی سے بولے اور پھر انہوں نے چائے بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔

چائے پی کر وہ تو چلے گئے۔ میں کاغذ پر بال پوائنٹ سے وہ پتا نوٹ کرنے لگا جو نوشابہ سلیم کا تھا۔ واقعہ میرے لیے نیا نہیں تھا بس انداز بدلا ہوا تھا۔ معاشرے میں جرائم کا انداز تقریباً یکساں ہی ہوتا ہے بس تھوڑی سی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں اس میں۔ نوشابہ سلیم بھی بے چاری انہی لڑکیوں میں سے تھی جو اپنے لیے مضبوط سہارے نہیں رکھتیں۔ لیکن کیا کریں اس دنیا میں جی رہی ہیں۔ جینا پڑتا ہے۔ کتنے لوگ خودکشی کریں گے؟ کتنے لوگ بے سہارا ہونے کی وجہ سے اس دنیا کو ترک کریں گے اور جبکہ خودکشی گناہ بھی ہے۔ زندگی کا یہ بوجھ جس انداز میں بھی گھسیٹا جا سکے، دنیا گھسیٹ ہی رہی ہے۔ فاروقی صاحب یا جاوید قریشی کا انتظار بے معنی ہی تھا چنانچہ میں وہاں سے نکل آیا اور اپنی کار اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھا دیا۔ اس علاقے میں پہنچنے کے لیے میں نے کار کا سہارا نہیں لیا بلکہ کار ایک مصروف شاہراہ میں ایک پارکنگ لاٹ پر کھڑی کر کے میں باہر نکل آیا اور پھر ٹیکسی میں بیٹھ کر اس جانب چل پڑا۔ جہاں نوشابہ سلیم رہتی تھی۔

گندہ سا معمولی سے لوگوں کا علاقہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے بے ترتیب مکانات بنے ہوئے تھے جن پر کوئی نمبر وغیرہ نہیں تھا۔ وہ گھر تلاش کرنے میں بے حد مشکل پیش آئی جو نوشابہ سلیم کا تھا۔ ایک عسرت زدہ بوسیدہ سا گھر جو ذرا الگ تھلگ کو بنا ہوا تھا۔ گھر کے دروازے پر پہنچ کر میں نے چند لمحات کو کچھ سوچا اور پھر آہستہ سے دستک دی۔ ایک بار، دو بار، تین بار دروازہ اندر سے بند تھا لیکن جواب سنائی نہیں دیا تھا البتہ دروازے کے عقب میں کچھ آہٹیں ابھری تھیں، میں نے ایک بار پھر دروازہ بجایا اور آہستہ سے بولا۔

"دروازہ کھولیے...!"

"کک... کون ہو... کون ہو تم؟" اندر سے ایک ڈری اور سہمی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"براہ کرم دروازہ کھولیے۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"ہم... ہم... ہم کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ تم کون ہو آخر؟ اپنا نام بتاؤ۔"

"میرا نام شارق ہے اور میرا تعلق اخبار سے ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہمیں کسی اخبار والے سے نہیں ملنا۔ چلے جاؤ۔ خدا کے لیے یہاں سے چلے جاؤ۔" سہمی ہوئی آواز نے کہا۔

"آپ دروازہ تو کھولیے۔ میں بہت فاصلہ طے کر کے آپ تک پہنچا ہوں۔"

"دروازہ نہیں کھلے گا۔ بھاگ جاؤ۔ میں نے تم سے کہہ دیا کہ یہاں کوئی تم سے نہیں ملے گا۔ ہمیں کسی اخبار والے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"آپ براہ کرم دروازہ کھولیے۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی۔

"آپ دروازہ کھولتی ہیں یا نہیں؟" میں نے پھر کہا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

میں نے پھر زور زور سے دروازے پر دستک دی لیکن جواب میں دوسری طرف مکمل خاموشی چھائی رہی۔ میرا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔ وہ لوگ بے حد خوفزدہ تھے۔ لیکن یہ غصہ ان پر نہیں تھا بلکہ میں ان کے حالات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اب مجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بزرگ صورت آدمی گزر رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ بزرگ صورت آدمی شاید مجھے یہ دروازہ بجاتے دیکھ چکے تھے۔ کھڑے ہو کر میرا انتظار کرنے لگے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے بڑی محبت سے جواب دیا تھا۔

"کہیے کیا بات ہے؟"

"میں اس گھر میں موجود لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں مگر دستک دے دے کر تھک گیا۔ کوئی دروازہ ہی نہیں کھولتا۔"

"بیٹے وہ دروازہ اب مستقل طور پر بند ہو گیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں جناب!"

www.taemeernews.com

میں خاموشی سے کھڑا انہیں آگے جاتے دیکھتا رہا تھا۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ بہر طور پھر میں واپس پلٹا اور دوبارہ اس دروازے پر پہنچ گیا۔

"دروازہ کھولو!" میں نے از حد سخت لہجے میں کہا۔

کچھ سرگوشیاں سی بھی ابھریں اور بعد کچھ چھینا جھپٹی بھی ہوئی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا تھا۔ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ دبلے پتلے قد و قامت کی مالک خشک ہونٹوں اور پچکے ہوئے گالوں کی مالک۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے عقب میں ایک بوڑھی عورت تھی جو دہشت زدہ انداز میں اسے پیچھے گھسیٹ رہی تھی۔

"چھوڑنے دو، قتل کر دینے دو ہمیں۔ مر ہی جائیں گے۔ کیوں جینا چاہتی ہو تم۔ لعنت ہے اس زندگی پر جو خوف کے عالم میں گزرے۔ میں مرنا چاہتی ہوں۔ میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔ تم بھی مر جاؤ اماں... تم بھی مر جاؤ!" لڑکی نے دل برداشتہ لہجے میں کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر آنکھیں نکال کر بولی "ہاں کہو... کہو۔ کیا چاہتے ہو؟ قتل کرنے آئے ہو یار ہم نے تو تمہارے خلاف کسی سے کچھ نہیں کہا۔ ہم تو اپنی اس قبر میں زندہ دفن ہیں۔ اب کیا شکایت ہو گئی تمہیں ہم سے؟ بتاؤ اب کیا چاہتے ہو ہم سے؟ مارنے آئے ہو تو مار دو، ہمیں ختم کر دو۔ تمہارے لیے یہ کام مشکل نہیں ہے!"

"میرا تعلق ایک اخبار سے ہے اور میں آپ سے گفتگو کرنے آیا ہوں!"

"انٹرویو چھاپو گے، کہانی لکھو گے ہماری کسمپرسی کی، ہماری بے عزتی کی۔ اخبار والے ہو نا تم... تم، دیکھو میں کوئی بری بات کہہ دوں گی۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ تم نے دروازہ کھلوایا۔ میں نے کھول دیا اگر تم ان میں سے نہیں ہو جو ہمیں زندہ درگور کرنا چاہتے ہیں تو واپس چلے جاؤ۔ ہم اس دنیا میں کسی سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتے۔ ہمیں کسی اخبار سے دلچسپی نہیں ہے۔ تم تو اپنی روزی کمانے کے لیے چند الفاظ لکھ دو گے اور پھر ہمارا جو کچھ ہوگا تم نہیں جانتے۔ پلیز چلے جاؤ... جاؤ یہاں سے!" لڑکی نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"تمہیں اس دنیا میں کسی پر اعتبار ہے؟"

"نہیں...!" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تب بھی میں تمہارے پاس بیٹھ کر تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھیا تمہیں خدا کا واسطہ، تمہیں خدا کا واسطہ معاف کر دو ہمیں۔ ہم کسی سے نہیں ملنا چاہتے۔ اس دنیا میں، اس کم بخت دنیا میں ہمارا کوئی نہیں ہے۔ کوئی رشتہ ناتے دار ہوتا تو وہاں چلے جاتے۔ اب تک یہاں کیوں مرتے؟ معاف کر دو ہمیں ہم کسی سے نہیں ملنا چاہتے۔" اس بار بوڑھی عورت نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"ماں جی آپ نے اپنے اوپر جو بے کسی سوار کر لی ہے اس میں معاف کیجیے گا زمانے کا نہیں آپ کا قصور ہے۔"

"ہاں بھیا ہم قصوروار ہیں۔ اللہ کے لیے ہمیں معاف کر دو۔ مسلمان ہو تم۔ اللہ کا نام لیتے ہو۔ ہمیں اس خدا ہی کے نام پر معاف کر دو۔"

"کچھ بھی ہو جائے میں آپ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

معمر عورت نے کچھ بولنا چاہا لیکن لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ.... اندر آؤ۔"

اور میں اندر داخل ہو گیا۔ لڑکی نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ مجھے لیے ہوئے برآمدے میں پہنچی اور پھر زمین کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"بیٹھ جاؤ۔ ہمارے پاس اس سے زیادہ تمہاری عزت افزائی کے لیے اب کچھ نہیں ہے۔ ہم نے اپنا سارا سامان بیچ دیا ہے۔ پلنگ تک فروخت کر دیے ہیں۔ فرنیچر بیچ دیا ہے۔ کھانے کے برتن بیچ دیے ہیں۔ اپنے بستر بیچ دیے ہیں اور اب شاید ہمارے پاس بیچنے کے لیے صرف وہ کپڑے باقی رہ گئے ہیں جنہیں ہم نے محفوظ رکھا ہے تاکہ کچھ دن اور جی لیں۔"

میں اطمینان سے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ لڑکی ایک دیوار سے لگ کر مجھے گھورنے لگی۔

"ہاں تو اخباری رپورٹر انٹرویو لینے آئے ہو ہمارا؟ کیا تم چاہتے ہو کہ کچھ دن کے بعد اس گھر سے ہماری

تعفن زدہ لاشیں برآمد ہوں۔ ٹھیک ہے ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ ہاں میرا نام نوشابہ سلیم ہے۔ میں ہی وہ لڑکی ہوں جو ایک اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اس لیے کہ اپنی ماں کی کفالت کر سکوں۔ ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے پھر اس دن تین غنڈوں نے مجھے اغواء کرنے کی کوشش کی لیکن ایک پولیس آفیسر نے میری مدد کی اور شاید ان میں سے دو غنڈوں کو پکڑ لیا۔ تیسرا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پولیس آفیسر نے مجھے تھانے لے جا کر میری رپورٹ درج کی اور اس کے بعد عزت سے مجھے میرے گھر پہنچا دیا۔ لیکن اس کے بعد میری کوئی خبر نہیں لی گئی ہاں چند روز کے بعد پولیس کے چند افراد میرے گھر میں آئے اور مجھے دھمکیاں دیں کہ اگر میں نے اب اس سلسلے میں کسی کو یہ بتایا کہ میرے ساتھ ایسا کوئی سلوک ہوا ہے تو مجھے دیکھ لیا جائے گا۔ میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی کوئی کارروائی کرتی چنانچہ میں صبر کر کے خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا گیا۔ ہمیں وقفے وقفے سے دھمکیاں ملتی رہیں اور ایک دن ایک بہت ہی خوفناک صورت آدمی ہمارے گھر کے دروازے کو لات مار کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کا چہرہ بہت چوڑا تھا اور اس کے داہنے گال پر گہرے زخم کا نشان تھا۔ اس نے ایک لمبا سا چاقو نکال کر میری اور میری ماں کی طرف تانتے ہوئے کہا کہ اگر اس سلسلے میں، میں نے کبھی بھی زبان کھولی کسی کے سامنے تو میرے ٹکڑے بھی دستیاب نہیں ہوں گے۔ ہاں پریس رپورٹر ہمیں ایسی ہی دھمکیاں مسلسل ملتی رہتی ہیں۔ کبھی کسی خط کی شکل میں اور کبھی کسی صورت میں۔ ان میں سے کوئی نہیں آیا لیکن ہماری زندگی مشکل ہو گئی ہے۔ ہم خوف اور کسمپرسی کے عالم میں جی رہے ہیں لیکن اب۔۔۔ اب میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔ ہاں اب میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔"

"نوشابہ۔۔۔ نوشابہ خاموش ہو جا بیوقوف۔ پریس رپورٹر بھیا تمہیں اللہ کا واسطہ ہماری یہ بات کبھی مت چھاپنا۔ دیکھو تم تو اپنی روزی کما لو گے مگر ہمارا کیا ہوگا؟ مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ یہ۔۔۔ یہ ماری جائے گی۔" معمر عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تو اب کون سی جی رہی ہوں میں؟ تم جی رہی ہو۔۔۔ میں جی رہی ہوں۔ اسے ہی زندگی کہتے ہیں؟ کب تک جئیں گے ہم اس گھر میں؟ ان کے ہاتھوں قتل ہو کر مر جائیں یا بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ اب بھی ہم اس گھر میں خاموشی سے زبان بند کیے۔ دروازہ بند کیے بیٹھیں رہیں اماں تم خاموش ہو جاؤ۔ میں۔۔۔ میں اب ایک لمحے بھی نہیں جینا چاہتی۔ ہاں پریس رپورٹر میں ایک لمحے بھی نہیں جینا چاہتی میں مر جانا چاہتی ہوں۔ تم۔۔۔ تم براہ کرم اتنا اور کر دو کہ ہمیں موت کا راستہ دکھا دو۔ ہم۔۔۔ ہم خودکشی بھی نہیں کر سکتے؟"

میں نے گہری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر لڑکی سے بولا۔

"تو تم مرنا چاہتی ہو؟"

"ہاں میں مرنا چاہتی ہوں۔"

"دلیری کا مظاہرہ کر رہی ہو صرف یا دلیر بھی ہو؟"

"میں دلیر ہوں۔ تم دیکھ لو گے کہ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراؤں گی۔ میں خوشی سے موت کو گلے لگا لوں گی۔"

"اور تمہاری ماں۔۔۔؟"

"اگر یہ نہیں بھی مرنا چاہتی تو میں انہیں مرنے پر مجبور کر دوں گی۔ کیونکہ میرے بعد جو موت ہوگی وہ ان کے لیے بہت زیادہ کسمپرسی کی موت ہوگی۔ اس لیے میں انہیں بھی اپنے ساتھ ہی مار دوں گی کچھ بھی ہو جائے۔۔۔" لڑکی پر دیوانگی طاری تھی۔

"اگر تم واقعی اتنی دلیر ہو تو آؤ میں تمہیں موت تک پہنچا دوں۔" میں نے کھڑے ہو کر اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلو تم مجھے بزدل نہیں پاؤ گے۔ میں۔۔۔ میں یہ ثابت کر کے دکھا دوں گی کہ میں بزدل نہیں ہوں۔"

"تو پھر آؤ نا۔ رک کیوں گئیں۔" میں نے کہا اور لڑکی سچ مچ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔۔۔

"نوشابہ پاگل ہو گئی ہے۔۔۔ پاگل ہو گئی ہے۔۔۔"

"چلو ماں۔۔۔ چلو ہم مرنا چاہتے ہیں۔ چلو تمہیں خدا کا واسطہ، تمہیں میری قسم ماں ہمارا مر جانا ہی بہتر ہے۔" لڑکی نے معمر عورت کو آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔

میں آگے آگے چل رہا تھا۔ پھر میں نے بند دروازہ

www.taemeernews.com

کھولا اور وہ دونوں سچ مچ ہی میرے ساتھ باہر نکل آئیں۔ معمر عورت بہت پریشان نظر آرہی تھی۔ لیکن لڑکی کے چہرے پر ایک عجیب سی خوفناک سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں نے دور سے ہمیں دیکھا۔ لیکن کوئی کچھ نہیں بولا تھا۔ لڑکی مجھ سے ایک قدم آگے چلنے کی کوشش کر رہی تھی شاید وہ بہت جلد موت کو گلے لگانے کی خواہش مند تھی۔ میں انہیں لیے ہوئے سڑک پر آگیا اور پھر میں نے ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ ٹیکسی ہمارے قریب آکر رک گئی۔ معمر عورت نے ایک بار پھر لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس پر مکمل جنون طاری تھا۔ وہ مجھ سے پہلے ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور اس نے معمر عورت کو بھی اندر گھسیٹ لیا۔ میں بھی جلدی سے بیٹھ گیا تھا تاکہ سڑک پر تماشا نہ بن جاؤں اور پھر میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے فاروقی صاحب کے گھر چلنے کے لیے کہا۔ اب اس وقت کار اس پارکنگ لاٹ سے لینا مناسب نہیں تھا۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ لڑکی نے مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ میں نے اس کے لیے کون سی موت تجویز کی ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد میں فاروقی صاحب کے گھر کے دروازے پر رک گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو رقم دینے کے بعد میں نے ان دونوں سے اترنے کے لیے کہا تو لڑکی نے پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"تمہاری قتل گاہ... جہاں تمہیں بآسانی موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔" میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چلو... چلو تم مجھے بیچھے نہیں پاؤ گے۔" لڑکی نے کہا اور میں نے فاروقی صاحب کے گھر کی بیل بجا دی۔

چند ہی لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا اور میں اُن دونوں کو لیے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ مسز فاروقی سامنے ہی موجود تھیں۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے پہلے نوشابہ اور اس کی ماں کو دیکھا اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ مہمان لایا ہوں چچی جان آپ کے پاس اور انوکھے مہمان ہیں یہ۔ لیکن اس وقت میں آپ پر ایک ایسی ذمہ داری ڈال رہا ہوں جسے صرف آپ ہی انجام دے سکتی ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ آؤ بیٹی۔ آئیں بہن... آئیے اندر آجائیں۔" مسز فاروقی نے بہت محبت بھرے انداز میں کہا پھر مجھ سے بولیں۔

"مگر یہ ہیں کون؟ کیا ان سے میرا تعارف نہیں کراؤ گے؟"

"ہاں چچی جان تعارف کراؤں گا۔ یہ لڑکی جو آپ کو آگ بگولہ نظر آرہی ہیں میری بہن نوشابہ اور یہ میری چچی ہیں۔ نوشابہ کی والدہ۔"

دیکھو پریس رپورٹر فرشتے بننے کی کوشش مت کرو جو کچھ کہہ کر لائے ہو وہی کرو۔"

"وہی کروں گا بے وقوف لڑکی۔ اب بزدلی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ تجھے مرنا ہے نا تو سمجھ لے تو مر چکی اور مرنے کے بعد میں نے تیرے لیے اس قبر کا انتخاب کیا ہے۔ کیا یہ قبر تجھے ناپسند ہے؟"

"بکواس مت کرو..."

"چچی جان آپ اس بے وقوف کو سمجھایئے۔ میں نے اسے بہن کہا ہے اور آپ کو چچی، اگر ان رشتوں کی کوئی وقعت ہے آپ کے دل اور دماغ میں تو اس وقت خدا کو حاضر ناظر جان کر انہیں سچا مان لیجیے۔"

"میں نہیں مانتی... میں کچھ نہیں مانتی فضول بکواس مت کرو تم... تم ہمیں یہاں قتل کرنے کے لیے لائے ہو۔ قتل کر دو ہمیں۔ ہم مرنا چاہتے ہیں۔ سنو قتل کر دو ہمیں۔ قتل کر دو۔" وہ آگے بڑھی اور اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔ تبھی میں نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کر دیا اور وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو امڈ پڑے تھے۔ معمر عورت احمقوں کی طرح ہمیں دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے اُس کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"کیا آپ میری کوئی مدد نہیں کریں گی؟" معمر عورت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خود اُس بے چاری کی سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ وہ میری کیا مدد کرے۔ مسز فاروقی خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ابھی تک اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ نوشابہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔ اور معمر عورت نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے تھے۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ نوشابہ کی آواز کسی حد تک سست ہوگئی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ خاموش ہوگئی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ میں نے چند

www.taemeernews.com

لمحات خاموشی اختیار کی پھر اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم نے دیکھا نوشابہ بڑے بھائیوں سے بدتمیزی کرنے کا نتیجہ ۔ ۔ ۔"

"ڈراما کر رہے ہو تم۔ تمہارے دل میں سنبھلنے کیا چھپا ہوا ہے۔ بھائی کہہ کر بیوقوف بنانا چاہتے ہو۔ آہ! اس دنیا نے کیسے کیسے رنگ وروپ اختیار کر لیے ہیں۔ لوگ اپنی مطلب براری کے لیے نجانے کیا کچھ بن گئے ہیں۔ مجھے بہن کہو ۔ ۔ ۔ ماں کہو، بیٹی کہو یا جو کچھ بھی کہو لیکن خدا کے لیے اپنے دل میں چھپا ہوا وہ مقصد بتادو جس کے لیے تم مجھے یہاں لائے ہو۔ تم ۔ ۔ ۔ تم نے مجھے ۔ ۔ ۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔"

"نوشابہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی برائی نہیں ہے۔ اگر تم تھوڑی دیر کے لیے سنجیدگی سے میری سنو تو میں تمہیں کچھ بتاؤں بھی۔ تم پر جنون اور دیوانگی طاری ہے۔"

"ہاں اس دُنیا پر سے ہمارا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ اب ہم خود کو اس دنیا کا باشندہ نہیں سمجھتے۔ اس جہاں کے رہنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ تم میری ماں کے پیٹ سے نہیں پیدا ہوئے۔ بدقسمتی نے ہمیں اس کا موقع نہیں دیا کہ ہمارا بھی کوئی تحفظ ہوتا۔ کوئی ہمارا ساتھی ہوتا۔ ہم دونوں تنہا ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ پھر تم کیوں زبردستی میرے بھائی بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں جانتی ہوں اِن الفاظ کے پیچھے کوئی اور جذبہ چھپا ہوا ہوگا۔ میں ۔ ۔ ۔ میں اب کسی ۔ ۔ ۔ کسی جذبے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ میں ہار گئی ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو مردہ تسلیم کر لیا ہے۔ جانتے ہو ہمارے ساتھ کیا ہوا ۔ ۔ ۔ ؟ جانتے ہو ہم کون ہیں؟ ہم کیا لمحات گزار چکے ہیں؟ نہیں جانتے تو سنو۔ ماں ۔ ۔ ۔ ماں بہت عرصے سے بیمار ہے۔ ہمارے ساتھ بہت عرصے سے ظلم ہو رہا ہے۔ میں ایک پرائیوٹ اسکول میں ملازمت کرتی ہوں۔ بلکہ کرتی تھی۔ بڑی مشکل سے مجھے یہ ملازمت ملی تھی۔ تنخواہ کیا ملتی تھی سنو گے چار سو روپے ۔ ۔ ۔ صرف چار سو روپے اور ان چار سو روپے میں مجھے تین کلاسیں لینا ہوتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی دفتر میں کلرک کا کام بھی کرنا ہوتا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے اسکول کی چھٹی ہوجایا کرتی تھی۔ لیکن مجھے چار بجے تک بیٹھنا پڑتا تھا۔ میں

●●●

حضرت امیر معاویہؓ نے ایک دن اپنے عہد کے ایک عالم احنف بن قیس (وفات ۶۸۷ء) سے پُوچھا: "زمانے کا کیا حال ہے؟" جواب ملا: "زمانہ تم ہو۔ اگر تم درست ہو تو زمانہ بھی درست ہے اور اگر تم بگڑ گئے تو پھر زمانے کا خُدا حافظ۔"

(دانشِ عرب وعجم ——— غلام جیلانی برق)

جناب مختار مسعود صاحب "آوازِ دوست" میں لکھتے ہیں کہ میں نے جب پہلی بار مولانا حسرت موہانی کو دیکھا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ وضع قطع بے ڈھب، جسم بے ڈول، لباس بے طور، آواز ناخوش، اُن کی ذات میں اتنا کھردرا پن نظر آیا کہ پاس جاتے ہی چھل جانے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ شاعرانہ بانکپن کا ان کی شکل وصورت اور رہن سہن سے کوئی واسطہ نہ تھا، بلکہ تعجب ہوتا کہ نازک خیالی اور شوخی نے اپنے ٹھکانے کے لیے کیسا اُجاڑ مکان تلاش کیا ہے۔"

www.taemeernews.com

اس پر بھی خدا کا شکرادا کرتی تھی۔ ہم ان چار سو روپے میں اپنے طور پر گزارا کر رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ماں کو صحیح طور پر دوا نہیں مل پاتی تھی۔ کھانے کے لیے ہم بہت معمولی سی چیزیں استعمال کرتے تھے لیکن میں اللہ کا شکرادا کرتی تھی کہ اس نے ہمیں بے سہارا نہیں رکھا ہے۔" نوشابہ کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی چند لمحات وہ رکی اور پھر کہنے لگی۔

ہم جیسے دو افراد کی زندگی کس انداز میں گزر سکتی ہے۔ تم جانتے ہو اور اس کے بعد اگر تم یہ تصور کرو کہ ہم دنیا میں کسی پر اعتبار کریں تو یہ کیسے ممکن ہے۔ آہ! نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ اب ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ تم مجھے جذبات سے دیوانہ کر کے یہاں تک لے آئے ہو لیکن۔۔۔ تمہارے دل میں بھی کچھ چھپا ہوگا۔ بتاؤ۔۔۔ مجھے یہ بتا دو۔ دیکھو میری ماں چاہتی ہے کہ پہلے وہ مر جائے لیکن میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی ماں سے پہلے مر جاؤں۔ میں اب اس دنیا میں غم نہیں دیکھ سکتی۔ بہت دکھ اٹھائے میں نے۔ ایک لڑکی کی حیثیت سے میں تمہیں بتاؤں کہ میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔ نوشابہ شاید اپنا جملہ منہ سے نہ ادا کر سکی اور ایک بار پھر اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

مسز فاروقی کے لیے مجھے اب کچھ بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تفصیلات سن سمجھ چکی تھیں کہ میں ان لوگوں کو یہاں کیوں لایا ہوں؟ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر انہوں نے معمر عورت سے کہا۔

"سنو میں تمہارا نام نہیں جانتی بہن۔ میں تمہیں صورت سے کیسی نظر آتی ہوں؟ ایک فاحشہ۔۔۔ ایک آوارہ، ایک بدمعاش عورت۔

میں نے مسز فاروقی کے ان الفاظ پر چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ بہت ہی سنجیدہ اور متین خاتون تھیں۔ لیکن اس وقت جو الفاظ انہوں نے ادا کیے وہ میرے لیے بھی تعجب خیز تھے۔ معمر عورت چونک کر انہیں دیکھنے لگی دیکھتی رہی اور اس کے بعد بولی۔

"نہیں بہن اللہ نہ کرے جو میں اس انداز میں سوچوں۔"

اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک شریف عورت ہوں تو میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جو شخص تمہیں یہاں لایا ہے وہ ایک بے حد نیک نفس انسان ہے۔ اس کے دل میں کوئی برا جذبہ کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اگر نوشابہ کو بہن کہہ رہا ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارا بیٹا ہے۔ بس اتنا سا فرق ہے کہ وہ تمہارے بطن سے نہیں پیدا ہوا لیکن وہ اپنے قول کا اتنا ہی سچا انسان ہے۔ اپنی اس بیٹی کو سمجھاؤ کہ وہ اس کی مزید توہین نہ کرے۔ مجھے خود برا لگ رہا ہے۔ مسز فاروقی کا لہجہ جذبات سے لرزنے لگا۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نہیں چچی جان یہ بیچارے اتنے دکھوں کا شکار ہوئے ہیں کہ دنیا پر سے ان کا اعتبار اٹھ جانا ایک فطری چیز ہے۔ لیکن میں نوشابہ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری پیاری صرف تو اس دنیا میں ان غموں کا شکار نہیں ہے شاید اللہ اپنی رحمتوں کو سمیٹ رہا ہے۔ یہ انسان اب اس قابل نہیں رہا کہ اس کی رحمتوں سے بہرہ ور ہو۔ اتنی برائی۔۔۔ گندگی میں لپٹ گیا ہے یہ کہ اس کے بعد گندگی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ لیکن ہمارے دل ابھی تاریکیوں کی ان حدوں تک نہیں پہنچے۔ ہمارا اعتبار ہم پر سے مت اٹھاؤ نوشابہ ہو سکتا ہے ہم اتنے برے لوگ نہ ہوں ہم پر اعتبار کرو۔۔۔ ہم پر اعتماد کرو۔"

معمر عورت بہت متاثر ہو گئی۔ نوشابہ بھی آنکھیں خشک کر کے مجھے دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

"تم نے مجھے کئی بار بہن کہا ہے۔ اس رشتے پر یقین نہیں آتا۔ آہ! رشتوں کو کتنا پامال کر دیا گیا ہے ورنہ یہ زبان ہی تو ہے جو مذہب کا یقین کرتی ہے جو کلمہ پڑھ کر اللہ کی وحدت کا فیصلہ کرتی ہے اور ہم ایک مذہب سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ یہ زبان ہی تو ہے جو اپنی ایک جنبش سے رشتوں کا تعین کر کے زندگی کی آخری سانس تک کے لیے ہمیں قید کر دیتی ہے۔ لیکن ہم نے اس زبان کو بھی کتنا جھوٹا قرار دے دیا ہے۔ ایک شخص فقیر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ کلمہ پڑھتا ہے۔ قسمیں کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تین دن سے بھوکا ہے۔ ہم اپنے دل کے گداز کو برداشت نہیں کر پاتے اور اپنی حیثیت سے زیادہ اسے دے دیتے ہیں لیکن ہم سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچ کر وہ دوسرے شخص کے دل میں بھی یہی الفاظ کہہ کر گداز کو جگانے کی کوشش کرتا ہے اور یہی زبان سے تیسرے شخص کو، بیشک وہ تین دن سے بھوکا ہوگا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتی لیکن ایک جگہ سے جب اس کی بھوک کا مداوا ہو جاتا ہے تو دوسرے کے سامنے جا کر وہ یہ بات کیوں کہتا ہے؟ زبان کو کس قدر غلیظ کر دیا گیا ہے اس لیے۔۔۔ اس

www.taemeernews.com

سیلے ہم . . . میں . . . ہیں ۔"

"ہاں نوشابہ میں تم سے انحراف نہیں کرتا۔ بیشک ایسا ہی ہوا ہے لیکن تجربے کرتے رہنا ہی زندگی ہے میری بہن۔ تم یہاں آ گئی ہو۔ میں ان تمام حالات سے واقف ہوں۔ میں صرف تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں جب تک تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ہم پر اعتبار کرنا۔ ہم تمہارا قرض ادا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قرض جو انسان کا انسان پر ہے۔ جب تم کلمہ پڑھ کر اللہ کی وحدت کا یقین کر لیتی ہو تو پھر اُس کے احکامات پر بھی یقین کرو۔ اُس نے مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کو وہ کسی نہ کسی کا ذریعہ ضرور بنا دیتا ہے اور اِس وقت اس نے تمہاری ذمہ داری میرے شانوں پر ڈالی ہے۔ تم اس سے انحراف نہ کرو۔"

نوشابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

"تو پھر اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"یہ میری چچی جان ہیں۔ مسز فاروقی۔ اور یہ گھر میرا ہی ہے۔ میں تمہیں اور تمہاری والدہ کو یہاں اپنی بہن اور چچی کی حیثیت دیتا ہوں۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے لیے بہتر زندگی تلاش کروں اور اس کے بدلے میں تم سے کچھ نہیں طلب کروں گا۔ تمہیں ایک اچھی زندگی مل گئی تو میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھوں گا کیونکہ بھائیوں کے سر پر بہنوں کی یہی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ جہاں تک رہا نوشابہ باقی معاملات کا تعلق تو ایک اطمینان تمہیں ضرور دلاؤں گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ شخص جس نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کی ہے اور تمہیں زندگی سے اس قدر بیزار کر دیا ہے سزا پائے گا۔ ان دو وعدوں پر اس وقت تک اعتبار کرو جب تک یہ مکمل طور سے جھوٹے ثابت نہ ہو جائیں۔"

نوشابہ نے سر جھکا لیا تھا اور پھر وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"تو بدتمیزی میں نے کی ہے آپ سے اس کے لیے معافی چاہتی ہوں۔"

"گویا میری بہن اب ٹھیک ہو گئی؟" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور پھر چچی جان سے بولا۔

"چچی جان میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ پر مسلسل ذمہ داریاں ڈالتا رہتا ہوں۔"

"ایسی غیریت کی باتیں کرو گے شارق؟ ہم تو اپنی زندگی کے بہترین لمحات سے گزر رہے ہیں۔" مسز فاروقی نے کہا۔

"تو پھر اب یہ میری بہن اور میری چچی آپ کے حوالے، آپ مجھے ان دونوں کے ذہنوں کو صاف کر کے دکھایے۔ تسلیم کروں گا آپ کو۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" مسز فاروقی نے کہا اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو اب مجھے اجازت۔"

وہاں سے باہر نکل آیا۔ دل و دماغ کی جو کیفیت ہو سکتی تھی وہی بہت سی سوچیں دامن گیر تھیں اور میں اپنے طور پر کچھ باتوں پر حیرت زدہ بھی تھا۔ مثلاً یہ کہ انسپکٹر غالب نے ان تمام باتوں سے واقف ہونے کے باوجود کوئی ایسا طریقۂ کار اختیار کیوں نہیں کیا جس سے کم از کم ان ماں بیٹیوں کو تحفظ ہی ملتا۔ جس غنڈے کا حوالہ انہوں نے دیا اس کے بارے میں بھی مجھے کچھ نہیں معلوم لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اُسے بھی انہی لوگوں کی طرف سے متعین کیا گیا ہوگا۔ پڑوسیوں سے بھی میری ملاقات ہو چکی تھی اور وہ مجھے یہ تفصیلات بتا چکے تھے۔ ظاہر ہے زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے ہر شخص اپنی اپنی عزت بچانے کی فکر میں سرگرداں ہے اور ہر شخص صرف اپنے بارے میں سوچنے لگا ہے۔ اجتماعی طور پر قربانیاں دینے کا سلسلہ تو اب ختم ہی ہو گیا ہے۔ خیر اب اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہے، کم از کم ان دونوں کو میں نے مسز فاروقی تک پہنچا دیا تھا اور یہ بات بمشکل ہی کسی کو معلوم ہو سکے گی کہ لڑکی اور اس کی ماں کو کون لے گیا؟ میں ویسے بھی انہیں ٹیکسی ہی سے لایا تھا اور یہ اتفاقیہ طور پر ہی ہوا تھا اگر میری کار وہاں دیکھ لی جاتی تو شاید وہ لوگ پتا لگانے کی کوشش کرتے کہ لڑکی اور اس کی ماں کہاں چلی گئیں۔ یہاں سے ٹیکسی کر کے اس پارکنگ لاٹ تک پہنچا جہاں میری گاڑی موجود تھی۔ آج کا کام اس سلسلے میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شام کی ڈیوٹی بھی سرانجام دینی تھی اور شام ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ چنانچہ واپس دفتر کی جانب چل دیا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی کہیں چلے گئے تھے۔ صرف استاد تھے جو اپنے معمولات سے فارغ ہو کر دفتر بند کر رہے تھے۔ اُن کے ساتھ فلیٹ پر آیا اور دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔

پھر وہاں سے تیار ہو کر کوٹھی کی جانب روانہ ہو گیا۔

کوٹھی میں داخل ہوا تو حالات کچھ خوشگوار نظر آئے۔ لالہ رخ نیلوفر، شفق بھابی اور دو اجنبی لڑکیوں کے چہرے نظر آئے پہلے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ کار سے اترا تو شفق بھابی نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا اور میں آہستہ آہستہ اس جانب چل دیا تھوڑی دیر کے بعد اُن کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"ہیلو شارق صاحب، کیسے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

جاوداں نے سب سے پہلے میری پذیرائی کی تھی۔

"بفضل تعالیٰ خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے" میں نے جواب دیا اور جاوداں مسکرانے لگی۔

"شکریہ۔ تشریف رکھیے۔"

"بہتر" میں نے کہا اور بیٹھ گیا۔

میرے اس جواب پر لالہ رخ بھی مسکرا اٹھی تھی۔ وہ دونوں خواتین سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں تب شفق بھابی نے کہا۔

"بھئی یہ میرے سب سے چھوٹے دیور ہیں شارق حسین۔ اور شارق یہ دونوں چچا جان کے ایک دوست کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے پاس ملنے کے لیے آئی ہیں۔ چچا جان سے میری مراد شوکت جاہ صاحب ہیں۔"

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔"

جاوداں ہلکی سی ہنسی ہنس پڑی تھی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

"نہیں براہ کرم محسوس نہ کریں۔ بس کیا کروں مزاج میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے بعض جملوں پر مجھے شدید اعتراض ہے۔ کسی سے مل کر مسرت اس وقت ہوتی ہے جب اُسے جانا جائے پہچانا جائے اور اسے اپنی طبیعت کے مطابق پایا جائے۔ ناواقفیت پر بھی یہ کہہ دینا کہ آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ ہم رسمی طور پر بھی صرف جھوٹ ہی بولتے ہیں۔ کیوں نہ ان الفاظ میں اختراع کی جائے اور انہیں تبدیل کیا جائے۔ میں بعض اوقات یہ سوچتی ہوں کہ انکساری کے الفاظ میں تقریباً پچانوے فیصد جھوٹ شامل ہوتا ہے اور ہم سب جان بوجھ کر یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں آپ لوگوں سے معذرت خواہ ہوں بس کوئی بات ذہن میں آتی ہے تو کہے بغیر نہیں رہا جاتا۔"

"آپ کا فرمانا بجا ہے مس جاوداں لیکن معارض البدید نحو النعانیہ کے منافی ہے اور رعایت اصطلاحات الرعاتیہ دیتی ہے۔ ہم مجبور ہیں انہی تمام ادائیگیوں کے لیے جو اخلاقی بندشوں میں آتی ہیں اور یہ اپنے کسی شناسا کو ابتدائی توجہ دینے کے مترادف ہے۔" میں نے کہا اور جاوداں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی اور شفق بھابی اپنے بے اختیار قہقہے کو روکنے کے لیے کھانسنے لگیں تھیں۔ نیلوفر ہنس دی تھی اور لالہ رخ بھی مسکرا رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں متعجبانہ انداز میں میری صورت دیکھ رہی تھیں میں نے پھر کہا۔

"چنانچہ مس جاوداں آپ ایسی باتوں کو نظر انداز فرما دیا کریں تاکہ ہمیں بھی سکون رہے۔"

شفق بھابی ایک دم اٹھ گئی تھیں۔

"چائے تو پیو گے تم؟"

"جی ہاں۔ اگر ان خواتین نے نہ پی ہو تو۔" میں نے ان کے ساتھ رعایت کرتے ہوئے کہا اور وہ ناک دباتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں تاکہ ان کا قہقہہ نہ نکل جائے۔ اس کے بعد ایک دم خاموشی سی چھا گئی تھی۔ پھر لالہ رخ نے کہا۔

"کیا خیال ہے بھائی جان ہم پکنک کا ایک پروگرام رکھیں؟"

"ہاں مجھے اعتراض نہیں ہے۔" میں نے حیرت سے لالہ رخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کی مسکراہٹ بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

میں نے جو ٹیڑھے میڑھے جملے بولے تھے انہوں نے جاوداں کو ایک دم نروس سا کر دیا تھا اور لالہ رخ کو اس کے نروس ہونے سے خوشی ہوئی تھی۔ غالباً اس طرح اُس کی کسی حس کو تسکین پہنچی تھی۔

"تو پھر طے کر لیں کہاں چلنا ہے؟"

"میں کچھ بولوں گی تو مداخلت بے جا تصور کی جائے گی۔"

جاوداں بھی ایک ہی ڈھیٹ تھی۔ سب لوگ اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"پکنک۔۔ پکنک کے نام کے ساتھ کچھ عجیب سے تصورات ابھر آتے ہیں۔ کوئی ویران سی جگہ۔ کوئی دریا کا کنارہ، جنگل، باغ، پہاڑ یا پھر کوئی اور تفریح گاہ ہم اپنے آپ کو بھولنے کے لیے اپنے بہتر معمولات ترک کر کے وہاں چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ بات خود کو دھوکہ دینے کے مترادف نہیں ہے؟

www.taemeernews.com

میں سمجھتی ہوں کہ انسان کو کبھی حقیقتوں سے آنکھ نہیں چرانی چاہیئے۔ سچائی یہ ہے کہ ہمارے اپنے معمولات صبح سے لے کر شام تک کے لیے اتنے ہوتے ہیں کہ ہم اُن سے فراغت نہیں حاصل کر سکتے۔ اگر اپنے ان معمولات کو جارحانہ انداز میں ترک کرکے ہم خود کو کسی ایسی مقام پر لے جاکر کھو دیتے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ وقت کا زیاں ہے اور میرے اپنے خیال میں یہ زیاں مناسب نہیں ہوگا تاہم میں آپ لوگوں کے کسی مشغلے میں مداخلت کی قدرت نہیں رکھتی۔"

"کیوں جاودواں کیا ہالینڈ میں لوگ پکنک نہیں مناتے؟"

"بہت مناتے ہیں بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ ممالک غیر کے کھونے والے تو اپنے آپ کو مکمل طور سے کھو چکے ہیں۔ تفریحات کے رسیا اپنے معمولات کو ترک کرکے نجانے کن کن احمقانہ مشاغل میں مصروف ہو جاتے ہیں اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ اُن کی کج روی ہے۔ اصولاً ان کو اپنے معمولات ہی کو اپنے لیے ذریعۂ تفریح بنانا چاہیئے۔ اب آپ دیکھیے نا وقت کو ضائع کرنے کے لیے اِدھر اُدھر جاکر فضول حرکتیں کرنا تو کوئی ذہانت کی بات نہیں ہے بلکہ اسے خلافِ آدمیت قرار دیا جا سکتا ہے اور ہم ایسے لوگوں سے جن کے بارے میں ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کھونے والوں میں ہیں تو تعاون کیوں کریں؟ وہ لوگ ہم سے مختلف ہیں۔ ہمارے مشاغل متعین کر دیے گئے ہیں۔ مذہباً بھی اخلاقاً بھی اور جب یہ سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے تو پھر ہم وقت کو اس انداز میں ضائع کیوں کریں؟"

"خدا کی پناہ جاودواں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کی خاتون ہو۔ ابے یہاں ہم اس جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آخر کس لیے؟" لالہ رخ نے کسی قدر ناخوشگواری سے کہا۔ جاودواں مسکرا دی۔

"یہ یک جہتی ہے اور یک جہتی کا تصور ابتدائے انسانیت سے موجود ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کے درمیان بیٹھ کر تبادلۂ خیال کر لینا بہت بڑی نعمت ہے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ میں اختلاف صرف اس بات سے کر رہی تھی کہ ہم جو سب کچھ یہاں بیان کر سکتے ہیں وہ کہیں اور جاکر کیوں کریں؟"

"بھئی اب تمہاری مرضی ہے یہ پروگرام ہم نے تمہاری ہی وجہ سے رکھا تھا۔" لالہ رخ کو شاید آنٹی جی صاحب کی ہدایات یاد تھیں۔ اس لیے وہ بہکنے کی کوشش نہیں کرتی تھی اور بلاشبہ اس وقت وہ اپنے آپ پر بہت ظلم کر رہی تھی۔ مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ میں نے کہا۔

"خیر اس مسئلے پر بعد میں گفتگو کریں گے۔"

شفق بھابی کو یہاں آنا ہی پڑا۔ چائے لائی تھیں اپنے ساتھ۔ لیکن ان کا چہرہ اب بھی سرخ ہو رہا تھا۔ غالباً اندر جاکر خوب ہنستی رہی تھیں۔

"خواتین اگر اجازت دیں تو میں لباس تبدیل کر آؤں؟"

"چائے پینے کے بعد۔" شفق بھابی نے سخت لہجے میں کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

اس کے بعد ہم لوگوں کے درمیان چائے سرو ہو گئی۔ میں نے آنے والی دونوں لڑکیوں کو نظرانداز کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اُن سے ان کے بارے میں بات چیت کرنے لگا۔ دونوں خاصی تہذیب یافتہ لڑکیاں تھیں اور جاودواں کو عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ لیکن جاودواں کی ایک خوبی کا میں دل سے قائل ہو گیا تھا کہ کم از کم وہ کسی مسئلے میں احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوتی تھی۔ کچھ بھی کہہ جائیے اور اس کے جواب میں کچھ بھی سننا پڑ جائے وہ خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا کرتی۔ بظاہر یہ اندازہ بھی نہیں ہو پاتا کہ وہ ذہنی طور پر پسماندہ ہے۔ ہر ایک مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں میں چھپے ہوئے انداز کو بخوبی سمجھتی تھی لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ اوّل تو آنٹی جی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سخت اور پھر خاص طور سے لالہ رخ۔ ان کے ساتھ جاودواں کی اپنی شخصیت۔ چنانچہ میں اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ رات کا کھانا پُرسکون طور پر کھایا گیا اور کوئی خاص نشست نہ جمی۔ بس اپنے اپنے طور پر چہل قدمی کی جاتی رہی۔ جس میں، میں شریک نہیں تھا۔ شوکت جاہ سے تھوڑی دیر تک بات چیت رہی میری اور وہ مجھ سے مقامی معاملات کے بارے میں پوچھتے رہے تھے بہت نفیس انسان تھے۔ گفتگو میں بڑی اپنائیت اور کھرا پن تھا جو مجھے بہت پسند آیا۔ اس کے بعد ہم سب لوگ آرام کرنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ میں اپنے کمرے میں آکر دن کے معاملات کے بارے میں سوچنے لگا۔ فیصلہ کرنا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟ قصر بدویز بھی ذہن میں آیا۔ لیکن میں اس تمام صورت حال کو سنجیدگی سے محسوس کر رہا تھا اور اس سلسلے میں کوئی بھی بیجا قدم نہیں اٹھانا تھا۔ اب تو کم از کم اتنا تجربہ ضرور ہو گیا تھا کہ جس قسم کے کردار ہمارے معاشرے میں بااختیار ہیں اور اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں انہیں ہینڈل کرنے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ سب

www.taemeernews.com

بیٹے کا بچاؤ ضروری تھا لیکن اس سلسلے میں محنت کرنا پڑتی اور جہاں تک وہ دوسرے معاملات کا تعلق تھا تو اب مجھے اتنا تجربہ ضرور ہو گیا تھا کہ اصل معاملے کو کس طرح اپنے کنٹرول میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہتا تھا جس سے کامیابی قریب ہو جائے۔ بلاشبہ میں قمر پرویز کے بیٹے مسعود پرویز یا اس کے دوستوں کا جانی دشمن نہیں بن گیا تھا لیکن اس واقعے کے ساتھ کچھ اور ایسے واقعات منسلک ہو گئے تھے جن کی وجہ سے میں اس صورت حال کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ تینوں ان مین اوباش نوجوانوں نے ایک لڑکی کی آبرو پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ہم اس جرم کو معمولی جرم قرار نہیں دے سکتے۔

معاشرے میں ایسے لاکھوں جرائم روزانہ ہوتے ہیں اور اس کے بعد جو ایسے جنم لیتے ہیں ان کی مثال ممکن نہیں۔ بہت سی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ بہت سے گھرانے برباد ہو جاتے ہیں اور لوگ سرسری طور پر ان واقعات کو اخبارات میں پڑھ کر نظر انداز کر دیا کرتے ہیں بلکہ دوسرے دن بھول بھی جاتے ہیں لیکن جس پر گزری ہوتی ہے وہی جانتا ہے۔ معاشرے کے اس جرم کو میں قتل کے جرم سے کسی طرح کم قرار نہیں دے سکتا جو اخلاقی قدریں بنا دی گئی ہیں۔ انہیں پامال کرنا کوئی کم جرم نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے ہم جس معاشرے میں جی رہے ہیں وہاں جرم کا بھی تعین کر لیا گیا ہے اور کسی ایسے جرم کو بھیانک قرار نہیں دیا جاتا جو ایک بھیانک جرم ہوتا ہے۔ اگر ہم غصے میں آ کر کسی کے تھپڑ مار دیں تو اس سے معافی مانگی جا سکتی ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تھپڑ مارنا ایک جرم تھا۔ اس جرم کو ہم چھوٹا جرم کہہ سکتے ہیں لیکن معاشرے کے کسی زندہ کردار کو زندگی سے دور کر دیا جائے۔ اسے ایک ایسے کرب کا شکار کر دیا جائے جو اس کی روح میں زخم ڈال دے تو ہم اسے قتل سے کم جرم قرار نہیں دے سکتے اور اس کی سزا واقعی موت ہی ہونی چاہیئے۔ ان تینوں نے بھی ایسا ہی کرنے کی کوشش کی تھی یہ دوسری بات ہے کہ نوشابہ کی تقدیر نے یاوری کی اور انسپکٹر غالب اس وقت موجود تھا۔ جرم نہیں ہوا لیکن جرم کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس کوشش کی مذمت۔ سرزنش بھرپور انداز میں کی جانی چاہیئے اور ان تینوں لڑکوں کو ہلکی پھلکی سزا ضرور دی جاتی تاکہ ان کے دلوں میں اس سزا کا خوف بیٹھ جاتا۔ اس کے برعکس صرف اس لیے کہ قمر پرویز ایک بااختیار انسان تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو اس جرم سے صاف بری کرا لیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک دوسری مجرمانہ کارروائی کی گئی یعنی نوشابہ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ کم از کم معاشرے میں اس جرم کو بے نقاب کرنا میرا فرض تھا۔

بہت دیر تک میں ان خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر دفعتاً ہی دروازے پر دستک سن کر چونک پڑا میں جلدی سے جوتے پہن کر آگے بڑھا اور دروازہ کھول دیا لیکن کمرے کے سامنے جادواں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ بہت ہی خوبصورت شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی اور عجیب سے انداز میں میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"مداخلت بے جا کے لیے معافی کی خواستگار ہوں۔ کچھ وقت درکار ہے آپ سے۔ اندر آنے کی اجازت چاہتی ہوں۔" اس نے کہا اور میں بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔

"تشریف لایئے۔" میں نے کہا اور وہ شکریہ ادا کر کے اندر داخل ہو گئی۔

اس نے اطمینان سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ کیا اس لڑکی پر دیوانگی کا کوئی دورہ پڑا ہے؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور تیز روشنیاں جلا کر اسے بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"شکریہ۔" وہ بیٹھ گئی۔

"کیسے آپ نے کیسے زحمت فرمائی؟ مجھے بلا لیا ہوتا میں آ جاتا۔"

"کام میرا تھا اس لیے میں آپ کے پاس حاضر ہوئی۔"

"خیر کوئی حرج نہیں ہے۔ فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت؟"

"آپ نے میرے سامنے کچھ الفاظ ادا کیے تھے۔ بس اُن کے لیے پریشان ہو گئی ہوں۔"

"کون کون سے الفاظ ...؟" میں نے حیرت سے کہا اور جادواں نے اپنے لباس کی جیب سے ایک کاغذ نکال لیا۔ اس کاغذ پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے وہ بولی۔

"معاشی المجدید، نہو النفاقیہ، اصطلاحات الرعائیہ۔ یہ تین الفاظ میرے لیے باعث پریشانی بن گئے۔ میرے پاس یہاں لغت کا زیادہ ذخیرہ تو نہیں ہے لیکن چونکہ میرا محبوب مشغلہ لغات سے الفاظ پڑھنا انہیں یاد کرنا اور ان کے معنی ذہن نشین کرنا ہے۔ میں نے بہتر یہی تصور کیا کہ میں آپ کے پاس پہنچوں اور اپنی اس مشکل کا حل دریافت کروں۔"

میرا قہقہہ ضبط نہیں ہو سکا تھا اور میں زور سے ہنس پڑا لیکن اس کے اثرات جادواں کے چہرے پر نمودار نہیں ہوئے۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ بعض اوقات میری حرکات کچھ ایسی ہو جاتی ہیں کہ لوگ مجھے صحیح الدماغ تصور نہیں کرتے۔ لیکن میں

www.taemeernews.com

اس چیز کو زیادہ محسوس نہیں کرتی۔ براہِ کرم آپ میری اِس سلسلے میں مدد فرما دیجیے۔ میں آپ کی شکر گزار رہوں گی اور آپ کو ایک طرح سے اپنا استاد تسلیم کروں گی۔"

میں نے دل ہی دل میں اسے باپ رے کا نعرہ لگایا تھا۔

جو الفاظ میں نے ادا کیے تھے ان کے مفہوم تو میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھے۔ بس اس وقت ذہن میں شرارت کلبلائی تھی اور میں نے اس کے ٹیڑھے میڑھے الفاظ کے جواب میں کچھ الٹے سیدھے الفاظ کہہ دیے تھے۔ لیکن اب یہ پھندہ گلے میں پھنستا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے سوچا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کے آنے سے بہت خوش ہوں جادواں صاحبہ۔ ظاہر ہے آپ ہماری معزز مہمان ہیں۔ جہاں تک رہا معاملہ ان الفاظ کا تو اس کے لیے میں کچھ انکشافات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔ جی فرمائیے۔"

"لغتِ فرہنیہ ابھی تیار ہو رہی ہے اور لغتِ فرہنیہ کی تیاری کا تصور اس لیے وجود میں آیا کہ زمانۂ جدید میں آبادی کا تناسب بہت بڑھ گیا ہے۔"

"یہ کب تک تیار ہو جائے گی؟"

"اس کے بارے میں آپ سے کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ جب یہ لغت تیار ہو جائے گی تو اسی وقت ان تینوں الفاظ کے معنی کے جواب دے سکتا ہوں۔"

"اوہو! لیکن آپ نے ان کا استعمال قبل از وقت کیسے شروع کر دیا؟"

"بس اُس وقت اُن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لغت فرہنیہ تیار کرنے والوں سے میری شناسائی ہے اور اس سلسلے میں اُن سے گفتگو ہوئی۔ چنانچہ یہ تینوں الفاظ سامنے آ گئے۔"

"میں سمجھتی ہوں آپ نے ظلم کیا ہم سب پر۔"

"خدانخواستہ کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ آپ نے وہ الفاظ ادا کر دیے جن کا مفہوم ابھی واضح نہیں ہے۔ اب نجانے کب تک میں تڑپتی رہوں گی۔"

"آپ اطمینان رکھیں بہت جلد لغت فرہنیہ کے پروف میں آپ کے سامنے پیش کر دوں گا بشرطیکہ مجھ تک پہنچ سکے۔"

"میں آپ کا انتہائی شکر گزار رہوں گی۔" جادواں نے کہا اور مسکرانے لگی۔

میری اپنی جو کیفیت تھی۔ وہ تو میں ہی جانتا تھا۔ بہر طور اتفاق تھا کہ اس وقت میں تنہا تھا اگر اور لوگ ہوتے تو زیادہ پرلطف ماحول ہوتا۔ جادواں چند لمحات مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"ویسے میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں۔"

میں اچھل پڑا۔ لیکن جادواں کے چہرے پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے کہا۔

"ہاں آپ مجھے خاصے بالغ نگاہ محسوس ہوتے ہیں جبکہ یہاں موجود دوسرے لوگوں کی باتوں میں معصومیت ہوتی ہے۔ البتہ آپ کی جانب دل زیادہ کھنچتا ہے۔ کیونکہ آپ سے جب بھی گفتگو ہوئی مجھے کچھ حاصل ہی ہوا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میں اور کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ کے بارے میں مزید کچھ گفتگو کرنے کی خواہش مند ہوں۔"

"جی فرمایئے۔" میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"کچھ عجیب باتیں سنی ہیں آپ کے بارے میں۔ مثلاً یہ کہ آپ یہاں اس آشیانے میں نہیں رہتے۔"

"سن لیں آپ نے یہ باتیں ...؟"

"ہاں ... کیوں نہیں۔ اس گھر میں مجھے ایک گھر کے فرد کا سا ہی درجہ دیا گیا ہے چنانچہ ہر شخص سے ہی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے؟"

"نہیں سچ ہے۔"

"آپ نے آشیانہ کیوں چھوڑ دیا؟"

"حصولِ علم کے لیے۔" میں نے جواب دیا۔

"واہ، اچھی بات ہے۔ بلاشبہ محدود رہ کر علم حصول ممکن نہیں ہے۔ لیکن گھر چھوڑ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ آپ رہتے تو اسی شہر میں ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"کہاں؟"

"ایک فلیٹ ہے میرا۔"

"ہوں! کیا آشیانہ جیسی حسین کوٹھی کے بعد فلیٹ میں زندگی پرسکون گزرتی ہے؟"

"جی۔"

"تو پھر میں آپ کی وہ سکون گاہ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"جی۔ ضرور۔ جب آپ پسند فرمائیں۔"

www.taemeernews.com

"وعدہ کرتے ہیں دکھائیں گے ؟"

"یقیناً مجھے اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے ۔"

"تو پھر کب ؟"

"عرض کیا نا جب آپ حکم دیں گی۔ میں اپنے فلیٹ پر لے جاؤں گا ۔"

"بے حد شکریہ۔ ویسے غالباً آپ سونا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کی باتوں میں اکتاہٹ محسوس کی ہے ۔"

"ارے نہیں . . . آپ کو غلط فہمی ہوئی مس جاوداں ۔"

"یہاں میں نے شاید اکتاہٹ کا لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ آپ جس انداز میں جواب دے رہے ہیں وہ طویل نہیں ہے۔ اور طویل گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ انسان مزید گفتگو کرتے رہنا چاہتا ہے۔ مختصر گفتگو اگر کر دی جائے تو پھر آدمی کی اکتاہٹ کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ میں آپ کی زیادہ سمع خراشی نہ کروں گی ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور میں اسے دروازے تک رخصت کرنے آیا۔ دروازہ بند کر کے میں نے گہری گہری سانسیں لی تھیں ۔

دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتے کی میز پر سب موجود تھے اور ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی پھر سب اپنے اپنے مشاغل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی اپنے کمرے میں چلا گیا اور تیار ہونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں باہر نکلا۔ ایک ملازم میری گاڑی صاف کر چکا تھا۔ میں نے چابی سے دروازہ کھولا تو دوسرے لمحے حیرت سے چونک پڑا۔ جس جگہ میری گاڑی کھڑی تھی وہاں ایک درخت موجود تھا اور درخت کے عقب سے دفعتاً ہی جاوداں نکل آئی۔ وہ ایک خوبصورت شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔ اور بالکل تروتازہ نظر آ رہی تھی۔ میرے قریب پہنچ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چل رہی ہوں ۔"

"ایں . . ." میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔

"جی آپ کی اجازت کے ساتھ۔ آپ نے کہا تھا کہ میں جب بھی چاہوں آپ مجھے اپنا فلیٹ دکھانے لے جائیں گے ۔"

"ج . . . جی ہاں وہ . . . وہ ۔"

"تو میں اس وقت یہی چاہتی ہوں۔ براہ کرم دروازہ کھولیے ۔"

میں نے بادلِ نخواستہ دروازہ کھول دیا اور وہ اندر آ بیٹھی۔ میں اس کی اس بے تکلفی پر ششدر رہ گیا تھا۔ چند لمحات تو کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا۔ پھر میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ نے۔ آپ نے چچا جان سے اجازت لے لی ہے ؟"

"میرے جو فرائض تھے وہ میں نے پورے کر لیے ہیں۔ براہِ کرم چلیے ۔" اس نے کہا اور میں نے کار اسٹارٹ کر دی ۔

میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ اس صورت حال کو اگر لالہ رخ، شفق بھابی یا نیلوفر دیکھ لیتیں تو کیا ہوتا۔ لیکن یہ بھی بلی دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے کے مترادف تھا کیونکہ بہرطور اُن لوگوں کو یہ علم ہو ہی جائے گا کہ جاوداں تنہا میرے ساتھ کہیں گئی ہے۔ گاڑی کو انتہائی تیز رفتاری سے گیٹ سے باہر لایا اور اس کے بعد سڑک پر آ گیا۔ گاڑی کی رفتار بے حد سست تھی، جاوداں نے کہا۔

"آپ بہت سست رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں ۔"

"ن . . . نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بس میں اچانک ہی کچھ بوکھلا سا گیا ہوں ۔"

"وجوہات دریافت کر سکتی ہوں ؟" اُس نے کہا ۔

"ج . . . جی ہاں۔ م . . . میرا مطلب ہے کہ یہ لمحات میری مصروفیت کے لمحات ہوتے ہیں ۔" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ لیکن تعاون انسانی فطرت کا ایک جزو ہوتا ہے اور میں اس جزو سے مالا مال ہوں۔ آپ بالکل مطمئن رہیں آپ کی مصروفیت میں ذرا بھی دخل اندازی نہ ہوگی۔ مصروفیت کے عالم میں آپ مجھے بالکل نظر انداز کر دیں۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی اور جب آپ فراغت حاصل کر لیں گے تو پھر میں آپ سے آپ کا وہ وقت مانگ لوں گی ۔"

"م . . . میرا مطلب ہے کیا آپ دن بھر میرے ساتھ رہیں گی ؟"

"جی ہاں میں تو یہی فیصلہ کر کے گھر سے چلی ہوں ۔"

"اور کسی کو . . کسی کو اعتراض نہیں ہوگا ؟"

"کیسا اعتراض . . . ؟" اس نے متعجبانہ انداز میں کہا ۔

"میرا مطلب ہے آپ نے . . . آپ کو . . ." میں جملہ پورا نہ کر سکا۔

"آپ براہِ کرم پوری توجہ گاڑی ڈرائیو کرنے پر صرف کیجیے۔ آپ جہاں بھی جا رہے ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلیے۔ آپ کہیں میرے وجود کی گرانی محسوس نہیں کریں گے ۔"

"بہتر . . ." میں نے گہری سانس لے کر کہا اور کار کا رخ

www.taemeernews.com

فلیٹ کی جانب ہی کر دیا۔

ظاہر ہے کوئی ایسی مصروفیت تو تھی نہیں جسے فوری طور پر انجام دینا ضروری ہو۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ میں مس جاوداں کو اپنا یہ فلیٹ دکھا ہی دوں تاکہ ان کا مسئلہ حل ہو جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں فلیٹ پر پہنچ گیا۔ استاد جھونے کے بارے میں میرا اندازہ تھا کہ وہ دفتر جا چکے ہوں گے اور جب فلیٹ پر پہنچا تو یہ اندازہ درست نکلا۔ فلیٹ کی چابی میری کار کی چابی میں شامل تھی۔ میں نے فلیٹ کا دروازہ کھولا تو جاوداں آہستہ سے بولی۔

"اوہو! آپ نے اپنے فرائض انجام نہیں دیے اور مجھے یہاں لے آئے۔"

"نہیں کوئی ایسا خاص کام فوری طور پر نہیں تھا۔ آپ سے میں آپ کو اپنا فلیٹ دکھا دوں۔"

پھر وہ فلیٹ کا ایک ایک گوشہ دیکھتی پھری تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جاوداں نے پورا فلیٹ دیکھنے کے بعد کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے یہ آپ کے لیے ایک ذاتی سکون گاہ ہے۔"

"جی ہاں بالکل صحیح اندازہ ہے آپ کا۔"

"مجھے پسند آیا۔ کسی اور کو پسند آئے یا نہ آئے۔ ویسے آپ کی جو شخصیت ہے یہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن معاف کیجیے میں خود اپنے ان جملوں سے مطمئن نہیں ہوں۔ ہر وہ جگہ جہاں انسان کو سکون ملے ایک بڑی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔"

"جی۔ بس یہی میرا غریب خانہ ہے۔"

"یہاں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا؟"

"جی ہاں میرے ایک دوست، ساتھی یا بزرگ۔ تو بھی آپ سمجھ لیں استاد جھونے ہیں۔"

"کلاسیکل۔ کیا نام بتایا آپ نے اُن کا؟"

"استاد جھونے۔"

"واہ... کہاں ہیں وہ؟"

"دن میں دفتر چلے جاتے ہیں اور رات کو یہیں قیام کرتے ہیں۔"

"میں ان سے ملنا چاہوں گی۔" جاوداں نے کہا اور میرے دیوتا کوچ کر گئے۔

"وہ... وہ تو اس وقت دفتر میں ہیں۔"

"تو کیا دفتر آپ کا نہیں ہے؟"

"ہے تو میرا ہی۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"تو میں اُس دفتر میں چلوں گی آپ کے ساتھ عرض کر چکی ہوں کہ دن بھر کی اجازت لے کر آئی ہوں اور آپ کی گلوخلاصی آسانی سے نہ ہو سکے گی۔"

"یہی لگتا ہے۔" میں نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اب اس کے بعد تو فلیٹ پر رکنا بھی بے کار تھا۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ اسے فلیٹ دکھانے کے بعد گھر پہنچا دوں گا لیکن محترمہ دن بھر کے لیے نازل ہوئی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ بہر طور انہیں لے کر دفتر پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب، جاوید قریشی اور استاد جھونے موجود تھے۔ تینوں سے ان کا تعارف کرایا۔ فاروقی صاحب بہت محبت سے پیش آئے تھے۔ جاوید قریشی کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور استاد جھونے تو تھے ہی محبت کا مرکز۔ جاوداں خاص طور سے ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ فاروقی صاحب نے کہا۔

"بھئی میں تو کورٹ چلتا ہوں۔ دوپہر کو دو بجے کے بعد تمہارے ساتھ ایک نشست رکھنا چاہتا ہوں، قریشی تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"مجھے بھی ایک کیس کے سلسلے میں جانا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے شارق میاں تم لوگ بیٹھو یہاں اور ہمیں اجازت دو۔ اچھا جاوداں بیٹے تم سے دوبارہ ملاقات ضرور ہوگی۔"

"یقیناً اگر آپ یاد فرمائیں گے تو میں حاضر ہو جاؤں گی۔" جاوداں نے کہا۔

قریشی صاحب بھی چلے گئے اور اس کے بعد جاوداں استاد جھونے سے کہنے لگی۔

"آپ کے یہاں کیا کیا مشاغل ہیں؟"

"بس بی بی وقت گزارتے ہیں۔ چائے پئیں گی آپ؟"

"یہاں انتظام ہو سکتا ہے اس کا؟"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔" استاد جھونے بولے۔

"تو پھر بہت دل چسپ لگے گا۔ بنا لائیے۔" جاوداں نے کہا اور مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"میں جانتی ہوں کہ آج میں نے جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ لیکن کبھی کبھی دل یہ بھی چاہتا ہے کہ معمولات میں کوئی ایسی تبدیلی ہو جو پُر لطف ہو۔"

"حالانکہ آپ نے پکنک سے انکار کر دیا تھا۔"

"ہاں بھئی بس ان بچیوں کے ساتھ بہت زیادہ جی نہیں لگتا۔" جاوداں نے جواب دیا۔

میں ہنستا رہا تھا۔ پھر جاوداں مجھ سے میرے مشاغل

www.taemeernews.com

کے بارے میں پوچھنے لگی اور میں نے اُسے مختصر سی تفصیلات بتا دیں لیکن اپنے صحیح کام کا میں نے اس پر کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔ جاوداں تھوڑی دیر تک بیٹھی رہی استاد نے چائے پیش کر دی تھی اس کے بعد جیسے اُسے مجھ پر رحم آ گیا اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب آپ مجھے واپس کوٹھی بھجوانے کا بندوبست کر دیجیے گا۔"

"جی۔۔۔" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"جی ہاں کبھی کبھی ایسی دلچسپ شرارتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ آج بس یونہی جی چاہا تھا کہ آپ کو تھوڑا بہت پریشان کیا جائے۔ لیکن اب میں سمجھتی ہوں کہ یہ پریشانی حد سے تجاوز کر چکی ہے۔ کیا استاد جمو نے مجھے گھر تک پہنچا سکیں گے؟"

"کیوں نہیں لیکن آپ یہ نہ محسوس کریں کہ میں نے آپ سے جان چھڑانے کے بارے میں سوچا ہے۔"

"نہیں میں یہ بالکل نہیں محسوس نہیں کروں گی۔ اچھا پھر شام کو ملاقات ہوگی۔ آیئے استاد آپ کو زحمت دے رہی ہوں لیکن کیا کیا جائے مہمان تو زحمت دینے کے لیے ہی آیا کرتے ہیں۔"

"نہیں بی بی آپ حکم دے کر دیکھیں۔ میں ہر طرح حاضر ہوں۔"

"تو پھر آیئے۔"

"تم۔۔۔ میں گاڑی سے چھوڑ دوں؟" میں نے پیش کش کی۔

"نہیں استاد کے ساتھ ٹیکسی سے جاؤں گی۔" اس سر پھری لڑکی نے کہا اور اس کے بعد وہ استاد کے ساتھ نیچے اُتر گئی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا اور دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا مجھے۔ جاوداں کہیں کوئی گہری شرارت تو نہیں کر رہی ہے۔ کچھ کچھ جھلکیاں نظر آئی تھیں ایسی یعنی وہ اپنے آپ کو جس انداز میں ہے درحقیقت ہو سکتا ہے ایسی نہ ہو لیکن اس کا [illegible] یا جائے؟

دیر تک چکراتے ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ استاد جمو نے کی واپسی سے پہلے دفتر سے نکلنا بھی ممکن نہیں تھا خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ جاوداں کا کردار بار بار سامنے آ جاتا اور سوچ مسلسل یہی تھی کہ وہ صرف شرارت کر رہی ہے یا درحقیقت ایسی ہی فطرت کی مالک ہے؟ اگر شرارت بھی ہے تو اس نے

نہایت کامیابی سے سب کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ لیکن فرصت ملی تو اسے بھی اس کی اوقات بتا دوں گا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور پھر کسی نے دروازہ کھولا۔ آنے والے نے ذرا سا اندر جھانکا اور پھر پورا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میں بھی اُسے دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ نگہت شیراز تھی۔

"ہیلو چیف آ سکتی ہوں؟" اُس نے اپنی مخصوص بے تکلفی سے کہا۔

"تشریف لایئے۔"

"مفرور ملزم حاضر ہے۔ بیٹھ جاؤں؟" اس نے سوال کیا۔

"جی تشریف رکھیے۔"

"اور اب میں جانتی ہوں کہ مجھ سے کیا سوالات کیے جائیں گے چنانچہ جوابات پہلے ہی دے دیتی ہوں بات دراصل یہ ہے کہ سو فیصد انسان ہوں اور شاید ہر شخص ذہنی طور پر کاریگر ہوتا ہے۔ کاریگری کی پہچان ہے کہ اگر مزدوری سے اگر کچھ زیادہ مل جائے تو پھر اس وقت تک مصروف ہو جاتا ہے جب تک ملی ہوئی رقم خرچ نہ کر ڈالے۔ چنانچہ میں بھی وہ پچاس ہزار روپے مختلف انداز سے ہضم کر رہی تھی۔ اپنے سارے معاملات نمٹائے پھر کچھ خریداریاں کیں اور اس کے بعد خود کو چند روز کے لیے انتہائی پرسکون محسوس کیا۔ بار بار دل میں یہ خیال آتا رہا کہ چیف اس بارے میں ضرور سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن کچھ اور اندازے بھی لگانے تھے مثلاً یہ کہ چیف نے ہمیں کس خانے میں فٹ کیا ہے؟ لیکن پتا چلا کہ ابھی وہ خانہ ہی نہیں بنایا گیا جہاں ہمیں فٹ کیا جا سکے۔ اپنی توہین محسوس کی اور پھر ممنونیت کے جذبات ابھرے۔ بالآخر فیصلہ کیا کہ خود ہی چلا جائے بھائی۔ پیاسا تو دچل کر کنوئیں کے پاس پہنچتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ ایسی ایجادات بھی کیں جس سے چیف کو خوش کر دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ چیف کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی گئیں اور یہ معلومات اکٹھا کر کے تعریف و توصیف کے بے شمار جملے تراشے گئے۔ سوچا کہ ایک مضمون بھی لکھ لیا جائے لیکن اس حد تک مہلت نہیں مل سکی۔ اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ چیف سے ہدایات لینے آئی ہوں۔ اب میری ڈیوٹی چالو کر دی جائے اور ہاں تعریف و توصیف کے جو جملے میں نے تراشے ہیں اگر سب کے سب اسی وقت سنا دوں تو ذرا قبل از وقت رہے گا۔ موقع موقع سے انہیں استعمال کرتی رہوں گی۔"

میں خاموشی سے نگہت شیراز کی صورت دیکھ رہا تھا پھر

www.taemeernews.com

نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"یہاں تم نے دہرا فائدہ اٹھایا ہے مس نگہت شیراز۔ یعنی ایک جرنلسٹ اور اس کے ساتھ ساتھ عورت۔ اب مجھے بتلاؤ کہ میرے پاس تم سے کرنے کے لیے کیا سوال رہ گیا سب کچھ تو تم نے کہہ ہی ڈالا۔"

"اسی لیے چیف کہ آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ پھر اس سوال کی چبھن مجھ سے برداشت نہ ہوگی۔"

"اچھا خیر چھوڑو یہ بتاؤ اخبارات کے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔ ایک لگا بندھا طریقۂ کار ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اتنا عرصہ چونکہ اخبار سے دور رہی ہوں چنانچہ اپنی جگہ سنبھالنے کے سلسلے میں کچھ دقتیں بھی پیش آئیں۔ ویسے چیف بڑے عیش کیے ہیں ان دنوں۔ صحیح معنوں میں اپنے آپ کو ایک دولت مند شخصیت محسوس کیا ہے۔"

"بے کار باتیں نہیں۔ تم ایک فضول چیز کا تذکرہ کر کے مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔"

"اللہ کی قسم یقین دلا دیں چیف کہ آپ نے میری اس طویل گمشدگی کو کسی غلط انداز میں محسوس نہیں کیا ہے۔"

"نہیں نگہت۔ سوچا بھی نہیں اس بات کو۔"

"بے حد شکریہ چیف واقعی دل سے ممنون ہوں۔ بڑی شرمندہ ہو رہی تھی۔ کافی دن سے اس شرمندگی کا شکار تھی لیکن آپ کا لہجہ بہت ہی نفیس ہے۔"

"نگہت قیصر پرویز نامی کسی شخص کو جانتی ہو؟"

"میرا خیال ہے اس نام کے چند آدمیوں سے واقف ہوں۔" نگہت نے فوراً ہی جواب دیا۔

"جلد بازی تو نہیں کر رہیں؟"

"کہیے تو نام گنا دوں ان کے۔ ایک جرنلسٹ ہے لیکن بیچارہ کچھ بوڑھا ہے اور کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ ایک اور قیصر پرویز اداکاری کی کوششوں میں مصروف ہے اور چھوٹے موٹے رول میں آتا رہتا ہے۔ ایک سرکاری افسر ہے جو عموماً بڑی بڑی تقریبات میں شریک ہوتا رہتا ہے اور ایک . . ."

"بس . . . بس میرا خیال ہے تم صحیح آدمی تک پہنچ گئیں۔"

"جرنلسٹ . . . ؟"

"نہیں وہ بھی نہیں۔"

"گڈ۔ یعنی آپ کا مقصد ہے کہ وہ سرکاری افسر . . ."

"ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"بہت بڑی شخصیت ہے۔ بڑا معقول آدمی ہے۔ بے حد مغرور اور نک چڑھا۔ معمولی لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ کئی بار مختلف مواقعوں پر اخباری نمائندوں کو اپنی کوٹھی سے نکال چکا ہے۔ سرکاری تقریبات میں زیادہ سے زیادہ شرکت کرتا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں۔"

"اور کچھ . . . ؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ضرورت نہیں محسوس کی۔ کیونکہ براہ راست کبھی میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں پڑا۔ لیکن اگر چیف کی ہدایت ہو تو پھر کام چالو . . ." نگہت شیراز نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"ہاں نگہت اچھا ہے کہ تم اس سے واقف ہو۔ میں اسی کے بارے میں تمہیں مصروف کرنا چاہتا ہوں۔"

"چیف اس کا مکمل بائیو ڈیٹا آپ کو پیش کر دیا جائے گا۔"

"صرف بائیو ڈیٹا نہیں بلکہ اس کے اطراف میں بھی جو کچھ ہے نگہت شیراز ہمیں اس کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔"

"حاضر چیف۔ چراغ کا جن یہ خدمت انجام دے گا آپ مطمئن رہیں۔ اس کے اثاثے، اس کے تعلقات، اس کے مشاغل سب کچھ آپ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔" نگہت نے جواب دیا۔

"گڈ اس سلسلے میں کوئی ایڈوانس وغیرہ ؟"

"ارے جانے دیں چیف اب حالات ذرا ہموار ہو گئے ہیں۔ کبھی ضرورت پڑی تو دیکھا جائے گا۔ ویسے وہ رقم کس خانے میں فٹ کرنی ہے مجھے بتا دیجیے۔"

"دوستی کے خانے میں۔" میں نے جواب دیا۔

"کمال ہے اللہ جب دوست دیتا ہے تو ایسے ایسے بھی دے دیتا ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے جناب شارق حسین صاحب۔" نگہت شیراز نے بے تکلفی سے کہا اور پھر بولی۔

"ویسے دفتر میں چائے وغیرہ کا بندوبست کیا ہوا ہے آپ نے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور اسی وقت استاد چھونے چراغ کے جن کی طرح نازل ہو گئے۔

میں نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"جی استاد آپ گھر ہو آئے ؟"

"ہاں شارق میاں۔"

"یہ نگہت شیراز ہیں اور پوچھ رہی ہیں کہ دفتر میں چائے وغیرہ کا بندوبست ہے یا نہیں۔"

"جی جی بس پانچ منٹ میں پیش کرتا ہوں۔"

www.taemeernews.com

"بیٹھے رہیں، بلکہ بہت عرصے تک بیٹھے رہیں کیونکہ اب تو میں یہاں آتی ہی رہوں گی۔" نگہت شیراز نے کہا اور استاد خاموشی سے باہر نکل گئے۔

"چائے پینے کے بعد چلی جاؤں گی چیف اور اس سلسلے میں کوئی ہدایت ہو تو حکم فرما دیجیے۔"

"ذرا محنت کے ساتھ قیصر پرویز کا مسئلہ حل کرو۔"

"کیا یہ پوچھ سکتی ہوں چیف کہ یہ تحقیقات کس سلسلے میں ہے؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوکے... اوکے۔ میں بھی وقت سے پہلے کوئی کام کرنا مناسب نہیں سمجھتی اور پھر ہو سکتا ہے کہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔"

تھوڑی دیر کے بعد استاد چائے لے آئے اور میں نے بڑے احترام سے وہ نگہت کو پیش کی۔ بڑی دلچسپ لڑکی تھی اور بہر طور میں اس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا لیکن میں اُسے اس احساس کا شکار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں نے اس پر کوئی احسان کیا ہے۔ چائے پینے کے بعد وہ اٹھ گئی۔

"چلتی ہوں چیف۔"

"مصروفیت نہ ہو تو بیٹھو۔"

"نہیں چیف مصروفیت تو واقعی نہیں ہے اس وقت لیکن جو کام آپ نے مجھے سونپا ہے اس کا آغاز کر دینا چاہتی ہوں۔"

"ایک بات سنتی جاؤ۔" میں نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا۔

"یس چیف۔"

"یہ چیف... چیف جو لگا رکھی ہے نا تم نے یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ میں نے تمہیں ایک دوست کا درجہ دیا ہے اور دوست ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی شخصیت کو ختم مت کرو اور وہ انداز اختیار نہ کرو میرے ساتھ جو مجھے شرمندہ کرتا رہے۔ میں نے تمہیں کبھی شرمندہ نہیں کیا۔"

نگہت ایک لمحے کے لیے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

"ٹھیک ہے چیف... ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔" اور اس کے بعد وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

میں مسکراتی نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھتا رہا۔ اچھی طرح سمجھ رہا تھا نگہت کو۔ اچھی لڑکی تھی۔ پھر اس کے بعد کافی دیر تک کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ اس وقت کوئی خاص پروگرام ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ قیصر پرویز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی اس کے سلسلے میں کام شروع کیا جا سکتا تھا۔ ویسے نوشابہ اور اس کی ماں فاروقی صاحب کے گھر میں تھے۔ جاوداں اگر ساتھ نہ ہوتی اس وقت تو فاروقی صاحب سے بھی اس سلسلے میں گفتگو ہوتی۔ وہ بھی بے چارے جانے کے لیے تیار تھے چنانچہ اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں ہو سکی تھی۔ نہ ہی فاروقی صاحب نے کوئی تذکرہ نکالا تھا۔ پھر میں ان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ تقریباً ڈھائی بجے فاروقی صاحب اور جاوید قریشی ساتھ ساتھ ہی دفتر آئے تھے۔

"اوہ! تم یہیں موجود ہو شارق؟"

"جی فاروقی صاحب۔ بہت دن سے آپ سے کوئی تفصیلی بات چیت نہیں ہو سکی۔" میں نے کہا۔

"ہاں بھئی۔ ہاں ٹھیک ہے۔ ذرا ابھی آیا۔ ایک منٹ منہ ہاتھ دھو لوں۔" فاروقی صاحب نے کہا اور دفتر سے ملحق باتھ روم میں چلے گئے۔

جاوید قریشی اپنی جگہ جا بیٹھے تھے۔ فراغت حاصل کرنے کے بعد فاروقی صاحب اپنی جگہ آ بیٹھے اور پھر بولے۔

"ہاں بھئی تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں بلکہ آج میں اور جاوید اس موضوع پر دیر تک گفتگو کرتے رہے تم نے بالآخر ایک سلسلہ تلاش کر ہی لیا۔"

"جی اور ہر سلسلہ آپ سے الگ نہیں ہوتا۔"

"تو بھئی ہم تم سے کب الگ ہیں؟ ویسے ایک دو کیس ایسے بھی ہیں ان دنوں جن میں تمہارے مشورے درکار ہیں اور میں تم سے اس پر ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔"

"بسم اللہ کیجیے۔"

"نہیں... نہیں اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ ایک آدھ دن کے بعد یہ کام کریں گے۔ ابھی تو کافی دن ہیں ان کے سلسلے میں۔"

"جب بھی آپ مناسب سمجھیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا چھوڑو تم اس بچی کے بارے میں بتاؤ عجیب لڑکی ہے آتی سہمی ہوئی، اتنی خوفزدہ کہ دل کٹنے لگتا ہے ہر ایک کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے یہ یقین کرنا چاہتی ہے کہ جو کچھ اُسے حاصل ہوا ہے وہ سچ ہے یا اس کے پس پردہ کچھ اور۔ مجھے تو خیر علم ہی نہیں تھا، تمہاری بچی نے تفصیلات بتائیں اور پھر میں نے اسے ٹٹولا۔ بہر طور اللہ تمہیں اس کا اجر دے کہ تم ایسے بے کس چہروں کو سامنے لاتے ہو جنہیں دیکھ کر دل کی نجانے کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔"

www.taemeernews.com

میں خاموشی سے فاروقی صاحب کی طرف دیکھتا رہا ، جاوید قریشی کہنے لگا ۔

" مسئلہ کیا ہے یار ہمیں بھی تو بتاؤ ہم تو تمہاری لکھی ہوئی کہانیاں سننے کے لیے بے چین رہتے ہیں "

میں آہستہ سے مسکرا دیا : " سنا آپ نے فاروقی صاحب ، جاوید قریشی میری لکھی ہوئی کہانیاں سننا چاہتے ہیں "

فاروقی صاحب میرا مفہوم سمجھ کر مسکرانے لگے پھر بولے ۔

" جہاں تک تمہاری بچی نے مجھے بتایا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ لڑکی کو کسی نے خوفزدہ کر دیا تھا اور شاید اسے اغوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی اس سے زیادہ انہیں معلوم ہے اور نہ انہوں نے مجھے بتایا میں نے نوشابہ سے گفتگو کی وہ بس عجیب سی کیفیت کا شکار ہے کچھ نہ بتا سکی "

" میں بتلائے دیتا ہوں فاروقی صاحب اور پھر بتانا ہی تھا آپ کو آج تک ایسا کون سا کام کیا ہے میں نے جو آپ سے چھپایا ہو "

" ضرورت بھی نہیں ہے اس کی ہاں تو کون ہیں وہ ؟ "

اُن کو ساری کہانی تفصیل سے سنانے لگا جب اُن کی کہانی بتائی تو فاروقی صاحب کا چہرہ غم کی تصویر بن گیا تھا ۔ جاوید قریشی بھی پرخیال انداز میں ٹھوڑی کھجا رہے تھے پھر انہوں نے کہا ۔

" لیکن وہ لوگ کون ہیں جو اتنے تعلقات والے ہیں ؟ "

" کسی قیصر پرویز کا نام سنا گیا ہے "

" قیصر پرویز ؟ " فاروقی صاحب چونک پڑے ۔

" کیا وہ کوئی سرکاری افسر ہے ؟ "

" جی بڑا مشہور آدمی ہے اور جس قدر با اختیار ہے اس کے بارے میں بھی میں جانتا ہوں یوں سمجھ لو کہ وہ بہت سے لوگوں کے لیے ہر مرض کی دوا ہے اس لیے تعلقات بڑھا لیے ہیں اس نے کہ بڑے بڑے لوگ اُس کے ذریعے اپنی سفارش کراتے ہیں اور کامیابی حاصل کرتے ہیں "

" تو پھر آپ خود سوچ لیجیے کہ اس کے سامنے انسپکٹر غالب یا یہ دو بے کس ماں بیٹیاں کیا کر سکتی تھیں "

انہوں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ۔

" خدا جانے کیا ہوگا اس دنیا کا "

" کچھ نہیں یہ تو دنیا کی تاریخ ہے ، فرعون آتے رہے جاتے رہے ، شداد ، نمرود اور نجانے کون کون سب نے اپنے اپنے کھیل دکھائے اور اس کے بعد سامان سمیٹ کر رفو چکر ہو گئے ۔ جانا ہر شخص کو ہوتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ اپنے دور میں وہ بہت کچھ کر لیتا ہے ۔ ہم مایوس نہیں ہیں اور مایوس ہونا بھی نہیں چاہیئے کیونکہ اگر ہمارے سامنے وہ تمام بُرا کرنے والے موجود ہوتے اور دنیا اُن کے آگے لرز رہی ہوتی تو پھر ہماری مایوسیوں کا آغاز ہوتا "

" ٹھیک کہتے ہو شارق " انہوں نے کہا ۔

" اور ہر دور میں ان برے لوگوں کے خلاف کچھ نہ کچھ ہوتا رہا ہے ۔ میں اس دور کے بُرے آدمی کے خلاف اپنی بساط پر جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا "

" اور ہم دونوں بڑے خلوص سے ایک بار پھر تمہیں پیش کش کریں گے کہ ہمارے لائق جو بھی خدمت ہو بتا دینا "

" میں آپ ہی پر تو نازاں ہوں فاروقی صاحب خیر چھوڑیئے ان جذباتی باتوں کو یہ تو ہم ہمیشہ ہی کرتے رہتے ہیں ۔ قیصر پرویز کے بارے میں آپ کی معلومات کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہیں "

" ہاں بھئی میں نے کہا نا اتفاق ہے کہ تم اسے نہیں جانتے ایک بہت بڑا سرکاری افسر ہے اور عام طور سے گرانڈ کلب میں پایا جاتا ہے "

" کہاں ۔ ۔ ۔ ؟ "

" گرانڈ کلب میں ۔ ۔ ۔ میز نمبر سات اس کے لیے مخصوص ہے "

" اوہو ! اس قدر جانتے ہیں آپ ؟ "

" ہاں ایک بار گرانڈ کلب جانا ہوا تھا کسی سلسلے میں ۔ ہم ایک خالی میز کی جانب بڑھے تو ہمیں اس پر قیصر پرویز کے نام کی چٹ نظر آئی میرے ساتھ جو شخص تھا اس نے مجھے قیصر پرویز کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور میں نے وہاں قیصر پرویز کو دیکھا تھا ۔ میرے ساتھی کی شاید اُس سے کچھ شناسائی بھی تھی کیونکہ دونوں کے درمیان سلام دعا ہوئی تھی ویسے ایک منٹ میں تمہیں اُس کی تصویر بھی دکھا سکتا ہوں " فاروقی صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے ۔

ایک کیبنٹ کی جانب بڑھے میں دلچسپی سے انہیں دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کیبنٹ میں سے ایک اخبار نکالا اور اسے دیکھنے لگے پھر انہوں نے ایک صفحہ میرے سامنے کھول کر رکھ دیا ۔ اس میں اس کی تصویر لگی ہوئی تھی ۔ غالباً کسی بیان کے سلسلے میں تھی میں گہری نگاہوں سے اس تصویر کو دیکھنے

www.taemeernews.com

لگا اور اس کا بیان پڑھنے لگا صورت ہی سے معقول آدمی نظر آتا تھا میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے ہوئی ناکام کی بات آپ نے مجھے اُس کی صورت بھی دکھادی اور ٹھکانہ بھی بتادیا اور میرا خیال ہے اب مجھے اس سے مل لینا چاہیئے"

"ہوں! ٹھیک ہے تمہارے پیچھے ہم اپنے طور پر کارروائی کریں گے اور تمہارے لیے ایک مضبوط حصار قائم کریں گے"

"فکر نہ کریں فاروقی صاحب میں جن راستوں پر قدم بڑھا چکا ہوں اُن میں ہر رکاوٹ کو توڑنے کی قوت بھی رکھتا ہوں" نجانے میرے لہجے میں کیا بات پیدا ہوگئی تھی کہ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بہت بُرا وقت ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اب کروگے کیا؟ کم از کم یہ بات ہمارے علم میں آگئی کہ ان لڑکوں نے نوشابہ کو اٹھانے کی کوشش کی تھی اور اس میں ناکام رہے۔ انسپکٹر غالب کی تنزلی ہوگئی لڑکی کو دھمکی دی گئی کسی غنڈے کا سہارا بھی لیا گیا ان تمام چیزوں کو بیس بنا کر اگر کوئی کارروائی کی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان پر مقدمہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ تھوڑی بہت سرزنش ہوجائے گی ویسے قیصر پرویز اپنے تعلقات سے کام لے کر شاید بات کو یہاں تک بھی پہنچنے دے۔ فرض کرو اگر وہ اس بات کا اعتراف کرلیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کے بعد اس کا بیٹا یا بیٹے ایسی حرکت نہیں کریں گے تو کیا بات ختم کردوگے تم؟"

"ہاں ظاہر ہے مجھے قیصر پرویز سے براہِ راست کوئی دشمنی نہیں ہے نہ ہی اس کے بیٹے سے جس کا نام مسعود پرویز ہے۔ باقی دو اس کے دوست ہیں لیکن قیصر پرویز کو اپنا کیا ہوا ہر کام اپنے ہاتھوں سے ختم کرنا ہوگا یعنی وہ انسپکٹر غالب کو اس کا عہدہ واپس دلوائے گا لڑکی اور اس کی ماں سے معافی مانگے گا اور اپنے بیٹے سے بھی یہی کام کرائے گا اور اس کے علاوہ ان لوگوں کو جن مصیبتوں سے گزرنا پڑا ہے ان کا تاوان ادا کرے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی توقع سے بالکل خلاف ہوگا، میری لڑائی اُس سے اسی حد تک ہے، ہاں اگر وہ اِس لڑائی کو بڑھانا چاہے، تو دوسری بات ہے"

جاوید قریشی اپنے مخصوص انداز میں داہنا گال کھجانے لگا تھے پھر انہوں نے کہا۔

"ذرا ہوشیار رہنا یہ بات تم سے کہنا تو نہیں چاہیئے شارق لیکن اس کے باوجود ہم تمہاری بہتری کے خواہاں ہیں"

"آپ لوگ انشاءاللہ بالکل اطمینان رکھیے" میں نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا پھر کافی دیر تک ہم قیصر پرویز کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔

میرے اصرار پر فاروقی صاحب نے وہ کیسیز نکال لیے جن پر وہ مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے تھے اور ان میں الجھ کر ہم قیصر پرویز کے مسئلے کو بالکل بھول ہی گئے جاوید قریشی نے اب چونکہ باقاعدہ فاروقی صاحب کے ساتھ ہی پریکٹس شروع کردی تھی اس لیے وہ بھی ان معاملات میں براہِ راست شریک رہتے تھے چنانچہ میں ان کیسوں کے سلسلے میں ان دونوں سے بحث کرتا رہا پھر ہم لوگ ان کے لیے باقاعدہ لائحہ عمل ترتیب دینے لگے فاروقی صاحب مجھ سے بہت متاثر نظر آرہے تھے۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی اِس دوران استاد دو بار چائے پلا چکے تھے جب بہت وقت گزر گیا تو فاروقی صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی ذرا گھڑی تو دیکھو ساڑھے پانچ بجنے والے ہیں وقت گزرنے کا تو پتا ہی نہ چل سکا میرا خیال ہے اب یہ سلسلہ ختم کردینا چاہیئے"

ہم سب نے تھکی تھکی سانسیں لے کر گردنیں اٹھائیں اور تمام فائل باندھ کر رکھ دیئے گئے فاروقی صاحب کہنے لگے

"جاوید تم نے ایک بات دیکھی شارق صرف ایک ہی راستے کا مسافر نہیں ہے وہ جب اور جس مسئلے میں ہاتھ ڈالتا ہے اس کی گہرائیوں کو کس طرح کھنگال لیتا ہے ہم کتنے

جنگی مشق کے دوران ایک جنرل دریا میں جا پڑا جو بہت تیز و تند تھا۔ ایک سپاہی دریا میں کود گیا اور جنرل کو نکال لایا۔ جنرل نے اُسے کہا کہ تم نے میری جان بچائی ہے بتاؤ کیا انعام دوں۔

"سر!" — سپاہی نے کہا۔ "یہی انعام کافی ہوگا کہ کمپنی کے کسی جوان کو نہ بتادینا کہ میں نے آپ کو ڈوبنے سے بچایا ہے۔"

www.taemeernews.com

میں خاموشی سے فاروقی صاحب کی طرف دیکھتا رہا ،
جاوید قریشی کہنے لگا ۔
" مسئلہ کیا ہے یار ہمیں بھی تو بتاؤ ہم تو تمہاری لکھی ہوئی
کہانیاں سننے کے لیے بے چین رہتے ہیں "
میں آہستہ سے مسکرا دیا " سنا آپ نے فاروقی صاحب
جاوید قریشی میری لکھی ہوئی کہانیاں سننا چاہتے ہیں "
فاروقی صاحب میرا مفہوم سمجھ کر مسکرانے لگے پھر بولے
" جہاں تک تمہاری بچی نے مجھے بتایا ہے وہ صرف
اتنا ہی ہے کہ لڑکی کو کسی نے خوفزدہ کر دیا تھا اور شاید اسے اغوا
کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی اس سے زیادہ انہیں معلوم ہے
اور نہ انہوں نے مجھے بتایا میں نے نوشابہ سے گفتگو کی وہ کسی
عجیب سی کیفیت کا شکار ہے کچھ نہ بتا سکی "
" میں بتلائے دیتا ہوں فاروقی صاحب اور پھر بتانا ہی تھا
آپ کو آج تک ایسا کون سا کام کیا ہے میں نے جو آپ سے
چھپایا ہو "
" ضرورت بھی نہیں ہے اس کی ہاں تو کون ہیں وہ ؟ "
اُن کو ساری کہانی تفصیل سے سنانے لگا جب اُن کی
کہانی بتائی تو فاروقی صاحب کا چہرہ غم کی تصویر بن گیا تھا ۔
جاوید قریشی بھی پرخیال انداز میں ٹھوڑی کھجا رہے تھے پھر
انہوں نے کہا ۔
" لیکن وہ لوگ کون ہیں جو اتنے تعلقات والے ہیں ؟ "
" کسی قیصر پرویز کا نام سنا گیا ہے "
" قیصر پرویز ؟ " فاروقی صاحب چونک پڑے ۔
" کیا وہ کوئی سرکاری افسر ہے ؟ "
" جی بڑا مشہور آدمی ہے اور جس قدر با اختیار ہے
اس کے بارے میں بھی میں جانتا ہوں یوں سمجھ لو کہ وہ بہت سے
لوگوں کے لیے ہر مرض کی دوا ہے اس لیے تعلقات بڑھا
لیے ہیں اس نے کہ بڑے بڑے لوگ اُس کے ذریعے اپنی
سفارش کراتے ہیں اور کامیابی حاصل کرتے ہیں "
" تو پھر آپ خود سوچ لیجیے کہ اس کے سامنے انسپکٹر
غالب یا یہ دو بے کس ماں بیٹیاں کیا کر سکتی تھیں "
انہوں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ۔
" خدا جانے کیا ہوگا اس دنیا کا "
" کچھ نہیں یہ تو دنیا کی تاریخ ہے ، فرعون آتے رہے
جاتے رہے ، شداد ، نمرود اور نجانے کون کون سب سناپنے
اپنے کھیل دکھائے اور اس کے بعد سامان سمیٹ کر رخصت ہو گئے ۔
جانا ہر شخص کو ہوتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ اپنے دور میں وہ
بہت کچھ کر لیتا ہے ۔ ہم مایوس نہیں ہیں اور مایوس ہونا بھی نہیں
چاہیے کیونکہ اگر ہمارے سامنے وہ تمام بُرا کرنے والے موجود ہوتے
اور دنیا اُن کے آگے لرز رہی ہوتی تو پھر ہماری مایوسیوں کا
آغاز ہوتا "
" ٹھیک کہتے ہو شارق " انہوں نے کہا ۔
" اور ہر دور میں ان بڑے لوگوں کے خلاف کچھ نہ کچھ ہوتا
رہا ہے ۔ میں اس دور کے بُرے آدمی کے خلاف اپنی بساط پر جو
کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا "
" اور ہم دونوں بڑے خلوص سے ایک بار پھر تمہیں پیش کش
کریں گے کہ ہمارے لائق جو بھی خدمت ہو بتا دینا "
" میں آپ ہی پر تو نازاں ہوں فاروقی صاحب خیر
چھوڑیئے ان جذباتی باتوں کو یہ تو ہم ہمیشہ ہی کرتے رہتے ہیں ۔
قیصر پرویز کے بارے میں آپ کی معلومات کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہیں "
" ہاں بھئی میں نے کہا نا اتفاق ہے کہ تم اسے نہیں جانتے
ایک بہت بڑا سرکاری افسر ہے اور عام طور سے گرانڈ کلب میں
پایا جاتا ہے "
" کہاں ۔ ۔ ۔ ؟ "
" گرانڈ کلب میں ۔ ۔ ۔ میز نمبر سات اس کے لیے
مخصوص ہے "
" اوہو ! اس قدر جانتے ہیں آپ ؟ "
" ہاں ایک بار گرانڈ کلب جانا ہوا تھا کسی سلسلے میں ۔
ہم ایک خالی میز کی جانب بڑھے تو ہمیں اس پر قیصر پرویز کے
نام کی چٹ نظر آئی میرے ساتھ جو شخص تھا اس نے مجھے
قیصر پرویز کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور میں نے وہاں
قیصر پرویز کو دیکھا تھا ۔ میرے ساتھی کی شاید اُس سے کچھ شناسائی
بھی تھی کیونکہ دونوں کے درمیان سلام دعا ہوئی تھی ویسے ایک
منٹ میں تمہیں اُس کی تصویر بھی دکھا سکتا ہوں " فاروقی صاحب
اپنی جگہ سے اٹھ گئے ۔
ایک کیبنٹ کی جانب بڑھے میں دلچسپی سے انہیں
دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کیبنٹ میں سے ایک
اخبار نکالا اور اسے دیکھنے لگے پھر انہوں نے ایک صفحہ میرے سامنے
کھول کر رکھ دیا ۔ اس میں اس کی تصویر لگی ہوئی تھی ۔ غالباً کسی بیان
کے سلسلے میں تھی میں گہری نگاہوں سے اس تصویر کو دیکھنے

تھا اور اس کا بیان پڑھنے لگا صورت ہی سے معقول آدمی نظر آتا تھا میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے ہوئی ناکام کی بات آپ نے مجھے اُس کی صورت بھی دکھا دی اور ٹھکانہ بھی بتا دیا اور میرا خیال ہے اب مجھے اس سے مل لینا چاہیے۔"

"ہوں! ٹھیک ہے تمہارے پیچھے ہم اپنے طور پر کارروائی کریں گے اور تمہارے لیے ایک مضبوط حصار قائم کریں گے۔"

"فکر نہ کریں فاروقی صاحب میں جن راستوں پر قدم بڑھا چکا ہوں اُن میں ہر رکاوٹ کو توڑنے کی قوت بھی رکھتا ہوں۔" جانے میرے لہجے میں کیا بات پیدا ہو گئی تھی کہ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بہت بڑا وقت ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اب کرو گے کیا؟ کم از کم یہ بات ہمارے علم میں آ گئی کہ ان لڑکوں نے نوشابہ کو اٹھانے کی کوشش کی تھی اور اس میں ناکام رہے۔ انسپکٹر غالب کی تنزلی ہو گئی لڑکی کو دھمکی دی گئی کسی غنڈے کا سہارا بھی لیا گیا ان تمام چیزوں کو بنیاد بنا کر اگر کوئی کارروائی کی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان پر مقدمہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی بہت سرزنش ہو جائے گی ویسے قیصر پرویز اپنے تعلقات سے کام لے کر شاید بات کو یہاں تک بھی پہنچنے دے۔ فرض کرو اگر وہ اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کے بعد اس کا بیٹا یا بیٹے ایسی حرکت نہیں کریں گے تو کیا بات ختم کر دو گے تم؟"

"ہاں ظاہر ہے مجھے قیصر پرویز سے براہِ راست کوئی دشمنی نہیں ہے نہ ہی اس کے بیٹے سے جس کا نام مسعود پرویز ہے۔ باقی دو اس کے دوست ہیں لیکن قیصر پرویز کو اپنا کیا ہوا ہر کام اپنے ہاتھوں سے ختم کرنا ہو گا یعنی وہ انسپکٹر غالب کو اس کا عہدہ واپس دلوائے گا لڑکی اور اس کی ماں سے معافی مانگے گا اور اپنے بیٹے سے بھی یہی کام کرائے گا اور اس کے علاوہ ان لوگوں کو جن مصیبتوں سے گزرنا پڑا ہے ان کا تاوان ادا کرے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کی توقع سے بالکل خلاف ہو گا، میری لڑائی اُس سے اسی حد تک ہے، ہاں اگر وہ اس لڑائی کو بڑھانا چاہے، تو دوسری بات ہے۔"

جاوید قریشی اپنے مخصوص انداز میں داہنا گال کھجانے لگا تھے پھر انہوں نے کہا۔

"ذرا ہوشیار رہنا یہ بات تم سے کہنا تو نہیں چاہیے شارق لیکن اس کے باوجود ہم تمہاری بہتری کے خواہاں ہیں۔"

"آپ لوگ انشاءاللہ بالکل اطمینان رکھیے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا پھر کافی دیر تک ہم قیصر پرویز کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔

میرے اصرار پر فاروقی صاحب نے وہ کیسز نکال لیے جن پر وہ مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے تھے اور ان میں اُلجھ کر ہم قیصر پرویز کے مسئلے کو بالکل بھول ہی گئے جاوید قریشی نے اب چونکہ باقاعدہ فاروقی صاحب کے ساتھ ہی پریکٹس شروع کر دی تھی اس لیے وہ بھی ان معاملات میں براہِ راست شریک رہتے تھے چنانچہ میں ان کیسوں کے سلسلے میں ان دونوں سے بحث کرتا رہا پھر ہم لوگ ان کے لیے باقاعدہ لائحہ عمل ترتیب دینے لگے فاروقی صاحب مجھ سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی اس دوران استاد دو بار چائے پلا چکے تھے جب بہت وقت گزر گیا تو فاروقی صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی ذرا گھڑی تو دیکھو ساڑھے پانچ بجنے والے ہیں وقت گزرنے کا تو پتا ہی نہ چل سکا میرا خیال ہے اب یہ سلسلہ ختم کر دینا چاہیے۔"

ہم سب نے تھکی تھکی سانسیں لے کر گردنیں اٹھائیں اور تمام فائل باندھ کر رکھ دیے گئے فاروقی صاحب کہنے لگے۔

"جاوید تم نے ایک بات دیکھی شارق صرف ایک ہی راستے کا مسافر نہیں ہے وہ جب اور جس مسئلے میں ہاتھ ڈالتا ہے اس کی گہرائیوں کو کس طرح کھنگال لیتا ہے ہم کتنے

جنگی مشق کے دوران ایک میجر دریا میں جا پڑا جو بہت تیز و تند تھا۔ ایک سپاہی دریا میں کود گیا اور میجر کو نکال لایا۔ میجر نے اُسے کہا کہ تم نے میری جان بچائی ہے۔ بتاؤ کیا انعام دوں۔

"نو سر!" — سپاہی نے کہا۔ "بس انعام کافی ہو گا کہ کمپنی کے کسی جوان کو نہ بتا دینا کہ میں نے آپ کو ڈوبنے سے بچایا ہے۔"

www.taemeernews.com

دن سے اس میں الجھے ہوئے تھے لیکن اس نے جو الفاظ بتائے ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بس میں تو اسے خدا کی دین ہی سمجھتا ہوں۔" جاوید قریشی نے متاثر لہجے میں کہا۔

"حضرات ساڑھے پانچ بج چکے ہیں یہاں سے روانہ ہوتے ہوتے چھ بج جائیں گے اور ادھر کوٹھی میں میرے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دی جائیں گی۔"

"ہاں بھئی تم چلو ہم تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے اٹھیں گے" فاروقی صاحب نے کہا اور میں ان سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد باہر آ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میری کار کوٹھی کی جانب جا رہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ نوشابہ سے ملاقات کروں لیکن میں زیادہ ان کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ فاروقی صاحب سمجھدار تھے اور اب تمام تر صورت حال معلوم ہونے کے بعد مجھے یقین تھا کہ وہ نوشابہ اور اس کی ماں کو بہتر حالت میں لے آئیں گے۔ بالآخر کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ شام کی خوشگوار ہوائیں کوٹھی کے لان پر سرسرا رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی لوگ چہل قدمی پر نکلے ہوئے تھے۔ غالباً چائے وغیرہ کا بندوبست آج لان پر نہیں کیا گیا اور ویسے بھی وقت اتنا ہو گیا تھا کہ چائے پی لی گئی ہوگی۔ مجھے ان چہل قدمی کرنے والوں میں جاوداں نظر نہیں آئی تھی البتہ نیلوفر اور لالہ رخ تھیں اور وہ دونوں خواتین بھی تھیں یعنی لڑکیاں جو آج کل ہمارے ہاں مہمان تھیں۔ ان بیچاریوں سے میرا باقاعدہ تعارف نہیں ہو سکا تھا بس رسمی سی سلام دعا تھی لیکن شوکت جاہ کے دوست کی بیٹیاں ہونے کے باوجود وہ جاوداں سے زیادہ لالہ رخ اور نیلوفر سے گھل مل گئی تھیں چنانچہ اس وقت چاروں ہی یہاں موجود تھیں۔ بہت دور تنویر بھابی ایک ملازم کو کسی سلسلے میں کچھ ہدایات جاری کر رہی تھیں۔ میں پورچ میں کار روکنے کے بعد انہی خواتین کی جانب بڑھ گیا۔ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جاوداں کہاں ہے؟ چاروں ہی چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔ نیلوفر کے چہرے پر طنزیہ آثار پھیل گئے۔ لالہ رخ کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی مسکرا دی تھیں۔ غالباً کوئی ایسی بات تھی جس کا مرکز میں تھا۔ نیلوفر نے کہا۔

"ہیلو شارق صاحب کیسے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"سبحان اللہ لڑکیاں اگر اس انداز میں نرم و نازک لہجے میں کسی کے مزاج پوچھیں تو مزاج ناساز بھی ہوں تو درست ہو جاتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پہلے دار گفتگو کرنے کی مشق کر رہے ہیں ان دنوں آپ ٹھیک ہے انسان محنت کرتا ہے تبھی اسے پھل بھی ملتا ہے۔"

"جی ہاں اب آپ دیکھیے نا اتنے دن سے آپ نے چکر چلا رکھا ہے محنت نہیں کی در اصل آپ نے۔"

"میری جوتی محنت کرتی ہے آپ سمجھتی کیا ہیں خود کو؟"

"کیا مطلب... کیا مطلب؟ یہ آپ اچانک تعلیمی گفتگو سے نازیبا گفتگو پر آ گئیں میرا مطلب ہے جوتی وغیرہ بھئی آپ لوگ ذرا وضاحت کر دیجیے قصہ کیا ہے؟" میں نے ان لڑکیوں سے کہا اور دونوں ہنس پڑیں۔

"کچھ نہیں... قصہ کچھ نہیں ہے لیکن جو کھیل آپ کھیل رہے ہیں اس گھر میں وہ شریفوں کا کھیل نہیں ہے۔" اس بار لالہ رخ نے گل افشانی فرمائی تھی۔

"شریفے..." میں نے متحیرانہ انداز میں پھر لڑکیوں کی طرف دیکھا اور وہ پھر ہنس پڑیں۔

"آپ بہت شاطر انسان ہیں شارق صاحب، جاوداں واقعی بڑے پانے کی چیز ہے اور اب تو وہ کھلم کھلا کہتی ہے کہ اس گھر میں اگر کوئی شخص قابل اعتماد ہے تو صرف شارق بڑی محنت کی ہوگی آپ نے اس کو اس منزل تک پہنچانے کے سلسلے میں۔ سنا ہے صبح خاتون آپ کے ساتھ سیر گشت کے لیے بھی گئی تھیں۔"

"بھئی آپ لوگوں کی گفتگو شاید میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ویسے بھی ذرا زنانہ ماحول کی عادت نہیں ہے اس لیے معذرت خواہ ہوں۔" میں نے حالات سازگار نہیں دیکھے تھے۔

جاوداں تو تھی ہی کھلی زبان کی ہو سکتا ہے اس نے یہ الفاظ کہہ دیے ہوں اور اس وقت یہ دونوں خواتین میری بدترین دشمن بنی ہوئی تھیں چنانچہ میں نے وہاں سے بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی اور پھر تنویر بھابی سے گفتگو کرنے لگا انہوں نے کوئی خاص بات نہیں بتائی تھی۔

شوکت جاہ آئی جی صاحب کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے۔ گھر کے معاملات پرسکون تھے۔ رات کے کھانے سے پہلے جاوداں سے ملاقات نہ ہو سکی لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ سپاٹ سپاٹ سی نظر آ رہی تھی جیسے دن کے معاملات اس کے ذہن سے نکل گئے ہوں۔ آج اس نے کھانے کے بعد بھی مجھ سے ملاقات کی کوشش نہیں

www.taemeernews.com

کی اور میں نے سکون کی گہری سانس لی تھی خطرہ یہ تھا کہ کہیں وہ رات کو کمرے میں گھس نہ آئے چنانچہ بستر پر جاتے ہوئے میں نے بالکل ہی اندھیرا کر دیا تھا اور طے کر لیا کہ اگر دروازے پر توپ کے گولے بھی چھوڑے جائیں تو کم از کم دروازہ نہیں کھولوں گا لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ دوسرے دن ناشتے کے بعد اس انداز میں گھر سے بھاگا جیسے چور فرار ہوتے ہیں۔ خطرہ تھا کہ جاوداں صاحبہ آج بھی کوئی فرمائش نہ کر دیں لیکن ایسا بھی کچھ نہ ہوا تھا چنانچہ اطمینان سے دفتر پہنچ گیا۔ دفتر میں فاروقی صاحب اور جاوید قریشی موجود تھے۔ اُن کے ساتھ ہی کورٹ چلا گیا صرف اس خوف سے کہ کہیں پیچھے ایسا کوئی سلسلہ نہ ہو جائے۔ کورٹ کے معاملات میں دو ڈھائی بجے تک مصروف رہا۔ بیرسٹر صاحب سے بھی کورٹ ہی میں ملاقات ہوئی لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ جاوید قریشی ایک کیس کے سلسلے میں پیروی کر رہے تھے۔ میں ان کے معاون کی حیثیت سے اُن کے ساتھ رہا ویسے اب بار روم میں اکثر موضوع گفتگو بنا رہتا تھا۔ بہت سے وکلاء سے شناسائی ہو گئی تھی اور اس وقت بھی کافی دن کے بعد جب بار روم میں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھا تو انہوں نے مجھے گھیر لیا اور مجھ سے میرے معمولات کے بارے میں سوالات کرنے لگے میں نے خندہ پیشانی سے انہیں جواب دیئے۔ بہت سے لوگوں نے کچھ طنزیہ جملے بھی استعمال کیے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر برا مانا جا سکتا میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کے ذہنوں میں میرے لیے کدورت ہے لیکن بہ طور میں اپنے مقصد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں چاہتا تھا۔ پھر میں ان دونوں کے ساتھ ہی واپس دفتر آ گیا۔ استاد سے معلومات حاصل کیں تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے بگہت شیراز وغیرہ کی طرف سے بھی کوئی رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی پھر فاروقی صاحب سے گرانڈ کلب کے بارے میں معلومات حاصل کیں کہ وہاں پہنچنے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی گرانڈ کلب میں ہر شخص با آسانی جا سکتا ہے چنانچہ آج شام میں نے گرانڈ کلب جانے کا فیصلہ کر لیا اس فیصلے کے تحت شام کو فلیٹ پر ہی واپس آیا تھا یہاں میری ضروریات کا ہر سامان موجود تھا چنانچہ لباس وغیرہ تبدیل کیا، آج ذرا گھر پر وقت سے نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی اس سلسلے میں معذرت کر لیں گے ٹھیک ساڑھے سات بجے میں اپنے فلیٹ سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر گرانڈ کلب کی جانب چل پڑا۔ داخلے کی کارروائی کوئی خاص نہیں تھی۔ بہر طور میں اندر پہنچ گیا اور کبھی کبھی آنے والوں کی میزوں کی جانب بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھ کر ٹیبل نمبر سات کی جانب دیکھنے لگا جس کا نمبر نمایاں تھا اور جس پر باقاعدہ ریزرویشن چٹ لگی ہوئی تھی۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آج قیصر پرویز یہاں آئے گا یا نہیں لیکن تقریباً ساڑھے آٹھ بجے میں نے ایک شخص کو ٹیبل نمبر سات کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا اور پھر مجھے وہ تصویر یاد آ گئی جو فاروقی صاحب نے مجھے دکھائی تھی۔ یقیناً یہ ہی شخص تھا اور خوش بختی سے اس وقت تنہا تھا۔ بیٹھنے کے بعد البتہ اس نے ایک ویٹر کو بلا کر کچھ معلومات حاصل کی اور کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اس کے پاس پہنچ جانے میں خود اس سے ملاقات کر لینا چاہتا تھا چنانچہ دو تین منٹ انتظار کرنے کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی جانب بڑھ گیا۔ قریب پہنچ کر میں نے اُسے بڑے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا تھا قریب سے دیکھنے پر قیصر پرویز کے چہرے پر چھائی ہوئی ایک درشتی صاف نظر آ جاتی تھی۔ سلام کے جواب میں اُس نے آہستہ سے جنبش دی تھی اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"سر کیا میں آپ کا کچھ وقت لے سکتا ہوں؟"

کون ہو... ؟ کیا بات ہے؟ قیصر پرویز نے رعونت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"آپ کے قیمتی لمحات کا کچھ حصہ ضائع کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی ذاتی کام ہے مجھ سے؟" اس نے سوال کیا۔

جی سر! میں نے جواب دیا۔

دیکھو بھئی یہ کلب ہے اور میں یہاں ذہنی شگفتگی کے لیے آتا ہوں چنانچہ کوئی کام میں یہاں نہیں کر سکتا۔ معذرت خواہ ہوں تم سے ویسے بھی میرے کچھ ساتھی آنے والے ہیں اور میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"وہ آ جائیں گے تو میں فوراً اٹھ جاؤں گا۔"

"مگر تم ہو کون؟"

"خادم سمجھ لیجیے بس..."

"کیا چاہتے ہو؟" اس شخص نے مجھے ابھی تک بیٹھنے کی پیش کش نہیں کی تھی۔"

"تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"اس وقت میں تم سے معذرت کر چکا ہوں۔ بہتر یہ

ہے کہ میرا وقت مت ضائع کرو تم نے مجھے اپنا نام بھی نہیں بتایا کرتے کیا ہو؟"

"جی بس یونہی تھوڑا بہت روزی کمانے کا ذریعہ دریافت کر لیا ہے ویسے میری گفتگو سن لیتے آپ تو بہتر تھا یہ صرف میرے ہی حق میں نہیں آپ کے بھی حق میں بہتر ہوگا" میرے اس جملے پر قیصر پرویز نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر چند لمحات سوچنے کے بعد بولا۔

"بیٹھو"

میں شکریہ ادا کرکے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"ہوں! میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میرے کچھ آدمی آنے والے ہیں اُن سے بات کرنی ہے مجھے جونہی وہ آئے تمہیں اُٹھ جانا ہوگا چاہے ہماری گفتگو پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو"

"میں اس حکم کی تعمیل کروں گا" میں نے کہا۔

"ہوں! وہ کون سی بات تھی جو تم میرے فائدے کے لیے مجھ سے کرنا چاہتے تھے؟"

"آپ صاحبِ اولاد ہیں اور یقیناً آپ کو اپنے بیٹے مسعود پرویز سے بہت محبت ہوگی" میرے یہ الفاظ بھی اسے چونکانے کے لیے کافی تھے۔ وہ تیکھی نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔

"ہوں! مسعود پرویز کا کیا معاملہ ہے؟"

"ایک بہی خواہ کی حیثیت سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا غلط راستوں کا راہی ہے۔ وہ غلط صحبتوں میں پڑ کر اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے اور خدانخواستہ کوئی ایسا وقت نہ آجائے جب اُسے کوئی نقصان پہنچ جائے"

"دیکھو میں صاف گفتگو کرنے کا عادی ہوں تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو واضح الفاظ میں کہو"

میں صرف یہ درخواست کرنا چاہتا تھا کہ اس کے معمولات پر نگاہ ڈالیے اور یہ جائزہ لیجیے کہ وہ اس وقت کن کارروائیوں میں مصروف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ کر آپ کے ہاتھوں سے نکل جائے۔

"میں کہتا ہوں کہ تم اُسے کیسے جانتے ہو؟" قیصر پرویز کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

"ابھی چند روز قبل کی بات ہے کہ اس نے اپنے دو دوستوں، طارق اور جاوید کے ساتھ مل کر ایک اسکول ٹیچر لڑکی کو اغواء کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک انسپکٹر نے اسے گرفتار کیا اور آپ کو اطلاع دی لیکن آپ نے اس سلسلے میں اُس کی مذمت کرنے کی بجائے انسپکٹر کے خلاف کارروائی شروع کر دی اور اسے معطل کرا دیا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ بات چونکہ غلط تھی اِس کو دوسری نگاہ سے دیکھنا چاہیے تھا اگر آپ کے بیٹے کی غلطی تھی تو آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اُسے سمجھاتے"

"میں کہتا ہوں تم ہو کون؟ اور یہ بکواس کرنے کی جرأت کیسے ہوئی تمہیں" قیصر پرویز کرخت لہجے میں بولا۔

"کہہ چکا ہوں کہ آپ کا ہمدرد ہوں اور آپ کی بہتری چاہتا ہوں۔ کیا فائدہ بات کسی اور سمت نکل جائے"

"غنڈہ گردی کرتے ہو؟" قیصر پرویز نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

"جی ہاں۔ کچھ ایسا ہی کاروبار ہے میرا" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت بچے ہو اس کام میں ابھی جاؤ تربیت لو مجھے ان لوگوں پر بہت رحم آتا ہے جن کی ابتدا ہی انتہا بن جاتی ہے" قیصر پرویز نے غرور سے کہا۔

"آپ جیسے لوگوں سے ہی ابتدا کرکے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں اور اسی لیے آپ کے پاس آنے کی جرأت کرلی ہے"

"خیر اب آ ہی گئے ہو تو تم پر ترس کھاتے ہوئے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں بلیک میلنگ سب سے خطرناک کھیل ہوتا ہے دوسرے کاموں میں آدمی بچ بھی جاتا ہے لیکن بلیک میلر کا ہاتھ کچا پڑے تو اسے موت کا مزا ہی چکھنا پڑتا ہے۔ کیا سمجھے"

"موت کی اس دھمکی کا شکریہ۔ ویسے کافی گُر آتے ہیں آپ کو، میں نے تو آپ کو ایک سرکاری افسر سمجھا تھا"

"ہاں تم جیسے لوگوں کے لیے بہت سے گُر سیکھے ہیں میں نے ویسے تم میرا کافی وقت لے چکے ہو"

"اب جہاں اتنا وقت لیا ہے تو چند لمحات اور سہی ابھی تو بس میرے کام کی باتیں ہوئی ہیں کچھ آپ کے کام کی باتیں بھی ہو جائیں قیصر پرویز صاحب"

"تم میری قوتِ برداشت کو انتہا تک پہنچا رہے ہو کچھ کرنا ہی پڑے گا تمہارے لیے" اس نے ادھر ادھر دیکھا اور میں ہوشیار ہوگیا قیصر پرویز کے ہاتھ بہت لمبے معلوم ہوتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے یہاں بھی اس کے پاس کوئی ذریعہ موجود تھا۔

(باقی آئندہ)

کہتے ہیں ہر چمکنے والی شے سونا نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی بادِ نسیم کے جھونکے بھی جسم کو جھلسا دیتے ہیں اور ٹھنڈا فرحت بخش پانی پیاسے کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو جاتا ہے۔

دو انوکھے فراریوں کا احوال، وقت نے انہیں ایک ہی ڈگر پر ڈال دیا تھا۔ لیکن . . .

تیز رفتار کہانیاں پڑھنے والوں کے لیے بطورِ خاص :
ایک دلچسپ تحریر :

رات کے راہی

اقبال پاریکھ

وہ گھنے درختوں اور نوکیلے پتّوں کی جھاڑیوں کے درمیان سے بمشکل راستہ بناتا ہُوا چل رہا تھا۔ سرد اندھیری رات میں کسی درخت کی شاخ برچھی کی طرح اس کے چہرے پر لگی تھی اور اس کے مُنہ سے بے ساختہ "سی" نکل جاتی تھی۔ فوجی تربیت نے اُسے سخت جان، نڈر اور ہر قسم کے حالات سے برد آزما ہونے والا بنا دیا تھا۔ تھکنے کا اس کے ذہن میں کوئی تصور نہیں تھا۔ آرام اور

www.taemeernews.com

ن کے پیچھے شجو مصروف رہا تھا۔ تاہم وہ کسی محفوظ جگہ پر جلد پہنچ
نے کے لیے بے چین تھا۔

وہ فوجی بھگوڑا تھا اور اسے معلوم تھا کہ اس کی تلاش میں فوجی پارٹیاں نکل پڑی ہوں گی۔ ان کے ساتھ کھوجی کتے بھی ہوں گے جو زمین میں دفن لاش تک کو بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ وہ سڑک کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا اور اسے خدشہ تھا کہ کسی لمحے بھی جیپ یا کسی اور قسم کا کوئی سرکاری آدمی رائفل تانے سامنے آ سکتا ہے۔ اس کے یونٹ سے فرار کی خبر پھیل چکی ہوگی۔

اس کی نگاہیں سنسان اور لمبی سڑک پر کوئی پبلک فون بوتھ یا پولیس اسٹیشن کو ڈھونڈ رہی تھیں جہاں سے وہ پام کو فون کر سکے۔
انہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے تقریباً دو سال ہو گئے تھے۔
فوج میں اسے سرکش اور خود پسند کہا جاتا تھا اور ایک یونٹ سے دوسری میں تبدیل کیا جاتا رہا۔ یونٹ میں بھی اسے کبھی ایک بیرک میں رکھا جاتا تھا، کبھی دوسری میں۔ اس کی کسی سے بنتی نہیں تھی۔ وہ اپنے ہر ساتھی سے جھگڑ بیٹھتا تھا۔ اس کی سرشت میں سرکشی اور خود پسندی تھی... صلح جوئی اس کی فطرت میں نہیں تھی۔ آخر میں اسے بیرک کی ایک کوٹھری میں تنہا بھی رکھا گیا۔ یہ ایک طرح سے قید تنہائی تھی جس سے وہ موقع پا کر نکل بھاگ نکلا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ دو برسوں میں نہ جانے پام میں کوئی تبدیلی آئی ہوگی یا وہ ویسی ہی اس کی دلدادہ اور مطیع ہوگی۔ اس کے نخرے کو برداشت کرنے والی، اس کی کڑوی باتوں کو پی جانے والی، اس کی مالی مدد بھی کرنے والی۔ وہ خوش شکل اور طاقتور جوان تھا اور لڑکیاں بھی اس کی گرویدہ ہو جاتی تھیں لیکن وہ صرف پام کو پسند کرتا تھا۔ وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ کم گو اور کم آمیز بھی تھی۔
اسے ایک فون بوتھ نظر آ گیا اور وہ دوڑ کر گیا۔ اندر اندھیرا تھا جیسے اس کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔ تاہم ٹیلیفون کام کر رہا تھا۔ اندھیرے کے باعث اسے نمبر ملانے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ بہرحال وہ مل گیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے لگی۔ وہ دعا کرنے لگا کہ نمبر پام ہی کا ہو۔ اس نے اپارٹمنٹ بدل نہ دیا ہو۔ کسی کے ساتھ خلوت نشینی کے لیے نہ گئی ہو... مر چکی نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی اور پام کی نیند میں ڈوبی ہوئی 'ہیلو' اس کے کان میں پڑی۔ وہ خوش ہو گیا۔ پام اپارٹمنٹ میں موجود تھی۔ اسے عارضی پناہ دے سکتی تھی۔ اس کی محبوبہ!

"پام... مجھے پہچانا! صرف میری بات سنتی جاؤ۔ کچھ بولو مت... پلیز سنو! نہیں، میں دور سے بات کر رہا ہوں... میں نے بھی سے رکھی ہے اور آ رہا ہوں... کیا؟ نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے... میرا تم سے ملنا بے حد ضروری ہے... میری بات تو سنو... فکر کیوں نہیں ہے؟ مجھے پیسوں کی قطعاً ضرورت نہیں... نہیں۔ صرف تم سے ملنا ہے... ملنا نہیں چاہتیں؟ کیوں؟ پام ... میں... میں...!"

دوسری طرف ریسیور رکھ دیا گیا۔ پام نے صاف جواب دے دیا تھا کہ وہ اس سے کوئی سروکار رکھنا نہیں چاہتی۔ وہ اس کے بال نوچنے لگا۔ اسے پام سے اس رویے کی امید نہیں تھی۔ ایسا دل برداشتہ وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے بوتھ سے نکلا اور سڑک پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ ٹھیک کس جگہ پر تھا۔ اگر وہ سڑک سڑک آتا تو جان لیتا لیکن وہ تو کھیتوں، میدانوں اور درختوں سے گزرتا ہوا آیا تھا۔ کوئی کار یا ٹرک بھی گزر نہیں رہا تھا کہ وہ لفٹ مانگتا۔ ہر چند کہ کاروں والے رات کو لفٹ دینے سے کتراتے ہیں۔ اسے دن نکلنے سے پہلے کسی گاؤں، قصبے کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچنا تھا۔ اور نیویارک کے لیے براہ راست یا متبادل راستے سے ٹرین پکڑنا تھی۔ نیویارک انسانوں کا سمندر تھا۔ ایک بار وہاں پہنچ کر وہ تا عمر کر زندگی بھر محفوظ رہ سکتا تھا۔

دفعتاً ایک کار کی ہیڈ لائٹس ٹیلیفون بوتھ پر پڑی اور وہ روشنی میں نہا گیا۔ وہ پھرتی سے دیوار کے پیچھے دبک گیا۔ کار اس کے سامنے سے گزر گئی لیکن آگے دوراہے پر جا کر رک گئی۔ جیسے اس کا ڈرائیور فیصلہ کر رہا ہو کہ اسے کس سڑک پر جانا ہے۔ کار کے اندر روشنی ہو رہی تھی لیکن ڈرائیور کی پشت نظر آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ نہیں دکھائی دے رہا تھا تاہم بالوں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ عورت تھی۔

اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا اور ہاتھ غیر ارادی طور پر شانے پر گیا اور وہ جھینپ گیا کہ رائفل کا تصور کرنا بھی حماقت تھی۔ البتہ اس کی جیب میں چاقو موجود تھا اور اس کی خوفناک شکل ڈرانے دھمکانے کے لیے کافی تھی۔ اس نے چاقو نکال کر کھول لیا اور پختہ سڑک پر جوتوں کی آواز پیدا کیے بغیر چلنے لگا۔
اس نے کار کے ایک طرف ہو کر دیکھا کہ اسٹیئرنگ پر بیٹھی ہوئی عورت نے سامنے ایک نقشہ پھیلا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنے لمبے کوٹ کے کالر چڑھا رکھے تھے۔ اس کی عمر کا اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ بوڑھی تھی یا جوان۔ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے پاس اسلحہ تھا یا نہیں۔ بہرحال خطرہ مول لیے بغیر چارہ

نہیں تھا۔

اگلی سیٹ کے دروازے کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ پچھلی طرف ایک شیشہ اترا ہوا تھا۔ یہ اس کے پیچھے قسمت کی طرف سے تحفہ تھا۔ اس نے وہاں سے ہاتھ ڈال کر چاقو کی نوک عورت کی گردن سے لگا دی۔ وہ بڑی طرح اُچھلی اور سر گھما کر دیکھا تو اسے ندھیرے میں صرف سایہ نظر آیا۔ البتہ پورا بازو کار کی روشنی میں تھا۔

"فضول اپنی بچنے کی کوشش مت کرو۔" اس نے کرخت آواز میں کہا۔ "اگلا دروازہ کھول دو۔ ورنہ یہ چاقو تمہاری گردن میں پیوست ہو جائے گا۔ اس کی تیز دھار کوٹ کو بھی پھاڑ دیتی ہے۔"

عورت کا لرزتا ہوا ہاتھ دروازے کی طرف بڑھا اور دو لمحے بعد وہ اس کے برابر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُڑی ہوئی رنگت اور خوف سے پھٹی پھٹی آنکھوں کے باوجود وہ خوبصورت نظر آرہی تھی۔ لمبے کوٹ میں اس کا لباس چھپا ہوا تھا۔ اور اس کی حیثیت معلوم نہ ہوتی تھی۔

"کار چلاؤ۔" اس نے تحکمانہ کہا۔ "اس روڈ پر سیدھے اور اطمینان سے چلاتی رہنا جب تک میں نہ کہوں۔ کہیں نہ رکنا۔ تم شاید راستہ بھول گئی ہو؟"

عورت نے جواب نہیں دیا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور نگاہیں سڑک پر جما دیں۔

"تمہاری زبان کٹ گئی ہے؟" وہ اس کے خوفزدہ چہرے سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ "حیرانی کی بات نہیں ہے۔ میں نے تمہارے ہوش اڑا دیے ہیں۔"

تب اس کے ہونٹ کپکپائے اور ان سے کمزور سی آواز نکلی۔ "میں راستہ بھول گئی تھی۔ نقشہ بھی کام نہیں دے رہا ہے۔"

نقشہ اسٹیئرنگ کے پیچھے پھسل کر نیچے گر گیا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر دیکھنے لگا۔ وہ خود بھی جاننا چاہتا تھا کہ وہ اس وقت کہاں تھا اور کس جگہ پہنچا تھا۔

"دیکھو۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں یہ جاننا نہیں چاہتی کہ تم کون ہو اور تم نے کیا کیا ہے۔ تم جس جگہ جاؤ گے وہاں اتار دوں گی۔ میں لوگوں کو لفٹ دینے سے احتراز نہیں کرتی ہوں لیکن تم نے اچھا طریقہ استعمال نہیں کیا کہ چاقو دکھا کر زبردستی کار میں بیٹھ گئے۔"

اس نے محسوس کیا کہ عورت نے اپنے حواس پر قابو پالیا ہے اور خود اعتمادی سے بات کر رہی تھی۔ اس نے ہنس کر کہا۔ "واقعی تم مجھے لفٹ دیتیں؟ بیشتر عورتیں سنسان سڑکوں پر، خصوصاً رات کے وقت کسی قیمت پر مردوں کو لفٹ نہیں دیتیں۔۔۔ ان کا خوف بےجا بھی نہیں ہے۔ اخباروں میں عورتوں کے ساتھ زیادتی کرنے کی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ مجھے مجبوراً چاقو سے کام لینا پڑا۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ۔۔" عورت نے کہنا چاہا۔

"ہٹاؤ اس بات کو۔" اس نے عورت کی بات کاٹ دی۔ "اگر تمہاری نظر مجھ پر پڑ جاتی تو تم ایکسیلیٹر دبا کر ہوا ہو جاتیں۔ مڑ کر بھی نہ دیکھتیں اگر میرے پاس چاقو نہ ہوتا تب بھی یہی بات ہوتی۔ بہرحال تمہارا نام کیا ہے؟"

"ماریا۔" وہ قدرے تذبذب سے بولی۔

"تم نے اپنا نام غلط بتایا ہے اور میں تمہارے ڈرائیونگ لائسنس سے اصل نام معلوم بھی کرسکتا ہوں لیکن مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ میں صرف تم کو مخاطب کرنے کے لیے یہی نام لوں گا۔ ہاں۔ تو ماریا! ریڈیو کہاں ہے؟" وہ مسکرائے جارہا تھا۔

"تمہیں ریڈیو نظر نہیں آرہا ہے؟" وہ بدستور سڑک کی جانب دیکھتی ہوئی بولی۔ "وہ دیکھو ڈیش بورڈ کے پاس۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کا سوئچ گھمایا اور والیوم کم کر کے موسیقی سننے لگا۔

"میں اپنے ایک دوست کے گھر جارہی ہوں جو اب قریب آرہا ہے۔" ماریا بولی۔ "وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا اور اگر میں نہ پہنچی تو وہ ایکسیڈنٹ وغیرہ کے خوف سے پولیس کو فون کر دے گا اور پولیس کی پٹرولنگ کار۔۔۔"

"مجھے بچہ سمجھ رہی ہو ڈارلنگ؟" اس نے زہرخند سے اس کی بات کاٹ دی۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہیں علم نہیں تھا کہ تم بھٹک رہی ہو اور اب تمہیں دوست کا گھر بھی مل گیا ہے۔ کیا تم ہمیشہ دوستوں کے ہاں سڑکوں کا نقشہ دیکھ کر جاتی ہو؟"

ماریا کی زبان جیسے گنگ ہوگئی۔ کئی لمحوں کے بعد اس نے مہر سکوت کو توڑا۔ "تم مغرور لگتے ہو۔"

"تم اپنا دھیان سڑک پر رکھو۔" وہ غرا کر بولا۔

"تم بھاگے کہاں سے اور کس لیے ہو؟" ماریہ نے بے خوفی سے پوچھا۔

"تم اپنا منہ بند نہیں رکھو گی؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"اوہ۔۔" وہ مصنوعی تاسف سے بولی۔ "تم چاقو بدست ہونے پر بھی فاتح نہیں مفتوح لگتے ہو اور وہ بھی ایک ناتواں عورت کے سامنے۔"

"تم چاہتی کیا ہو؟" اس نے غصے سے پھر کر کہا۔ "کوئی چالاکی دکھانا چاہتی ہو؟"

"میں نے تمہاری دُکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے نا؟"
"میں سچی ہوں نا!" وہ بولی۔
"تم بکواس کیے جا رہی ہو" اس نے غصے کے باوجود بے بسی سے کہا۔
وہ اس سے کار چھین بھی سکتا تھا۔ اسے مار کر کہیں پھینک بھی سکتا تھا۔ لیکن وہ کوئی ایسا جرم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ فوجی بھگوڑا تھا۔ فراری مجرم نہیں تھا۔ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا۔ کہیں ڈاکا نہیں ڈالا تھا۔ صرف فوجی قانون کی خلاف ورزی کی تھی اور یہ کوئی خونی جرم نہیں تھا۔
"یہ نفسیات کے طالب، نفسیاتی اور ذہنی مریض ہوتے ہیں۔ وہ مشورہ دیتے ہیں کوئی سیدھی الجھن میں ڈال دیتے ہیں مگر لوگوں کو پتا چل جائے تو وہ ان کا جھگڑوں کو نام بازوؤں میں بھجوا دیں۔ تمہارے جیسے ذہین اور حسین پر نفسیاتی تجربے کریں۔" جیسے طور کوئی بن گئی اس سے منطقی ہو رہی تھی۔
"تم یہاں نفسیات کا ذکر کیوں لے بیٹھیں؟" وہ تیوریاں چڑھا کر بولا۔ "تم بڑی ذہین لگتی ہو۔ تمہاری عمر کیا ہے؟"
"تم مجھے بیس سے چالیس سال کے درمیان سمجھ سکتے ہو" ماریا نے سنجیدگی سے بولی۔ اس نے اس عجیب عورت کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ کسی طرح ستائیس اٹھائیس سال سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ کوئی شکاری عورتوں میں سے ہو سکتی ہے جو اپنی قیمت بڑھانے کے لیے مردوں کے ساتھ اپنا رویہ سخت بنا لیتی ہیں اور پارسائی جتانے کے لیے گہری گہری مدبرانہ باتیں کرتی ہیں۔
"اگر تم مجبور ہو تو شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں" وہ ٹھہری ٹھہری سی آواز میں بولی۔
"شکریہ! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے" اس نے تند خوئی سے جواب دیا۔ "تم صرف خاموشی سے کار چلاتی رہو اور جہاں میں کہوں وہاں اسے روک دو۔"
"تمہاری کسی لڑکی یا عورت سے جان پہچان نہیں ہے؟" ماریا بدستور سامنے دیکھتی ہوئی بولی۔ "تمہیں عورتوں کے ساتھ بات کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔"
"اب آ رہی ہے اپنے مقصد پر۔" اس نے دل میں کہا۔ "یقیناً کوئی اونچی شکاری لگتی ہے۔"
"میری ایک دوست تھی" اس نے کہانی بنائی۔ "ایک بار میرا اس سے جھگڑا ہو گیا اور میں نے پستول سے اس پر گولی چلا دی۔ وہ بچ نکلی اور میں قاتلانہ حملے کے الزام میں پکڑا گیا لیکن اس نے کورٹ میں بیان دیا کہ میرے پستول [illegible] اس کی جان لینے کا نہیں تھا۔"
"بڑی وفادار اور جاں نثار محبوبہ تھی" [illegible] طنزیہ مسکراہٹ سے بولی۔ "اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو...!"
"تو تمہاری طرح مجھے پولیس کے حوالے کرنے کا موقع تلاش کرتی" اس نے ماریا کی بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن جان لو کہ یہ اتنا آسان کام نہیں ہو گا۔ تم اس وقت تک میرے ساتھ رہو گی جب تک میں چاہوں گا۔ تم میرے علم میں آئے بغیر جنبش تک نہ کر سکو گی۔"
"وہ گیس اسٹیشن نظر آ رہا ہے" وہ دائیں [illegible] اشارہ کرتے ہوئے اچانک بولی۔ "کار میں پٹرول ڈلوانا ہے۔ ورنہ کار رک جائے گی۔"
"وہاں جاکر شور مچانے کی کوشش مت کرنا" اس نے وارننگ دی۔ "تمہاری آواز نکلتے ہی چاقو تمہاری پسلی میں اتر جائے گا اور میں کار چھوڑ کر فرار ہو جاؤں گا۔ تمہاری لاش کسی جھاڑی میں پڑی ہو گی اور میں وہاں سے میلوں دور جا چکا ہوں گا۔"
"میرے پرس سے پیسے نکال لو اور خود جاکر پٹرول ڈلواؤ" ماریا نے کہا۔
"میرے اترتے ہی تم نے کار چلا دی تو؟" وہ بولا۔ "نہیں پٹرول تم ڈلواؤ گی۔"
"اور اگر سیلف سروس ہوئی تب؟ میں تو ٹنکی میں پٹرول ڈال نہیں سکوں گی۔" ماریا نے جرح کی۔ "تمہی کو کار سے اترنا پڑے گا۔"
"وہاں چلو تو سہی۔ جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔" اس نے کہا۔
کار گیس اسٹیشن کے احاطے میں پہنچی تو ایک لڑکا آفس سے نکل کر آیا۔
"ہماری خوش قسمتی ہے اٹینڈنٹ موجود ہے" اس نے ماریا سے سرگوشی میں کہا۔
"ہم؟" ماریا نے ایک بھنوں اٹھا کر کہا۔ "ہماری خوش قسمتی؟"
"موجودہ حالات میں ہم پارٹنر ہیں" وہ خفیف مسکراہٹ سے بولا۔ لڑکا ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ کار میں کتنا پٹرول ڈالنا ہے۔
"ہاں... پانچ لیٹر فور اسٹار ڈال دو" ماریا نے کہا۔
"فور اسٹار بس؟" لڑکا تعجب سے بولا۔ "اس میں تو ٹو اسٹار چلتا ہے۔"
"اوہ! میرے منہ سے فور اسٹار نکل گیا۔ وہی ڈال دو" وہ جلدی سے بولی۔

www.taemeernews.com

لڑکا پٹرول ڈالنے لگا۔ اس نے جھک کر ماریا کے کان میں کہا۔
"کار چلاتی ہو اور تمہیں معلوم نہیں کہ اس میں پٹرول کون سا پڑتا ہے؟"
وہ خاموش رہی۔ لڑکے نے پٹرول ڈال دیا تو ماریا نے اسے نوٹ تھمایا اور کار اسٹارٹ کی۔ اس دوران وہ اپنی کمر سے مگر اس خطرناک اجنبی کا ہاتھ محسوس کرتی رہی۔ یقیناً اس میں چاقو بھی ہوگا۔
وہ ہاتھ وہاں سے ہٹ گیا تو اس نے اطمینان کی سانس لی۔ کار تاریکی کا پردہ ہیڈ لائٹس سے چیرتی ہوئی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔
"کہیں کار کھڑی کر دو۔ تم مسلسل ڈرائیونگ کرکے تھک گئی ہو۔"
"نہیں میں بالکل نہیں تھکی ہوں۔ بالکل آرام سے ہوں۔"
"تمہاری آنکھیں نیند سے بھاری ہو رہی ہیں۔ تم انہیں بہ مشکل کھول رہی ہو۔ کسی سائیڈ روڈ پر کار کھڑی کر دو۔"
"مجھے ذرا بھی نیند نہیں آ رہی ہے۔ میں الرٹ ہوں۔"
آگے جاکر کار کی روشنی ایک فارم میں شاخوں اور سرکنڈوں سے بنے ہوئے ایک شیڈ پر پڑی اور ماریا نے کار روک دی۔
"یہ تم نے کیا کیا؟ کار یہاں کیوں روک دی؟ یہ بہت بڑے خطرناک ہو سکتے ہیں" وہ جھنجلا کر بولا۔ "آگے بڑھو کسی محفوظ جگہ ہم ٹھہریں گے۔"
"ہم [illegible] نہیں جائیں گے۔ کار میں ہی بیٹھے رہیں گے۔" وہ مشکل سے بولی۔
"[illegible] خاموش ہو گئیں۔ سگریٹ پیو گی؟"
"ہاں [illegible] ایک پیکٹ نکالا ہوا تھا۔"
اس نے دو سگریٹ سلگائے اور ایک ماریا کو دیا۔ اس نے گہرا کش لگا کر دھواں کار کی ونڈ شیلڈ پر چھوڑا۔ اس خطرناک شخص نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا تھا اور اس نے پوچھا بھی نہیں تھا۔ پوچھے گی بھی نہیں۔ اسے کیا ضرورت ہے؟ اس نے سر ہلکا سا جھٹکا دیا۔
"کیا سوچ رہی ہو؟" اس نے پوچھا اور دل میں کہا۔ شاید بھاگ نکلنے کی ترکیب کو ذہن میں ترتیب دے رہی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اس نے ہاتھ بڑھائے۔
"نہیں..." وہ دروازے سے چپک گئی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔
"تم زیادہ بننے کی کوشش کر رہی ہو" وہ غراتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا ہوں تم کس قماش کی ہو۔ اندھیری رات میں جب کسی جوان اور خوبصورت عورت کا سڑکوں پر نکلنا بے وجہ نہیں ہوتا ہے۔"
"میں اس قسم کی نہیں ہوں" اس کے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے مشکل الفاظ نکلے۔

"شکاریوں کی مختلف قسمیں اور مختلف طریقے ہوتے ہیں" اس نے زہرخند سے کہا۔ "تم اس وقت اپنے کسی دوست سے ملنے جا رہی تھیں نا؟ کس لیے؟"
وہ بے باکی سے دست درازی پر اتر آیا تھا۔ جیل کے بعد اس نے کسی عورت کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اس بات کو دو سال گزر چکے تھے۔ اس کے سامنے ایک نوجوان، خوبصورت عورت تھی۔ ہر سو سناٹا تھا۔ وہ اس کے رحم و کرم پر تھی۔ خواہ وہ اچھی تھی یا بری...
وہ متوحش نگاہوں سے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آواز اور لہجے میں کرختگی تھی لیکن وہ خوش شکل تھا۔ اس کی آنکھوں میں سحر سا تیر رہا تھا۔
"کسی... ہوٹل میں چلو۔" وہ منمناہٹ سے بولی۔
"یہاں ہوٹل کہاں؟ کوئی بلڈنگ بھی نظر آ رہی ہے تمہیں؟" اس نے جھنجلا کر کہا۔
"نقشے پر میں نے ایک جگہ ایم کا نشان دیکھا ہے۔ اس کا مطلب ہے موٹیل۔ آؤ اسے تلاش کریں۔ میں وہاں کچھ آرام بھی کر لوں گی۔" ماریا قدرے دلجمعی سے بولی۔
ایک خیال زن سے اس کے ذہن سے ٹکرایا۔ اگر پولیس کی پٹرولنگ کار ادھر سے گزری تو ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی اور اس کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ پولیس کاریں اب تک نکل چکی ہوں گی۔ اس کے فرار کی اطلاع ہر سیکشن میں پہنچ چکی ہوگی۔ ہوٹل یا موٹیل محفوظ جگہ رہے گی۔ شاید وہاں اور کاریں بھی ہوں۔"
"میں دیکھتا ہوں" اس نے جھک کر ماریا کے پاؤں کے پاس سے نقشہ اٹھا لیا اور موٹیل کی سمت دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ماریا سے کار چلانے کو کہا۔
وہ خاموش بیٹھے ہوئے دور تک نکل گئے۔ نقشے کی مدد سے وہ صحیح سمت میں جا رہے تھے۔ درختوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔ کسی گاؤں کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن سے ٹکرایا۔ خطرہ...
"کار روکو" وہ چلایا۔
"کیوں؟" ماریا نے کار کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔
"تم مجھے اس جگہ لے جا رہی ہو جہاں تم لوگوں کو جانتی ہو" وہ بھیانک غراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تم مجھے جال میں پھنسانے کے لیے لے جا رہی ہو۔"
"کیا؟" ماریا نے حیرت ظاہر کی۔ "میں تو یہاں آج تک نہیں آئی ہوں۔ ہم اتفاق سے اس جگہ آ گئے ہیں۔"

www.taemeernews.com

"کار کو گھما کر پیچھے لے چلو۔" اس نے حکم دیا۔ "میں نے اس جگہ بورڈ لگا ہوا دیکھا تھا۔ بیڈ اور ناشتہ۔۔۔ موڑ دو کار کو۔۔"

اس نے چاقو نکال لیا تھا۔ ماریا نے ٹھنڈی سانس لے کر کار موڑی اور اسے اسی سمت چلانے لگی جہاں سے وہ آئے تھے۔ کوئی میل بھر دور جا کر ہیڈلائٹس میں ایک خستہ حال مکان نظر آیا۔ اس کے ایک طرف زنگ خوردہ بورڈ پر مٹے مٹے سے حرفوں میں "بیڈ اینڈ بریک فاسٹ" لکھا ہوا تھا۔

"تم بات کرو گی۔" اس نے حکم دیا۔ "میرا اور اپنا نام مسٹر اینڈ مسز براؤن بتانا۔"

وہ کار سے اتری تو مکان کے اندر روشنی ہو گئی اور ایک آدمی دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ کار کی روشنی میں وہ ساٹھ سال کے لگ بھگ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کاڈرائے کی قمیص اور پتلون پہن رکھی تھی۔ اور جیکٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ جیسے وہ اسی وقت کپڑے پہن کر آیا تھا۔ اس کے جوتوں کے تسمے کھلے ہوئے تھے۔

"ہمیں جگہ چاہیے۔" اسے کار میں بیٹھی ہوئی ماریا کی آواز سنائی دی۔ مالک مکان نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا۔ "میڈم تمہیں ڈبل کمرہ درکار ہوگا اور وہ ہے نہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" مالک مکان کی بات سن کر اس نے کار میں سے کہا۔ "سنگل کمرہ چل جائے گا۔ ہمیں صرف ایک رات گزارنی ہے۔ کار راستے میں خراب ہو گئی تھی۔"

"گرم پانی کا انتظام نہیں ہے سر۔" مالک مکان نے بلند آواز میں کہا۔ "بوائلر خراب پڑا ہے اور پلمبر ابھی آیا نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ کار میں سے بولا۔

"اندر آ کر کمرہ دیکھ لیں۔" مالک مکان یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے کار سے تقریباً جست لگا دی اور لپک کر ماریا کے پاس پہنچا۔ دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ سامنے لکڑی کا ایک چھوٹا سا زینہ تھا۔ کمرہ دوچھتی جیسی جگہ پر تھا۔ اس میں لوہے کا ایک پلنگ، کئی درازوں والا میز، ایک کرسی اور کپڑوں کی الماری تھی۔ پلنگ پر موٹا گدا تھا اور صاف سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ ایک رات کا کرایہ مع ناشتا دس ڈالر تھا۔ اسے وہ زیادہ نہیں لگا اور اس نے جیب سے نوٹ نکال کر مالک مکان کو دے دیے۔

"باتھ روم سامنے ہے۔" مالک مکان نے نوٹ پتلون کی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "برا نہ مانیں، اس کا نوب ڈھیلا ہے۔ پانی شور کے ساتھ نکلتا ہے۔ پلمبر۔۔"

"کمرہ اچھا ہے۔" ماریا نے اسے پلمبر کی دوبارہ شکایت کرنے نہیں دی۔

مالک مکان اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں سکی ہوں لیکن اس جگہ سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" ماریا نے کہا۔

"گزارا کرنا ہوگا۔" اس نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"وہ تو ہوگا ہی لیکن تمہارا زیادہ تجربہ نہیں ہے۔ یہ لینڈ لارڈ مجھے جن نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ انہیں میں ہی سمجھتی ہوں۔" ماریا بیڈ پر نیم دراز ہو کر بولی۔

"وہ بڈھا تھا۔" اس نے ماریا کی بات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "وہ تو بے ضرر سیدھا سادا کسان ہے۔"

"نہیں وہ بے ضرر نہیں لگتا ہے۔" ماریا دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر بولی۔ "میرا خیال ہے وہ تمہیں ماوڈ لنے سے کوئی دریغ نہیں کرے گا۔"

"تمہاری خاطر؟" اس نے قہقہہ لگایا۔

"لگتا ہے اس نے برسوں سے کوئی عورت نہیں دیکھی۔" ماریا نے سنجیدگی سے کہا۔

اسے محسوس ہوا جیسے اس عورت نے یہ بات اس کے بارے میں کہی ہے۔ اسے بھی عورت کی شکل دیکھے دو سال ہو گئے تھے۔ اس نے جا کر دروازے کا تالا بند کیا اور چابی پتلون کی جیب میں رکھ لی۔ اس نے دروازہ بند کر لینے پر ماریا کے تاثرات معلوم کرنے کے لیے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ تم نے اچھا کیا۔" خلاف توقع اس نے کہا۔

"میں نے تمہارے اطمینان کے لیے ایسا کیا ہے۔ ورنہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ بیڈ پر دراز ہو گیا۔ تو ماریا تھوڑی سی پیچھے کھسک گئی۔ وہ بھی اس کی طرح دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس سے کم طاقت کا ایک بلب لٹک رہا تھا۔ کمرے میں اور باہر مکمل سکوت تھا۔

"کوئی تم پر باتونی ہونے کا الزام نہیں دے گا۔" ماریا نے مہر سکوت کو توڑا۔

وہ اس کا مطلب سمجھ گیا کہ وہ اس سے باتیں کرنا چاہتی ہے تاکہ وقت گزر جائے۔ اس پر آیا ہوا برا وقت ٹل جائے۔

"میں چھوٹی چھوٹی باتیں زیادہ نہیں کرتا۔۔۔" وہ خجل سا ہو کر بولا۔ "اس وقت منہ کھولتا ہوں جب کہنے کے قابل کوئی بات ہوتی ہے۔ ورنہ منہ بند رکھتا ہوں۔"

ماریا نے لیٹے لیٹے کوٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور

لائٹر نکالا۔ اُس نے ایک سگریٹ سُلگا کر پیکٹ اور لائٹر اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے سر کے اشارے سے انکار کرتے ہوئے کہا: "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم سگریٹ اور لائٹر بھی رکھتی ہو۔ عادی اسموکر لگتی ہو۔ بہر حال اپنے اوپر سے یہ غلاف اُتار دو اور اپنا سگرٹ کا ذخیرہ ہمیں دکھا دو۔"

ماریہ نے لمبا کوٹ اُتار کر فرش پر اُچھال دیا اور بولی: "تم کوٹ پتلون میں سوؤ گے؟"

وہ سوچنے لگا کہ اگر وہ کال گرل نہیں تھی تو اس کی گزر بسر کیسے ہوتی ہوگی۔ اس کی انگلی میں انگوٹھی بھی نہیں تھی کہ اسے شادی شدہ سمجھا جاتا۔ اس کے پاس کار تھی اور وہ خود اسے چلاتی تھی۔ کوئی نوکری وغیرہ کرتی ہے؟

"تم شادی شدہ ہو؟" وہ پوچھ بیٹھا۔

"تمہیں اس سے کیا سروکار؟" وہ ترت بولی۔

"کوئی نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

ماریا نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا: "میں نے شادی کی تھی۔ لیکن شوہر نے طلاق لینے کو کہا، ورنہ میں نے لے لی۔ اب میں آزاد ہوں کسی پنچھی کی طرح۔"

"بھولا شاہین کی زد میں ہے۔" اس نے دل میں کہا اور اُٹھ کر کوٹ پتلون اور قمیص اُتار دی۔ اب وہ بنیان اور انڈر ویئر میں تھا۔ چاقو اس نے تکیے کے نیچے رکھ لیا اور لیٹ گیا۔ خیالات اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ ان ہی کی گردش میں وہ ماضی سے حال میں آگیا۔ یہ عورت اب تک اس کی بہت مددگار ثابت ہوئی تھی۔ وہ فوراً پکڑے جانے سے محفوظ رہا تھا لیکن صبح کو وہ اس کے لیے زبردست بوجھ بن جائے گی۔ وہ پولیس کو سارا واقعہ سنائے گی اور اس کا حلیہ بتائے گی۔ اسے نیویارک پہنچنے سے پہلے پکڑ لیا جائے گا۔ ٹھیک ہے کسی ویران جگہ پر جا کر وہ چاقو اس کے دل میں اُتار دے گا اور رہائی کھڑا ہوگا۔

"بتی بجھا دوں؟" اس نے کہا: "یا رہنے دوں، تمہاری مرضی ہے۔"

"تم اس بارے میں میری مرضی کیوں پوچھ رہے ہو؟" اس نے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا۔

کمرے میں کھڑکی نہیں تھی اور دروازہ بند تھا۔ تمباکو کا دھواں ہوا پر محیط تھا۔ وہ سگریٹ زیادہ نہیں پیتا تھا۔ پام تو بالکل نہیں پیتی تھی۔ اس نے شراب کو بھی کبھی چھوا نہیں تھا۔

"تم سگریٹ بہت پیتی ہو۔ ڈرنک بھی کرتی ہوگی؟" اُس نے پوچھا۔

"خود ساختہ ماہرین نفسیات کہتے ہیں، زیادہ سگریٹ نوشی ذہنی خلجان اور منتشر خیالی ظاہر کرتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ سگریٹ ترک کیوں نہیں کرتے؟ سب جھوٹ ہے سالا فراڈ ہے۔" وہ بیچ بیچ آپ سے باتیں کر رہی تھی۔

"میں نے پوچھا کہ سب اور تم کچھ بکے جا رہی ہو۔" اس نے تنگ کر کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ..." وہ کہتی رہی۔

"خاموش ہو جاؤ۔" اس نے ڈانٹ دیا۔ ...

وہ بیٹھے اُٹھ کر دیوار پر لگے ہوئے سوئچ ... نے تکیے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کی انگلیاں چاقو کے دستے سے ٹکرائیں۔ وہ بتی بجھا کر واپس آگیا۔ کمرے میں مکمل تاریکی چھا گئی تھی۔

✣

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ کار کے ونڈ شیلڈ پر اس کے تھپیڑے پڑ رہے تھے۔ وائپر اسے صاف کرتے کرتے تھک چلے تھے۔ سامنے پانی کی جھالر اور زمین پر پھسلن ہونے کے باعث وہ کار کی رفتار بڑھا نہیں سکتی تھی۔ تاہم اسپیڈو میٹر بتا رہا تھا کہ وہ سو میل سے زیادہ فاصلہ طے کر چکی تھی۔ اس نے ریڈیو کا سوئچ آن کیا۔ اناؤنسر کہہ رہا تھا: "بریڈ شا کے نفسیاتی امراض کے اسپتال سے فرار ہونے والی مریضہ ایک ڈاکٹر کی کار بھی چرا کر لے گئی ہے۔ اس کی عمر ستائیس سال چار ماہ ہے۔ قد پانچ فٹ پانچ انچ ہے۔ بالوں کا رنگ خاکستری ہے۔ اس کا نام ایلفیڈا کورز ہے۔ وہ بے حد خطرناک مریضہ ہے۔ کوئی اس کے قریب بھی نہ جائے صرف دور سے اس کی نشان دہی کر دے۔" اس نے ریڈیو بند کر دیا۔

سڑک کے بیچوں بیچ ایک ٹرک کا انجن سامنے سے آنے والے ٹینکر کے انجن سے گلے مل رہا تھا اور راستہ بند تھا۔ اس نے کار روک دی اور ریڈیو کا سوئچ کھولا...

"...کو ایک فارم ہاؤس میں مردہ پایا گیا۔ اس کا گلا کسی تیز دھار آلے سے کٹا ہوا تھا۔ اسی فارم ہاؤس کے پچھلے کمرے سے اس کے مالک جیری وارڈیل کی لاش ملی۔ اس کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اس کا گلا بھی کٹا ہوا تھا۔"

www.taemeernews.com

پروفیسر واجد نگینوی

شکاری

مجرم ذہن چاہے کتنا ہی کامیاب بے داغ منصوبہ کیوں نہ بنالے لیکن قدرت کے انتقام سے نہیں بچ پاتا۔ اسے ہر حال میں اپنے کیے کی سزا بھگتنا پڑتی ہے بعض اوقات تو وہ اپنے بچھائے ہوئے جال میں ہی کچھ اس طرح آپھنستا ہے کہ دیکھنے والے بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ۔

خود آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ایک شکاری کی روداد ۔ ایک روز ۔۔۔ وہ خود شکار ہو گیا

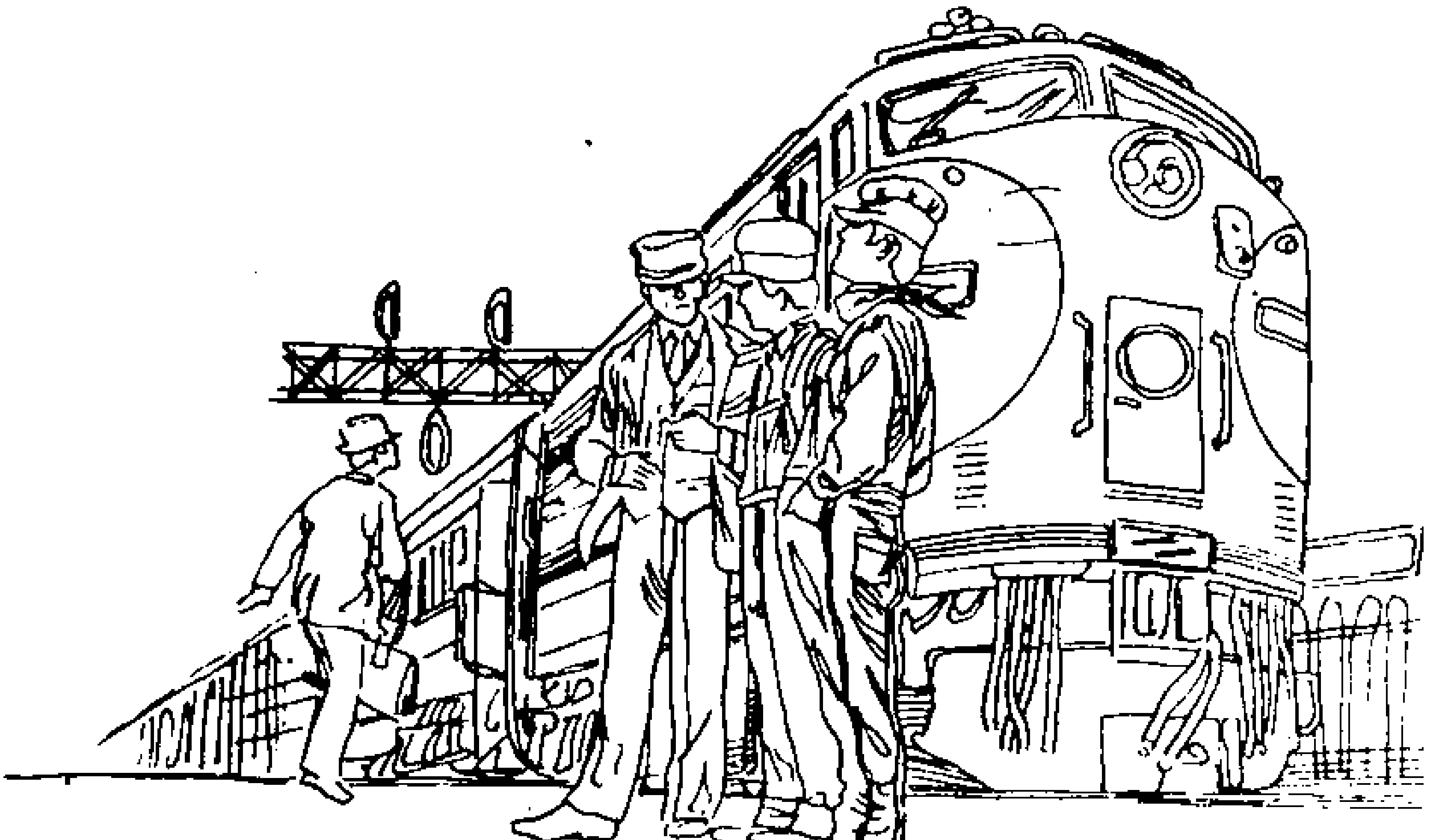

چہار رنگ، دہلی ۳۶۸ اگست ۸۹ء

ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور ٹرین رینگنے لگی۔ میجر جنرل سید گوہر علی ترمذی نے سامنے کی برتھ کے اوپر اور نیچے رکھے ہوئے سامان کا ایک سرسری سا جائزہ لیا اور کوٹ کے اندر کندھوں کو کسمساتے ہوئے ایک لمبی سانس لی۔ سردی شباب پر تھی۔ کمپارٹمنٹ کی کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ باہر ہوا میں خنکی تھی۔ ایک باریک سی کہر کی چادر فضا پر مسلط تھی۔

میجر گوہر نے کھڑکی کے باہر جھانکنے کی ناکام کوشش کی۔ شیشہ دھندلایا ہوا تھا اور چند موٹے موٹے قطرے کسی بیوہ کے آنسوؤں کی طرح امڈ رہے تھے۔ ریل گاڑی کی رفتار کے ساتھ ساتھ میجر گوہر کے خیالات نے بھی پرواز شروع کر دی۔

انسان کی جان کتنی عزیز شے ہے۔ آج اُسے اس کا صحیح احساس ہوا تھا سب سے زیادہ اسے یہ سوچ کر حیرت ہوئی کہ وہ زندہ واپس جا رہا ہے۔ اپنے گھر جہاں اس کے بچے عدنان، ریحان، فریال کے علاوہ اس کی بیوی تہمینہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

کچھ گھنٹے پیشتر ہی وہ آرمی میڈیکل اسپتال مظفر آباد آزاد کشمیر سے ڈسچارج ہوا تھا۔ تھوڑی سی ندامت بھی تھی۔ اسے اپنی خود غرضی پر کہ جلدی میں ان نرسوں اور ڈاکٹروں کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکا تھا جن کی وقتاً فوقتاً اس کے وارڈ میں ڈیوٹیاں لگتی رہیں خاص طور پر وہ ڈاکٹر غلام عباس کا دلی طور پر مشکور تھا۔ جس نے اُسے بچانے کے لیے اپنی بے لوث اور انتھک کوششیں کا تھیں اور اُن کی نوازشوں اور محبت کے طفیل آج وہ اس قابل ہو سکا کہ زندگی کی سچی اور حقیقی لطافتوں سے ہمکنار ہو سکے اور پھر ذہن کے کسی گوشے سے ابھر کر بچپن کی یادیں کس قسم کی مانند نگاہوں میں رقص کرنے لگیں۔

اس کے دوست اس کے ساتھی سب ایک ایک کر کے اجاگر ہونے لگے۔ سبطین، حسنین، شہناز، شہوار، رعنا، شمع، شان، زہرہ سمیتا، شاہد رضوان۔

'آہ کتنے حسین تھے وہ لمحات!' وہ اپنے گرد و پیش سے بے نیاز ہو کر ملکہ شیریں کی شرارتوں کو یاد کر کے عالم بے خودی میں مسکرانے لگا لیکن اس نے سوچا کہ وہ خود بھی کتنا زندہ دل تھا۔ بات بات پر قہقہے اور لطیفہ گوئی اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ کتنی پرکیف اور بے فکر زندگی تھی۔ مصطفےٰ ہائر سیکنڈری اسکول سے آنے کے بعد دن بھر بے مقصد شہر کے بازاروں میں گھومنا اور شام کو باغات کی سیر، کتنا دلکش منظر ہوتا تھا جب کہ یاروں کی ٹولی امرودوں کے باغ پر دھاوا بول دیتی تھی۔

ملازمت بھی کیا عجیب شے ہے اور وہ بھی ملٹری کی جس کی پابندی میں اس کی زندگی یکسر بدل گئی تھی۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ کے آغاز سے میجر جنرل بننے تک کتنے مراحل سے گزرنا پڑا۔ یہ اس کا دل ہی جانتا تھا اور تیس سالوں کی جان توڑ کوششوں کا صلہ...

گاڑی راولپنڈی اسٹیشن پر رک جانے سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ سورج کی شعاعوں کی تاب نہ لا کر کہر کبھی کی غائب ہو چکی تھی۔ میجر جنرل گوہر نے پلیٹ فارم کا جائزہ لیا بھیڑ اچھی خاصی تھی لیکن فرسٹ کلاس کا کمپارٹمنٹ ہونے کی وجہ سے مسافر میجر جنرل گوہر کو سہمی سہمی نگاہوں سے دیکھ کر گزر جاتے۔ ریلوے گارڈ کی وسل سنائی دی لیکن اس سے قبل کہ گاڑی اسٹارٹ ہو۔ میجر جنرل گوہر نے دروازے کی چٹخنی کی حرکت کو محسوس کیا اور ساتھ ہی ایونگ ان پیرس کی مہک پھیلنے لگی۔

چند ساعت کے بعد کمپارٹمنٹ میں داخل ہونے والی ایک دلکش خد و خال کی دوشیزہ جس کا سن مشکل سے سولہ سترہ کا ہی ہوگا۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ میں پرس لٹکائے بڑی بے باکی کے ساتھ میجر جنرل کے سامنے والی برتھ پر بیٹھ گئی۔ اس کی شوخ و چنچل اداؤں اور نگاہوں سے میجر جنرل گوہر نے بہت جلد یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ وہ محفلوں اور کلبوں کی منظور نظر رہنے کا شرف ضرور حاصل کر چکی ہے۔ اپنی غزالی آنکھوں کی گھنی پلکوں کو جھپکا کر اور لبوں پر ایک قاتلانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے وہ گویا ہوئی

"ایکسکیوز می... آپ کے پاس کوئی میگزین یا ناول تو نہیں؟"

"آئی ایم سوری! میں فوجی ہونے کے ناتے میدانِ عمل کا کھلاڑی ہوں۔ تحریر کی تخیل پروازی پر یقین نہیں رکھتا" میجر جنرل گوہر نے اسے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"آدمی آپ دلچسپ معلوم ہوتے ہیں"

"قیافہ شناسی کی آپ ایکسپرٹ معلوم ہوتی ہیں"

"جی ہاں! ایسا ہی سمجھیے۔ لوگوں کے لہجے کا اتار چڑھاؤ اور ان کے منہ سے نکلا ہوا ایک جملہ میرے لیے بہت کافی ہے۔ مجھے ان کی شخصیت کو سمجھنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مجھے غلط نہ سمجھیے۔ یہ میری ایک ہابی ہے"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے۔ اچھا کیا جو آپ نے مجھے بتا دیا اب میں ہابی ہی سمجھوں گا... شغل نہیں" اور کچھ دیر کے لیے کمپارٹمنٹ مردانہ اور نسوانی قہقہوں سے گونجنے لگا۔

www.taemeernews.com

خاصی دیر کی خاموشی کے بعد لزوار دوشیزہ نے گفتگو کا موضوع بدلا۔ "شاید آپ ہمسایہ ملک بھارت کے حملے کا بہادری سے جواب دینے کے بعد کشمیر کے محاذ سے واپس آرہے ہیں۔"

"ظاہر ہے!"

"آپ کا خیال کیا ہے۔ بھارت کبھی ہمارے ملک پاکستان پر دوبارہ حملہ آور ہوگا؟"

"معاف کیجیے! میں قیافہ شناس نہیں ہوں۔" میجر جنرل گوہر نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "البتہ اپنے ملک کی حفاظت کے پیش نظر ہمیں خود کو ہر وقت تیار رکھنا ہوگا۔ دشمن ہماری غفلت کا ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"آپ کا پُرسکون چہرہ جنگ کے بہتر ہونے کی غمازی کرتا ہے یا گھر واپسی کی خوشی؟ اس سلسلے میں میں ابھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پائی۔" دوشیزہ نے ایک عجیب سا سوال کیا۔

"دراصل حقیقت یہ ہے کہ میں ریٹائر ہو کر ایک طویل عرصے کے بعد اپنی گھریلو زندگی کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ جہاں جنگ و جدل اور زندگی کے غموں سے بے فکر، بے نیاز چند معصوم ہستیوں کے ساتھ ایک بے چین دھڑکتا ہوا دل مجھ کو خود میں سمو لینے کے لیے بے تاب ہوگا۔ تیس سال کے صبر آزما، کٹھن انتظار کے بعد ملک اور قوم کی خدمت کا صلہ عزت، احترام اور دولت کی شکل میں مجھے ملا ہے جو اوپر سامان والی سیٹ پر رکھی ہوئی اٹیچی میں محفوظ ہے۔" میجر جنرل گوہر پر سنجیدگی غالب آچکی تھی۔

"بس بس! اب میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ آپ نے میرا کام کافی آسان کر دیا ہے۔" دوشیزہ کا لہجہ اچانک تبدیل ہوگیا۔ چہرے پر کرختگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔ "میں ایک ڈاکو ہوں۔ میرا کام اور پیشہ مالدار مسافروں کو لوٹنا ہے... جلدی سے اٹھیے اور اٹیچی کا تالا کھول کر تمام کی تمام رقم میرے حوالے کر دیجیے۔ اگلا ریلوے اسٹیشن قریب آرہا ہے۔ خیریت نہ سمجھیے ورنہ میں زور زور سے چیخوں گی کہ آپ میری عزت سے کھیلنا چاہتے تھے۔ نتیجہ آپ جانتے ہی ہیں کیا ہوگا؟ جلد فیصلہ کیجیے۔ ایک طرف آپ کا عہدہ اور سب ہی کچھ ہے۔ دوسری طرف تھوڑی سی رقم... اگرچہ یہ ایک کثیر رقم ہے لیکن ایک اعلیٰ فوجی آفیسر کے لیے جیل جا کر عزت گنوانے کے مقابلے میں میرے خیال میں اتنی اہم نہیں۔"

ریل گاڑی کسی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ دوشیزہ کی بڑھتی ہوئی جھنجلاہٹ کا جواب میجر جنرل کے لبوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ تھی۔ شکاری کو خود شکار ہونے کا احساس ہونے لگا۔ آج اسے پتا چلا کہ فوجی کتنے ڈھیٹ اور نڈر ہوتے ہیں۔ چہرے سے پسینے کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ دل ناتواں نے سختی کی لذت محسوس کی اور لاشعوری طور پر نحیف ہاتھ زنجیر سے ٹکرائے۔ چند ساعت کے بعد گاڑی رک چکی تھی۔ آج پہلی بار دوشیزہ کو اپنے ہاتھوں میں نقاہت محسوس ہوئی شاید یہ ردِ عمل تھا۔ میجر جنرل گوہر کے لبوں پر ابھرنے والی ایک ابدی مسکراہٹ کا جس نے دوشیزہ کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ لیکن موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ زنجیر کھینچ کر اپنی پوزیشن محفوظ کر لی جائے۔

مدِ مقابل ایک فوجی اور وہ بھی اعلیٰ افسر تھا۔ گاڑی نے رکنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ گارڈ کے استفسار پر روہانسی گھبرائی ہوئی پسینے میں شرابور حسینہ نے رو دینے والے انداز میں ایک دکھ بھری فرضی داستان سنائی کہ کس طرح میجر جنرل گوہر اس کی عزت پر ڈاکا ڈالنا چاہتا تھا۔

اس بہتان تراشی کے جواب میں میجر جنرل گوہر کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر گارڈ کو قدرے حیرت ہوئی۔ اس نے کھڑکی کے باہر کھڑے ہوئے ایک ریلوے پولیس انسپکٹر کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور میجر جنرل سے رجوع ہوا۔ "اس سے قبل کہ آپ کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار کرنا پڑے۔ آپ خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیجیے۔ ہوسکتا ہے آپ بے قصور ہوں لیکن اس کا فیصلہ بعد میں ہی کیا جاسکتا ہے لیکن معاملہ آپ کے خلاف ہونے پر یہ بڑے شرم کی بات ہوگی۔"

گارڈ نے ایک ہی سانس میں دھیمے لہجے میں کہا۔ "ریلوے مجسٹریٹ کے سامنے چلو۔" ریلوے پولیس انسپکٹر نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

میجر جنرل گوہر کے کھڑے ہونے پر سب کے منہ سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ میجر جنرل گوہر کے جسم سے شال سرک کر برتھ پر گرگئی۔ اس کے دونوں ہاتھ شانوں سے غائب تھے

عبید احمد

شوٹر

کبھی کبھی محض چھوٹا سا حادثہ سوچ کے پُرسکوت سمندر میں ایسا تلاطم پیدا کر دیتا ہے کہ زندگی کا دھارا ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جانے انجانے اور انجانے جانے بن جاتے ہیں۔

اِک حسینہ گُل اندام کا افسانۂ محبت جو خزاں کو اپنا نصیب سمجھ بیٹھی تھی

چہار رنگ، دہلی، ۳۷۱ اگست ۸۹ء

www.taemeernews.com

مجھے ان کہانیوں پر کبھی یقین نہیں آیا تھا جن میں ہیروئنوں کی بے وفائی سے دل برداشتہ ہو کر ہیرو حضرات فارن لیجن میں بھرتی ہو کر وطن سے بہت دور صحرائی سرحد پر چلے جاتے ہیں لیکن جب بروس نے مجھ سے بے وفائی کی اور گیلی سے ملنے لگا تو میں نے وہی کیا جو کہانیوں کے ہیرو کیا کرتے تھے یعنی اپنا تبادلہ کمپنی کی مڈل کراس برانچ میں کرالیا اور گویا فارن لیجن میں بھرتی ہو کر بہت دور چلی گئی۔

جب میں بروس کی محبت میں مبتلا ہوئی تھی تو سب نے مجھے منع کیا تھا کہ میں اتنے وجیہہ و شکیل کو خانۂ دل کا مکین نہ بناؤں جو ہر آئیڈیل پرست لڑکی کے تصور پر پورا اترتا ہو مگر میں نے کسی کی نہیں مانی تھی کیونکہ بروس مجھے بہت پُرخلوص لگتا تھا۔ دوسرے میری انا کو اس وقت بڑی تسکین ملتی تھی جب لوگ مجھے اس کے ساتھ دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے کہ اس لڑکی نے اتنے اسمارٹ اور خوب رو آدمی کو اپنی زلف کا اسیر کیسے بنا لیا ہے! جب گیلی اپنے بے پناہ حسن اور منہ زور شباب کے ساتھ سامنے آئی تو بروس نے مجھے الوداع کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہ کی۔ حسنِ اتفاق سے انہی دنوں مڈل کراس برانچ میں ایک اسامی خالی ہوئی تو میں نے فوراً تبادلے کی درخواست دے دی کہ لوگوں کی ہمدردیاں میرے لیے نشتر بنتی جا رہی تھیں۔

مڈل کراس ایک الگ تھلگ سا قدیم شہر ہے جس پر تیز رو وقت کے ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں نے کوئی اثر نہیں ڈالا۔ وہاں آج بھی مویشیوں کی ہفتہ وار منڈیاں اور میلے لگتے ہیں۔ وہاں کے باشندے آج بھی اپنی پرانی روایتوں کا دامن تھامے ہوئے ہیں اور انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ زمانہ کتنا آگے نکل گیا ہے۔ انہوں نے مجھ اجنبی کا بھی کھلے دل سے خیرمقدم کیا اور میں چند ہفتوں میں ہی مقامی سرگرمیوں میں اتنی دلچسپی سے حصہ لینے لگی کہ اپنے بیشتر دکھ اور محرومیاں بھول گئی۔

میں فون کی گھنٹی بجنے پر اس کی طرف لپکنا بھی بھول گئی کہ ہو سکتا ہے یہ بروس کا فون ہو۔ تاہم بروس نے میرے دل پر بے وفائی کا جو چرکا لگایا تھا، اس کے نتیجے میں میں نے اپنے اور مردوں کے درمیان ایک فاصلہ رکھنا شروع کر دیا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر مرد بروس کی طرح بےوفا ہو لیکن میں اپنی جگہ بے حد محتاط ہو گئی۔

مڈل کراس میں رہائشی سہولتوں کا فقدان تھا۔ مجھے جو مکان ملا وہ شہر کے آخری حصے میں ایک گلی کے اندر واقع تھا۔ اس کا نام بریر کاٹیج تھا وہ ان قدیم مکانوں ایسا تھا جو پکچر کارڈز میں دکھائی دیتے ہیں۔ بڑے بڑے شہتیروں اور چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں والے۔ اس کے پچھواڑے ایک چھوٹا سا اصطبل اور ناند بنی ہوئی تھی۔ غالباً پہلا کرایہ دار اپنا گھوڑا وہاں رکھتا تھا۔ خواب گاہ کا فرش بھی قدرے ڈھلوان تھا چنانچہ مجھے پلنگ کے پایوں کے نیچے چھوٹے چھوٹے پتھر رکھنا پڑے تھے... پھر یہ مکان دفتر سے میلوں دور تھا اور بس سروس بھی نہیں تھی۔ اچھے موسم میں تو میرے لیے سائیکل پر جانا مشکل نہیں تھا لیکن جب کبھی بارش ہوتی تو مجھے دوپہر تک گیلا لباس پہنے رہنا پڑتا تھا۔

میرے پڑوس میں گراہم رہتا تھا جو ایک فارم کا مالک تھا۔ پہلے دن جونہی میں گھر پہنچی، وہ فوراً آ گیا اور بولا "میں تمہارا پڑوسی ہوں اور شہر میں دودھ اور انڈے سپلائی کرتا ہوں لہٰذا ان چیزوں کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ میں ہر صبح خود پہنچا جایا کروں گا۔" پھر اس نے مجھے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا اور کہا "اگر میں تمہارے کسی کام آ سکوں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

میں اس کی اس پیش کش کا مفہوم سمجھ گئی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اب مجھے مردوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں نے اس کی پیش کش کے جواب میں صرف ایک لفظ "شکریہ" کہا تاکہ وہ میرا مطلب سمجھ جائے اور وہ سمجھ گیا کیونکہ اس کے بعد وہ ہر سنیچر کی صبح آ کر اپنا بل لے جایا کرتا تھا۔ تاہم میں ہر صبح اٹھ کر اس کے بھاری بوٹ کی چاپ اور پک اپ کی آواز سننے کی منتظر ضرور رہتی کہ اس طرح مجھے یہ احساس ہوتا تھا، رات خیروعافیت سے گزر گئی ہے۔

شروع کے کئی ہفتے میں نے اپنی آزادی برقرار رکھی پھر موسم برسات شروع ہوا تو طوفان باد و باراں کا منظر دیدنی تھا۔ مگر جب وہ وادی سے شہر کی طرف آیا تو اس کی تیزی و تندی دہشت خیز بن گئی۔ یوں لگتا تھا کہ سارے بادل اور ساری بجلیاں میرے گھر کی چھت پر گرج کڑک رہی ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کاٹیج بجلی گرنے سے ایک دھماکے کے ساتھ بھسم ہو جائے گا لیکن طوفان جس تیزی سے آیا تھا، اسی تیزی سے گزر گیا تو میری جان میں جان آئی اور میں کچن میں پہنچی تاکہ ایک کپ چائے بنا سکوں۔ میں نے الیکٹرک کیتلی میں پانی ڈال کر سوئچ آن کر دیا۔ پانچ منٹ بعد میں نے کیتلی کا ڈھکنا کھولا تو پتا چلا کہ

www.taemeernews.com

وہ اسی طرح بند ہے۔ شاید طوفان کے باعث بجلی فیل ہوگئی تھی۔ میں نے مختلف چیزوں کا جائزہ لینا شروع کیا تاکہ کسی ایک کو توڑ کر اس کی لکڑی سے آگ جلاؤں اور کھانے پینے کا بندوبست کرسکوں۔ ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے جاکر دروازہ کھولا۔ سامنے گراہم کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"یہ بڑا زبردست طوفانِ باد و باراں تھا۔ غالباً اس کی وجہ سے بجلی فیل ہوگئی ہے۔ ہم تو خیر طوفان اور اس کے اثرات کے عادی ہیں مگر تم یہاں نئی ہو اس لیے میں نے سوچا کہ ممکن ہے تم نے طوفانی موسم سے نمٹنے کے لیے متبادل انتظام نہ کیا ہو۔ میں تمہارے لیے اسٹوو اور لیمپ لایا ہوں۔ اگر تمہیں ضرورت ہو تو دونوں چیزیں رکھ لو۔"

اپنے اس فیصلے کے باوجود کہ میں کسی مرد کو اپنے گھر کی دہلیز عبور نہیں کرنے دوں گی، میں نے گراہم کو یوں خوش آمدید کہا جیسے وہ میرے لیے چراغ الٰہ دین لایا ہو۔

اسٹوو جلانا بظاہر مشکل نہیں تھا لیکن گراہم نے کہا، کہ وہ اس وقت تک وہیں رکا رہے گا جب تک میں اسے جلا کر کچھ تیار نہ کرلوں۔ اگر اسٹوو کارآمد ثابت نہ ہوا تو پھر وہ دوسرے کا انتظام کردے گا۔ میں نے اس کی یہ بات رد نہ کی کہ ابھی بادل قریب ہی گرج برس رہے تھے اور ان کی دوسری کھیپ بھی آکر مجھے خوف زدہ کرسکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اسٹوو جلا کر چائے بنائی، ور ایک کپ گراہم کو بھی دیا۔ یہ ایک اخلاقی تقاضا تھا۔ چائے پینے کے دوران میں مجھے محسوس ہوا کہ اس قدآور، اور چوڑے شانوں والے آدمی میں کوئی نہ کوئی کشش ضرور ہے۔

دوسری صبح بے حد خوبصورت تھی۔ دُھلا دُھلا نیلا آسمان بہت پیارا لگ رہا تھا اور خوش گوار فضا دیکھ کر یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ گزر جانے والی رات بڑی دہشت انگیز تھی۔ میں سائیکل پر سوار ہوکر شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔ جب مارکیٹ والے چوک تک پہنچی تو وہاں اژدھام تھا۔ اور سڑک بند تھی۔ ہُوا یہ تھا کہ کل رات کے طوفانِ باد و باراں کے باعث چرچ کا مینار گر پڑا تھا۔ یہ چرچ اس علاقے کی قدیم اور یادگار عمارت تھی۔ لوگ اس کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ مینار اور چرچ کا بچا کھچا حصّہ بھی منہدم کردیا جائے مگر دوسرے ماضی کی اس شاندار یادگار کے انہدام کے خلاف تھے۔

چرچ اور مینار کی دوبارہ تعمیر کے لیے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ لاٹری کے ٹکٹ فروخت کرکے رقم جمع کی جائے لاٹری کے انعامات کے لیے مقامی گیراج کی طرف سے ایک کار دی گئی۔ کسی نے کھاد کے ٹرک پیش کیے۔ کسی نے کشتی دو افراد کے لیے تفریحی سفر کے ٹکٹ بھی آگئے اور چھوٹے انعامات کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ لاٹری کا ٹکٹ خریدنے والے ہر آدمی کو کوئی نہ کوئی انعام ضرور ملے گا چنانچہ مقامی لوگوں نے بھی دل کھول کر ٹکٹ خریدے اور کچھ رفاہی اداروں نے دوسرے شہروں میں بھی فروخت کیے۔ اس طرح مینار اور چرچ کے بجلی سے منہدم ہونے والے حصّے کی تعمیر کے لیے کافی رقم جمع ہوگئی۔

لاٹری کے ٹکٹوں کی فروخت والے ایام میں گراہم جب بھی سنیچر کی صبح اپنا بل لینے آتا، یہ ضرور کہتا: "میں نے بھی لاٹری کے بہت سے ٹکٹ خریدے ہیں۔ مجھے کسی انعام کی توقع نہیں لیکن اگر میرے نام کھاد کے دو چار ٹرک نکل آئیں تو مزا آجائے۔"

میں ہنستے ہوئے بتاتی: "میں نے بھی کسی انعام کے لالچ میں

مس نزہت ممتاز
کمرٹی

وجہ مسرّت

ایک صاحب کے ہاتھوں اور ہونٹوں پر کالک لگے دیکھ کر دوسرے دوست نے وجہ معلوم کی ان صاحب نے جواب دیا — "میں اپنی بیوی کو رخصت کرنے اسٹیشن گیا تھا۔"

"مگر وہاں یہ کالک تمہارے کیسے لگ گئی؟"

"یار — بات یہ ہوئی کہ جب بیوی کی ٹرین جانے کو چلنے لگی تو مجھے اپنے اوپر قابو نہ رہا اور مارے خوشی کے میں نے انجن کو چوم لیا۔"

ٹکٹ نہیں خریدے لیکن اگر مجھے کار انعام میں مل جائے تو پھر صبح بڑے آرام سے دفتر پہنچ جایا کروں۔"

جس روز لاٹری کا نتیجہ نکلنا تھا میں گھر پر ہی رہی۔ میرا خیال تھا کہ مقامی لوگوں کا معاملہ ہے اور اس اجتماع میں انہیں ہی شریک ہونا چاہیے۔ لاٹری کے نتیجے کا علم مجھے گراہم کے ذریعے ہوا جب دوسری صبح اس نے دودھ انڈے دینے کے لیے باورچی خانے کی کھڑکی بجائی۔ میں ڈریسنگ گاؤن کی ڈوری کمر کے گرد کستی ہوئی کچن میں گئی اور کھڑکی کھولی تو وہ مسرت سے لبریز لہجے میں بولا "ہم نے لاٹری جیتی بلکہ لوٹ لی ہے۔ تمہیں ایک جوان بچھیا انعام کے طور پر ملی ہے اور مجھے کار۔"

مجھے اپنے انعام سے کوئی خوشی نہ ہوئی۔ آخر میں ایک گائے کا کیا کرتی۔ دفتر میں سب نے مجھے گرم جوشی سے مبارکباد دی اور پوچھا "کیا تم یہ کام چھوڑ کر مویشی پالنا شروع کرو گی؟"

میں نے سوچا کہ میں انعام میں ملنے والی گائے واپس کر دوں گی مگر اسی شام جب وہ کسان جس نے اس گائے کی پیش کش کی تھی، گائے میرے گھر لے آیا تو میں اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کا نام پوسی تھا۔ وہ بڑی خوبصورت چتکبری گائے تھی۔ اس کی بڑی آنکھیں مجھے بہت بھلی لگیں اور میں پہلی نظر میں ہی پیار کرنے لگی۔

کسان نے اصطبل یا باڑے کا بغور جائزہ لیا اور باڑ کی سلاخوں کو بھی اچھی طرح دیکھا کہ وہ کہیں سے ٹوٹی ہوئی تو نہیں ہے۔ پھر اس نے ناند کا اتنی باریک بینی سے معائنہ کیا جیسے وہ اس میں سونا چاہتا ہو۔ اس کے بعد اس نے مجھے گائے کی دیکھ بھال اور چارے کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے کہا "گراہم تو تمہارے پڑوس میں رہتا ہے۔ وہ اسے دیکھ لیا کرے گا۔"

اگلے چند روز میں نے پوسی پر بھرپور توجہ دی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ بھی میرے جذبات سمجھتی ہے۔ جب میں اسے گھاس دانہ ڈالتی تو وہ ہلکے ہلکے ڈکرا کر جیسے میرا شکریہ ادا کرتی۔ گراہم اپنے بہت سے مویشیوں کی دیکھ بھال کے بعد شام کو وقت نکال کر باڑے کے گیٹ پر آ جاتا اور میرے ساتھ پوسی کے بارے میں باتیں کرتا رہتا۔ اب مجھے پتا چلا کہ کسان باڑوں کے گیٹ پر جھکے باتیں کیوں کرتے رہتے ہیں۔ دراصل مویشیوں کے بارے میں بات چیت ہی ان کی دوستی کا وسیلہ ہوتی ہے۔

دوسرے ہفتے جمعہ کو میں پوسی کی دیکھ بھال کے باعث دیر سے کھانا کھا رہی تھی کہ فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے بروس بول رہا تھا "ہیلو! تم سے بات کیے عرصہ گزر گیا ہے سارہ!"

حیرت ہے کہ مجھے اس کی آواز سن کر خوشی ہوئی نہ دکھ میں نے کہا "پوسی کی وجہ سے اب میں کھانا کھانے بیٹھی تھی۔"

"پوسی؟ وہ کون ہے؟"

"پوسی میری گائے ہے۔ میں نے اسے باڑے میں رکھا ہوا ہے۔"

"گائے! باڑا! تمہارا ارادہ کیا ہے سارہ؟" بروس نے تعجب سے کہا "خیر چھوڑو۔ بات یہ ہے کہ میں نے گیلی سے تعلقات ختم کر دیے ہیں۔ وہ میری غلطی اور غلط انتخاب تھی۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تمہارا مجھ سے ملنا ضروری ہے؟"

"مجھ پر طنز مت کرو سارہ! میں تمہیں اس وقت تفصیل نہیں بتا سکتا کہ ایک پبلک فون بوتھ سے بات کر رہا ہوں اور فون کرنے کے انتظار میں کھڑے آدمی کے تیور ٹھیک نظر نہیں آتے۔ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں کل لنچ تمہارے ساتھ کروں گا اور اتوار کی سہ پہر تک وہاں رہوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

میں سوچ میں پڑ گئی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے! وہ ہفتہ وار تعطیل میرے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ چند ہفتے قبل یہ بات میرے لیے بڑی مسرور کن ہوتی مگر اب نہیں۔ اب تو میں اسے بھول چکی تھی۔ اس کی آمد مجھے خواہ مخواہ ڈسٹرب کرنے کا باعث بنتی۔ میں اسے فون کر کے روکنا چاہتی تھی مگر پھر میں نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا اور سوچا کہ وہ آ جائے تو اچھا ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے سب سے پہلے دروازے کا لاک دیکھا۔ وہ ٹھیک تھا۔ پھر میں نے کھانے کی میز تیار کی۔ رات کو میں نے گراہم کے نام ایک رقعہ لکھا کہ وہ ہفتہ وار تعطیل کے لیے زیادہ دودھ رکھ جائے۔

صبح کو گراہم نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا "کیا تمہارے ہاں مہمان آ رہے ہیں؟ اگر کوئی مدد درکار ہو تو بتا دو۔"

"نہیں، شکریہ گراہم۔ میرا دوست بروس لندن سے ہفتہ وار تعطیل منانے آ رہا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دروازہ بند کر دیا اور کچن میں چلی گئی۔

بروس لنچ کے وقت پہنچ گیا۔ وہ شرٹ اور پینٹ میں سج رہا تھا۔ ابھی میں بروس سے کھل کر بات بھی نہیں کر

www.taemeernews.com

ہالی تھی کہ پوسی ڈکرانے لگی۔ یہ اس کے چارے دانے کا وقت نہیں تھا۔ میں اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر اندر آئی تو وہ پھر ڈکرانے لگی۔ مجھے اس کے ناوقت اور یوں بُری طرح ڈکرانے سے خیال آیا کہ کہیں وہ بروس سے تو چکس نہیں ہو گئی مگر پھر میں نے اپنا یہ خیال احمقانہ تصور کرتے ہوئے رد کر دیا۔

جب میں کمرے میں داخل ہوئی تو بروس برہمی سے ٹہل رہا تھا۔ اس نے پوچھا "تمہاری گائے ڈکرا ڈکرا کر کانوں کے پردے پھاڑ رہی ہے۔ کیا تم اسے خاموش نہیں کرا سکتیں؟"

"اس نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ اگر اس نے ڈکرانا بند نہ کیا تو مجھے گراہم کے ہاں جا کر پوچھنا پڑے گا۔"

"یہ گراہم کون ہے؟" بروس نے پوچھا۔

"وہ میرا نیا ہمسایہ ہے۔ بہت اچھا آدمی ہے۔ ہمیشہ میری مدد کرتا رہتا ہے۔"

"تم اس سے خاصی متاثر لگتی ہو۔ اچھا ہوا کہ میں آگیا۔"

میں اس سے آگے کچھ نہ سن سکی کیونکہ پوسی نے پھر ڈکرانا شروع کر دیا تھا اور اس کی آواز بہت قریب سے آ رہی تھی۔ میں نے چیختے ہوئے کہا "تم کیا کہہ رہے ہو بروس؟ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔"

"میں چیخ چیخ کر تو بات کرنے سے رہا۔ مجھے ہی تمہاری گائے کو ٹھیک کرنا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکلا اور گائے کو گالیاں بکنے لگا۔

میں بھی باہر نکل آئی۔ میں نے دیکھا کہ بروس گائے کو صرف گالیاں ہی نہیں بک رہا بلکہ اسے پتھر بھی مار رہا ہے اور وہ باڑے میں ادھر ادھر دوڑتے ہوئے ڈکرائے جا رہی ہے۔

"اسے مت مارو ظالم" میں چلائی "تمہیں اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ میں گراہم کو بلاتی ہوں۔"

"گراہم، گراہم، گراہم! جب سے میں یہاں آیا ہوں تمہاری زبان پر یہی نام ہے۔ میں شہر جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکلا۔ چند لمحوں بعد مجھے کار کا دروازہ بند ہونے اور پھر کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ جب میں گھر سے باہر آئی تو گراہم کی گائیں کار کے آگے آگے بھاگ رہی تھیں اور ان کے رکھوالے انھیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں گراہم بھی بروس کی کار کے پاس پہنچ گیا اور دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہونے لگی جو گالم گلوچ تک بدل گئی۔ میں جلدی سے پلٹی اور باڑے میں آگئی جہاں پوسی ابھی تک ڈکرائے جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد گراہم وہاں آگیا اور غصے سے بولا "میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ تم اپنی گائے کی دیکھ بھال ٹھیک سے نہیں کرتیں۔ تمہاری اس بچھیا کی وجہ سے میری گائیں بھی جوش میں آگئیں۔ اگر میں بروقت نہ پہنچ جاتا تو تمہارا یا کل بوائے فرینڈ انہیں مار ڈالتا۔"

"وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے اور پلیز ذرا پوسی کو دیکھو۔ وہ کس بُری طرح ڈکرا رہی ہے۔ کیا ہو گیا ہے اسے؟"

"کیا تم واقعی نہیں جانتیں کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟" گراہم نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"یہ بھی اس طلب کی وجہ سے بے چین و بے تاب ہے جس میں میں مبتلا ہوں۔"

"تم کس طلب میں مبتلا ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ساتھی کی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "اور وہ ساتھی تم ہو۔"

میں بھی مسکرا دی۔ میری یہ مسکراہٹ اس بات کا اقرار تھی کہ میں اس کی ساتھی بننے کو تیار ہوں۔

❋

میری اور گراہم کی شادی کو ایک ماہ ہونے والا ہے جو اسی ٹوٹے ہوئے مینار والے چرچ میں ہوئی تھی جس کی تعمیر کے لیے ہم نے لاٹری کے ٹکٹ خریدے تھے۔ گراہم نے وہ کار مجھے دے دی ہے اور میں نے اپنی گائے گراہم کو۔ وہ مجھ سے کہتا ہے کہ مجھے تو لاٹری میں کار نہیں، تم ملی ہو اور میں اس سے کہتی ہوں کہ مجھے انعام میں بچھیا نہ ملتی تو تم میرے شوہر کیسے بن سکتے تھے۔

تب وہ اثبات میں سر ہلا کر اعتراف کرتا ہے کہ ہاں جب تک بچھیا نہیں آئی تھی، تم مجھے لفٹ ہی نہیں دیتی تھیں۔ میں بچھیا کا شکرگزار ہوں جس نے تمہیں میری بیوی بنا دیا۔

www.taemeernews.com

مشتاق احمد قریشی

■■

متمدن اور مہذب دُنیا کے ایک تاریک حصے میں کھیلا جانے والا خونیں ڈرامہ جس کا لفظ لفظ آپ کے رونگٹے کھڑے کر دے گا!
متلاطم اور ہیجانی لہروں کا شکار ہوجانے والے جہاز کے تیرہ مسافر مشکلات و مصائب جھیل کر بمشکل تمام ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے لیکن وہاں انہیں اچانک ہی یہ احساس ہُوا کہ وہ خوفناک سمندر سے بچ کر وحشی آدم خوروں میں آپھنسے ہیں۔

۱۰ رنگ ۱۰ بار ۷ ۳ اگست ۸۹ء

www.taemeernews.com

جزیرۂ مرگ

اپنی زندگی کے تحفظ کی جدوجہد میں مصروف افراد کے
عزم و استقلال اور جواں حوصلوں کی طویل روداد

قسط (۱)

چہار رنگ، دہلی ۷، ۳ اگست ۸۹ء

www.taemeernews.com

وہ چیخ فضا میں جامد ہو کر رہ گئی تھی۔ اُس نے رات کے وقت برج پر جنم لیا اور پھر جہاز کے پورے ڈھانچے، اُس کے گلیاروں اور کمروں تک میں پھیلتی چلی گئی تھی۔ پل بھر میں ایسا ہی لگا تھا جیسے محو خواب جہاز 'پری زادی' اچانک ہی بیدار ہو گیا ہے۔ لوگوں آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

بوسن میٹ امجد نے بھی یہ چیخ سنی اور فوراً نیچے اترنے لگا پہلے تو اُسے یہ چیخ سماعت کا دھوکہ لگا لیکن پھر وہ ساکت کھڑا ہو گیا۔ اُسے یقین تھا کہ چیخ دوبارہ سنائی دے گی۔

اس بار چیخ زیادہ تیز تھی۔

"بریکرز، آگے بریکرز ہیں۔" ایک بوڑھے کی آواز تھی جو بار بار سب کو خبردار کر رہی تھی۔

امجد کو تیسری مرتبہ مطلب سمجھ میں آیا اور پھر وہ بھاگنے لگا۔ وہ ایک شخص سے ٹکرایا جو عرشے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس نے فوراً سیڑھی لگالی۔ اُوپر نگرانی کرنے والے راجو کی حالت غیر تھی اُس نے امجد کو دیکھتے ہی ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

"بریکرز سر!" اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"کہاں؟" امجد گیلے عرشے... پر پھسلتے پھسلتے بچا۔

"سامنے۔" راجو نے گھبراہٹ بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "اسٹار بورڈ باؤز کے دونوں طرف، آپ پانی اور کھائی کے ٹکراؤ کی آواز سُن رہے ہیں نا؟"

امجد نے کالی رات میں جھانکا، بغور دیکھا اِس دوران راجو نے کئی بار وہی پکار بلند کی جسے سن کر امجد بھاگا ہوا آیا تھا۔ اب بے شمار لوگوں کی چیخ و پکار سُنائی دینے لگی تھی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ دوڑ کر جا رہے تھے۔ ان میں سے کئی گالیاں بھی بک رہے تھے۔ کھائی اور رکاوٹوں کی ماں بہن ایک کر رہے تھے۔ اور کئی ریلنگ کے قریب کھڑے ہوئے سمندر کو گھور رہے تھے۔

"کچھ نظر آیا؟" راجو نے پوچھا۔

"ہاں راجو!" امجد نے جواب دیا۔ "یہ کھائی اور کھاڑی، میرے خدا!" پھر نوکیلی کھائی پر نظر رکھتے ہوئے اُس نے سیکنڈ میٹ سلمان کو پکارا۔ "سلمان!"

"ہاں۔" عقبی عرشے سے سیکنڈ میٹ سلمان کی آواز آئی لیکن اگرچہ سلمان بہت زور سے بولا تھا تاہم ہوا کے دباؤ نے اُس کی آواز دھیمی کر دی تھی۔

"کیپٹن کو پیغام دے دو، ہمارے آگے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔" امجد اُس وقت تک کھڑا رہا جب تک اُس نے کیپٹن کے پیغام سے متعلق سلمان کی آواز نہ سُن لی اور پھر سامنے جالوں کی قطار کی طرف بڑھ گیا جہاں پانی قیامت مچا رہا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد کیپٹن سجاد اُوپر سلمان کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔ وہ کیونکہ اپنے روشن کمرے سے آیا تھا لہٰذا اس کی آنکھیں ابھی تک اندھیرے کی عادی نہیں ہوئی تھیں۔ خطرے کو دیکھنے میں کپتان کی اس تاخیر سے سلمان کو وحشت ہی نہیں بلکہ جھنجلاہٹ بھی ہو رہی تھی۔

اور پھر جب سجاد کی نظریں خطرے پر پڑیں تو وہ تقریباً ہل کر رہ گیا۔ "اُف... یہ تو بہت قریب ہے۔" اس کی آنکھوں ہی سے نہیں لہجے سے بھی خطرے کی شدّت کا احساس ہو رہا تھا پھر جہاز کے عقبی حصّے کی طرف دیکھے بغیر اُس نے عملے کو ہدایت دینے کے لیے چلّانا شروع کر دیا۔ "تیز چلاؤ۔" پھر امجد کی طرف پلٹا۔ "ریف!" پھر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "کمال ہے۔ کوئی وارننگ بھی نہیں ملی۔" یہ کہتا ہوا وہ اُوپر راجو تک پہنچ گیا جو ابھی تک اپنی جگہ ثابت قدم کھڑا ہوا تھا۔

سلمان نے کپتان کے احکام دوسروں تک پہنچائے لیکن جونہی پتوار گیر ماشو نے جُھک کر پتوار سنبھالے اُسے ایسا لگا جیسے پتوار ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہ صورتحال دیکھ کر سلمان خود دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے ماشو کو دھکا دے کر ایک طرف کیا اور خود پوری قوّت سے وھیل گھما دیا پھر وہ چند سیکنڈ تک خوف کے عالم میں انتظار کرتے رہے تب ہی سجاد کی گرجدار آواز سنائی دی۔ اُس کی آواز میں ایسا خوف تھا جیسے اُس نے اپنے لاڈلے اور پیارے جہاز کی تباہی سامنے دیکھ لی ہو۔

امجد بھی دل میں وسوسے محسوس کرنے لگا۔ وہ پھُرتیلے مگر مشینی انداز میں کیپٹن سجاد کے احکامات پر عمل کرنے لگا۔ ابتدائی چند لمحوں کی افراتفری کے بعد اب پری زادی میں نظم قائم ہو چکا تھا۔ ہر شخص اپنے کام میں جُت گیا لیکن جہاز اتنی تیزی سے پہاڑی سمندری کھائی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اب کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب پانی اُچھل اُچھل کر اندر جہاز پر آنے لگا تھا اور پھر ایسا لگنے لگا جیسے پری زادی کھاڑی کی طرف نہیں جا رہی بلکہ کھاڑی... تنگ کھاڑی خود اُس کی طرف لپک رہی ہے۔ شاید یہ پہاڑ کسی زلزلے کی زیر آب

تبدیلی کے باعث جہاز کے راستے میں نمودار ہوئی تھی اور اس کا کسی نقشہ میں ذکر نہ تھا۔

جہاز اب ہوا کے زور پر چل رہا تھا بلکہ ہوا کے رحم و کرم پر تھا۔

پھر مرگ نے پہلا بوسہ پری زادی کے ثبت کیا جہاز کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا کر بخار کے مارے مریض کی طرح کانپنے لگا۔ لوگ جان بچانے کے لیے بھاگنے لگے۔ بعض جیالے ریلنگ کے قریب آنے لگے تو امجد نے دھاڑ کر انہیں پیچھے ہٹا دیا "گرنے والے سامان سے سروں کو بچاؤ" اس نے دوسری ہدایت جاری کی۔

روشنی اور کم ہوگئی۔

ایک شخص گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دعائیں مانگنے لگا۔

کارپینٹر جمعہ دین نے زقند بھری اور اُس واحد لانچ میں پہنچ گیا جو دو ہفتے قبل کے خوفناک طوفان کے بعد بچی رہی تھی اُس نے پھرتی سے لانچ کے کور ہٹائے اور دوسروں کو ہدایتیں دینے لگا۔ لوگ اندھیرے میں بھاگتے ہوئے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔

اور پھر دوسری مرتبہ جہاز کو ایسا زوردار جھٹکا لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ بس یوں لگا جیسے پہیہ گریس پر پھسل گیا ہو۔ اب تک جمال نامی لڑکا بہت بہادری سے کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اسٹار بورڈ کی ریلنگ پر جمے ہوئے تھے۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ چاروں طرف پھیلے ہوئے پانی کو دیکھے چلا جا رہا تھا۔ لیکن اس دوسرے جھٹکے نے اس کی یہ کیفیت ختم کردی۔ اُس کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ بھاگ نکلا۔ وہ لوگوں کے درمیان دوڑنے لگا۔ امجد نے اُس کی چیخیں سُن لی تھیں لہٰذا جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچا، امجد نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا اور تسلی دینے لگا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نوکِ زبان سے ایک دو الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کیونکہ اسی لمحے پری زادی کسی چیز سے بہت زوردار آواز کے ساتھ ٹکرائی۔ ایک لمحے کے لیے امجد کو یوں لگا جیسے بس خاتمہ قریب ہے اور جہاز گہرے پانی میں بیٹھ جائے گا کیونکہ اب اُسے یہ بھی احساس نہ رہا تھا کہ گہرا پانی کہاں ہے اور اُتھلا پانی کہاں دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی کھاڑی کا پانی درجنوں فواروں کی طرح بلند ہوا اور اُس نے جہاز پر یلغار کردی۔ ریلنگ پر لبالب پانی کے سوا کچھ اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ ملاحوں کا سامان اُن کے ہاتھوں سے نکل کر پانی میں بہنے لگا تھا جبکہ وہ خود کو پانی کی بوچھاڑ سے بچانے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ پھر اچانک ہی جہاز بلند ہونے لگا اور بلند ہوتا چلا گیا۔ نیچے پانی کی قوت اور اٹھان انتہائی خطرناک ہوگئی تھی۔ وہ سب بے بسی سے چیخنے لگے تب ہی اچانک نیچے کی قوت کم ہوگئی اور جہاز زوردار آواز کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اب جہاز کی حرکت بھی ختم ہوگئی تھی۔

اس خوفناک دھچکے کے باعث امجد، جمال سمیت پورٹ کیٹ ہیڈ سے جا ٹکرایا۔ کیپٹن سجاد چرخی کے آہنی ٹکل سے ٹکرا گیا۔ راجو پانی میں تقریباً گر گیا تھا لیکن اُسے فوراً نکال لیا گیا۔ اب ہر طرف پانی اور اُس کے کھاڑی سے ٹکرانے کی غضبناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لوگ چلا رہے تھے۔ روشنی کی دعائیں کر رہے تھے۔ وہ سب کے سب چاروں طرف کی تباہی سے خوفزدہ ہو کر ایک جگہ کینوس کے نیچے جمع ہوگئے تھے۔ بڑھتی آنے والی لہر مزید تباہیاں لا رہی تھی۔ ہر جگہ سوراخ ہو چکے تھے۔ جگہ جگہ سے تختے ٹوٹ گئے تھے۔ کئی مقامات سے ضروری سامان نکل گیا تھا اور جہاز بری طرح کانپ رہا تھا۔

کیپٹن سجاد بمشکل گھٹنوں کے بل اٹھا اور چرخی سے ٹیک گیا۔ اُس کی پیشانی پر کوئی چیز لگنے کے باعث خون بہہ رہا تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر امجد جمال کو چھوڑ کر اُس کی طرف لپکا۔

"اپنے آدمیوں کا خیال رکھو، امجد..." سجاد نے کہا۔ "مجھے کچھ نہیں ہوا، چرخی سے سر ٹکرایا تھا اور بس۔ اور ہاں... لانچ... پتا نہیں کہ یہ صورتحال کب تک رہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بھی وقت پھسل کر گہرے پانی میں پہنچ جائے... خیال رکھو امجد... خیال رکھو..."

سجاد کی آواز ٹوٹتی ہوئی تھی۔

"بہت بہتر جناب" امجد نے فوراً کہا "جمال! تم کیپٹن سجاد کے ساتھ ٹھہرو"

"کیا تم زخمی ہو لڑکے؟" سجاد نے تاریکی میں جمال کی طرف دیکھا۔

"نہیں جناب، شکریہ" جمال کا دل اس ہمدردی پر بھر آیا۔

امجد جہاز کے عقبی حصے کی طرف بڑھا۔ راستے میں بے شمار چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ جہاز اگرچہ اب رکا ہوا تھا لیکن پھر بھی اُس کی تھرتھراہٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔ امجد وہ آوازیں بھی سُن رہا تھا جو کھاڑی میں ٹوٹتے ہوئے تختوں کے ٹکرانے کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھیں۔

www.taemeernews.com

"امجد!" اُس نے اپنے عقب میں کپتان کی تحکمانہ آواز سُنی "حاضری لو۔"

"بہت بہتر جناب" وہ عقبی حصّے میں ایک جگہ بلندی پر کھڑا ہو گیا۔

"سلمان"

"یس"

"کیا تم پچھلے حصّے میں ہو؟"

"یس"

"ماشو"

"حاضر جناب"

"اب میں ہر شخص کا نام پُکاروں گا" امجد نے جہاز کا اُوپر سے جائزہ لیا "نام سُن کر کچھ ضرور کہنا تاکہ تمہاری موجودگی کا علم ہو سکے"

"ٹھیک ہے جناب" کسی نے نیچے سے کہا۔

"تم کون ہو؟"

"علی شاہ"

"کیا تم زخمی ہو، علی شاہ؟"

"نہیں۔ بس معجزہ ہو گیا"

"شاندار حارث"

"یس مسٹر امجد" یہ حارث کی آواز ضرور تھی لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ بے حد خوفزدہ ہے امجد ایک لمحہ کے لیے یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید اس کی اپنی آواز میں بھی خوف بھرا ہوا ہو۔

"مشعال خان" اُس کی اس آواز پر کوئی جواب نہیں آیا۔ مشعال خان اسٹیورڈ تھا۔ امجد نے دوبارہ آواز لگائی "مشعال خان، بولو مشعال خان، آواز دو"

"وہ یہاں موجود ہے، جناب" کسی نے کہا "مگر سمت درست کرنے والے حصّے میں دبا ہوا ہے"

"اور یہ تمہاری آواز ہے، بابر؟"

"یس سر"

"کیا مشعال خان زخمی ہے؟"

"وہ جو دعائیں مانگ رہا ہے وہ میں سُن رہا ہوں جناب" بابر نے ان حالات میں بھی شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر اُسے باہر نکالو" امجد نے حکم دیا۔

"ہم کوشش کر رہے ہیں، جناب"

"تمہارے ساتھ کون ہے؟"

"پرویز"

"کوئی بابر اور پرویز تک جاکر مشعال خان کو نکالنے میں مدد کرے۔ حارث، شاباش، چلو تم جاؤ"

امجد نے نقل و حرکت دیکھی اور پھر سمندر کی خفیف سی روشنی میں اُسے وہ آگ نظر آنے لگی جو بُرج پر لگی تھی۔ وہ خود بھی نیچے جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اُنہوں نے مشعال خان کو نکال لیا۔ مشعال اپنا بایاں بازو تیزی سے رگڑ رہا تھا۔

"تم زیادہ زخمی تو نہیں ہوئے، مشعال خان؟" امجد نے پوچھا۔

"نہیں، خدا کا شکر ہے کہ زندہ بچ گیا"

"زیادہ خوش مت ہو، مشعال، میرے بھائی" بابر کی شوخ آواز آئی "ورنہ آدم خور مچھلیوں کا شکار بننے کے بعد پچھتاؤ گے"

"جمعہ دین" امجد نے زیر لب مُسکراتے ہوئے آواز دی۔

"ابھی تک زندہ ہوں" جمعہ دین بہت باتونی تھا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتا امجد نے راشد کا نام پکارا۔

"یس سر" یہ آواز خوفزدہ تھی۔

"کیا خوفزدہ ہو، راشد؟" ماشو نے حیرت سے پُکارا۔

"نہیں" راشد کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی "میں تو خوب مزے کر رہا ہوں بلکہ یہ سمجھ لو کہ تفریح کر رہا ہوں لعنت ہو اُس دن پر جب میں نے یہ جہاز دیکھا تھا"

اُسی لمحے بابر نے لقمہ دیا "لڑکے کی فکر کریں جناب وہ کہیں نظر نہیں آ رہا"

"جمال موجود ہے" امجد نے بابر کو تسلی دی "وہ کپتان کے ساتھ ہے" ساتھ ہی اُس نے وہاں دیکھا جہاں راشد کھڑا ہوا تھا۔ غالباً راشد کے اندر کا خوف دوسروں کو بھی متاثر کر سکتا تھا لہٰذا امجد نے چند ایسے جُملے کہنے کا فیصلہ کیا جو اپنی نوعیت سے دوسروں کو ہنسا سکتے تھے لیکن اس سے قبل ہی کپتان نے اُسے آواز دے لی "امجد، انور کو مت بھولو وہ اسہال کا شکار تھا۔ اُس کی خبر لو۔ خود جاؤ۔ وہ اندر تھا"

امجد فوراً ہی سیڑھی سے اُترنے لگا لیکن اُسی لمحے انور کی آواز سنائی دی "میں یہاں موجود ہوں"

"کہاں ہو؟"

"یہاں

www.taemeernews.com

"تم ٹھیک ہو؟"

"تقریباً" اُس کی آواز میں نقاہت تھی۔

"ٹھیک ہے، جہاں ہو وہیں رہو۔ جب تک میں نہ آجاؤں کہیں مت جانا" یہ کہہ کر اُس نے اور زیادہ اونچی آواز میں پکارا "شمیم" لیکن پھر خود ہی اُس کا دل بیٹھ گیا۔ اُس نے ہونٹ چبا ڈالے، وہ خود کو دل ہی دل میں کوسنے لگا۔ شمیم تو طوفان کی نذر ہوچکا تھا اور یہ منظر سب نے دیکھا تھا لیکن اُس نے شمیم کو پکار کر زخم ہرے کر دیے تھے۔ اُسی لیے جہاز بھی تھرتھرانے لگا۔ کچھ ایسا لگا جیسے شمیم بلوچ کی موت پر وہ بھی ماتم کر رہا ہو۔ ہر طرف خاموشی چھاگئی لیکن پھر چند لمحوں بعد انور کی ایک متجسس چیخ نے اس خاموشی کو توڑ دیا۔ اُس چیخ میں تجسس کے ساتھ ساتھ غصّہ اور حیرت بھی تھی "اُدھر، اُدھر دیکھو..." وہ چلّایا "دیکھو... صبح ہو رہی ہے"

وہ سب کے سب مشرق کی سمت میں دیکھنے لگے جہاں اُفق پر بہت ہلکی روشنی پیدا ہو چکی تھی۔ بحری زادی کے ملاحوں کے لیے یہ زندگی کی سب سے حسین صبح تھی جو اُن کانپتے ہوئے خوفزدہ۔ دلگیر اور اُداس لوگوں کو اُمید کی ایک نئی روشنی دکھا رہی تھی۔

انور مسلسل کچھ کہے جا رہا تھا "دن نکلنے والا ہے... لعنتی دن... تم بہت دیر سے نکل رہے ہو۔ اگر جلدی نکل آتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا"

پھر وہ سب خاموش کھڑے رہے۔ انور ہذیانی کیفیت میں تھا لہٰذا کپتان خود آگے بڑھا اور اُس نے انور کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا "یہ تم ہی ہو نا، انور؟" کپتان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"یس سر" انور ہذیانی کیفیت سے فوراً ہی نکل آیا۔ اُس نے امجد کو بھی دیکھا اور اُن دونوں کے عکس عرشے پر کھڑے ہوئے پانی میں جھلملاتے ہوئے نظر آنے لگے۔

"ہاں انور، تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم ابھی زندہ ہیں۔ ہماری طاقتور سانسیں ہمارے جسموں سے جدا نہیں ہوئی ہیں۔ ہم طوفانوں کے پالے ہیں اور طوفانوں سے سُرخرو ہو کر نکلنا ہمارا مقصد ہے" کپتان سجاد کی آواز اونچی ہونے لگی دراصل وہ سب ہی کو حوصلے کی تلقین کرنا چاہتا تھا "اس بحران سے بھی ہم ضرور نکل جائیں گے۔ لانچ موجود ہے اور ابھی تک جہاز سے بندھی ہوئی ہے۔ کیوں جمعہ دین! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"جی جناب، لانچ ابھی تک موجود ہے" جمعہ دین نے جواب دیا۔

"تب پھر ہم ختم نہیں ہوں گے" سجاد نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔ اُسے اپنی آواز بلند رکھنے اور جذبات پر قابو پانے میں بہت دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی آواز کی تھرتھراہٹ دوسرے بھی محسوس کریں "یاتہیں یاد نہیں بعض دوسرے ملاحوں نے اس سے بھی خوفناک بحرانوں پر قابو پایا ہے... اب..." وہ امجد کی طرف پلٹا "ہم اِس جہاز کو چھوڑ دیں گے۔ لانچ دیکھو لڑکو... سلمان!"

لیکن اس سے قبل کہ سلمان کچھ کہتا بابر چند قدم آگے آیا۔

"کیپٹن سجّاد! میں آپ کے لیے نیک تمناؤں اور خوشیوں کی دعا کرتا ہوں"

امجد کو تو یہی لگا جیسے بابر ہوش و حواس کھو چکا ہو لیکن بہر حال بابر کے چوڑے چہرے پر وہی شوخی تھی۔ اُس کی داڑھی بے ہنگم ضرور تھی لیکن آنکھوں میں کسی قسم کی دیوانگی نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر معاً ہی امجد سب کچھ سمجھ گیا۔ وہ کپتان کی طرف پلٹا جو اس طرح بابر کو دیکھ رہا تھا جیسے اُس نے اُسے بہت دکھ پہنچایا ہو "سر!" کسی ناخوشگوار صورتحال کو ٹالنے کے لیے امجد نے کہا "مجھے علم ہے کہ بابر نے یہ جملے کیوں کہے؟ آج سال نو کا پہلا دن ہے، جناب!"

امجد کی اس وضاحت پر کپتان سجّاد کے ماتھے کی سلوٹیں مٹ گئیں اور وہ زیرلب مسکرانے لگا "اوہ، شکریہ بابر... شکریہ۔ میں بھی تم سب لوگوں کے لیے حقیقی خوشیوں کی دعا کرتا ہوں۔ بات سال نو ہی کی نہیں نئی صدی کے آغاز کی بھی ہے۔ مبارک ہو۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ نئی صدی کا آغاز میرے ہاتھوں جہاز کی بربادی دیکھ رہا ہے"

یہ کہہ کر وہ امجد کی طرف پلٹا "اب ہمارے پاس مناسب وقت ہے، امجد! جہاز غالباً کافی دیر تک اسی طرح ساکت پڑا رہے گا۔ تیاریاں کرو۔ تمام لوگوں کو اطلاع کر دو"

امجد نے پُرتشویش نظروں سے کپتان کی طرف دیکھا۔

"تم میری فکر مت کرو، امجد! پیشانی کا یہ زخم بہت معمولی ہے۔ کچھ دیر بعد ٹھیک ہو جائے گا" جہاندیدہ کپتان اُس کی تشویش سمجھ گیا تھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ دونوں کی آنکھیں تھکی ہوئی اور بجھی ہوئی تھیں۔ امجد کچھ نہ بولا۔ کسی کپتان کے لیے جہاز چھوڑنا وطن چھوڑنے کے مترادف ہوتا ہے اس کا اُسے

www.taemeernews.com

بخوبی علم تھا لیکن وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں سجاد حسین کے ماتھے کی چوٹ آگے چل کر خطرناک نہ ہو جائے۔

نیا دن اس طرح طلوع ہوا جیسے کسی نے سورج کو رسیوں سے باندھ کر اوپر کھینچ لیا ہو انہیں علم تھا کہ سورج جلد ہی جہاز کے عین اوپر پہنچ کر آگ برسانے لگے گا۔

وہ لانچ پر سوار ہونے لگے۔ وہ بھاری دل کے ساتھ جہاز چھوڑ رہے تھے۔

نئی صدی کے پہلے دن نے سجاد حسین، امجد اور حارث کو ایک بہت چھوٹے سے ٹاپو پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ یہ ٹاپو کسی بڑے پتھر سے کچھ ہی زیادہ بڑا تھا۔ یہاں ناریل کے درخت تھے جو ہوا میں جھول رہے تھے یا پھر جلی ہوئی سوکھی گھاس تھی۔ اس ٹاپو کے قریب مغرب میں ایک بڑا جزیرہ نظر آرہا تھا۔ شمال میں ایک ساحلی جھیل تھی۔

وہ مسلح تھے۔ سجاد کی آنکھوں پر دوربین بھی لگی ہوئی تھی اور وہ دوسرے جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کے سر پر ہیٹ نہ تھا جس کی وجہ سے زخم پر جما ہوا خون صاف نظر آرہا تھا۔ سمندری ہوا کے باعث اس کے بھورے بال اڑ رہے تھے۔ وہ اچانک ہی دوربین ہٹا کر امجد کی طرف پلٹا۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے دھواں دیکھا ہے امجد!" اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"لائیے، میں دیکھوں۔" امجد نے دوربین لے لی۔ آنکھوں سے شیشے لگا لینے کے بعد اس نے پورے جزیرے کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ یہاں سرسبز ڈھلانیں بھی تھیں اور تاریک وادیاں بھی۔ امجد کا قد سجاد سے کچھ کم تھا لیکن سجاد کے برعکس وہ چوڑا اور طاقتور تھا۔ تیس سالہ اس شخص کی جلد سمندروں میں سفر کے باعث متاثر ہوئی تھی اور اس کی رنگت بدل گئی تھی۔ اس نے جہازوں کا سفر اس وقت اختیار کیا تھا جب وہ محض بچہ تھا۔ سجاد کی طرح وہ بھی پتلون پہنے ہوئے تھا لیکن سجاد نے ایک غیر ملکی موٹی قمیص بھی پہن رکھی تھی ساتھ ہی جیکٹ بھی تھی جس کے بٹن پیتل کے بنے ہوئے تھے جبکہ امجد ایک ہلکی سی قمیص میں تھا جس کی آستین اس نے چڑھا رکھی تھی۔ اس نے دوران سفر چین سے تنکوں کا جو ہیٹ خریدا تھا وہ اس وقت بھی اس کے سر پر تھا۔

دوربین سے دیکھتے ہوئے اس نے اندازہ لگایا کہ جزیرہ تین میل لمبا اور تقریباً ڈیڑھ میل چوڑا ہے۔ زمین کا بیشتر حصہ گھنی جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ جزیرہ کے مشرقی حصے میں گھاٹیاں ہیں۔ آبنائے بھی نظر آرہی ہیں جن میں سمندر دوڑ رہا ہے۔ اسی مقام پر درجنوں چھوٹے ٹاپو ابھرے ہوئے ہیں جو جھیل میں بھی نظر آرہے ہیں۔ چونے کے پتھر بھی نظر آرہے ہیں جن کو سمندری موجوں اور ہوا نے کاٹ کاٹ کر عجیب و غریب شکلیں دے دی ہیں۔

امجد کو علاقہ بظاہر بے آباد نظر آیا اور پہلی مرتبہ اسے بے بسی کا احساس ہوا۔

"اگرچہ وہاں زندگی کی کوئی علامت نہیں لیکن پھر بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا، سر۔" اس نے دوربین ہٹا کر کہا۔

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" سجاد نے کہا۔ "لیکن کیا تمہیں دھواں نظر نہیں آیا؟"

"نہیں جناب۔" امجد نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

"لیکن میں نے دیکھا تھا۔"

"میں آپ کی بات پر شبہ نہیں کر رہا ہوں جناب۔" امجد نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے اس انگریز ملاح کا واقعہ یاد آگیا ہے جو ایسے ہی جزائر میں بارہ، تیرہ سال تک گھومتا رہا۔"

"اور وہ آدم خوروں کا شکار ہوگیا تھا؟" سجاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں!"

"لیکن وہ تو یہاں سے دور مغرب کے واقعات بتاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہی وہ جزائر ہیں۔ نقشے پر فیجی کے قریب جن جزائر کی اس نے نشاندہی کی ہے وہ یہی ہیں۔"

"تب پھر تمہارا مقصد ہے کہ ہم یہاں سے نکل بھاگیں؟"

"میری تجویز یہی ہے۔"

"جہاز چھوڑنے اور لانچ کے ذریعے سفر کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد کیسے ہوگا؟"

"جہاز چھوڑنے سے پہلے ہمیں اس کے سوا اور کوئی محفوظ علاقہ تلاش کرنا ہوگا۔"

"اور وہ علاقہ کون بتائے گا؟" سجاد حسین کے لہجے سے اب چڑچڑاہٹ صاف ظاہر تھی۔

"آس پاس کوئی محفوظ علاقہ ضرور ہونا چاہئے جناب۔" امجد نے جواب دیا۔ "ہمیں یہ تو علم ہے کہ یہ جزائر یہاں سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ یہاں ایسے جزائر

www.taemeernews.com

ضرور ہوں گے جو انڈینز سے پاک ہوں گے۔ ہماری لانچ بہت مضبوط ہے اور اس میں پینے کا پانی بھی وافر مقدار میں موجود ہے لہٰذا ہم ایسے جزائر کی تلاش کر سکتے ہیں۔"

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ یہاں سے پورٹ جیکسن تک کا فاصلہ پانچ سو ناٹ سے زیادہ ہے؟"

"جی ہاں، مجھے اندازہ ہے۔"

"اور ان سمندروں میں آج کل طوفانی کیفیت ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" امجد نے بوڑھے زخمی کپتان کے لہجے کی سختی کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ "اب حال ہی میں ہم جس طوفان سے گزرے ہیں اُس کو تو کوئی بھی فراموش نہیں کر سکے گا لیکن پھر یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم کھاڑیوں میں پھنس گئے۔"

"جہازرانی کے شعبے میں ہم سے بھی زیادہ بدقسمت لوگ موجود ہیں، امجد۔" سجاد حسین نے چڑ کر کہا۔ "ذرا سوچو کہ اگر ہم کسی لانچ میں ہوتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا؟ پورٹ جیکسن تک کا سفر بہت خطرناک ہوگا اور پھر ... پھر سامنے والے جزیرے میں پانی بھی موجود ہے۔ زمین گیلی نظر آرہی ہے۔"

"جی ہاں، بظاہر ایسا لگ رہا ہے جیسے وہاں وافر مقدار میں پانی موجود ہے۔" امجد نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"ٹھیک، اور ہم جہاز کے عرشے سے اس ٹاپو تک اس لیے آئے ہیں کہ یہاں سے حالات کا جائزہ کر کے درست فیصلہ کریں۔" کپتان نے کہا۔ "اب دو راہیں ہیں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ لانچ کو ڈیک کردیں اور دوسرا یہ کہ ایسی کوئی جگہ تلاش کی جائے جہاں پانی کے اپنے ذخیرے کو کام میں لائے بغیر جہاز کی مرمت کی جا سکے۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ جہاں میٹھا پانی ہوگا وہاں انڈینز ضرور ہوں گے۔" امجد نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارے دشمن بن جائیں، وہ ہمارے دوست بھی بن سکتے ہیں اور ہمیں اُن سے بے اندازہ مدد مل سکتی ہے۔ وہ ہمیں کھانا پانی فراہم کریں گے اور پھر جب ہم روانہ ہوں گے تو ہمارے غذائی اور آبی ذخائر جُوں کے تُوں موجود ہوں گے۔"

"آپ نے دھوئیں کا ذکر کیا تھا نا؟" امجد نے پوچھا۔

"ہاں۔" سجاد حسین نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"تب پھر یہ یقین کر لیں کہ وہ جنگلی ہیں۔"

"لیکن اس منحوس جگہ پر قیام کا انتخاب میں نے تو نہیں کیا ہے۔" کپتان کو اب واقعی غصہ آنے لگا تھا۔ "خدانخواستہ اگر ہمارا جہاز ضائع ہو چکا ہوتا تو ہم بھی ڈوب چکے ہوتے یا پھر ڈبکیاں مار رہے ہوتے۔ اب کم از کم ہم زندہ تو ہیں۔ زیادہ تر لوگ زندہ ہیں۔"

اسی لمحے اُنہوں نے حارث کا ہنکارا سنا۔ وہ جزیرے کی طرف پیٹھ کر کے شمال میں اپنے جہاز کی سمت دیکھ رہا تھا۔ دُور سے یہ جہاز ایسا خوبصورت کھلونا دکھائی دے رہا تھا جسے کسی شریر اور ضدی بچے نے توڑ پھوڑ دیا ہو۔ اُس کی بُری حالت تھی۔ عرشے پر تباہی نظر آرہی تھی اور جہاز سے اُس کی زنجیریں، رسیاں اور ایسا ہی دوسرا سامان سمندر میں جھول رہا تھا۔ سمندر میں بھی جہاز کا سامان تیر رہا تھا۔ "جہاز حرکت کر رہا ہے کیپٹن!" حارث نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا اسی لمحے ایک طوفانی لہر نے جہاز پر ایک مرتبہ پھر چھاپہ مارا اور اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔ اس مرتبہ اسٹار بورڈ سفید جھاگوں میں چھپ گیا۔

"یہ زیادہ دیر تک اپنی جگہ پر قائم نہیں رہے گا۔" حارث نے اپنی رائے دی اور سجاد نے ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف رُخ کر لیا۔ وہ اپنے پیارے جہاز کو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

✦

یہ جہاز جس کا نام خود سجاد حسین نے پری زادی رکھا تھا اُس کی اپنی نظروں کے سامنے بنا تھا۔ اُس نے لکڑیوں کو کٹتے ہوئے اور پھر ان کٹی ہوئی لکڑیوں کو جہاز کی شکل اختیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جہاز سازی کے دوران اُس نے اپنی نیندیں اور دن کا آرام حرام کر لیا تھا۔ اب اُسی محبوب کا خاتمہ قریب تھا۔

سجاد حسین نے جانے کیا سوچ کر سر ہلایا۔ پھر امجد کی طرف دیکھا۔ "تمہیں میٹھے پانی کی حسرت کا تو احساس اور زیادہ ہو گیا ہوگا، امجد!"

"جی ہاں، لیکن ابھی ہمیں پانی کی ضرورت نہیں ہم لانچ پر کام کر سکتے ہیں۔ جب لانچ سمندر میں سفر کے قابل ہو جائے گی تو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیں گے جہاں نہ صرف خطرہ نہ ہو بلکہ پانی بھی دستیاب ہو۔"

"لیکن لانچ میں سفر کے دوران جنگلیوں کے حملے کا خطرہ تو رہے گا نا؟"

www.taemeernews.com

"ہم مسلح ہیں۔ بارود ہمارے پاس ہے، ہم اپنا دفاع کر سکیں گے۔"

"تمہارے پاس بظاہر ہر اعتراض کا جواب موجود ہے۔" امجد نے چڑ کر کہا۔ اس مرحلے پر امجد سمجھ گیا کہ کپتان اپنے طور پر کوئی فیصلہ کر چکا ہے اور یہ کہ اب وہ اس فیصلے کو کبھی نہیں بدلے گا۔ وہ سجاد حسین کی ہٹ سے واقف تھا۔ وہ خطروں سے کھیلنے والا اچھا کپتان ضرور تھا لیکن اس میں ضد کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ امجد اُس کے کارناموں کے بارے میں سوچتا رہا ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کپتان نے حارث سے کہا "ہم اپنے آدمیوں کے پاس واپس جا رہے ہیں، حارث! تم نگرانی کے لیے یہیں رہو۔"

حارث مستعد ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"اگر تمہیں جزیرے پر دُھواں نظر آئے تو اُن لوگوں پر کڑی نظر رکھنا جو گھومتے پھرتے ہوئے اِدھر آ نکلیں۔ ہر قسم کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسی کسی بھی بات کی فوری اطلاع دینا۔ چلو امجد!"

یہ کہہ کر وہ تودے سے اُتر گیا۔ امجد بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اُسے یہ حکم ماننا ہی تھا۔

حارث کی آنکھیں چھوٹی مگر بہت تیز تھیں۔ دونوں جب ٹاپو سے چلے گئے تو وہ ایک سایہ دار جگہ پر بیٹھ گیا تاکہ نگرانی کا کام بہتر طور پر کر سکے۔ اب سُورج بالکل اُوپر آ چکا تھا اور اُس کی روشنی میں صنوبر کے درخت بالکل سیدھے کھڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اُس نے ارادہ بدل دیا اور اُن درختوں کے نیچے بیٹھ گیا۔

جزیرہ اب جھیل سے اُٹھنے والی گرمی کے باعث تپ رہا تھا۔ جزیروں کے درمیان پانی ساکت اور روشنائی کی طرح نیلا نظر آ رہا تھا۔ پانی پر جگہ جگہ زیادہ گہرے نیلے دھبّے بھی نظر آ رہے تھے جبکہ جھیل کے کناروں پر پرندے شکار کر رہے تھے۔ وہ پانی میں غوطہ لگاتے اور پانی سے ابھرنے والی کسی چیز کو جھپٹ لیتے پھر پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے بلند ہو جاتے۔ حارث اس منظر میں گم سا ہو کر رہ گیا اور پھر اُسے اُس چینی ریشم کا خیال آنے لگا جو اُس نے اپنی بیوی عصمت کے لیے چین سے خریدا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس مرتبہ بچ نکلا اور عصمت تک پہنچ گیا تو وہ دُنیا کا سب سے خوش قسمت شخص ہوگا۔ اُسے یقین تھا کہ امجد کی یہ رائے درست ہے کہ یہاں آس پاس آدم خوروں کے جزیرے ہیں لیکن کپتان کے سامنے وہ امجد کی ہاں میں ہاں نہیں ملا سکتا تھا۔

اُس نے صنوبر کے ایک درخت سے ٹیک لگالی اور اُسی لمحے وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی نظر معاً ہی ایک ڈونگا نامی کشتی پر پڑی۔ وہ بہت زور سے چلّایا "کپتان! کشتی، انڈینز... جنگی کشتی... کپتا... آ... آ... ن۔"

سجاد اور امجد ابھی آدھے راستے پر ہی تھے کہ اُنھوں نے حارث کی پکار سُنی اور پلٹ کر ٹاپو کی طرف دوڑنے لگے۔ سب سے پہلے امجد ہی اُس تک پہنچا تھا۔ حارث نے کسی سوال کا انتظار کیے بغیر وضاحت شروع کر دی "میں یہاں..." اُس نے اُنگلی سے اشارہ کیا "بیٹھا ہوا تھا کہ اُس پر نظر پڑی... دیکھیں۔" اُس نے کشتی کی سمت اشارہ کیا۔

کشتی سبز پانیوں میں کھڑی ہوئی تھی جو جزیرے کے جنوبی سرے سے تیزی کے ساتھ مونگے کی پہاڑیوں کے درمیان بہہ رہا تھا۔ یہ ساٹھ فٹ لمبی کشتی تھی اس کے دونوں سرے ایک پلیٹ فارم سے منسلک تھے جس پر یقیناً لوگ بیٹھے ہوں گے اور ایک سرے پر بادبان لگا ہوا تھا۔

"اور جناب! دھواں بھی نظر آیا تھا۔" حارث کہتا رہا۔ امجد وہاں پہنچ چکا تھا "اُدھر، وادی میں سے۔ میرا خیال ہے کہ انڈینز ایک دوسرے کو پیغام دے رہے تھے۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ دُھویں کے ذریعے پیغامات کا تبادلہ کرتے ہیں۔"

امجد نے وادی کی طرف دیکھا "ممکن ہے کہ وہ کھانا پکا رہے ہوں۔" اُس نے حارث کی تردید براہِ راست نہ کی۔

"تب پھر وہ آدم خور ہیں جناب۔ کسی انسان کو پکا رہے ہوں گے۔" مارے خوف کے حارث چلّا اُٹھا "یہاں سے نکل چلیں جناب۔ ابھی موقع ہے۔" یہ کہہ کر وہ وحشت بھری نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"تمہارا کیا خیال ہے، امجد؟" سجاد حسین نے حارث سے نظریں ہٹا کر امجد سے پوچھا۔ امجد ٹیلی اسکوپ آنکھوں سے لگائے ہوئے تھا۔

"اس کشتی پر پچاس، ساٹھ انڈینز نظر آ رہے ہیں جناب۔" اُس نے انکشاف کیا "پوری طرح مسلح ہیں۔ یہ جنگی دستہ ہے۔ اِس کے سوا کچھ اور نہیں۔"

"تب پھر اُنھوں نے جہاز دیکھ لیا ہے۔" سجاد حسین کا لہجہ اِس بار دھیما تھا جبکہ حارث پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن دونوں

www.taemeernews.com

کو دیکھے جارہا تھا۔ کپتان نے دوربین خود لے لی۔

دُوربین، دُور کا منظر قریب لے آئی۔ سجّاد حسین نے بھی اُن مسلّح افراد کو دیکھا جو چاقوؤں اور خنجروں سے آراستہ تھے جبکہ کشتی کے عرشے پر ہتھیاروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کشتی کا بادبان کسی سخت اور بھوری چیز سے بنایا گیا تھا۔

"اِس کشتی کو چلانا بڑی مہارت کا متقاضی ہے امجد!" سجّاد حسین نے کہا۔

"جی ہاں، لیکن جب یہ اپنی پوری رفتار سے سمندر میں چلے گی تو شاید جہاز تک کو پیچھے چھوڑ جائے گی!"

"ہاں۔ ایک اور بات بہت واضح ہے کہ اس کشتی سے بچ کر لانچ میں بھاگنا ممکن نہیں!"

"ابھی اتنا وقت ہے کہ ہم یہاں سے لانچ میں نکل جائیں انہیں اپنی کشتی گہرے پانی میں لانے میں کافی وقت لگ جائے گا اور ہم اس مہلت سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں!"

"نہیں، اس کا مطلب حملے کو دعوت دینا ہوگا۔" سجّاد حسین نے ایک بار پھر امجد سے اتفاق نہیں کیا۔ "ہمیں پتا نہیں کہ اُن کے پاس کس قسم کے ہتھیار ہیں؟"

"اُن کے ہتھیار جہنم میں گئے!" امجد نے پہلی مرتبہ تلخ لہجے میں کہا۔ "ہماری بقاء اپنے وسائل کو استعمال کرنے میں ہے۔ لیکن اگر وہ لڑنے کے لیے یہاں پہنچ ہی گئے تو پھر ہمیں کوئی راہ نہیں ملے گی؟"

"اگر اُن سے لڑائی ہوئی تو ضروری نہیں کہ ہم ہار جائیں۔" سجّاد حسین نے کہا۔ "سمندر میں تو ہم انہیں ہرا سکتے ہیں!"

"خدا کے واسطے کیپٹن سجّاد!" امجد نے کچھ کہنا چاہا لیکن سجّاد حسین نے اُسے خاموش رہنے کو کہا۔ وہ کشتی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ چکا تھا لیکن امجد کو یقین تھا کہ وہ غلطی کر رہا ہے لیکن وہ اِس فیصلے کو تبدیل نہیں کرا سکتا تھا اُس کی نظریں کشتی پر تھیں اور امجد پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

اُسے یاد تھا کہ انگریز سیاح نے لکھا تھا کہ ان جزائر کے باسی جارح اور غیر دوستانہ انداز رکھتے ہیں!"

سجّاد حسین نے دُوربین ہٹا کر امجد کو دیکھا۔ "نہیں امجد!" اُس کا لہجہ فیصلہ کُن تھا۔ "ہم یہیں ٹھہریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے درمیان ہوں گے جو ہمیں مدد فراہم کر سکیں۔ پھر زیادہ کشش اس میٹھے پانی میں ہے جو جزیرہ پر موجود ہے!" یہ کہہ کر وہ حارث کی طرف پلٹا۔ "تم یہیں ٹھہرو لڑکے! جب یہ کشتی اِس مقام تک پہنچے..." اُس نے ہاتھ سے ایک راس کی طرف اشارہ کیا۔ "اِس جگہ تو بندوق سے ہوا میں فائر کر کے ہمیں خبردار کر دینا۔ خبردار! گولی ہوا میں چلانا ورنہ مسئلہ بن جائے گا!"

"بہت بہتر جناب!" حارث نے کہا۔ "کیا اِس کے بعد میں واپس چلا آؤں؟"

"بالکل!" سجّاد حسین نے جواب دیا۔ "کیونکہ اگر امجد کے خدشات درست نکلے تو پھر ہمیں ہر ہاتھ اور ہر بندوق کی ضرورت ہوگی!"

سجّاد حسین کا لہجہ ایسا ہی تھا کہ امجد کو غصّہ آنے لگا۔ وہ کپتان کو پسند اور اُس کا احترام کرتا تھا۔

"میں تمہیں ایک بات بتاؤں امجد!" کپتان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے دو طریقے نہیں ہوتے۔ تم یا تو غلط ہو سکتے ہو یا درست۔ اگر تم غلط ہو تو خود کو صحیح نہیں کہہ سکتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں غلطی پر نہیں ہوں۔ ویسے یہ ایک جُوا ہے جو کوئی بھی جیت سکتا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ اس جوئے میں تم میرے ساتھ ہو!"

"میں اپنے اشتعال پر معذرت خواہ ہوں جناب!" امجد کا لہجہ بہت نرم تھا۔

"نہیں، معذرت کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایسے لوگوں سے محبت ہے جو کھل کر بات کرتے ہیں۔ چلو، اب لڑکوں تک چلتے ہیں!"

امجد نے محسوس کیا کہ چلتے ہوئے کپتان کے پیر لڑکھڑا رہے ہیں۔

پری زادی کا عملہ جس مقام پر اُترا تھا اُسے تنگ ساحل کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہاں نصف چاند کی شکل میں ریت کی کھائیاں تھیں جبکہ اُوپر پہاڑی غاروں کے ساتھ ساتھ صنوبر اور ناریل کے درختوں کی قطاریں سی تھیں۔

جب وہ اُتر رہے تھے تو سجّاد حسین امجد کو اپنا پروگرام بتا رہا تھا اور امجد کو احساس تھا کہ اگر کسی منصوبہ میں کامیابی کی ذرا سی بھی توقع ہے تو وہ یہی منصوبہ ہے ویسے وہ اپنے طور پر ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ تاہم اِس صورتِحال پر اُسے اطمینان نہ تھا۔ اُسے گھر کی طرف سے فکر

www.taemeernews.com

نہ تھی۔ وہ بمبئی میں ایک چلتے اور پھلتے پھولتے کاروبار کا مالک تھا اور اُس نے دوسری جہاز راں کمپنیوں سے ملنے والی بہترین پیش کشوں کے باوجود سجّاد کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ خود سجّاد کو بھی اُس پر اندھا اعتماد تھا۔ سجّاد نے شادی نہیں کی تھی وہ دلّی میں اپنے والد کے مکان میں رہتا تھا۔

امجد کو اگر فکر تھی تو صرف اس نئے خوف کی جو یہاں اُترنے کے بعد اُس کی رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگا تھا۔

اُس نے سلمان کی طرف دیکھا۔ عملے میں بابر کے سوا کوئی بھی شخص سلمان کی طرح تنومند نہ تھا۔ دونوں کی بھرپور داڑھیاں تھیں لیکن فرق صرف یہ تھا کہ جہاں بابر سے ہر شخص محبّت کرتا تھا وہیں لوگ بالعموم سلمان کی تعریف نہیں کرتے تھے۔ وہ الگ تھلگ رہتا تھا۔ سلمان کے بارے میں سجاد کا خیال یہ تھا کہ وہ شیطان کی طرح خاموش رہتا ہے۔ اگر اُس کے سامنے عورت آجائے تو اس کی زبان قینچی کی طرح چل پڑے گی۔ ویسے اگر میری رائے چاہتے ہو تو وہ یہ ہے کہ میں اس شخص کو دشمن کی بجائے دوست بنا کر رکھنا پسند کروں گا۔

امجد نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ طوفان کے بعد سلمان اور زیادہ خاموش رہنے لگا ہے اُس نے خاموشی سے اپنا کام بہتر طریقے سے انجام دے کر سجّاد کی طرف سے شکریہ وصول کیا تھا خود امجد نے بھی اُس کے کام کی تعریف کی تھی۔

جمعہ دین کی آواز سُن کر امجد کی توجہ سلمان سے ہٹ گئی۔ اُس وقت سجّاد ایک ریشمی رومال سے پسینہ پُونچھ رہا تھا۔ اور اُس کی پیشانی سے تازہ خون نکل رہا تھا۔ "یہاں آپ کے لیے بہت زیادہ گرمی ہے، جناب" جمعہ دین نے کہا۔

"ہاں، گرمی تو ہوگی، جمعہ دین" سجّاد نے ایک ہولی سانس لے کر کہا۔ رومال جیب میں رکھ لیا اور عملے کے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ "ہم اس حقیقت سے لاتعلق نہیں رہ سکتے کہ ہم نے راستے میں ایک جنگی کشتی دیکھی ہے جس پر تیا س سے زیادہ جنگجو سوار ہیں۔"

اس اعلان پر تو تمین کے سوا کسی نے بے چینی کا اظہار نہیں کیا۔ مشعال خان غالباً اُن سب سے زیادہ خوفزدہ تھا سلمان نے جواب تک پانیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اپنا رُخ کپتان کی طرف کر لیا۔

"ہیں نے ایک منصوبہ بنایا ہے" سجّاد حسین نے کہا۔ "ہم یہیں اُس کشتی کا انتظار کریں گے" یہ کہہ کر اُس نے ردِّ عمل معلوم کرنے کی خاطر لوگوں کی طرف دیکھا۔ صرف مشعال خان کی آواز سنائی دی جو مشورہ دینے کی بجائے دُعائیں مانگ رہا تھا۔ "لیکن ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کشتی میں سوار لوگوں کا رویّہ کیا ہوگا" کپتان نے اپنی بات جاری رکھی۔ "وہ دوستانہ رویّہ بھی رکھ سکتے ہیں اور مزاحمانہ بھی۔ اگر اُن کا رویّہ دوستانہ ہوا تو ہمیں اُن سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔"

"ذرا خاموش تو رہو" راجو نے مشعال خان سے کہا۔ "تمہاری آواز کے باعث کپتان کی آواز صاف طور سے سُنائی نہیں دے رہی ہے۔"

اس طرح ٹوکے جانے پر مشعال خان کی آواز بند ہوگئی۔ لیکن امجد دیکھ رہا تھا کہ اُس کے ہونٹ برابر ہلے جا رہے ہیں۔

"اس پہاڑی پر دفاع کے مواقع بہت زیادہ ہیں" سجّاد حسین نے کہا۔ "میری دُعا ہے کہ ہمیں کسی لڑائی بھڑائی کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن بہ حال ہمیں اس کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"

"لانچ کا کیا ہوگا؟" سلمان نے خُشک لہجے میں پُوچھا۔

"میں بھی اسی طرف آ رہا تھا" کپتان نے جواب دیا۔ "ہم اُسے یہاں سے کہیں قریب لنگر انداز کر دیں گے۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر اُس تک پہنچ سکیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ویسے اگر لڑائی کی نوبت آ بھی جائے تو دماغ پر قابو رکھنا۔ ہمارے پاس اسلحہ اور بارود کی کمی نہیں لیکن اس کا بہت احتیاط سے استعمال کرنا ہوگا۔ گولی چلاؤ تو ہمیں مارنے کے لیے چلاؤ گے۔"

عملہ یہ تقریر بغور سُن رہا تھا۔

سجّاد حسین، سلمان کی طرف پلٹا۔ "ٹھیک ہے سلمان! اب تم لانچ کو لنگر انداز کرا دو۔ تمہیں تین افراد کی ضرورت ہوگی۔ اُسے ساحل سے اتنی دور لنگر انداز کرنا کہ ایک تار ساحل پر بھی رہے۔ اور ہاں امجد! تمہارے آدمیوں میں بہترین نشانہ باز کون ہے؟ بابر!"

"یس سر۔"

بابر مُسکرانے لگا۔ اُس کے سفید دانت چمکنے لگے۔ اس وقت امجد کو کسی بحری قزاق کی تصویر یاد آگئی لیکن وہ جانتا تھا کہ بابر بحری قزاق نہیں بلکہ بہترین ملّاح ہے۔ ٹھنڈے دماغ کا مالک ہے۔

"لیکن خیال رکھنا، بابر!" کپتان نے اُسے بغور دیکھا۔

www.taemeernews.com

"جب تک حکم نہ ملے فائرنگ نہ کرنا۔"

ویسے سرورِ بابر بہت خوش نظر آرہا تھا۔

"سلمان!" کپتان پھر پلٹا۔ "اسے علی شاہ کو دے دو۔ اور تم پرویز... تم بھی... علی شاہ! اگر لڑائی کا وقت آگیا تو احسان خطامت ہونے دینا۔ بابر بندوق دے تو اُسے صاف کر کے راستے سے ہٹ جانا تاکہ پرویز بندوق پھر بھر سکے۔" سجاد حسین نے پلٹ کر سلمان کو دیکھا۔ "اب تم جاؤ اور جیسے ہی لانچ کا انتظام کر دو واپس چلے آنا۔"

سلمان نے کچھ نہ کہا بس سمندر کی طرف بڑھ گیا۔ اب بابر، علی شاہ اور پرویز اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔

"یہ انور کہاں ہے؟" سجاد حسین نے پوچھا۔

"جھوٹی کھاڑی کے پاس، جناب۔" جمعہ دین نے جواب دیا۔ "میں نے اُس سے کہا کہ...۔"

"اور جمال؟"

"وہ انور کے ساتھ ہے۔"

"امجد! دونوں کو واپس بلاؤ۔ انہیں بھی کام سونپنا ہے۔"

امجد اسہال کے شکار انور تک پہنچا تو وہ ایک پہاڑی کے سائے میں لیٹا ہوا تھا اور اُس کی آنکھیں بند تھیں جب کہ جمال اُس کے سر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔

انور نے اُس کا سایہ محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں۔ "ارے... امجد صاحب..." اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔

"کیا حال ہے تمہارا؟"

"زیادہ بہتر نہیں لیکن میں چل پھر سکتا ہوں۔" انور نے جواب دیا۔

"گولی چلا سکتے ہو؟"

"پتا نہیں۔" اُس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"کیا لڑائی کا موقع آسکتا ہے جناب؟" جمال نے پوچھا۔

"ہاں، اسی سمت میں ایک جنگی کشتی آتی ہوئی دیکھی گئی ہے جس پر انڈینز سوار ہیں۔" امجد نے جواب دیا۔

"اللہ ہماری حفاظت کرے۔" انور نے کہا۔

"ہاں، لیکن ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتے۔" امجد نے جواب دیا۔ "کھڑے ہو جاؤ۔ ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں۔ چل سکتے ہو نا؟"

"جی ہاں۔ مگر یہ بادبان؟" انور کا اشارہ اُس بادبان کی طرف تھا جس کی دراصل وہ دیکھ بھال کر رہا تھا۔

"اوہ۔ ہاں۔ جمیل! تم جاؤ اور کپتان سے کہو کہ امجد، انور کو لے کر آرہا ہے لیکن بادبان لے جانے کے لیے دو آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔" یہ سُنتے ہی جمیل دوڑ گیا لیکن انور اب بھی نہیں اُٹھا۔

"کیا بات ہے، انور؟ تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟" امجد نے اُس کی آنکھیں پڑھ لیں۔

"جی ہاں۔ لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ کس طرح کہوں؟ یہ میرا مسئلہ نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی آپ لوگوں سے جُدا ہو جاؤں گا۔ اور میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہ علم ہو جائے کہ یہاں آپ کا ایک دشمن بھی ہے۔"

"تمہاری مراد سلمان سے ہے؟"

"جی ہاں۔" انور نے اپنی اُجاڑ آنکھیں امجد کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اس کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔

"کیا اُس نے کچھ کہا تھا؟"

"جی ہاں۔ شاید آپ کو وہ گفتگو یاد ہو جو جہاز چھوڑتے ہوئے آپ دونوں کے درمیان ہوئی تھی۔ اُس کے بعد اُس نے کہا تھا کہ اس قاتل کپتان اور اس کے نااہل ساتھی امجد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہمیں جنگلیوں کے سامنے ڈال دے۔"

"یہ کس نے سُنا تھا؟"

"جمال، بابر، علی شاہ اور شاید ماشو نے بھی۔"

"اور کچھ کہا تھا سلمان نے؟"

"نہیں پھر جب سلمان صاب چلا گیا تو بابر نے کہا کہ ایک ملاح کے لیے ایسی باتیں کرنا مناسب نہیں۔ لڑکے سلمان صاب کے خلاف ہیں۔ مرحوم شمیم کہتا تھا کہ جانے کیوں کسی نے ابھی تک سلمان صاب کو سمندر میں اُٹھا کر نہیں پھینک دیا لیکن میں بتاؤں جناب! سلمان صاب بہت سخت آدمی ہے۔ بہت سخت۔" یہ کہہ کر انور ہانپنے لگا کیونکہ نقاہت کے باوجود اتنی لمبی تقریر کرنے سے اُس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

"یہ بات تم اپنے تک رکھنا، انور۔" امجد نے اُس سے کہا۔

"میں یہ راز قبر تک ساتھ لے جاؤں گا جناب۔"

"نہیں، مرنے کی باتیں نہ کرو۔" امجد نے بڑی شفقت سے اُسے تسلی دی، "جب ہم پورٹ جیکسن پہنچیں گے تو تم ہمارے

www.taemeernews.com

ساتھ ہو گئے۔"

"آپ کی یہی باتیں زندگی کا حوصلہ دیتی ہیں۔" انور بے بس انداز میں مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں پورٹ جیکسن تک سانسوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکوں گا۔ میں تو ختم ہو چکا ہوں جناب! شمیم اور طارق کی طرح۔"

امجد، سلمان کی کہی ہوئی بات اور اُس کے مضمرات پر غور کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہی باتیں جہازیوں کی بغاوت کو جنم دیتی ہیں۔ سلمان سے اُس کی پہلے بھی مُنہ ماری ہو چکی تھی۔

جمیل، جمعہ دین اور راشد کے ساتھ دوڑتا ہوا واپس آیا تو امجد کو صرف یہ احساس تھا کہ سلمان اُس سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے۔

پھر جونہی حارث نے فائر کر کے انہیں خبردار کیا تو وہ ہوشیار ہو گئے، اس وقت سُورج سوا نیزے پر تھا اور پہاڑیوں کے پیچھے کروٹ لیتے ہوئے وہ سب پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔ یہاں خشک گھاس پر کیڑے مکوڑوں کی بہتات تھی۔ سجّاد اور امجد ایک ساتھ اور دوسرے لوگوں کے وسط میں تھے جو ڈھلان کے دونوں طرف پھیل گئے تھے۔ اُن کے عقب میں انور اور جمیل تھے۔ دونوں کے پاس پستول تھے۔ دوسری طرف سلمان اور ایک طرف راجو تھا۔

"جو میں نے کہا ہے اُس پر عمل کرنا لڑکے!" امجد نے جمیل سے کہا۔ "نیچے کی طرف گولی چلانا اور دستے کو زیادہ مضبوطی سے نہ پکڑنا ورنہ نشانہ خطا ہو جائے گا۔"

"بہت بہتر جناب!" جمیل پوری طرح سمجھ چکا تھا۔

"اور اُس وقت تک میرے ساتھ رہو جب تک میں تمہیں منع نہ کر دوں۔"

"بہت بہتر، جناب۔"

"خوفزدہ تو نہیں ہو لڑکے؟"

"ہرگز نہیں، بالکل نہیں۔"

"ہاں، گھبرانا مت جمیل۔ ہم جنگلیوں سے بھری ہوئی کسی بھی کشتی کا صفایا کر سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر امجد پلٹا تو سجّاد سر ہلا رہا تھا۔ امجد نے اُس سے کچھ کہنا چاہا مگر پھر سوچ کر صرف سر کی خیریت ہی پُوچھ کر رہ گیا۔

"ذرا سی غنودگی محسوس ہو رہی ہے اور بس۔" سجّاد نے جواب دیا۔ "بہت زور کی چوٹ لگی تھی۔ لیکن ایک بات تو بتاؤ۔ بابر بلا اجازت فائر تو نہیں کر دے گا؟"

بابر اور اُس کے ساتھی لانچ پر مورچہ بند تھے۔

"نہیں۔ اُس کے ساتھ پرویز بھی ہے اور دونوں ٹھنڈے دماغ کے آدمی ہیں۔"

"اُس کے پاس فاضل بندوق ہے؟"

"جی ہاں۔ چھوٹی توپ بھی ہے۔"

"اور باقی اسلحہ سلمان کے پاس ہے؟"

"بالکل۔ اُسی کے پاس ہے۔"

"اتنا اسلحہ مقابلے کے لیے کافی ہے۔" سجّاد نے کہا۔ "اگر حملہ ہوا تو ہم نہتے نہیں ہوں گے۔"

امجد نے کچھ نہیں کہا جبکہ سجّاد نے رومال سے ایک بار پھر پسینہ پونچھا۔ امجد کی نظریں لانچ پر جمی ہوئی تھیں اور وہاں بابر گن کے پیچھے بیٹھا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کی نظریں یقیناً اُس مقام پر تھیں جہاں سے جنگلیوں کی کشتی نمودار ہو سکتی تھی۔

امجد نے جمیل کو انور سے کچھ کہتے ہوئے سُنا اور پھر اچانک ہی اُسے احساس ہوا کہ اگر وہ پکڑے گئے تو جمیل کی موت کی ذمہ داری اُس پر عائد ہو گی کیونکہ اُسی نے جمیل کو جہاز پر ملاح کی حیثیت سے رکھا تھا۔

اچانک ہی جنگلیوں کی کشتی نمودار ہوئی تو وہ سب اپنی اپنی جگہ پر چوکس ہو کر بیٹھ گئے۔ ہتھیاروں پر ہاتھ پہنچ کر انگلیاں لبلبیوں پر جم گئیں۔ آنکھیں سُکڑ گئیں تاکہ تیز دُھوپ میں وہ کشتی کو واضح طور پر دیکھ سکیں۔ انہوں نے جنگلیوں کی لانچ کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے دیکھا، پھر اشارے شروع ہو گئے۔ جنگلی لانچ کی طرف اشارے کر کے پُرجوش انداز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ ہر سر لانچ کی طرف گھُوم گیا۔

لیکن اُسی لمحے کشتی ایک طرف بہہ گئی۔ پانی کا بہاؤ بہت زیادہ تھا۔ پھر اُس کے بادبان اُتر گئے۔ پتوار حرکت میں آ گئے اور دُھوپ میں چمکنے لگے ... اور لانچ پر ... بابر کے دانت چمکنے لگے وہ زبان اور دانتوں کی مدد سے سیٹی بجانے لگا۔

کشتی بہت آہستہ آہستہ مُڑی اور بابر نے گن کی نال کا رُخ اُس کی طرف کر لیا۔ "خاتون علی شاہ!" وہ اپنے مخصوص

انداز میں بولا۔ "ذرا دیکھو! اگر میں فائر کروں تو یہ جنگل کی آگ ثابت ہوگی۔"

٭

جنگلیوں کی جسامت دیکھ کر ان سب ہی کو حیرت ہوئی تھی۔ جنگلی تقریباً ننگے تھے انہوں نے بھورے کپڑے کی لنگوٹ باندھ رکھی تھی۔ کشتی کے وسط میں کئی ایسے افراد بیٹھے ہوئے تھے جو بظاہر سردار نظر آ رہے تھے۔ ان کی کمر تک وہ لنگوٹ نما کپڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ سب کے سب مختلف نوعیت کے نیکلس اور بازوبند پہنے ہوئے تھے۔ بعض نے اپنے جسم پر رنگ بھی کیا ہوا تھا اور کئی نے سبز پتے بازوؤں پر باندھے ہوئے تھے۔ بعض کا جسم راکھ ملنے کی وجہ سے بھورا ہو رہا تھا لیکن ان میں سب سے انوکھی بات ان کے بالوں کا انداز تھا۔ ان میں بیشتر کے بال وگوں سے بھی زیادہ گھنے اور سخت نظر آ رہے تھے۔ جو گنجے تھے ان کی چندیا بھی چمک رہی تھی۔

ان لوگوں میں عجیب سی شقاوت کی جھلک تھی۔ وہ پوری طرح مسلح تھے۔ کشتی کے عرشے پر ہتھیاروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ان ہتھیاروں میں اکثریت چاقوؤں اور خنجروں کی تھی جو منقش تھے ایک طرف بھالوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا تو دوسری طرف نیزوں اور تیروں کی کھیپ پڑی ہوئی تھی۔

سرداروں سے ذرا ہٹ کر ایک ایسا شخص بھی بیٹھا ہوا تھا جس کی خدمت سب تعظیم کر رہے تھے بلکہ جو زیادہ سجا بنا ہوا بھی تھا۔ ایک اور نوجوان کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل تھی جو جنگجوؤں کے گھیرے میں آگے کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت چاقو نظر آ رہا تھا۔

ملاح یہ سب کچھ دیکھ کر حیرت زدہ بھی تھے اور ہوشیار بھی۔ امجد نے سجاد کی طرف دیکھا مگر کپتان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہ تھے۔ امجد کو علم تھا کہ کپتان نے اگر اس وقت عملے کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی تو یہ کوشش لاحاصل ہوگی کیونکہ کپتان کا بھی اس کے لفظوں کا [illegible] نہیں ہوگا۔

کشتی اب بغیر کسی کوشش کے چل رہی تھی اور [illegible] سے زیادہ چپو ٹیک رہے تھے۔ جنگلیوں کی نظریں لانچ پر تھیں اور وہ ہتھیار لہرا رہے تھے۔

"ممکن ہے کہ یہ لوگ لانچ میں ہی زیادہ دلچسپی لیں۔ امجد!" سجاد نے کہا۔ ساتھ ہی سر کو بھی جنبش دی تاکہ کشتی نظروں کے سامنے رہے۔

"اگر ان کی نظریں ہم پر نہ پڑیں تو ان کی ساری توجہ اور دلچسپی لانچ تک محدود رہے گی جناب۔" امجد نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن اس ماحول میں ہم کو ٹھنڈے دماغ سے کام لینا ہوگا۔" سجاد کو زیادہ فکر یہ تھی کہ [illegible] فائر نہ کر دے۔ "اور ہاں میں نے بھی راشد کی سرگوشی سنی تھی کہ دوسرے بھی یہی سوچتے ہیں کہ ہم مقابلہ کا آغاز خود کریں گے۔"

"جی ہاں۔"

"مسلمان بھی۔۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی یہی سوچتا ہے۔" امجد کے اس جواب پر سجاد نے [illegible]

کشتی جلد ہی کھاڑی میں پہنچ گئی اور [illegible] کے ساتھ [illegible] امجد نے [illegible] ہوئے دیکھا کیونکہ کشتی اب تھوڑی دور سے [illegible] پہنچ گئی تھی۔

"[illegible] سرگوشی [illegible] سرگوشی [illegible] نہیں سکتی تھی۔

"[illegible] سوچ [illegible] امجد نے [illegible] دیکھ [illegible] کام [illegible]

"[illegible] امجد [illegible] سجاد [illegible] ان کی نظریں [illegible] ہو [illegible] پہلے [illegible] فائر [illegible] وقت تک فائر [illegible] آئے تو ذرا بھی نہ جھجکنا۔"

امجد نے سجاد کی طرف دیکھا [illegible] بہت [illegible] با [illegible] امجد [illegible] سجاد [illegible] کھڑا ہوا تھا [illegible] درخت کا سہارا لینا پڑا [illegible] درخت پر [illegible] امجد نے

www.taemeernews.com

اُس کی آنکھیں بند ہوتی ہوئی دیکھیں۔

"کیا ہوا جناب؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" امجد نے گھبرا کر پوچھا لیکن لہجہ پست ہی رکھا تاکہ دُوسرے کپتان کی کیفیت نہ سمجھ سکیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔" سجاد نے بمشکل کہا۔ "بس سر میں چکر آگیا تھا۔ میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"کیا اب بھی درد ہو رہا ہے؟"

"بہت زیادہ۔ لیکن ختم ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر سجاد نے درختوں کے اُس پار کشتی کو دیکھا۔

"تب پھر آپ مجھے جانے دیں۔ آپ کی جگہ میں چلا جاتا ہوں۔" امجد نے پیش کش کی۔

"نہیں۔ نہیں۔" سجاد نے تیزی سے کہا۔ "یہ کام میرا ہے، تمہارا نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا لیکن اُس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ اب بھی درخت کا سہارا لیے ہوئے تھا۔ "میرا خیال ہے کہ اتنی تیز دھوپ کی وجہ سے درد ہوا ہے۔ بہت تیز دُھوپ ہے۔"

امجد نے بغور دیکھا۔ دُھوپ پہلے جیسی ہی تھی اور اُس کی شدّت میں قطعی کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔

"بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے جانے دیں۔"

"ہرگز نہیں۔" سجاد کی آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں۔ اور چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ "لگتا ہے کہ مغز پر کوئی ضربیں مار رہا ہے۔ عجیب سی کیفیت ہے لیکن تم فکر نہ کرو، امجد! ہیج بورن وہارف کی بھی فکر نہ کرو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ سے آنکھوں کے سامنے چھجا سا بنا لیا۔ "اولیور ڈوک کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"ہیج بورن وہارف۔" امجد سُن ہو گیا۔

"تمہیں شیخ افضل تو یاد ہو گا۔ بمبئی کی سڑکوں پر گھومتا ہے شراب پی کر۔ ایک بار ایک سلاخ سے کام کر رہا تھا کہ پُوری سلاخ اُس کے جسم میں اُتر گئی۔"

امجد پُوری طرح بوکھلا گیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں کوئی کپتان کی یہ ہذیانی باتیں سُن تو نہیں رہا۔ راشد اور جمال نے یہ باتیں سُن لی تھیں اور وہ منہ۔ اٹھائے انہیں گھُور رہے تھے۔ ماشو اُن کے قریب تھا لیکن اُس نے کچھ نہیں سُنا تھا۔ اُس کی نظریں تو کشتی پر جمی ہوئی تھیں۔ پسینہ اُس کے جسم پر نالیوں کی طرح بہہ رہا تھا۔

"امجد!" سجاد حسین نے سر سیدھا کرنے کی کوشش کی۔ "اب میں جا رہا ہوں۔ جلد معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے سختی سے اپنی آنکھیں بند کیں۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "یہ بہت ہوشیاری کا کھیل ہے امجد! کیپٹن بانڈ دیج . . . کیپٹن واٹ اور اب میں۔"

"خدا کے واسطے جناب، آپ مجھے جانے دیں۔ میں آپ سے کم عمر ہوں۔ آپ نہ جائیں۔"

"تم میری جگہ لو گے؟" سجاد حسین نے بڑی حقارت سے کہا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" امجد نے فوراً وضاحت پیش کی۔

"ہونا بھی نہیں چاہیئے۔" سجاد نے جھوم کر کہا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں مر جاؤں۔"

"ہرگز نہیں۔" امجد اب گھبرا چکا تھا۔ "بات صرف یہ ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ سر کی چوٹ آپ کو پریشان کر رہی ہے۔"

"ہاں . . . میرے . . . سر . . . پر چوٹ لگی تھی۔" سجاد کا لہجہ اب تاڑی پیئے ہوئے ملاح کی طرح ہو گیا تھا۔

"بس . . . اب . . . میں چلا۔" سجاد حسین نے اچانک کہا۔ ایک قدم آگے بڑھایا۔ اُس کا مُنہ فوراً ہی کھُل گیا۔ اُس نے ایک لمبی سانس لی اور پھر مُنہ بھر کر اُلٹی کر دی۔

کشتی اب لانچ کے قریب پہنچنے لگی تھی۔ اُسی لمحے سلمان اُن کی طرف دوڑتا ہوا آیا۔

"کیا ہوا؟" اُس نے سجاد کو دیکھتے ہوئے امجد سے پُوچھا۔

"کپتان بیمار ہے۔" امجد نے جواب دیا مگر اُسی لمحہ سجاد ایک بار پھر کوشش کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کی نظریں سلمان پر تھیں۔ "میں اب ٹھیک ہوں۔ شکریہ سلمان۔" اُس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ کھایا تھا اُس میں خرابی تھی لیکن تمہیں اپنی جگہ چھوڑ کر نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"آپ تو پیلے پڑ گئے ہیں جناب۔" سلمان نے اُس کی بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" سجاد نے رومال سے مُنہ

www.taemeernews.com

پوچھتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔
"میرا خیال ہے کہ جنگلیوں کی طرف آپ نہ جائیں، مجھے جانے دیں" امجد نے ایک بار پھر پیش کش کی۔
"جی ہاں۔ یا مجھے جانے کی اجازت دیں" سلمان نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ "اگر آپ علیل ہیں تو آپ کو وہاں جانا نہیں چاہیئے۔"
"میں نے کہا نا۔۔۔ کہ میں جاؤں گا" یہ کہتے ہوئے سجاد درختوں کی آڑ سے نکل کر آگے بڑھنے لگا۔
"آپ کی بندوق، جناب" سلمان نے زمین پر پڑی ہوئی بندوق اٹھا کر اُس کو دی۔ "شاید آپ کو اِس کی ضرورت پڑ جائے۔"
"اوہ۔ ہاں، یقیناً" سجاد نے بندوق ہاتھ میں لے لی اور پھر اچانک ہی سُرخ سُرخ آنکھوں سے اُن دونوں کی طرف دیکھ کر بولا "صرف ضرورت پڑنے پر فائر کرنا اور جب تک میں پن چکی کے قریب سے نہ گزر جاؤں فائر ہرگز نہیں کرنا" یہ کہہ کر اُس نے دوبارہ قدم اُٹھائے۔
"میرے خدا!" سلمان حیرت زدہ رہ گیا۔ "یہاں تو کوئی پن چکی نہیں۔ کپتان شاید پاگل ہو گیا ہے۔"
"نہیں۔ بس سر پر چوٹ لگی ہے" امجد کا انداز مدافعانہ تھا۔ "شاید اسی باعث ایسی باتیں کر رہا ہے۔"
کشتی اب بھی لانچ کی طرف دوڑ رہی تھی لیکن جنگلیوں نے سجاد کو دیکھ لیا تھا اور اب اُن کی نظریں لانچ کی بجائے اِس یکہ و تنہا شخص پر تھیں جو انہیں اچانک ہی ساحل پر نظر آیا تھا۔
"بہتر یہ ہو گا کہ تم اپنی جگہ واپس چلے جاؤ، سلمان!" امجد نے کہا اور اُس کی ہدایت پر سلمان چند لمحوں تک پیچ و تاب کھاتا رہا پھر منکارا بھر کر چلا گیا۔
سجاد کی حکمتِ عملی درست نکلی کیونکہ اُسے دیکھتے ہی کشتی کا رُخ بدلنے لگا تھا۔ امجد نے کشتی پر سردار کو ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ پتوار چلانے والوں سے کچھ کہہ رہا تھا اُس کے فوراً بعد ہی کشتی کا رُخ بدلنے لگا۔
"نشانہ لے کر چوکس بیٹھے رہو" امجد نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔
اب سجاد بندوق ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے قدم بڑھا رہا تھا۔ وہ ساحل پر کافی دُور چلا گیا تھا۔ اس نے یہ ہوشیاری کی تھی کہ وہ بابر کے نشانے کی راہ میں نہیں آیا تھا۔ پھر اُسے کشتی پر موجود افراد کی باتوں کی آواز آنے لگی وہ کوئی اجنبی زبان بول رہے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ اُس کی حکمتِ عملی کامیاب ہو رہی ہے۔
مشعال خان، سلمان کے قریب تھا اور اب وہ باآوازِ بلند دعا میں مگن رہا تھا۔ سلمان نے جو امجد کے حکم پر پہلے ہی پیچ و تاب کھا رہا تھا اپنی ساری جھلاہٹ مشعال خان پر اتار دی "خاموش بیٹھے رہو بزدل آدمی۔ بندوق سنبھالو۔"
مشعال خان نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بندوق اُٹھالی۔
کشتی جونہی ساحل کے قریب پہنچی، امجد نے سجاد کا جسم اکڑتے ہوئے دیکھا۔ پھر کشتی ساحل سے لگ گئی۔ کئی افراد کشتی سے کُود دے اور انہوں نے کشتی کو مزید آگے کھینچ لیا جبکہ باقی پانی میں کُود کر کھڑے ہو گئے۔ جب اُن سب نے پوزیشن سنبھال لی تو سردار اُٹھا۔ اُس کے ہاتھ میں عجیب سی ساخت کا خنجر تھا۔ وہ بہت موٹا آدمی تھا اور اُس نے سایہ نما اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ چار افراد تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے سردار کو اُٹھالیا پھر انہوں نے موٹے سردار کو بڑی احتیاط سے ساحل پر رکھنے کے انداز میں اُتار دیا۔
پہاڑی پر موجود ملاحوں کو اب پسینہ آچکا تھا اور خود امجد بھی بندوق سے ہاتھ اُٹھا کر بار بار اپنی ہتھیلیاں صاف کر رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر پسینہ صاف کر کے نشانہ لیا۔ اُس نے سردار کے سینے کا نشانہ لیا تھا۔
قبیلے کے جنگلی اپنے سردار کے پیچھے ساحل پر پہنچ گئے۔ بیشتر ابھی تک پانی میں چل رہے تھے۔ مگر اب سجاد اور سردار کے درمیان بمشکل بیس قدموں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ سردار کے عقب میں اُس کے آدمیوں نے نصف دائرے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اُن کے چکنے اور سیاہ چہرے چمک رہے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے اور اُن کے سفید دانتوں کی چمک امجد تک پہنچ رہی تھی۔ سردار اور نصف دائرے کے درمیان وہ نوجوان کھڑا ہو گیا جس کو امجد نے کشتی میں دیکھا تھا۔
اس وقت امجد چاہتا تھا کہ فائرنگ شروع کرا دے اس طرح معاملہ یہیں ختم ہو سکتا تھا لیکن اُس کو بہرحال سجاد کے حکم کی پابندی کرنی تھی لہٰذا لبلبی پر اُس کی اُنگلی حرکت میں نہیں آئی۔

www.taemeernews.com

اُدھر سجّاد حسین بھی اپنے دل کی دھڑکنوں کی آواز سن رہا تھا۔ سُورج کی چمک اُس کے دماغ تک میں اُتری جارہی تھی اور اُسے ایک بار پھر متلی کا احساس ہونے لگا تھا۔

جنگلی سجّاد کو دیکھتے رہے اُن کے چاقو قدرے بلند ہو گئے، کمانوں میں تیر چڑھا لیے گئے۔ اُن کے نزدیک اگر یہ شخص دیوتا ثابت ہوجاتا تو انہیں حیرت نہ ہوتی اگر شیطان نکلتا تب بھی اچھا نہیں ہوتا۔

سجّاد کو ان نیم مسلح افراد کے کردار کا علم نہ تھا نہ ہی اُسے یہ اندازہ تھا کہ انہوں نے خنجر اور چاقو اس انداز میں کس وجہ سے بلند کیے ہیں لیکن اُس کی چھٹی حس کام کر رہی تھی۔ اُس نے سردار کو اپنا وزن ایک پَیر سے دوسرے پیر پر منتقل کرتے ہوئے دیکھا تو خود پہل کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ساتھ ہی جیب سے سگار کیس نکال لیا جو اُسے انگلینڈ میں کسی نے تحفے میں دیا تھا۔ وہ سگار کیس کھول کر مزید آگے بڑھا اور اُسے سردار کے سامنے کردیا۔ سردار نے خنجر تیزی سے اُوپر اُٹھایا لیکن سجاد کے کانپتے ہاتھ دیکھ کر وہ پُرسکون ہوگیا۔ اُسے پہلی بار اندازہ ہوا کہ اس اجنبی کے پاس ایک ڈنڈے کے سوا کچھ اور نہیں۔ لیکن پھر بھی وہ سگار کیس لینے سے ہچکچاتا رہا۔ اُس نے سجاد اور پھر سگار کیس کو دیکھا اور اس کے بعد ایک بار پھر سجّاد کو گھُورا۔ سجّاد سمجھ گیا کہ سردار کیس لینے کا متمنّی ہے لہٰذا اُس نے ہاتھ مزید آگے بڑھا دیے۔ پھر بہت آہستہ آہستہ سردار کا خالی ہاتھ آگے بڑھا۔ اُس نے سگار کیس لے لیا۔

امجد نے دیکھا کہ سردار نے سگار کیس کا معائنہ کرنے کے لیے سر کافی جھکا لیا ہے۔ کیس دھوپ کی وجہ سے چمک رہا تھا اور اُس کا عکس سردار کے چہرے پر بھی نظر آرہا تھا۔ اُس کے بعد جب سردار نے سر اُٹھایا تو اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اُس نے سجّاد سے نظریں ہٹائے بغیر اپنے لوگوں سے کچھ کہا جو ایک لمحہ توقّف کے بعد آگے بڑھے اور انہوں نے سجاد کو گھیر لیا۔ اب وہ غالباً خوشی سے چِلّا رہے تھے۔ اُچھل اُچھل کر سجّاد کے گرد ناچ رہے تھے اور بعض اُس کا لباس بھی چھُو کر دیکھ رہے تھے۔

یہ صورتحال دیکھ کر پہاڑی پر موجود ملّاح بھی سکُوت کی سانس لینے لگے۔ کشیدگی معاً ہی اُن کی پُور پور سے نکل گئی۔ امجد لاشعوری طور پر مُسکرانے لگا۔ بندوق پر اُس کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ بابر اپنے مورچے سے ہٹ گیا۔ اُس نے علی شاہ اور بہروز سے کہا: "لگتا ہے کہ ہم تفریح کے لیے یہاں آئے ہیں؟"

سجّاد کانپ رہا تھا لیکن اُس نے جنگلیوں کے اس ہجوم میں سے امجد کو آواز دی: "اپنے لوگوں کو واپس بُلا لو، امجد!" اُس کے لہجے میں بڑا غرور تھا: "میں نے کہا تھا نا کہ یہ لوگ میری حکمتِ عملی کا شکار ہو جائیں گے!"

امجد بھی مُسکرانے لگا۔ اُسے خوشی تھی کہ اُس کے کپتان کی ترکیب کامیاب رہی۔ وہ بڑے فخریہ انداز میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر سلمان تک گیا: "چلو۔ ہم دونوں اپنے آدمیوں کی قیادت کریں گے۔" اُس نے کہا پھر وہ ملّاحوں کی طرف پلٹا: "چلو، لڑکو! حالات ٹھیک ہیں!"

وہ جونہی ساحل پر پہنچے تو انہیں بھی گھیر لیا گیا۔ جنگلی انہیں سونگھنے بھی لگے۔ انہوں نے بہت سوں کی ٹوپیاں کھینچ لیں۔ سلمان کی داڑھی کو ایک آدمی چھیڑنے لگا۔ کئی ملّاحوں کی چرمی بیلٹ کو کھینچ کھینچ کر دیکھنے لگے۔ وہ چیخ وپکار بھی کر رہے تھے۔ امجد نے معاً ہی یہ دیکھا کہ جنگلیوں میں سے کئی کی پُوری انگلیاں نہیں۔ بیشتر کی چھوٹی انگلیاں غائب تھیں۔ بعض دو دو انگلیوں سے محروم تھے ان کے جسموں پر زخموں کے نشانات نظر آرہے تھے اور اُن سے ایک تیز مگر خوشگوار بُو آرہی تھی۔

سردار کی نظریں ابھی تک سگار کیس پر تھیں۔ وہ ریت پر بیٹھ کر سگار کیس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ امجد نے دیکھا کہ اس کے بیٹھتے ہی باقی جنگلی اُس سے قدرے دُور ہو گئے۔ شاید یہ بھی احترام کا کوئی انداز تھا۔ سجّاد بھی اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ اب جنگلی سردار کا چاقو اُن دونوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ امجد یہ دیکھ کر قدرے پریشان ہوگیا کہ چاقو کو انسانی دانتوں کی قطاروں سے سجایا گیا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اس چاقو کو سجانے کے لیے کتنے آدمی مارے گئے ہوں گے۔

سگار کیس کو یونہی الٹتے پلٹتے ہوئے اُس کا ہاتھ اوپنر پر پڑا اور کیس ایک جھٹکے سے کھُل گیا۔ جنگلی سردار نے خوف زدہ ہو کر چیخ مارتے ہوئے اپنا چاقو اُٹھا لیا لیکن سجّاد نے فوراً ہی کیس لے کر اُس کے بے ضرر ہونے کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے ایک سگار نکال کر سُلگا لیا۔ اب سردار اُسے حیرت

www.taemeernews.com

سے دیکھ رہا تھا۔ اسی حیرت کے باعث وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ اُسے سجّاد کے مُنہ سے دھواں نکلتے دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔

دھویں کا غبار دیکھتے ہی جنگلیوں میں ہلچل مچ گئی لیکن بعض جو زیادہ بہادر اور متجسّس تھے اس کے قریب آ گئے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر ملّاح بے ساختہ طور پر ہنسنے لگے۔

تب ہی جنگلیوں کو احساس ہوا کہ نو وارد یقیناً دیوتا ہیں کیونکہ صرف دیوتا ہی آگ کھا سکتا ہے۔ ایک گھنٹے تک یہی دوستانہ کیفیت برقرار رہی لیکن پھر جمال کی وجہ سے ہنگامے نے جنم لیا۔

جمیل بھی تجسّس کا مرکز تھا جنگلی اُسے کھینچ رہے تھے دھکّا دے رہے تھے اور کھیل رہے تھے۔ جمیل بھی اس صورتحال سے لطف اندوز ہو رہا تھا لیکن جب ایک عظیم الجثّہ جنگلی نے اُس کی قمیص اُتارنے کی کوشش کی تو وہ جھلّا اُٹھا راجو نے اُن لوگوں کی توجّہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے تمباکو چبانے کا مظاہرہ شروع کر دیا اور تھوڑا سا تمباکو اُس جنگلی کو بھی دیا جس نے جمیل کو چھوڑ دیا لیکن تمباکو اُس کے مُنہ کو کاٹ گیا جس پر اُس نے تمباکو تھوک دیا لیکن ایک اور جنگلی اُسے اُٹھا کر چبانے لگا۔ اب جمیل دُور کھڑا ہوا اپنی قمیص پتلون میں ڈالتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ اسی لمحے کسی نے اس کے چاقو پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر چیخ اٹھا اور اُس نے اپنا چاقو دبوچ لیا۔ لیکن وہ جنگلی دھینگا مشتی پر اُتر آیا جو چاقو لینا چاہتا تھا۔ جمیل نے اُس کے بازو پر مُکّا مارا اس ضرب کا اُس شخص پر کوئی اثر نہیں ہوا لیکن اُس کی چیخ نے امجد کو ہوشیار کر دیا اور امجد کا ہاتھ پستول پر پہنچ گیا۔ جنگلی امجد کا ردِّ عمل اور ملّاحوں کی چیخ وپکار سُن کر ایک قدم پیچھے ہٹا اور پھر اُس نے اپنے چاقو سے جمیل پر حملہ کر دیا۔ جمیل خطرہ محسوس کرتے ہی اپنی جگہ سے اُچھلا ساتھ ہی امجد نے اُسے کھینچ کر اپنے عقب میں کر لیا حملہ آور کو وار خالی جانے کے باعث جھٹکا سا لگا اور وہ اپنے ہی جھونک میں امجد کے سامنے گھٹنوں کے بل گر گیا۔ اب وہ امجد کے پستول کی نال میں جھانک رہا تھا۔

یہ صُورتِ حال خطرناک تھی لہٰذہ سجّاد اپنی جگہ سے اُٹھا۔ جنگلی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ بس لبلبی دبانے کی دیر ہے اور اُس کا چہرہ بارُود سے اُڑ جائے گا۔ اُس کے چہرے پر خوفناک سی مُسکراہٹ تھی۔ ایک ہی سیکنڈ میں ہر بندوق تیار ہو گئی اور لانچ میں بابر ایک بار پھر اپنے مورچے میں جم گیا لیکن وہ گالیاں بھی دے رہا تھا کیونکہ اب اس کی فائرنگ کی زد میں عملہ بھی آسکتا تھا۔

"امجد!" سجّاد نے آواز دی "لڑکا زخمی تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔ لیکن زخمی نہ ہونے کی وجہ صرف خوش قسمتی اور اس کی پھُرتی ہے جناب۔" امجد نے جنگلی کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

سجّاد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ دراصل ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے ان جنگلیوں کو طیش آ جائے لیکن وہ کسی کمزوری کا مظاہرہ کرنے کے حق میں بھی نہ تھا۔ اُس نے سردار کی طرف دیکھا لیکن سردار کے چہرے پر محض لاتعلق کے تاثرات تھے۔ اُس کے انداز سے برتری کی جھلک بھی نظر آ رہی تھی۔

تب ہی سردار نے پلٹ کر کشتی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ چاقو پر پہنچ گئے۔ اُس کے اِس انداز سے ملّاحوں میں غصّہ پیدا ہونے لگا۔ وہ جنگلی کے لیے سزا کے منتظر تھے لیکن سردار تو چاقو پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ پھر اچانک ہی سردار نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ جس کے باعث سجّاد خوف زدہ ہو گیا۔ اُسے معاً ہی یہ احساس ہوا تھا کہ سردار کا یہ قہقہہ دراصل کوئی اشارہ ہے۔ ہر شخص سردار کی طرف دیکھنے لگا اور پھر وہ جنگلی بھی اُٹھنے لگا جس نے جمیل پر حملہ کیا تھا۔

"اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔" امجد نے غرّا کر کہا۔ اس کا حکم تو جنگلی کی سمجھ میں نہ آیا لیکن لہجہ ایسا تھا کہ جنگلی اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔

"ٹھیک ہے امجد! ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔" سجّاد نے معاملہ ایک بار پھر رفع دفع کرنے کی خاطر کہا۔

"یہ محض اتّفاق ہے کپتان!" راشد نے دانت پیس کر جواب دیا۔

"ہاں۔ لیکن فکر مت کرو۔ میں ان جنگلیوں کو اس آگ کی ایک جھلک دکھا دیتا ہوں جس سے یہ کھیل رہے ہیں۔" سجّاد نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "میں بندوق چلاؤں گا لیکن اس کا مطلب لڑائی کا آغاز ہرگز نہیں ہوگا۔ ان لوگوں پر یہ ظاہر نہ ہونے دو کہ ہم خوفزدہ ہیں۔ اور امجد! خدا کے واسطے اِس جنگلی کو گولی مت مارنا۔"

سجّاد، سردار کی طرف پلٹا، اب بندوق اُس نے پھیر

www.taemeernews.com

سنبھال لی تھی اُس نے بندوق سیدھی کر کے اپنی طرف اشارہ کیا اور پھر مرنے کا انداز اختیار کیا لیکن اس پر سردار ہنس پڑا اور اُس کے ہنستے ہی باقی تمام جنگلی بھی ہنس پڑے بھولو نے مزید کچھ کہا جس پر جنگلی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور سجّاد گھبرا کر کسی ہدف کو تلاش کرنے لگا۔ سردار اُسے مُسکرا کر دیکھ رہا تھا لیکن اب اُس کا انداز مختلف تھا کیونکہ اُس کا چاقو اٹھا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں سگار کیس تھا۔

تب ہی سجّاد کو ایک ٹیلے پر قاز بیٹھی ہوئی نظر آئی اگرچہ اس وقت سجّاد کو چکر آ رہے تھے مگر اس نے بڑی ہمّت کر کے بندوق سیدھی کی، نشانہ لیا اور پھر گولی چلا دی۔

سجّاد کو دھکا لگا مگر نشانہ بالکل درست بیٹھا۔ گولی قاز کے لگی وہ پھڑپھڑائی اور پھر گر گئی۔

یہ دیکھ کر سردار کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سگار کیس حتیٰ کہ چاقو بھی اُس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کی آنکھیں سجّاد پر جمی رہیں پھر وہ آہستگی سے اُٹھ کر کشتی کی طرف اُلٹے پیروں چلنے لگا۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ جنگلی بے حد خوفزدہ تھے۔ وہ بھاگنے لگے۔ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے تھے اور بھاگ رہے تھے۔ امجد کے سامنے والا جنگلی کانپ رہا تھا اور وہ جس جگہ بیٹھا ہوا تھا وہ جگہ گیلی ہو چکی تھی۔ پھر وہ بھی کشتی کی طرف بھاگ نکلا۔

جنگلیوں کے لیے بندوق زمینی چیز ثابت نہ ہوئی۔ وہ اُس شخص کو دیوتا تسلیم کر چکے تھے جس کے ہاتھ میں موجود ڈنڈے نے قاز کی موت اُگلی تھی۔ وہ انہیں، اُن سب کو دیوتا سمجھ کر اُن سے ڈر کر بھاگ گئے تھے۔

امجد انہیں بھاگتا ہوا دیکھ رہا تھا، اچانک اُسے راجو کی آواز سُنائی دی "کپتان کو دیکھیں جناب! وہ گر گیا ہے۔"

امجد بہت تیزی سے گھوما۔ سجّاد بندوق سمیت گرا تھا اور اب بندوق اُس کے نیچے دبی ہوئی تھی اُس کا چہرہ ریت میں تھا۔ امجد کے ساتھ ساتھ راجو بھی سجّاد تک پہنچا دونوں نے مل کر بوڑھے کپتان کو اٹھا کر بٹھایا۔ سجّاد کی آنکھیں بند تھیں اور ریت پسینے سے گیلے چہرے و گردن سے چپک گئی تھی۔ داڑھی بھی ریت سے بھری ہوئی تھی اور مُنہ کھلا ہوا تھا۔

"میرے خدا! کپتان کا چہرہ تو دیکھیں، جناب" راجو نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اِسے پانی کی ضرورت ہے" سلمان نے قریب آ کر کہا۔

"جاؤ لانچ سے لے آؤ" امجد نے سلمان ہی سے کہا۔ سلمان لانچ تک جانے کے لیے پلٹا تو امجد نے مزید کہا "بابر سے کہنا کہ لانچ کو ساحل پر لگا دے، پرویز اور علی شاہ سے کہنا کہ وہ پتوار اور چپو ٹھیک سے کر کے رکھیں۔"

"مگر کپتان کے چہرے کو کیا ہوا جناب؟" راجو پُرتشویش انداز میں بولا۔

"شاید فالج کا اثر ہے" راجو نے کہا جو یہ صورتحال دیکھ کر بھاگتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس دوران مزید لوگ وہاں پہنچ گئے۔ وہ سب چہ مگوئیاں کر رہے تھے لیکن امجد ان تمام باتوں سے بے نیاز دوسرے امور پر بھی توجہ دے رہا تھا۔

"ماشو" اس نے کہا "ذرا نظر رکھو کہ جنگلیوں کی کیا مصروفیات ہیں، کیا انہوں نے کپتان کو گرتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟ نہیں۔ تم سب مت جاؤ" تقریباً تمام افراد جنگلیوں پر نظر رکھنے کے لیے جانے لگے تو اُس نے انہیں روک لیا "ماشو کافی ہے۔"

ماشو جلد ہی واپس آ گیا "ان میں سے بعض لوگ اسی طرف دیکھ رہے ہیں اور بعض کشتی پر ہیں۔ وہ بہت خوفزدہ نظر آ رہے ہیں، جناب۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ لانچ کے قریب سے گزرتے ہوئے خوف زدہ ہیں" جمعہ دین نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

پھر اسی دوران سلمان پانی کا ایک ڈول لے آیا چنانچہ امجد نے سجّاد کو اس قدر اوپر اٹھایا کہ وہ اُس کے سہارے بیٹھ گیا۔ سلمان نے پانی اس کے مُنہ سے لگا دیا۔ چند گھونٹ پانی سجّاد کے مُنہ میں گیا اور کچھ سینے اور داڑھی پر گر گیا تاہم سجّاد نے پانی کا لمس محسوس ہوتے ہی آنکھیں کھول دیں۔

"اوہ" کپتان نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

"آپ بالکل پُرسکون رہیں، چند منٹ میں ٹھیک ہو جائیں گے" امجد نے نرم لہجے میں اُسے مشورہ دیا۔

"کیا انڈینز اب بھی آس پاس موجود ہیں؟" سجّاد نے مشورے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

www.taemeernews.com

"جی ہاں ۔لیکن بہت خوفزدہ ہیں ۔کشتی پر موجود ہیں۔"

"ہمیں اُن تک جانا چاہیئے امجد! انہیں اس طرح جانے نہیں دینا چاہیئے۔ ارے ہاں۔ میں نے ایک پرندے کو نشانہ بنایا تھا۔"

امجد نے پہلی بار بغور دیکھا کہ سجّاد کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ دایاں حصّہ اوپر کھینچ گیا تھا جبکہ دائیں آنکھ کا پپوٹا نیچے تھا جس کے باعث آنکھ کا سرخ ڈیلا صاف نظر آرہا تھا۔

"انہیں یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ ہم انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے، امجد" سجّاد نے پھر کہا۔ ساتھ ہی کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ سلمان اور امجد دونوں نے اسے سہارا دیا۔ "تم ہی بتاؤ امجد! اب ہم یہ بتانے کے لیے کیا کریں کہ ہم ان کے دشمن نہیں دوست ہیں؟"

تقریباً ایک گھنٹے تک اشاروں اور خاموش کوششوں کے بعد کشتی میں موجود جنگجو جنگلیوں کو یقین ہو گیا کہ اجنبی دیوتا اُن پر اپنی جادو کی چھڑی کا استعمال نہیں کریں گے تو وہ خوف زدہ انداز میں کشتی سے واپس ساحل کی طرف آنے لگے۔ امجد خود سردار کو لینے کے لیے گیا اور اُس نے اُسے بھی سجّاد کے قریب بٹھا دیا۔ اب ملّاح جنگلیوں کے درمیان آزادانہ نقل و حرکت کر رہے تھے۔ اپنے چاقو، تمباکو، رسیاں، سکّے، پائپ اور ہر وہ چیز دکھا رہے تھے جو اُن کی جیبوں میں موجود تھی۔ ساتھ ہی وہ بھی جنگلیوں کے خوبصورت اور سجے ہوئے چاقوؤں کا معائنہ کر رہے تھے جن پر مونگے بھی لگے ہوئے تھے اور سیپیاں بھی۔ جنگلی ان چاقوؤں کو 'داکا' کہہ رہے تھے۔ ملّاحوں کو زیادہ حیرت کشتی کی ساخت پر تھی اور سلمان کا کہنا تھا کہ ایسی کشتی جدید دُنیا میں دستیاب اوزاروں کی مدد کے بغیر نہیں بن سکتی۔ لیکن اگر پری زادی کے ملّاحوں کو علم ہو جاتا کہ یہ کشتی پچاس جنگجوؤں کی لاشوں کے اوپر سے سمندر میں اتاری گئی ہے اور یہ کہ اس کے بننے سے قبل اتنے ہی افراد کو ان جنگلیوں نے چٹ کیا ہے تو انہیں اور زیادہ حیرت ہوتی۔

"میرا خیال ہے کہ ان افراد کو خوف زدہ ہی رکھا جائے تو یہ شرافت کے جامے میں رہیں گے" راجو نے اپنی رائے دی۔ اُس کا کہنا بظاہر درست تھا کیونکہ پہلی ملاقات میں شرافت اور مُسکراہٹ کے باوجود جنگلیوں کا انداز جارحانہ ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے جمیل سے کھینچا تانی شروع کر دی تھی۔ خود امجد نے بھی اس صورتحال سے ایک ایسا سبق سیکھا تھا جس کو وہ فراموش نہ کرنے کا عزم کر چکا تھا۔

پھر بھی انہیں یہ احساس دلانا چاہیئے کہ ہم انہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ اگر انہوں نے ہمارا احترام کیا تو ہم بھی اُن کا احترام کریں گے" سجّاد نے کہا۔ امجد نے یہاں مزید شعبدہ بازی کی ضرورت محسوس کی تو کپتان سے کہا کہ وہ اپنا محدب شیشہ نکالے۔ جمال کو خشک گھاس وغیرہ جمع کرنے کے لیے بھیج دیا گیا گھاس آگئی تو کپتان نے شیشہ گھاس کے اوپر رکھ دیا۔ جونہی گھاس سے دھواں اُٹھا تو جنگلی آسا آسا کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ کپتان نے پھونک مار کر شعلہ بنایا اور جونہی شعلہ نمودار ہوا جنگلی چیخیں مارنے لگے۔

امجد نے اشارے سے پانی مانگا تو دو جنگلی بھاگ کر کشتی سے پانی لے آئے جو ملّاحوں نے دل بھر کر پیا۔

دوپہر کے بعد وہ سب اُس جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے جو انہیں پہاڑی سے نظر آیا تھا۔ سجّاد کے ساتھ انور اور جمال بھی کشتی میں گئے۔ لانچ دیگر ملّاحوں کو لے کر روانہ ہوئی۔ لیکن لانچ کشتی کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی لہٰذا سجّاد سردار کو مختلف شعبدے دکھاتا رہا تاکہ کشتی کی رفتار کم رہے اور لانچ اُس کے ساتھ ساتھ چلتی رہے۔

وہ ایسے پانیوں سے گزرے جہاں سے تہ نظر آرہی تھی

پھر گہرے سبز پانیوں سے گزرنا ہوا جہاں چمکدار مچھلیاں نظر آرہی تھیں۔ انہیں شارکوں کا ایک جوڑا بھی نظر آیا جو برق رفتاری سے گزر گیا۔ انہیں راستے میں حسین مناظر بھی نظر آئے تھے۔

پھر جزیرہ قریب آنے لگا۔ یہ جزیرہ ایک محفوظ کھاڑی کے قریب تھا اس کی ریت دور ہی سے چمک رہی تھی۔ پس منظر میں جزیرے کی چڑھائی نظر آرہی تھی جہاں سبزہ ہی سبزہ تھا اور درخت دھوپ میں چمک رہے تھے یہاں کا پانی ہلکا سبز تھا۔

"ہم یہاں کب تک رہیں گے جناب؟" راشد نے پوچھا وہ لانچ کے اگلے حصّے میں تھا۔ ساتھ ہی سلمان تھا۔ امجد نے پہلے راشد اور پھر سلمان کو دیکھا۔ شاید وہ یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ یہ سوال راشد نے کس سے کیا ہے سلمان نے کوئی جواب نہ دیا لہٰذا یہ کام امجد ہی کو کرنا پڑا۔ "جب تک مرمّت کا ضروری کام مکمل نہیں ہو جاتا اور اس کا انحصار

www.taemeernews.com

خود ہم پر ہے۔" اگرچہ سوال بہت مہذبانہ تھا اور امجد نے بھی کوشش کی تھی کہ جواب میں اس کا لہجہ بھی شائستہ رہے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا اگرچہ اس کی کوئی وجہ نہ تھی لیکن شاید امجد راشد سے خوفزدہ تھا۔ راشد پستہ قامت مگر طاقتور شخص تھا اُس کے جبڑے مضبوط تھے اور اُس کی آنکھیں امجد کو بار بار یہی بتاتی تھیں کہ وہ خطرناک دشمن ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ بہ حال ذہین نہ تھا امجد کے نزدیک ذہین ملّاحوں میں مشعال خان اور ماشو شامل تھے لیکن راشد ایسا شخص تھا جو اپنے تاثرات چھپانے میں ناکام رہتا تھا۔ وہ مُنہ پھٹ بھی تھا۔

"میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہم ٹھیک نہیں کر رہے ہیں۔" راشد نے ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پتوار چلاتے ہوئے اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا تھا۔

"ہر شخص کو اپنی رائے قائم کرنے کا حق ہے، راشد۔" امجد نے جواب دیا۔ "لیکن کسی کو کپتان کے فیصلے پر اعتراض کا حق نہیں۔ ہمارا کام حکم ماننا ہے۔ ویسے بھی کپتان سجاد دُنیا کے بہترین ناخداؤں میں سے ایک ہے۔"

"درست۔" بابر نے فوراً اُس کی تائید کی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن مُنہ سے کچھ نہ کہا۔ پانچ منٹ تک وہ اسی طرح پتوار چلاتے رہے پھر بابر نے رُک کر اپنی پتوار پانی سے کھینچ لی۔ مُنہ اُٹھا کر سونگھا اور پھر اپنی پتوار پر دوبارہ جُھک گیا۔

"تمہاری سونگھنے کی صلاحیت بہت اچھی ہے بابر۔" امجد نے کہا۔

"جی ہاں۔ بہت اچھی خوشبو آرہی ہے۔"

"کیا آپ کی مراد اُس کھانے سے ہے جو جنگلی تیار کر رہے ہیں؟" ماشو نے پوچھا۔

"نہیں۔ ان کی مراد زمین کی مہک سے ہے۔" بابر نے ہنس کر جواب دیا۔

"مجھے تو گیلی مٹی کی بُو آرہی ہے۔" ماشو بولا۔

"ہم نے جب پہاڑی سے جزیرے کو دیکھا تو یہی بُو محسوس کی تھی نا؟" حارث نے فوراً امجد کی طرف دیکھا۔

"کپتان نے یہی کہا تھا۔"

"ہاں۔" امجد نے مُسکرا کر سر ہلایا۔

"لیکن مرطوب مقامات پر بخار کی وبا بھی ہوتی ہے۔" راشد نے مُنہ بنا کر کہا۔ اِس بار اُس نے ناک کی سیدھ میں دیکھنے کی بجائے جزیرے کی طرف دیکھا تھا۔ "ایسے مقامات پر مکھی مچھروں کی بھی بہتات ہوتی ہے۔"

"اگلے پتوار۔" اسی لمحے سلمان نے حکم دیا۔ "آگے پہاڑی ہے۔ آہستہ ... آرام سے۔"

لانچ آہستہ آہستہ کنارے پر پیلی ریت کے قریب ہونے لگی۔ پھر امجد نے اشارہ کیا اور پتواروں کی طاقتور حرکت نے لانچ کو کنارے اور پھر خشکی پر چڑھا دیا۔ امجد نے آگے دیکھا۔ سجاد کشتی میں نظر آرہا تھا اور جونہی دونوں کی نظریں ٹکرائیں امجد کانپ سا گیا۔ اُس نے کپتان کا جو چہرہ دیکھا وہ ایسے بیمار شخص کا تھا جو گھنٹوں میں برسوں کا بوڑھا ہوگیا تھا۔

پھر اچانک ہی ایک ہنگامہ سا ہوگیا۔ ملّاح جو یہ سمجھ رہے تھے کہ جزیرہ پر کوئی نہیں ہوگا اس وقت ششدر رہ گئے جب معاً ہی عورتیں، بچّے اور بوڑھے لانچ کی طرف اشارے کرتے اور چیختے ہوئے نمودار ہوئے۔ پھر بہت سے خوف کی وجہ سے لانچ سے دُور ہی رُک گئے لیکن چند جو زیادہ بہادر تھے آگے کشتی تک چلے آئے۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کو پکارا اور اُنہیں یہ جواب ملا کہ ساتھ آنے والے دیوتا ہیں۔

"سو بو سبو۔" ایک چیخ سنائی دی پھر لوگ خوف اور خوشی کے ملے جُلے جذبوں کے ساتھ زور زور سے باتیں کرنے لگے۔ ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے ہوئے سردار اُترا وہ غالباً لوگوں کو خاموش رہنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ پھر اُس نے انہیں بتایا کہ یہ دیوتا اُنہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ "اگرچہ یہ بجلی کی کڑک ساتھ لائے ہیں۔۔۔" اُس کا اشارہ بندوق کی آواز کی طرف تھا۔ "۔۔۔ لیکن ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی جادوئی چھڑی بہت فاصلے سے بھی کسی کو بھی ہلاک کر سکتی ہے۔"

پری زادی کے ملّاحوں نے یہاں کی عورتوں کو دیکھا مردوں کو دیکھا۔ اُن کا تعلق شاید جنگجو طبقہ سے نہیں تھا چند عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں گھاس کے تنکوں کا اسکرٹ نما سایہ پہنے ہوئی تھیں۔ بعض سائے تقریباً سفید تھے اور بعض رنگ دار۔ عورتوں نے بھی مردوں کی طرح بال بنائے ہوئے تھے۔ کئی عورتوں کی رنگت پختہ سیاہ نہ تھی بلکہ

www.taemeernews.com

سانولی تھی۔ عورتوں کی اکثریت نے اپنے جسموں پر رنگ کیا ہوا تھا اور سب ہی سیپیوں، مچھلی کے دانتوں یا ہڈی کے زیورات پہنے ہوئی تھیں۔ یہ زیورات دھوپ میں چمک رہے تھے۔ اسی طرح اُن عورتوں کی آبنوسی جلد بھی چمک رہی تھی۔ کئی عورتوں کے کانوں میں چھید تھے جن میں سیپیاں نظر آ رہی تھیں۔ بعض کی لویں اتنی بڑی تھیں کہ ان پر ایک پوری سیپی چپکی یا لگی ہوئی تھی۔ بوڑھی عورتوں میں سے زیادہ تر کے دانت نہیں تھے لیکن انہوں نے کوئی ایسا رنگ مَلا تھا کہ اُن کے مُنہ نیلے ہو رہے تھے۔ امجد نے یہاں بھی ایک خاص بات نوٹ کی بیشتر عورتوں کی ایک یا دو انگلیاں غائب ہیں۔ دس گیارہ سال تک کی عمر کے لڑکے اور لڑکیاں لباس کے تکلفات سے بالکل آزاد تھے۔

ملاّح یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ لانچ اور کشتی کے درمیان کھڑے ہوئے برہنہ، رنگ کیے ہوئے جسموں کو دیکھے جا رہے تھے بعض کی حالت غیر تھی اور وہ گنگ سے ہو گئے تھے۔

تاہم ملاّحوں کی اس خاموشی کو حارث نے توڑا۔ "بڑے عجیب لوگ ہیں۔" اس کے لہجے میں بہر حال حیرت ضرور تھی۔

"ہاں" علی شاہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "ان میں یقیناً بعض خوبصورت عورتیں بھی ہوں گی۔"

"ہوشیار علی شاہ!" بابر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن ان عورتوں کو بُری نظر سے دیکھنے والے یقیناً کسی بڑی دیگ میں پکتے ہوں گے۔"

"ہوں" علی شاہ نے ہنکارا بھرا۔ "ویسے ملاحوں میں سب سے وجیہہ میں ہی ہوں۔"

"تب پھر غور سے دیکھ کر فیصلہ کر لو کہ کون سی عورت تمہیں پسند ہے۔" بابر نے کہا۔ "وہ والی ..." اُس نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "یا اُس کے پیچھے والی۔ ویسے دونوں ہی حسین ہیں۔"

"نہیں۔ سامنے والی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" جمعہ دین نے بھی لقمہ دیا۔ "اس کے لیے تو میرے دل کے دروازے تک کھلے ہوئے ہیں۔ کیا شاندار لڑکی ہے۔ رس بھری کی طرح۔"

"آہ۔ آخر ملاّحوں کے خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو رہے ہیں۔" بابر نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"ویسے بعض لڑکیاں تو بہت ہی حسین ہیں۔" راشد نے بھی ٹانگ اڑائی۔

"ارے تم بھی راشد!" بابر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم تو اس جزیرہ پر قدم رکھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ تم بھی حُسن پرست ہو گئے نا؟"

راشد بس کسمسا کر رہ گیا۔

"کاش ان عورتوں کو اپنے رنگ اُتارنے کے فائدوں کا علم ہو جائے۔" حارث نے بڑی حسرت سے کہا۔

وہ یونہی باتیں کرتے رہے جس میں ماشو وغیرہ بھی شریک ہو گئے۔ اُن کی حیرت زدہ کیفیت ختم ہو گئی اور امجد اُن کے تبصرے سُنتا رہا، وہ بھی مُسکراتا رہا۔ ویسے وہ خود بھی مناظرِ فطرت کے علاوہ ان مناظرِ حُسن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اُس کے ساتھی اس احساس کے باعث اور زیادہ لطف اندوز ہو رہے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور یہ کہ زندہ رہنے کی اُمید ختم نہیں ہوئی ہے۔ اور پھر جلد ہی تمام افراد ایک بار پھر اس سارے حُسن ساری خوبصورتی کو فراموش کر کے بقا کے بارے میں سوچنے لگیں گے۔

اچانک ہی سجّاد اس کی طرف آیا۔ "لڑکے بہت خوش نظر آ رہے ہیں امجد! کاش یہ ہمیشہ ایسے ہی خوش رہیں۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں میں بھی یہی دعا کر رہا ہوں۔"

"ویسے میں ان میں بعض غیر معمولی طور پر حسین عورتوں سے خوفزدہ بھی ہوں امجد! یہ لڑکیاں کسی اور نسل کی لگ رہی ہیں۔ ان کا رنگ بھی قدرے صاف ہے۔ بال گھونگھریالے اور سخت نہیں بلکہ سیدھے اور ریشمیں ہیں۔"

"جی ہاں۔ میں نے بھی یہ بات نوٹ کی ہے۔"

"اور اُس لڑکی کی طرف دیکھو جو اُس بوڑھے کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے۔ دونوں کا رنگ سانولا ہے، پختہ نہیں۔"

امجد نے اُس سمت میں دیکھا جہاں سجّاد اشارہ کر رہا تھا۔ وہ لڑکی دوسری عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ بلند قامت تھی اور تیل کی مالش کے بعد اُس کا جسم چمک رہا تھا۔ یہ بھرپور تبسم تھا اُس کی آنکھیں بڑی اور شوخ تھیں۔ دانت موتیوں کی طرح تھے اور لبوں کی اندرونی سُرخی بھی نظر آ رہی تھی۔ اُس کے شانوں پر گہرے سیاہ بال پڑے ہوئے

تھے اور پھر نیچے اُس کی کمر کو چوم رہے تھے۔ وہ ریشمی زیورات سے بے نیاز تھی اور اس نے کانوں میں صرف پھول لگا رکھے تھے۔ اُس نے جو سایہ پہن رکھا تھا وہ بھی دوسری عورتوں سے مختلف تھا اُس میں ریشم جیسی چمک تھی۔

امجد اس لڑکی کو دیکھ کر واقعی ششدر رہ گیا۔ اُس کی زندگی میں کئی عورتیں آئی تھیں لیکن یہ لڑکی اس کا دل کھینچ رہی تھی۔ وہاں اور بھی خوبصورت لڑکیاں موجود تھیں لیکن اُس لڑکی میں جو وقار اور تمکنت تھی وہ دوسروں میں مفقود تھی۔

اچانک ہی وہ بقا اور پورٹ جیکسن تک پہنچنے کا مقصد فراموش کر گیا۔

تب ہی اُس لڑکی نے بھی اُس کی طرف دیکھا، دونوں کی آنکھیں ملیں، تو امجد کو احساس ہوا کہ وہ کس قدر محویت کے عالم میں لڑکی کو دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ سوچ کر جھینپ سا گیا کہ یہ لڑکی اُس کے اِس انداز کا کیا مطلب نکالے گی اس نے مُنہ پھیر لیا لیکن اب پسینہ اُس کی پیشانی پر صاف چمک رہا تھا۔ اُسے پل بھر کے لیے احساس ہوا تھا کہ اس نے اصل پری زادی کو دیکھ لیا ہے۔ اُسے یہ بھی احساس تھا کہ دوسری عورتیں زیورات کی وجہ سے اتنی برہنہ نظر نہیں آ رہی تھیں جتنی یہ لڑکی نظر آ رہی ہے کیونکہ اُس نے زیورات کا تکلف ہی نہیں کیا ہے۔ مُنہ پھیرنے کے باوجود وہ اسی کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر یہ سوچیں اس نہج پر پہنچ گئیں کہ کیا لڑکی شادی شدہ ہے؟ وہ عمر دار شخص کون ہے جو اس کے ساتھ کھڑا ہے۔ کیا اس کا باپ ہے؟

پھر اس عالم میں جب سجّاد کی آواز آئی تو امجد کو ایسا لگا جیسے یہ آواز بہت دور سے آ رہی ہو۔

"جی۔ کیا کہا آپ نے؟" امجد بوکھلا اُٹھا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ سردار ہمیں ساتھ چلنے کو کہہ رہا ہے۔" سجّاد نے اپنی بات دہرائی۔

"لانچ کا کیا ہوگا؟" سلمان نے پوچھا۔ یہ سوال اُس نے امجد سے نہیں سجّاد سے کیا تھا۔ تب ہی امجد کو احساس ہوا کہ لڑکی میں کھوئے رہنے کے باعث وہ سلمان اور سجّاد کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سُن سکا ہے۔

"وہ ہمیں کہاں لے جانا چاہتا ہے؟" امجد نے پوچھا۔

"شکر ہے، تمہیں ہوش تو آیا۔" سجّاد کو غالباً اُس کی وارفتگی کا احساس ہو گیا تھا۔ پھر سلمان کی طرف پلٹا۔ "لانچ کی حفاظت کے لیے یہاں کسی کو چھوڑنا ہوگا سلمان۔" اُس نے کہا۔ "شاید تم بھی یہی کہنا چاہتے تھے۔"

"جی ہاں۔ بالکل۔"

"تب پھر ہم دو لڑکوں کو یہاں چھوڑیں گے۔ علی شلو... حارث۔ تم دونوں لانچ کی حفاظت کروگے اگر کوئی گڑبڑ ہو تو صرف ہوا میں فائر کرنا آواز سُنتے ہی ہم تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے۔

"میں بھی یہیں رُکنا چاہتا ہوں، جناب۔" انور نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی۔" کپتان نے کہا۔ "لیکن تم لوگ اِدھر اُدھر سرگشت نہیں کروگے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا سردار نے بھی جو اُسے دیکھ کر مُسکرا رہا تھا قدم اُٹھائے۔ سجّاد اور سردار کے بعد امجد اور جمال بھی اس کے پیچھے چل دیے۔ سلمان اکیلا تھا۔ اور اس کے بعد دوسرے لوگ ایک ساتھ قدم اُٹھا رہے تھے۔ ان سب کے پیچھے نوجوان سردار اور دوسرے چھوٹے سرداروں کی قیادت میں جنگلی بڑھ رہے تھے۔

امجد یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سلمان نے اُسے لڑکی کو گھورتے ہوئے دیکھ لیا ہے؟

"کیا یہ آدم خور ہیں، جناب؟" جمال نے اچانک ہی اُس سے پوچھ لیا۔

"سُنا تو یہی ہے۔" امجد نے مختصراً جواب پر اکتفا کیا۔

"کیا یہ بہت سوں کو کھا چکے ہیں؟"

"ایک کتاب میں لکھا ہے کہ یہ سب سے زیادہ وحشتناک آدم خور ہیں۔" اس کے ساتھ وہ یہ سوچ کر کانپ سا گیا کہ کیا وہ لڑکی بھی آدم خور ہوگی؟

(باقی آئندہ)

www.taemeernews.com

اعتراف

کسی کی خوشیاں اجاڑنے یا کسی کو دکھ دینے
والا، اپنی آسودگی کا محل کبھی تعمیر نہیں کرسکتا۔

[redacted]

شہناز حامد

بیس برس قبل میں ایک تن تنہا اور آوارہ سا نوجوان تھا۔ گاؤں میں میری کوئی وقعت یا حیثیت نہ تھی۔ گھر میرا اپنا تھا گھر کے علاوہ میرے والدین نے میرے لیے چار بیگھے زرخیز زمین بھی چھوڑی تھی، مگر وہ میں نے ان کے مرنے کے فوراً بعد فروخت کرکے عیاشیوں میں اڑادی تھی اور اب تہی دست و تہی داماں محنت مزدوری کرکے اپنا گزارہ کررہا تھا۔ میرا گھر ایک کچی کوٹھری پر مشتمل تھا جس کے آگے کبھی صحن بھی تھا مگر میں نے اسے فضول سمجھتے ہوئے بیچ دیا تھا۔ اب میری ملکیت صرف ایک مرا زمین پر بنی ہوئی کوٹھری ہی تھی۔

میرا معمول تھا کہ دن کو محنت مزدوری کرتا، شام کو گھر آکر سیٹ ہوجاتا اور پھر گھر سے نکل جاتا۔ اس کے بعد رات گئے تک آوارہ گردی کرکے گھر واپس آتا۔

میری یہ زندگی کوئی زندگی نہیں کہی جاسکتی تھی، مگر مجھے اس کا کوئی احساس نہیں تھا۔ میری زندگی پست اور بے مقصد تھی لیکن ایک عورت نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ یہ عورت میرے گاؤں کی سب سے امیر اور بارعب عورت تھی۔ گاؤں کے چوہدری صاحب کی دوسری جوان اور خوبصورت بیوی! اس کا نام راحیلہ بیگم تھا اور اسے چودھرائن بنے ہوئے چار سال ہوچکے تھے۔ اب اس کا بیٹا تھا۔ چودھری صاحب کی پہلی بیوی فوت

www.taemeernews.com

ہو چکی تھی۔

ایک شام، میں کام سے واپسی پر گھر پہنچا تو چودھری صاحب نے مجھے طلب کر لیا میں ان کی حویلی میں گیا تو وہ بولے کہ حویلی کے صحن میں نئے پودے لگانا ہیں اس لیے تم صبح کہیں اور کام پر مت جانا۔ ادھر حویلی میں کام پر آجانا۔

میں صبح حویلی پہنچا تو چودھری صاحب کے بجائے ان کی بیوی راحیلہ مجھے ملی جہاں جہاں پودے لگانا تھے۔ راحیلہ نے مجھے ان جگہوں کے بارے میں سمجھایا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ میں گڑھے کھودنے لگا گڑھے چار چار فٹ گہرے کھودنا تھے اور زمین بھی سخت تھی لہٰذا دوپہر تک میں صرف تین ہی گڑھے کھود سکا۔ دوپہر کو راحیلہ نے مجھے کھانا دیا اور مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ اس نے مجھ سے میرے حالات کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

”فضل دادا! تمہاری زندگی بھی کوئی زندگی ہے بھلا!“ راحیلہ نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

”تم ابھی جوان ہو۔ تمہیں محنت کر کے اپنی زندگی کو خوشگوار اور بامقصد بنانا چاہیے۔“

میں نے اپنی مجبوری بتائی کہ پڑھا لکھا بھی نہیں ہوں اور کوئی کام بھی نہیں سیکھا۔ اس لیے میرے پاس کوئی ایسا وسیلہ نہیں جو اپنی زندگی کا معیار بہتر کر سکوں۔

خیر میں نے راحیلہ کی زیر نگرانی حویلی میں دو دن کام کیا اس عرصے میں راحیلہ اور میرے درمیان خاصی بے تکلفی ہو گئی وہ بار بار مجھے میری بے مقصد زندگی کا احساس دلاتی رہی اور زور دیتی رہی کہ مجھے محنت اور کوشش کرنا چاہیے۔

اس کے بعد راحیلہ مجھے جہاں ملتی میری خیر خیریت پوچھتی اور ہنستی ہوئی گذر جاتی۔ مجھے اس سے باتیں کرنا بہت اچھا لگتا۔ کیونکہ ایک وہی تھی جسے مجھ سے کچھ اُنس تھا۔ اور جو مجھ سے کچھ باتیں بھی کر لیتی تھی ورنہ کوئی مجھے منہ نہیں لگاتا تھا۔

یہ واقعہ کوئی پندرہ بیس دن بعد کا ہے۔ میں ایک دن دوسرے گاؤں سے کام کر کے شام کو گھر واپس آرہا تھا۔ گاؤں کے قریب واقع چودھری صاحب کے باغ کے پاس سے گذرتے ہوئے مجھے راحیلہ کی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز باغ کی طرف سے آئی تھی وہ مجھے ہی پکار رہی تھی۔ میں باغ کے اندر چلا گیا اس وقت باغ میں کوئی بھی نہیں تھا۔

راحیلہ نے مجھ سے ادھر ادھر کی چند باتیں کیں، پھر بولی۔

”میں تم سے ایک کام لینا چاہتی ہوں۔“

”کون سا کام؟“ میں نے پوچھا۔

”ضرور بتاؤں گی مگر پہلے تم وعدہ کرو کہ میرا کام کر دو گے۔ یہ کام اس کام سے بہت مختلف ہے جو تم روز کرتے ہو گے اس کا معاوضہ تمہیں اتنا ملے گا کہ سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”آپ کام تو بتائیں، میں بغیر کچھ جانے کیسے وعدہ کر سکتا ہوں!“

”کام خطرناک ہے۔“ راحیلہ کچھ سوچ کر بولی۔ ”مگر تم ایک رات میں اسے سرانجام دے کر تیس ہزار روپے کے مالک بن سکتے ہو۔“

کچھ دیر کو مجھے یقین ہی نہ آیا کہ جو سن رہا ہوں، سچ ہے۔ پھر مجھے اس کام کے جاننے کے لیے سخت بے چینی ہونے لگی جس کا معاوضہ ایک ہی رات میں تیس ہزار روپے مل سکتا تھا۔

”آپ بتائیں تو سہی کام!“ اسی اضطراب کے عالم میں میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔

”کام یہ ہے کہ تمہیں ایک قتل کرنا ہے۔“ راحیلہ آہستگی سے بولی۔ ”ایک ایسا قتل کہ جس کا تم پر الزام بھی نہیں آئے گا اور تمہیں تیس ہزار بھی مل جائیں گے۔“

قتل کا نام سن کر میرے پیروں تلے زمین نکل گئی میں سمجھا راحیلہ مجھ سے مذاق کر رہی ہے یا پھر بے وقوف بنا رہی ہے۔ میں نے کہا

”آپ شاید مجھ سے مذاق کر رہی ہیں۔“

”نہیں میں مذاق نہیں کر رہی بلکہ ایسی سنہری پیشکش کر رہی ہوں جو تمہیں راتوں رات امیر بنا سکتی ہے۔ اس لیے اگر تم رضامند ہو جاؤ تو میں تمہیں دس ہزار روپے پیشگی دوں گی اور باقی کام کے بعد۔“

”مگر میں یہ کام نہیں کر سکتا۔“ میں نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔ ”ہتھیار میں دوں گی اور طریقہ بھی میں بتاؤں گی تمہیں صرف تھوڑا سا کام کرنا ہے۔“

میرے اندر ایک عجیب سا ہیجان بپا تھا۔ مجھ ایسے غریب نوجوان کے لیے تیس ہزار روپے واقعی بہت بڑی رقم تھی۔ راحیلہ نے غلط نہیں کہا تھا کسی کام کا اتنا معاوضہ ملنے کے بارے میں، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

راحیلہ شاید میری کیفیت بھانپ گئی اور بولی۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس وقت تم گھر جاؤ اور میری پیشکش کے بارے میں سنجیدگی اور سکون سے سوچو۔“

پھر تم کل یا پرسوں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔ اگر تمہیں میری پیشکش قبول ہوئی تو میں تمہیں دس ہزار روپے اور سارا طریقہ کار بتا دوں گی ورنہ تم خاموش رہنا۔"

میں وہاں سے اپنی تاریک کوٹھری میں آگیا۔ میرے ذہن میں راحیلہ کی پیشکش سے آندھی سی چل رہی تھی۔ میں کھانا بھی تیار نہیں کیا۔ اور اسی بارے میں سوچ بچار کرتا رہا۔ کام بڑا خطرناک تھا مگر معاوضہ بھی پرکشش تھا۔ اسی بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

میں نے یہ نہیں سوچا کہ راحیلہ کس کو قتل کرانا چاہتی ہے بلکہ مجھے اصل فکر یہ تھی کہ میں قتل کر بھی سکتا ہوں یا نہیں! قتل کے لیے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے اور یقیناً راحیلہ نے تیس ہزار کی کثیر رقم میرا حوصلہ بڑھانے ہی کے لیے پیش کی تھی۔ میں سوچتا رہا اور بالآخر اپنے دل کو قائل کر ہی لیا کہ تیس ہزار سے ایک نئی خوشگوار زندگی کا آغاز کر سکتا ہوں اور اپنی زندگی کو اس تاریک کوٹھری کی گھٹن سے نکال سکتا ہوں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میرے اندر مسرتوں اور رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ ابھرا تھا۔

دوسرے دن شام کو میں باغ ہی میں راحیلہ سے ملا اور اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ تم رضامند ہو تو اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ تمہیں ایک لڑکی کو قتل کرنا ہے۔ لڑکی بھی کوئی غیر نہیں اس کی سوتیلی بیٹی تھی جو اس کے شوہر چودھری صاحب کی پہلی بیوی سے تھی۔ بہر حال وہ کوئی بھی ہوتی میں تو قتل پر آمادہ ہو ہی چکا تھا۔

راحیلہ نے مجھ سے کہا کہ میں کل رات تمہیں اسی باغ میں ملوں گی اور ہتھیار بھی دوں گی۔ اسی وقت سارا طریقہ کار بھی سمجھاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

پھر مجھے اگلا دن گزارنا دوبھر ہو گیا۔ خدا خدا کر کے رات ہوئی۔ راحیلہ نے مجھ سے ملتے وقت عشاء کے بعد [illegible] کو کہا تھا۔ گاؤں کی مسجد میں اذان ہوتے ہی [illegible] بند کر کے چل دیا۔

چودھری صاحب کے باغ میں داخل ہوتے وقت مجھ پر بدحواسی سی طاری تھی مگر راحیلہ پر نظر پڑتے ہی میں سنبھل گیا۔ میں نے سوچا کہ وہ عورت ہو کر نہیں گھبرا رہی۔ میں تو پھر بھی مرد ہوں!

راحیلہ نے مجھے ایک تیز دھار چاقو دیا۔ پھر پرسکون [illegible] میں قتل کے منصوبے سے آگاہ کرنے لگی۔ "تمہیں آج سے تیسری رات کو بارہ بجے کے بعد ہماری حویلی کے عقبی دروازے سے اندر آنا ہوگا۔ تم اندر سے ہماری حویلی دیکھی ہے۔ تم سیدھے میری سوتیلی بیٹی کے کمرے میں جاؤ گے جہاں وہ تمہیں بے ہوشی کی حالت میں ملے گی۔ تم اسے کندھے پر ڈال کر حویلی سے باہر لے جانا۔ ہاں میں تمہیں ایک بات بتانا بھول گئی۔ تمہیں حویلی میں آنے سے پہلے کسی کا گھوڑا چرانا ہوگا جو کسی سے مانگنا نہیں ورنہ تمہارے پکڑے جانے کا خدشہ پیدا ہو جائے گا۔ ہاں تو جب تم میری سوتیلی بیٹی کو لے کر حویلی سے نکلو تو باہر گھوڑا تیار ہو۔ تم اسے گھوڑے پر ڈال کر دریا کے کنارے لے جانا اور [illegible] [illegible] وہاں تم آسانی سے اسے قتل کر کے دریا میں پھینک سکتے ہو۔"

قتل کے اس منصوبے کی تفصیلات میں نے پوری توجہ سے سنیں۔ راحیلہ نے کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑا تھا کہ مجھے اس سے سوال کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

کسی کا گھوڑا چرانا بھی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ راحیلہ جب مجھ سے گھوڑا چرانے کے بارے میں کہہ رہی تھی تو اسی وقت میرے ذہن میں گامے کمہار کا نام آیا تھا۔ میں اس کا گھوڑا کھول کر لے جا سکتا تھا۔

اس رات جب میں راحیلہ سے مل کر لوٹا تو دیر تک مجھے نیند نہ آئی۔ جانے کب تک میں خیالی پلاؤ پکاتا رہا اور جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

مقررہ رات آئی تو میں گامے کمہار کا گھوڑا کھول کر چودھری صاحب کی حویلی کے عقب میں پہنچا اور گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا۔ اس طرف کھیت تھے جو دور تک پھیلے ہوئے تھے۔

پھر سب کچھ اسی کے مطابق ہوا جو راحیلہ نے مجھے سمجھایا اور بتایا تھا۔ میں بغیر کسی دشواری کے اس کی سوتیلی بیٹی کو گھوڑے پر ڈال کر دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ دریا پر پہنچنے تک لڑکی ہوش میں آ گئی۔ جیسے ہی میں گھوڑے سے اترا اور اسے اتارا تو وہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ مگر میں نے جلد ہی اسے پکڑ لیا۔ لڑکی جوان اور خوبصورت تھی۔ مجھے اس پر رحم بھی آ رہا تھا اور غصہ بھی! کیوں کہ وہ میری گرفت سے نکلنے کے لیے بری طرح مچل رہی تھی۔ پھر اس نے میری کلائی پر کاٹ لیا تو میں اور بھی غصے میں آگیا۔ معلوم نہیں اس لمحے میں اس

کے کہاں ضرب لگی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس وقت مجھ پر پوری طرح شیطان سوار تھا مجھے اس پر بالکل ترس نہ آیا اور میں نے راحیلہ کا دیا ہوا تیز دھار چاقو نکال لیا۔

وہ میرے سامنے بے سدھ زمین پر پڑی تھی اور میں کسی بھی لمحے اس کی زندگی کا چراغ گل کر سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ میں ایسا کر گزرتا، مگر نہ معلوم کونسی قوت تھی جس نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ صرف چند لمحے تھے جن میں اپنا فیصلہ بدل دیا۔

پھر میرے ذہن میں ایک اور ہی منصوبے نے جنم لیا میں نے سوچا لڑکی امیر گھرانے کی ہے اور خوبصورت بھی۔ اگر میں اسے کسی بردہ فروش کے ہاتھ بیچ دوں تو مجھے اس کی بھاری قیمت وصول ہو سکتی ہے۔ راحیلہ کو میں بتا سکتا تھا کہ میں نے اس کے منصوبے پر پوری طرح عمل کر دکھایا ہے اس طرح میں راحیلہ سے بھی طے شدہ رقم لے کر کہیں دور جا سکتا تھا۔ اس کے بعد اگر لڑکی کے وارثوں کو لڑکی کے بارے میں علم ہو بھی جاتا تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

میں نے اپنے اس نئے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی اور لڑکی کا منہ باندھ کر اسے گھوڑے پر ڈالا اور دریا کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس طرف دس میل دور میرے ایک دوست کا گاؤں تھا میرا یہ دوست اس قسم کا جرائم پیشہ شخص تھا کہ وہ مجھ سے لڑکی خرید سکتا تھا۔ اگر وہ خود بھی لڑکی نہ خریدتا تو اس سلسلے میں میری مدد ضرور کرتا۔

اس دوست سے میری دوستی پانچ برس قبل جیل میں ہوئی تھی۔ مجھے چوری کے ایک کیس میں چھ ماہ کی سزا ہوئی تھی چوری میں نے نہیں کی تھی مگر بہر حال سزا مجھے ہی کاٹنی پڑی تھی۔

جب میں اپنے دوست کے گاؤں۔ اس کے گھر پہنچا تو پو پھٹ رہی تھی میرا دوست مجھے اور میرے ساتھ جوان و خوبصورت لڑکی دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس لڑکی اور گھوڑے کو فوراً چھپا دو۔ باقی باتیں بعد میں تفصیل سے تمہیں بتاؤں گا۔

اس نے لڑکی اور گھوڑے کو اپنے گھر میں چھپا دیا پھر مجھ سے اس چکر کی تفصیل پوچھی۔

میں نے اسے یہ بتایا، لڑکی امیر گھرانے کی ہے اور اس کی سوتیلی ماں نے میرے حوالے کیا ہے کہ اسے کہیں دور لے جا کر مار دو یا اسے بیچ دو۔ یہ کہہ کر میں نے اس سے درخواست کی کہ یا تو تم خود مجھ سے لڑکی خرید لو یا اس سلسلے میں میری مدد کرو۔ میری بات سن کر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور اس نے مجھ سے سودے بازی شروع کر دی۔ کافی بحث مباحثے کے بعد آٹھ ہزار میں بات پکی ہو گئی اس نے ایک ہزار روپے دے کر "مال" اپنا کر لیا۔ اور باقی رقم ایک ماہ کے بعد دینے کا وعدہ کیا۔ وہ سارا دن میں نے وہیں گزارا اور پھر رات کو گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا جب میرا گاؤں تقریباً ایک میل دور رہ گیا تو میں گھوڑے سے اتر پڑا اور گھوڑے کو آزاد کر دیا۔ پھر پیدل ہی گاؤں کی طرف چل دیا۔

وہ رات تو خیر سکون سے گزر گئی مگر اگلی رات سے میرے لیے ایک عذاب و اذیت کا ناقابل برداشت دور شروع ہو گیا

اگلا دن چڑھا تو میں نے ہر طرف چودھری صاحب کی لڑکی کی اغوا کی خبر گونجتی پائی۔ چودھری صاحب کو لوگوں سے محبت تھی اور لوگوں کو چودھری صاحب سے۔ اسی لیے سارا گاؤں اس المیئے پر غمزدہ اور پریشان تھا۔ اس سے میرے دل پر بڑا اثر ہوا مجھے یہ احساس شدت سے ڈسنے لگا کہ میں نے کسی کی عزت اور خوشیاں اجاڑ دی ہیں۔

جہاں تک راحیلہ کا تعلق تھا تو وہ بظاہر بہت مغموم نظر آ رہی تھی مگر اس کی دلی کیفیت کا اندازہ مجھ سے زیادہ کسے ہوتا وہ اندر سے بہت خوش تھی۔ دراصل چودھری صاحب کینسر کے مریض تھے اور کسی وقت بھی دنیا سے ناتا توڑ سکتے تھے ان کی لاکھوں کی زمین اور جائیداد چودھری صاحب کی لڑکی لے جاتی گی راحیلہ نے چودھری صاحب کی حیات ہی میں اس کا قصہ پاک کروا دیا تھا کہ اس پر کوئی الزام نہ آئے۔

دن کے بعد رات آئی تو میری پشیمانی کچھ اور بڑھ گئی مجھے یہ احساس کسی زہریلے بچھو کی مانند ڈسنے لگا کہ میں نے کسی کی خوشیاں تباہ کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے جو ظلم لڑکی پر کیا تھا اس تصور سے بھی میرا دل تڑپنے لگا ساری رات میرا ضمیر مجھ پر ملامت کرتا رہا اور میں تڑپتا رہا۔ میں نے ان خیالات سے جان چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

صبح ہوئی تو اجالے میں مجھے قدرے سکون ملا، مگر یہ سکون بھی عارضی ثابت ہوا۔ گاؤں سے مجھے خوف آنے لگا گاؤں کی گلیوں اور در و دیوار سے مجھے وحشت سی ہونے لگی

www.taemeernews.com

میں نے اسی لیے قریبی شہر کا رخ کیا۔ اور پھر وہاں دن بھر گھومتا رہا۔ دن بھر شہر میں گذارنے کے بعد پھر گاؤں کی طرف واپس چل دیا۔

گاؤں واپس جانے کو میرا جی نہیں چاہ رہا تھا مگر ایک تو میرا کوئی اور ٹھکانہ نہیں تھا دوسرے یہ کہ آج رات ہی مجھے راحیل سے ملنا تھا۔ اور اس سے باقی بیس ہزار روپے لینا تھے۔ دس ہزار روپے وہ مجھے پہلے دے چکی تھی۔ جو میری کوٹھری میں رکھے تھے۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ راحیل سے رقم لینے کے بعد گاؤں چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں گا۔

گھر آ کر میں نے کھانا کھایا اور رات گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر کوٹھری کی تاریکی میں تنہائی نے پچھلی رات کی طرح مجھے پھر تڑپانا شروع کر دیا۔ تاریکی میں مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے چاروں طرف سے اژدہے نکلنے اچھلنے چلے آ رہے ہیں۔ یہ وہم تھا یا احساس مگر میرے لیے تو بہرحال یہ صورت حال بڑی تکلیف دہ اور اذیت ناک تھی۔ ایک بار تو میں اس قدر گھبرایا کہ کافی دیر تک میرا سر چکراتا رہا اور میری آنکھوں کے سامنے خوفناک سے دائرے گھومتے رہے۔

بڑے عذابوں سے گذر کر وہ مقررہ وقت آیا جب مجھے راحیل سے ملنا تھا۔ میں کوٹھری سے نکل کر باغ کی طرف چل دیا۔ باغ تک پہنچ کر اچھے ماحول اور فضا کے سبب مجھے خیالات کی یلغار سے نجات مل گئی مگر اندر سے میں اب بھی کانپ رہا تھا۔ جیسے میرا انجام برا ہوگا۔

راحیل کوئی نصف گھنٹے انتظار کے بعد آئی۔ میں نے جب اسے بتایا کہ اس کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں تو اس نے میری بہت تعریف کی اور بیس ہزار کی رقم میرے حوالے کر دی۔ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی تاکید کی کہ میں ابھی گاؤں سے کہیں نہ جاؤں ورنہ لوگوں کو مجھ پر شک ہو جائے گا۔ اس نے مجھے گاؤں میں رہنے کی سختی سے تاکید کی۔ بیس ہزار کی رقم لے کر میں کچھ دیر کے لیے ہر خیال سے بیگانہ ہو گیا۔ مگر جب یہ رقم لے کر کوٹھری میں واپس آیا تو خیالات مجھے اور بھی شدت سے ستانے لگے۔ تیس ہزار کی دولت میرے لیے عذاب بن گئی اس رات میری جو حالت ہوئی وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرے لیے ہر ہر پل ایک جان لیوا عذاب تھا۔ ساری رات میں مر مر کر جیتا رہا اور جی جی کے مرتا رہا۔ صبح ہوتے ہوتے جانے کس وقت میری آنکھ لگی۔

جب میں سو کر اٹھا تو دن خاصا چڑھ چکا تھا کہ میرا جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔ گویا اب میں دوہری اذیت میں گرفتار تھا۔ باہر سے بھی جل رہا تھا اور اندر سے بھی!

دو دن تک میں بخار میں جلتا رہا۔ پھر مجھے اس سے نجات ملی مگر یہ دو دن جس طرح گذرے میں ہی جانتا ہوں!

بخار سے نجات ملتے ہی میں نے ایک فیصلہ کیا جس سے مجھے بہت سکون ملا۔ میں نے اپنے گناہ کی تلافی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس مظلوم لڑکی کو اس کے گھر واپس پہنچا کر ہی میری روح کو سکون مل سکتا تھا۔ اس فیصلے سے مجھے جہاں اطمینان ملا، وہاں میرے اندر ایک عزم بھی پیدا ہو گیا۔

اگلے ہی دن میں اس دوست کے گاؤں چلا گیا جس کے ہاتھ لڑکی بیچی تھی۔ یہ میری اور اس لڑکی کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک وہ میرے دوست ہی کے پاس تھی۔ مگر اس کا سودا ہو چکا تھا۔ یہ سودا میرے دوست نے بیس ہزار میں کیا تھا۔ جن لوگوں سے سودا ہوا تھا وہ آئندہ روز رقم ادا کر کے لڑکی کو لے جانے والے تھے۔

میں نے اپنے دوست سے کہا کہ تم یہ سودا ختم کر دو۔ لڑکی کو میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اس پر میرا دوست ایک دم انکار کرنے لگا۔ مگر میں نے اس سے کہا کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں تمہارا نقصان نہیں ہونے دوں گا میں تمہیں اپنی طرف سے دس ہزار روپے دوں گا۔

یہ سن کر میرا دوست بہت حیران ہوا اور مجھ سے اصل بات پوچھنے لگا۔ میں نے اسے صرف اتنا ہی بتایا کہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے میرے جذبے کو دیکھتے ہوئے مجھ سے دس ہزار کے بجائے پانچ ہزار لیے جن میں ایک ہزار روپے اس کے دیے ہوئے بھی شامل تھے۔ پھر اس نے لڑکی میرے حوالے کر دی۔

میں رات کی تاریکی میں لڑکی کو گاؤں لایا اور اسے گھر پہنچا دیا پھر خود پچیس ہزار کی رقم لے کر گاؤں سے ہمیشہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

اس کے بعد کیا ہوا مجھے علم نہیں کیونکہ میں پھر گاؤں واپس نہیں گیا۔ ہاں مجھے اتنا یقین ہے کہ راحیلہ کو کیے کی سزا کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملی ہوگی کیونکہ میں نے لڑکی کو تمام باتیں بتا دی تھیں۔ اور یہ تاکید بھی کر دی تھی کہ وہ یہ باتیں اپنے باپ کو ضرور بتا دے۔ میں نے اپنے گناہ کی کسی حد تک تلافی کر دی تھی۔ مگر شاید میرے گناہوں کی سزا ابھی باقی تھی

www.taemeernews.com

جس کا آج میں منہ بولتا ثبوت ہوں۔

پچیس ہزار روپے کی رقم لے کر لاہور چلا آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس رقم سے کوئی کاروبار کر کے اچھی زندگی بسر کروں گا مگر حرام کی یہ دولت میرے لیے عذاب بن گئی۔

میں نے کرائے کا مکان لیا اور اس میں رہنے لگا۔ یہاں سب ہی طرح کے لوگ تھے۔ سب سے پہلے میری شناسائی ایک نوجوان سے ہوئی۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ شناسائی دوستی میں بدل گئی۔

میں پہلی دفعہ لاہور آیا تھا۔ اس لیے یہاں کے لوگوں سے ناواقف تھا۔ کوئی کاروبار شروع کرنے کے لیے مجھے ایک ایسے مددگار کی ضرورت تھی جو مجھے بہتر اور صحیح مشورہ دے سکے۔

وہ نوجوان بڑا تیز و طرار تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم مجھے کوئی دکان دلوا دو میں چھوٹی موٹی پرچون کی دکان کھولنا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھ سے رقم کے بارے میں پوچھا کہ پیسے کتنے ہیں تمہارے پاس تاکہ اسے مد نظر رکھتے ہوئے کسی سے بات کی جائے۔

میں نے اسے بتایا کہ تقریباً میرے پاس ۲۵ ہزار کی رقم ہے۔ اس نے مجھے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا اور پھر چلا گیا۔ چلتے چلتے اس نے کہا تھا کہ رات کو وہ کسی سے بات کر کے مجھے جواب دے گا۔

رات کو میں نے دیر تک اس کا انتظار کیا اور پھر سو گیا۔ جانے کس وقت دروازے پر دستک ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ تو اسی نوجوان کی آواز سنائی دی میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ نوجوان تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے جو میرے گھر میں گھس آئے۔ وہ دونوں ہی مجھے صورت سے بدمعاش نظر آ رہے تھے۔

مجھے خطرے کا احساس تو ہو چکا تھا۔ مگر خود کو ان تینوں کے مقابل بے بس سا محسوس کر رہا تھا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ ان میں سے ایک نے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اور پھر چاقو نکال لیے۔

"بتاؤ رقم کہاں ہے؟" ان میں سے ایک نے اپنا چاقو میرے سینے پر رکھ دیا۔

خوف سے میرا خون خشک ہونے لگا مگر پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور بولا کہ رقم بینک میں ہے۔ مگر میرے پاس کوئی ایسا ثبوت برآمد نہ ہونے پر انہیں یقین ہو گیا کہ رقم میرے ہی پاس اسی گھر میں موجود ہے۔ یہ حقیقت بھی تھی مگر اس رقم پر میرے مستقبل کا انحصار تھا۔ اور میں اس رقم سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا اسی لیے جھوٹ پر جھوٹ بولتا رہا۔ اس پر وہ مشتعل ہو گئے اور تشدد پر اتر آئے۔ انہوں نے میرا منہ باندھ دیا اور بے تحاشہ مارنے لگے۔

لاتوں اور گھونسوں سے انہوں نے مجھ پر تشدد شروع کر دیا۔ اس پر بھی میری زبان نہ کھلی تو انہوں نے ظلم کی انتہا کر دی۔ انہوں نے اینٹوں سے میری ایک ٹانگ کی ہڈی توڑ دی۔ میں اذیت سے تڑپنے لگا۔ مگر انہیں مجھ پر رحم نہ آیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اگر میں نے زبان نہ کھولی تو یہ مجھے قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے چنانچہ میں نے سسکتے اور تڑپتے ہوئے انہیں بتا دیا کہ رقم باورچی خانے کے کچے فرش کے نیچے دبی ہوئی ہے۔

انہوں نے وہاں سے رقم نکال لی اور مجھے اسی حال میں پڑا ہوا چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بعد میں نے ایک طویل عرصہ اسپتال میں گزارا اسی دوران میں میری ایک ٹانگ گھٹنے سے کاٹ دی گئی اور میں معذور ہو گیا۔ اب میرے پاس بھیک مانگنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔

آج میں فٹ پاتھوں پر رینگ رینگ کر بھیک مانگتا ہوں۔ میری زندگی ایک عذاب بن گئی ہے مگر نہ زندگی ختم ہوتی ہے اور نہ عذاب۔ بلکہ جوں جوں زندگی کا سورج ڈھلتا جا رہا ہے یہ عذاب بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ عذاب میرے گناہوں کی سزا ہے جو میں بھگت رہا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ کسی کی خوشیاں لوٹنے والا اور دکھ دینے والا اپنی آسودگی کا محل کبھی تعمیر نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے گناہوں کا ازالہ بھی کر دیا تھا مگر آج بھی یہ احساس ڈستا رہتا ہے کہ میں نے ایک معصوم اور بے قصور لڑکی پر وحشیانہ ظلم کیا تھا۔ قدرت نے مجھے عبرت کا مجسمہ بنا دیا ہے مجھے یقین ہے کہ راحیلہ بھی ایسے ہی عبرتناک انجام کو پہنچی ہوگی۔

Regd. No. D (DN) 145
Registered with the Registrar of News-Paper at R. N. No. 34558/79
CHAHAR RANG Phones : 263422 279712